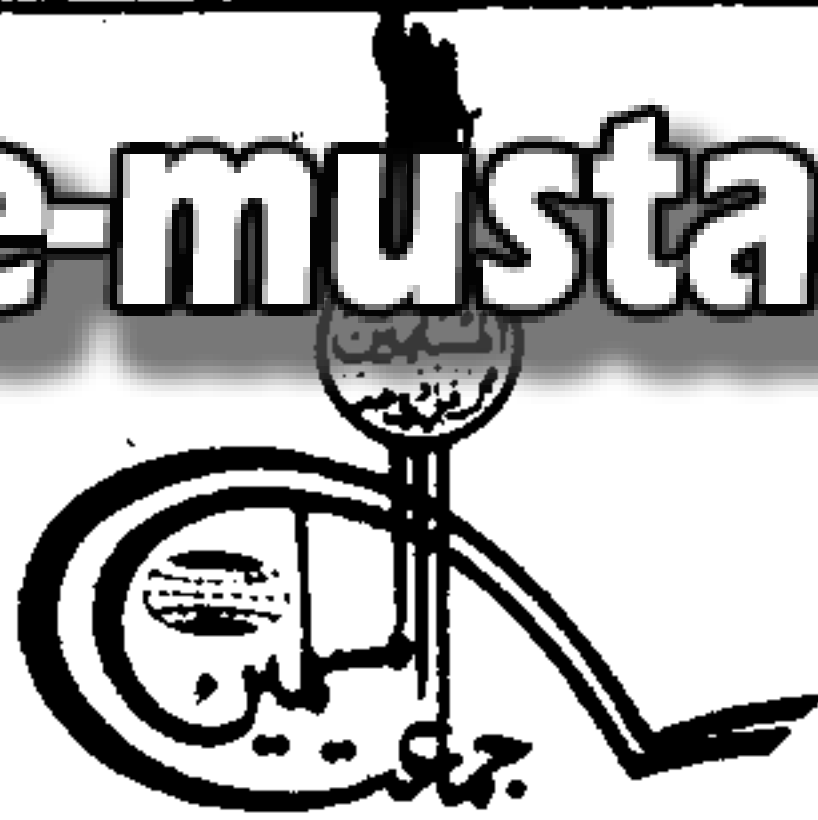


بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

# جماعت المسلمین اپنی دعوت اور تحریک کے آئینہ میں

مرتبہ مسعود احمد امام جماعت المسلمین

[www.sirat-e-mustaqeem.net](http://www.sirat-e-mustaqeem.net)



جماعت المسلمین

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

جُمْلہ حقوق طبع بحق جماعت المسلمین  
رجسٹرڈ (رجسٹریشن نمبر ۲۶۶/۱۹۸۵) محفوظ ہیں۔



ترتیب و پیش کش

محمد صدیق مبین



اشاعت اول - ۱۴۱۶ھ مطابق ۱۹۹۶ء

تعداد \_\_\_\_\_ ایک ہزار

شائع کردہ

ادارہ مطبوعات اسلامیہ

۱۶۲/۲ - حسین آباد فیڈرل بی ایریا، کراچی ۳۸

فون ۶۳۲۴۱۰۴ — ۶۳۲۳۳۶۴

قیمت :- ۱۲۰ روپے



بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

# فہرست

صفحہ نمبر	عنوانات	نمبر شمار
۱۳	حرفِ آغاز . . . . .	۱
۱۷	جماعت المسلمین کا تعارف (سلسلہ اشاعت ۹۲)	۲
۲۳	جماعت المسلمین کی دعوت (سلسلہ اشاعت ۹۰)	۳
۲۹	ہمارے عقائد (سلسلہ اشاعت ۱۲۰)	۴
۳۴	ہمارا حاکم صرف ایک، یعنی اللہ تعالیٰ (سلسلہ اشاعت ۷۷)	۵
	ہمارا امام صرف ایک، یعنی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم	۶
۳۹	(سلسلہ اشاعت ۷۵)	
۴۸	ہمارا دین صرف ایک، یعنی اسلام (۷۶ " " )	۷
۵۵	ہمارا نام صرف ایک، یعنی مسلم (۷۷ " " )	۸
۶۱	ہماری عجت کی بنیاد صرف ایک، یعنی اللہ تعالیٰ (۷۸ " " )	۹
۶۷	ہمارے فخر کا سبب صرف ایک، یعنی ایمان (۷۹ " " )	۱۰
۷۶	دعوتِ حق (سلسلہ اشاعت ۷۱، ۷۲، ۷۳، ۷۴، ۷۵)	۱۱
۹۷	اپنے فرقہ وارانہ ناموں کا ثبوت دیکھئے (سلسلہ اشاعت ۸۷، ۸۸، ۸۹، ۹۰، ۹۱، ۹۲)	۱۲

۱۳	مذاهبِ خمسہ (اہلِ حدیث، حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی اور دینِ اسلام) (سلسلہ اشاعت ۱۰۶)۔ فرض، سنت، واجب اور نفل کی تشریح۔ قرینہ صارفہ فرض کن الفاظ سے شروع ہوتا ہے؟ مذاہبِ خمسہ اور اسلام کا تقابل۔ چند اصول۔ عید کی نماز۔ تحیۃ المسجد۔ عید گاہ میں خوانین کی حاضری۔ اذان کا جواب۔ جمعہ کا غسل۔ نماز میں اللہمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِکَ مِنْ عَذَابِ جَهَنَّمَ ..... کا پڑھنا۔ سورج اور چاند گرہن کی نماز۔ پانی کی طہارت۔ سیدھے ہاتھ سے ابتداء۔ . . . . .
۱۴	۱۴۲ فرقوں سے علیحدگی ضروری ہے۔ . . . . (سلسلہ اشاعت ۹۳)
۱۵	۱۴۴ دعوتِ فکر . . . . . (۱۱۶ " " )
۱۶	۱۴۸ کیا ہمارا کوئی خالق ہے؟ . . . . . (۶۵ " " )
۱۷	۱۵۰ روزِ حساب . . . . . (۶۶ " " )
۱۸	اجتماعیت اور اسلام . . . . . (۱۰۴ " " ) جماعت سے منسلک رہنا فرض ہے۔ جماعت کو چھوڑنا اسلام کو چھوڑنا ہے۔ جنگل میں بھی امیر اور جماعت کا ہونا ضروری ہے۔
۱۹	۱۵۵ وقت کی قربانی . . . . . (سلسلہ اشاعت ۲۸)
۲۰	۱۵۷ رسالت . . . . . (۶۷ " " )
۲۱	ختمِ نبوت کا انکار کفر ہے . . . . . (۱۰۸ " " )
۲۲	۱۵۹ خاتم النبیین کے معنی اور دلائل۔ ختمِ نبوت اور مولوی قاسم نانوتوی۔ انتباہ۔ ترکِ سنت گناہ ہے (سلسلہ اشاعت ۵۲، ۵۳، ۵۴، ۵۶، ۵۷، ۵۸، ۵۹)
۲۳	۱۸۴ عصمتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم . . . . . (سلسلہ اشاعت ۱۲۶)

۲۱۴	جماعت کی اہمیت اور آزادی کی قربانی (سلسلہ اشاعت ۱۲۱)	۲۴
	امیر کی اطاعت . . . . . ( ۱۰۳ )	۲۵
	امیر اور امام کے معنی ۔ بے حکومت امیر کی اطاعت ۔ اعلائے کلمۃ الحق فرض ہے ۔ اعتراضات اور سوالات کے جوابات ۔ معترضین سے چند سوالات ۔	
۲۱۹	طاغوت کے متعلق غلط فہمیاں اور ان کا ازالہ (اشاعت ۱۲۳)	۲۶
۲۲۵	صلح حدیبیہ اور طاغوت ۔ منافقین اور طاغوت ۔ حق کیسے غالب ہوتا ہے ؟ (سلسلہ اشاعت ۱۱۱)	۲۷
۲۵۳	حق کی مثالیں ۔ اہل حق کا کام ۔ کیا حق کو غالب کرنا ضروری نہیں ؟ حق کو کیسے متحرک رکھا جائے ؟ جہاد کی قسمیں ۔ بدعت (اشاعت ۸۷)	۲۸
۲۷۹	بدعت کے لغوی ، شرعی اور اصطلاحی معنی ۔ کیا بدعت کی دو قسمیں ہیں ؟ بدعت شرک و کفر ہے ۔ بدعتی بے ایمان ہوتا ہے ۔ مؤمن کا اس سے کیا سلوک ہونا چاہیئے ؟	
	اصلاح امت اور جماعت المسلمین (سلسلہ اشاعت ۴۹ ، ۵۰ ، ۶۱ ، ۶۲ ، ۶۳ ، ۶۴) ۔ تقلید اور فرقہ واریت تسارع ۔ ترک سنت ۔ احکام کی حیثیت ۔ تحیۃ المسجد ۔ چار قرینے ۔ خواتین کی عید گاہ میں حاضری ۔ پانچ قرینے ۔ آخری قاعدہ میں تعوز ۔ دو قرینے ۔ قول و فعل میں تضاد ۔	۲۹
۲۸۸	مقدمہ صحیح تاریخ الاسلام و المسلمین (سلسلہ اشاعت ۸۵)	۳۰
۳۰۶	تاریخ اور قرآن و حدیث کا تقابل ۔	

۳۱۵	تاریخ پرستی . . (سلسلہ اشاعت ۴۳ ، ۵۹)	۳۱
	فیشن پرستی (سلسلہ اشاعت ۴۴ ، ۴۵ ، ۴۶)	۳۲
۳۲۸	بال - ڈاڑھی - لباس -	
۳۳۵	وطن پرستی . . . . (سلسلہ اشاعت ۴۷)	۳۳
	<u>فتنے اور ان کا سدباب</u>	۳۴
	① <u>فتنے :-</u>	
۳۳۹	قادینیت ، ایک عظیم خطرہ (سلسلہ اشاعت ۱۹)	
۳۴۱	سوشلزم ، ایک دلفریب دھوکہ (سلسلہ اشاعت ۱۱)	
۳۴۲	احادیث کی مخالفت (سلسلہ اشاعت ۱۷)	
۳۴۶	احادیث کے متعلق غلط فہمیاں (سلسلہ اشاعت ۴)	
۳۵۰	ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے تین توریئے (اشاعت ۶)	
۳۵۲	قرآن مجید کے ساتھ استہزاء (سلسلہ اشاعت ۱۶)	
۳۵۶	عیسائی مشنری (سلسلہ اشاعت ۲)	
	② <u>فتنوں کا سدباب :-</u>	
۳۵۸	لمحہ فکریہ . . (سلسلہ اشاعت ۱۵)	
۳۶۰	خدمتِ خلق ( " " ۱۸)	
۳۶۳	وقت کا اہم تقاضا ( " " ۳)	
۳۶۵	دنیوی اور دینی تعلیم کا امتزاج (سلسلہ اشاعت ۱۲)	
۳۶۷	مکمل اسلامی معاشرہ کا قیام ( " " ۳۵)	
۳۶۹	اسلامی معاشرہ کا قیام اور جماعت المسلمین کا تعلیمی منصوبہ (سلسلہ اشاعت ۳۶)	



۳۷۲	جماعت المسلمین کا تعلیمی منصوبہ (سلسلہ اشاعت ۷۷)	
۳۷۳	جماعت المسلمین کا ابتدائی تربیتی منصوبہ (۷۷ " " ۵۱)	
۳۷۴	جماعت المسلمین کے اجتماعات اور ان کی افادیت (۷۷ " " ۳۹)	
۳۷۷	انعامِ حجت (سلسلہ اشاعت ۷۷)	
	<b>متفرق مضامین :-</b>	۳۵
۳۷۹	جمعہ کا خطبہ اور فرقوں کا طرزِ عمل (سلسلہ اشاعت ۷۷)	
۳۸۲	اتحاد . . . . . (۷۷ " " ۱۱)	
۳۸۴	ہماری اولاد . . . . . (۷۷ " " ۲۱)	
۳۸۵	ہماری خواتین . . . . . (۷۷ " " ۲۲)	
۳۸۸	ہمارے گھر . . . . . (۷۷ " " ۲۳)	
۳۸۹	ہمارے اخبار . . . . . (۷۷ " " ۲۴)	
۳۹۱	ہماری کہانی . . . . . (۷۷ " " ۲۵)	
۳۹۲	ہمارا روپیہ کہاں خرچ ہو رہا ہے (۷۷ " " ۲۶)	
۳۹۴	چلن ہمارے ہیں سب وحشیانہ (۷۷ " " ۲۷)	
۳۹۵	مالی قربانی . . . . . (۷۷ " " ۲۹)	
۳۹۷	ہماری شادیاں . . . . . (۷۷ " " ۳۳)	
۴۰۰	ہماری نماز . . . . . (۷۷ " " ۳۷)	
۴۰۲	اکلِ حلال اور ہماری غفلت (۷۷ " " ۴۰)	
۴۰۶	<b>تحفہ عیدین :- تحفہ عید الفطر . . . . . (۷۷ " " ۵۱)</b>	۳۶
۴۰۸	پیامِ عید الفطر . . . . . (۷۷ " " ۱۳۷)	
۴۱۱	عید الفطر کا اثر، اخلاق و کردار پر معاش و معیشت پر (۷۷ " " ۳۲)	

۴۱۲	عید اور ماہِ عید . . . . . (اشاعت ۴۱)	
۴۱۵	عید الفطر کی اہمیت . . . . . (۴۸ " )	
۴۱۷	ہلالِ عید . . . . . (۵۵ " )	
۴۱۹	ہدیہ عید الفطر . . . . . (۶۹ " )	
۴۲۱	عید المسلمین . . . . . (۸۲ " )	
۴۲۲	فَيْشُرْ هَذَنَ جَمَاعَةُ الْمُسْلِمِينَ {خواتین بھی (عید گاہ میں) جماعت المسلمین کے ساتھ حاضر ہوں۔ (اشاعت ۸۷)	
۴۲۶	حقیقتِ قربانی (قربانی پر اعتراضات) (۸۷ " )	
۴۲۸	فلسفہ قربانی . . . . . (۱۴ " )	
۴۳۱	عید الاضحیٰ اور منکرینِ حدیث . . . . . (۳۲ " )	
۴۳۳	مقصدِ قربانی . . . . . (۴۲ " )	
۴۳۵	ہدیہ عید الاضحیٰ . . . . . (۷۱ " )	
۴۳۷	پیامِ عید الاضحیٰ (عید کے اسلامی آداب) (۸۴ " )	
۴۳۹	جانور کو خستی بنانا منع ہے . . . . . (۱۰۱ " )	
۴۴۰	اسلامی نظامِ معیشت کے برکات . . . . . (۹۴ " )	۳۷
۴۴۳	<u>نماز کی اہمیت</u> . . . . . (۸۳ " )	۳۸
	ترکِ نماز کفر ہے ۔ تارکِ صلوٰۃ سے جہاد فرض ہے ۔	
	تارکِ صلوٰۃ قابلِ قتل ہے ۔ نماز کی محافظت کا حکم ۔	
	گنڈے دار نمازی ۔ نمازوں کو ضائع کرنے والوں کا	
	انجام ۔ بعض نمازی دوزخ میں ۔ نماز برائیوں سے بچاتی	
	ہے ۔ نماز اور اوصافِ حمیدہ ۔ نماز صبر و استقامت	
	اور ضبطِ نفس کی تربیت دیتی ہے ۔ نماز کے مزید فوائد ۔	

۴۴۳	نماز اور نظم و ضبط - نماز کا طریقہ فرض ہے - نماز کا طریقہ کماں ملے گا - نماز کے فضائل - نماز کے آداب -	
۴۵۲	نماز اور زینت . . . . . (سلسلہ اشاعت ۶۸)	۳۹
۴۶۱	تحفہ رمضان . . . . . ( " " ۸۱)	۴۰
	<u>ارکانِ جماعت کے لئے ہدایات :-</u> ( " " ۳۸)	۴۱
	اپنی اصلاح ضروری ہے - جماعت کی دعوت - ہدایات اجتماعات - اجتماعات کا مقصد - شعبہ خواتین - تفقہ فی الدین اور نصابِ جماعت - تعلیمی منصوبہ -	
۴۶۳	منصوبہ برائے قیام معاشرہ اسلامیہ - حدیث "تَلَزَمُ جَمَاعَةَ الْمُسْلِمِينَ وَإِمَامَهُمْ" پر اعتراض	۴۲
۴۷۲	اور جواب . . . . . (اشاعت ۱۱۲)	
۴۷۸	اعتراضات اور ان کے جوابات - قسط اول ( " ۱۱۵)	۴۳
	سلیمان صاحب اور ان کا علم ان کی اپنی تحریرات کے آئینہ ہیں . . . . . (اشاعت ۱۰۵)	۴۴
۴۸۳	قرآن مجید سے شہید کے معنی - حاضر ہونے کا ثبوت - <u>الجماعة القديمة بجواب الفرقة الجديدة</u> . . . (اشاعت ۱۱۲)	۴۵
	عبداللہ دامانوی صاحب کی کتاب کا خلاصہ (۱) تائیدی عبارات (۲) الزامات (۳) طنز (۴) تحریف (۵) مضحکہ خیز اور عجیب و غریب (۶) قبیح القاب (۷) صفاتی نام (۸) اقوال الرجال -	
۴۹۱		

۵۲۱	عبداللہ دامانوی صاحب کی علمی تنگ دامانی (اشاعت ۱۲۲)	۴۶
۵۲۸	وقار علی صاحب کا خروج . . . (۱۲۵)	۴۷
۵۳۵	جماعت المسلمین اور اہلحدیث کا بنیادی فرق (۹۵)	۴۸
	اصول - مسلک اور فرقہ داریت - فروق کے ساتھ اختلاط - ائمہ حدیث اور فقہاء - تقلید - فتوے - جماعت المسلمین کی بعض خصوصیات - فرقہ بندی - (صفحہ ۵۰ پر دیکھئے)	
۵۳۵	مذہب اہلحدیث کی حقیقت . . . (سلسلہ اشاعت ۹۷)	۴۹
۵۴۳	جماعت المسلمین کے متعلق غلط فہمیاں اور ان کا ازالہ . . . (۹۹)	۵۰
۵۵۵	الجماعۃ (اس اشاعت کا کوئی نمبر نہیں ہے، اس کی فرست مضمون کے ساتھ منسلک ہے)	۵۱
۵۷۱	مولانا . . . (۸۶)	۵۲
۵۷۱	(کیا اس لفظ کا استعمال غیر اللہ کے لئے جائز ہے؟)	
۶۴۷		



۶۵۰	۵۳	شریعتِ بلِ اسلام کے مطابق نہیں . . . (اشاعت ۱۰۷)
		قانون سازی - فرقہ بندی ایک قسم کا شرک -
		فرقے اور اسلام - سنت کی تعریف - اجماعِ اُمت -
		فقہائے اسلام کی آراء - اصولِ کرخی -
۶۵۰		اسلامی حکومت کیسے قائم ہوگی ؟
۶۶۷	۵۴	تبلیغی جماعت اپنے نصاب کے آئینہ میں (اشاعت ۱۰۲)
۶۸۶	۵۵	عذابِ قبر کہاں ہوتا ہے ؟ . . . (اشاعت ۱۱۷، ۱۱۸، ۱۱۹)
	۵۶	ایک مجلس کی تین طلاقیں ایک شمار ہوتی ہیں
۷۲۳		(تین طلاقیں) . . . . . (۱۱۸ " )
۷۵۱	۵۷	امام کے دو سکتے . . . . . (۱۲۲ " )
۷۵۱	۵۸	سجدوں میں رفعِ یدین ثابت نہیں . . . (۱۰۹ " )
۷۶۳	۵۹	ادارہ مطبوعاتِ اسلامیہ . . . . . (۱۱۳ " )
۷۷۴	۶۰	حرفِ آخر ؟ . . . . .

# التاس

نوٹ :- ① اس مجموعے میں ”مفتدی کی قرأت فاتحہ اور امام کے سکناات“ اشاعت نمبر ۷ کو شامل نہیں کیا گیا۔ ”امام کے دوست“ اس کا نیا اور نعم البدل ایڈیشن ہے، نیز اس سلسلے کا ایک مضمون ”صلوۃ المسلمین“ میں بھی شامل ہے۔

نوٹ :- ② اس مجموعے میں ”ذہن پرستی“ اشاعت نمبر ۹۶، ۹۷ اور ۹۸ بھی شامل نہیں کئے گئے۔ اب اس نام کی ایک مکمل کتاب وجود میں آچکی ہے۔ یہ مضامین اسی کتاب میں شامل ہیں۔ ان کی جگہ اس مجموعے میں ”الجماعۃ“ کو شامل کیا گیا ہے جس پر کوئی اشاعت نمبر نہیں۔ اس مضمون کی اہمیت کے پیش نظر اس کو اس مجموعے میں شامل کرنا ضروری سمجھا گیا۔

نوٹ :- ③ اس مجموعے میں تین مضامین کے علاوہ تمام مضامین مسعود احمد صاحب کے تخریر کردہ ہیں جو بیس سال کے دوران وقتی ضرورت کے تحت تخریر کئے گئے تھے۔ ارکان جماعت کی یہ شدید تمنا تھی کہ ان مضامین کا ایک مجموعہ تیار کیا جائے۔ الحمد للہ! اس مجموعہ کو تیار کرنے اور اس کی اشاعت کا شرف اس ناچیز کو حاصل ہوا ہے۔

محمد صدیق مبین

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

## حرف آغاز (فروق میں اسلام نہیں)

فِطری ردِ عمل | اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل شدہ دین کا ایک خاص مزاج ہوتا ہے اور ایک خاص قسم کی روح اس میں سرایت ہوتی ہے۔ اس روح اور مزاج کی رعایت کے بغیر اس دین کے ذریعہ نہ معاشرے کی حفاظت ہو سکتی ہے اور نہ مقصد حاصل ہو سکتا ہے جس کے پیش نظر یہ دین نازل کیا گیا تھا۔

جب اللہ تعالیٰ کے دین میں ملاوٹ ہو جاتی ہے اور اس ملاوٹ کو دین سمجھ لیا جاتا ہے تو اصل دین سے غفلت برتی جاتی ہے حالانکہ لوگوں کو اس کا علم بھی ہوتا ہے پھر دین موثر ہونے کے بجائے خود متاثر ہونے لگتا ہے، اس کی حیثیت ایک رسم محض کی رہ جاتی ہے اور وہ خاص قسم کی روح اور مزاج رفتہ رفتہ ختم ہوتا چلا جاتا ہے اور پھر دین کے ذریعہ فروغ پانے والی ساری افادی صلاحیتیں ختم ہو جاتی ہیں۔

اس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ دین مذاہب اور فرقوں میں تقسیم ہو جاتا ہے، پھر مذہب خود مذہب کا دشمن بنتا ہے اور فرقہ داریت اور گروہ بندی زور پکڑتی چلی جاتی ہے، اصل دین اپنی بقا کے لئے ان مذاہب اور فرقوں سے نبرد آزما ہوتی پر مجبور ہو جاتا ہے یہ قانونِ فطرت ہے کہ اصل دین کبھی ختم نہیں ہوتا، انبیاءِ کرام کا سلسلہ جاری رکھنے کی یہی وجہ تھی۔ اب چونکہ کسی نبی کو نہیں آنا اور قانونِ فطرت کے مطابق دین کو قیامت تک زندہ رہنا ہے اس لئے یہ بات طے شدہ ثابت ہوئی کہ اللہ تعالیٰ اپنے دین کو کسی نہ کسی ذریعہ سے قائم رکھنا چاہتا ہے اور یہی وجہ تھی کہ ماضی میں جب مذاہب پرستی اور فرقہ داریت نے زور پکڑا تو اللہ تعالیٰ نے ایک چھوٹی جماعت یا چند افراد کے ذریعہ اپنے دین کی حفاظت فرمائی۔ موجودہ حالت اس بات کا تقاضا کرتی ہے کہ اللہ تعالیٰ پھر اپنے دین کی حفاظت فرمائے گا۔

**طبقاتی کشمکش** | ہمارے ملک میں قابل ذکر چار بڑے طبقے پائے جاتے ہیں جو چھوٹے چھوٹے گروہ اور جماعتوں میں بٹے ہوئے ہیں اور وہ بھی فکری یگانگت کے باوجود باہم برسرِ پیکار ہیں۔

① ایک طبقہ ایسا ہے جو اسلامی قانون کی لچک اور ارتقائی صلاحیت کا کوئی اندازہ نہیں رکھتا، بس ایک محدود صورت میں خود ساختہ جزئیات و فروع اس کے سامنے ہیں اور انہیں کی حد تک وہ کل اسلام کی نمائندگی کا دعوے دار ہے۔ یہ طبقہ تقلید کو واجب سمجھتا ہے، علماء پرستی میں مبتلا ہے اور انہیں کے اقوال کو اپنے عقائد و اعمال میں معیار بلکہ سند سمجھتا ہے۔ قرآن و حدیث کے دلائل اس کے نزدیک کوئی وقعت نہیں رکھتے۔ الغرض، یہ طبقہ اس قولِ بلا دلیل کو جزوِ ایمان سمجھتا ہے کہ علامہ نسفی پر اجتہاد کا دروازہ بند ہو گیا۔

② اس کے مقابل ایک دوسرا طبقہ ہے۔ اس کی نظر میں ماضی کی عظیم الشان روایات فرسودہ اور بے کار ہو چکی ہیں۔ یہ طبقہ مثل شتر بے مہار کے باوجود اس کا ہر فرد اپنے حلقہ کی ذہنی رہنمائی کرتا ہے۔ دراصل یہ ایک ذہنیت ہے جو نامعلوم رفتار سے پروان چڑھ رہی ہے۔ اس ذہنیت کا ایک مخصوص نام ہے جس کو یہ لینا پسند نہیں کرتے، اس لئے جیسا دیں ویسا بھیس والی مثال پر کاربند ہیں۔ شعوری طور پر ان کا کسی فرقے سے تعلق نہیں ہوتا لیکن پھر بھی وہ عملاً کسی فرقے سے وابستہ رہتے ہیں۔ ان کے ذہنی ناخون بہت تیز ہوتے ہیں اس لئے ہر چیز کو کریدتے رہتے ہیں، ان میں طاقت کا مادہ بہت کم ہوتا ہے اس لئے اپنی خود مختاری میں سرگرداں رہتے ہیں۔ ان کو کبھی معلوم ہوتا ہے کہ ان کی کوئی منزل نہیں، اس لئے اپنی خود سری میں مست رہتے ہیں۔ یہ کسی جماعت میں شامل ہو بھی جائیں تو فتنہ انگیزی کرتے رہتے ہیں۔ یہ حدیث کو نہیں ملتے لیکن قرآن کو نہ مانیں تو ان کو مسلمان کون کہے گا۔ مطلب یہ کہ وہ مسلمانوں میں رہنا چاہتے ہیں۔

ان میں کچھ دقیانوسی قسم کے لوگ بھی ہیں جو ہر صحیح حدیث کو ملنے کا پُر زور



دعویٰ کرتے رہتے ہیں لیکن تاریخی روایات اور فنِ رجال کی روشنی میں صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی روایات کو بھی ضعیف اور موضوع ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ دراصل یہی وہ لوگ ہیں جو اس طبقہ کو ذہنی اور فکری غذا فراہم کرتے ہیں لیکن پھر بھی رہنمائی کا دعویٰ نہیں کرتے، بس خاموشی سے اپنا فریضہ انجام دیتے ہیں اور فتنہ برپا کرتے رہتے ہیں لیکن سمجھتے یہ ہیں کہ وہ اصلاح کر رہے ہیں۔

③ ان دونوں کے درمیان ایک اور طبقہ ہے جو قرونِ اولیٰ کے ائمہ کی تقلید کو تو حرام بلکہ شرک سمجھتا ہے لیکن ماضی قریب یا دور حاضر کے علماء کے فتوؤں اور قیاس پر بے دلیل اور بلاتامل عمل کرتا ہے۔ اس پر طرفہ تماشہ یہ کہ ان علماء کی تقلید کو تقلید نہیں سمجھتا گو دعویٰ غیر مقلد ہونے کا کرتا ہے۔ کتنی حیرت کی بات ہے کہ اگر اس کے سامنے کسی امام کا فتویٰ پیش کیا جائے تو اس کے ثبوت میں حدیث کا مطالبہ کرتا ہے لیکن اپنے علماء کے فتوؤں کو بے دلیل تسلیم کر لیتا ہے۔ کتابِ سنت کا نام ہر وقت زبان پر ہے لیکن ترکِ سنت کو جائز سمجھتا ہے، گویا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قول و فعل میں تضاد تسلیم کرتا ہے اور ان کی اطاعت کو فرض، واجب یا سنت نہیں بلکہ نفل سمجھتا ہے اور قیاس کو بھی حجتِ شرعیہ سمجھتا ہے گویا کہ دین کامل نہیں ہے۔

④ ان تینوں سے ذرا ہٹ کر ایک اور طبقہ بھی ہے جو واقعی کچھ کرنے کا خواہشمند ہے۔ اگر اس کی خواہشوں کو جرأت مندانہ رہنمائی میسر آجائے تو اس سے بڑی توقعات وابستہ ہو سکتی ہیں۔ دراصل یہی طبقہ مسلم معاشرہ کی علامت ہے لیکن افسوس! اس طبقہ کو ابھی تک اس کی خواہشوں کے مطابق رہنمائی میسر نہیں آئی اور لاشعوری طور پر مجبور ہو کر اس نے اپنے کو ایسے رہنماؤں کے حوالے کر دیا ہے جو اسلام کی خود ساختہ تعبیر کے امراض میں مبتلا ہیں۔ جتنے رہنما ہیں اتنی ہی تعبیریں ہیں اور اس طرح ان کی بھی کئی جماعتیں ہیں۔ اس طبقہ کو جو رہنما میسر ہیں وہ شعوری طور پر اپنے کو مجددِ اور مجتہد سمجھتے ہیں گو عملاً وہ تقلید کے مرض میں مبتلا ہیں اور تقلید کو واجب ہی سمجھتے ہیں۔

المختصر، یہ چاروں طبقات مختلف قسم کے ذہنی امراض میں مبتلا ہیں اور اپنے مرض کو ہی اسلام سمجھتے ہیں۔  
ہم ان چاروں طبقات کے امراض کو پیش نظر رکھ کر اپنے تبلیغی سفر کا آغاز کرتے ہیں :-

محمد صدیق مبین

ناظم

ادارہ مطبوعات اسلامیہ

یکم رمضان ۱۴۱۶ھ

www.sirat-e-mustaqeem.net



# جماعت المسلمین کا تعارف

① جماعت المسلمین ہی وہ واحد جماعت ہے جس نے اللہ تعالیٰ کا رکھا ہوا نام نہیں بدلا۔ اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں کا نام مسلم رکھا تھا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: **هُوَ يَسْمِيْكُمْ الْمُسْلِمِيْنَ** (الحج - ۷۸) (اے ایمان والو) اللہ نے تمہارا نام مسلمین رکھا ہے۔ جماعت المسلمین کا ہر فرد اپنے کو صرف مسلم ہی کہتا ہے کسی فرقہ وارانہ نام سے اپنے کو موسوم نہیں کرتا۔

② مسلمین کی جماعت کا نام اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے جماعت المسلمین رکھا تھا۔ مسلمین نے اپنی جماعت کا نام بھی نہیں بدلا۔ مسلمین کی جماعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے رکھے ہوئے نام "جماعت المسلمین" ہی سے موسوم ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان خواتین کو بھی جو نماز پڑھ سکیں عید گاہ میں حاضر ہونے کا حکم دیا تھا۔ آپ نے فرمایا تھا:۔۔۔

**فَيَشْهَدْنَ جَمَاعَةَ الْمُسْلِمِيْنَ** (صحیح بخاری کتاب العیدین)

وہ خواتین بھی (جو نماز پڑھ سکیں) جماعت المسلمین کے ساتھ (عید گاہ میں) حاضر ہوں۔

③ جماعت المسلمین ہی وہ واحد جماعت ہے جو احکام الہی، احکام رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور سنن رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کو وہی درجہ دیتی ہے جو ان کا حق ہے۔

حضرت ام عطیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں:۔۔۔

**كُنَّا نَوْمِرُ أَنْ نَخْرُجَ يَوْمَ** ہمیں حکم دیا جاتا تھا کہ ہم عید کے

الْعِيدِ حَتَّى تُخْرِجَ الْبُكَرَ  
مِنْ خُدْرِهَا حَتَّى تُخْرِجَ  
الْحَيْضَ فَيَكُنَّ خَلْفَ النَّاسِ  
فَيُكَبِّرُونَ بِتَكْبِيرِهِمْ وَ  
يَدْعُونَ بِدُعَائِهِمْ  
يَرْجُونَ بَرَكَةَ ذَلِكَ الْيَوْمِ  
وَطَهْرَتَهُ  
(صحیح بخاری کتاب العیدین)

روز (گھر سے) نکلیں (عید گاہ جائیں)  
حتیٰ (کہ ہمیں یہ بھی حکم دیا جاتا تھا) کہ  
ہم کنواری لڑکی کو بھی اس کے پردہ سے  
باہر نکال کر عید گاہ لائیں حتیٰ کہ ان خواتین  
کو بھی لائیں جو اذیت ماہانہ میں ہوں، وہ  
لوگوں کے پیچھے رہیں (نماز نہ پڑھیں لیکن)  
ان کی تکبیروں کے ساتھ تکبیریں کرتی رہیں،  
ان کی دعا کے ساتھ دعا مانگیں اور عید  
کے دن کی (خیر و) برکت اور اس کی پاکی  
(یعنی مغفرت) کی امیدوار رہیں۔

دوسری حدیث کے الفاظ یہ ہیں :-

أَمَرَنَا نَبِيُّنَا صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ  
وَسَلَّمَ بِأَنْ تُخْرِجَ الْعَوَاتِقَ  
وَذَوَاتِ الْخُدُورِ (صحیح  
بخاری کتاب العیدین)  
ہمیں ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم  
نے حکم دیا کہ ہم جوان عورتوں کو اور  
ان کنواری لڑکیوں کو جو گھر کے اندر  
پردے کے پیچھے بیٹھی رہتی ہیں نکالیں  
(اور عید گاہ لائیں)۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں کو عید گاہ میں حاضر ہونے کا حکم  
دیا۔ جماعت المسلمین اس حکم کو حکم ہی سمجھتی ہے اور اس کی تعمیل کو فرض سمجھتی  
ہے۔ جماعت المسلمین کے علاوہ کسی نے اس کو فرض قرار نہیں دیا۔ کسی نے نفل قرار  
دیا اور کسی نے مکروہ قرار دیا۔

(۴) جماعت المسلمین ہی وہ جماعت ہے جس کے پاس خالص دین ہے۔ اس  
میں کسی کے فتوے، اجتہاد، رائے اور قیاس کی آمیزش قطعاً نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ  
نے فرمایا ہے :-

أَلَا لِلَّهِ الدِّينُ الْخَالِصُ (الزمر-۳) خبردار ہو جاؤ اللہ کا تو دین خالص ہے۔



ایک اور مقام پر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :-

إِنَّ الْمُنَافِقِينَ فِي الدَّرَجَةِ  
الْأَسْفَلِ مِنَ النَّارِ، وَلَنْ  
تَجِدَ لَهُمْ نَصِيرًا ۝ إِلَّا الَّذِينَ  
تَابُوا وَاصْلَحُوا وَاعْتَصَمُوا  
بِاللَّهِ وَأَخْلَصُوا دِينَهُمْ  
لِلَّهِ فَأُولَٰئِكَ مَعَ الْمُؤْمِنِينَ  
وَسَوْفَ يُؤْتِي اللَّهُ الْمُؤْمِنِينَ  
أَجْرًا عَظِيمًا ۝

(النساء - ۱۴۵ و ۱۴۶)

بے شک منافقین دوزخ کے سب  
سے نیچے کے طبقہ میں ہوں گے اور  
(اے رسول) آپ ان کے لئے ہرگز  
کوئی مددگار نہ پائیں گے مگر وہ لوگ  
جو توبہ کر لیں، (اپنی) اصلاح کر لیں،  
اللہ کو (یعنی اللہ کے دین کو) مضبوطی  
سے پکڑ لیں اور اپنے دین کو اللہ کے  
لئے خالص کر لیں وہ مؤمنین کے ساتھ  
ہوں گے اور اللہ عنقریب مؤمنین کو  
اجر عظیم عطا فرمائے گا۔

مندرجہ بالا دونوں آیتوں کا خلاصہ یہ ہے کہ دین کو اللہ تعالیٰ کے لئے  
خالص رکھے۔ اس میں کسی کے قول و فعل یا رائے کی آمیزش نہ کرے۔  
یہ صرف جماعت المسلمین ہی کی خصوصیت ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے دین  
میں کسی قسم کی آمیزش نہیں کرتی۔ وہ صرف قرآن مجید اور احادیث نبوی ہی کو دین  
سمجھتی ہے۔ جماعت المسلمین کے علاوہ تمام جماعتوں اور فرقوں نے اللہ تعالیٰ  
کے دین میں علماء کے اقوال اور فتوؤں کو شامل کر لیا ہے۔ ہر جماعت اور فرقے  
کے ہاں فتوؤں کی کتابیں موجود ہیں۔ ان کتابوں کا وجود اس بات کا کھلا ثبوت  
ہے کہ انہوں نے دین کو اللہ تعالیٰ کے لئے خالص نہیں رکھا۔

⑤ جماعت المسلمین ہی وہ جماعت ہے جو کہتی ہے کہ جو کچھ ہمارے پاس  
ہے اس کا انکار کفر ہے۔ دوسری کوئی جماعت نہیں کہتی اور نہ کوئی فرقہ دعوے  
کرتا ہے کہ جو کچھ اس کے پاس ہے اس کا انکار کفر ہے۔ مثلاً احناف نہیں کہتے  
کہ جو ہماری فقہ یا ہمارے مذہب کا انکار کرے وہ کفر کا مرتکب ہے۔ اہل حدیث بھی نہیں کہتے  
کہ ان کے مذہب کا انکار کفر ہے لیکن یہ سب مانتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اسلام کا انکار

کفر ہے۔ اس کے صاف اور صریح معنی یہ ہیں کہ اسلام میں اور ان کے مذاہب میں فرق ہے۔ اگر ان کے مذاہب بھی عین اسلام ہوتے تو وہ ضرور کہتے کہ جو کچھ ہمارے پاس ہے اس کا انکار کفر ہے کیونکہ جماعت المسلمین کے پاس صرف اسلام اور خالص اسلام ہے لہذا جماعت المسلمین ببالغ دہل کہتی ہے کہ جو کچھ ہمارے پاس ہے اس کا انکار کفر ہے۔

⑥ جماعت المسلمین ہی وہ واحد جماعت ہے جس سے چمٹنے کا حکم دیا گیا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں :-

تَلْزَمُ جَمَاعَةَ الْمُسْلِمِينَ جَمَاعَتِ الْمُسْلِمِينَ اور ان کے امیر سے  
وَإِمَامَهُمْ (صحیح بخاری کتاب چمٹے رہنا۔

الفتن و صحیح مسلم کتاب الامارۃ)

جماعت المسلمین کے علاوہ کسی جماعت یا فرقے سے چمٹنے کا حکم نہیں دیا گیا۔

⑦ کیونکہ جماعت المسلمین سے چمٹنے کا حکم دیا گیا ہے لہذا اس کو چھوڑنا

کسی حالت میں جائز نہیں۔ جماعت المسلمین ہی ہے جو کہتی ہے کہ جماعت المسلمین کو چھوڑنا جاہلیت کی موت کو دعوت دینا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں :-

مَنْ رَأَى مِنْ أَمِيرٍ شَيْئًا يَكْرَهُهُ فَلْيُصْبِرْ عَلَيْهِ فَإِنَّهُ مَنْ فَارَقَ الْجَمَاعَةَ شَبْرًا فَمَاتَ إِلَّا مَاتَ مَيْتَةً جَاهِلِيَّةً (صحیح بخاری کتاب الفتن و صحیح مسلم کتاب الامارۃ)

جو شخص اپنے امیر کی کوئی ایسی بات دیکھے جو اسے ناپسند ہو تو اسے چاہیے کہ اس پر صبر کرے اس لئے کہ جو شخص جماعت سے بالشت بھر بھی علیحدہ ہوا اور (اسی حالت میں) مر گیا تو اس کی موت جاہلیت کی موت ہوگی۔

جماعت المسلمین کے علاوہ کوئی جماعت نہیں کہتی نہ کوئی فرقہ دعویٰ کرتا ہے کہ اس کو چھوڑنا جاہلیت کی موت کو دعوت دینا ہے۔

⑧ جماعت المسلمین ہی وہ جماعت ہے جو کہتی ہے کہ جماعت المسلمین

کو چھوڑنا اسلام کو چھوڑنا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں :-  
 مَنْ فَارَقَ الْجَمَاعَةَ قِيدَ شِبْرٍ فَقَدْ خَلَعَ رِبْقَةَ الْإِسْلَامِ مِنْ عُنُقِهِ إِلَّا أَنْ يُرَاجَعَ (رواہ الترمذی فی البیۃ الامثال و صحیح)  
 جو شخص جماعت سے بالشت بھر بھی علیحدہ ہوا اس نے اسلام کی رتی کو اپنی گردن سے علیحدہ کر دیا سوائے اس صورت کے کہ وہ (جماعت کی طرف) واپس لوٹے۔

کوئی جماعت نہیں کہتی اور نہ کوئی فرقہ دعویٰ کرتا ہے کہ اس کو چھوڑنا اسلام کو چھوڑنا ہے۔

⑨ جماعت المسلمین ہی وہ واحد جماعت ہے جو امیر کو وہ حیثیت دیتی ہے جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو دی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں :-

مَنْ خَرَجَ مِنَ الطَّاعَةِ وَفَارَقَ الْجَمَاعَةَ ثُمَّ مَاتَ مَاتَ مِيتَةً جَاهِلِيَّةً (صحیح مسلم کتاب الامارۃ)  
 جو شخص امیر کی اطاعت سے باہر ہو گیا اور جماعت چھوڑ دی پھر (اسی حالت میں) مر گیا تو وہ جاہلیت کی موت مرا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں :-  
 السَّمْعُ وَالطَّاعَةُ عَلَى الْمَرْءِ الْمُسْلِمِ فِيمَا أَحَبَّ أَوْ كَرِهَ مَا لَمْ يُؤْمَرْ بِمَعْصِيَةٍ (صحیح بخاری کتاب الاحکام و صحیح مسلم کتاب الامارۃ)  
 مسلم آدمی پر (امیر کا حکم) سننا اور اطاعت کرنا لازمی ہے خواہ اسے وہ (حکم) پسند ہو یا ناپسند بشرطیکہ کہ گناہ کا حکم نہ دیا جائے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں :-  
 عَلَيْكَ السَّمْعُ وَالطَّاعَةُ فِي عُسْرِكَ وَيُسْرِكَ وَمَنْشَطِكَ وَمَكْرَهِكَ وَاتِّخَارِكَ  
 تم پر (امیر کا) حکم سننا اور (اسکی) اطاعت کرنا لازم ہے، تمہاری تنگی میں بھی اور تمہاری آسانی میں بھی، تمہاری خوشی میں



(صحیح مسلم کتاب الامارۃ)

بھی اور تمہاری ناخوشی میں بھی اور (غیر  
مستحق کو) تم پر ترجیح دی جانے کی  
صورت میں بھی۔

جماعت المسلمین امیر کی اطاعت کو فرض سمجھتی ہے۔ امیر کی نافرمانی گویا جماعت  
کو چھوڑنا ہے اور جماعت کو چھوڑنا جاہلیت کی موت کو دعوت دینا ہے یعنی  
اسلام کو چھوڑنا ہے۔ کوئی جماعت یا فرقہ ایسا نہیں جو امیر کی اطاعت کو ایسی  
اہمیت دیتا ہو۔

(۱۰) جماعت المسلمین امیر کی اطاعت اور وفاداری کی علامت کے طور  
پر امیر کے ہاتھ پر بیعت کرنے کو لازم سمجھتی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم  
فرماتے ہیں :-

مَنْ خَلَعَ يَدًا مِنْ طَاعَةِ لِقَى  
اللَّهِ يَوْمَ الْقِيَمَةِ لَا حُجَّةَ  
لَهُ وَمَنْ مَاتَ وَلَيْسَ فِي  
عُنُقِهِ بَيْعَةٌ مَاتَ مِيتَةً  
جَاهِلِيَّةً (صحیح مسلم کتاب  
الامارۃ)

جس شخص نے (امیر کی) اطاعت سے  
ہاتھ کھینچ لیا تو وہ قیامت کے دن اللہ  
تعالیٰ سے ایسی حالت میں ملے گا کہ اس  
کے پاس (اپنی نجات کے لئے) کوئی  
حجت نہیں ہوگی اور جو شخص اس حالت  
میں مرے کہ اس کی گردن میں (امیر کی)  
بیعت نہ ہو تو وہ جاہلیت کی موت  
مرے گا۔

جماعت المسلمین ہی وہ جماعت ہے جو کہتی ہے کہ جو شخص امیر کی  
بیعت نہ کرے اس کی موت جاہلیت کی موت ہوگی۔ دوسری جماعتوں یا فرقوں  
میں اَلَا مَا شَاءَ اللہ امیر کی بیعت کو یہ اہمیت حاصل نہیں۔

یہ بیعت پیری مریدی کی بیعت نہیں ہے۔ یہ بیعت مراقبہ، خلد کشتی، ہزارہ تسبیح  
پڑھنے اور ضربیں لگانے کی بیعت نہیں ہے۔ یہ بیعت دنیا کے چپے چپے پر اللہ تعالیٰ  
کا کلمہ بلند کرنے کی بیعت ہے۔

① تمام دنیا میں اعلائے کلمۃ اللہ اور اسلام کی سربلندی جماعت کا اہم ترین مقصد اور نصب العین ہے۔ فرقہ بندی کا استیصال بھی جماعت کے اہم مقاصد میں سے ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

سلسلہ اشاعت نمبر ۹

## جماعت المسلمین کی دعوت

جماعت المسلمین کی دعوت اسلام کی دعوت ہے۔ جماعت المسلمین کا تعلق کسی فرقہ سے نہیں اور نہ جماعت المسلمین کا کسی فرقہ وارانہ مذہب سے کوئی تعلق ہے۔ جماعت المسلمین کا نہ کوئی مکتبہ فکر ہے اور نہ کوئی مسلک۔ جماعت المسلمین کا منہاج دین ہے اور وہ دین اسلام ہے۔

جماعت المسلمین میں فرقہ وارانہ مذاہب کے ماننے والے نہیں پائے جاتے یعنی جماعت المسلمین فرقوں کا معجون مرکب نہیں ہے۔ جماعت المسلمین میں جو شخص بھی داخل ہوتا ہے وہ صرف مسلم ہوتا ہے۔ وہ صرف قرآن مجید اور احادیث صحیحہ کے احکام کا پابند اور توحید و سنت کی راہ پر گامزن ہوتا ہے۔

جماعت المسلمین کے مقاصد وہی ہیں جو اسلام کے مقاصد ہیں یعنی اعلائے کلمۃ الحق، شرک و بدعت کا استیصال، فرقوں کے وجود کو ختم کرنا، طبقات، قوم، وطن، زبان اور صوبہ و اریٹ کے بتوں کو توڑ کر پھینک دینا، آپس میں ایک دوسرے سے صرف اللہ ذوالجلال والاکرام کے لئے محبت کرنا وغیرہ وغیرہ۔

جماعت المسلمین جن اہم اور بنیادی نکات کی طرف دعوت دیتی ہے وہ مختصراً درج ذیل ہیں :-

## ① ہمارا حاکم صرف ایک یعنی اللہ تعالیٰ

حاکم سے مراد وہ حاکم ہے جس کی حکومت ازلی وابدی ہو، جس کی اطاعت لامحدود اور غیر مشروط ہو، جو قانون ساز ہو، جس کا قانون کامل ہو، جس کی عبادت اور اطاعت تخلیق کا مقصد ہو، حلال و حرام کرنا جس کا حق ہو، جس کی رضا کا حصول اعمال صالحہ کا مقصد ہو، جس سے تعلق آپس کی محبت کی بنیاد ہو وغیرہ وغیرہ۔  
آئیے ہم سب ایک اللہ کو حاکم مانیں اور ایک ہو جائیں۔

## ② ہمارا امام صرف ایک یعنی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

امام سے مراد وہ امام نہیں جو نماز پڑھاتا ہو، امام سے مراد وہ امام نہیں جو کسی فن میں مہارت رکھنے کی وجہ سے اُس فن میں امام کہلاتا ہو، امام سے مراد وہ امام نہیں جو امیر یا حکمراں ہو، امام سے مراد وہ امام بھی نہیں جو کسی نیکی یا تقویٰ میں پہل کرنے کی وجہ سے دوسروں کے لئے پیش رو بن جائے،

بلکہ

امام سے مراد وہ امام ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے منصب امامت پر مقرر فرمایا ہو، جس کی اطاعت کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہو، جس کی اطاعت اللہ تعالیٰ کی اطاعت ہو، جس کا ہر حکم واجب الاتباع ہو، جس کا ہر جملہ ضابطہ حیات کا جزو لا ینفک ہو، جس کی حدیث قرآن مجید کی



واحد مستند تفسیر ہو، جس کا عمل اسوۂ حسنہ ہو، جس کی پیروی فرض ہو، جس کی امامت دائمی ہو، جس کی ہر دینی بات وحی ہو، جو معصوم ہو اور جس سے دینی بات میں غلطی کا صدور ناممکن ہو، جس کو اپنے تمام اختلافات میں حکم ماننا واجب ہو، جس کے فیصلہ کو بے چوں و چرا تسلیم کرنا تقاضائے ایمان ہو، جس کے فیصلہ کو بے چوں و چرا اور خوش دلی سے تسلیم نہ کرنا کفر ہو، دینی معاملات میں جس کا فیصلہ آخری سند ہو، جس کی اطاعت و پیروی سے ہدایت ملتی ہو، جس کی پیروی سے ولایت ملتی ہو، جو مز کی اور معلم کتاب و حکمت بنا کر بھیجا گیا ہو، جس کے قول و فعل کی مخالفت فتنہ عظیم اور عذاب الیم کی موجب ہو، جو صراط مستقیم پر قائم ہو اور صراط مستقیم کی دعوت دیتا ہو، جو سراج منیر یعنی روشن چراغ ہو جس کی روشنی سے ضلالت کی تاریکیاں معدوم ہو جاتی ہوں، جو صرف اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہو اور تبلیغ حق میں نڈر اور دلیر ہو، جو تقیہ کر کے حق پر پردے نہ ڈالتا ہو، جو قصر نبوت کی آخری اینٹ اور سلسلہ انبیاء کی آخری کڑی ہو، جس کے بعد قیامت تک کسی کا نبی بننا ناممکن ہو، جس کی گھر پلو زندگی اور بیرونی زندگی ایک کھلی کتاب ہو، جو ہر شعبہ زندگی میں مشعل راہ ہو، جس کی اتباع مقصد ہو اور جس کے لئے ان تمام خصوصیات پر قرآنی شہادت و سند موجود ہو۔

آئیے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو واحد واجب الاتباع امام مان کر ہم سب ایک ہو جائیں۔

### ③ ہمارا دین صرف ایک یعنی اسلام

اللہ تعالیٰ ہمارا حاکم ہے، ہمارا بادشاہ ہے، عبادت و اطاعت

صرف اس کا حق ہے۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے امام ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی اطاعت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے لئے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم واحد ذریعہ اور واسطہ ہیں، جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرتا ہے وہ اللہ تعالیٰ ہی کی اطاعت کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ جو قانون، جو ضابطہ حیات ہمارے لئے بھیجا ہے اُسے دین کہتے ہیں اور اس دین کا نام اسلام ہے۔

جو شخص اسلام کے علاوہ کسی اور قانون یا ضابطہ کی پیروی کرتا ہے تو وہ قانون یا ضابطہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک مقبول نہیں۔

اسلام ایک کامل دین اور مکمل ضابطہ حیات ہے۔ دین اسلام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں کامل ہو گیا تھا۔ کامل چیز میں مزید کوئی چیز شامل نہیں ہو سکتی لہذا فتووں کے لئے اس دین میں کوئی گنجائش نہیں۔

دین اسلام اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوا تھا، اللہ تعالیٰ نے ہمیں منزل من اللہ کی پیروی کا حکم دیا تھا۔ مذاہب بعد میں بنے لہذا ان کی پیروی اسلام نہیں، کچھ اور ہے۔ فرقہ بندی کو ختم کرنے کے لئے فرقہ وارانہ مذاہب کو ختم کرنا ہوگا

آئیے ہم سب مل کر صرف منزل من اللہ دین اسلام (یعنی قرآن و حدیث) کی پیروی کریں اور ایک ہو جائیں۔

## ④ ہمارا نام صرف ایک یعنی مسلم

تمام ایمان والوں کا نام صرف ایک ہے اور وہ مسلم ہے۔ یہ



نام اللہ تعالیٰ نے رکھا ہے۔ اس نام کے ہوتے ہوئے دوسرے نام رکھنا فرقہ واریت کو جنم دینا ہے۔  
 گذشتہ امتوں میں بھی ایمان والوں کا یہی نام تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں صرف یہی ایک نام تھا۔  
 آئیے ہم سب اپنا نام مسلم رکھ کر ایک ہو جائیں اور فرقہ بندی کو ختم کر دیں۔

### ⑤ ہماری محبت کی بنیاد صرف ایک یعنی اللہ تعالیٰ

محبت کی بنیادیں مختلف ہوا کرتی ہیں۔ کبھی محبت کی بنیاد رشتہ ہوتا ہے، کبھی کسی کام میں شرکت ہوتی ہے، کبھی خوبصورتی ہوتی ہے، کبھی قومیت ہوتی ہے، کبھی وطن ہوتا ہے لیکن مسلم کی محبت کی بنیاد اللہ تعالیٰ ہوتا ہے۔

مسلم کو سب سے زیادہ محبت اللہ تعالیٰ سے ہوتی ہے لہذا ان تمام وجوہ جن کی بنیاد پر کسی سے محبت کی جاتی ہے اللہ تعالیٰ کی خاطر محبت کرنے کی وجہ سب سے زیادہ شدید اور عظیم ہونی چاہیے۔

آئیے ہم سب آپس میں ایک دوسرے سے اللہ کے لئے محبت کریں اور اس محبت کو تمام محبتوں پر ترجیح اور فوقیت دیں اور سب مل کر ایک ہو جائیں۔

اٹھیں قوم پرستی، خاندان پرستی، وطن پرستی کے بتوں کو توڑ دیجئے۔  
 اللہ تعالیٰ کے لئے محبت اور اللہ تعالیٰ کے لئے بغض کو دستاویز بنائیے۔

### ⑥ ہمارے فخر کا سبب صرف ایک یعنی ایمان

فخر کے اسباب بہت سے ہو سکتے ہیں مثلاً نسب، وطن، زبان، قابلیت، طاقت، سیاست، اقتدار اور حسن وغیرہ لیکن فخر کے یہ تمام اسباب فانی ہیں، ان میں سے کوئی بھی آخرت میں کام آنے والا نہیں۔ آخرت میں کام آنے والی چیز صرف ایمان ہے۔ یہی وہ چیز ہے جس پر ایک مسلم کو فخر کرنا چاہیئے، اسی کی بنیاد پر معاشرہ کی تشکیل کرنی چاہیئے اور اسی کی بنیاد پر محبتوں کو استوار کرنا چاہیئے۔

اللہ تعالیٰ ایک ہے تو اس کی جماعت بھی ایک ہونی چاہیئے۔ یہ ہے وحدتِ ملت کا وہ سبق جس کو ہم بالکل بھول گئے۔ ملک، قوم، زبان اور وطن پر فخر کرنے لگے۔ پہلے ملکی بعد میں مسلم بننے پر ناز کیا جانے لگا۔ کافروں کی نقالی میں ہمارے ہاں بھی مادرِ وطن نے جنم لیا۔

مسلمین میں ملکی، سیاسی، نسلی، قومی، لسانی، ثقافتی، صوبائی یا وطنی حدود قائم کرنا اسلامی اصول کو مسخ کرنا ہے۔ وطن پرستی سے اسلامی معاشرہ کی بنیادیں ہل جاتی ہیں۔ وحدتِ ملت کا سبق قصہ پارینہ بن جاتا ہے، امتِ مسلمہ عصبیت کا شکار ہو جاتی ہے اور عصبیت کی خاطر ایک دوسرے سے لڑ کر اپنی قوت کو پارہ پارہ کر لیتی ہے۔ آئیے اور سب مل کر ایک ہو جائیے، وطن اور زبان کو تفریق کا سبب نہ بنائیے۔ اپنے ایمان اور اسلام پر فخر کیجئے۔

آئیے اور اچھائے اسلام، اعلائے کلمۃ الحق اور دنیا کے چپہ چپہ پر اللہ تعالیٰ کی حاکمیت قائم کرنے کی کوشش میں جماعت المسلمین کے ساتھ تعاون کیجئے۔

نوٹ :- مندرجہ بالا چھ نکات میں سے ہر ایک پر علیحدہ علیحدہ پمفلٹ بھی مرتب کئے گئے ہیں۔ تفصیلی معلومات کے لئے ان کا مطالعہ کیجئے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اشاعت ۱۲۰

## ہمارے عقائد

**اللہ تعالیٰ** | اللہ تعالیٰ ایک ہے، اکیلا ہے، نرالا ہے۔ نہ کوئی اس کی ذات میں اس کا شریک ہے، نہ اس کی صفات میں اس کا شریک ہے، نہ اس کے حقوق میں اس کا شریک ہے۔ نہ اس کی کوئی اولاد ہے، نہ اس کی بیوی ہے، اس کی نہ ابتداء ہے اور نہ انتہا، وہ حلول نہیں کرتا، وہ انسانی شکل میں نہیں آتا۔ اس کی تمام صفات ذاتی ہیں۔ اس کی ہر صفت کامل ہے، اس کی ہر صفت کے کمال کا ایک لامتناہی سلسلہ ہے، اس میں کبھی کمی نہیں آتی۔

**محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم** | محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے آخری رسول اور آخری نبی ہیں۔ اب کوئی نبی نہیں آئے گا۔ نبیوں اور رسولوں کا سلسلہ ختم ہو گیا۔ اب جو شخص نبوت کا دعویٰ کرے وہ جھوٹا، مکار اور دجال ہے مثلاً میلہ، اسود، مرزا غلام قادیانی وغیرہ دجال تھے اور ان کو نبی ماننے والے کافر۔

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قرآن مجید کے شارح ہیں۔ آپ کی تشریح کے خلاف قرآن مجید کی تشریح کرنے والا اسلام سے خارج ہے، آپ کی زبان مبارک سے صرف حق بات نکلتی تھی، آپ کی ہر دینی بات وحی ہوتی تھی۔ آپ کا ہر فعل اور ہر قول دین کا ماخذ ہے اور ضابطہ حیات ہے۔ آپ اللہ تعالیٰ کے خلیل، کلیم اور حبیب ہیں، آپ کی پیروی کرنے والا اللہ تعالیٰ کا محبوب اور ولی ہوتا ہے، آپ کی اطاعت اور اتباع کے بغیر ہدایت نہیں مل سکتی، دین ہمہ اوست کا آپ ہی مصداق ہیں۔ واجب الاطاعت اور واجب الاتباع امام



صرف آپ ہی ہیں۔ آپ جیسا نہ کوئی ہو اسے اور نہ ہو گا۔ آپ کے مرتبہ کو نہ کوئی پہنچا ہے اور نہ پہنچے گا۔ آپ کے مرتبہ کو گھٹانے والا، آپ کو بڑے بھائی کا درجہ دینے والا، آپ کی طرف بحران کو منسوب کرنے والا دائرہ اسلام سے خارج ہے۔

## خلاصہ

اللہ تعالیٰ اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے دین و ایمان اور اسلام کی بنیاد ہیں۔ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کے مختصر سے جملوں میں انہی باتوں کا اظہار ہے گو یا سمندر کو کوزے میں بند کر دیا گیا ہے۔ کفر سے توبہ کر کے اسلام میں داخل ہونے والا ان دو ہستیوں پر اپنے ایمان کی شہادت دے کر ہی مسلم ہوتا ہے یعنی اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلَهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ اَشْهَدُ اَنْ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ پڑھ کر ہی دائرہ اسلام میں داخل ہوتا ہے۔

## قرآن مجید اور حدیث شریف

قرآن مجید اور حدیث نبوی حجت شرعیہ اور ماخذ قانون ہیں۔ انہی دو چیزوں میں اسلام کی تکمیل ہوئی تھی اور آج بھی انہی دو چیزوں میں دین اسلام کامل حالت میں محفوظ ہے۔ اجماع صحابہ حکماً حدیث ہی کی ایک قسم ہے۔ قرآن مجید یا حدیث کا انکار کرنے والا، ان کو حجیت شرعیہ اور ماخذ قانون نہ ماننے والا کافر ہے۔

## انبیاء و رسل اور کتب سماوی

ہم تمام انبیاء اور رسولوں پر بلا کسی تفریق کے ایمان رکھتے ہیں۔ نبیوں پر جو کتابیں نازل ہوئیں ان پر ایمان رکھتے ہیں۔ مثلاً قرآن مجید، توریت،

انجیل، زبور وغیرہ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کردہ کتابیں مانتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کو بھی منزل من اللہ مانتے ہیں۔

عینی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو آسمان پر زندہ اٹھایا گیا تھا ادب وہ پھر قیامت کے قریب نازل ہوں گے اور دین اسلام کے قیام کے سلسلہ میں بھرپور کوشش کریں گے، تمام ادیان باطلہ کا استیصال کریں گے۔ وہ نبی بھی ہوں گے اور رسول بھی اور اسی نبوت اور رسالت کے ساتھ تشریف لائیں گے جو نبوت اور رسالت انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت اور رسالت سے پہلے ملی تھی۔

## صحابہ کرام

صحابہ کرام بہترین قسم کے مومن و مسلم تھے، ہم ان میں سے کسی کے متعلق براگمان نہیں رکھتے۔ وہ سب حق پر تھے۔ وہ آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ بڑے رحیم تھے، وہ آپس میں نہ لڑتے تھے اور نہ لڑے۔ بعض کتب تواتر میں جو افسانے ان کی طرف منسوب ہیں اور جن سے ان کی شان صحابیت مجروح ہوتی ہے ہم ان تاریخی افسانوں کو جھوٹ سمجھتے ہیں۔ فضیلت اور مرتبہ کے لحاظ سے ان میں سرفہرست ابتدائی چاروں خلیفہ ہیں۔

## اولیاء کرام

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :- ”خبردار! اللہ کے ولیوں کو نہ کوئی خوف ہوگا اور نہ کوئی غم یعنی جو لوگ ایمان لائے اور متقی رہے (یونس ۶۲ و ۶۳) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ جو شخص میرے ولی سے دشمنی رکھے تو میرا اس سے اعلان جنگ ہے۔ (صحیح بخاری کتاب الرقاق)

لہذا ہمارا عقیدہ ہے کہ تمام اولیاء اللہ واجب الاحترام ہیں۔

## ائمہ دین

تمام ائمہ دین واجب الاحترام ہیں۔ دین کے سلسلہ میں ان کی خدمات امت پر ایک بہت بڑا احسان ہے، مثلاً امام سعید بن مسیب، امام عطاء بن ابی رباح، امام حسن بصری، امام سفیان بن عیینہ، امام سفیان ثوری، امام زہری، امام عبد اللہ بن مبارک، امام ابو حنیفہ، امام مالک، امام شافعی، امام احمد بن حنبل، امام بخاری، امام مسلم، امام ابوداؤد، امام نسائی، امام ترمذی، امام ابن ماجہ وغیرہ وغیرہ۔  
امام احمد بن حنبل کو ہم شرک سے مبرا اور بڑا ایکٹا موحد مسلم سمجھتے ہیں۔ ہم تو کسی امام کو مدلس بھی نہیں مانتے اس لئے کہ مدلس حدیث کے عیب کو چھپا کر گھڑی ہوئی حدیث کو صبیح حدیث باور کراتا ہے اور اس طرح اسلام میں وہ چیز داخل کرتا ہے جو اسلام میں نہیں ہوتی۔ مدلس کو یا ایک قسم کا چور اور دھوکے باز ہوتا ہے۔ امام ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا۔

## فرقہ بندی

ہم فرقہ بندی کو حرام سمجھتے ہیں اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرقہ بندی کی ممانعت کی ہے اور ایک جماعت بن کر رہنے کی ہدایت کی ہے۔ فرقہ بندی کو سب لعنت سمجھتے ہیں اور اس کو ختم کرنے کی نہ صرف تمنا کرتے ہیں بلکہ کھلے الفاظ میں اس کو کالعدم کرنے کی تلقین کرتے ہیں۔ ہم بھی یہی کہتے ہیں کہ فرقہ بندی ختم ہونی چاہیے۔ ہمارا قصور صرف اتنا ہے کہ ہم عملاً فرقہ بندی کو ختم کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ ہم کسی کو کافر نہیں کہتے۔ ہم تو بس صرف اتنا کہتے ہیں کہ جو کچھ ان کے پاس ہے وہ حق نہیں ہے۔ حق تو بس قرآن مجید اور حدیث شریف ہے۔ اسلام انہی دو چیزوں میں ہے۔ ان کے باہر اسلام



نہیں۔

## ہمارا دین

ہمارا دین صرف اسلام ہے۔ ہمارا نام اللہ تعالیٰ نے مسلم رکھا تھا ہم صرف اسی نام سے اپنے کو موسوم کرتے ہیں۔ خود ساختہ نام رکھ کر الجماعۃ سے علیحدہ ہونا نہیں چاہتے۔ ہم پر اتہام لگانے والوں سے گزارش ہے کہ ہم کو قریب سے آکر دیکھیں اور بتائیں کہ ہمارا کون سا عمل اسلام یعنی قرآن مجید یا حدیث شریف کے خلاف ہے۔ احکام دسن جن کو متردک کر دیا گیا تھا ہم ایک ایک کر کے ان کا احیاء کر رہے ہیں مثلاً امام کا مقتدیوں کی صفوں کو سیدھا کرنا، جمعہ کے خطبہ میں سورۃ ق کی تلاوت کرنا، خطبہ مختصر دینا، اسی نام کو اختیار کرنا جو اللہ تعالیٰ نے رکھا تھا، شروع نماز میں اور رکوع سے پہلے سکتہ کرنا، عید کی نماز کو عورتوں پر بھی لازم قرار دینا، عید کی نماز میں سورۃ ق اور سورۃ قمر کی تلاوت کرنا، جمعہ کی اذان مسجد کے دروازے پر دینا، جوتیاں بیٹھ کر پہننا، سیدھے ہاتھ سے لینا اور دینا، ملاقات کے بعد اگر درمیان میں کوئی چیز آجائے مثلاً دیوار، درخت وغیرہ تو پھر سلام کرنا، مصافحہ کے وقت الحمد للہ کہنا، تین انگلیوں سے کھانا کھانا، کھانا کھانے کے بعد رکابی کو بالکل صاف کر دینا،

## جامعہ المسلمین

مسجد المسلمین۔ کوثر نیازی کلاں۔ جگہ جی تدمر تا علم آباد، کراچی ۲۲

## ہمارا حاکم صرف ایک — یعنی اللہ تعالیٰ

حاکم سے مراد وہ حاکم ہے جس کی حکومت ازلی وابدی ہو، جس کی اطاعت غیر محدود و غیر مشروط ہو، جو قانون ساز ہو، جس کا قانون کامل اور غیر متبدل ہو، اطاعت کرانا جس کا حق ہو۔

اللہ تعالیٰ نے جن وانس کو اپنی عبادت کیلئے پیدا کیا، جیسا کہ ارشاد گرامی ہے۔  
وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ {ذاریات} میں نے جن وانس کو صرف اس لئے پیدا کیا کہ وہ میری عبادت کریں۔

یہاں عبادت سے نماز، روزہ، ذکر یا وظیفہ مراد لیا جائے تو بڑی مشکل پیش آئے گی اس لئے کہ پھر پوری زندگی میں ان اعمال کے علاوہ دوسرے اعمال کا کرنا مقصد تخلیق کے منافی ہوگا، نہ کاروبار ہے گا، نہ کھانا پینا اور نہ شادی بیاہ۔ نتیجہ یہ نکلے گا کہ نسل انسانی ختم ہو جائے گی، نہ زندگی ہوگی نہ عبادت۔ مقصد تخلیق پورا نہیں ہوگا۔

نماز، روزہ وغیرہ عبادت تو ضرور ہیں لیکن ہر حالت میں نہیں۔ مثلاً مغرب کی تین رکعت کے بجائے اگر کوئی شخص چار رکعت پڑھے تو وہ لغوی اعتبار سے تو عابد ہوگا لیکن شرعی اعتبار سے وہ اللہ تعالیٰ کا باغی قرار پائے گا۔ اس کی نماز عبادت نہیں ہے گی بلکہ بغاوت شمار ہوگی، مقصد تخلیق فوت ہو جائے گا۔

اسی طرح اگر کوئی شخص نماز فجر کے بعد طلوع آفتاب سے پہلے نوافل پڑھتا ہے تو وہ عابد تو ضرور ہوگا لیکن شرعاً وہ اللہ تعالیٰ کا باغی کہلائے گا۔

اسی طرح اگر کوئی شخص عید کے دن روزہ رکھے تو اس کا وہ روزہ عبادت نہیں ہوگا۔ اُس روزہ کو ثواب یا عبادت سمجھنے والا نہ صرف گناہگار ہوگا بلکہ کافر ہو جائے گا۔

اس قسم کی سینکڑوں مثالیں دی جا سکتی ہیں۔ غور کیجئے آخر یہ عبادتیں بغاوت کیوں شمار ہو رہی ہیں، اگر آپ ذرا بھی غور کریں گے تو اس نتیجہ پر پہنچیں گے کہ کیونکہ یہ عبادتیں اللہ تعالیٰ کے احکام اور اُس کے مقررہ حدود کے اندر رہ کر نہیں کی جا رہیں اس لئے عبادتیں نہیں رہیں۔ ان عبادتوں میں اللہ تعالیٰ کے احکام کی خلاف ورزی ہوتی ہے اُس کی اطاعت سے انحراف ہوتا ہے لہذا انہیں شرعاً عبادت نہیں کہا جاسکتا۔



مندرجہ بالا وضاحت سے یہ نتیجہ نکلا کہ عبادت دراصل اطاعت کا نام ہے۔ مندرجہ ذیل آیات سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :-

لَا تَعْبُدُوا الشَّيْطَانَ {ہیں} شیطان کی عبادت نہ کرو۔

غور فرمائیے کیا کوئی شخص شیطان کو سجدہ کرتا ہے، اسکے نام پر قربانی کرتا ہے، اس کے نام کا وظیفہ پڑھتا ہے، اُس کے نام پر خیرات کرتا ہے، ہرگز نہیں، تو پھر آخر شیطان کی عبادت سے کیا مراد ہے۔ ظاہر ہے کہ شیطان کی عبادت سے شیطان کی اطاعت مراد ہے۔ شیطان کی اطاعت کر کے ہی لوگ کفر و شرک، فسق و فجور، عصیان و طغیان میں مبتلا ہوتے ہیں اور صراطِ مستقیم سے بھٹک جاتے ہیں، اسی لئے اس کے آگے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :-

وَإِنْ اعْبُدُوا فِرْنَ هَذَا صِرَاطٌ مُسْتَقِيمٌ {ہیں} میری عبادت کرو یہی صراطِ مستقیم ہے۔  
اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے شیطان کی عبادت کے مقابل میں اپنی عبادت کا ذکر فرمایا، کیونکہ شیطان کی عبادت شیطان کی اطاعت ہے لہذا اللہ تعالیٰ کی عبادت اللہ تعالیٰ کی اطاعت ہے۔

مندرجہ بالا آیات و مباحث کا خلاصہ یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو اپنی اطاعت کے لئے پیدا کیا ہے لہذا اطاعت صرف اللہ تعالیٰ ہی کا حق ہے۔ جب تک اُس کی اجازت نہ ہو کسی دوسرے کی اطاعت نہیں کی جاسکتی، اگر اس کی اجازت کے بغیر کسی دوسرے کی اطاعت کی جائے تو یہ شرک فی الاطاعت یعنی شرک فی العبادت ہوگا اور اس شرک سے بڑا اور کونسا شرک ہوگا کہ جس شرک سے مقصد حیات ہی نہ وبالا ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :-

فَالْهُكْمُ لِلَّهِ وَالْحُكْمُ فَلَمَّا اسْلَمُوا {ہیں} تمہارا حاکم صرف ایک ہے لہذا صرف اسی کی اطاعت کرو۔

اسی اطاعت کا دوسرا نام اسلام ہے، اسلام کے معنی ہیں ”اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری“ لہذا جو شخص اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کرتا ہے وہ مسلم ہے، جو اطاعت الہی سے منہ موڑتا ہے وہ غیر مسلم ہے، اُس نے مقصدِ حیات کو پس پشت ڈال دیا، وہ باغی ہے کہ اپنے خالق کے آگے سر تسلیم خم نہیں کرتا۔

اسلام ہی وہ ضابطہ حیات ہے جس کے مطابق شخص کو اپنی زندگی گزارنی چاہئے۔ اگر زندگی کے تمام کاروبار میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت جلوہ گر ہو تو وہ تمام کاروبار عبادت ہوگا۔ نماز اگر اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق ادا کی گئی تو نماز عبادت ہے۔ روزہ اگر اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق رکھا گیا تو روزہ عبادت ہے۔ تجارت اگر اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق کی گئی تو وہ تجارت عبادت ہے۔ اسی طرح زندگی کے تمام کام چلنا پھرنا، سونا جاگنا، اُٹھنا بیٹھنا، کھانا پینا، شادی

سیاہ، یمن دین، طلاق و عتاق، جنگ و جدال، بغض و عناد، محبت و مواسات وغیرہ اگر اللہ تعالیٰ جل جلالہ کے احکام کے مطابق کئے جائے ہیں تو وہ سب عبادت ہیں، اس طرح تمام زندگی عبادت بن جائے گی اور مقصد تخلیق پورا ہو جائے گا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں :-

إِنَّكَ لَنْ تُنْفِقَ نَفَقَةً تَبْتَغِي بِهَا وَجْهَ اللَّهِ إِلَّا أُجِرْتَ عَلَيْهَا  
تم جو خرچ بھی اللہ کو خوش کرنے کیلئے کرو گے اُس پر تمہیں ضرور ثواب دیا جائے گا یہاں تک کہ اُس لقمہ پر بھی تمہیں ثواب دیا جائے گا جو تم اپنی بیوی کے منہ میں دو گے۔  
(صحیح بخاری کتاب الایمان)

اللہ تعالیٰ کی اطاعت اللہ تعالیٰ کے قانون پر عمل کرنے سے ہوتی ہے، اس قانون کا بنانے والا خود اللہ تعالیٰ ہے جیسا کہ اس کا ارشاد گرامی ہے :-

شَرَعَ لَكُمْ مِنَ الدِّينِ (شوری) اللہ نے تمہارے لئے دینی قوانین بنائے  
قانون سازی میں کوئی اللہ تعالیٰ کا شریک نہیں، یہ قانون خالص اللہ تعالیٰ کا ہے، جیسا کہ وہ خود فرماتا ہے :-

أَلَا يَتَّبِعُ الَّذِينَ الْخَالِصُ (نہم) خبردار ہو جاؤ، دین خالص اللہ کیلئے ہے  
لہذا اس دین میں کسی کی شرکت نہیں، کسی دوسرے کو قانون ساز سمجھنا، اُس کے بنائے ہوئے ضابطوں کو دین میں شامل کرنا، اُس کے اجتہاد، قیاس اور فتوے کو دینی درجہ دینا اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرنا ہے۔ ارشاد باری ہے :-

أَمْ لَهُمْ شُرَكَاءُ شَرَعُوا لَهُمُ الدِّينَ (شوری) کیا انہوں نے (اللہ کے) شریک بنا رکھے ہیں جو ان کے لئے دینی قوانین بناتے رہتے ہیں حالانکہ اللہ نے اُسکی اجازت نہیں دی۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :-

وَلَا يُشْرِكْ فِي حُكْمِهِ أَحَدًا (انعام) اللہ اپنے حکم میں کسی کو شریک نہیں کرتا  
اللہ تعالیٰ بلا شرکت غیرے اکیلا حاکم ہے، اس کے احکام میں کوئی اس کا شریک نہیں۔ ارشاد باری ہے :-

إِنِ الْحُكْمُ إِلَّا لِلَّهِ أَمَرَ أَلَّا تَعْبُدُوا إِلَّا إِيَّاهُ (بہقہ) حکم کسی کا نہ مانا جائے، سوائے اللہ کے، اللہ نے حکم دے دیا ہے کہ عبادت (یعنی اطاعت) کسی کی نہ کی جائے سوائے اُس کے۔

حلال و حرام کرنیکا اختیار صرف اللہ تعالیٰ کو ہے، اللہ جل جلالہ فرماتا ہے :-



وَلَا تَقُولُوا لِمَا تَصِفُ أَلْسِنَتُكُمُ  
الْكَذِبَ هَذَا حَلَالٌ وَهَذَا حَرَامٌ  
لِتَفْتَرُوا عَلَى اللَّهِ الْكَذِبَ {نحلہ} اس کے حکم کے تم خود حلال و حرام کا فیصلہ کر کے  
اُسے اللہ کی طرف منسوب کر دو

الغرض علماء کے فتووں سے نہ کوئی چیز حلال ہو سکتی ہے اور نہ کوئی چیز حرام ہو سکتی ہے  
حلال وہ ہے جسے اللہ تعالیٰ حلال کہے، حرام وہ ہے جسے اللہ تعالیٰ حرام کہے۔  
قاضی کے فیصلہ سے بھی نہ کوئی چیز حلال ہو سکتی ہے اور نہ کوئی چیز حرام ہو سکتی ہے۔  
قاضی کا فیصلہ، فیصلہ تو ہو سکتا ہے، قانون نہیں بن سکتا۔ اگر وہ فیصلہ صحیح ہے تو بہت  
اگر صحیح نہیں تو مسترد کر دیا جائے گا۔ اگر وہ غلطی سے نافذ ہو بھی گیا تو اس کا نفاذ عارضی ہوگا  
وہ قاضی خود بھی اسی قسم کے دوسرے مقدمہ میں اپنے گزشتہ فیصلہ کے خلاف فیصلہ  
کر سکتا ہے۔ دوسرا قاضی بھی اس کے فیصلہ کے خلاف فیصلہ کر سکتا ہے۔ قاضی کے فیصلہ  
کو ابدی قانون کی حیثیت حاصل نہیں ہوگی، ابدی قانون صرف اللہ تعالیٰ کا نازل کردہ  
قانون ہے، جو اس قانون کے مطابق فیصلہ کرتا ہے وہ مسلم ہے، جو اس کے خلاف فیصلہ کرتا ہے وہ  
مسلم نہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:-

وَمَنْ لَّمْ يَحْكَمْ بِمَا أَنزَلَ اللَّهُ  
فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْكَافِرُونَ {مائدہ} جو لوگ اللہ کے نازل کردہ قانون کے مطابق  
صرف اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ قوانین کی پیروی کرنی چاہئے، یہی اصل توحید ہے، دوسری  
چیزوں کی پیروی حرام ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:-

إِتَّبِعُوا مَا أُنْزِلَ إِلَيْكُم مِّن رَّبِّكُمْ  
وَلَا تَتَّبِعُوا مِنْ دُونِهِ أَوْلِيَاءَ {اعلمان} اُس قانون کی پیروی کرو جو تمہارے رب کی طرف سے  
اللہ تعالیٰ کا قانون ہی ہر معاملہ میں آخری سند ہے، کسی دوسرے کے فتوے یا رائے کو آخری  
سند قرار دینا شرک ہے۔ اہل کتاب بھی اہل اسلام کے اس عقیدہ سے متفق تھے، اس اشتراک  
عقیدہ کی بنیاد پر ہی اللہ تعالیٰ نے انہیں دعوت اسلام دیتے ہوئے فرمایا:-

يَا أَهْلَ الْكِتَابِ تَعَالَوْا إِلَى كَلِمَةٍ  
سَوَاءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ أَلَّا نَعْبُدَ إِلَّا  
اللَّهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهِ شَيْئًا وَلَا يَتَّخِذَ  
بَعْضُنَا بَعْضًا أَرْبَابًا مِّن دُونِ اللَّهِ

اے اہل کتاب ایک ایسی بات کی طرف آؤ جو ہم میں  
اور تم میں مشترک ہے (ہم بھی مانتے ہیں اور تم بھی مانتے  
ہو) وہ یہ کہ ہم اللہ کے علاوہ کسی کی عبادت نہ کریں  
اس کے ساتھ کسی قسم کا شرک کریں اور نہ آپس میں

ایک دوسرے کو اپنا رب بنائیں۔

اس اشتراک فی العقیدہ کے باوجود وہ عملاً شرک میں مبتلا تھے، اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی کو اپنا رب بنانے کے عقیدہ کے باوجود وہ اپنے علماء اور مشائخ کو اپنا رب بنائے ہوئے تھے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :-

اتَّخَذُوا أَجْنَابَهُمْ دُثُرًا ۖ وَرُبُّهُمْ  
أَرْبَابًا مِّنْ دُونِ اللَّهِ ۚ وَالْمَسِيحَ ابْنَ  
مَرْيَمَ وَمَا أُمُّرُوا إِلَّا لِيَعْبُدُوا إِلَهًا  
وَاحِدًا ۚ الْإِلَهَ الَّذِي هُوَ سُبْحَانَهُ عَمَّا  
يُشْرِكُونَ ۝ { تِیۡن }

انہوں نے اپنے علماء اور مشائخ کو اللہ کے علاوہ اپنا رب بنا رکھا ہے اور عیسیٰ ابن مریم کو بھی، حالانکہ انہیں تو یہ حکم دیا گیا تھا کہ وہ ایک الہ کی عبادت کریں (یعنی ایک حاکم کی اطاعت کریں) مگر کوئی نہیں سوائے اللہ کے (لیکن وہ اس توحید پر قائم نہیں رہے، انہوں نے علماء اور مشائخ کو حاکم بنا کر شرک کیا) اللہ ان کے شرک سے پاک ہے۔

خلاصہ یہ ہوا کہ حاکم صرف اللہ تعالیٰ ہے۔ اطاعت صرف اللہ تعالیٰ کا حق ہے۔ آخری سند صرف اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے، دوسرے کو اطاعت کا مستحق سمجھنا، اُس کی رائے اور فتویٰ کو آخری سند قرار دینا اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرنا ہے۔ یہ شرک فی العبادت ہے، اسے شرک فی الاطاعت بھی کہہ سکتے ہیں اور شرک فی الحکم اور شرک فی التشریع بھی کہہ سکتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ ہی حاکم حقیقی ہے، اللہ تعالیٰ کی اطاعت دائمی اور ابدی ہے، اللہ تعالیٰ کی اطاعت مستقل، غیر مشروط اور لامحدود ہے، اللہ تعالیٰ کی اطاعت زمان و مکان کے ساتھ مقید نہیں، اللہ تعالیٰ ہی کی اطاعت سے دنیا و آخرت میں فلاح ہے۔

کیونکہ اللہ تعالیٰ ہی اصل اطاعت کا مستحق ہے لہذا کسی دوسرے کی اطاعت صرف اُس حالت میں ضروری ہے جب اُس کی اطاعت کا حکم اللہ تعالیٰ خود دیدے، اللہ تعالیٰ نے اپنے احکام کی بجا آوری کے لئے اپنے رسولوں کی اطاعت کو فرض قرار دیا لہذا رسولوں کی اطاعت بحکم الہی فرض ہے۔

**المسلمین کی دعوت یہی ہے کہ ہم سب مل کر اللہ اکیلے کو حاکم مانیں۔** حاکمیت صرف اللہ تعالیٰ کے لئے تسلیم کریں، صرف اللہ تعالیٰ کے منزل کردہ قانون پر چلیں، اللہ تعالیٰ کا قانون صرف قرآن و حدیث میں محفوظ ہے، قرآن و حدیث ہی منزل من اللہ ہیں، ان ہی دو چیزوں میں اللہ تعالیٰ نے اپنے دین کو مکمل کیا تھا، ان ہی دو چیزوں کو ہم واجب التعمیل سمجھیں، فرقہ وارانہ مذاہب کو بالائے طاق رکھ دیں، فرقہ بندی کو ختم کر دیں۔ اللہ تعالیٰ ایک ہے، اُس ایک کو حاکم مان کر ایک ہو جائیں۔



بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

ہمارا امام صرف ایک۔ یعنی محمد رسول اللہ ﷺ

امام سے مراد وہ امام نہیں جو نماز پڑھاتا ہو، امام سے مراد وہ امام نہیں جو کسی فن میں بہارت دیکھنے کی وجہ سے اُس فن میں امام کہلاتا ہو۔ امام سے مراد وہ امام نہیں جو امیر یا حکمران ہو۔ امام سے مراد وہ امام بھی نہیں جو کسی نیکی میں پہل کرنے کی وجہ سے دوسروں کیلئے پیش رو بن جائے۔ بلکہ

سلسلہ اشاعت ۱۵۱

امام سے مراد وہ امام ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے منصب امامت پر سرفراز فرمایا ہو۔ جس کا ہر علم واجب الاتباع ہو، جس کا ہر فقرہ ضابطہ حیات ہو، جس کا ہر فعل مشعل ہدایت ہو، جسکی اطاعت اللہ کی اطاعت ہو، جس کی امامت عارضی نہ ہو بلکہ قیامت تک کیلئے دائمی ہو، جو معصوم ہو، جس سے دینی بات میں غلطی کا صدور ناممکن ہو، جس کی ہر دینی بات وحی ہو۔ اس سے قبل ہم بتا چکے ہیں کہ حاکم صرف ایک ہے، یعنی اللہ تعالیٰ۔ اس کے بندوں پر صرف اسی کا حکم چلتا ہے، دوسروں کا نہیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ کا حکم ہر بندے کے پاس براہ راست نہیں پہنچتا بلکہ وہ اپنے بندوں میں سے کسی ایک بندے کو منتخب کر لیتا ہے اور اس بندے کو اپنے تمام احکام سے مطلع فرماتا ہے۔ وہ بندہ اللہ تعالیٰ کے تمام احکام سے دوسروں کو مطلع کر دیتا ہے۔ ایسے بندے کو نبی یا رسول کہتے ہیں۔ رسول، اللہ تعالیٰ اور بندوں کے درمیان واسطہ ہوتا ہے۔ اسی کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت ہوتی ہے اس کی اطاعت عین اللہ تعالیٰ کی اطاعت ہوتی ہے۔ ارشاد باری ہے:-

مَنْ يُطِيعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللَّهَ {نساء: ۸۰} اللہ ہی کی اطاعت کی۔

رسول خود اپنی اطاعت نہیں کراتا بلکہ اس کی اطاعت اللہ تعالیٰ کے حکم سے کی جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:-

وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُولٍ إِلَّا كَوْنُ رَسُولٍ هُمْ نَحْنُ يَهْدِيهِمْ لَكُمْ لَعْنَةُ اللَّهِ لِيُطَاعَ بِإِذْنِ اللَّهِ {نساء: ۶۴} اللہ کے حکم سے اس کی اطاعت کی جائے۔

کیونکہ اطاعت (جیسا کہ ہم پہلے بتا چکے ہیں) صرف اللہ تعالیٰ کا حق ہے، لہذا بغیر اس کے

حکم یا اجازت کے کسی دوسرے کی اطاعت نہیں کی جاسکتی۔ اگر کوئی شخص بغیر اللہ تعالیٰ کے حکم یا اجازت کے دوسرے کی اطاعت کرتا ہے تو گویا اس نے اس دوسرے شخص کو اطاعت میں اللہ تعالیٰ کا شریک بنالیا۔ یہ اللہ تعالیٰ کا کام ہے کہ اپنے کسی بندے کی اطاعت کو انسانوں پر فرض قرار دیدے۔ اگر بندے خود کسی کو اطاعت کیلئے منتخب کر لیں تو گویا وہ خود الہ بن بیٹھے، اللہ تعالیٰ کے حق رسالت پر خود قابض ہو گئے اور یہ مشرک ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :-

اللَّهُ أَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهُ {انعام ۱۲۴} اللہ ہی خوب جانتا ہے کہ وہ اپنی رسالت کس کو عطا فرمائے۔

لہذا وہ جس کسی کو رسالت عطا فرماتا ہے اُسے بنی نوع انسان کا امام و مطلق بنا دیتا ہے۔ امام بنانا لوگوں کا کام نہیں۔ جو لوگ رسول کے علاوہ دوسروں کو اپنا مطلق اور امام بنالیں، پھر انہی کی اطاعت کریں، انہی کے فتووں کو سند آخر سمجھیں وہ مشرک فی الرسالت کے مرتکب ہوں گے۔

صرف رسول ہی اللہ تعالیٰ کی طرف سے تمام انسانوں کے لئے امام بنا کر بھیجا جاتا ہے رسول کو رسالت یا امامت اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :-  
إِنِّي جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ إِمَامًا {بقرہ ۱۲۴} (اے ابراہیم) میں تمہیں لوگوں کے لئے امام بنا رہا ہوں۔

حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام جانتے تھے کہ امام بنانا صرف اللہ تعالیٰ کا کام ہے لہذا وہ دعا فرماتے ہیں :-

وَمِنْ ذُرِّيَّتِي {بقرہ ۱۲۴} (اے اللہ) میری اولاد میں سے بھی (امام بنانا)  
اللہ تعالیٰ نے فرمایا :-

لَا يَنَالُ عَهْدِي الظَّالِمِينَ {بقرہ ۱۲۴} (میں بناؤں گا لیکن) یہ وعدہ گنہگاروں کے لئے نہیں ہوگا۔

آیت بالا سے ثابت ہوا کہ امام بنانا اللہ تعالیٰ کا کام ہے نہ کہ انسانوں کا۔ دوسری بات یہ ثابت ہوئی کہ امام گنہگار نہیں ہوتا بلکہ معصوم ہوتا ہے۔ لہذا جو معصوم ہوگا وہی امام ہوگا، جو معصوم نہیں وہ امام بھی نہیں۔ اور معصوم ہوائے نبی کے اور کوئی نہیں ہوتا لہذا سوائے نبی کے اور کوئی امام نہیں ہو سکتا۔

حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام اور چند اور رسولوں کا ذکر کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ





مل جائے۔

کیا اللہ کی طرف سے ایسی سندیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ کسی اور کے حق میں بھی وارد ہوئی ہیں، اگر نہیں تو بے سند شخص کیسے امام ہو سکتا ہے، کیسے اس کی اطاعت اور پیروی سے ہدایت مل سکتی ہے۔

رسول ہی وہ ہستی ہے جو اپنے منصب کے لحاظ سے اس بات کا حقدار ہے کہ وہ منزل من اللہ شریعت کی تشریح و توضیح کر سکے کسی دوسرے کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ تشریح و توضیح کرے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:-

وَأَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ (اے رسول) ہم نے یہ شریعت آپ پر (اس لئے) لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُونَ ۝ {نحل ۱۲۳}

نازل کی ہے تاکہ آپ لوگوں کیلئے نازل شدہ باتوں کی تشریح کر دیں اور لوگ (اپنی نجات کے متعلق) سوچ سکیں۔

رسول ہی کی وہ ہستی ہے جس کے قول و فعل کی مخالفت کرنا فتنہ عظیم اور عذاب الیم کو دعوت دینا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:-

فَلْيَحْذَرِ الَّذِينَ يُخَالِفُونَ (ان لوگوں کو جو رسول کے قول و فعل کے خلاف) عَنْ أَمْرِهُ أَنْ تُصِيبَهُمُ فِتْنَةٌ أَوْ يُصِيبَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ۝ {نور ۲۱}

چلتے ہیں ڈرتے رہنا چاہئے، ایسا نہ ہو کہ کہیں وہ کسی فتنہ میں مبتلا ہو جائیں یا ان پر کوئی دردناک عذاب نازل ہو جائے۔

رسول ہی کی وہ ہستی ہے جس کا طریقہ تمام مسلمین کیلئے ضابطہ حیات ہے۔ یہی وہ نمونہ ہے جس کے مطابق بن کر لوگ اللہ تعالیٰ سے کوئی امید رکھ سکتے ہیں۔ ارشاد باری ہے:-

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ (بے شک تمہارے لئے رسول اللہ کی زندگی) أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَن كَانَ يَرْجُوا (میں بہترین نمونہ ہے اُس شخص کیلئے جو اللہ) اللَّهَ وَالْيَوْمَ الْآخِرَ وَذَكَرَ اللَّهَ (اور قیامت کی امید رکھتا ہو اور کثرت سے اللہ کا ذکر کرتا ہو) ۝ {احزاب ۲۱}

یہ نمونہ اللہ تعالیٰ نے بھیجا، اللہ کے نمونہ کے علاوہ دوسرے نمونے بنانا خود کو اللہ تعالیٰ کے منصب پر فائز کرنا ہے، اور یہ شرک ہے۔

رسول ہی کی وہ ہستی ہے جس کی ہر بات وحی الہی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے:-

وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ ۝ إِنْ رَأَوْا سُلَيْمًا (اگر انہیں سولہ کی خواہش سے کچھ نہیں کہتا، وہ



هُوَ إِلَّا وَحْدَى يَتُوحَى ۝ (نجم ۲۲) جو کچھ کہتا ہے وحی ہوتی ہے۔  
 کیا یہ سند کسی کو حاصل ہے، اگر نہیں تو پھر کسی دوسرے کی بات کیسے سند ہو سکتی ہے۔  
 رسول ہی کی وہ ذات گرامی ہے جس کی ہر بات حق ہے، جو معصوم ہے، جو کبھی غلطی پر قائم  
 نہیں رہتا۔ ارشاد باری ہے:-

إِنَّا لَنَعْلَمُ عَلَى الْحَقِّ الْمُبِينِ ۝ (نمل ۶) (اے رسول) بیشک آپ درخشاں حق پر قائم ہیں۔  
 کیا اللہ کی طرف سے یہ سند کسی اور کو ملی ہے، اگر نہیں ملی تو وہ امام کیسے ہو سکتا ہے۔ امام  
 وہی ہو سکتا ہے جس کی ہر بات حق ہو۔

رسول ہی وہ سراج منیر اور روشن چراغ ہے جس کی روشنی میں اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ  
 شریعت کا مطالعہ ہو سکتا ہے۔ اگر یہ روشن چراغ نہ ہو تو پھر تاریکی میں نہ شریعت الہی کا مطالعہ  
 ہو سکتا ہے نہ صراطِ مستقیم مل سکتی ہے۔ ظلمت میں سوائے ضلالت کے اور کیا مل سکتا ہے۔  
 انسانوں میں رسول ہی کی وہ ہستی ہے جس کا فیصلہ مل جانے کے بعد کسی مؤمن کو اختیار  
 باقی نہیں رہتا کہ وہ اس معاملہ میں خود کوئی رائے دے یا کسی دوسرے کی رائے لے۔ مؤمن  
 کو رسول کے فیصلہ ہی پر عمل کرنا ہوگا اور بس۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:-

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَلَا مُؤْمِنَةٍ إِذَا قَضَى اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَمْرًا أَنْ يَكُونَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ أَمْرِهِمْ ۚ وَمَنْ يَعْصِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَقَدْ ضَلَّ ضَلَالًا مُبِينًا ۝ (احزاب ۳۶) (اے نبی) کہیں یا نہ کہیں (اور جو شخص بھی اللہ اور اس کے  
 رسول کی نافرمانی کرے گا وہ صریح گمراہی میں مبتلا ہو جائے گا۔

کیا یہ حق اللہ تعالیٰ کی طرف سے کسی اور انسان کو دیا گیا ہے، اگر نہیں دیا گیا تو پھر وہ امام  
 کیسے ہو سکتا ہے؟ وہ واجب الاتباع کیسے ہو سکتا ہے؟

کسی مؤمن کو اختیار نہیں کہ رسول کا فیصلہ ٹھنسنے کے بعد کوئی اور بات کہے سوائے اسکے  
 کہ "میں نے سنا اور میں اطاعت کروں گا" اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:-

إِنَّمَا كَانَ قَوْلَ الْمُؤْمِنِينَ إِذَا دُعُوا إِلَى اللَّهِ وَرَسُولِهِ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ أَنْ يَقُولُوا سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا ۚ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ۝ (نور ۵۸) اور کچھ نہ ہونا چاہیے کہ "ہم نے سنا لیا اور ہم نے

اطاعت کی۔ ایسے ہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔  
 کیا یہ منصب بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے کسی اور کو عطا ہوا ہے۔ یقیناً نہیں اور  
 جب یہ منصب کسی کو عطا نہیں ہوا تو پھر وہ واجب الاتباع کیسے ہو سکتا ہے، وہ امام  
 رسول ہی کے متعلق اللہ تعالیٰ کی گواہی ہے کہ وہ سیدھے راستہ پر ہے۔ ارشادِ  
 باری ہے :-

إِنَّكَ عَلَىٰ صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ ۝ {زمر ۱۲} (اے رسول) بے شک آپ سیدھے  
 راستہ پر ہیں۔

رسول ہی کے متعلق اللہ تعالیٰ کی گواہی ہے کہ وہ سیدھے راستہ کی طرف دعوت  
 دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :-

وَإِنَّكَ لَتَدْعُهُمْ إِلَىٰ صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ ۝ {زمر ۱۲} (اے رسول) بے شک آپ سیدھے راستہ  
 کی طرف دعوت دیتے ہیں  
 رسول ہی کے متعلق اللہ تعالیٰ کی گواہی ہے کہ اس کی پیروی سے سیدھا راستہ  
 مل سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :-

وَاتَّبِعُونِ هَٰذَا صِرَاطٌ مُسْتَقِيمٌ ۝ {زمر ۱۶} (اے رسول کہہ دیجئے) میری پیروی  
 کرو، یہی سیدھا راستہ ہے۔

یہ آیات اس بات کی کھلی سند ہیں کہ رسول صراطِ مستقیم پر ہے، رسول صراطِ مستقیم کی طرف  
 دعوت دیتا ہے، رسول کی پیروی صراطِ مستقیم ہے۔ بتائیے یہ سندی اور ضمانتیں کسی اور کے  
 پاس ہیں؟ نہیں ہیں اور یقیناً نہیں ہیں تو پھر وہ امام کیسے ہو سکتے ہیں، ان کی بات آخری  
 سند کیسے ہو سکتی ہے، ان کے فتوے اور قیاسات دین میں کس طرح شامل ہو سکتے ہیں۔  
 رسول ہی کی وہ ہستی ہے جس کی ہر دعوت اور ہر پکار حیاتِ جاوداں بخشی ہے۔ اللہ تعالیٰ  
 دالِ الجلال والاکرام فرماتا ہے :-

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اسْتَجِيبُوا لِيَّ اٰیْمَانِیْ وَالْوَاوِجِبِ اللّٰہِ اور رسول تمہیں ایسی  
 بات کی طرف بلائیں جو تمہارے لئے حیاتِ بخش ہو  
 (انفال ۲۴) تو فوراً ان کی بات قبول کر لیا کرو۔

رسول ہی کی وہ ہستی ہے جس کی پیروی نہ کرنا میدانِ محشر میں باعثِ حسرت و ندامت  
 ہوگا۔ اللہ تعالیٰ عز و جل ارشاد فرماتا ہے :-

وَيَوْمَ تَعِيشُ الظَّالِمُ عَلَى يَدَيْهِ رُوزِ مُحْشَرٍ كُنْهَكَ رُوزِ هَاتِهِ كَاثُ كَاثُ  
يَقُولُ يَلِيْتَنِي اَتَّخَذْتُ مَعَ الرَّسُولِ كَهَآءِ كَا اَوْر كَهَآءِ كَا اَشْ مِیْنِ  
سَبِيلًا ۝ {فرقان ۲۴} رسول کی پیروی کی ہوتی۔

رسول ہی کی وہ ہستی ہے جس کی پیروی سے رحمت ملتی ہے۔ اللہ عزوجل کا فرمان ہے:-  
رَحْمَتِي وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ مِیْرِی رَحْمَتِ ہر چیز کو شامل ہے۔ یہ رحمت میں  
فَسَاكُنْهَا الَّذِیْنَ یَتَّقُونَ ۝ اِن لَّكُم دُوْنِ كَا جَوْ تَقْوٰی اٰمِتَارِ  
یُؤْتُونَ الزَّكَاةَ وَالَّذِیْنَ هُمْ كَرْتِیْ ہِیْنَ، زَكَاةَ دِیْتِ ہِیْنَ اَوْر ہِمَارِی اَیْتِیْ  
بَاٰتِنَا یُؤْمِنُونَ ۝ الَّذِیْنَ پَر اِیْمَانِ رَكْھتِیْ ہِیْنَ، یعنی وہ لوگ جو رسول  
یَتَّبِعُونَ الرَّسُولَ {اعراف ۱۵۷-۱۵۸} کی پیروی کرتے ہیں۔

رسول ہی کی وہ ہستی ہے جو اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی سے نہیں ڈرتا، جو تقیہ نہیں کرتا  
جو بے خوف و خطر حق کو بیان کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:-

الَّذِیْنَ یُبَلِّغُونَ رِسَالَاتِ اللّٰهِ جَو لُوكِ اللّٰهِ كِی رِسَالَتِ كُو پَنِیَا تِی ہِیْنَ اَوْر  
وَيَخْشَوْنَہٗ وَلَا یَخْشَوْنَ اَحَدًا اللّٰہِ سِی ہِیْ سِی ڈرتے ہِیْنَ اَوْر اللّٰہِ كِی علاوہ کسی  
إِلَّا اللّٰہَ {احزاب ۳۹} سے نہیں ڈرتے (وہی آپ کیلئے مقرر ہیں)

بھلا جو لوگ غیر اللہ سے ڈرتے ہوں، تقیہ کرتے ہوں، تقیہ کر کے حق کو چھپاتے  
ہوں وہ کیسے معصوم ہو سکتے ہیں، ان کی ہر بات کیسے حق ہو سکتی ہے، وہ کیسے امام  
ہو سکتے ہیں۔ امام تو درحقیقت وہی ہو سکتا ہے جو بے خوف و خطر اللہ کے احکام کی  
تبلیغ کرے اور کسی ملامت کرنے والے، طعنہ دینے والے کی پرواہ نہ کرے بلکہ اپنے مخالفین  
کو چیلنج دے کہ تم سب مل کر جو کچھ میرے خلاف کرنا چاہتے ہو کر گزرو اور مجھے ذرا سی بھی ہمت  
نہ دو۔

حضرت نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنی قوم سے فرماتے ہیں:-  
اٰجْمِعُوْا اٰمْرَكُمْ وَشُرَكَاءَكُمْ ثُمَّ لَا یَكُنْ اَمْرُكُمْ عَلَیْكُمْ غُمَّةً  
ثُمَّ اَنْضُوا اِلَیَّ وَلَا تُنْظِرُوْنِ ۝ {یونس ۱۰} تم اپنے تمام شرکار کو جمع کرو پھر (میرے خلاف)  
جو کچھ کرنا چاہو سب مل کر اس کا فیصلہ کرو،  
پھر میرے خلاف (جو چاہو) کر گزرو اور مجھے (ذرا سی بھی) ہمت نہ دو۔

حضرت ہود علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنی قوم سے فرماتے ہیں:-  
كَيْدُ ذٰلِیْ جَمِیْعًا ثُمَّ تَمَّ سَبْ مَلْ كَرِیْرِیْ عَلَافِ جَو تَدْبِیْرِیْ كَرِیْیَا ہُو



لَا تُنْظِرُونِ ۝ {ہود ۵۵} کر لو پھر مجھے (ذرا سی بھی) مہلت نہ دو۔

اللہ تعالیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کرتے ہوئے فرماتا ہے :-  
قُلِ ادْعُوا شُرَكَاءَكُمْ ثُمَّ (اے رسول) آپ کہہ دیجئے کہ اپنے شریکوں کو  
کِنِيدًا وَاِنْ فَلَا تُنْظِرُوْنِ {اعراف ۱۹۵} بلاؤ اور (سب مل کر) میرے خلاف جو  
تدبیر کرنی چاہو کرو، پھر مجھے (ذرا سی بھی) مہلت نہ دو۔

اس حکم الہی کی تعمیل میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اپنی قوم کو چیلنج دے دیا  
اور کسی قسم کا خوف محسوس نہیں کیا۔

الغرض رسولوں کے متعلق اللہ تعالیٰ کی گواہی ہے کہ وہ کسی سے نہیں ڈرتے۔ وہ بے  
خوف و خطر ہر مسئلہ کو بیان کرتے ہیں خواہ مخالفین اس مسئلہ کو سن کر کتنے ہی غیظ و  
غضب میں آئیں۔ اگر رسول ایسا نہ کریں تو حق رسالت ادا نہیں ہوگا جیسا کہ ارشاد  
باری ہے وَ اِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهُ (مائده - ۶۷)

جن علماء کو لوگوں نے خود امام بنالیا ہے اور ان کی اطاعت کو واجب قرار  
دے لیا ہے اُن کے ایمان کے ثبوت میں بھی ان کے پاس کوئی یقینی ذریعہ نہیں۔ ہم صرف  
ان کے ظاہری عقائد و اعمال کی بنیاد پر حسن ظن رکھتے ہیں کہ وہ مؤمن ہیں۔ لیکن ان کے  
مؤمن ہونے سے یہ کب لازم آتا ہے کہ ان کی تمام باتیں سو فیصدی صحیح ہوں گی۔ ان کی زبان  
سے سوائے حق کے اور کچھ نہیں نکلے گا، ان سے اجتہادی غلطی نہیں ہوگی۔ وہ تقیہ نہیں کریں  
گے۔ خوف و مصلحت کی خاطر حق کو نہیں چھپائیں گے، نہ ہمارے پاس ان کے متعلق وحی  
الہی کی ایسی کوئی سند ہے نہ خود ان اماموں کے پاس وحی الہی کی ایسی کوئی سند ہے  
نہ اُن کے پاس وحی آتی ہے کہ ان کو غلطی سے بچائے تو پھر بتائیے کہ ایسی صورت میں وہ  
امام کیسے ہو سکتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :-

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا  
اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَلَا تُبْطِلُوا  
أَعْمَالَكُمْ {محمد ۳۳} اے ایمان والو، اللہ کی اطاعت کرو اور  
رسول کی اطاعت کرو اور اپنے اعمال  
کو ضائع نہ کرو۔

آیت بالا سے معلوم ہوا کہ اعمال کی قبولیت کا دار و مدار اطاعت رسول پر ہے۔  
تمام اعمال حسنہ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کے مطابق نہ کئے جائیں باطل  
ہیں۔ کیا یہ حیثیت بھی کسی اور کو حاصل ہے۔ اگر نہیں تو وہ امام کیسے ہو سکتا ہے۔



اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:-

لَقَدْ مَنَّ اللَّهُ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ إِذْ بَعَثَ فِيهِمْ رَسُولًا مِنْ أَنْفُسِهِمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ (آل عمران)

یقیناً اللہ نے مومنین پر بڑا احسان کیا ہے کہ ان میں انہیں میں سے ایک رسول مبعوث کیا جو ان کو اللہ کی آیتیں پڑھ پڑھ کر سنانا ہے، ان کا تزکیہ کرتا ہے اور انہیں کتاب و حکمت کی تعلیم دیتا ہے۔

کیا ایسی سند اللہ تعالیٰ کی طرف سے کسی اور کو حاصل ہے۔ کیا کسی دوسرے کی اتباع سے تزکیہ نفس ہونا یقینی ہے۔ کیا کسی اور شخص کے متعلق کہا جاسکتا ہے کہ اس نے کتاب و حکمت کا جو مفہوم بتایا ہے وہ یقیناً صحیح ہے۔ اگر نہیں تو وہ امام کیسے ہو سکتا ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:-

كَانَ تَنَازُعُهُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ (نساء ۵۹)

اگر تم لوگوں میں کسی معاملہ میں اختلاف ہو جائے تو اس معاملہ میں اللہ اور رسول کی طرف رجوع کرو۔

کیا آپس کے اختلافات میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ بھی کوئی اور آخری سند مقرر کیا گیا ہے، اگر نہیں تو پھر وہ امام کیسے ہو سکتا ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:-

إِنَّا أَنْزَلْنَاهُ إِلَيْكَ بِالْحَقِّ (لئے رسول) ہم نے آپ کی طرف حق کے ساتھ کتاب نازل کی ہے لِنَتَّخِذَ مِنْهَا نَبَأَ لِمَنْ يَشَاءُ اللَّهُ (نساء ۱۱۴)

تاکہ آپ لوگوں کے درمیان (الحق) فیصلہ کریں جس اللہ چاہے گا۔

کیا کسی اور کے فیصلے بھی اللہ کی رہنمائی میں صادر ہوتے ہیں۔ اگر نہیں تو انکی بات کیسے سند ہو سکتی ہے۔

مندرجہ بالا آیات سے ثابت ہوا کہ صرف ایک ہی ہستی ایسی ہے جس کی اطاعت اللہ تعالیٰ کی اطاعت ہے، جس کی نافرمانی اللہ تعالیٰ کی نافرمانی ہے۔ جس کا طریقہ واجب الاتباع ہے۔ جس کی ہر بات وحی ہے، جو خود ہدایت پر ہے اور ہدایت کی طرف دعوت دیتا ہے، جس کی اطاعت و اتباع سے ہدایت ملتی ہے۔ جس کی پیروی سے ولایت ملتی ہے۔ جس کے پاس ان تمام باتوں کیلئے وحی الہی کی سند ہے اور وہ ہستی صرف محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی ہے۔ تو پھر بتائیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ کسی اور کی اطاعت سے، کسی اور کو آخری سند یا امام بنانے سے سوائے نقصان کے اور کیا مل سکتا ہے۔ یہ نقصان دو قسم کا ہوگا ایک شرک فی الرسالت یا شرک فی الامامت کا، دوسرا فرقہ بندی کا۔

شرک کسی قسم کا بھی ہو بغیر توبہ کے معاف نہیں ہوتا لہذا اس سے بچنا بڑا ضروری

ہے ورنہ نجات ناممکن ہے۔

فرقہ بندی اللہ تعالیٰ کا عذاب ہے اور اس سے چھٹکارا حاصل کرنے کا صرف ایک ہی ذریعہ ہے اور وہ یہ کہ صرف ایک مستفق علیہا امام کو امام مانا جائے۔ ایسا امام سوائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اور کون ہو سکتا ہے، کوئی فرقہ ایسا نہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو واجب الاتباع نہ ماننا ہو، ان کی پیروی کو ذریعہ نجات نہ سمجھتا ہو۔

اتباع رسول مقصد ہے ہمارا اور فقہاء ذریعہ تو ہو سکتے ہیں مقصد نہیں بن سکتے، ہمارا اور فقہاء امام کی باتیں ہم تک پہنچانے والے ہیں خود امام نہیں ہیں۔ امام ہمارا صرف ایک ہے اور وہ وہی ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے ہمارا امام بنایا ہے۔  
جماعت المسلمین اسی دعوت کو لے کر اٹھی ہے۔ آئیے، صرف اللہ کے بنائے ہوئے امام کو امام مانیں۔ فرقہ بندی ختم کر دیجئے، سب ایک مرکز پر جمع ہو جائیے اور ایک ہو جائیے۔

وَالْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

سلسلہ اشاعت ۷۶

## ہمارا دین صرف ایک یعنی اسلام

اللہ تعالیٰ ہمارا حاکم ہے، اطاعت و عبادت صرف اُسی کا حق ہے۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے امام ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی اطاعت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ ہوتی ہے۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، اللہ تعالیٰ اصا اُس کے بندوں کے درمیان واسطہ ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرتے ہیں وہ گویا اللہ تعالیٰ ہی کی اطاعت کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطے جو قانون ہمارے لئے بھیجا ہے اس قانون کو دین کہتے ہیں۔ اور اس دین کا نام اسلام ہے۔ ارشاد باری ہے:-

رَضِيتُ لَكُمْ الْإِسْلَامَ دِينًا (مايہ) ”میں نے تمہارے لئے جس دین کو پسند

کیا وہ اسلام ہے“

اللہ تعالیٰ نے اپنے دین کا نام اسلام رکھا اور اس اسلام کو اپنے تمام بندوں پر واجب العمل قرار دیا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:-

لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ عِنْدَ اللَّهِ الْإِسْلَامُ (آل عمران) ”بے شک اللہ تعالیٰ کے نزدیک  
دین صرف اسلام ہے۔“

اسلام کے علاوہ کوئی دین یا قانون اللہ کے بندوں پر نافذ نہیں ہو سکتا۔ جو لوگ  
اسلام کے علاوہ کسی اور دین یا قانون کو حق مانتے ہیں، اُس پر چلتے ہیں یا اُس کے متلاشی ہیں  
اُن کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:-

أَفَغَيْرَ دِينِ اللَّهِ يَبْتَغُونَ وَلَهُ ۚ ”کیا ان لوگوں کو اللہ کے دین کے علاوہ  
اَسْأَلُكُمْ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ کسی اور دین کی تلاش ہے حالانکہ آسمان  
طَوَّعًا وَكَرْهًا وَاِلَيْهِ يُرْجَعُونَ ۝ زمین طے سب طوعًا وكرهًا اللہ ہی کے  
فرمانبردار ہیں اور اُسی کی طرف ان سب کو لوٹ کر جانا ہے۔“

جو لوگ اللہ کے دین کے علاوہ کسی اور قانون یا ضابطہ کی پیروی کرتے ہیں وہ آخرت  
میں سُرخرو نہیں ہو سکتے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:-

وَمَنْ يَبْتَغِ غَيْرَ الْإِسْلَامِ ۚ ”جو شخص اسلام کے علاوہ کسی اور دین کا متلاشی  
دِينًا فَلَنْ يُقْبَلَ مِنْهُ وَهُوَ ۚ ہوگا تو وہ دین اُس سے ہرگز قبول نہیں کیا جائیگا  
فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ۝ ”آخرت میں وہ نقصان اُٹائے گا اور ہارے ہوگا“  
اسلام کے معنی اطاعت و فرمانبرداری کے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:-

قُلْ اَلْفِكْرُ لِلّٰهِ وَالْحِلُّ لَكُمْ اَسْلِمُوا (۱۳۱) ”تمہارا اللہ صرت ایک ہے لہذا صرت اُسی  
کیلئے اسلام لاؤ یعنی صرف اُسی کی فرمانبرداری کرو۔“

اسلام کے معنی سپرد کر دینے کے بھی ہیں جب کوئی شخص اسلام قبول کرتا ہے تو گویا وہ اپنے آپ کو  
اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دیتا ہے، اب وہ اپنی خواہشات پر نہیں چلتا بلکہ اُس کی تمام حرکات و سکنات اللہ تعالیٰ  
کے اشارہ پر ہوتی ہیں۔ وہ آزاد نہیں ہوتا بلکہ احکام الہی کا پابند ہوتا ہے، اُس کا تو پھر یہ قول ہو سکتا ہے:-  
مَحْيَايَ وَمَمَاتِي لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ (المائدہ ۱۳۳) ”میری زندگی اور موت سب اللہ تعالیٰ کے لئے ہے۔“

اسلام کے معنی سر جھکانے یعنی تسلیمِ غم کر دینے کے بھی ہیں، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:-  
بَلَىٰ مَنْ اَسْلَمَ وَجْهَهُ لِلّٰهِ وَهُوَ ۚ ”البتہ جو شخص اللہ کیلئے تسلیمِ غم کر دے اور نیک  
مُحْسِنٌ فَلَهُ اَجْرُهُ عِنْدَ رَبِّهِ (البقرہ) کام کرتا ہے اُس کیلئے اُس کے رب کے پاس (پہنچا جائیگا)“  
اسلام کی ہدایت ہے اور اسلام پر چلنے ہی سے ہدایت ملتی ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:-  
فَاِنْ سَاْجُوْكَ فَقُلْ اَسْلَمْتُ (لے رسول) اگر یہ آپ سے جھگڑیں تو کہہ دیجئے کہ

(436)



وَنَجِيهِ يَلِيهِ وَمَنِ اتَّبَعَ فَقَدْ  
لِلَّذِينَ أَذْنَوْا الْكِتَابَ وَالْأَقِيمِينَ  
عَاسَلُمْتُكُمْ فَإِنْ أَصْلَحْتُمْ فَقَدْ  
اِهْتَدَوْا فَإِنْ تَوَلَّوْا فَإِنَّمَا  
عَلَيْكُمُ الْبَلَاغُ وَاللَّهُ بَصِيرٌ  
بِالْعِبَادِ ۝ (آل عمران)

میں نے اللہ سے مشیعتیں لے لی ہیں اور اللہ کیلئے تسلیم غم  
کر دیا ہے اور (لے رسول) آپ اہل کتاب  
اللہ ناخواندہ لوگوں سے پوچھئے کیا تم اسلام  
قبول کرتے ہو؟ اگر وہ اسلام قبول کر لیں تو  
ہدایت یاب ہو جائیں گے اور اگر وہ (اسلام) سے  
من مڑیں تو آپ کے ذکر تو صرف پہنچا دینا ہے اور

اللہ اپنے بندوں کو دیکھ رہا ہے۔

قُلْ إِنِّي أُمِرْتُ أَنْ أَكُونَ أَوَّلَ  
مَنْ أَسْلَمَ (انبیاء)

(لے رسول) آپ کہتے ہیں کہ مجھے تو یہ حکم ملا ہے  
کہ میں سب سے پہلے اسلام قبول کروں۔

اسلام ایک نعمت ہے اور یہ نعمت اسی کو ملتی ہے جس کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہدایت پانے کی  
توفیق ہو۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے :-

فَمَنْ يُرِِدْ بِاللَّهِ أَنْ يَهْدِيَهُ يَشْرَحْ  
صَدْرَهُ لِلْإِسْلَامِ (نبیاء)

جس شخص کو اللہ ہدایت دینا چاہتا ہے تو اس کے  
سینہ کو اسلام کیلئے کھول دیتا ہے۔

أَفَمَنْ شَرَحَ اللَّهُ صَدْرَهُ لِلْإِسْلَامِ  
فَهُوَ عَلَىٰ لُورٍ مِّن رَّبِّهِ ۝ (زمر)

”جس شخص کے سینہ کو اللہ اسلام کیلئے کھول  
دیتا ہے تو پھر وہ اپنے رب کی طرف سے روشنی پر  
پر ہوتا ہے۔“

آیات بالا سے ثابت ہوا کہ اسلام نور ہدایت ہے، یہ ہدایت اللہ کی طرف سے نازل ہوتی ہے۔  
انسانوں کے افکار اور تصورات کا اس میں کوئی دخل نہیں ہوتا۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے :-

فَأَمَّا يَا تَبِيتُكُمْ فَمِنِّي هُدًى فَمَنْ  
لَّيْسَ هُدًى فَلَا خَوْفَ عَلَيْهِمْ وَلَا  
هُمْ يَحْزَنُونَ ۝ (بقرة)

(لے اولادِ آدم) جب کہ میری طرف سے تمہارے  
پاس ہدایت آئے تو جنہوں نے میری ہدایت کی  
پیروی کی انہیں نہ کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین  
ہوں گے۔

قُلْ إِنَّ هُدًى اللَّهِ هُوَ الْهُدَىٰ (بقرة)

(لے رسول) آپ کہتے ہیں کہ اللہ کی ہدایت  
ہی حقیقت ہدایت ہے۔

یہ ہدایت اسلام کی صحت میں نازل ہوئی، اس کے نازل ہونے کے بعد اب کسی اور چیز کی پیروی  
میں گمراہی کے سوا اور کیا مل سکتا ہے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے صرف اپنے نازل کردہ قانون (یعنی اسلام)  
کی پیروی کو فرض کر دیا اور دوسروں کی پیروی کو حرام کر دیا۔ ارشاد باری ہے :-



لَا تَتَّبِعُوا مِمَّا أُنْزِلَ إِلَيْكُمْ مِنْ رَبِّكُمْ (۱) جو چیز تمہارے رب کی طرف سے تمہارا  
وَلَا تَتَّبِعُوا مِنْ دُونِهِ أَوْلِيَاءَ (۲) طرف نازل ہوئی ہے (صرف) اُس کی پیروی

کر دو اور اس کے علاوہ ولیوں کی پیروی نہ کرو۔

جو ہدایت اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوئی تھی اللہ تعالیٰ نے اُسے کامل بھی کر دیا تھا۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے :-

أَلْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ آج میں نے تمہارے لئے تمہارے دین کو کامل

وَأَتَمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي (۱) کر دیا اہم پر اپنی نعمت پوری کر دی۔

اے ایمان والو! اس آیت پر غور کیجئے، سوچئے کہ آپ کا دین کامل ہے یا نہیں؟ کیا اس میں کوئی کمی

ہے، کیا اس میں کوئی نقص ہے؟ اگر اس دین میں کوئی کمی یا نقص ہے تو پھر دین کامل نہیں ہو سکتا

یقیناً اس دین کو آپ کامل ہی سمجھتے ہوں گے۔ تو پھر سوچئے کہ یہ دین کس دن کامل ہوا تھا۔ آپ

یہ کہیں گے کہ اُس دن کامل ہوا تھا جس دن مذکورہ بالا آیت نازل ہوئی تھی۔ آپ کو معلوم ہو گا

کہ یہ آیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے تقریباً تین مہینے پہلے نازل ہوئی تھی، گو یا دین

اسلام، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ میں کامل ہوا تھا۔ پھر آپ سوچئے کہ وہ کیا چیزیں

تھیں جن میں یہ دین کامل ہوا تھا۔ یقیناً وہ دُوبی چیزیں تھیں۔ ایک قرآن مجید، دوسری

حدیث شریف۔ لہذا ثابت ہوا کہ اسلام صرف قرآن و حدیث کے اندر محفوظ ہے۔ دوسرے لفظوں

میں یہ کہیے کہ اسلام، قرآن و حدیث کا نام ہے۔ ان ہی دو چیزوں میں اسلام مکمل ہوا تھا۔ تیسری

کوئی چیز اس دین میں نہ اس وقت شامل تھی اور نہ اب شامل ہو سکتی ہے۔ تیسری چیز اس

دین میں اُسی وقت شامل ہو سکتی ہے جب اس دین کو ناقص مانا جائے لیکن یہ عقیدہ قرآن مجید

کے خلاف ہے لہذا کفر ہے۔ خلاصہ یہ ہوا کہ اسلام کامل دین ہے لہذا اب اس میں نہ کسی کے اجتہاد

و قیاس کو داخل کرنے کا سوال پیدا ہو سکتا ہے اور نہ کسی نیک کام کو شامل کرنے کا جو پہلے

اس میں موجود نہ ہو۔ یعنی اسلام میں رائے اور بدعتِ خشنہ کی کوئی گنجائش نہیں۔

قارئین کرام، اسلام کو کامل مان لینے کے بعد اب آپ ذرا اپنی حالت کا بھی جائزہ لیجئے

کیا آپ کا دین وہی ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا تھا۔ کیا آپ کا دین قرآن و حدیث کے

اندر ہی محفوظ و محصور ہے یا قرآن و حدیث کے علاوہ کبھی بعض چیزوں کو آپ نے دین شمار کر رکھا

ہے۔ اگر آپ اس دین کو قرآن و حدیث کے اندر ہی محفوظ و محصور مانتے ہیں تو پھر آپ فرقوں میں

کیوں بنے ہوئے ہیں؟ سب دین ایک کیوں بن رہا ہے؟ اگر ہاں ہے تو نہیں کہ آپ نے سرچشمہ ہدایت سے الگ

بڑھ کر کسی اور چیز کو بھی ہدایت سمجھ رکھا ہے؟ کیا یہ صحیح نہیں کہ آپ نے ائمہ اور علما کے فتوؤں اور اجتہادات کو

بھی دین بکھڑکا ہے، یہی نہیں بلکہ قرآن و حدیث کو ان کا تابع کر دیا ہے، کیا اللہ تعالیٰ کے قانون کو انسانوں کی رائے کا تابع کیا جاسکتا ہے؟ کیا یہ کفر نہیں ہے؟

کیا آپ نے کبھی مذہبی دنیا کا جائزہ لیا، یہ تو فرد ہے کہ بعض فرقے بعض فرقوں کو گمراہ سمجھتے ہیں لیکن بعض فرقے ایسے بھی ہیں جو آپس میں لڑتے رہتے ہیں۔ کیا آپ نے کبھی سوچا کہ ان پار یا پانچ فرقوں کے فرقہ وارانہ مذاہب میں سے ہر ایک اسلام ہے یا ان فرقہ وارانہ مذاہب کا مجموعہ اسلام ہے۔ ظاہر ہے کہ دوسری بات کا تو آپ بڑی آسانی سے انکار کر دیں گے اس لئے کہ اس کو مان لینے کے بعد تو کسی مذہب میں بھی پورا اسلام نہیں ہوگا۔ اسلام کا ایک جز ہی ہوگا اور یہ بات کسی کو منظور نہیں ہوگی کہ وہ اپنے مذہب کو کابل اسلام نہ کہے۔ وہ گئی دوسری صحت، یعنی ان میں سے ہر ایک اسلام ہے، تو پھر ایک اور مشکل پیش آئے گی۔ وہ یہ کہ ان فرقہ وارانہ مذاہب میں بے حد اختلاف ہے، حلال و حرام کا فرق ہے۔ ایک ہی چیز ایک مذہب میں حلال ہے تو دوسرے میں حرام ہے۔ اصحاب کہتے ہیں کہ دونوں حق پر ہیں، یعنی دونوں فرقہ وارانہ مذاہب اسلام ہیں۔ سوچئے کیا ہر ایک کو اسلام بننے کے بعد قیصر بنیں گے یا ایک اسلام کے کئی اسلام بن جائیں گے۔ کیا یہ ممکن ہے؟ کیا یہ صحیح صحت ہے؟ ہرگز نہیں، ایک تو مسلم اس بات سے کتنا پریشان ہوگا جبکہ اس سے یہ کہا جائے گا کہ یہ تمام مذاہب ایک دوسرے کے مخالف ہوتے ہوئے بھی اسلام ہیں۔ اگر کسی مذہب میں کوئی چیز حلال ہے تو وہ بھی اسلام ہے، اگر دوسرے مذہب میں وہی چیز حرام ہے تو وہ بھی اسلام ہے۔ ایں پر بوجہ صحت۔ اس کے مقابلہ میں اگر اس تو مسلم ہے یہ کہہ دیا جائے کہ بس جو کچھ قرآن و حدیث میں ہے، وہ اسلام ہے۔ تو یہ بات اس کیلئے کتنی سکون بخش ہوگی۔

تائید کرام غور کیجئے، آخر ان مذاہب کے بننے کی کیا ضرورت تھی، فتووں کو دین میں داخل کرنا کیا ضرورت تھی، کیا قرآن و حدیث میں کابل اسلام نہیں تھا؟ اگر نہیں تھا تو یہ ماننا پڑے گا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کا اسلام ناقص تھا فتوؤں کا اضافہ ضروری تھا۔ ان فتوؤں نے ایک اسلام کے کئی اسلام بنائے ان کی وجہ سے امت کئی فرقوں میں تقسیم ہو گئی۔ اللہ و اس کے رسول نے جس بات کی سختی سے ممانعت کی تھی اس پر کاربند ہو گئی، پھر جو نقصان ہمارا ظاہر ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:-

وَأَفْتَوْا بِالْحَبْلِ الشَّيْطَانِ لَا تَفْرَقُوا (آل عمران)

اور فرقہ فرقہ نہ بنو۔

اللہ کی تکیہ تینا اللہ تعالیٰ کی شریعت ہے جو اس نے نازل فرمائی ہے اور عموماً ہرے کہ صرف قرآن و حدیث کے اندر مختص ہے، لہذا صرف قرآن و حدیث کو دین ماننے کے بعد ہی ہم سب ایک ہو سکتے ہیں اور فرقہ بندی سے بچ سکتے ہیں۔

ابن کتاب میں بھی کئی فرقے ہو گئے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو ان کی بدش ازہی سے ہوشیار کر کے فرقہ بندی کی ممانعت فرمائی تھی، ارشاد باری ہے:-







آئی کہ دشمن جو فرقہ بندی سے ہزاروں کیوں ہوں فرقوں الگ نہیں ہوتا۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:-  
 وَإِنَّ هَذِهِ أُمَّتُكُمْ أُمَّةً وَاحِدَةً ۖ "یہ تمہاری جماعت حقیقتاً ایک ہی جماعت ہے"  
 أَنَا رَبُّكُمُ فَاتَّقُونِ ۝ (مومنون) اور میں تم سب کا رب ہوں لہذا مجھ سے ڈرتے رہو۔  
 اللہ تعالیٰ ہم کو ایک جماعت دیکھنا چاہتا ہے تو پھر کیوں نہ ہم ایک جماعت ہی ہائیں۔ فرقے فرقے  
 بنا لینا اللہ تعالیٰ کی مرضی کے خلاف ہے اور جو چیز اللہ تعالیٰ کی مرضی کے خلاف ہو ہم کو اس سے بیزار ہونا چاہیے۔  
 قارئین کرام، سوچئے اختلاف اور فرقہ بندی کو ختم کر نیکی کیا صورت ہے۔ اگر آپ نجدگی سے غور کریں گے  
 تو آپ خود اس نتیجہ پہنچیں گے کہ اس کی بس ایک ہی صورت ہے اور وہ یہ کہ ہم اپنا دین صرف اسلام  
 کو مانیں، فرقہ دارانہ مذاہب سے کنارہ کش ہو جائیں۔ اسلام پر عمل کرنے کیلئے صرف قرآن و حدیث کی طرف رجوع کریں  
 جو چیز قرآن و حدیث میں نہ ہو اس پر رائے زنی نہ کریں، نہ رائے زنی ہوگی نہ اختلافات ہونگے جماعت المسلمین  
 ہی دعوت لیکر کھڑی ہوئی ہے۔ اُٹھئے، جماعت المسلمین کی دعوت قبول کیجئے اور اس کے ساتھ تعاون فرمائیے۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

## جماعت المسلمین کی دعوت

ہمارا حکم	صرف ایک یعنی: اللہ تبارک و تعالیٰ .. اللہ کے سوا کوئی نہیں
ہمارا امام	صرف ایک یعنی: محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم .. فرقہ دارانہ امام نہیں
ہمارا دین	صرف ایک یعنی: اللہ کا پسند کردہ دین اسلام .. فرقہ دارانہ مذہب نہیں
ہمارا نام	صرف ایک یعنی: اللہ کا لکھا ہوا نام اسلام .. فرقہ دارانہ نام نہیں
ہماری جنت	صرف ایک یعنی: اللہ تعالیٰ سے تعلق .. دنیوی تعلقات نہیں
وہم افتخار	صرف ایک یعنی: ایمان باللہ العظیم .. وطن اور زبان نہیں

**جماعت المسلمین**

اگر آپ اس دعوت سے متفق ہیں تو ہمارے ساتھ تعاون فرمائیں۔  
 نثر پھر مفت طلب فرمائیں۔

مسیحہ المسلمین، پتہ: نیشنل ایسوسی ایشن،  
 ۱۰/۱۰، نیشنل ایسوسی ایشن، کراچی۔

# جماعت المسلمین

# ہمارا نام صرف ایک — یعنی مُسْلِم

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :-

هُوَ سَمَّيْكُمْ الْمُسْلِمِينَ مِنْ قَبْلُ وَفِي هَذَا (ج ۷۸)

اللہ تعالیٰ نے نزولِ قرآن سے پہلے بھی اور اس قرآن میں بھی تمہارا نام مُسْلِم رکھا ہے۔

آیت بالا سے ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے جب بنی نوع انسان کو پیدا کیا تو اپنے ملنے والوں کا نام مُسْلِم رکھا۔ گویا آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے لے کر حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک جتنے بھی نبی آئے وہ سب مُسْلِم کہلاتے تھے اور ان پر ایمان لانے والے بھی مُسْلِم ہی کہلاتے تھے۔

قرآن مجید میں انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے اذکارِ جلیلہ کے سلسلہ میں لفظ مُسْلِم بار بار استعمال ہوا ہے متعلقہ آیات ذیل میں ملاحظہ فرمائیں :-

① حضرت نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :-

(اے رسول) ان کو نوح (علیہ السلام) کا حال سنائیے جب انہوں نے اپنی قوم سے کہا: اے میری قوم، اگر میرا منصب اور اللہ کی آیات کے ذریعہ میری نصیحت تم پر گراں گزرتی ہے تو میں اللہ پر توکل کرتا ہوں، تم اپنے تمام شرکار کو جمع کرو، پھر (میرے خلاف) جو کچھ کرنا چاہو سب مل کر اس کا فیصلہ کرو تمہاری تدبیر کا کوئی گوشہ تم سے مخفی نہ رہ جائے، پھر (اس متفقہ تدبیر کے مطابق) میرے خلاف (جو چاہو) کر گزرو اور مجھے (ذرا سی بھی) مہلت نہ دو۔ پھر (اس پیچھے کے بعد بھی) اگر تم منہ موڑو تو میں تم سے کوئی اجرت نہیں مانگتا، میری اجرت تو اللہ کے ذمہ ہے۔ مجھے تو یہ حکم دیا گیا ہے کہ میں مسلمان میں سے ہوں۔

وَإِذْ عَلَيْنَاهُمْ نَبَأُ نُوحٍ ، إِذْ قَالَ لِقَوْمِهِ يَتُومِرُ إِنَّ كَانَ كَبُرَ عَلَيْكُمْ مَقَامِي وَتَذْكِرِي بِآيَاتِ اللَّهِ فَعَلَى اللَّهِ تَوَكَّلْتُ فَأَجِيعُوا أَمْرَكُمْ وَشُرَكَاءَكُمْ شُرَكَاءُ لَا يَكُنْ أَمْرَكُمْ عَلَيْكُمْ غُمَّةٌ ثُمَّ اقْضُوا إِلَيَّ وَلَا تُنْظِرُونِ ۝ فَإِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَمَا سَأَلْتُكُمْ مِنْ أَجْرٍ ، إِنْ أَجْرِيَ إِلَّا عَلَى اللَّهِ وَآمَرْتُ أَنْ أَكُونَ مِنَ الْمُسْلِمِينَ ۝ (یونس ۷۱ ، ۷۲)

اس آیت سے معلوم ہوا کہ حضرت نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام مسلم تھے۔

② حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :-

مَا كَانَ إِبْرَاهِيمَ يَهُودِيًّا وَلَا  
نَصْرَانِيًّا وَلَكِنْ كَانَ حَنِيفًا مُّسْلِمًا،  
وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِينَ ○ (آل عمران)

ابراہیم (علیہ السلام) نہ یہودی تھے، نہ عیسائی بلکہ وہ  
تو ایک اللہ کے ملنے والے مسلم تھے۔ وہ مشرکین  
میں سے بھی نہیں تھے۔

حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام اور حضرت یعقوب علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنے بیٹوں کو وصیت

کرتے ہوئے فرماتے ہیں :-

فَلَا تَمُوتُنَّ إِلَّا وَأَنْتُمْ مُّسْلِمُونَ ○ تمہیں موت نہ آئے مگر اس حال میں کہ تم مسلم ہو۔

(بقرہ - ۱۳۲)

ان آیات سے معلوم ہوا کہ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام، ان کے صاحبزادے حضرت  
اسماعیل علیہ الصلوٰۃ والسلام اور حضرت اسحق علیہ الصلوٰۃ والسلام اور ان کے پوتے حضرت یعقوب  
علیہ الصلوٰۃ والسلام سب مسلم تھے۔

③ حضرت لوط علیہ الصلوٰۃ والسلام کی قوم پر عذاب نازل کیا گیا۔ عذاب سے پہلے اللہ تعالیٰ  
نے اہل ایمان کو اس بستی سے بخیر و عافیت باہر نکال لیا، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :-

فَمَا وَجَدْنَا فِيهَا غَيْرَ بَيْتٍ مِّنَ  
الْمُسْلِمِينَ ○ (ذاریات - ۳۶)

ہمیں اس بستی میں کوئی مسلم گھر نہ ملا سوائے  
ایک گھر کے۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ حضرت لوط علیہ الصلوٰۃ والسلام مسلم تھے۔

④ حضرت اسماعیل علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنے والد بزرگوار کے ساتھ ملکر اس طرح دعا کرتے ہیں :-

رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُّسْلِمَيْنِ لَكَ وَمِنْ  
ذُرِّيَّتِنَا أُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ (بقرہ ۱۲۸)

اے ہمارے رب ہم کو اپنا مسلم بنا اور ہماری اولاد میں  
سے بھی ایک جماعت کو اپنا مسلم بنا۔

⑤ حضرت یعقوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کی وفات کے وقت ان کے تمام صاحبزادے بیک زبان  
کہتے ہیں :-

نَحْنُ لَهُ مُّسْلِمُونَ ○ (بقرہ - ۱۳۳)

ہم سب صرف اللہ کے مسلم ہیں۔

⑥ حضرت یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام اس طرح دعا کرتے ہیں :-

تَوَفَّنِي مُّسْلِمًا وَأَلْحِقْنِي بِالصَّالِحِينَ ○ اے رب مجھے اس حالت میں موت دے کہ میں



(یوسف - ۱۰۱) مسلم ہوں اور مجھے صالحین کی رفاقت عطا فرما۔

⑤ حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :-  
 وَقَالَ مُوسَىٰ يُقَوْمُ إِن كُنْتُمْ  
 آمِنْتُمْ بِاللّٰهِ فَعَلَيْهِ تَوَكَّلُوا إِن  
 كُنْتُمْ مُّسْلِمِينَ ○ (یونس - ۸۴)

موسیٰ (علیہ السلام) نے (اپنی قوم سے) کہا اے میری قوم اگر تم اللہ پر ایمان لے آئے ہو اور مسلم بن گئے ہو تو اللہ ہی پر بھروسہ کرو۔

⑧ حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام سے مقابلہ کرنے والے جادوگر جب مسلم ہوئے تو فرعون نے انہیں بھانسی دینے کی دھمکی دی، فرعون کی دھمکی سن کر اُن اللہ کے بندوں نے اس طرح دعاء کی :-  
 رَبَّنَا أَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَتَوَقَّفْنَا  
 مُّسْلِمِينَ ○ (اعراف - ۱۲۶)

اے ہمارے رب ہمیں صبر عطا فرما اور ہمیں اس حالت میں موت دے کہ ہم مسلم ہوں۔

⑨ حضرت سلیمان علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ملکہ سبا کو خط لکھا، اُس خط میں انہوں نے تحریر فرمایا :-  
 أَلَّا تَعْلُوا عَلَيَّ وَأُتُونِي مُّسْلِمِينَ ○  
 (نمل - ۳۱)

میرے ساتھ سرکشی نہ کرو اور مسلم بن کر میرے پاس آ جاؤ۔

ملکہ سبا نے فرمایا :-

أَسْلَمْتُ مَعَ سُلَيْمَانَ لِلّٰهِ رَبِّ  
 الْعَالَمِينَ ○ (نمل - ۴۴)

میں سلیمان (علیہ السلام) کے ساتھ اللہ ربِّ العالمین کی مسلم ہو گئی۔

⑩ حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :-  
 فَلَمَّا أَحَسَّ عِيسَىٰ مِنْهُمُ الْكُفْرَ  
 قَالَ مَنْ أَنصَارِي إِلَى اللَّهِ ، قَالَ  
 الْحَوَارِيُّونَ نَحْنُ أَنصَارُ اللَّهِ آمَنَّا  
 بِاللّٰهِ وَاشْهَدْ بِأَنَّا مُّسْلِمُونَ ○  
 (ال عمران - ۵۲)

جب عیسیٰ (علیہ السلام) نے اپنی قوم میں کفر (کے رجحان) کو محسوس کیا تو کہا کون اللہ کے راستہ میں میرا مددگار ہے، حواریوں نے کہا ہم اللہ کے (راستہ میں آپ کے) مددگار ہیں، ہم اللہ پر ایمان لائے، آپ گواہ رہیں کہ ہم مسلم ہیں۔

مندرجہ بالا آیات سے ثابت ہوا کہ تمام انبیاء علیہم السلام پر ایمان لانے والوں کا ایک ہی نام تھا اور وہ نام مسلم تھا۔ بعد میں انہوں نے اس نام کو بدل دیا۔ کسی نے یہودی یا بنی اسرائیل نام رکھ لیا اور کسی نے عیسائی، علیٰ ہذا القیاس تمام امتوں نے اللہ تعالیٰ کا رکھا ہوا نام بدل دیا اور جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلام کی دعوت دی تو گزشتہ امتوں میں دنیا کے کسی گوشہ میں ایک متنفّس

بھی ایسا نہیں تھا جو اپنے آپ کو مسلم کہلواتا ہو۔

اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ ایمان لانے والوں کا پھر وہی نام رکھا۔ قرآن مجید میں بار بار اس بات پر زور دیا کہ ایمان والوں کا نام مسلم ہی ہونا چاہئے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :-  
 (اے رسول) آپ کہہ دیجئے ”مجھے یہ حکم ملا ہے کہ میں سب سے پہلا مسلم بنوں۔“  
 الْمُسْلِمِينَ ۝ (زمر - ۱۲)

دوسری جگہ ارشاد باری ہے :-

قُلْ إِنْ صَلَاتِي وَنُسُكِي وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِي لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ۝ لَا شَرِيكَ لَهُ وَبِذَلِكَ أُمِرْتُ وَأَنَا أَوَّلُ الْمُسْلِمِينَ ۝ (انعام - ۱۶۲ و ۱۶۳)

(اے رسول) آپ کہہ دیجئے کہ میری نماز، میری قربانی، میری زندگی اور میری موت اللہ رب العالمین کے لئے ہے، اس کا کوئی شریک نہیں، مجھے اسی بات کا حکم دیا گیا ہے اور میں سب سے پہلا مسلم ہوں۔

ایک اور جگہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :-

نَحْنُ لَهُ مُسْلِمُونَ ۝ (آل عمران - ۸۴)

(اے رسول آپ کہہ دیجئے کہ) ہم تو صرف اللہ کے مسلم ہیں۔

مومنین کے ذریعہ مسلم نام کا اعلان | اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں کو بھی بار بار اسی نام کے اعلان کرنے کا حکم دیا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :-

نَحْنُ لَهُ مُسْلِمُونَ ۝ (بقرہ - ۱۳۶)

(اے اہل ایمان، کہہ دو کہ) ہم تو صرف اللہ کے مسلم ہیں۔

جماعت المسلمین کو بشارت | جماعت المسلمین کو خوش خبری دیتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :-  
 يٰعِبَادِ لَا خَوْفٌ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ ۝ وَلَا أَنْتُمْ تَحْزَنُونَ ۝ الَّذِينَ آمَنُوا بِآيَاتِنَا وَكَانُوا مُسْلِمِينَ ۝ (زخرف - ۶۸ و ۶۹)

(قیامت کے دن میں کہوں گا) اے میرے بندو آج تم کو نہ کوئی خوف ہوگا اور نہ تم غمگین ہوگے (یہ بات ان لوگوں سے کہی جائے گی) جو ہماری آیتوں پر پرا ایمان لائے تھے اور مسلم تھے۔

مسلم اور مجرم کو ایک دوسرے کی ضد قرار دیتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :-

أَفَنَجْعَلُ الْمُسْلِمِينَ كَالْمُجْرِمِينَ ۝ (قلم - ۲۵)

کیا ہم مسلمین کو مجرمین کے مانند قرار دیں گے۔



جَنّات میں بھی اہل اللہ کا نام مسلم ہے | اللہ تعالیٰ نے مسلم نام صرف ایمان والے انسانوں کا ہی نہیں رکھا بلکہ جو جنّات ایمان لائے تھے وہ بھی اپنے کو مسلم ہی کہتے تھے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جنّات آپس میں باتیں کرتے ہوئے اس طرح کہتے ہیں :-

وَأَنَا مِنَ الْمُسْلِمُونَ وَمِنَّا الْقَاسِطُونَ  
فَمَنْ أَسْلَمَ فَأُولَٰئِكَ تَحَرَّوْا وَرَشَدُوا  
(جن - ۱۴)

اللہ تعالیٰ کی طرف سے اہل ایمان کو ہدایت  
يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ حَقَّ  
تَقَاتِهِ وَلَا تَمُوتُنَّ إِلَّا وَأَنْتُمْ مُسْلِمُونَ  
(آل عمران - ۱۰۲)

جماعت المسلمین کے ساتھ وابستہ رہنے کا حکم  
اگر کرتے ہوئے فرمایا "ایک زمانہ ایسا آئے گا کہ لوگ (مگر اسی کی طرف) اس طرح دعوت دیں گے گویا کہ وہ دوزخ کے دروازہ پر کھڑے ہو کر دوزخ میں آنے کی دعوت دے رہے ہیں، جو شخص ان کی پکار پر لبیک کہے گا وہ اسے جہنم میں ڈال دیں گے (یعنی جس نے ان کا کنا مان لیا وہ یقیناً دوزخ میں جائے گا)" حضرت حذیفہؓ نے کہا "اے اللہ کے رسول، ان کی کچھ صفت بیان کیجئے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :-  
هُمْ مِنْ جِلْدَتِنَا وَيَتَكَلَّمُونَ  
بِأَلْسِنَتِنَا۔  
وہ ہماری ہی قوم کے آدمی ہوں گے اور ہماری ہی زبان میں باتیں کریں گے۔

حضرت حذیفہؓ نے پوچھا "اگر میں وہ زمانہ پاؤں تو کیا کروں؟" آپ مجھے کیا حکم دیتے ہیں؟" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :-

تَلْزَمُ جَمَاعَةَ الْمُسْلِمِينَ وَإِمَامَهُمْ  
تم جماعت المسلمین اور جماعت المسلمین کے امیر سے  
چمٹے رہنا۔

حضرت حذیفہؓ نے پوچھا "اگر جماعت المسلمین نہ ہو اور نہ اس کا کوئی امیر ہو (تو میں کیا کروں؟)" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :-

فَاعْتَزِلْ تِلْكَ الْفِرْقَ كُلَّهَا وَلَوْ أَنَّ  
أَعْصَى بِأَصْلِ شَجَرَةٍ حَتَّى يُدْرِكَكَ  
(ایسی حالت میں بھی) تم تمام فرقوں سے علیحدہ رہنا۔  
خواہ تمہیں درخت کی جڑیں ہی کیوں نہ چبانی پڑیں۔



الْمَوْتُ وَأَنْتَ عَلَى ذَلِكَ (صحیح بخاری کتاب  
الفتن باب کیف الامر اذا لم تكن جماعة و صحیح مسلم کتاب الامارة  
باب الامر بزم الجماعة)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مندرجہ بالا ارشاد گرامی بالکل واضح ہے، اس میں نہ کوئی الجھن ہے نہ ابہام  
اس پیشین گوئی کے مطابق جب امت میں انتشار پیدا ہو جائے گا اور امت مختلف فرقوں میں بٹ جائیگی تو اس  
وقت اگر اللہ والوں کی جماعت ہوگی تو اس کا نام جماعت المسلمین ہوگا۔ یہ جماعت ان تمام فرقوں سے علیحدہ  
ہوگی دوزخ کی طرف بلانے والوں سے اس کا کوئی تعلق نہ ہوگا۔  
وصایائے نبوی | اس حدیث میں دو باتوں کی وصیت ہے :-

- ① جماعت المسلمین سے چمٹے رہنا۔
- ② جماعت المسلمین نہ ہو تو تمام فرقوں سے علیحدہ ہو کر اگر درخت کی جڑیں چبانی پڑیں تو درخت  
کی جڑیں چبانا اور اسی حالت میں مرجانا۔

بتائیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ان وصیتوں پر کس طرح عمل کیا جائے۔ اگر جماعت المسلمین ہے  
تو اس میں شامل ہو جائیے، نہیں ہے تو پھر تمام فرقوں سے کنارہ کش ہو جائیے اور اسی حالت میں مرجائیے۔  
الغرض حدیث بالا کا تقاضہ یہ ہے کہ ہم تمام فرقوں سے علیحدہ رہیں، صرف مسلم بنیں، اپنے کو صرف  
مسلم کہیں اور صرف جماعت المسلمین سے وابستہ رہیں۔

حکیم رسول | رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جس نے جاہلیت کی پکار پکاری وہ اہل دوزخ میں سے  
ہے" ایک شخص نے پوچھا "اے اللہ کے رسول، اگرچہ وہ نماز پڑھے اور روزے رکھے؟" رسول اللہ صلی اللہ علیہ  
وسلم نے فرمایا "اگرچہ وہ نماز پڑھے اور روزے رکھے"۔ پھر فرمایا "فَادْعُوا بِدَعْوَى اللَّهِ الَّذِي  
سَمَّيْتُكُمُ الْمُسْلِمِينَ الْمُؤْمِنِينَ عِبَادَ اللَّهِ" لہذا (مسلمین کو) اس ہی لقب سے پکارو جس  
لقب سے اللہ نے، جس نے تمہارا نام مسلمین رکھا ہے، پکارا ہے، یعنی مؤمنین، اللہ کے بندے۔ (رداہ  
الترمذی فی ابواب الامثال و صحیح)

اللہ اللہ، جب القاب تک بدلنے کی اجازت نہیں تو نام بدلنا کیسے جائز ہو سکتا ہے۔ لیکن افسوس  
کہ لوگوں نے نام بدل ڈالا اور پھر اس پر غر بھجی کر رہے ہیں۔ بتائیے کیا آپ اپنے آپ کو صرف  
مسلم کہنے کے لئے تیار ہیں؟

ہمیں امید ہے کہ آپ ضرور اس کے لئے تیار ہوں گے۔ بہر حال  
إِشْهَدُوا بِأَنَّا مُسْلِمُونَ ○ (آل عمران - ۶۴) آپ گواہ رہیے کہ ہم تو مسلم ہیں۔

## ہماری محبت کی بنیاد صرف ایک یعنی اللہ تعالیٰ

محبت کی بنیادیں مختلف ہوا کرتی ہیں۔ کبھی محبت کی بنیاد رشتہ داری ہوتی ہے، کبھی شرکت ہوتی ہے، کبھی دولت ہوتی ہے، کبھی خوبصورتی ہوتی ہے، کبھی قومیت ہوتی ہے، کبھی وطنیت ہوتی ہے اور کبھی محبت کی بنیاد اللہ تعالیٰ ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:-

وَالَّذِينَ آمَنُوا أَشَدُّ حُبًّا لِلَّهِ (البقرہ: ۱۷۷) "مومن سب سے زیادہ محبت اللہ سے کرتے ہیں۔" اس آیت سے ثابت ہوا کہ مومن درحقیقت وہ ہے جو سب سے زیادہ محبت اللہ تعالیٰ سے کرے اور جو شخص سب سے زیادہ محبت اللہ تعالیٰ سے نہیں کرتا وہ مومن نہیں۔ مومن کا سب سے بڑا محبوب اللہ تعالیٰ ہونا چاہئے۔ دوسری جگہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:-

قُلْ إِنْ كَانَ آبَاؤُكُمْ وَأَبْنَاؤُكُمْ وَإِخْوَانُكُمْ وَأَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيرَتُكُمْ وَأَمْوَالٌ اقْتَرَفْتُمُوهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسْكِنٌ تَرْضَوْنََهَا أَحَبَّ إِلَيْكُمْ مِّنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ وَجِهَادٍ فِي سَبِيلِهِ فَتَرَبَّصُوا حَتَّى يَأْتِيَ اللَّهُ بِأَمْرٍ ۖ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفَاسِقِينَ ۝ (نور: ۲۴)

"(اے رسول) کہہ دیجئے کہ اگر تم کو اپنے آباء، واجداد، بیٹے، بھائی، بیویاں، خاندان، مال جو تم نے کمایا ہے، تجارت جس کے مندا ہونے سے تم ڈرتے ہو، اور تمہارے پسندیدہ مکانات، اللہ، اُس کے رسول اور اللہ کے راستہ میں کوشش کرنے سے زیادہ محبوب ہیں تو پھر اللہ کے حکم (یعنی نذاب) کا انتظار کرو اور اللہ فاسق لوگوں کو ہدایت نہیں کرتا۔"

اس آیت سے بھی معلوم ہوا کہ مومن کو سب سے زیادہ محبت اللہ تعالیٰ سے ہونی چاہئے۔ لہذا ان تمام وجوہ سے جو کہ بنیاد پر کسی سے محبت کی جاتی ہے اللہ تعالیٰ کی خاطر محبت کرنے کی وجہ سب سے زیادہ اللہ اور عظیم ہونی چاہئے۔ اگر کوئی شخص اللہ تعالیٰ کی خاطر کسی اللہ والے سے محبت نہیں کرتا تو اُس کا منطقی اور لازمی نتیجہ یہ ہے کہ وہ درحقیقت اللہ تعالیٰ ہی سے محبت نہیں کرتا۔ اللہ تعالیٰ سے شدید ترین محبت کرنے اور اللہ والوں سے محبت کرنے ہی سے ایمان کی مٹھاس مل سکتی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:-

ثَلَاثٌ مَنْ كُنَّ فِيهِ وَجَدَ حَلَادَةً إِلَىٰ يَمَانٍ مَنْ كَانَ اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَحَبَّ إِلَيْهِ مِمَّا سِوَاهُمَا وَمَنْ أَحَبَّ عَبْدًا إِلَّا

"تین چیزیں جس شخص میں ہوں اُس نے ایمان کی مٹھاس پائی (۱) جس کے نزدیک اللہ اور اُس کا رسول تمام چیزوں سے زیادہ محبوب ہو (۲) جو کسی بندے



يُحِبُّهُ إِلَّا لِلَّهِ وَمَنْ يَكْفُرْ أَنْ يَتُوبَ فِي الْكُفْرِ بَعْدَ إِذْ أَنْقَذَهُ اللَّهُ كَمَا يَكْفُرُ أَنْ يُلْقَى فِي النَّارِ (مجموعہ بخاری ص ۱۴۸) دیکھو کہ اللہ نے اسے کفر سے نجات دے دی ہو اور انہیں بھی جتنا بڑا کہ وہ آگ میں ملے بلکہ کو بھڑکا ہے جس طرح محبت اللہ کیلئے ہونی چاہیے اسی طرح بغض بھی اللہ کیلئے ہونا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے :-

لَا تَجِدُ قَوْمًا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ  
الْآخِرِ يُوَادُّونَ مَنْ حَادَّ اللَّهَ وَرَسُولَهُ  
وَلَوْ كَانُوا آبَاءَهُمْ أَوْ أَبْنَاءَهُمْ أَوْ إِخْوَانَهُمْ  
أَوْ عَشِيرَتَهُمْ أُولَئِكَ كَتَبَ فِي قُلُوبِهِمُ  
الْإِيمَانَ وَأَتَدَّ لَهُمُ رُوحٌ مِنْهُ وَيُدْخِلُهُمْ  
جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ  
فِيهَا مَرْضَى اللَّهِ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ أُولَئِكَ  
حِزْبُ اللَّهِ أَلَا إِنَّ حِزْبَ اللَّهِ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ۝  
رہیں گے، اللہ ان سے راضی ہوگا اور وہ اللہ سے راضی ہونگے، یہی اللہ کا لشکر ہے اور خبردار ہجاء  
بے شک اللہ ہی کا لشکر فلاح پانے والا ہے۔

جو شخص اللہ تعالیٰ کا دشمن ہے ایمان والوں کو بھی اسے اپنا دشمن سمجھنا چاہیے۔ اللہ فرماتا ہے :-  
يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا  
أَبَاءَكُمْ وَلَا إِخْوَانَكُمْ أَوْلِيَاءَ إِنِ اسْتَحَبُّوا  
الْكُفْرَ عَلَى الْإِيمَانِ وَمَنْ يَتَوَلَّهُمْ مِنْكُمْ  
فَأُولَئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ ۝ (نور ۲۴)

دوسری جگہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :-  
يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا  
عَدُوِّي وَعَدُوَّكُمْ أَوْلِيَاءَ تُلْقُوا  
إِلَيْهِمُ بِالْمُودَةِ وَقَدْ كَفَرُوا بِمَا جَاءَكُمْ  
مِنَ الْحَقِّ ۚ إِنَّهُمْ فِي صَعْتٍ ۝  
اگے فرمایا :-  
وَمَنْ يَفْعَلْهُ مِنْكُمْ فَقَدْ ضَلَّ

اگے فرمایا :-  
اور جو کوئی تم میں سے ایسا کرے گا تو وہ سیدھے



سَوَاءَ السَّبِيلِ ۝ { مستحبہ } راستہ سے بھٹک گیا۔

ایمان باللہ کا تقاضہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی کیلئے محبت کی جائے، اللہ تعالیٰ ہی کیلئے بغض رکھا جائے اور جو شخص اللہ تعالیٰ کیلئے بغض نہیں رکھتا وہ آیاتِ بالاکِ رُود سے ظالم ہے، گمراہ ہے۔ ایسے لوگوں کو سزا دیتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :-

لَنْ تَنْفَعَكُمْ أَرْحَامُكُمْ وَلَا أَوْلَادُكُمْ قِيَامَتِ الْيَوْمِ { مستحبہ } تمہیں ہرگز کسی قسم کا فائدہ نہ پہنچا سکیگا۔

غلامِ رب ہو کہ محبت اللہ بغض کی بنیاد اللہ تعالیٰ ہے جو اللہ کا ہے اس سے ہیں محبت ہونی چاہئے۔ جو اللہ کا نہیں ہے اس سے ہیں نفی بغض ہونا چاہئے۔ اللہ تعالیٰ کا جس کسی سے جیسا تعلق ہو گا ہمارا بھی اس کے ساتھ ویسا ہی تعلق ہو گا۔ ہمارے تعلقاتِ للہیت کے ماتحت ہوں گے جس شخص کا جتنا زیادہ تعلق اللہ تعالیٰ سے ہو گا اتنی ہی زیادہ محبت کا وہ حقدار ہو گا، کیونکہ اللہ تعالیٰ سے سب سے زیادہ تعلق رسول کو ہوتا ہے لہذا ہمیں بھی مخلوقات میں سب سے زیادہ محبت رسول سے ہونی چاہئے، ایمان باللہ کا تقاضہ یہی ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں :-

لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتَّىٰ أَكُونَ أَحَبَّ إِلَيْهِ مِنْ وَالِدِهِ وَوَلَدِهِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ { صحیح بخاری و صحیح مسلم } تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک مؤمن نہیں ہو سکتا جب تک کہ میں اس کے نزدیک اس کے باپ، اس کے لڑکے اور تمام لوگوں سے زیادہ محبوب ہو جاؤں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :-

الَّذِينَ آوَلَىٰ بِالْمُؤْمِنِينَ مِنْ أَنْفُسِهِمْ { احزاب } مومنین کو چاہئے کہ نبی کو اپنی جانوں سے زیادہ عزیز رکھیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد پھر درجہ بدرجہ تمام رسولوں اور مومنین سے محبت ہونی چاہئے۔ مومن سے محبت کیوں کی جائے؟ اس لئے کہ وہ اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتا ہے، اس کا تعلق اللہ تعالیٰ سے ہے۔ اسی تعلق کا تقاضہ ہے کہ ہم اس سے محبت کریں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :-

وَالْمُؤْمِنُونَ وَالْمُؤْمِنَاتُ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ { توبہ } مومن مرد اور مومن عورتیں ایک دوسرے کے دوست ہوتے ہیں۔

ہمیں ہر مومن سے ایسی محبت ہونی چاہئے جیسی محبت اپنے بھائی سے ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :-

إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ { حجرات } یقیناً مومن آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں :-





اللہ تعالیٰ مشقیوں سے محبت کرتا ہے، یہیں بھی مشقیوں سے محبت کرنی چاہیے، یہ محبت کبھی منقطع نہیں ہوگی، حقیقی دوستی ہے جو کبھی دشمنی میں تبدیل نہیں ہوگی۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :-

الْأَخِلَاءُ يَوْمَئِذٍ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ قِيَامَتِ كَيْدِ دُوسْتِ آفِسِ مِیْنِ اَیْکِ دُوسرے عَدُوٌّ إِلَّا الْمُتَّقِينَ ۝ { زُحُرِف } کے دشمن ہو جائیں گے سولے مشقیوں کے (وہ اس دن بھی ایک دوسرے سے محبت کریں گے)

میدان محشر میں بہت سخت گرمی ہوگی، لوگوں کو اتنا پسینہ آئیگا کہ کوئی اپنے پسینہ میں ٹخنوں تک کوں گھسنوں تک کوئی کمر تک ڈوب جائیگا، کسی کا پسینہ سُنک تکت پہنچ جائے گا لیکن وہ دُؤ آدمی سایہ میں ہوں گے جو اللہ تعالیٰ کیلئے ایک دوسرے سے محبت کرتے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں :-

سَبْعَةٌ يُظِلُّهُمُ اللَّهُ فِي ظِلِّهِ شَات (فہم کے) آدمی ہیں جن کو اللہ تعالیٰ (قیامت کے یَوْمَ لَا ظِلَّ إِلَّا ظِلُّهُ)..... وَرَجُلَانِ (دن) اپنے سایہ میں جگہ دیگا، اُس دن اللہ کے سایہ کے تَحَاتُّا فِي اللَّهِ اجْتَمَعَا عَلَيْهِ وَتَفَرَّقَا علاوہ کہیں سایہ نہ ہوگا..... وہ دُؤ آدمی (بھی اُس عَلَیْهِ { صحیح بخاری و صحیح مسلم } سایہ میں ہوں گے) جو آپس میں ایک دوسرے سے اللہ کیلئے محبت کرتے تھے۔ اکٹھے ہوتے تھے تو اسی محبت پر، جدا ہوتے تھے تو اسی محبت پر (یعنی حاضر ہوں یا غائب یہ محبت بدستور قائم رہتی تھی)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں "بے شک (اللہ کیلئے) آپس میں محبت کرنے والوں کے بالا اٹھنے جنت میں اس طرح دکھائی دیں گے جس طرح مشرق یا مغرب میں طلوع ہونے والا تارہ دکھائی دیتا ہے۔ لوگ پوچھیں گے وہ کون لوگ ہیں (جو ان بالا خانوں میں مقیم ہیں) جواب ملیگا :-

الْمُتَحَابُّونَ فِي اللَّهِ عَزَّ وَجَلَّ (مسند احمد، رجالہ ثقات، بلوغ الامانی جز ۱۹ ص ۱۵۷ دسندہ صحیح) یہ وہ لوگ ہیں جو اللہ عزوجل کیلئے آپس میں محبت کرتے تھے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں "اللہ کے بعض بندے ایسے ہیں کہ اُن کی مجلس اور قُرب الہی کو دیکھ کر انبیاء اور شہداء اور شک کریں گے۔" ایک شخص نے کہا "اے اللہ کے رسول اُن کی صفت کیا ہوگی؟" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "وہ لوگ غیر مسرور اور اپنے قبیلہ سے دور اور غنی ہونگے ان میں آپس میں کوئی قریبی رشتہ نہیں ہوگا، وہ آپس میں ایک دوسرے سے صرف اللہ کیلئے محبت کرتے ہوں گے اور اسی محبت پر وہ ایک دوسرے سے ملتے جلتے ہوں گے، قیامت کے دن اللہ انہیں نور کے منبروں پر بٹھائیگا اور اُن کے چہروں اور کپڑوں کو بھی نورانی کر دیگا۔ قیامت کے دن تمام لوگوں پر گھبراہٹ طاری ہوگی لیکن ان لوگوں پر کوئی گھبراہٹ طاری نہیں ہوگی۔ یہ لوگ اللہ کے دلی ہوں گے انہیں نہ تو کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے (مسند احمد عن ابی مکتوفہ رتبانی جز ۳ ص ۱۵۲ و جز ۱۹



۱۵۸، حسنہ المنذری و صحاح الحاکم {

رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَرَمَاتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے :-

وَجَبَّتْ مَحَبَّتِي لِلْمُتَحَابِّينَ فِي مِثْرِي مَحَبَّتِ اَنْ لَوْ كُنْ كَيْلَ لَازِم ہو گئی جو میرے لئے  
{مولانا مالک ص ۳۷۳ و سند صحیح} آپس میں ایک دوسرے سے محبت کرتے ہیں۔

مندرجہ بالا آیات احادیث سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کیلئے آپس میں محبت کرنا بہت ضروری ہے۔ مسلمان  
سب سے بڑا محبوب اللہ تعالیٰ ہے۔ تو پھر ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کیلئے محبت دوسری تمام محبتوں سے بالاتر ہونی چاہیے یہی  
وہ محبت ہے جو ہمیں سیدہ پلائی ہوئی دیوار بنادے گی، ہم ایک ہو جائیں گے، ایک سرے پر اپنی جان چھڑکیں گے،  
دوسروں کی تکلیف ہم پر شاق گذریگی، ہم اُس کو حتی الوسع دُور کر نیکی کو شش کرینگے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم  
فرماتے ہیں "تم دیکھو تمہارے کہ نمون آپس میں ترخم، محبت اور مہربانی میں ایک جسم کی مانند ہیں، جب (بدن کے)  
کسی عضو میں (درد وغیرہ کی) شکایت ہوتی ہے تو بدن کے باقی اعضاء ایک سرے کو بلاتے ہیں (تاکہ وہ بھی  
شریکِ الم ہوں اور سب ملکر اس عضو کی تکلیف کو دُور کر نیکی کو شش کریں، پھر ہوتا یہ ہے کہ) نیند نہیں آتی، بخار  
جڑھ جاتا ہے (اور سارا بدن بے چین ہو جاتا ہے)" {صحیح بخاری و صحیح مسلم}

رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَرَمَاتے ہیں "تمام نمون فرد و واحد کے مثل ہیں، اگر اُس کی آنکھ میں درد ہوتا ہے  
تو تمام بدن درد میں مبتلا ہو جاتا ہے، اگر سر میں درد ہوتا ہے تو تمام بدن بے چین ہو جاتا ہے"۔ {صحیح مسلم}  
پس اگر ایک نمون پر کوئی مصیبت آئے تو تمام ایمان والوں کو اُس کی مصیبت میں شریک ہو جانا چاہیے۔  
ایک نمون کی تکلیف پوری امت مسلمہ کی تکلیف بنی چاہیے، اس طرح معاشرہ میں سکون و راحت کی ہوائیں چلیں گی،  
اخوت، ہمدردی اور مواسات کی گھنگھور گھٹائیں فضا میں فضا کے عالم پر چھا جائیں گی، ہم ایک سرے کی قوت کا سبب  
ہوں گے، ہماری قوت بے پناہ ہوگی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں :-

"ایک نمون دوسرے نمون کیلئے ایسا ہے جیسے ایک عمارت، اگر اس کا بعض حصہ بعض حصہ کو تقویت دیتا ہے،  
پھر اپنے ایک ہاتھ کی انگلیاں دوسرے ہاتھ کی انگلیوں میں ڈالیں (اور یہ بتایا کہ جس طرح ایک انگلی دوسری  
انگلیوں کی قوت کا سبب اسی طرح ایک نمون دوسرے نمون کی قوت کا سبب ہے، اگر ایک فرد بھی الگ ہو جائے  
تو قوت میں کافی فرق پڑ جائیگا)" {صحیح بخاری و صحیح مسلم}

جامع المسلمین کی دعوت یہی ہے کہ ہم سب ایک جہاں ہیں، ایک اللہ کو حاکم مانیں، صرف حضرت محمد رسول اللہ  
صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا امام مانیں، صرف اسلام کو دین مانیں، صرف قرآن حدیث پر عمل کریں، اپنے آپ کو صرف مسلم  
کہیں، اللہ کیلئے آپس میں ایک سرے سے محبت کریں اور اس محبت کو تمام محبتوں پر ترجیح دیں۔ کوئی شخص جو نبیاء  
وہ ہمارے ملک کا باشندہ ہو یا ہمارے خاندان کا فرد ہو یا ہمارا وطنی بھائی ہو ہمیں اُس کے مقابلہ میں ایک نیک  
اللہ والے سے زیادہ محبت ہونی چاہیے۔ جو شخص اسلام کا یا اللہ والوں کا دشمن ہو اُس سے اللہ تعالیٰ کیلئے بغض رکھنا چاہیے۔

## ہمارے فخر کا سبب صرف ایک — یعنی ایمان

فخر کے اسباب بہت سے ہو سکتے ہیں، مثلاً نسب، وطن، زبان، قابلیت، طاقت، سیاست، اقتدار، حسن، لیکن فخر کے یہ تمام اسباب فانی ہیں۔ ان میں سے کوئی بھی آخرت میں کام آئیگا۔ نہیں، آخرت میں کام آنے والی چیز صرف ایمان ہے، یہی وہ چیز ہے جس پر ایک ظالم کو فخر کرنا چاہیے۔ اسی کی بنیاد پر معاشرہ کی تشکیل کرنی چاہیے، اسی کی بنیاد پر محبتوں کو استوار کرنا چاہیے۔ عزت کا مالک صرف اللہ تعالیٰ عزوجل ہے۔ اللہ عزوجل فرماتا ہے:-

إِنَّ الْعِزَّةَ لِلَّهِ جَمِيعًا (نساء) بے شک تمام عزت اللہ کے قبضہ میں ہے  
تَعِزُّ مَنْ نَّشَاءُ وَتُذِلُّ مَنْ يَشَاءُ اللہ ہی عزت دیتا ہے، اللہ ہی ذلت دیتا ہے۔ اگر ہمارا اللہ تعالیٰ پر واقعی ایمان ہے تو یقیناً وہ ہمیں عزت دیگا، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:-

مَنْ كَانَ يُرِيدِ الْعِزَّةَ فَإِنَّ الْعِزَّةَ تُدْرِكُهُ جَوْشَنُ عَزَّتْ كَا طَلَبْكَارِہے تو عزت تو سب  
جَمِيعًا (فاطر) اللہ کی ہے (وہ جس کو چاہیگا عزت دیگا)

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:-

وَلِلَّهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُولِهِ وَلِلْمُؤْمِنِينَ (منافقون) عزت اللہ کیلئے ہے، اس کے  
رسول کیلئے ہے اور مؤمنین کیلئے ہے۔

آیت بالا سے واضح ہوا کہ ایمان ہی درحقیقت عزت ہے، لہذا قابل فخر چیز صرف ایمان ہی ہو سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:-

جَعَلْنَاكُمْ أُمَّةً وَسَطًا (بقرہ) ہم نے تمہیں وسط امت بنایا۔

اے ایمان والو! ایمان ہی کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے تمہیں بہترین امت کا خطاب دیا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:-

كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ (اے ایمان والو!) تم بہترین امت ہو، تمہیں  
تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ (آل عمران) کی اصلاح کیلئے پیدا کیا گیا ہے  
سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان لاتے ہو۔

اے ایمان والو! یہ ایمان ہی ہے جس کے باعث اللہ تعالیٰ نے

هُوَ اجْتَبَاكُمْ (ع ۷۸) تم کو (اقوام عالم میں) منتخب کیا (اور

قیادت کی ذمہ داریاں تمہارے سپرد کیں)

ثُمَّ أَوْثَرْنَا إِلَيْكَ الْذِينَ اللَّهُ تَعَالَى نے اپنے بندوں میں سے تمہیں چُن  
اصْطَفَيْنَا مِنْ عِبَادِنَا (فہم) لیا اور (اپنی) کتاب و ارث تمہیں ٹھہرایا۔  
اے ایمان والو! تمہیں اپنے ایمان پر بجا طور پر فخر ہو سکتا ہے، اس لئے کہ اس ایمان ہی کی بدولت  
اللہ تعالیٰ کی نظر انتخاب تم پر پڑی اور تمہیں اقوام عالم کا قائد بنادیا، تمہیں وہ اعزاز بخشا کہ دوسرے  
لوگ تمہارے غلام کا بھی مقابلہ نہیں کر سکتے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:-

وَلَعَبْدٌ مُؤْمِنٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكٍ مِّنْ غُلَامٍ مُّشْرِكٍ بَہتر ہے اگرچہ مشرک  
مُشْرِكٌ وَ لَوْ آعَجَبَكُمْ (بیتہ) (بظاہر) کتنا ہی اچھا کیوں نہ معلوم ہو۔  
اے ایمان والو! اسی ایمان کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے تمہیں اپنی نعمت سے سرفراز فرمایا۔ ارشاد

باری ہے:-

وَ اذْكُرُوا نِعْمَتَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ وَمَا أَنزَلَ عَلَيْكُمْ مِنَ الْكِتَابِ وَالْحِكْمَةِ۔ اللہ نے جو نعمتیں تمہیں بخشی ہیں انہیں یاد کرو  
(بقرہ - ۲۳۱) اور جو کتاب اور حکمت تم پر نازل کی ہے اُسے بھی یاد کرو۔

وَمَنْ يُؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ أُوتِيَ خَيْرًا كَثِيرًا (بیتہ) یہ حکمت (اتنی بڑی نعمت ہے کہ) جس کو مل گئی  
اُس کو درحقیقت خیر کثیر مل گئی۔

اللہ تعالیٰ کی طرف سے کتاب و حکمت کا نزول اتنی بڑی نعمت ہے کہ اس کے مقابلہ میں تمام نعمتیں  
بیچ ہیں۔ اے ایمان والو! یہ نعمت بھی تمہیں ایمان ہی کی بدولت ملی ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:-

يَا أَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَاءَكُمْ كُفْرٌ لَّكُمْ مَوَظَّةٌ مِّنْ رَبِّكُمْ وَمِنْكُمْ شِفَاءٌ لِّمَا فِي الصُّلُوبِ وَرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِينَ ۝ قُلْ يُفْضِلُ اللَّهُ وَرَحْمَتِهِ فَبِذَلِكَ فَلْيَفْرَحُوا هُوَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُونَ ۝ (یونس) فضل اور اُس کی رحمت سے (تمہیں ملے)  
اے لوگو! تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے  
نصیحت اور قلوب کی بیماریوں کے لئے شفاء  
(بخش شریعت) آگئی ہے، وہ (سردیلا)  
ہدایت اور مؤمنین کیلئے رحمت ہے (اے  
رسول!) آپ کہہ دیجئے کہ یہ سب کچھ اللہ کے  
یونس) فضل اور اُس کی رحمت سے (تمہیں ملے)  
ہے تو اب اس (نعمت کے حصول) پر تمہیں خوش ہونا چاہئے۔ یہ نعمت ان تمام چیزوں  
سے بہتر ہے جن کو لوگ جمع کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی یہ نعمت ایمان والوں کو ملی ہے، لہذا ایمان ہی وہ چیز ہے جس پر فخر کا دار و مدار  
ہے۔ اے ایمان والو! یہ ایمان ہی ہے جس کے باعث اللہ تعالیٰ تمہارا دوست بن جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ



فرماتا ہے:-

اللَّهُ مَوْلَى الَّذِينَ آمَنُوا (بیتہ) اللہ ایمان والوں کا دوست ہے۔

ایمان ہی غلبہ کا باعث ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:-

وَأَنْتُمْ الْأَعْلَوْنَ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ ۝ (آل عمران) اگر مومن رہے۔

وَلَنْ يَجْعَلَ اللَّهُ لِلْكَافِرِينَ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ سَبِيلًا (نہا۱) غلبہ نہیں دے گا۔

ایمان ہی فضل الہی کا باعث ہے، ارشاد باری ہے:-

وَاللَّهُ ذُو فَضْلٍ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ ۝ اللہ مومنین پر (برط۱) فضل کرنے والا ہے۔ (آل عمران- ۱۵۲)

ایمان ہی احساس برتری پیدا کرتا ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:-

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا الْيَهُودَ وَالنَّصَارَىٰ أَوْلِيَاءَ ۚ يَهْدُوا إِلَىٰ أَوْلِيَائِهِمْ وَمِنْ بَعْضِهِمْ آوِلِيَاءُ مِنْ بَعْضِهِمْ ۚ يَتَوَلَّوْا لَهُمْ قُرْبَانًا مِنْهُمْ ۚ قَاتِلُوا الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْآخِرِ وَلَا يُحَرِّمُونَ مَا حَرَّمَ اللَّهُ وَرَسُولُهُ وَلَا يَدِينُونَ دِينَ الْحَقِّ مِنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ حَتَّىٰ يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ يَدٍ وَهُمْ صَاغِرُونَ ۝ (توبہ)

(لے ایمان والو!) ان لوگوں سے لڑو جو اللہ اور یوم آخرت پر ایمان نہیں رکھتے اور نہ ان چیزوں کو حرام سمجھتے ہیں جو اللہ اور اس کے رسولؐ نے حرام کی ہیں اور اہل کتاب میں سے اُن لوگوں سے بھی لڑو جو دین حق کو قبول نہیں کرتے یہاں تک کہ وہ ذلیل ہو کر اپنے ہاتھ سے جزیہ ادا کریں۔

یہ ہے مومنین کی شان! مومنین کو برتر ہونا چاہئے نہ کہ ماتحت۔ مومنین کو احساس کمتری کا شکار نہیں ہونا چاہئے۔ احساس کمتری سے انسان اپنی امتیازی شان کھودیتا ہے۔ اسلامی چیزوں کو حقیر سمجھنے لگتا ہے، دوسروں کی چیزوں کو اختیار کرتا ہے، یہ چیز آخر کفر کی نہیں تو اور کس چیز کی غماز ہے۔ اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:-

مَنْ تَشَبَهَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ۔ جس نے کسی دوسری قوم کی مشابہت کی

(ابوداؤد، صحیح العراقی - بوغ الامانی) تو وہ انہی میں شمار ہوگا۔

رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے مومنین میں مزید احساسِ برتری پیدا کرتے ہوئے فرمایا۔  
لَا تَبْدُوْا الْیَہُوْدَ وَلَا النَّصَارَ یَہودیوں اور عیسائیوں کو سلام کرنے میں  
بِالسَّلَامِ وَلَا اِذَا لَقِیْتُمْ اَحَدَهُمْ اَبْتَدَاؤُہُ کَرُوْا، اور جب تم راہ میں ان میں سے  
فِی طَرِیْقٍ فَاصْطَرُوْہُ اِلٰی اَصْحَبِہٖ کسی سے ملو تو اُسے تنگ راستہ پر چلنے کیلئے  
(صحیح مسلم) مجبور کرو۔

اللہ تعالیٰ اور اُس کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم تو مومنین میں احساسِ برتری پیدا کرنا چاہتے ہیں  
لیکن آجکل کے لوگ احساسِ کتری میں مبتلا ہو کر دوسروں کی نقالی پر فخر کرتے ہیں۔ افسوس ہے،  
کیا یہی شانِ ایمان ہے۔

ایک مومن کو کافر کے مقابلہ میں اپنے ایمان پر فخر کرنا چاہیئے، لیکن ایک مومن کو دوسرے مومن  
پر فخر کرنے کیلئے کوئی بنیاد نہیں۔ اس سلسلہ میں لوگوں نے جو بنیادیں بنا رکھی ہیں مثلاً نسب،  
وطن، زبان وغیرہ یہ سب سراسر غیر اسلامی ہیں۔

نسب پر فخر کرنا لغو ہے، نسبِ آخرت میں کام نہیں آئے گا۔ اہل کتاب اسی فخر میں مبتلا  
تھے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا:-

یٰۤاَیُّہَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا قَدْ خَلَتْ لَہُمَا مَا  
کَسَبَتْ وَاَنتُمْ مَّا کَسَبْتُمْ وَلَا  
تُسْأَلُوْنَ عَمَّا کَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ۝  
یہ ایک جماعت تھی جو گزر گئی، ان کے عمل  
ان کے کام آئیں گے، تمہارے عمل تمہارے  
کام آئیں گے، ان کے اعمال کے متعلق تم  
سے باز پرس نہیں ہوگی۔  
(سورہ ابراہیم ۱۱)

دوسری جگہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:-

فَلَا اَنْسَابَ بَیْنَهُمْ یَوْمَئِذٍ (مؤمنین) اُس دن نسب کام نہیں آئیں گے۔  
رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم فرماتے ہیں:-

اَنَسَابُکُمْ ہٰذِہٖ لَیْسَتْ بِمَسَبَہٍ یٰۤاَیُّہَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا  
عَلٰی اَحَدٍ مِّنْکُمْ بَنُوْا اَدَمَ طَفًّا  
اَلصَّاعِ بِالصَّاعِ لَمْ تَمْلُوْہُ مَلِیْسَ (ہو جیسے) ایک صاع دوسرے صاع کے مقابلہ  
اِلَّا حِدٌّ عَلٰی اَحَدٍ فَضْلٌ اِلَّا بَدِیْنِ میں ہوتا ہے (کیا) تم اُسے بھرتے نہیں ہو (کیا)  
وَتَقْوٰی کَفٰی بِالرَّجُلِ اَنْ یُّکُوْنَ ایک صاع دوسرے صاع سے برتر ہوتا ہے، نہیں  
بَدِیْنًا فَاِحْسَابُ خَیْلٍ (راحمہ - بوغ) بس اسی طرح کسی کو کسی پر بزرگی نہیں ہے

الامانی رحمہ اللہ وسندہ صحیح۔ التعلیقات۔ مگردین اور تقویٰ کی وجہ سے۔ آدمی میں یہی  
برائی کافی ہے کہ وہ زبان دراز ہو، فحش بکنے  
والا ہو اور نخیل ہو (اخلاقی برائی درحقیقت

برائی ہے، نسب کی برائی کوئی حقیقت نہیں رکھتی)

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:-

يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُمْ  
مِّنْ ذَكَرٍ وَأُنْثَىٰ وَجَعَلْنَاكُمْ  
شُعُوبًا وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا  
إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللَّهِ أَتْقَىٰكُمْ  
إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ (مجادلہ)

جو تم میں زیادہ متقی ہے۔ بے شک اللہ جاننے والا، خبردار ہے۔

وطن پر فخر کرنا بھی غیر اسلامی چیز ہے۔ وطن زمین کا ایک حصہ ہوتا ہے، انسانی پیدائش  
کے لحاظ سے زمین کے ایک حصہ کو دوسرے حصہ پر کوئی فضیلت نہیں، جغرافیائی لحاظ سے کسی زمین  
کا بہتر ہونا یا دینی لحاظ سے کسی زمین کا باحترمت ہونا اور بات ہے لیکن کسی بہتر زمین یا باحترمت زمین  
میں پیدا ہونے سے کسی انسان کو کوئی فضیلت حاصل نہیں ہوتی۔ مدینہ منورہ کی حرمت سے کس کو  
انکار ہے، لیکن منافقین وہیں کی پیداوار ہیں۔ مدینہ منورہ کے مشرقی علاقہ مثلاً عراق وغیرہ سے  
بموجب حدیث نبوی بہت سے فتنے اُٹھے لیکن اُسی عراق کی سرزمین میں بہت سے اہل اللہ بھی  
پیدا ہوئے۔

وطن کی محبت نہ ایمان کا کوئی جزو ہے نہ اس سلسلہ میں کوئی حدیث وارد ہوئی ہے۔ اسلام  
عالمگیر اخوت کا درس دیتا ہے، مسلم قوم بس ایک قوم ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:-

وَإِنَّ هَذِهِ أُمَّتُكُمْ أُمَّةً  
وَاحِدَةً وَأَنَا رَبُّكُمْ فَاتَّقُونِ  
(مؤمنون ۵۲)

اللہ تعالیٰ ایک ہے تو اُس کی جماعت بھی ایک ہی ہونی چاہیے۔ یہ ہے وحدتِ ملت کا وہ  
سبق جس کو ہم بالکل بھول گئے۔ اپنے ملک اور اپنی قوم پر فخر کرنے لگے، پہلے ملکی بعد میں مسلم بننے  
پر ناز کیا جانے لگا، کافروں کی نقالی میں ہمارے ہاں بھی مادرِ وطن نے جنم لیا، وطن کی خاطر مرنے اور  
جینے کا رجحان پیدا ہوا۔



اپنی مادری زبان پر فخر کرنا اور اُس کی خاطر جھگڑنا اسلامی شیوہ نہیں، اسلام اس قسم کے جاہلانہ تصورات کو طیامیٹ کرتا ہے۔ یہ تصورات تعصبات کو جنم دیتے ہیں۔ اس سے مسلمان کی قوت کو سخت نقصان پہنچتا ہے۔ ہمیں صرف اس زبان سے محبت ہونی چاہیے جس میں اللہ نے اپنا آخری قانون نازل کیا، باقی تمام زبانیں ہمارے لئے برابر ہونی چاہئیں۔

مسلمان میں ملکی یا سیاسی، نسلی یا قومی، لسانی یا ثقافتی حدود قائم کرنا اسلامی اصول کو مسخ کر دینے کے مترادف ہے، وطن پرستی سے اسلامی معاشرہ کی بنیادیں ہل جاتی ہیں۔ وحدت ملت کا سبق قصہ پارینہ بن جاتا ہے۔ جتنے ملک اتنی ہی قومیں وجود میں آتی ہیں۔ اُمتِ مسلمہ عصبيت کا شکار ہو جاتی ہے۔ اتفاق و اتحاد کا زرین اصول ختم ہو کر رہ جاتا ہے۔ یہ قومیں آپس میں لڑ لڑا کر اپنی قوت کو خود ہی پارہ پارہ کر لیتی ہیں مشترک دشمن کے مقابلہ میں بھی متحد نہیں ہوتیں۔ اگر ہوتی ہیں تو خلوص مفقود ہوتا ہے، ایک مسلم ملک پر مصیبت آتی ہے تو دوسرا مسلم ملک تماشا دیکھتا ہے نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ نہ وہ رہتا ہے نہ یہ کسی ملک کی حفاظت محض اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی اور اسلام کی بقا کی خاطر صرف اسی ملک کے مسلمان پر ہی فرض نہیں بلکہ دنیا کے تمام مسلمان پر فرض ہے۔ لیکن کتنے مسلم ہیں جن کو اس بات کا احساس ہے۔ دینی فرقوں نے ہی کچھ کم نقصان نہیں پہنچایا تھا، جو کسر رہ گئی تھی وہ ان وطنی اور ملکی فرقوں نے پوری کر دی۔ اللہ کا رشتہ کالعدم ہو گیا، اللہ کی محبت کی جگہ وطن کی محبت نے لے لی، وطن کا بیت دل و دماغ پر چھا گیا، مسلم عنقا ہو گئے، اسلام ختم ہوتا جا رہا ہے، اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ۝

رَسُولُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم فرماتے ہیں :-

اِنَّ اللّٰہَ یَرْفَعُ بِہَذَا الْکِتَابِ  
اَقْوَامًا (بیع مسلم)   
بیشک اللہ اس کتاب کے ذریعہ قوموں کو رفعت و  
سر بلندی عطا فرمائے گا۔

مسلمان کو تو اس کتاب میں کے ملنے پر فخر کرنا چاہیے جس کتاب کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے سر بلندی کی ضمانت ہے۔  
رَسُولُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم فرماتے ہیں :-

مَنْ قَاتَلَ تَحْتَ رَايَةٍ عُثْمِيَّةٍ  
يَغْضَبُ لِعَصْبَةٍ أَوْ يَدْعُو  
إِلَى عَصْبَةٍ أَوْ يَنْصُرُ عَصْبَةً  
لَقَتِلَ نَفْسًا جَاهِلِيَّةً وَفِي رِوَايَةٍ  
لَيْسَ مِنْ أُمَّتِي (صحیح مسلم ترمذی)   
جو شخص اندھے جھنڈے کے نیچے لڑے  
(یعنی بے سوچے سمجھے اپنی قوم کی حمایت  
کرے) یعنی قوم کیلئے غضب میں آئے  
یا عصبيت کی روایت یا عصبيت کی دعوت دے یا عصبيت میں  
اپنی قوم کی مدد کرے پھر وہ قتل ہو جائے  
تو اُس کا قتل جاہلیت کا قتل ہوگا، ایسا شخص میری اُمت میں سے نہیں۔

رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کے عہدِ بابرکت میں ایک مہاجر اور ایک انصاری (لڑکوں) میں کچھ جھگڑا ہو گیا، انصاری نے انصار کو آواز دی۔ مہاجر نے مہاجرین کو آواز دی۔ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے سنا تو آپ باہر تشریف لائے اور فرمایا:-

مَا بَالُ دَعْوَى أَهْلِ الْجَاهِلِيَّةِ - یہ اہل جاہلیت کی پکار کیسی ہے؟  
لوگوں نے آپ کو سارا واقعہ سنایا، آپ نے فرمایا:-

دَعْوَاهَا فَإِنَّهَا خِيَّتُهُ (صحیح بخاری اس (قسم کی پکار) کو چھوڑ دو، خبیث کتبِ احادیثِ الانبیاء و صحیح مسلم کتاب البر والصلۃ) پکار ہے۔

مہاجر اور انصار کتنے اچھے لقب ہیں لیکن جب ان لقبوں کو مسلمین میں تفریق پیدا کرنے کا ذریعہ بنایا جائے تو ان لقبوں کا ترک کرنا ضروری ہے۔ ایسے موقع پر ان لقبوں سے پکارنا خبیث کام ہے، یہ ایامِ جاہلیت یعنی کافروں کا شعار ہے۔ اس سے بچنا چاہیے۔ افسوس کہ لوگوں نے بہت سے گھٹیا لقبوں اور فرقہ دارانہ ناموں سے اپنے کو منسوب کر کے آپس میں تفریق پیدا کر لی، آئے دن کے جھگڑے انہی ناموں کے شاخسانے ہیں۔ کاش یہ لوگ غور کریں اور اپنا صرف ایک نام رکھ لیں یعنی مسلم، یہی اللہ تعالیٰ کا رکھا ہوا نام ہے۔  
رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فرماتے ہیں:-

مَنْ ادَّعَى دَعْوَى الْجَاهِلِيَّةِ فَإِنَّهُ مِنْ جُنَى جَهَنَّمَ فَقَالَ رَجُلٌ يَا رَسُولَ اللَّهِ وَإِنْ صَلَّيْتُ وَصَامْتُ فَقَالَ وَإِنْ صَلَّيْتُ وَصَامْتُ فَادْعُوا بِدَعْوَى اللَّهِ الَّذِي سَمَّيْتُكُمُ الْمُسْلِمِينَ الْمُؤْمِنِينَ عِبَادَ اللَّهِ :-

{رواہ الترمذی فی ابواب الامثال صححاً} لہذا (مسلمین کو) اُن ہی القاب سے پکارو جن القاب سے اللہ نے، جس نے تمہارا نام مسلمین رکھا ہے، پکارا ہے یعنی مؤمنین، اللہ کے بندے۔

رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے حجۃ الوداع کے موقع پر ۱۲ ذوالحجہ سنہ ۱ھ کو خطبہ دیتے ہوئے فرمایا:-

يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّ رَبَّكُمْ وَاحِدٌ لے لوگو! بے شک تمہارا رب ایک





اگر آپ واقعی مومن بننا چاہتے ہیں تو اپنے مسلم بھائی کی خیر خواہی کیجئے  
خواہ وہ کہیں کا رہنے والا ہو، ایک دوسرے پر کسی قسم کے فخر کا اظہار نہ کیجئے۔  
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں :-

إِنَّ اللَّهَ أَوْحَىٰ إِلَيَّ أَنْ تَوَاضَعُوا لِلَّهِ نَعِيًّا مَجِيًّا مَجِيًّا  
لَا يَفْخَرُ أَحَدٌ عَلَىٰ أَحَدٍ وَلَا يَفْخَرُ أَحَدٌ عَلَىٰ أَحَدٍ وَلَا يَفْخَرُ أَحَدٌ عَلَىٰ أَحَدٍ  
لَا يَفْخَرُ أَحَدٌ عَلَىٰ أَحَدٍ (صحیح مسلم) نہ کہے اور نہ کوئی کسی پر زیادتی کہے۔

اے مسلمانو! جب سے تم میں قوم پرستی اور وطن پرستی آئی جب ہی سے تم  
ذلیل ہوئے۔ اور اگر اب بھی تمہیں ہوش نہیں آیا تو معلوم نہیں اور کتنا  
ذلیل و خوار ہو گے۔ اٹھو! وطن پرستی اور قوم پرستی کی جڑیں اکھاڑ کر پھینکو  
مسلم بنو اور ”مسلم ہیں ہم وطن ہے سارا جہاں ہمارا“ کی صدا ہمیں بلند کرو۔  
جماعت المسلمین کی دعوت یہی ہے کہ آئیے اور سب مل کر ایک ہو جائیے۔  
وطن اور زبان کی تفریق مٹا دیجئے، اپنے ایمان پر فخر کیجئے اور کسی چیز پر نہیں  
اور اس ایمان کو بھی اپنا ذاتی شرف نہ سمجھئے بلکہ اللہ تعالیٰ کا احسان سمجھئے  
اور اس کا شکر ادا کیجئے کہ اُس نے ایمان کی دولت عطا فرمائی۔ ہر مسلم  
کو خواہ وہ کہیں کا رہنے والا ہو اپنا بھائی سمجھئے، اُس کے نقصان کو اپنا  
نقصان سمجھئے، اُس کے لئے وہی چیز پسند کیجئے جو آپ اپنے لئے پسند کرتے  
ہیں۔ اگر آپ جماعت کی دعوت سے متفق ہیں تو جماعت کے ساتھ  
تعاون فرمائیے۔

ان تازہ الہوں میں بڑا سب سے وطن ہے  
جو پیرہن اس کا ہے وہ ملت کا کفن ہے

نوٹ ① جماعت المسلمین کا ڈاکٹر مسعود الدین عثمانی کیاڑی والے سے کوئی تعلق نہیں۔ جماعت المسلمین ان کے  
بعض عقائد سے سخت بیزار ہے۔ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف بحران کو منسوب کر کے سخت گستاخی کی ہے۔  
جماعت المسلمین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جناب میں ذرا سی گستاخی کو بھی کفر سمجھتی ہے۔

نوٹ ② کراچی میں جماعت المسلمین کا مرکز ہے۔ کراچی میں جماعت المسلمین کی کوئی شاخ کسی بھی علاقہ یا محلہ میں نہیں ہے۔

مسعود احمد

امیر جماعت المسلمین

# بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

## دعوتِ حق

(سلسلہ اشاعت ۱، ۲، ۳، ۴، ۵، ۶، ۷، ۸، ۹، ۱۰، ۱۱، ۱۲، ۱۳)

امت میں اس وقت متعدد فرقے پائے جاتے ہیں۔ ہر فرقہ ”کُلُّ حِزْبٍ بِمَالَدَ يَهُمُّ فِرْحُونٌ“ کے بمصداق اپنے عقائد اور اعمال کو حق سمجھتا ہے اور ان پر پوری طرح سے مطمئن اور مگن ہے۔ عقائد اور اعمال کے لحاظ سے ہر فرقہ دوسرے فرقے سے کافی حد تک مختلف ہے لیکن عقائد اور اعمال کے اس عظیم الشان اختلاف کے باوجود ان تمام فرقوں میں کچھ قدریں مشترک ہیں جن پر سب کا اتفاق ہے اور یہی وہ قدریں ہیں جن پر تمام فرقوں کو جمع ہونے کی دعوت آسانی دی جاسکتی ہے۔

اللہ تبارک و تعالیٰ نے قدر مشترک رکھنے والوں کو اسی اصول پر مجتمع و متحد ہونے کی دعوت دی۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا:-

قُلْ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ تَعَالَوْا  
إِلَى كَلِمَةٍ سَوَاءٍ بَيْنَنَا وَ  
بَيْنَكُمْ أَلَّا نَعْبُدَ إِلَّا اللَّهَ وَلَا  
نُشْرِكَ بِهِ شَيْئًا وَلَا يَتَّخِذَ  
بَعْضُنَا بَعْضًا أَرْبَابًا مِنْ دُونِ  
اللَّهِ فَإِنْ تَوَلَّوْا فَعُوْا اشْهَدُوا  
بِأَنَّا مُسْلِمُونَ ○ (آل عمران - ۶۴)

(اے رسول، ان سے) کہیے: اے اہل کتاب! ایک ایسی بات کی طرف آؤ جو ہم میں اور تم میں مشترک ہے، (وہ یہ) کہ ہم اللہ کے علاوہ کسی کی عبادت نہ کریں، اس کے ساتھ ذرا سا بھی شرک نہ کریں اور اللہ کے علاوہ (اپس میں) ایک دوسرے کو اپنا رب نہ سائیں، پھر اگر یہ (اس دعوت سے) منہ

موٹریں تو (اے مسلمان ان سے) کہہ دو کہ اے

اہل کتاب تم گواہ رہنا کہ ہم تو مسلم ہیں (ہم

ان اصولوں کو ملتے بھی ہیں اور ان پر کاربند

بھی ہیں)۔

مذکورہ بالا دعوت کا لب لباب یہ ہے کہ اللہ پرستی اختیار کرو،  
 شخصیت پرستی چھوڑ دو اور یہ حقیقت ہے کہ فرقہ بندی کی ابتداء اللہ  
 پرستی چھوڑنے ہی کی تعلیمات سے منہ موڑنے اور شخصیت پرستی اختیار کرنے سے  
 ہوتی ہے۔ کسی شخص سے عقیدت جب غلو کی حد تک پہنچ جائے یعنی جب  
 اس کے قول اور فعل کو حق بلکہ معیارِ حق سمجھ لیا جائے تو پھر یہ عقیدت شخصیت  
 پرستی کے مترادف ہے اور یہی وہ چیز ہے جس کی ممانعت اللہ تعالیٰ نے  
 مذکورہ بالا آیت میں فرمائی ہے۔ آیت کا مفہوم بالکل واضح ہے یعنی جب  
 کسی شخص کو عقیدت و احترام کا اتنا بلند مقام دیا جائے کہ اس کی بات کو  
 حتمی و قطعی سمجھا جائے تو یہ گویا اس کو رب بنانا ہے اور یہ فعل ایک قسم کا شرک  
 ہے۔ دینی معاملات میں فیصلہ کرنے کا حق صرف اللہ تعالیٰ کو ہے اور یہ چیز  
 توحید کے مسلمہ اصولوں میں سے ایک اصول ہے اور اس کا ماننا شرطِ ایمان ہے۔  
 ہم امت کے تمام فرقوں کو اس اصولِ توحید کی طرف دعوت دیتے ہیں۔  
 اللہ تعالیٰ کے تمام احکامِ شرعیہ قرآن اور حدیث کے اندر محفوظ و مکمل ہیں  
 اور قرآن اور حدیث تقریباً تمام فرقوں میں مشترک ہیں لہذا تمام فرقوں کو  
 ہماری دعوت یہ ہے کہ وہ ان مشترک قدروں پر جمع ہو جائیں تمام فرقہ بندیوں  
 کو ختم کر کے ایک مرکز پر آجائیں۔ صرف اللہ تعالیٰ کی حاکمیت کو تسلیم کریں۔



صرف قرآن اور حدیث پر عمل کریں۔ تمام فرقہ دارانہ امتیازی ناموں کو ختم کر کے اپنے کو صرف مسلم کہیں۔ تمام فرقہ دارانہ مذاہب کو یکسر مٹا دیں اور صرف دین اسلام کو اپنا دین مانیں۔ فرقہ دارانہ مذاہب کو باقی رکھنا گویا کئی اسلام بنانا ہے حالانکہ اسلام صرف ایک ہے۔ آئیے صرف ایک اسلام کو مانیں جو قرآن و حدیث میں ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں :-

يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنِّي قَدْ تَرَكْتُ لَكُمْ مَا فِي كِتَابِي وَمَا فِي سُنَّتِي مَا إِنْ غَضَمْتُمْ بِهِ فَلَنْ تُضِلُّوا أَبَدًا كِتَابَ اللَّهِ وَسُنَّةَ نَبِيِّهِ دَعَاةَ الْحَاكِمِ فِي كِتَابِ

اے لوگو، میں تم میں ایسی چیز چھوڑ رہا ہوں کہ اگر تم نے اسے مضبوطی سے پکڑ لیا تو کبھی گمراہ نہیں ہو گے : اللہ کی کتاب اور اُس کے نبی کی سنت۔

العلم۔ المستدرک جزء اول ص ۹۳ و سندہ

حسن۔ التعليقات للالبانی علی مشکوٰۃ

جزء اول ص ۶۶۔

جب کتاب اللہ اور سنت رسول ہی کو مضبوطی سے پکڑنے سے گمراہی سے بچا جاسکتا ہے تو آئیے کتاب اللہ اور سنت نبوی کو مضبوطی سے پکڑ لیں اور سب ایک ہو جائیں۔ صرف قرآن مجید اور حدیث نبوی کو حجت مانیں، قرآن مجید اور حدیث نبوی پر عمل کریں، قرآن مجید اور حدیث نبوی پر عمل کرنے کی دعوت دیں، قرآن مجید اور حدیث نبوی کی اشاعت کریں، قرآن مجید اور حدیث نبوی کی عملی اور علمی طور پر حفاظت کریں، قرآن مجید اور حدیث نبوی کے خلاف کسی کی بات نہ مانیں۔

اوپر ہم یہ بتا چکے ہیں کہ کسی شخص کو عقیدت اور احترام کا اتنا بلند مقام

دینا کہ اس کی بات کو قطعی اور واجب التعمیل سمجھا جائے اس کو رب بنانا ہے۔  
اب ہم اس کی مزید وضاحت کرتے ہیں :-

اہل کتاب اس بات کا اقرار کرتے تھے کہ آپس میں ایک دوسرے کو اپنا  
رب نہیں بنانا چاہیے، رب صرف اللہ تعالیٰ ہے، اُس کے علاوہ کوئی  
رب نہیں۔ ان کے اسی اقرار کو بنیاد بنا کر اللہ تعالیٰ نے ان سے فرمایا کہ ایک  
ایسی بات کی طرف آؤ جو مسلمین میں اور تم میں مشترک ہے یعنی جس کو مسلمین  
بھی تسلیم کرتے ہیں اور تم بھی تسلیم کرتے ہو۔ اہل کتاب کا اس اصول کو تسلیم کرنا  
صرف ان کی زبانوں پر تھا، عملاً وہ اس پر کاربند نہیں تھے بلکہ انہوں نے ایک  
دوسرے کو اپنا رب بنا رکھا تھا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :-

اتَّخَذُوا أَحْبَارَهُمْ وَرُهَبَانَهُمْ  
أَرْبَابًا مِنْ دُونِ اللَّهِ وَالْمَسِيحِ  
ابْنِ مَرْيَمَ (التوبة - ۳۱) اور مسیح ابن مریم کو بھی (رب بنا رکھا ہے)۔

بالکل یہی حال اس امت کے فرقوں کا ہے، وہ بھی زبان سے اس  
بات کا اقرار کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی کو اپنا رب نہیں بنانا چاہیے  
یعنی کسی شخص کی رائے اور قیاس کو شریعت کا درجہ نہیں دینا چاہیے،  
واجب التعمیل اور شرعی قانون صرف اللہ تعالیٰ کا حکم اور اس کا مقرر کردہ ضابطہ  
ہے جو قرآن مجید اور احادیث صحیحہ میں محفوظ ہے، لیکن اس زبانی اقرار کے  
باوجود اہل کتاب کی طرح وہ بھی عملاً اس اصول پر کاربند نہیں ہیں اور اس کا  
زندہ ثبوت موجودہ فرقوں کا وجود ہے۔ اگر وہ عملاً بھی اس اصول کو تسلیم  
کرتے اور صرف قرآن مجید اور احادیث صحیحہ پر عمل پیرا ہوتے اور کسی شخص

کی رائے اور اجتہاد کو دین میں داخل نہ کرتے تو آج یہ تمام فرقہ بندیوں نہ پائی جاتیں۔ کسی اصول کو محض زبان سے تسلیم کرنا اور عملاً اس سے روگردانی کرنا حقیقت پسندی کے خلاف ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ دل کی گہرائیوں سے یہ اصول تسلیم نہیں در نہ کوئی وجہ نہیں کہ اصولاً جس ذات یا شخصیت کو وہ آخری سند قرار نہیں دیتے، کس طرح عمل کی دنیا میں اُسی کو آخری سند قرار دیدیتے ہیں۔ ایسے لوگوں کو جب قرآن مجید اور احادیث صحیحہ کی طرف رجوع کرنے کی دعوت دی جاتی ہے تو وہ عقیدت کے جذبہ سے سرشار ہو کر دل میں ایک قسم کا انقباض محسوس کرتے ہیں گویا عقیدت کا یہ جذبہ انہیں اس شخصیت سے جس سے ان کو عقیدت ہوتی ہے بالاتر ہو کر سوچنے اور سمجھنے میں رکاوٹ پیدا کرتا ہے۔ وہ عقیدت میں اتنا کھو جاتے ہیں کہ بالاترین ہستی کے فرمان کو عملاً نظر انداز کر دیتے ہیں۔ غرض یہ کہ اہل کتاب کی طرح اصول تسلیم کرنے کے باوجود عملاً اس اصول سے انحراف کرتے ہیں اور جس شخصیت پرستی کا وہ اصولاً انکار کرتے ہیں اُسی شخصیت پرستی کو عملاً اختیار کرتے ہیں۔ قول اور فعل کا یہ تضاد اور عقیدت میں اتنا غلو کیا ایمان کے منافی نہیں ہے؟

قارئین کرام، سوچئے کیا یہ صورت مستحسن ہے۔ آپ فرمائیں گے ہرگز نہیں تو پھر آئیے ہم سب مل کر اپنے قول و فعل میں اتحاد پیدا کریں اور جس اصول کو ہم رسماً محض زبان سے تسلیم کرتے ہیں اس کو دل کی گہرائیوں سے تسلیم کریں اور اپنے عمل کو اس اصول کا تابع بنائیں۔ کسی شخص کی رائے، قیاس، فتوے اور اجتہاد کو آخری سند قرار نہ دیں بلکہ ہمیشہ قرآن مجید کی آیات اور احادیث صحیحہ کو آخری سند قرار دیں، قرآن مجید اور احادیث صحیحہ



پر براہِ راست عمل کریں۔ قرآن مجید اور حدیث نبوی ہی تحتِ شرعیہ ہیں ،  
قرآن مجید اور حدیث نبوی ہی اللہ تعالیٰ کا نازل کردہ قانون ہے ، قرآن  
مجید اور حدیث نبوی ہی اللہ مالک الملک کا نازل کردہ ضابطہٴ حیات ہے ،  
قرآن مجید اور حدیث نبوی پر ہی عمل کرنے میں نجات ہے اور بس ۔

اد پر ہم بتا چکے ہیں کہ اللہ ذوالجلال والا کرام نے اہل کتاب کو ایسی  
قدروں کی طرف دعوت دی جو مسلمین اور اہل کتاب میں مشترک تھیں ،  
یعنی (۱) اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی کی عبادت نہ کریں (۲) اللہ تعالیٰ کے  
ساتھ کسی قسم کا ذرا سا بھی شرک نہ کریں اور (۳) ایک دوسرے کو اپنا  
رب نہ بنائیں ۔

اد پر ہم یہ بھی بتا چکے ہیں کہ اہل کتاب کے زبانی اقرار کے اعتبار  
سے تو یہ قدریں مشترک تھیں لیکن عملی اعتبار سے یہ قدریں مشترک نہیں  
تھیں۔ انہوں نے آپس میں ایک دوسرے کو اپنا رب بنا رکھا تھا اور عملاً  
وہ شخصیت پرستی کا شکار ہو گئے تھے۔ ان کا زبان سے اقرار کرنا کافی نہیں  
سمجھا گیا۔ ان کو دعوت دی گئی کہ وہ عملاً بھی اس اصول کو تسلیم کریں اور  
مسلمین کے ساتھ ہم آہنگ ہو جائیں ۔

اب ہم اس شخصیت پرستی کی قباحت پر روشنی ڈالتے ہیں۔ سورہ توبہ  
کی جو آیت ص ۹ پر درج کی گئی ہے اس کے آگے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :-  
وَمَا أُمِرُوا إِلَّا لِيَعْبُدُوا  
إِلَهًا وَاحِدًا لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ  
(اہل کتاب نے علماء اور مشائخ کو رب  
بنالیا تھا) حالانکہ انہیں یہ حکم دیا گیا تھا  
کہ ایک الہ کی عبادت کریں، اُس (ایک)  
(التوبہ - ۳۱)

اللہ کے علاوہ کوئی الہ نہیں۔

اس آیت سے ثابت ہوا کہ اہل کتاب علماء اور مشائخ کی عبادت کرتے تھے حالانکہ انہیں صرف ایک الہ کا عبادت کا حکم تھا۔ اس آیت سے یہ بھی ثابت ہوا کہ کسی عالم یا درویش کو رب بنانا گویا اس کی عبادت کرنا ہے۔ اہل کتاب کو صرف ایک الہ کی عبادت کا حکم تھا لیکن انہوں نے اس پر عمل نہیں کیا بلکہ علماء اور پیروں کو رب بنا کر علاؤ کئی الہ بنائے۔ ظاہر ہے کہ ان کا یہ عمل شرک تھا اسی لئے اللہ تعالیٰ نے آگے فرمایا :-

سُبْحَنَهُ عَمَّا يُشْرِكُونَ ○ اللہ ان کے شرک سے جو یہ کر رہے ہیں پاک و منزہ ہے۔ (التوبہ - ۳۱)

پوری آیت کا خلاصہ یہ ہوا کہ اہل کتاب نے علماء اور مشائخ کو رب بنایا یعنی ان کی عبادت کی، ان کو الہ بنا لیا اور اس طرح علمی طور پر شرک کیا، اللہ تعالیٰ ان کے اس شرک سے پاک و منزہ ہے۔

قارئین کرام سمجھ گئے ہوں گے کہ اہل کتاب عقیدہ مشرک نہیں تھے۔ زبان سے بھی عقیدہ توحید کا اقرار کرتے تھے اور کسی شخص کو رب بنانا جائز نہیں سمجھتے تھے لیکن اس کے باوجود وہ مشرک تھے۔ کیوں؟ مرنے کے لئے کہ ان کا عمل اس عقیدہ توحید کے منافی تھا، وہ کہتے کچھ تھے اور کہتے کچھ تھے۔

اس آیت سے یہ بھی ثابت ہوا کہ توحید کے منافی عقیدہ رکھنا یا زبان سے اقرار کرنا ہی شرک نہیں بلکہ توحید کے منافی عمل کرنا بھی شرک

ہے۔ الغرض شخصیت پرستی شرک ہے اور ایسا ہی شرک ہے جیسا کہ  
(نعوذ باللہ) عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ وحدہ لا شریک لہ کا بیٹا بنانا، کیونکہ  
اللہ وحدہ لا شریک لہ نے دونوں کو یکجا ذکر فرمایا ہے۔

شخصیت پرستی اختلاف و افتراق کی اصل ہے۔ اسی سے فرقہ بندی  
کی ابتداء ہوتی ہے اور اسی سے فرقہ بندی کی حفاظت ہوتی ہے۔ یہی  
ضد اور ہٹ دھرمی کا باعث ہے اور اسی کی وجہ سے حق کا انکار کیا جاتا  
ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :-

وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ مَا اقْتَتَلَ  
الَّذِينَ مِنْ بَعْدِهِمْ مِنْ  
بَعْدِ مَا جَاءَتْهُمْ الْبَيِّنَاتُ  
وَلَكِنْ اختلفوا فَمِنْهُمْ مَنْ  
امَنَ وَمِنْهُمْ مَنْ كَفَرَ۔  
(البقرة - ۲۵۳)

اگر اللہ چاہتا تو ان (نبیوں کے انتقال)  
کے بعد لوگ کھلے دلائل آ جانے کے بعد بھی  
نہ لڑتے لیکن انہوں نے (کھلے دلائل کی)  
موجودگی میں اختلاف کیا پھر ان میں سے  
کچھ لوگ تو ایمان لے آئے اور کچھ لوگوں  
نے (حق کا) انکار کر دیا۔

اللہ تعالیٰ کا قانون مشیت ہی یہی ہے کہ جو لوگ شخصیت پرستی اور  
ضد کی وجہ سے حق کا انکار کر دیں ان کا ایمان لانا ناممکن ہے۔ ان کا ایمان  
نہ لانا شخصیت پرستی، ضد اور ہٹ دھرمی کا لازمی نتیجہ ہے جو اللہ تعالیٰ  
کی طرف سے مقرر ہے۔ غور کیجئے کیا یہی حال آجکل موجودہ فرقوں کا نہیں ہے؟  
کیا یہ لوگ قرآن مجید اور حدیث نبوی کے کھلے دلائل آنے کے بعد محض بزرگوں  
کی شخصیت کو بہانہ بنا کر غلط عقیدہ اور غلط عمل پر قائم نہیں رہتے۔ کیا یہ  
لوگ قرآن مجید اور صحیح حدیث کے کھلے دلائل کو توڑ مڑ کر اپنے موردی



مذہب کے مطابق نہیں بنتے۔ کیا یہ مؤمن کی شان ہے کہ اپنے آبائی طریقہ پر قرآن مجید اور حدیث نبوی کو قربان کر دے۔ کھلے دلائل کی عدم موجودگی میں بھی اختلاف بری چیز ہے لیکن کھلے دلائل کی موجودگی میں اختلاف پر قائم رہنا اس سے بھی زیادہ بری چیز ہے۔ یہ تو حق کا انکار ہے اور یہ صریح کفر ہے۔ شخصیت پرستی اور اللہ تعالیٰ کے دین میں مختلف بزرگوں کے اقوال و آراء کو شامل کرنا کیا شرک فی الدین نہیں ہے؟ یقیناً ہے تو پھر سوچیے کہ ان اقوال و آراء کو قرآن مجید اور حدیث نبوی پر ترجیح دینا کتنا بڑا شرک اور کفر ہوگا۔ العیاذ باللہ!

اگر آبائی مذہب حق ہے تو پھر ہمیں سوچنا چاہیے کہ کس فرقہ یا فرد کا آبائی مذہب حق ہے۔ ظاہر ہے کہ سب فرقہ دارانہ یا آبائی مذاہب تو حق نہیں ہو سکتے۔ حق تو ایک ہی ہو سکتا ہے۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ ان مذاہب میں عقائد اور اعمال کا زبردست اختلاف ہو، حلال اور حرام کا فرق ہو پھر بھی وہ سب حق ہوں۔ قرآن مجید اور حدیث نبوی بے شک حق ہے اور یہی معیار حق ہے۔ اس معیار پر تمام فرقہ دارانہ مذاہب اور علماء اور مشائخ کے فتوؤں اور ان کے کردار کو پرکھنا چاہیے۔ اگر وہ اس معیار کے مطابق ہیں تو حق ہیں ورنہ باطل۔ کتنا بڑا ظلم ہے کہ لوگوں نے علماء اور بزرگوں کے اقوال و افعال کو معیار بنالیا اور قرآن مجید اور احادیث صحیحہ کو ان پر پرکھنے لگے۔ اگر قرآن مجید کی آیت یا کسی حدیث صحیحہ کا مفہوم ان کے کسی بزرگ کے قول و فعل کے خلاف ہو انو آیت یا حدیث کو مسترد کر دیا۔ کیا یہ الٰہی گنگا بہانے کے مترادف نہیں ہے؟ کیا اس طرح اللہ تعالیٰ کا دین اپنی اصل حالت پر قائم رہ سکتا ہے؟ کیا اس طرح اختلاف و افتراق مٹ سکتا ہے؟ کیا اس

طرح فرقہ بندی کو ختم کیا جاسکتا ہے؟ ہرگز نہیں۔ ہر وہ شخص جس کے دل میں ذرا سا بھی اللہ تعالیٰ کا خوف ہے اور جو ذرا سی بھی عقل سلیم رکھتا ہے، وہ اس طرز عمل کے بطلان پر اللہ تعالیٰ کی قسم کھا سکتا ہے۔ بزرگوں کے قول و فعل کو معیار بنانے سے اختلاف ختم نہیں ہوگا بلکہ اور بڑھتا چلا جائے گا۔ جتنے بزرگ، اتنے ہی معیار اور جتنے معیار، اتنے ہی مذاہب لوگوں کو کیا ہو گیا کہ جو چیز باعث اختلاف و افتراق ہے اسی کو معیار بنا بیٹھے، تو ایسی صورت میں اختلاف و افتراق کیسے ختم ہوگا اور امت کس طرح متحد و متفق ہوگی؟

اللہ تعالیٰ نے تو اس اختلاف و افتراق کی جڑ کو ختم کرنے کے لئے فرمایا تھا:۔

اَتَّبِعُوا مَا اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ  
مِنْ رَبِّكُمْ وَلَا تَتَّبِعُوا مِنْ  
دُونِهِ اَوْيَاةً، قَلِيلًا مَّا  
تَذَكَّرُونَ ○ (الاعراف-۳)

(اے لوگو) جو (خریت) تم پر تمہارے رب کی طرف سے نازل ہوئی ہے (بس) اُسی کی پیروی کرو، اس کے علاوہ ولیوں کی پیروی نہ کرو، (مگر) تم نصیحت کم ہی قبول کرتے ہو۔

اس آیت نے معاملہ کو بالکل صاف کر دیا۔ آیت کی رو سے پیروی صرف اس چیز کی کرنی ہے جو منزل من اللہ ہو۔ منزل من اللہ قرآن مجید اور حدیث نبوی ہے اور بس، لہذا صرف قرآن مجید اور حدیث نبوی کی پیروی کرنی چاہیے۔ علماء اور ائمہ کے اقوال و افعال، موروئی اور آبائی مذاہب اور تمام فرقہ وارانہ مسالک و مذاہب یقیناً منزل من اللہ نہیں ہیں لہذا آیت مذکورہ کی رو سے ان کی پیروی منع ہے۔ سوچیے کیا ایمان کی سی شان

ہے کہ جس چیز کی پیروی کو اللہ تعالیٰ نے فرض کیا تھا اس کی پیروی تو کرتے نہیں اور جس چیز کی پیروی کو اللہ تعالیٰ نے ممنوع قرار دیا تھا اس کی پیروی میں لگے ہوئے ہیں، اس کو سینے سے لگا رکھا ہے اور نتیجتاً فرقوں میں بٹے ہوئے ہیں۔ کیا یہ فرقہ بندی آپ کو پسند ہے؟ یقیناً آپ کو پسند نہیں ہوگی کیونکہ یہ تو اللہ تعالیٰ کا عذاب ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:-

قُلْ هُوَ الْقَادِرُ عَلَىٰ أَن يَبْعَثَ عَلَيْكُمُ عَذَابًا مِّنْ فَوْقِكُمْ أَوْ مِّنْ تَحْتِ أَرْجُلِكُمْ أَوْ يَلْبِسَكُمْ شِيْعًا وَيُذِيقَ بَعْضَكُمْ بَأْسَ بَعْضٍ، أَلَمْ تَنظُرْ كَيْفَ نَصَرْتُ الْأَيْمَنُ لَعَلَّهُمْ يَفْقَهُوْنَ ۝

(الانعام - ۶۵)

یہ لوگ سمجھ جائیں۔

دیکھئے اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرقہ بندی کو اپنا عذاب فرمایا تو کیا آپ کو اس عذاب میں رہنا پسند ہے؟ کیا آپ چاہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا آپ پر غضب ہو اور وہ اپنا عذاب آپ پر بھیجتا ہے یا اپنے عذاب میں آپ کو مبتلا رکھے۔ یقیناً یہ چیز آپ پسند نہیں کریں گے۔ اگر واقعی آپ اس چیز کو پسند نہیں کرتے تو فرقہ بندی ختم کیجئے۔

فرقہ بندی بغیر اختلاف کے وجود میں نہیں آتی لہذا ثابت ہوا کہ اختلاف



ہی عذاب کی اصل وجہ ہے، اختلاف ہی عذاب کا باعث ہے۔ اس سلسلہ میں کسی نے ایک جملہ ”اِخْتِلَافٌ اُمَّتِي رَحْمَةٌ“ (میری امت کا اختلاف رحمت ہے) گھر کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کر دیا۔ عوام نے غیر شعوری طور پر اسے حدیث سمجھ لیا اور اس طرح افسوس ہے کہ جو چیز موجب عذاب تھی اس کو رحمت سمجھ لیا اور اس طرح فرقہ بندی کے لئے جواز پیدا کر لیا۔ اب فرقہ بندی ختم ہو تو کیسے؟ کیا اب بھی آپ کو ہوش نہیں آئے گا کہ اس عذاب الہی سے نجات حاصل کرنے کی فکر کریں؟ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :-

وَلَوْ شَاءَ رَبُّكَ لَجَعَلَ النَّاسَ  
اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلَا يَزَالُونَ  
مُخْتَلِفِينَ ۝ اِلَّا مَن رَّحِمَ  
رَبُّكَ وَلِذَلِكَ خَلَقَهُمْ  
وَتَمَّتْ كَلِمَةُ رَبِّكَ لَا مُلْتَقَىٰ  
جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ  
اَجْمَعِينَ ۝

(ہود - ۱۱۸ و ۱۱۹)

اور (اے رسول) اگر آپ کا رب چاہتا تو  
سب لوگوں کو ایک جماعت بنا دیتا لیکن  
آپ کے دہانے ایسا نہیں چاہا تو اب یہ ہوگا  
کہ لوگ ہمیشہ اختلاف کرتے رہیں گے مگر  
جس پر آپ کے رب کی رحمت ہو جائے  
(بس وہی اختلاف سے بچ جائے گا) اور  
اس نے تو اسی لئے ان کو پیدا کیا ہے کہ ان  
پر رحم و کرم کرے لیکن لوگ اختلاف کر کے  
اپنے آپ کو رحم و کرم کے بجائے دوزخ کا  
مستحق بنا لیتے ہیں تو اے رسول! اس طرح  
آپ کے رب کی وہ بات پوری ہو کر رہے گی  
(جو وہ پہلے ہی کہہ چکا ہے) کہ وہ فرد دوزخ  
کو جنات اور انسانوں سے بھر دیگا۔

مندرجہ بالا آیت سے ثابت ہوا کہ :-

- (۱) اللہ تعالیٰ سب کو ایک جماعت دیکھنا پسند کرتا ہے لیکن اس کی مشیت یہی ہے کہ وہ زبردستی ایسا نہیں کرتا کہ سب کو ایک کر دے،  
 (۲) لوگ ہمیشہ اختلاف میں مبتلا رہیں گے،  
 (۳) اختلاف سے صرف وہ لوگ بچ جائیں گے جن پر اللہ تعالیٰ کی رحمت ہوگی،

(۴) اللہ تعالیٰ نے سب کو اپنی رحمت سے نوازنے کے لئے پیدا کیا ہے لیکن وہ خود اپنے کو اس کا مستحق نہ بنا کر دوزخ میں جلنے کا سامان کرتے ہیں،  
 (۵) اختلاف کرنے والوں سے اللہ تعالیٰ دوزخ کو بھر دے گا۔

الغرض اختلاف موجب رحمت نہیں، موجب عذاب ہے اور نہ صرف دنیا میں موجب عذاب ہے بلکہ آخرت میں بھی موجب عذاب ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا :-

وَلَا تَخْتَلِفُوا فَإِنَّ مِنْ كَانَتْ  
 قَبْلَكُمْ اخْتَلَفُوا فَهَلَكُوا۔  
 اختلاف نہ کیا کرو کیونکہ تم سے پہلے جو  
 لوگ بھٹے انہوں نے اختلاف کیا تو  
 صحیح بخاری کتاب بدء الخلق وروی سلم وہ ہلاک ہو گئے۔

نحوہ فی کتاب العلم

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب حضرت معاذ اور حضرت ابو موسیٰ

کو یمن روانہ کیا تو ان سے فرمایا تھا :-

تَطَاوَعًا وَلَا تَخْتَلِفًا (صحیح اتفاق رکھنا، اختلاف نہ کرنا۔

بخاری کتاب الجہاد باب ما یکرہ من التنازع

و صحیح مسلم کتاب الجہاد باب فی الامر بالتیسیر

مندرجہ بالا احادیث سے معلوم ہوا کہ اختلاف کرنے کی سخت ممانعت ہے۔ اگر اختلاف رحمت ہوتا جیسا کہ بعض لوگوں کا خیال ہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اختلاف سے کیوں منع کرتے۔ سوچنے کی بات ہے کہ اگر اختلاف رحمت ہے تو اتفاق جو اس کی ضد ہے وہ کیا ہوگا۔ کیا اتفاق اللہ تعالیٰ کا عذاب ہے؟ نہیں، ہرگز نہیں، ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا۔ یہ بالبداهت باطل ہے۔ الغرض اختلاف کی وجہ سے فرقہ بندی پیدا ہوتی ہے اور جب تک فرقہ بندی ختم نہ ہو فلاح و کامرانی کی امید لایعنی ہے۔

اٹھیے اور فرقہ بندی ختم کرنے کے لئے جدوجہد کیجئے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں :-

لَتَتَّبِعَنَّ سَنَنَ مَنْ كَانَ  
قَبْلَكُمْ شِبْرًا بِشِبْرٍ وَذِرَاعًا  
بِذِرَاعٍ حَتَّىٰ لَوْ دَخَلُوا حُجْرَ  
صَبِيٍّ تَبِعْتُمُوهُمْ۔

جو لوگ تم سے پہلے گزرے ہیں تم ضرور ان کے قدم بقدم چلو گے حتیٰ کہ اگر وہ کسی صوبہ کے بل میں داخل ہوئے تو تم بھی ان کی پیروی کرو گے (یعنی تم بھی صوبہ کے بل میں داخل ہو جاؤ گے)۔

صحابہ نے پوچھا :-

يَا رَسُولَ اللَّهِ الْيَهُودُ وَ  
النَّصَارَى؟

مراد: یہود و نصاریٰ ہیں؟

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :-

فَمَنْ؟  
تو (ادب) کون (ہو سکتا ہے)؟

(صحیح بخاری کتاب الاعتصام بالکتاب



والسنة باب قول النبي صلى الله عليه وسلم

لتتبعن سنن من كان قبلكم (۹۱)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ یہ امت یہود و نصاریٰ کے قدم پر چلیں گی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :-

أَلَا إِنَّ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ افْتَرَقُوا عَلَى ثَلَاثِينَ وَسَبْعِينَ مِلَّةً وَإِنَّ هَذِهِ الْمِلَّةَ سَتَفْتَرِقُ عَلَى ثَلَاثٍ وَسَبْعِينَ ، ثِنْتَانِ وَسَبْعُونَ فِي النَّارِ وَوَاحِدٌ فِي الْجَنَّةِ وَهِيَ الْجَمَاعَةُ۔

خبردار ہو جاؤ اہل کتاب میں سے جو لوگ تم سے پہلے ہوئے ہیں وہ ۷۲ فرقوں میں تقسیم ہو گئے تھے اور یہ ملت ۷۳ فرقوں میں تقسیم ہو جائے گی۔ ۷۲ فرقے دوزخ میں (جلینگ) اور ایک جنت میں (جائیکا) اور وہ جماعت ہوگی۔

(ابوداؤد کتاب السنۃ باب شرح السنۃ)

۲/۲۸۳ سندہ صحیح۔ التعليقات للالبانی

على المشکوۃ (۱/۶۱)۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اس امت کے بھی فرقے ہو جائیں گے

جس طرح اہل کتاب کے فرقے ہوئے تھے یعنی افتراق کے معاملہ میں بھی

یہ امت یہود و نصاریٰ کے نقش قدم پر چلیں گی۔ اب ہمیں یہ دیکھنا ہے

کہ اہل کتاب کس طرح اور کن حالات میں فرقوں میں تقسیم ہوئے تھے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :-

وَمَا تَفَرَّقَ الَّذِينَ أُوتُوا  
الْكِتَابَ إِلَّا مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَهُمُ  
الْبَيِّنَةُ (لم یکن الذین کفرُوا - ۲)

اہل کتاب فرقوں میں منقسم نہیں ہوئے  
مگر اس وقت جبکہ ان کے پاس کھلی  
دلیل آچکی تھی۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :-

وَمَا اخْتَلَفَ الَّذِينَ أُوتُوا  
الْكِتَابَ إِلَّا مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَهُمُ  
الْعِلْمُ بَغْيًا بَيْنَهُمْ (آل عمران - ۱۹)

اہل کتاب نے اختلاف نہیں کیا مگر اس حالت میں کہ  
ان کے پاس علم آچکا تھا (پھر محض) آپس کی ضد کی  
وجہ سے (وہ اس اختلاف پر جھے رہے)۔

آیات بالا سے معلوم ہوا کہ اہل کتاب کھلی دلیل کی موجودگی میں محض  
ضد کی وجہ سے اختلاف پراڑے رہے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ کئی فرقوں  
میں منقسم ہو گئے۔ اگر وہ کھلی دلیل مل جانے کے بعد اختلاف کو ختم کر دیتے  
تو فرقے وجود میں نہ آتے۔ یہی حال اس امت کا بھی ہوا۔ انہوں نے بھی  
اہل کتاب کے نقش قدم پر چلتے ہوئے محض ضد و ہٹ دھرمی کی بنیاد پر  
حق کو قبول نہیں کیا۔ قرآن مجید اور حدیث نبوی کی کھلی دلیل مل جانے کے  
بعد بھی اپنے اختلاف پر جھے رہے۔ نتیجہ وہی ہوا جو اہل کتاب کا ہوا تھا  
یعنی یہ بھی انہی کی طرح فرقوں میں منقسم ہو گئے۔ مختلف فرقوں کا وجود اس  
پر کھلی شہادت ہے۔ ان فرقوں کا یہ حال ہے کہ اگر ان میں سے کسی فرقے  
یا فرقے کے کسی فرد کے پاس قرآن مجید یا حدیث نبوی کی کھلی دلیل پہنچتی  
ہے تو وہ محض ضد اور ہٹ دھرمی کی وجہ سے اُسے قبول نہیں کرتا اور اپنے  
فرقہ وارانہ مذہب پر قائم رہتا ہے۔ ایسی صورت میں کیسے ممکن ہے کہ سب  
فرقے ایک ہو جائیں۔ اس کی اگر کوئی صورت ہے تو بس ایک اور وہ یہ کہ فرقوں  
کو چھوڑ کر الگ ہو جائیں اور اس حنبی طائفہ کے ساتھ شامل ہو جائیں جس

کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ”جماعت“ کہا تھا۔ یہ جماعت کن لوگوں کی ہوگی اس کی بھی وضاحت حدیث میں موجود ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا :-

تَلْزَمُ جَمَاعَةَ الْمُسْلِمِينَ وَ جَمَاعَتِ الْمُسْلِمِينَ اور ان کے امام سے چٹے  
إِمَامَهُمْ رہنا۔

اسی حدیث میں ہے کہ حضرت حذیفہؓ نے پوچھا :-  
فَإِنْ لَّمْ يَكُنْ لَهُمْ جَمَاعَةٌ اگر نہ مسلمین کی جماعت ہو اور نہ امام (تو  
وَلَا إِمَامٌ؟ کیا کروں؟

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :-  
فَاعْتَزِلْ تِلْكَ الْفِرْقَ كُلَّهَا اِیسی صورت میں (بھی) تمام فرقوں سے  
(صحیح بخاری کتاب الفتن ۹/۶۵ و صحیح مسلم علیحدہ رہنا۔  
کتاب الامارۃ ۲/۱۳۵)۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جتنی طائفہ جماعت المسلمین ہوگی باقی  
سب فرقے ہوں گے، ان پر جماعت المسلمین کا اطلاق نہیں ہوگا اور نہ وہ  
جماعت المسلمین کہلاتے ہوں گے۔

اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جماعت المسلمین سے وابستہ رہنا اور تمام  
فرقوں سے علیحدہ رہنا ضروری ہے حتیٰ کہ اگر جماعت المسلمین نہ ہو تو بھی فرقوں  
میں شامل نہیں ہونا چاہیئے۔ تعجب ہے ان لوگوں پر جو فرقہ بندی کو لعنت  
سمجھتے ہوئے بھی ان فرقوں سے علیحدہ نہیں ہوتے۔ یہ درحقیقت قول و فعل  
کا تضاد ہے۔ زبان سے تو انہیں اقرار ہے کہ فرقہ بندی ضلالت ہے اور



اس اصول میں وہ ہمارے ساتھ متفق ہیں۔ کیونکہ یہ اصول ہمارے اور ان کے درمیان مشترک ہے لہذا اسی مشترک اصول پر ہم ان کو عمل کی دعوت دیتے ہیں۔ ہم ان سے درخواست کرتے ہیں کہ وہ اس اصول پر عملاً بھی کاربند ہو جائیں اور تمام فرقوں سے علیحدہ ہو کر جماعت المسلمین اور ان کے امام سے وابستہ ہو جائیں۔ فرقوں میں رہتے ہوئے نہ اصلاح ہو سکتی ہے، نہ اتفاق ہو سکتا ہے۔ اگر کسی مسئلہ میں کھلی دلیل کو مان بھی لیا تو آخر تمام کھلی دلیلوں کو مان لینے کے لئے عمرے باید۔ مزید برآں کسی مسئلہ میں کسی کھلی دلیل کو مان لینے سے فرقہ بندی ختم نہیں ہوگی۔ فرقہ بندی کو ختم کرنے کا ایک ہی ذریعہ ہے وہ یہ کہ ان فرقوں کے وجود کو ختم کر دیا جائے، از سر نو اسلام کی طرف رجوع کیا جائے، براہ راست قرآن مجید اور احادیث صحیحہ کا اتباع کیا جائے، اس طرح نہ اختلاف رہے گا اور نہ فرقے رہیں گے۔

### فرقہ بندی کی حیثیت | اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :-

وَلَا تَكُونُوا مِنَ الْمُشْرِكِينَ ۝  
مشرکوں میں سے نہ ہو جاؤ (یعنی) ان لوگوں  
مِنَ الَّذِينَ فَرَّقُوا دِينَهُمْ وَكَانُوا  
میں سے جنہوں نے اپنے دین کو ٹکڑے ٹکڑے  
شِبَعًا، كُلُّ حِزْبٍ بِمَا لَدَيْهِمْ  
کر ڈالا اور فرقے فرقے ہو گئے۔ تمام فرقے  
فَرِحُونَ ۝ (الروم - ۳۱ و ۳۲)  
جو کچھ ان کے پاس ہے اسی میں مگن ہیں۔

آیت مذکورہ سے معلوم ہوتا ہے کہ فرقہ بندی کے ڈانڈے شرک سے جا ملتے ہیں اور اس کی وجہ بالکل ظاہر ہے۔ جب کسی شخص کے پاس جو کسی خاص فرقے سے تعلق رکھتا ہو قرآن مجید یا حدیث نبوی کی کھلی دلیل پہنچتی ہے تو وہ اسے تسلیم نہیں کرتا۔ اپنے مذہب کو مانتا ہے، اپنے امام،

پسیر یا بزرگ کے قول و فعل کو تو حجت سمجھتا ہے اور قرآن مجید یا حدیث نبوی کو پس پشت ڈال دیتا ہے۔ کیا یہ کفر کی علامت نہیں؟ اپنے مذہب کی باتوں یا اپنے امام یا اپنے پیر کی باتوں کو دین میں داخل کرنا کیا یہ شرک فی الدین نہیں؟ شعوری طور پر یا غیر شعوری طور پر ہر فرقہ کے افراد اس شرک میں ملوث نظر آتے ہیں، اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا:-

إِنَّ الَّذِينَ فَرَّقُوا دِينَهُمْ  
وَكَانُوا شِيعًا لَّسْتُ مِنْهُمْ فِي  
شَيْءٍ إِنَّمَا أَمْرُهُمْ إِلَى اللَّهِ  
ثُمَّ يُنَبِّئُهُم بِمَا كَانُوا  
يَفْعَلُونَ ○ (الانعام - ۱۵۹)

(اے رسول) جن لوگوں نے اپنے دین کو ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا اور فرقے فرقے بن گئے ان سے آپ کو کوئی تعلق نہیں، ان کا معاملہ اللہ کے حوالے ہے، پھر وہی (قیامت کے دن) انہیں بتائے گا کہ وہ کیا کرتے رہے تھے۔

اللہ تعالیٰ نے اس امت کو اہل کتاب کی طرح فرقے بنانے سے منع کیا تھا۔  
اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا:-

وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ تَفَرَّقُوا  
وَاخْتَلَفُوا مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَهُمُ  
الْبَيِّنَاتُ وَاللَّيْكَ لَهُمْ عَذَابٌ  
عَظِيمٌ ○ (آل عمران - ۱۰۵)

(اے ایمان والو! تم ان لوگوں کی طرح نہ ہو جانا جو فرقے فرقے بن گئے اور کھلے دلائل آ جانے کے بعد بھی اختلاف پر (قائم) رہے۔ ایسے لوگوں کے لئے بڑا عذاب ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا:-

وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللَّهِ جَمِيعًا وَلَا تَفَرَّقُوا ○ (آل عمران - ۱۰۳)

اور اے ایمان والو! تم سب مل کر اللہ کی رسی کو مضبوطی سے پکڑ لو اور فرقے فرقے نہ بنو۔

الغرض اللہ تعالیٰ نے بار بار تاکید کی تھی کہ فرقے نہ بنانا لیکن اہل کتاب کے نقش قدم پر چلتے ہوئے اس امت میں بھی وہی ہوا جو اہل کتاب میں ہوا تھا۔

مختلف فرقے بن گئے اور ہر فرقہ اپنے کو حق پر سمجھتا ہے۔

اہل قرآن، اہل حدیث، حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی، خارجی، شیعہ، نقشبندی سروردی وغیرہ نام کا کوئی فرقہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں نہیں تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں بس ایک جماعت تھی اور وہ جماعت المسلمین تھی۔ اس زمانہ میں بس صرف ایک جماعت المسلمین کا وجود تھا اور اس کے علاوہ کسی فرقے کا وجود نہیں تھا۔ ایک موقع پر عید گاہ میں حاضری کے سلسلہ میں آپ نے ان خواتین کے متعلق جو اذیت ماہانہ میں ہونے کی وجہ سے نماز میں شریک نہ ہو سکیں فرمایا تھا :-

فَإِنَّمَا الْحَيْضُ فَيَشْهَدُنَ جَمَاعَةً  
المسلمین و دَعَوْتَهُمْ وَ لَعَنَتْ لُنَّ  
مُصَلَّوَهُمْ۔ (صحیح بخاری کتاب العیدین باب  
اعتزال الحيض المصلی جز ۲ ص ۲۸)۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ایمان والوں کی جماعت کا نام جماعت المسلمین تھا اور اسی نام کی جماعت سے چٹے رہنے کی ہدایت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی تھی۔ جیسا کہ ص ۹۲ پر گزر چکا ہے۔

آخر میں ہم پھر قارئین سے گزارش کرتے ہیں کہ آئیے، ایک مرکز پر جمع ہو جائیے تمام فرقوں کو ختم کر دیجئے، آپ کا کوئی نام نہ ہو سوائے مسلم کے، آپ کی کوئی جماعت نہ ہو سوائے جماعت المسلمین کے، آپ کا کوئی امام نہ ہو سوائے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جن کو اللہ تعالیٰ نے امام بنا کر بھیجا ہے، جن کی اطاعت



اور اتباع کو فرض کیا ہے، جن کی اطاعت و اتباع کو ہدایت کا ذریعہ بنایا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے بنائے ہوئے امام کی موجودگی میں اپنے بنائے ہوئے اماموں کو مرکز دین سمجھنا کونسی عقلمندی ہے، کیا ایمان کی یہی شان ہے؟

اٹھیے، تمام فرقہ دارانہ مذاہب و مسالک کو ختم کیجئے۔ آپ کا کوئی دین نہ ہو سکا اسلام کے، کوئی چیز ماخذ قانون نہ ہو سوائے قرآن مجید اور احادیث صحیحہ کے، کوئی چیز سند نہ ہو سوائے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی بات کے۔

اٹھیے، مذہب پرستی، وطن پرستی، قوم پرستی، زبان پرستی، شخصیت پرستی، فرقہ پرستی، صوبہ پرستی، عصبیت پرستی کے بتوں کو توڑ کر پھینک دیجئے۔ اللہ پرستی کا جذبہ پیدا کیجئے اور اللہ تعالیٰ ہی کے لئے محبت کیجئے۔

جماعت المسلمین کا کسی فرقہ سے تعلق نہیں جماعت المسلمین کی دعوت اسلام کی دعوت ہے، اس دین کی دعوت ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں تھا۔ آئیے اور جماعت المسلمین میں شامل ہو کر دین اسلام کی خدمت کیجئے۔

مسعود احمد، امیر جماعت المسلمین



مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللَّهِ (ج ۲۸) اللہ نے تمہارا نام مسلمان رکھا ہے

# اپنے فرقہ وارانہ ناموں کا ثبوت

(ورنہ مسلم نام رکھ کر ایک ہو جائیے)

(قسط اول)

ذی الحجہ ۱۳۹۶ھ

سلسلہ اشاعت ۸۸

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:-  
 وَمَا كَانَ النَّاسُ إِلَّا أُمَّةً (پہلے) سب لوگ ایک ہی امت تھے  
 وَاحِدَةً فَأَخْتَلَفُوا (پس) پھر وہ ایک دوسرے سے علیحدہ ہو گئے۔  
 دوسری جگہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:-  
 كَانَ النَّاسُ أُمَّةً وَاحِدَةً (بقرہ ۱۵۹) (پہلے) سب لوگ ایک ہی امت تھے۔  
 آیات بالا کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمام لوگوں کو ایک امت بنایا تھا اور  
 وہ ایک عرصہ تک ایک ہی امت رہے لیکن بعد میں وہ آپس میں اختلاف کر کے  
 فرقوں میں بٹ گئے، اللہ تعالیٰ نے پھر ان لوگوں کو ایک کرنے کا اہتمام کیا۔  
 فَبَعَثَ اللَّهُ النَّبِيِّينَ مُبَشِّرِينَ وَمُنْذِرِينَ وَأَنْزَلَ مَعَهُمُ  
 الْكِتَابَ بِالْحَقِّ لِيُخَكِّمَ بَيْنَ الَّذِينَ هُمْ أَخْتَلَفُوا فِيهِ ۚ  
 لِمَا اٰنْبِیَآءُ عَلَیْہِمُ السَّلَامُ) کو بشیر و  
 نذیر بنا کر مبعوث فرمایا اور ان پر  
 حق کے ساتھ کتاب نازل کی تاکہ وہ  
 ان کے آپس کے اختلاف میں فیصلہ  
 کر دے۔

{بقرہ ۲۱۳}

آیت بالا سے ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ لوگوں کو مختلف فرقوں میں دیکھنا پسند نہیں کرتا تھا، اور اگر وہ مختلف فرقوں میں بٹ جاتے تھے تو انبیاء علیہم السلام کو مبعوث فرما کر پھر انہیں ایک جماعت بن جانے کی ہدایت کرتا تھا۔

جب گذشتہ قرون اور زمانوں میں اللہ تعالیٰ نے لوگوں کا مختلف فرقوں میں بٹ جانا پسند نہیں کیا تو یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ وہ آخری نبی کی امت کا مختلف فرقوں میں بٹ جانا پسند کرے، اللہ تعالیٰ نے یقیناً اس بات کو پسند نہیں فرمایا کہ یہ آخری امت مسلمہ فرقوں میں تقسیم ہو، لہذا حکم دیا:-

وَاَعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللَّهِ جَمِيعًا وَلَا تَفَرَّقُوا (آل عمران) (اے ایمان

والو!) سب مل کر اللہ کی رستی کو مضبوطی سے پکڑ لو اور فرقے فرقے نہ بنو اللہ تعالیٰ نے تو فرقے فرقے بننے سے منع فرمایا تھا لیکن وائے افسوس یہ امت بھی مختلف فرقوں میں تقسیم ہو گئی، علیحدہ علیحدہ مذہب بنائے اور علیحدہ علیحدہ نام رکھ لے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:-

هُوَ سَمُّكُمْ الْمُسْلِمِينَ (سج ۸) اللہ نے تمہارا نام مسلمان رکھا ہے افسوس کہ لوگوں نے اللہ تعالیٰ کے دئے ہوئے نام کو چھوڑ کر فرقہ وارانہ ناموں سے اپنے کو موسوم کیا اور پھر انہی ناموں پر فخر کرنے لگے، یہ نام انہوں نے خود رکھ لئے قرآن و حدیث سے ان ناموں کی کوئی دلیل نہیں ملتی، اگر ان ناموں میں سے کوئی نام اچھا ہو سکتا تھا تو وہ "اہل حدیث" نام تھا، کیونکہ یہ ایک صولی نام ہے، اشخاص کی طرف منسوب نہیں ہے جس طرح کہ دوسرے فرقوں کے نام اشخاص کی طرف منسوب ہیں، لیکن حقیقت یہ ہے کہ قرآن و حدیث سے "اہل حدیث" نام کا بھی کوئی ثبوت نہیں ملتا۔ ان لوگوں کا کہنا ہے کہ قرآن مجید کو اللہ تعالیٰ نے "حدیث" کہا ہے اور یہ "اہل حدیث" نام کا ثبوت ہے۔ ہم کہتے ہیں اگر یہ تسلیم کر لیا جائے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کو "حدیث" کہا ہے تو آپ کو اس سے کیا فائدہ پہنچتا ہے، آپ کو تو "اہل حدیث" نہیں کہا۔ اگر کہا ہو تو بتائیے۔ قرآن مجید کو تو اللہ تعالیٰ نے "ذکر" بھی کہا ہے، تو کیا اگر کوئی فرقہ اپنا نام "اہل ذکر" رکھ لے تو آپ اسے گوارا کر لیں گے۔ قرآن مجید کو اللہ تعالیٰ نے "کتاب" بھی کہا ہے، تو کیا اگر کوئی فرقہ اپنا نام "اہل کتاب" رکھ لے تو آپ اس نام کو صحیح سمجھ لیں گے یا یہ اصرار کریں گے کہ "اہل حدیث" نام ہی رکھو، یہی صحیح ہے۔ ہمارا تجربہ تو یہ ہے کہ جب



”مسلمین“ نام کو برداشت نہیں کیا جا رہا جو خاص اللہ تعالیٰ کا رکھا ہوا نام ہے تو دوسرے ناموں کو کس طرح برداشت کیا جائیگا۔

الغرض نہ ”اہل حدیث“ نام قرآن و حدیث میں ملتا ہے نہ دوسرے فرقوں کے نام قرآن و حدیث میں ملتے ہیں۔ ہم اہل حدیث اور دوسرے تمام فرقوں سے گزارش کرتے ہیں کہ قرآن و حدیث سے اپنے ناموں کا ثبوت دیکر ہماری راہ نمائی فرمائیں اور اگر آپ ثبوت نہ دے سکیں اور ہرگز نہ دے سکیں گے، تو پھر ہم خیر خواہانہ آپ سے گزارش کرتے ہیں کہ ان ناموں کی قربانی دیکر اپنا صرف وہی نام رکھ لیں جو اللہ تعالیٰ نے رکھا ہے۔ اللہ تعالیٰ اُسی نام سے خوش ہو گا جو اُس نے رکھا تھا، اُس نام سے خوش نہیں ہو گا جو اُس نے نہیں رکھا۔ اللہ تعالیٰ کو خوش کیجئے اور دنیا و آخرت کی فوز و فلاح حاصل کیجئے۔

## قسط ۷

سلسلہ اشاعت ۸۹ بسم اللہ الرحمن الرحیم ماہ محرم ۱۳۹۶ھ

اللہ تعالیٰ اپنی ذات و صفات میں کیتا و بے ہمتا ہے۔ وہ ایک ہے، اُس کا کوئی شریک نہیں۔ کائنات کا ذرہ ذرہ اُس کی توحید کی گواہی دے رہا ہے۔ بڑی سے بڑی مخلوق ہو یا چھوٹی سے چھوٹی مخلوق، ہر چیز کی بنیادی ساخت میں یکانگت اور مکمل ہم آہنگی پائی جاتی ہے۔ ہر چیز میں ایٹم اور ہر ایٹم میں برقی ذرات زبان حال سے پکار رہے ہیں کہ ہمارا خالق ایک ہے۔ بظاہر ہر چیز کی شکل علیحدہ علیحدہ ہے۔ جسامت میں بھی فرق ہے لیکن ایک چیز قدر مشترک کے طور پر سب میں پائی جاتی ہے اور وہ ہے یکساں بنیادی ساخت۔ انسان بھی اس مستثنیٰ نہیں لیکن انسانوں کو صرف زبان حال سے توحید کی شہادت ادا کرنی نہیں ہے بلکہ زبانِ قال اور اعضاء و جوارح سے بھی ادا کرنی ہے۔ وہ کہیں کے بھی رہنے والے ہوں، شکلیں اور صورتیں کتنی ہی مختلف ہوں۔ قد و قامت، رنگ و نسل میں کیسا ہی فرق کیوں نہ ہو لیکن ایک چیز قدر مشترک کے طور پر سب میں پائی جانی چاہیئے اور وہ یہ کہ دینی لحاظ سے وہ ایک اللہ کی عبودیت میں سرشار ہو کر ایک جماعت ہوں۔ اپنے وجود سے وہ اس بات کی گواہی دیں کہ وہ ایک اللہ کے پرستار ہیں۔ اللہ واحد الہ ہے تو وہ بھی واحد جماعت ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی رضا بھی اسی میں ہے کہ اس کے بندے ایک جماعت بن کر رہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:-

وَإِنَّ هَذِهِ أُمَّتُكُمْ أُمَّةً  
وَاحِدَةً وَأَنَا رَبُّكُمْ  
فَاتَّقُونِ ۝ {مؤمنون ۱۵۲}

یہ تمہاری جماعت یقیناً ایک ہی  
جماعت ہے اور میں تم سب کا رب  
ہوں لہذا مجھ سے ڈرتے رہو۔

اللہ تعالیٰ کی رضا، تو اسی میں ہے کہ ہم ایک جماعت بن کر رہیں اور یہ جب ہی ممکن  
ہے کہ ہمارا نام ایک ہو اور ہمارا راستہ بھی ایک ہو۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:-  
هُوَ سَمُّكُمْ الْمُسْلِمِينَ {ج ۷۸}

اللہ نے تمہارا نام مسلمان رکھا ہے۔  
ایک نام رکھ کر اللہ تعالیٰ نے تمام قوموں کو ایک کر دیا۔ اب ان کا دینی نام کوئی  
نہیں رہا سوائے مسلمان کے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اُن کا راستہ اور طریقہ بھی ایک مقرر کر دیا  
اللہ تعالیٰ نے فرمایا:-

وَأَنَّ هَذَا صِرَاطٌ مُسْتَقِيمٌ  
فَاتَّبِعُوهُ {انعام-۱۵۳}

بے شک یہ ہے میرا سیدھا راستہ  
بس اسی کی پیروی کرو۔

اللہ تعالیٰ نے راستہ بھی مقرر کر دیا، نام بھی مقرر کر دیا۔ اللہ تعالیٰ کی رضا، یہ تھی کہ  
جس طرح بنیادی ساخت کے لحاظ سے وہ ایک ہیں، دینی لحاظ سے بھی وہ ایک ہی رہیں لیکن  
افسوس انسانوں نے اپنا دینی نام بھی بدل ڈالا اور دینی راستہ بھی بدل ڈالا حتیٰ کہ وہ  
اُمتِ مسلمہ بھی جس کو بہترین اُمت بنایا گیا تھا فرقوں میں بٹ گئی۔ ہر ایک فرقہ نے اپنا علیحدہ  
راستہ بنالیا اور اپنا نام بھی علیحدہ رکھ لیا۔ نہ اللہ تعالیٰ کی مرضی کا نام ہی باقی رہا، نہ اللہ  
تعالیٰ کی مرضی کا راستہ ہی باقی رہا۔ یقیناً یہ چیز اللہ تعالیٰ کی رضا کے خلاف ہوئی پھر بھی  
ہر فرقہ یہ سمجھ رہا ہے کہ وہ حق پر ہے۔ ہر فرقہ اپنے خود ساختہ نام پر فخر کر رہا ہے۔

ہم نے پہلے بھی عرض کیا تھا اور اب پھر عرض کرتے ہیں کہ یہ تمام خود ساختہ فرقہ وارانہ نام  
مختلف شخصیتوں کی طرف منسوب ہیں سوائے اہل حدیث نام کے۔ لیکن کسی نام کے  
اچھا ہونے کیلئے یہی کافی نہیں کہ اُس کے معنی بہت اچھے ہوں بلکہ اچھا ہونے کے لئے  
یہ بھی ضروری ہے کہ اُس کی تائید میں آیت یا حدیث ہو جس طرح نیکیوں کا حال ہے کہ کوئی  
نیکی اُس وقت تک نیکی نہیں کہلاتی جب تک اُس کا ثبوت سنت سے نہ ملے۔ اسی  
طرح کوئی نام اُس وقت تک اچھا نہیں ہو سکتا جب تک اُس کا ثبوت سنت سے نہ ملے  
ہمیں بڑے افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ اہل حدیث نام کا ثبوت بھی قرآن و حدیث  
میں کہیں نہیں ملتا۔ اگرچہ اہل حدیث حضرات اس نام کا ثبوت ہتیا کرنے کی کوشش  
کرتے ہیں لیکن انہیں اس میں کامیابی نہیں ہوتی۔ مثلاً وہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے



فرماتا ہے:-

وَمَنْ أَصْدَقُ مِنَ اللَّهِ حَدِيثًا {نار- ۸۷} سچا کون ہو سکتا ہے۔  
 ”حدیث کے لغوی معنی ہیں ”بات“۔ اور اس آیت میں ”حدیث“ کا لفظ کلیۃً لغوی معنوں میں استعمال ہوا ہے، اصطلاحی معنوں میں استعمال نہیں ہوا۔ مزید برآں حدیث کے اصطلاحی معنی ہیں ”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بات“ لیکن اہل حدیث حضرات اس آیت میں نہ لغوی معنی تسلیم کرتے ہیں نہ اصطلاحی۔ وہ کہتے ہیں کہ اس آیت میں ”حدیث“ قرآن مجید کو کہا گیا ہے لہذا ”اہل حدیث“ نام ثابت ہو گیا۔ ہم حیران ہیں کہ کس لحاظ سے ”حدیث“ کو قرآن مجید کا نام سمجھیں جبکہ نہ یہ اس کے لغوی معنی ہیں نہ اصطلاحی۔ اور اگر ہم یہ فرض بھی کر لیں کہ ”حدیث“ قرآن مجید کا نام ہے تو پھر اس آیت سے قرآن مجید کے نام کا ثبوت ملا نہ کہ اہل حدیث نام کا۔ ”حدیث“ مفرد ہے اور ”اہل حدیث“ مرکب مفرد کے ثبوت سے مرکب ثبوت کیسے ہو گیا؟ اہل حدیث حضرات سے ہماری گزارش ہے کہ وہ قرآن مجید کے نام کا ثبوت ہتیا کرنے کے بجائے اپنے نام کا ثبوت ہتیا کریں۔  
 اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:-

وَمَنْ أَصْدَقُ مِنَ اللَّهِ قِيلًا {نہل- ۱۱۲} اللہ سے بڑھ کر بات کا سچا کون ہو سکتا ہے۔

اہل حدیث کی پیش کردہ آیت اور اس آیت کا مقابلہ کیجئے۔ دونوں میں صرف ایک لفظ کا فرق ہے۔ پہلی آیت میں ”حدیث“ ہے، دوسری آیت میں اس کی جگہ ”قیل“ ہے۔ اگر پہلی آیت کی رو سے ”حدیث“ قرآن مجید کا نام ہے تو دوسری آیت کی رو سے ”قیل“ بھی قرآن مجید کا نام ہوا۔ اگر پہلی آیت سے ”اہل حدیث“ نام کو اخذ کیا جاسکتا ہے تو اس دوسری آیت سے ”اہل قیل“ نام کو بھی اخذ کیا جاسکتا ہے۔ ہم اہل حدیث حضرات سے پوچھتے ہیں کہ کیا ”اہل قیل“ نام رکھا جاسکتا ہے، اگر نہیں رکھا جاسکتا ہے تو بتائیے کہ وجہ تفریق کیا ہے؟

بات درحقیقت یہ ہے کہ نہ پہلی آیت میں ”حدیث“ سے مراد قرآن مجید ہے اور نہ دوسری آیت میں ”قیل“ سے مراد قرآن مجید ہے۔ دونوں لفظ اپنے لغوی معنوں میں استعمال ہوئے ہیں۔ یعنی ہر دو لفظوں کے معنی ہیں ”بات“۔

بات کیا تھی، بنا کیا دی گئی!



الغرض قرآن حدیث میں نہ اہل حدیث نام کا ثبوت ملتا ہے نہ دوسرے فرقوں کے فرقہ دارانہ ناموں کا۔ لہذا ان تمام فرقوں سے ہماری گزاریش ہے کہ ان تمام خود ساختہ فرقہ دارانہ ناموں کو چھوڑ کر صرف وہی نام رکھ لیں جو اللہ تعالیٰ کا رکھا ہوا ہے، اللہ تعالیٰ کی رضا اسی میں ہے۔ آئیے ہم سب مل کر کہیں :-  
”ہم مسلم ہیں“

### قِسْطٌ

سلسلہ اشاعت ۹۱ بسم اللہ الرحمن الرحیم ماہ ربیع الاول ۱۴۱۹ھ

ہر نبی کے زمانہ میں ایمان والوں کی ایک ہی جماعت ہوتی تھی، وہ آپس میں متفرق نہیں ہوتے تھے، اُس جماعت کا نام بھی ایک ہی ہوتا تھا لیکن جب نبی کا انتقال ہو جاتا تھا تو کچھ عرصہ کے بعد ان میں اختلاف رونما ہو جاتا تھا اور پھر وہ متفرق فرقوں میں بٹ جایا کرتے تھے۔ جیسا کہ ارشاد باری ہے :-

فَتَقَطَّعُوا أَمْرَهُمْ بَيْنَهُمْ  
وَبَيْنَ كُلِّ جُزْءٍ لِّمَا لَدَيْهِمْ  
قِرْحُونًا ۝ (مؤمنون - ۵۳) اپنے مذہب میں ملگن ہے۔

کیا یہی صحت اس اُمت میں نہیں ہوئی۔ ضرور ہوئی۔ موجودہ فرقوں کے وجود سے کیا کوئی انکار کر سکتا ہے؟ ہر فرقہ کا مذہب علیحدہ علیحدہ ہے پھر بھی ہر فرقہ اس زعم میں ہے کہ وہی اصل اسلام پر قائم ہے۔ کیا اسلام بھی کئی ہو سکتے ہیں؟ نہیں اور ہرگز نہیں۔ تو پھر سوال پیدا ہوتا ہے کہ ہم کس کو اسلام سمجھیں اور کس کو اسلام نہ سمجھیں۔

فرقے بننے تو نام بھی علیحدہ علیحدہ تجویز ہوئے۔ اللہ تعالیٰ کے رکھے ہوئے نام کو چھوڑ کر ہر فرقہ نے اپنے آپ کو شخصیتوں کی طرف منسوب کر لیا اور وہ اس نام کی حقانیت پر دلائل دینے سے بھی عاجز ہیں سوائے اہل حدیث کے کہ وہ کوشش کرتے ہیں کہ اپنے نام کا ثبوت دیں لیکن کامیابی سے ہمکنار وہ بھی نہیں ہوتے۔ اہل حدیث حضرات کے بعض دلائل کا جائزہ ہم پہلے لے چکے ہیں۔ ان کے مزید دلائل سنیے اور پھر ہماری گزارشات ملاحظہ فرمائیے۔

(۱) قَبَايَ حَدِيثٍ بَعْدَكَ ابْ اس (قرآن) کے بعد یہ کونسی بات

يُؤْمِنُونَ ۝ (مرسلت - ۵۰) پر ایمان لائیں گے۔

اہل حدیث حضرات کہتے ہیں کہ اس آیت میں قرآن مجید کو ”حدیث“ کہا گیا ہے لہذا



قرآن مجید کا نام "حدیث" نہیں ہے۔ اور اگر ہم اسے فرض بھی کر لیں تو پھر ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ اہل حدیث حضرات نے قرآن مجید کے نام کا ثبوت تو دیدیا لیکن اپنے نام کا ثبوت دینے سے عاجز ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:-

هُوَ سَمُّكُمْ الْمُسْلِمِينَ ﴿٨﴾ اللہ نے تمہارا نام مسلمان رکھا ہے  
ہم اہل حدیث حضرات سے گذارش کرتے ہیں کہ وہ بھی کوئی ایسی آیت یا حدیث  
پیش کر دیں جس کا یہ مضمون ہو

هُوَ سَمُّكُمْ أَهْلَ الْحَدِيثِ اللہ نے تمہارا نام اہل حدیث رکھا ہے  
لیکن وہ ایسا ہرگز نہیں کر سکتے۔ "اہل حدیث" نام نہ قرآن میں ہے نہ حدیث میں۔  
اب اگر وہ نیچے اتر کر کچھ دلائل مہیا کریں گے تو مسلک اہل حدیث کی پوری عمارت منہدم  
ہو جائے گی۔ "تَرَكْتُ فِيكُمْ أَمْرَيْنِ" کی حدیث سے ان کو دستبردار ہونا پڑے گا بندرج  
ذیل شعر کی کوئی حقیقت باقی نہیں رہے گی جس کو وہ بار بار پیش کیا کرتے ہیں۔

اصل دیں آمد کلام اللہ معظم داشتن

پس حدیث مصطفیٰ بر جاں سلم داشتن

اگرچہ قرآن و حدیث کے علاوہ کوئی اور چیز حجت تو نہیں ہوتی تاہم قارئین کرام کو  
رُوشناس کرانے کیلئے آئندہ قسط میں ہم انشاء اللہ اہل حدیث حضرات کے ان دلائل کا  
بھی جائزہ لیں گے جو وہ قرآن و حدیث کے علاوہ پیش کیا کرتے ہیں اور "حدیث" کے  
اصطلاحی معنوں پر بھی روشنی ڈالیں گے۔ وَاللّٰهُ الْمُسْتَعَانُ۔

سلسلہ اشاعت ۹۲ (آخری قسط) ماہ جمادی الاول ۱۳۹۷ھ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

گزشتہ تین اشاعتوں میں ہم یہ ثابت کر چکے ہیں کہ قرآن حدیث کی رُو سے ایمان والوں کا  
بس صرف ایک ہی نام ہے یعنی مسلم۔ اور یہ کہ دوسرے تمام نام فرقہ وارانہ نام ہیں۔ یہ نام ان  
فروق نے خود رکھ لئے ہیں، قرآن و حدیث سے ان ناموں کا کوئی ثبوت نہیں۔

گزشتہ اشاعتوں میں ہم نے بتایا تھا کہ صرف اہل حدیث حضرات ہی اپنے نام کا ثبوت  
مہیا کرنے کی کوشش کرتے ہیں لیکن انہیں بھی اس میں کامیابی حاصل نہیں ہوتی۔ جو دلائل  
وہ اپنے نام کے ثبوت میں پیش کرتے ہیں اُن کا تجزیہ ہم پہلے کر چکے ہیں۔ ہمارے تجزیہ کا خلاصہ  
یہ ہے کہ قرآن و حدیث سے اہل حدیث نام کا کوئی ثبوت نہیں۔ اب ہم اہل حدیث حضرات



کے اُن دلائل کا جائزہ لیتے ہیں جو وہ قرآن و حدیث کے علاوہ پیش کرتے ہیں  
 (۱) عن ابی سعید الخدریؓ انه کان حضرت ابو سعید خدریؓ جب نوجوانوں کو دیکھتے  
 اذا رأى الشباب قال مرحبا بوصية تو فرماتے "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم  
 رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم امرنا کی وصیت سے خوشی حاصل کرو۔ رسول اللہ  
 رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان نوسع صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں حکم دیا تھا کہ تمہارے  
 لکم فی المجلس ان تفہموا الحدیث لئے مجلس میں فراخی کریں اور تم کو حدیث  
 فانکم خلوفنا واهل الحدیث بعدنا۔ سمجھائیں کیونکہ تم ہمارے جانشین ہو اور  
 {شرف اصحاب الحدیث للخطیب البغدادیؒ} ہمارے بعد تم ہی اہل حدیث ہو۔

اس روایت سے مندرجہ ذیل باتیں ثابت ہوئیں:-

(۱) حضرت ابو سعیدؓ طلبائے حدیث سے فرماتے تھے کہ تم ہمارے بعد اہل حدیث ہو حضرت  
 ابو سعیدؓ کے اس فرمان کے معنی عام لوگ نہیں تھے۔

(۲) حضرت ابو سعیدؓ کے اس فرمان سے ثابت ہوا کہ وہ طلباء بھی اُس وقت تک  
 اہل حدیث نہیں ہوئے تھے بلکہ بعد میں ہونے لگے تھے۔ ظاہر ہے کہ پھر اہل حدیث سے  
 مراد علماء حدیث ہوئے نہ کہ عام لوگ کیونکہ وہ نوجوان اُس وقت تک عالم نہیں تھے لہذا اہل حدیث  
 بھی نہیں تھے۔

مزید غور طلب چیز یہ ہے کہ کیا کوئی استاد اپنے شاگردوں سے یہ کہہ سکتا ہے کہ تم ہمارے بعد  
 مسلم ہو۔ ہرگز نہیں مسلم تو بچہ بھی ہے بڑا بھی ہے۔ عام آدمی بھی ہے اور محدث بھی ہے۔  
 لہذا ثابت ہوا کہ مسلم اور اہل حدیث مترادف نہیں۔

اب ہم اس حدیث کی سند کا جائزہ لیتے ہیں۔ اس کی سند میں ایک راوی ابو ہارون العبدی  
 ہے۔ اس کے متعلق امام احمدؒ فرماتے ہیں "ابو ہارون العبدی متروک الحدیث" یعنی ابو  
 ہارون العبدی متروک الحدیث ہے۔ امام بخاریؒ فرماتے ہیں "ابو ہارون العبدی کذاب"  
 یعنی ابو ہارون العبدی کذاب ہے۔ {کتاب القراءة للامام البیہقی مطبوعہ پرنسنگ کورس دہلی ص ۱۳۸}  
 لہذا یہ روایت موضوع ہے، اہل حدیث پر تعجب ہے کہ ایسی گھڑی ہوئی روایتوں سے  
 استدلال کرتے ہیں

(۲) حدیث کی کتابوں میں جگہ جگہ لفظ اہل حدیث آتا ہے۔ اہل حدیث حضرات اس کو  
 بھی اپنے نام کے ثبوت میں پیش کرتے ہیں۔ مثلاً امام ترمذیؒ لکھتے ہیں:-

ابن لہیعۃ ضعیف عند اہل ابن امیہ اہل حدیث کے نزدیک ضعیف

المحدث ضعفه یحییٰ بن سعید ہے۔ اس کو امام یحییٰ بن سعید القطبان  
 القطبان وغیرہ (ترمذی ابواب الطہارۃ) وغیرہ نے ضعیف کہا ہے۔  
 رفع هذا الحديث عبد الکریم عبد الکریم بن مخارق نے اسے مرفوع  
 بن مخارق وهو ضعیف عند کیا ہے اور وہ اہل حدیث کے نزدیک  
 اہل الحدیث ضعفه ایوب ضعیف ہے۔ امام ایوب سختیانی نے  
 السختیانی (ترمذی ابواب الطہارۃ) اسے ضعیف کہا ہے۔  
 مندرجہ بالا عبارتوں سے ظاہر ہوا کہ اہل حدیث سے علماء حدیث، محدثین، المحدث  
 جرح و تعدیل مراد ہیں نہ کہ کوئی فرقہ یا فرقہ کا کوئی عام آدمی۔  
خلاصہ الغرض اس قسم کی جتنی روایتیں پیش کی جاتی ہیں اول تو وہ سنداً صحیح نہیں  
 ہوتیں اور اگر صحیح بھی ہوں تو ان میں اہل حدیث سے فرقہ اہل حدیث مراد نہیں ہوتا  
 بلکہ محدثین مراد ہوتے ہیں۔  
حدیث کے لغوی اور اصطلاحی معنی حدیث کے لغوی معنی ہیں "بات" قرآن مجید  
 میں یہ لفظ اسی معنی میں استعمال ہوا ہے۔  
 حدیث کے اصطلاحی معنی ہیں "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بات"۔  
 لہذا نہ لغوی لحاظ سے حدیث قرآن مجید کا نام ہے اور نہ اصطلاحی لحاظ سے۔  
 اور اگر حدیث کو قرآن مجید کا نام بھی فرض کر لیا جائے تو اس سے یہ کہاں ثابت ہوتا  
 ہے کہ امت مسلمہ کا نام اہل حدیث ہے۔  
گزارش آخر میں ہم تمام فرقوں سے گزارش کرتے ہیں کہ اپنے فرقہ دارانہ ناموں کو  
 چھوڑ کر صرف مسلم نام رکھ لیجئے اور متحد اور متفق ہو جائیے۔

- نوٹ ① جماعت المسالین کا ذکر مسعود الدین عثمانی کیاڑی والے سے کوئی تعلق نہیں۔ جماعت المسالین ان کے  
 بعض عقائد سے سخت بیزار ہے۔ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف بحران کو منسوب کر کے سخت گستاخی کی ہے۔  
 جماعت المسالین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جناب میں ذرا سی گستاخی کو بھی کفر سمجھتی ہے۔  
 نوٹ ② کراچی میں جماعت المسالین کا مرکز ہے۔ کراچی میں جماعت المسالین کی کوئی شاخ کسی بھی علاقہ یا عملہ میں نہیں ہے۔

مسعود احمد

امیر جماعت المسالین

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

۱۴۰۶ھ

سلسلہ اشاعت ۱۰۶

# مذاهب خمسہ

(اہل حدیث، حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی)

اور

## دین اسلام

### کتابیات

- ۱ صحیح بخاری مطبوعہ مطبع مصطفیٰ البابی الحلبی بمصر ۱۳۷۷ھ۔
- ۲ صحیح مسلم مطبوعہ مطبع عیسیٰ البابی الحلبی وشرکاء بمصر۔
- ۳ صحیح ابن خزمیہ مطبوعہ المکتب الاسلامی بیروت ۱۳۹۵ھ۔
- ۴ ابوداؤد مطبوعہ مطبع مجتہائی دہلی۔
- ۵ نسائی مطبوعہ مطبع رحیمیہ دہلی۔
- ۶ فتح ربانی (مسند احمد) مع شرح بلوغ الامانی مؤلفہ احمد عبد الرحمن الہنا الساعی مطبوعہ مطبعة الاخوان المسالین الطبعة الاولى۔
- ۷ التعليقات للالبانی علی مشکوٰۃ مطبوعہ المکتب الاسلامی بیروت ۱۳۹۹ھ۔
- ۸ فتح الباری شرح صحیح بخاری مطبوعہ مطبع مصطفیٰ البابی الحلبی واولادہ بمصر ۱۳۷۸ھ۔
- ۹ عون المعبود شرح ابی داؤد مؤلفہ شمس الحق عظیم آبادی مطبوعہ نشر السنۃ۔ ملتان بمطبع المطبعة العربیہ۔ لاہور۔ یہ اہلحدیث مذہب کی کتاب ہے۔



- ۱۰ نیل الاوطار مؤلفہ امام شوکانی مطبوعہ مصطفیٰ البابی الحبلی بمصر ۱۳۴۷ھ  
 ۱۱ مرعاة المفاتيح شرح مشکوٰۃ المصابیح مؤلفہ عبید اللہ مبارکپوری مطبوعہ  
 المطبعة العربیہ لاہور۔

- ۱۲ ہدایہ مطبوعہ مطبع سعیدی قرآن محل کراچی۔ ہدایہ حنفی مذہب کی سب  
 سے زیادہ معتبر کتاب ہے۔ یہ درس نظامی کے نصاب میں شامل ہے۔  
 اس کے متعلق یہاں تک کہا گیا ہے :-

ان الهدایۃ کالقبران قد نسخت  
 ما صنفوا قبلها فی الشرع من کتب

ترجمہ | بے شک ہدایہ مانند قرآن کے ہے۔ اس نے اپنے سے پہلے  
 کی تمام کتابوں کو جو شرع (کے سلسلہ) میں تصنیف کی گئیں منسوخ  
 کر دیا۔

- (مقدمہ ہدایہ لمحمد عبدالحی الکنوی جلد ۳ ص ۴)  
 ۱۳ شرح وقایہ مع عمدة الرعاۃ مطبوعہ مطبع انوار محمدی۔ شرح وقایہ بھی  
 حنفی مذہب کی معتبر کتاب ہے۔

- ۱۴ البلاغ المبین فی اتباع خاتم النبیین مؤلفہ شیخ محی الدین مطبوعہ شیخ  
 عبد الرحمن وحبیب الرحمن امرتسر بمطبع نذیر پرنٹنگ پریس امرتسر۔  
 یہ اہلحدیث مذہب کی کتاب ہے۔

- ۱۵ صلوٰۃ الرسول مؤلفہ حکیم محمد صادق سیالکوٹی شائع کردہ سکول بک  
 ڈپو گوجرانوالہ مطبوعہ اشرف پریس لاہور۔  
 یہ اہلحدیث مذہب کی کتاب ہے۔

- ۱۶ دستور المتقی فی احکام النبی شائع کردہ جمعیت اہلحدیث کراچی رجسٹرڈ  
 مطبوعہ ۱۹۶۷ء (بارسوکیم)

- ۱۷ منہاج الطالبین مؤلفہ یحییٰ بن شرف النووی مطبوعہ دارالمعرفۃ -  
 بیروت :- یہ شافعی مذہب کی معتبر کتاب ہے۔

۱۸) منہج الطلاب للشیخ زکریا الانصاری - مطبوعہ دارالمعرفۃ - بیروت۔  
یہ شافعی مذہب کی کتاب ہے۔

۱۹) مختصر العلامة خلیل مؤلفہ خلیل بن اسحق المالکی مطبوعہ دارالفکر بیروت  
۱۳۹۸ھ۔

یہ مالکی مذہب کی کتاب ہے۔  
۲۰) المقنع مؤلفہ عبداللہ بن احمد بن قدامۃ المقدسی مطبوعہ دارالکتب  
العلمیہ - بیروت ۱۳۹۹ھ۔  
یہ حنبلی مذہب کی کتاب ہے۔

## بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

### بہ چند اصطلاحات کی تشریح

**فرض** | فرض وہ کام ہے جس کے کرنے کا حکم اللہ تعالیٰ نے یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیا ہو۔ اس کام کا کرنا لازمی ہوتا ہے اور اس کا ترک گناہ ہوتا ہے۔  
نوٹ :- رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت عین اللہ تعالیٰ کی اطاعت ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :-

مَنْ يَطِيعِ الرَّسُولَ فَقَدْ اطَاعَ  
اللّٰهَ (النساء - ۸۰)  
درحقیقت اللہ ہی کی اطاعت کی۔

لہذا اللہ تعالیٰ کے حکم میں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم میں کوئی  
فرق نہیں۔ دونوں یکساں طور پر فرض ہیں۔

**سنت** | سنت وہ کام ہے جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیشہ کیا  
ہو اور کبھی نہ چھوڑا ہو۔ اس کام کا کرنا بھی فرض یعنی لازمی ہوتا ہے اگرچہ عام اصطلاح  
میں اس کو فرض کہا نہیں جاتا۔ حکم کی بنا پر جو کام لازمی ہوتا ہے اسے عام اصطلاح

میں فرض کہتے ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل کی بناء پر جو کام لازمی ہوتا ہے اُسے عام اصطلاح میں سنت کہتے ہیں۔ ناموں کی اس تفریق سے لوگوں نے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ سنت لازمی نہیں ہوتی بلکہ اختیاری یعنی نفل ہوتی ہے اور یہ بالکل غلط نتیجہ ہے۔ اس نتیجہ نے سنت کی اہمیت کو ختم کر دیا اور لوگ گمراہی میں مبتلا ہو گئے۔

سنت پر عمل کرنا فرض یعنی لازمی ہوتا ہے۔ اس کو ہم نے اسی کتابچہ کے صفحہ ۲۰ پر ثابت کیا ہے۔

سنت کا ترک گناہ ہوتا ہے۔ اس کو ہم نے اپنے کتابچہ ”ترک سنت گناہ ہے“ میں ثابت کیا ہے۔

نفل | نفل وہ کام ہے جو نہ فرض ہو نہ سنت۔ اس کام کا کرنا لازمی نہیں ہوتا بلکہ اختیاری ہوتا ہے۔ نفل پر عمل کرنے سے ثواب ملتا ہے، نفل کو ترک کرنے سے گناہ نہیں ہوتا۔

اگر کسی نفل کام کی قرآن مجید یا حدیث شریف میں کوئی خاص فضیلت وارد ہو یا کسی نفل کام کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی کہا ہو یا کبھی کر کے بعد میں کسی مصلحت سے چھوڑ دیا ہو تو اس کام کو عموماً ”مستحب“ کہتے ہیں۔

نوٹ :- نفل کام صرف اسی حالت میں کارِ ثواب ہے جبکہ اس کا ثبوت قرآن مجید یا حدیث نبوی میں ملتا ہو۔ اگر کسی نفل کام کا ثبوت نہ قرآن مجید میں ہو نہ حدیث نبوی میں تو وہ کام بدعت ہوگا اور اس کا کرنا گمراہی ہوگا۔ اس سلسلہ میں تفصیل کے لئے ہمارا کتابچہ ”بدعت“ ملاحظہ فرمائیں۔

واجب | واجب اور فرض میں کوئی فرق نہیں ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں :-

إِذَا جَلَسَ بَيْنَ شُعْبَيْهِمَا الْأَرْبَعِ      جب مرد عورت کی چاروں شاخوں کے درمیان  
ثُمَّ جَهَدَهَا فَقَدْ وَجَبَ الْغُسْلُ      بیٹھ جائے پھر اس کے ساتھ کوشش کرے



(صحیح بخاری کتاب الغسل باب اذا التقى تو غسل واجب ہو گیا۔  
المختار جزء اول ص ۸)

اس حدیث میں لفظ ”واجب“ استعمال ہوا ہے اور یہ یقیناً ”فرض“ کے قائم مقام ہے اس میں کسی کو اختلاف نہیں۔

نوٹ :- احناف نے فرض اور واجب میں فرق کیا ہے۔ یہ ان کی اپنی ایجاد کردہ اصطلاح ہے جس کا قرآن مجید یا حدیث نبوی سے کوئی ثبوت نہیں۔  
قرینہ صارفہ | ”قرینہ“ اس بات کو کہتے ہیں جو کسی کلام کی اصل منشاء کی طرف رہنمائی کرے۔

”صارفہ“ پھیرنے والی کو کہتے ہیں۔

”قرینہ صارفہ“ کے معنی ہیں : ”پھیرنے والی بات“

قرینہ صارفہ سے اصطلاحاً وہ بات مراد ہوتی ہے جو کسی حکم کی فرضیت کو استحباب کی طرف پھیر دے یعنی ”قرینہ صارفہ“ وہ بات ہے جس سے حکم دینے والے کی منشاء ظاہر ہو جائے کہ وہ اس حکم کو فرض قرار نہیں دے رہا ہے بلکہ صرف اس کی فضیلت بیان کر رہا ہے یا اس کی اجازت دے رہا ہے۔ مثلاً  
① اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :-

وَحُرْمٌ عَلَيْكُمْ صَيْدُ الْبَرِّ مَا  
دُمْتُمْ حُرُمًا (المائدة - ۹۶)  
اور (اے ایمان والو) تم پر خشکی کا شکار حرام  
کر دیا گیا ہے جب تک تم احرام کی حالت  
میں رہو۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :-

غَيْرَ مُحِلِّي الصَّيْدِ وَأَنْتُمْ حُرُمٌ  
(المائدة - ۱)  
(اے ایمان والو) جب تم احرام کی حالت  
میں ہو تو شکار کو حلال نہ سمجھنا۔

اسی آیت میں آگے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :-

وَإِذَا حَلَلْتُمْ فَاصْطَادُوا  
(المائدة - ۱)  
اور (اے ایمان والو) جب تم احرام اتارو  
تو شکار کیا کرو۔

اس آیت میں حکم ہے کہ احرام اتارنے کے بعد شکار کر دو۔ اس حکم سے بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ احرام اتارنے کے بعد شکار کرنا فرض ہے حالانکہ حقیقت میں ایسا نہیں ہے بلکہ حالت احرام میں شکار کی جو بندش تھی اس حکم سے اس بندش کو ختم کیا جا رہا ہے یعنی یہ حکم اس بات کی اجازت ہے کہ اب شکار کر سکتے ہو پہلے جو بندش تھی وہی اس حکم کو فرضیت سے اجازت کی طرف پھیر رہی ہے یعنی حالت احرام میں شکار کی بندش ”قرینہ صارفہ“ ہے جو احرام اتارنے کے بعد شکار کرنے کے حکم کی فرضیت کو اجازت کی طرف پھیر رہا ہے یعنی احرام اتارنے کے بعد شکار کرنے کے حکم سے شکار کرنے کی اجازت مراد ہے نہ کہ شکار کی فرضیت۔

(۲) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :-

صَلُّوا قَبْلَ صَلَاةِ الْمَغْرِبِ، قَالَ نَمَازِ مَغْرِبٍ سَے پہلے نماز پڑھو (تین مرتبہ  
فِي الثَّلَاثَةِ لِمَنْ شَاءَ كَرَاهِيَةً آپ نے اس کلمہ کو دہرایا پھر اس بات کو  
أَنْ يَتَّخِذَهَا النَّاسُ سُنَّةً ناپسند کرتے ہوئے کہ کہیں لوگ اس کو سنت  
(صحیح بخاری کتاب الصلوة باب الصلوة نہ بنائیں تیسری مرتبہ میں آپ نے یہ بھی فرمایا:  
قَبْلَ الْمَغْرِبِ ج ۲ ص ۲۶) جو (پڑھنا) چاہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مغرب سے پہلے نماز پڑھنے کا تین مرتبہ حکم دیا۔ کیونکہ حکم کی تعمیل فرض ہوتی ہے لہذا آپ نے اپنے حکم کی فرضیت کو استحباب کی طرف پھیرنے کے لئے فرمایا: ”جو چاہے“۔ یہ الفاظ ”جو چاہے“ اس بات پر قرینہ ہیں کہ حکم سے مراد آپ کی استحباب بتانا تھا نہ کہ فرض کرنا گویا یہ الفاظ ”جو چاہے“ قرینہ صارفہ ہیں جو اس نماز کے وجوب کو ساقط کر کے اس کے استحباب کو ثابت کر رہے ہیں۔

واضح ہو کہ اس حدیث میں سنت کا لفظ فرض کے قائم مقام واقع ہوا ہے جس سے صاف نتیجہ نکلتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس نماز کو سنت یعنی لازمی نہیں بنانا چاہتے تھے لہذا آپ نے ”لِمَنْ شَاءَ“ فرما کر اس کی فرضیت کو استحباب کی طرف پھیر دیا۔

# فرض کن الفاظ سے ہوتا ہے

فرض کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف الفاظ استعمال فرمائے ہیں :-

① کتاب یا کتابت یا ان کے ماضی، مضارع وغیرہ : مثلاً  
کُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ (البقرة - ۱۸۳) تم پر روزے فرض کر دیئے گئے۔  
کُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ (البقرة - ۱۷۸) تم پر قصاص فرض کر دیا گیا۔

② فرض یا فریضۃ یا ان کے ماضی، مضارع وغیرہ : مثلاً فَرِضَ اللَّهُ  
مِنَ اللَّهِ (النساء - ۱۱) (ورثہ میں تمام وارثوں کے حصے) اللہ کی طرف سے  
فرض ہیں۔ فَرَضَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ زَكَاةَ الْفِطْرِ (صحیح  
بخاری کتاب الزکوٰۃ باب فرض صدقة الفطر جزء ۲ ص ۱۶) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم  
نے زکوٰۃ الفطر کو فرض کر دیا۔

③ امر یا اس کے ماضی، مضارع وغیرہ : مثلاً أَمَرَ أَنْ لَا تَعْبُدُوا  
إِلَّا إِلَهًا (یوسف - ۲۰) اللہ نے حکم دیا ہے کہ کسی کی عبادت نہ کرو سوائے  
اُس کے۔ أَمَرَنَا النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي غَزْوَةِ خَيْبَرٍ أَنْ نُلْقِيَ  
الْحُمْرَ الْأَهْلِيَّةَ (صحیح بخاری کتاب المغازی باب غزوة خیبر جزء ۵ ص ۱۱)  
خیبر کی لڑائی میں ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ شہری گدھوں  
(کے گوشت) کو الٹ دیں۔ أَمَرْتُ أَنْ أَسْجُدَ عَلَى سَبْعَةِ أَعْظِمٍ (صحیح  
بخاری کتاب الصلوٰۃ باب السجود على الانف جزء اول ص ۱۲) رسول اللہ صلی اللہ علیہ  
وسلم نے فرمایا مجھے حکم دیا گیا ہے کہ سات ہڈیوں پر سجدہ کروں۔

④ کسی بھی فعل کا صیغہ امر : مثلاً وَارْقُمُوا الصَّلَاةَ (النور - ۵۶)  
نماز قائم کرو، وَقُولُوا قَوْلًا سَدِيدًا (الاحزاب - ۷۰) سچی بات کہو، قُولُوا  
لِلنَّاسِ حُسْنًا (البقرة - ۸۳) لوگوں سے اچھی بات کہو (یعنی نرمی سے بات



کرو)، تَوَلُّوا أَمَنًا بِاللَّهِ وَمَا أُنْزِلَ إِلَيْنَا (البقرة - ۱۳۶) (اے ایمان والو) کہو کہ ہم اللہ پر اور جو ہماری طرف نازل کیا گیا ہے اس پر ایمان لائے، تَوَلُّوا دُجُوهَكُمْ شَطْرَهُ (البقرة - ۱۴۴) مسجد الحرام کی طرف منہ کرو، وَتَسْكُنْ مِثْلَكُمْ أُمَّةٌ يَدْعُونَ إِلَى الْخَيْرِ (ال عمران - ۱۰۴) اور (اے ایمان والو) تم میں ایک جماعت ایسی ہونی چاہیے جو خیر کی دعوت دے، إِذَا قَالَ الْإِمَامُ سَمِعَ اللَّهُ لِمَنْ حَمِدَهُ فَقُولُوا اللَّهُمَّ رَبَّنَا وَلَكَ الْحَمْدُ (صحیح بخاری کتاب الصلوٰۃ باب فضل اللهم ربنا ذلك الحمد جزء اول من) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب امام سمیع اللہ لِمَنْ حَمِدَهُ کہے تو تم کہو اللَّهُمَّ رَبَّنَا وَلَكَ الْحَمْدُ۔

## مذہب خمسہ (یعنی مذاہب اہل حدیث،

حنفی، شافعی، مالکی اور حنبلی) اور

## دین اسلام کا تقابل

اللہ تبارک و تعالیٰ، بادشاہِ دو جہاں ہم سب کا خالق اور مالک ہے۔ وہی ہمارا حاکم حقیقی ہے، اسی کے احکام پر چلنے میں ہماری نجات ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ کے احکام ہر بندے کے پاس براہِ راست نہیں پہنچتے۔ اس کام کے لئے اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں میں سے چند بندے منتخب فرمائے۔ ان بندوں کو انبیاء کہتے ہیں۔ ان بندوں کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے اپنے احکام بندوں تک پہنچائے۔

انبیاء علیہم السلام آتے رہے اور جاتے رہے یہاں تک کہ آخری

زمانہ میں اللہ ذوالجلال والاکرام نے محمد المصطفیٰ المرتضیٰ المجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا آخری رسول بنا کر مبعوث فرمایا اور پھر قیامت تک کے لئے سلسلہ نبوت کو ختم کر دیا۔ اب قیامت تک کوئی نبی نہیں بنایا جائے گا۔

اللہ عزوجل کے احکام کے مجموعہ کو دین کہتے ہیں۔ دین اللہ تعالیٰ کا مرتب کردہ ہوتا ہے جیسا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے :-

شَرَعَ لَكُمْ مِنَ الدِّينِ  
(الشوری - ۱۳)

اللہ نے تمہارے لئے دین کا ایک واضح اور سیدھا راستہ بنایا۔

اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے احکام میں کسی کی شرکت پسند نہیں کرتا۔  
اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے :-

وَلَا يُشْرِكْ فِي حُكْمِهِ أَحَدًا  
(الکہف - ۲۶)

کرتا۔

اگر کوئی شخص اللہ تبارک وتعالیٰ کے دین میں خود ساختہ احکام و قوانین کا اضافہ کرتا ہے تو گویا وہ دین سازی میں اللہ تبارک وتعالیٰ کا شریک بنتا ہے۔ اللہ عزوجل فرماتا ہے :-

أَدُلَّهُمْ شُرَكَاؤُا شَرَعُوا لَهُمْ  
مِنَ الدِّينِ مَا لَمْ يَأْذَنْ بِهِ  
اللَّهُ (الشوری - ۲۱)

کیا انہوں نے (اللہ کے) شریک بنا رکھے ہیں جو ان کے لئے دین میں شریعت سازی کرتے ہیں حالانکہ اللہ نے اس کی اجازت نہیں دی۔

الغرض اللہ تعالیٰ کے دین خالص میں کسی قسم کی ملاوٹ یا اضافہ ایک قسم کا شرک ہے۔ اسے شرک فی الدین یا شرک فی التشريع کہتے ہیں۔  
اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے دین کا نام "اسلام" اور اسلام کے ماننے والوں کا نام "مسلمین" رکھا ہے۔ اللہ ذوالجلال والاکرام ارشاد فرماتا ہے :-

إِنَّ الدِّينَ عِنْدَ اللَّهِ الْإِسْلَامُ (بے شک اللہ کے نزدیک دین (بس) اسلام ہے۔)  
(ال عمران - ۱۹)

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے :-

هُوَ سَمُّكُمْ الْمُسْلِمِينَ اللہ نے تمہارا نام "مسلمین" رکھا ہے۔  
(الحج - ۷۸)

جو شخص دین اسلام کو چھوڑ کر کوئی اور دین، مذہب یا مسلک اختیار کرتا ہے تو وہ دین، مذہب یا مسلک اللہ تعالیٰ کے ہاں مقبول نہیں ہوگا۔  
اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :-

وَمَنْ يَتَّبِعْ غَيْرَ الْإِسْلَامِ دِينًا جو شخص اسلام کے علاوہ کسی اور دین کا متلاشی  
فَلَنْ يُقْبَلَ مِنْهُ (ال عمران - ۸۵) ہو تو وہ دین اس سے ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا۔

اسلام دینِ کامل ہے۔ نہ اس میں کوئی نقص ہے نہ کوئی عیب ہے۔  
کامل اور بے عیب چیز میں کسی قسم کا اضافہ یا ترمیم نہیں ہو سکتی۔ اللہ تبارک  
و تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے :-

أَلْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ آج میں نے تمہارے لئے تمہارے دین کو کامل  
وَأَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَ کر دیا، تم پر اپنی نعمت پوری کر دی اور تمہارے  
رَضِيتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِينًا لئے (بہ لحاظ) دین (بس) اسلام کو پسند فرمایا۔  
(المائدہ - ۳)

کیونکہ اللہ تعالیٰ کو اپنے دین کے علاوہ کوئی اور دین پسند نہیں اور نہ  
وہ اپنے احکام کے ساتھ کسی دوسرے کے احکام کو پسند کرتا ہے لہذا اس نے  
صاف صاف اعلان فرمادیا :-

اتَّبِعُوا مَا أُنْزِلَ إِلَيْكُم مِّن رَّبِّكُمْ وَلَا تَتَّبِعُوا مِنْ دُونِهِ  
أُولِيَاءَ (الاعراف - ۳) جو کچھ تمہارے رب کی طرف سے تمہاری طرف  
نازل کیا گیا ہے (بس) اس کی پیروی کرو اور  
اس کے علاوہ ولیوں کی پیروی نہ کرو۔



اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے منزل من اللہ کی اتباع کو فرض کر دیا اور جو منزل من اللہ نہ ہو اس کی اتباع کو حرام کر دیا۔

اس آیت کی رو سے بھی اور اس لحاظ سے بھی کہ اللہ تعالیٰ کا دین کامل ہے کسی شخص کی رائے حجت شرعیہ نہیں ہو سکتی۔ اب اگر کوئی شخص اپنی یا کسی دوسرے کی رائے کو حجت شرعیہ سمجھتا ہے تو پھر اس کے معنی سولے اس کے اور کچھ نہیں ہو سکتے کہ اُس کے نزدیک وہ رائے منزل من اللہ ہے اور وہ شخص درپردہ شعوری یا غیر شعوری طور پر اپنی یا کسی دوسرے کی نبوت کا دعویٰ کر رہا ہے اور یہ قطعاً باطل ہے۔ الغرض کسی شخص کی رائے نہ حجت شرعیہ ہو سکتی ہے اور نہ اُسے دین میں شامل کیا جاسکتا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں دین کامل ہو گیا تھا۔ آپ کی زندگی میں دین کا سرچشمہ صرف دو چیزیں تھیں یعنی قرآن مجید اور حدیث نبوی، لہذا انہی دو چیزوں میں دین اسلام مکمل ہوا تھا۔ کسی تیسری چیز میں اسلام یا اسلام کے کسی جزو کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔

خلاصہ | مندرجہ بالا مباحث کا خلاصہ یہ ہوا کہ :-

- ۱۔ دین اسلام اللہ تبارک و تعالیٰ کا مرتب کردہ ہے،
- ۲۔ دین اسلام قرآن مجید اور احادیث کے اندر مکمل ہے،
- ۳۔ مکمل چیز میں اضافہ ناممکن ہے، اور
- ۴۔ رائے کے ذریعہ دین میں اضافہ یا آمیزش شرک ہے۔

دین اسلام میں اضافہ اور آمیزش | اس مختصر تمہید کے بعد ہم یہ بتانا چاہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے چند صدیوں بعد اسلام کو کس طرح مسخ کیا گیا، کس طرح اس میں رائے اور فتوؤں کو شامل کیا گیا، کس کس طرح سے رائے اور فتوے کو ترجیح دی گئی اور احکام اسلام کو رد کر دیا گیا۔

ہم اس کتابچہ میں نہ وہ اصول بیان کر رہے ہیں جن کے ذریعہ احکام اسلام کو خیر باد کہا گیا اور نہ اسلام کو مسخ کرنے کی تدریجی تاریخ بیان کر رہے ہیں بلکہ ان وضع کردہ اصولوں کی وساطت سے جو نتائج برآمد ہوئے ہم صرف اُن کو آپ کے سامنے رکھنا چاہتے ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ ہم اسلام کے متعلقہ احکام بھی پیش کر رہے ہیں تاکہ اس تقابل کے ذریعہ آپ یہ سمجھ لیں کہ وہ نتائج یا مسائل اسلام نہیں بلکہ اسلام کے متوازی دوسرے مذاہب یا اسلام کی مسخ شدہ شکلیں ہیں۔

اسلام کو چند ہی صدیاں گزری تھیں کہ امت کی فرقوں میں بٹ گئی۔ ہر فرقہ نے اپنا مذہب الگ بنالیا اور دین اسلام کو پس پشت ڈال دیا۔ ہم اس کتابچہ میں ان فرقوں کو نظر انداز کرتے ہیں جن کا اسلام سے دور کا بھی تعلق نہیں سمجھا جاتا، ہم تو اس وقت ان فرقوں کا ذکر کر رہے ہیں جو اسلام کے قریب مانے جاتے ہیں حالانکہ وہ بھی قریب نہیں ہیں۔ ان فرقوں سے ہماری مراد اہل سنت کے پانچ فرقے ہیں یعنی اہلحدیث، حنفی، شافعی، مالکی اور حنبلی۔ ہمیں دکھانا یہ ہے کہ یہ پانچوں کہاں تک اسلام کی ترجمانی کرتے ہیں۔

اس کتابچہ میں صفحات ۱۲۲ تا ۱۴۱ پر ہم فی الحال چند مسائل پیش کر رہے ہیں جن سے ثابت ہوگا کہ اسلام کچھ کہتا ہے اور مذاہبِ خمسہ کچھ کہتے ہیں۔

یہاں یہ بات اور ذہن نشین کر لیجئے کہ اس کتابچہ میں ہم صرف ان مسائل کا نمونہ پیش کر رہے ہیں جن میں یہ پانچوں مذاہب اسلام کے خلاف ہیں، آئندہ کسی کتابچہ میں ہم انشاء اللہ انفرادی طور پر ہر مذہب کا مقابلہ اسلام سے کریں گے اور یہ ثابت کریں گے کہ اسلام کچھ کہتا ہے اور یہ مذاہب کچھ کہتے ہیں۔

یہ پانچوں مذاہب، مذاہب ہیں، دین نہیں ہیں۔ انہیں مساک بھی کہا جاتا ہے اور مکاتب فکر بھی۔ ہر مکتبہ فکر میں فکر کا طرز علیحدہ ہے اور ہر مکتبہ فکر اپنے طرز کے مطابق اسلام کو اپنے مخصوص سانچے میں ڈھالتا ہے۔ ظاہر ہے کہ جب فکر کا طرز ہی بدل جائے تو پھر پانچوں مذاہب میں اسلام کی مسخ شدہ شکلیں بھی مختلف ہوں گی۔

## چند اصول

اصول ۱ | اللہ تعالیٰ کی اطاعت فرض ہے اور اللہ تعالیٰ کے حکم سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت فرض ہے لہذا جب اللہ تعالیٰ یا اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کسی کام کا حکم دیں تو اس کام کا کرنا فرض ہوگا سوائے اس صورت کے کہ کوئی قرینہ صارفہ موجود ہو۔

اصول ۲ | اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت فرض ہے لہذا جب اللہ تعالیٰ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کسی کام سے منع فرمائیں تو اس کام کا کرنا حرام ہوگا سوائے اس صورت کے کہ کوئی قرینہ صارفہ موجود ہو۔  
نوٹ :- قرینہ صارفہ کی تشریح کے لئے ص ۱۱۱ ملاحظہ فرمائیں۔

اصول ۳ | اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :-

وَاتَّبِعُوا لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ ۝  
(الاعراف - ۱۵۸)  
رسول کی پیروی کرو تاکہ تم ہدایت یاب ہو جاؤ۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :-

قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ  
فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللَّهُ  
وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ وَاللَّهُ  
غَفُورٌ رَحِيمٌ ۝ (ال عمران - ۳۱)  
(اے رسول) کہہ دیجئے کہ اگر تم کو اللہ سے محبت کرنے کا دعویٰ ہے تو میری پیروی کرو (اگر تم ایسا کرو گے تو) اللہ تم سے محبت کرے گا اور تمہارے گناہوں کو معاف کر دے گا اور اللہ بڑا



بخشنے والا اور بہت رحم کرنے والا ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :-

وَاتَّبِعُونِ هَذَا صِرَاطٌ مُسْتَقِيمٌ ۝ (کہہ دیجئے) میری پیروی کرو، یہی صراطِ مستقیم (الزخرف - ۶۱)

حضرت عائشہ صدیقہ طاہرہ مطہرہؓ سے روایت ہے کہ :-

اِنْ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيَدْعُ الْعَمَلَ وَهُوَ يُحِبُّ أَنْ يَعْمَلَ بِهِ خَشْيَةً أَنْ يَعْمَلَ بِهِ النَّاسُ فَيُفْرَضَ عَلَيْهِمْ (صحیح بخاری کتاب الصلوٰۃ باب تحریض النبی صلی اللہ علیہ وسلم علی صلوٰۃ اللیل جزر ۲ ص ۶۲ و صحیح مسلم کتاب الصلوٰۃ باب استحباب صلوٰۃ الضحیٰ جزر اول ص ۲۸۹)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کسی عمل کو باوجود اس کے کہ اس کا کرنا آپ کو محبوب ہوتا تھا محض اس اندیشہ سے چھوڑ دیا کرتے تھے کہ لوگ بھی اس پر عمل کریں گے پھر یہ ان پر فرض ہو جائے گا۔

مندرجہ بالا حدیث سے ثابت ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جس کام کو اپنی امت پر فرض کرنا چاہتے تھے اُسے ہمیشہ کرتے رہتے تھے اور جس کام کو فرض کرنا نہیں چاہتے تھے اُسے کبھی کبھی چھوڑ دیا کرتے تھے۔

مندرجہ بالا آیات و حدیث کا خلاصہ یہ ہوا کہ جس کام کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیشہ کیا اور کبھی نہیں چھوڑا اس کام کا کرنا فرض ہے، یہ علیحدہ بات ہے کہ اصطلاحاً اسے سنت یا سنت مؤکدہ کہا جاتا ہے۔

نوٹ: سنت کی اہمیت کے سلسلہ میں ہمارا کتابچہ "ترک سنت گناہ ہے" ملاحظہ فرمائیں۔

اعتراض | مندرجہ بالا حدیث میں حضرت عائشہ صدیقہ طاہرہ مطہرہؓ نے اپنے گمان کا اظہار کیا ہے لہذا یہ حدیث مرفوع نہیں ہے۔

جواب | وَهُوَ يُحِبُّ أَنْ يَعْمَلَ بِهِ (آپ اس کام کو کرنا پسند فرماتے تھے) یہ خبر

ہے، گمان نہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پسند کا حضرت عائشہ صدیقہؓ کو بغیر آپ کے بتائے کیسے علم ہو سکتا تھا، محض گمان سے ایسی بات نہیں کہی جاسکتی۔

حضرت عائشہ صدیقہ طاہرہ مطہرہؓ کی اس حدیث کی تائید مندرجہ ذیل مرفوع حدیث سے بھی ہوتی ہے :-

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین رات قیام رمضان باجماعت ادا فرما کر چوتھی رات کو قیام رمضان باجماعت ادا نہیں فرمایا۔ آپ نے فرمایا :-

وَلَمْ يَمْنَعْنِي مِنَ الْخُرُوجِ إِلَيْكُمْ إِلَّا أَنِّي خَشِيتُ أَنْ تُفْتَرَضَ عَلَيْكُمْ (صحیح بخاری کتاب الصلوٰۃ باب تحریر النبی صلی اللہ علیہ وسلم علی الصلوٰۃ للیل جز ۲ ص ۶۳)

مجھے تمہاری طرف نکلنے سے اور کوئی چیز مانع نہیں ہوئی سوائے اس چیز کے کہ مجھے ڈر ہوا کہ کہیں یہ نماز تم پر فرض نہ ہو جائے۔

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کسی کام کو ہمیشہ کرنا اس کام کو فرض بنا دیتا ہے۔ آپ نے رمضان میں قیام اللیل اور جماعت کے اہتمام کو ترک کر دیا حالانکہ آپ اسے پسند فرماتے تھے محض اس لئے کہ کہیں قیام رمضان اور اس کی باجماعت ادائیگی امت پر فرض نہ ہو جائے۔ تین رات کے بعد آپ نے قیام اللیل کو اسی طرح ادا کیا جس طرح رمضان کے علاوہ دوسرے مہینوں میں ادا فرماتے تھے۔ اس طرح قیام رمضان کی فرضیت ختم ہو گئی۔

مسعود احمد  
امیر جماعت المسلمین

## ۱۔ عید کی نماز

تہجہ	دین اسلام	منہل مذہب	مالکی مذہب	شافعی مذہب	حنفی مذہب	اہلحدیث مذہب
اسلام میں نماز عید فرض ہے یہ کہن غائب غم میں سے کسی نے بھی اس کو فرض قرار نہیں دیا۔	نماز عید اسی طرح فرض ہے جس طرح نماز جمعہ فرض ہے۔ والل حسب ذیل ہیں :- ① انظر تعلقہ فرماتا ہے :- وَلَيْسَ تَكْمِيلُوا اللَّهُ جَلِّي مَا هَذَا تَكْمِيمٌ (البقرة - ۱۸۵) تاکہ تم (روزوں کی) گنتی پوری کرو اور اللہ نے ہمہایت تمہیں دی ہے اس نعمت) پر اس کی بڑائی بیان کرو۔ اس آیت سے معلوم ہوا کہ جس طرح روزوں کی گنتی پوری کرنا فرض ہے اسی طرح انظر تعلقہ کی بڑائی بیان کرنا بھی فرض ہے۔ انظر تعلقہ کی بڑائی سے مراد یہاں نماز عید الفطر ہے (بخاری ۱۱۳۲) یہ مسئلہ ملاحظہ فرمائیں (۲) حضرت عمرؓ فرماتے ہیں :- "صلوة الاثمی کما تلتان وصلوة ابجدہ کما تلتان وصلوة الفطر کما تلتان وصلوة المسافر کما تلتان تمام غیر قصر علی مسانینکم وقد غاب عن اخیری" یعنی نماز عید ہی (صلی الضعیف وسلم) کی زیادتی	دی فرض صلی الکفایہ یعنی نماز عیدین فرض کفایہ ہے (الفتح لابن قدامہ ص ۴۳) نوشہ فرضی کفایہ عمرانیہ چنگر چند لوگ نماز عید پڑھ لیں تو کافی ہے پوری آبادی کو پڑھنا لازم نہیں۔	حق لید کستان یعنی عید کی دور کست سنت ہیں۔ (مختصر العلامہ ص ۴۳) خیل ص ۴۳	سنت یعنی نماز عید سنت ہے (منہل المطلبین ص ۴۳) سنت (منہل المطلبین ص ۴۳) سنت (منہل المطلبین ص ۴۳) سنت (منہل المطلبین ص ۴۳)	تجب صلوة العید یعنی نماز عید واجب ہے (بولیہ ص ۱۲۴)	نماز عیدین کی سنت ہے (البلدین ص ۲۹) اہلحدیث کے نزدیک سنت اور افضل ایک چیز ہے۔ صلاتی سیاہوئی ملاحظہ لگتے ہیں، "والفتح ہو کہ سنت، فعل، مندوب، سحب..... یہ تمام الفاظ محرم معنی اور مترادف ہیں۔



تبہرہ	دین اسلام	منہج مذہب	مالکی مذہب	شافعی مذہب	حنفی مذہب	ابن کثیرؒ مذہب
	<p>(اقدس) سے یہ کلمات ادا ہوئے ہیں کہ عید الاضحیٰ کی نماز دو رکعت ہے، جمعہ کی نماز دو رکعت ہے، عید الفطر کی نماز دو رکعت ہے اور مسافر کی نماز دو رکعت ہے۔ یہ پوری ہیں، ان میں قصر نہیں ہوا ہے اور جو شخص (نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر) افریقہ سے مدینہ پہنچا ہو گیا (رواہ ابن خزیمہ فی صحیحہ وسندہ صحیح۔ ابن خزیمہ ج ۲ ص ۱۲۱)</p> <p>نوٹ :- نماز جمعہ اور نماز مسافر کے ساتھ عیدین کا ذکر اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ نماز جمعہ اور نماز مسافر کی طرح نماز عیدین فرض ہے۔ نیز یہاں قصر فرض نماز میں ہوتا ہے نہ کہ نفل نماز میں۔ قصر کا ذکر بھی نماز عیدین کی فرضیت پر دلالت کرتا ہے۔</p> <p>(۳) ایک مرتبہ عید پر رسالت میں ۲۹ رمضان کو چاند نظر نہ آیا۔ اگلے دن جب نے روزہ رکھا۔ دن کے آخری حصہ میں ایک قافلہ آیا۔ قافلہ والوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے گواہی دی کہ انہوں نے نذرشتہ شام کو چاند دیکھا تھا، فامر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان یفطر وا من یومئذ حکم وان یحرم جو العید صوم من اللہ (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو اس دن روزہ کھولنے کا حکم دیا اور اگلی صبح کو عید کے لئے نکلنے کا حکم دیا اور رواہ ابو داؤد والنسائی واصح۔ بیوغل اللامانی</p>					<p>رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (۱۲۴)</p> <p>شخص الحق صاحب</p> <p>کہتے ہیں :-</p> <p>وہاں غنیمۃ اللہ فی</p> <p>بیتہ (خدا کا مکان) ہے</p> <p>انہا اقل المرتبہ مع</p> <p>المرتبہ و المظاہرۃ</p> <p>الانی التواقل الی</p> <p>سی من شہداء الاسلام</p> <p>وہی العید و بالکون</p> <p>وہو ان بالمعہود ۱۲۵</p> <p>الغرض ابو حریث</p> <p>کے نزدیک نماز</p> <p>عید نفل ہے۔</p>

تبصرہ	دین اسلام	صنہی مذہب	مالکی مذہب	شافعی مذہب	حنفی مذہب	ابھیرٹ مذہب
	<p>۹۔ سندہ صحیح۔ التعلیقات للامام ابی علی المشکوة ج ۱، اول صفحہ ۲۶۶</p> <p>نوٹ :- رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عید کے لئے نکلنے کا حکم دیا لہذا اصول ۱۷ کی رو سے عید کی نماز فرض ہوئی۔</p> <p>④ اس بات پر سب کا اتفاق ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عید کی نماز ہمیشہ پڑھی، کبھی نہیں چھوڑی لہذا اصول ۱۷ کی رو سے نماز عید فرض ہوئی۔</p>					

۲- جزییات

125



تہذیب	دین اسلام	صنبل مذہب	مالکی مذہب	شافعی مذہب	حنفی مذہب	الکبریٰ مذہب
	<p>رکتین خفیفین جزر ۲ ص ۱۵۱ و صحیح مسلم کتاب الجعۃ باب التحیۃ والامام بخطیب جزر اول ص ۱۴۳</p> <p>(۳) قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا جاء احدکم یوم الجعۃ والامام بخطیب فلیکع رکتین ویتجوّز فیہما "یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی شخص جمعہ کے دن آئے اور امام خطیب دے رہا ہو تو اسے چاہیے کہ دو رکعت پڑھے لیکن ملکی پڑھے: (صحیح مسلم کتاب الجعۃ باب التحیۃ والامام بخطیب جزر اول ص ۱۴۳)</p> <p>نوٹ:۔۔ یتنول حدیثوں کا خلاصہ یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تحیۃ المسجد پڑھنے کا حکم دیا حتیٰ کہ عجم کے خطیب نے دوران میں پڑھنے کا حکم دیا لہذا اصول میں کیڑوں سے تحیۃ المسجد کا پڑھنا فرض ہے (صفحہ ۱۱۳ پر ملاحظہ فرمائیں)</p>					

۳۔ عید گاہ میں خواتین کی غاضری

[illegible]

تہمہ	دینی اسما	منہج مذہب	مالکی مذہب	شافعی مذہب	حنفی مذہب	اہل بیت مذہب
جل جلالہ میں قرآن مجید کے جہ اختلاف کے نزدیک مستحب بھی نہیں جائز جہ اختلاف کے اندو الکت کے نزدیک مکروہ جہ۔ اشوری میں کام کا حکم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دی وہ کلام مکروہ ہے۔ آقا خیر و آقا ائینہ راہ حق۔	اور طبرہ والی نسبتی کنز الای الکسوں کو بھی مشید گاہے جائیں (مکتبہ بخاری کتاب الصیغین باب مرقع النساء و البیض الی الصلی جز ۲ ص ۲۷۲) دیکھ مسلم کتاب الصیغین باب ذکر باحت مرقع النساء فی الصیغین جز اول ص ۲۷۲ (اصول ۱۱۲ پر مرقع ملاحظہ فرمائیں) (۵) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:۔ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم صلی علیہ الطہر کتبتین میں میں قبل ہما ولا بعدھا (اولی مدایہ ابی ہری ثم عصبہ) (مکتبہ وسمعیان اولی مدایہ البخاری و لمطہرین و ذکر صحن) فاسری بالصمدۃ۔ یعنی فی مسلی و اللہ علیہ وسلم نے میں الطہر کی وہ مکتبہ نازل فرمائی، ذرا سے پہلے نازل فرمائی اذینہ اس کے بعد، پھر آپ نے عصبہ دیا، پھر آپ نے مرقع کے پاس تو شریف لائے۔ آپ کے ساتھ جائے تھے۔ آپ نے مرقع کو نہایت کی اور میں صدقہ دینے کا حکم دیا (مکتبہ بخاری کتاب الصیغین باب الاطیۃ بعد الصیغین جز ۲ ص ۲۷۲) باب مرقع النساء فی الصیغین (الطہر جز ۲ ص ۲۷۲) دیکھ کہ کتاب الصیغین باب ذکر باحت مرقع النساء فی الصیغین جز اول ص ۲۷۲)	لازمیہ مطلق مستحب ضعیف، بہی جائز ہے۔ (نیل الاوطار جز ۲ ص ۲۷۲)	سنت کی نہیں۔ اذا مکروہ (نیل الاطار جز ۲ ص ۲۷۲) یعنی مرقعوں کا میکر گاہ آنا مکروہ ہے۔		جوہر اول (ص ۱۱۲) یعنی بھل فتوی اسی ہے کہ مرقعوں کا حکم لازمی میں جائز ہو تا مکروہ ہے۔	



تہذیب	دین اسلام	منجلی مذہب	مالکی مذہب	شافعی مذہب	حنفی مذہب	ابوہریرہ مذہب
	<p>سے فارغ ہوئے تو خود قول کے پاس آئے اور انہیں نہیں سمجھ سکی (مکی بخاری کتاب الصیادین باب موعظۃ الامام النساء یوم الصید جز ۲ ص ۱۷۷ مکی مسکن کتاب الصیادین جز ۱ اول صفحہ ۱۳۳)</p> <p>⑤ حضرت ابوسعیدؓ فرماتے ہیں:۔ اللہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کلمہ تکوین اللہ تعالیٰ و یوم النطر فیہ بہا بالصلوۃ فانما صلی صلوۃ و کلمہ قائم فاقبل علی الناس..... وکان یقول تصدکوا تصدکوا تصدکوا وکان اکثر من تصدک فی ہذہ الخشبہ صرف۔ یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم عید کے دن پہلے نماز پڑھتے، پھر خطبہ پڑھتے آپؐ فرماتے تھے صدقہ دو، صدقہ دو، صدقہ دو تو صدقہ نہ بیچنا اہل میں عورتیں زیادہ ہوتی تھیں (مکی مسکن کتاب الصیادین جز ۱ اول صفحہ ۱۳۳)</p>					

## ۲۔ اذان کا جواب

تنبہ	ذکر اصطلاح	منہلی مذہب	مالکی مذہب	شافعی مذہب	حنفی مذہب	ابن عمریہ مذہب
مذاہب سنیہ میں سے کسی ایک نے بھی فرض نہیں کیا	<p>① حضرت ابو سعید خدریؓ فرماتے ہیں:۔ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال اذا سمعتم النداء فقولوا مثل ما يقول المؤذن۔ یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم اذان سنو تو جو مؤذن کہہ رہا ہو اسی کے مثل کرو (صحیح بخاری کتاب الصلوٰۃ باب ما يقول اذا سمع النداء) جزرہ آفل ۱۵۱ (صحیح مسلم کتاب الصلوٰۃ باب ما يقول مثل قول المؤذن لمن سمعہ جزرہ آفل ۱۵۱)</p> <p>② حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں:۔ ان سمع النبی صلی اللہ علیہ وسلم يقول اذا سمع المؤذن فقولوا مثل ما يقول یعنی میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جب تم مؤذن (کی اذان) سنو تو جو کہہ رہا ہو اسی کے مثل تم کہی کہو (صحیح مسلم کتاب الصلوٰۃ باب ما يقول مثل قول المؤذن لمن سمعہ جزرہ اول ۱۵۱)</p> <p>رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اذان کا جواب دینے کا حکم دیا لہذا اصول ۱ کی رو سے اذان کا جواب دینا فرض ہے (مغنیۃ پر مکہ ملاحظہ فرمائیں)</p>	<p>دستحب لمن سمع المؤذن ان يقول کا يقول (ملحق ۱۲) یعنی جو شخص الان سے اس کے لئے دستحب ہے کر دے کہے جو مؤذن کہہ رہا ہو۔</p>	<p>جواب دینا ضروری نہیں (بدلغ الامانی جزرہ ۳۳۳)</p>	<p>① واجب مثل قول (منہاج الطالبین ص ۱) یعنی سننے والے کو مؤذن کا قول کے مثل کہنے سنت ہے۔ (۲) ضروری نہیں (بدلغ الامانی جزرہ ۳۳۳)</p>	<p>① مستحب ہے (غلو کا کتاب ۱۵۱) (۲) واجب یعنی لا جہل ان يقول اذا سمع الاذان (شرح صفائی الامام وطلحاوی جلد اول ۱۵۱) مندرجہ بالا باب کی عبارت سے معلوم ہوا کہ اذان کا جواب دینا مستحب ہے، ضروری نہیں۔</p>	<p>سحب ہے</p>

## ۵۔ جمعہ کے دن غسل کرنا

تہذیب	دین اسلام	تہذیب مذہب	مالکی مذہب	شافعی مذہب	حنفی مذہب	اہل بیت مذہب
تہذیب	دین اسلام	حنفی مذہب	مالکی مذہب	شافعی مذہب	حنفی مذہب	اہل بیت مذہب
الحارث سے	① رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: "الغسل يوم الجمعة واجب على كل محتلم" یعنی جمعہ کے دن غسل کرنا ہر بالغ پھر فرس ہے (یعنی بخاری کی کتاب الحدیث باب غسل يوم الجمعة ج ۲ ص ۲۰۹ پر) واجب ہے	واجب	واجب	واجب	واجب	واجب
کر غسل جو فرض ہے لیکن نماز نہیں ہے	② رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: "إذا جاء أحدكم الجمعة فليغتسل" یعنی جمعہ کے دن غسل کرنا ہر ایک کے لئے آگے تر	واجب	واجب	واجب	واجب	واجب
نہ ہونے کی	③ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: "إذا جاء أحدكم الجمعة فليغتسل" یعنی جمعہ کے دن غسل کرنا ہر ایک کے لئے آگے تر	واجب	واجب	واجب	واجب	واجب
بی مذہب نے	④ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: "إذا جاء أحدكم الجمعة فليغتسل" یعنی جمعہ کے دن غسل کرنا ہر ایک کے لئے آگے تر	واجب	واجب	واجب	واجب	واجب
اسے فرض نہیں	⑤ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: "إذا جاء أحدكم الجمعة فليغتسل" یعنی جمعہ کے دن غسل کرنا ہر ایک کے لئے آگے تر	واجب	واجب	واجب	واجب	واجب



تہجد	دین اسلام	منہاج مذہب	ہادی مذہب	شافعی مذہب	حنفی مذہب	ابو حنیفہ مذہب
	<p>صحیح مسلم کتاب الحجۃ جوہر اقلی ص ۳۲۱ پر ص ۱۰ پر ص ۱۰ ملاحظہ فرمائیں {</p> <p>④ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "افضلوا یوم الحجۃ" یعنی جوہر کے دن غسل کیلئے (صحیح بخاری کتاب الحجۃ باب الاصح للجمعة جوہر ص ۲ ص ۱۱۳ پر ص ۱۰ ملاحظہ فرمائیں {</p> <p>⑤ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "حق علی کل مسلم ان یقتیل فی کل سبتہ" یا ام یومہ یغسل فیہ ناسہ وجسمہ یعنی ہر سات دن میں سے ایک مہلک ہر مسلم پر نہانا حق ہے، اُسے چلیپیٹے گا اُس دن سرورِ جسم کو دھوئے (صحیح بخاری کتاب الحجۃ باب صلی علی من لم یغسلہ الحجۃ غسلہ جوہر ص ۲ ص ۱۰ صحیح مسلم کتاب الحجۃ باب المطیب جوہر اول ص ۳۳۱ ملاحظہ فرمائیں {</p> <p>⑥ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: "علی کل رجل مسلم فی کل سبتہ ایام غسل یوم وھو یوم الحجۃ" یعنی ہر مسلم پر ہر سات دن میں ایک دن غسل کرنا ضروری ہے اور وہ جمعہ کا دن ہے (نسائی کتاب الحجۃ باب العجائب القسل یوم الحجۃ جوہر اول ص ۱۵۱ وسندہ صحیح - صحیح ابوداؤد جوہر ص ۳ ص ۱۲۱)</p>					

۶۔ خازنیں اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ عَذَابٍ مِّمَّہُمْ ۝۱۱۱ کَیْرُہُنَا

[illegible]

تبہ	دین اسلام	صنہ بنی مذہب	مالکی مذہب	شافعی مذہب	حنفی مذہب	ابن کثیر مذہب
<p>کرو۔ عذاب قبر سے اللہ کی پناہ طلب کرو۔ مسیح و جال کے فتنہ سے اللہ کی پناہ طلب کرو۔ زندگی اور موت کے فتنہ سے اللہ کی پناہ طلب کرو۔ (صفحہ ۱۱۳ پر مکتبہ طائفہ قرآنیہ)</p> <p>نوٹ :- رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس دعا کو پڑھنا فرض ہے۔</p> <p>۱) ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان یصلیٰ ہم هذا الدعاء لما یصلیٰ ہم السورۃ من القرآن یقول قولوا لا الہ الا انور اتانور ذلت من عذاب جہنم و انور ذلت من عذاب القبر و انور ذلت من فتنۃ المسیح الدجال و انور ذلت من فتنۃ المسیحا و الامت (صحیح مسلم کتاب الصلوۃ باب ما یتعاضد من فی الصلوۃ ج۱، راقی ص ۱۳۳)</p> <p>(ترجمہ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کو اس دعا کی تعلیم اس بات پر دیتے تھے جس بات کو قرآن کی کسی سورت کی تعلیم دیتے تھے۔ آپ فرماتے تھے (اس طرح) کہو: اے اللہ ہم عذاب جہنم سے تیری پناہ طلب کرتے ہیں، میں عذاب قبر سے تیری پناہ طلب کرتا ہوں، مسیح و جال کے فتنہ سے تیری پناہ طلب کرتا ہوں اور زندگی اور موت کے فتنہ سے تیری پناہ طلب کرتا ہوں۔</p> <p>نوٹ :- اس دعا کی تعلیم کا اہتمام اور پھر اس دعا کے پڑھنے کا حکم اس دعا کی فرضیت پر دلالت کرتا ہے۔</p>	<p>دعا جو احادیث میں وارد ہے پڑھنے تو کوئی حرج نہیں۔</p> <p>تیجہ   دعائے مذکورہ کا پڑھنا لازمی نہیں۔</p>		<p>قدرت و امانت ... اللہ (مذہب الطائیفین ص ۱۱۳)</p> <p>یعنی دود کے بعد دعا پڑھنا دود کی طرح سنت ہے اور دعا اور افضل ہو وہ افضل ہے شفا اللہم اغفر لی ...</p> <p>تیجہ   دعائے مذکورہ ضروری نہیں۔</p>	<p>شائبہ ہوں۔</p> <p>تیجہ   دعائے مذکورہ کا پڑھنا فرض نہیں۔</p>	<p>پر کھول لیا ہے۔</p> <p>تیجہ   دعائے مذکورہ کا پڑھنا ضروری نہیں۔</p>	





تبصرہ	دین اسلام	حنبل مذہب	مالکی مذہب	شافعی مذہب	حنفی مذہب	اہلحدیث مذہب
	<p>④ حضرت عائشہ صدیقہؓ کہتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "فَاذْأَرَأَيْتُمْ ذَٰلِكَ فَادْعُوا اللَّهَ وَكَبِّرُوا وَصَلُّوا وَتَصَدَّقُوا" یعنی جب تم گرجیں دیکھو تو اللہ سے دعا کرو، بکبیر پڑھو، نماز پڑھو اور صدقہ دو (صحیح بخاری کتاب الکسوف جزر ۲ ص ۴۷) صحیح مسلم باب صلوٰۃ الکسوف جزر اول ص ۲۵۶)</p> <p>⑤ حضرت ابو بکرؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اِذَا كَانَ ذَٰلِكَ فَصَلُّوا وَاذْكُوا" یعنی جب گرجیں پھر نماز پڑھو اور دعا مانگو (صحیح بخاری کتاب الکسوف باب الصلوٰۃ فی کسوف القمر جزر ۲ ص ۴۹)</p> <p>⑥ حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "فَاذْأَرَأَيْتُمْ شَيْئًا مِنْ ذَٰلِكَ فَصَلُّوا" یعنی جب تم ڈرا سا بھی کہیں دیکھو تو نماز پڑھو (صحیح مسلم کتاب الصلوٰۃ باب ما عرض علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی صلوٰۃ الکسوف جزر اول ص ۳۱ ص ۱۱۳ پر ۱۲ ملاحظہ فرمائیں) مندرجہ بالا تمام روایتوں میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے گرجیں کی نماز کا حکم دیا لہذا اصول علی کی رو سے گرجیں کی نماز فرض ہے۔</p>					

## ۷۔ پانچ کی طاقت

اہل حدیث مذہب	حنفی مذہب	شافعی مذہب	مالکی مذہب	نبیلی مذہب	دین اسلام	تبصرہ
اگر کوئی پلید چیز کسی کوئی یا قلبتین کی مقدار یا اس سے زائد مقدار پانی میں گرہڑے اور پانی کا رنگ، بو، مزا نہ بدلے تو وہ پانی پید نہیں ہے۔ (دکتر المتقی ص ۱۷۱)	اذا كان عشرة اذ سعة في عشرة اذ سعة ولا تخسر ارضه بالعرف فكم الماء الجاري (شرح وقایہ) جلد اول ص ۱۷۱ باب لا يجوز بالوضوء ويجزى ترجمہ اس بات	ولا تخس قلنا الماء بملاقاة نجس فان يؤخر نجس (منهاج الطلابین ص ۱) ولا تخس قلنا ماء واما تسامة رطل بغدادی تقریبا بملاقاة نجس	او کثیرا خلا نجس لم یغیر (تخسر العلامة خیل ص ۱) یعنی پانی اگر کثیر ہو تو نجاست گرنے سے ناپاک نہیں ہو گا نجس تک متغیر نہ ہو۔ نوٹ :- مختصر میں کثیر پانی کی	عام نجس دھوا تبغیر بجلاطہ النجاست فان لم یغیر حولہ سیر فصل نجس؟ علی رد ملتین وان کلان کثیرا فهو طاهر (المحقق ص ۱۷۱)	① اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَالرُّجُزُ فَاصْبِرْ (یہا اللہ شہدہ) یعنی نجاست سے بچو ۱۱۳ پرکھو قرآنی ② اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الشَّوَابَ وَ يُحِبُّ الْمَهْتَدِينَ (البقرہ - ۲۲۲) یعنی اللہ تو پر کرنے والوں کو اور پاک رہنے والوں کو پسند کرتا ہے۔ ③ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمَهْتَدِينَ (التوبہ - ۱۰۸) یعنی اللہ پاک رہنے والوں کو پسند کرتا ہے۔ ④ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: الْكُمُورُ خُلَطٌ اَلَا يُيَايَا (صحیح مسلم کتاب الطہارۃ باب فضل الوضوء جزر اول ص ۱۷۱) یعنی پاکیزگی نصف ایمان ہے۔ نوٹ :- یہ قلتین "کالفتان" صحیح حدیث میں ہے لیکن "قلتین"	اسلام کی پاکیزگی اور مذاہب کی پاکیزگی میں کتنا فرق ہے، بجلاطہ کے پانی یا پانچ گز مرط حوض میں اگر نجاست گر جائے اور اس کا رنگ یا مزا یا بو نہ بدلے تو وہ پانی کیسے



تیسرو	دین اسلام	منہلی مذہب	ناکی مذہب	شافعی مذہب	حنفی مذہب	الطہریت مذہب
<p>پاک رہ سکتا ہے! اتنی مقدار پانی میں اگر آدھایا پاؤ گلاس پیشاب ڈال دیا جائے تو رنگ بڑا اور مزاحیفنا نہیں برے گا اور یہ پانی ان مذاہب کے نزدیک پاک رہے گا۔</p>	<p>کے معنی "دو ٹکے" کسی بھی صحیح حدیث سے ثابت نہیں۔  لفظ میں اگرچہ "قلہ" کے معنی "مٹکا" دئے ہوئے ہیں لیکن لفظ میں "قلہ" کے معنی "پہاڑ کی چوٹی" بھی دئے ہوئے ہیں۔ اگر یہ معنی لئے جائیں تو پانی یقیناً بہت کثیر ہو گا اور نجاست کو نہیں اٹھائے گا اور یہ معنی اسلام کے مزاج کے بھی مطابق ہوں گے۔  "قلتین" سے پانی کی وہ مقدار مراد ہو سکتی ہے کہ جس میں پانی کو اگر حدیث میں سے بھاڑ دیا جائے تو دونوں طرف پانی کے پہاڑوں کی چوٹیاں محسوس ہوں۔ قرآن مجید میں اس کی ایک مثال ملتی ہے۔ اندر تعالے فرماتا ہے:-  فَاَنْفَلَقَتْ فُجَارٌ مَّكْنٌ فِرْقَتِي (موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لاشی کا لفظ و العظیم ۵ مارنے سے) سمندر پھٹ گیا اور ہر ٹکڑا ایک بڑے پہاڑ کے مانند ہو گیا۔ (الشعراء - ۶۳)</p>	<p>والکثیر ما بلغ قلّین والیسیر ما دو ٹکڑا (المتفق ص ۱۲) ترجمہ   وہ پانی ناپاک ہے جو نجاست گرنے سے متغیر نہ ہو اگر متغیر نہ ہو تو درود و نیتیں ہیں (ایک میں) پاک رہنے کا ذکر ہے، ایک میں ناپاک ہونے کا) اور اگر کثیر ہو تو وہ پاک</p>	<p>کم سے کم مقدار مذکور نہیں ہے البتہ نسیل الاوطار سے معلوم ہوتا ہے کہ قلیل پانی بھی ناپاک نہیں ہوتا جب تک متغیر نہ ہو۔ الفاظ یہ ہیں:- فلا نجس الماء بما لا قارہ و لو کان قلیلاً الا اذا آتخیر (نیل الاوطار ۲۱) جو راقول مت</p>	<p>فان غیرہ نجس (منع الطلایب) نتیجہ   دو ٹکڑے پانی (یعنی دو ٹکڑے پانی) نجاست گرنے سے ناپاک نہیں ہو گا جب تک متغیر نہ ہو۔</p>	<p>لبے، در، ہاتھ جوڑے حوض میں اگر پانی بھرا ہوا ہو اور پانی کی مقدار اتنی ہو کہ پھیلنے سے پینڈا نظر نہ ہو تو اس کا حکم جہی پانی کا حکم ہے یعنی پانی پاک رہے گا۔ نتیجہ   اگر کوئی حوض یا پائچ گز لمبا، یا پائچ گز چوڑا اور اتنا گہرا ہو کہ چیلو</p>	<p>قلہ اسی بڑے ٹکڑے کو کہتے ہیں جو کہن کے موضع ہو جس میں بنایا جاتا ہے۔ (دستور الملتقى) قلّین = دو ٹکڑے (اگر نجاست کے گرنے سے اپنی سے برپا کرنے کے یا اس کا ٹکڑا بڑھ جائے یا رنگ تبدیل ہو جائے (یعنی تینوں صف پانی میں اکٹھے پائے جائیں)</p>

تہذیب	دین اسلام	منہلی مذہب	مالکی مذہب	شافعی مذہب	حنفی مذہب	ابو حنیفہ مذہب
		<p>رہے گا۔ کثیر پانی وہ بچے جو وہ شکریوں کی مقدار کو پہنچ جائے۔ اس سے کم ہو تو وہ قلیل ہے۔ نیچا اودھکے پانی بھارت کرنے کے بعد بھی پاک رہے گاہنیک تک متغیر نہ ہو۔</p>			<p>لینے سے پہلے ظاہر ہو تو اس حوض کا پانی نجاست گرنے سے نپاک نہیں ہوگا بلکہ جاری پانی کی طرح ہمیشہ پاک رہے گا۔</p>	<p>تو وہ پانی نپاک (ہو جاتا ہے)۔ (مسئلۃ الاولیاء) نوٹ: توہین کے درمیان کی عبادت بھی "مسئلۃ الاولیاء" کی عبارت ہے۔ نیچا اودھکے پانی میں اگر نجاست گر جائے تو وہ پانی پاک رہے گا جب تک اس پانی کا کارنگ ہو، مرا سب نہ بدل جائیں۔</p>

## سیدھی طرف سے ابتداء ۹۔

تبہرہ	دین اسلام	جہلی مذہب	مالکی مذہب	شافعی مذہب	حنفی مذہب	ابو حنیفہ مذہب
نوی لکھتے ہیں ایمے العلماء علی ان تقدیم اہلین فی الوضوء سنتہ من مخلصاتہ افضل و کم مذہبہ قال الخافقہ و ملوہ بالمدار اصل السنۃ ولا فخر صیب الشیعہ الوجوب لفتح الملبی شرح صحیح بخاری جلد اول ص ۲۸۱ یعنی علمائے اہل سنت کے نزدیک	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں :- اذا لبستم واذ اتوضا تم فايدوا يا معكم وجيبكم يمينوا اور جب تم منور کرو تو اپنی سیدھی طرف سے شروع کرو (صحیح ابن خزیمہ باب الامر بالتیاسر فی الوضوء جلد اول ص ۵۱ و مسند احمد - بلوغ الامانی جزو ۲ ص ۵ و مسند صحیح - ابن خزیمہ جزو اول ص ۵)	وسنن الوضوء مشرک بالسواک ..... والتیاسر (المقعع باب السواک و سنتہ الوضوء ص ۵) یعنی سیدھی طرف سے ابتداء سنت ہے۔	و سنت غسل یہیہ ..... و یمین اعضاء (تخصیر العلامہ فیہل ص ۵) یعنی اعضاء کے دھونے میں سیدھی طرف سے ابتداء کرنا سنت ہے۔	(و سنتہ) السواک .... و تقدیم الیمین (مفتاح الطالبین باب الوضوء ص ۵) یعنی سیدھی طرف سے ابتداء کرنا سنت ہے قال النووي قاعدة الشریع المستقرۃ استحباب البداءۃ بالیمین (فتح الباری	و البدایہ بلیا یمین فیہلہ و ہایہ کتاب المطلوبتہ جلد اول ص ۱۲) سیدھی طرف سے ابتداء کرنا افضل ہے۔	والتیاسر سنتہ فی جمیع الاشیاء (نیل جہرہ اول ص ۵۱) تمام کاموں میں سیدھی طرف سے ابتداء سنت ہے (المحیر شمس کے نزدیک سنت او افضل ایک چیز ہے لہذا سیدھی طرف سے ابتداء کرنا افضل ہے)



۱۴۱

تبصرہ	دین اسلام	صنہ مذہب	مالکی مذہب	شافعی مذہب	حنفی مذہب	ابن حنیفہ مذہب
<p>سیکس طرف سے ابتداء سنت ہے جو اس کے خلاف کرنا ہے تو وہ فضیلت کو دیتا ہے۔ وغیرہ تو پورا ہوا ہے۔ دین اسلام میں سیدھی طرف سے ابتداء غیر ممکن نیست کے باوجود قرآن کے نزدیک نظر ہے۔ انا نضر وانا الیہ راجعون۔ نوی کے قول سے معلوم ہوتا ہے کہ سنت کی اہمیت میں صرف فضیلت ہے۔</p>				<p>جو اول ملا (۱۴۱) یعنی سیدھی طرف سے ابتداء کرنا مقبول ہے۔</p>		

# فروق سے علیحدگی ضروری ہے

ماہ رمضان ۱۳۹۷ھ

سلسلہ اشاعت ۹۳

اختلاف اور فرقہ بندی کی شرعی حیثیت کے بارے میں ہم قرآن و حدیث کی روشنی میں کئی مرتبہ اپنی گذارشات پیش کر چکے ہیں۔ ہم یہ بھی عرض کر چکے ہیں کہ تمام فرقوں کے فرقہ دارانہ نام اُن کے خود تجویز کردہ ہیں، قرآن و حدیث میں ان ناموں کا کوئی ثبوت نہیں ملتا۔

ہماری دعوت کو بہت سے لوگوں نے پسند کیا، بہت سے لوگوں نے تعاون کا بھی یقین دلایا، لیکن بات یہاں پہنچ کر ختم نہیں ہو جاتی بلکہ یہاں سے تو ابتداء ہوتی ہے۔ فرقہ بندی سے قولاً اظہارِ نفرت لیکن عملاً فرقوں سے خلط ملط ناقابلِ فہم ہے! کسی چیز سے نفرت کرنا پھر اُس سے وابستگی قائم رکھنا حیرت انگیز ہے۔ اسے ایمان کی کمزوری بھی کہا جاسکتا ہے اور قول و فعل کا تضاد بھی۔

غوی اعتبار سے فرقہ آپ جسے چاہے کہہ لیں، لیکن اصطلاحی لحاظ سے فرقہ وہ ہے جس نے اصل راستہ سے افتراق کیا، اپنے مذہب کے لئے علیحدہ اصول و فروع بنائے۔ اپنی کتابیں علیحدہ بنالیں، اپنا فرقہ دارانہ نام بھی علیحدہ رکھ لیا۔ کسی شخص مخصوص کو خود اپنا امام بنا کر اُس کو منہائے نظر سمجھ لیا۔ قرونِ اولیٰ میں جس چیز کو سرچشمہ ہدایت سمجھا گیا تھا اُس سے قطع نظر کر کے اپنے امام یا کسی عالم کے اقوال و افعال کو سرچشمہ ہدایت سمجھ لیا۔ یہ توجہ کچھ ہوا، ہوا، سوال یہ ہے کہ جن لوگوں نے فرقوں کے وجود کو بُرا سمجھا، افتراق و اختلاف کو لعنت سمجھا انہوں نے کونسا کارنامہ انجام دیا۔ کسی چیز کو بُرا سمجھنا اور عملاً اُسی چیز کو اختیار کرنا یہ کونسی خوبی ہے جس پر ناز کیا جائے! بلکہ یہ تو فریبِ نفس ہے۔ اگر یہ لوگ واقعی فرقوں کو بُرا سمجھتے ہیں تو پھر اُن کے ساتھ دینی روابط کیوں قائم ہیں۔ ان کے پیچھے نماز کیوں ادا کی جا رہی ہے، ان کی نماز جنازہ کیوں پڑھی جا رہی ہے۔ کیا ان کا یہ طرزِ عمل

اس بات کو ظاہر نہیں کرتا کہ ان فرقوں سے اُن کی نفرت صرف زبان کی حد تک ہے۔ کیونکہ اعمالِ قلب کی عکاسی کرتے ہیں، لہذا یہ کیوں نہ سمجھ لیا جائے کہ دل

میں فرقہ بندی سے حقیقی نفرت نہیں، بلکہ گمراہ فرقوں سے دینی روابط اس بات کا کھلا ثبوت ہیں کہ ان کو گمراہ نہیں سمجھا جا رہا، اُن کے پیچھے نماز ادا کی جا رہی ہے تو کیا یہ سمجھ کر ادا نہیں کی جا رہی کہ نماز ہو جائے گی۔ کیا اس طرز عمل نے یہ ثابت نہیں کر دیا کہ فرقہ بندی کو بُرا سمجھنے والوں کے نزدیک بھی یہ تمام فرقے حق پر ہیں؟ اگر فرقہ بندی سے نفرت کرنے والوں کا عمل ان کے فرقوں کے حق پر ہونے کی شہادت ہے رہا ہے تو محض زبان سے ان کو گمراہ کہنے سے کیا فائدہ ہوگا! یہ لوگ خود بھی دھوکے میں رہیں گے اور دوسروں کی بھی گمراہی کا سبب بنیں گے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:-

إِنَّ الَّذِينَ فَرَّقُوا دِينَهُمْ  
وَكَانُوا شِيعًا لَّسْتُ مِنْهُمْ  
فِي شَيْءٍ {انعام-۱۵۹}

بے شک جن لوگوں نے دین میں فرق  
کیا اور فرقے فرقے بن گئے (اے رسول!)  
آپ کو اُن سے کوئی سروکار نہیں۔

سوچیے، کیا جو حکم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیا جا رہا ہے یہ لوگ اس کے مکلف نہیں؟ کیا ان فرقوں سے دینی روابط مگر اس آیت کے حکم کی خلاف ورزی نہیں کی جا رہی؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حکم الہی کی خود بھی تعمیل کی اور اُمت کو بھی اس حکم کی تعمیل کا حکم دیا۔ آپ نے تو تَلَزَمُ جَمَاعَةَ الْمُسْلِمِينَ {تم کو جماعت المسلمین سے وابستہ رہنا ہوگا} صحیح بخاری و صحیح مسلم کا حکم دے کر اہل حق کو تمام فرقوں سے علیحدہ کر دیا تھا، بلکہ یہی نہیں اضطراب کی کیفیت میں بھی جبکہ حرام چیز بھی حلال ہو جاتی ہے آپ نے ان فرقوں میں شامل ہونے کی اجازت نہیں دی۔ آپ نے صاف صاف فرمادیا (اگر جماعت المسلمین نہ ہو تب بھی)

فَاَعْتَزِلْ تِلْكَ الْفِرَقَ

كُلَّهَا {صحیح بخاری و صحیح مسلم}

ان تمام فرقوں سے علیحدہ ہو جانا

ان احکام کی موجودگی میں اگر حق پرست لوگوں نے ان فرقوں سے علیحدگی اختیار نہیں کی تو کیا انہوں نے اللہ اور رسول کے حکم کو مانا؟ ہرگز نہیں۔

مندرجہ بالا وضاحت کے بعد ہم اپنے متفقین حضرات سے عرض کرتے ہیں کہ کسی گمراہ شخص کے پیچھے صلوٰۃ ادا کر کے آپ اُس کو ایک بلند دینی مقام دے رہے ہیں۔ کیا اس کا نام علیحدگی ہے؟ نہیں اور ہرگز نہیں۔ تو پھر آپ سے گزارش ہے کہ حقیقی علیحدگی اختیار کر کے اپنے ایمان اور نماز کی حفاظت کیجئے۔



# بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

ربیع الاول ۱۴۴۲ھ

سلسلہ اشاعت ۱۱۶

## دعوت فکر

اللہ تعالیٰ نے انسانوں کی رہنمائی کے لئے ہر دور میں انبیاء و رسل مبعوث فرمائے اور ان کے اختلاف کو مٹانے اور ان کو ایک پلیٹ فارم پر جمع کرنے کے لئے کتب نازل فرمائیں۔ ہمارے نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی کتاب عطاء کی گئی، پھر حدیث کی صورت میں اس کی تشریح بھی سمجھا دی گئی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قرآن مجید کی چلتی پھرتی تصویر تھے۔ آپ کی زندگی ہی میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے دین کی تکمیل کی بشارت بھی دے دی گئی لہذا یہ مسلمہ حقیقت ہے کہ اسلام ایک دین کامل اور مکمل ضابطہ حیات ہے جو زندگی کے ہر شعبہ میں رہنمائی کرتا ہے اور اپنے ماننے والوں کو مقررہ اصول کا پابند، مہذب و متمدن، متین و باوقار بناتا ہے اور ایک مخصوص منہاج (یعنی سنت) پر چلنے کی تلقین کرتا ہے تاکہ صحیح ایمانی تصور کے دائرہ میں متحد و متفق رہتے ہوئے مسلمین دین کی تبلیغ کا فریضہ ادا کریں اور دنیا کے ہر گوشہ میں صراطِ مستقیم کا تعارف کرائیں تاکہ اللہ تعالیٰ کی مخلوق اس پر نگاہ مزن ہو کر دنیوی و اخروی کامیابی سے ہمکنار ہو۔

دین اصل میں اللہ پرستی اور آخرت طلبی کا نام ہے۔ ہر مسلم کا فرض ہے کہ وہ جن حالات میں ہو اور جن ذمہ داریوں میں اپنے آپ کو پائے وہ اللہ پرستی اور سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر قائم رہے۔ اللہ تعالیٰ کو ہمیشہ یاد رکھے اور دنیا میں جو بھی معاملہ کرے یہ سوچ کر کرے کہ بالآخر اس کو اللہ عز و جل کے سامنے اپنے اعمال کا جواب دینا ہے۔ کسی بھی قسم کی خوش فہمی اللہ تعالیٰ کی ذات

جبار و قہار کی پکڑ سے نہیں بچا سکتی۔ آخرت میں تو صرف اللہ تعالیٰ کی ہدایت یعنی قرآن مجید اور سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے عین مطابق کئے گئے اعمال کا وزن ہوگا اور باقی سب اعمال اکارت ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :-

أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ ۚ اللَّهُ كِي طَاعَتِ كُرُو، رَسُولِ كِي طَاعَتِ وَلَا تُبْطِلُوا أَعْمَالَكُمْ ۝ (محمد - ۳۳) کرو اور اپنے اعمال برباد نہ کرو۔

اللہ تعالیٰ کے احکام میں کمی، زیادتی یا تبدیلی کفر ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :-

وَتَمَّتْ كَلِمَةُ رَبِّكَ صِدْقًا وَ عَدْلًا لَا مَبْدَلَ لِكَلِمَتِهِ ۝ (الانعام - ۱۱۶) تمہارے رب کی بات سچائی اور انصاف کے اعتبار سے کامل ہوگئی، کوئی اس کے فرامین کو تبدیل کرنے والا نہیں۔

جس نے اللہ تعالیٰ کے فرامین سے منہ موڑا وہ کھلی گمراہی میں جا پڑا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :-

وَمَنْ يَعْصِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَقَدْ ضَلَّ ضَلَالًا مُّبِينًا ۝ (الاحزاب - ۳۶) جس نے اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کی وہ کھلی گمراہی میں جا پڑا۔

جو گمراہ ہوا وہ تفریق کا شکار ہوا۔ دین اسلام میں فرقہ بندی حرام ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :-

واعتصموا بحبلِ اللَّهِ جميعًا وَلَا تَفَرَّقُوا ۝ (آل عمران - ۱۰۳) اور دے ایمان والو! تم سب مل کر اللہ کی رستی کو مضبوطی سے پکڑ لو اور فرقے نہ بنو۔

اللہ تعالیٰ نے بار بار تاکید کی تھی کہ فرقے نہ بنانا لیکن نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیش گوئی کے مطابق بالآخر اس امت کے بھی اہل کتاب کی مانند متعدد فرقے ہو گئے اور آپس میں الجھ بھجی گئے۔ ہر فرقے نے اپنا خود ساختہ نام اختیار کر لیا اور باوجود شدید اختلاف عقائد کے ہر فرقہ اپنے

کو حق پر سمجھتا ہے۔ حالانکہ حق (صراطِ مستقیم) تو ایک ہی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

فَاسْتَمْسِكْ بِالَّذِي أُوحِيَ  
إِلَيْكَ إِنَّكَ عَلَى صِرَاطٍ  
مُسْتَقِيمٍ ۝ (الزخرف - ۲۳)

(اے رسول) آپ اس کتاب کو مضبوطی سے  
پکڑے رہیے جو وحی کے ذریعے آپ کے  
پاس بھیجی گئی ہے یقیناً آپ صراطِ مستقیم  
پر ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :-

ذَاقْ طَعْمَ الْإِيْمَانِ مَنْ رَضِيَ  
بِاللّٰهِ رَبًّا وَبِالرَّسُولِ دِينًا وَ  
بِمُحَمَّدٍ رَسُولًا۔

ایمان کا مزہ اس شخص نے چکھا جو اللہ کے  
رب ہونے پر، اسلام کے دین ہونے پر  
اور محمد کے رسول ہونے پر راضی ہو گیا۔  
(صحیح مسلم کتاب الایمان ۱/۳۴)

اس حقیقت کے پیش نظر ہم آپ کو اصل دین کی طرف واپس لوٹنے  
کی دعوت دیتے ہیں اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم :  
فَاعْتَزِلْ تِلْكَ الْفِرْقَ كُلَّهَا۔ تمام فرقوں سے علیحدہ رہنا۔  
(صحیح بخاری و صحیح مسلم)

کے تحت اپنے فرقہ دارانہ مذاہب کو چھوڑ کر ایسی جماعت میں شمولیت  
کی دعوت دیتے ہیں جس میں شمولیت کا حکم رسول اللہ صلی اللہ علیہ و  
سلم نے خود دیا تھا۔

تَلَزَمْ جَمَاعَةَ الْمُسْلِمِينَ جماعت المسلمین اور ان کے امام سے  
وَإِمَامَهُمْ۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم) چمٹے رہنا۔

یہ ایک ایسی جماعت ہے جس میں فرقہ دارانہ مذاہب کے  
ماننے والے نہیں پائے جاتے یعنی جماعت المسلمین فرقوں کا مجموعہ  
مکب نہیں ہے۔ جو شخص بھی جماعت المسلمین میں شامل ہوتا ہے وہ  
صرف مسلم ہوتا ہے۔ نہ اس کا کوئی مسلک ہوتا ہے اور نہ اس کا کوئی



مذہب، نہ اس کا کوئی مکتبہ فکر ہوتا ہے اور نہ اس کی کوئی فرقہ دارانہ فقہ۔ اس کا تو بس دین ہوتا ہے اور وہ دین اسلام ہوتا ہے۔ وہ صرف قرآن مجید اور احادیث صحیحہ کے احکام کا پابند ہوتا ہے اور توحید اور سنت پر گامزن ہوتا ہے۔

جماعت المسلمین توحید اور اتباع سنت پر سختی سے کاربند ہے اور وہ صرف اس اسلام پر قائم ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دے کر گئے تھے۔ جماعت المسلمین اس میں کمی، زیادتی یا تبدیلی نہیں کرتی کیوں کہ ایسا کرنے ہی سے تفریق کا آغاز ہوتا ہے۔ جماعت المسلمین نہ فرقہ ہے اور نہ فرقہ دارانہ مذاہب کو اسلام سمجھتی ہے۔

فرقہ بندی کو ہر شخص لعنت سمجھتا ہے لیکن فرقوں کو چھوڑنا بھی نہیں چاہتا، یہ قول و فعل کا تضاد ہے۔ اس طرح فرقہ بندی کبھی ختم نہیں ہو سکتی اور لوگوں کا یہ خواب کہ سب ایک ہو جائیں کبھی شرمندہ تعبیر نہیں ہو سکتا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

وَلَا تَكُونُوا مِنَ الْمُشْرِكِينَ ۝  
مِنَ الَّذِينَ فَرَّقُوا دِينَهُمْ  
وَكَانُوا شِيعًا كُلُّ حِزْبٍ  
بِمَالَدِيهِمْ فَرِحُونَ ۝  
(الروم - ۳۱ و ۳۲)

اور مشرکین میں سے نہ ہو جاؤ یعنی ان لوگوں میں سے جنہوں نے اپنے دین کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اور فرقے فرقے ہو گئے۔ تمام فرقے جو کچھ ان کے پاس ہے اسی میں لگن ہیں۔

قارئین کرام! اس آیت پر غور فرمائیں۔ اللہ تعالیٰ نے مشرکین کی کیا تشریح فرمائی ہے۔ آیت جماعت المسلمین میں شامل ہو کر فرقہ بندی کی لعنت کو ختم کریں۔

**صدق حسن**

امیر جماعت المسلمین صوبہ پنجاب  
مین بازار نئی منڈی پتوکی (ضلع قصور)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

## کیا ہمارا کوئی خالق ہے؟

کیا ہمارا کوئی خالق ہے؟ ”مذہبی دنیا میں یہ سوال حیرت سے سنا جائے گا لیکن کون نہیں جانتا کہ ایک عرصہ سے وجود باری تعالیٰ کا انکار کیا جا رہا ہے لیکن کسی اصول اور بُرہان کی بنیاد پر نہیں بلکہ طاقت کے بل بوتے پر، فتنہ برپا کر کے اور نئی نسل کو درغلا کر۔“

سلسلہ اثباتِ حیات

آج ہمیں اپنی نئی نسل ہی کو خطاب کرنا ہے۔ اے نوجوانانِ قوم! آپ کو معلوم ہے ہمارے کتنے نونہال اس فتنہ سے متاثر ہو چکے ہیں اور جہنِ اسلام کو رونق بخشنے کے بجائے وہ اب اس کی ویرانی کا سبب بنے ہوئے ہیں۔ یہ کیوں؟ صرف اس لئے کہ انکو صحیح قسم کی تعلیم و تربیت سے بیگانہ رکھا گیا۔ دین کی برکات سے انہیں روشناس نہیں کرایا گیا۔ اسلام کی برحری دلوں میں راسخ نہیں کی گئی۔ ہم ان نوجوانانِ گم گشتہ کو بھی خطاب کر رہے ہیں کاش وہ ہماری معروضات پر غور کریں۔

خالق کے انکار پر کوئی عقلی شہادت نہیں پیش کی جاسکتی۔ اگر صرف اس لائقِ خالق کا انکار کیا جائے کہ خالق کی حقیقت عقل میں نہیں آتی تو کائنات کا خود بخود پیدا ہو جانا کیسے عقل میں آسکتا ہے۔ یہ تو اس سے بھی زیادہ مشکل مسئلہ ہے۔ یہ کائنات مختلف اجزاء پر مشتمل ہے۔ کہیں آسمان ہے، کہیں زمین ہے، کہیں تارے ہیں اور کہیں سیارے۔ پھر اس زمین کو دیکھیے۔ کہیں جمادات ہیں تو کہیں نباتات۔ کہیں حیوانات ہیں اور کہیں انسان۔ ان تمام اجزاء کا کتنا مربوط نظام ہے۔ ایک پودے کو دیکھیے کس طرح نشوونما پاتا ہے۔ کس طرح سانس لیتا ہے اور کس طرح سانس چھوڑتا ہے۔ یہ سب کچھ ایک سائیکل (CYCLE) میں ہو رہا ہے جس کا تسلسل کبھی منقطع نہیں ہوتا۔

انسان اور حیوان کو دیکھیے، ان کے اجسام میں کیسی کیسی مشینیں کام کر رہی ہیں۔ ان مشینوں کی کارگزاری قدرت کا نمونہ پیش کرتی ہے۔ قرون و صدیوں سے ایسا ہی ہوتا آرہا ہے۔ کتنا مشکل ہے یہ تصور کہ یہ سب کچھ بغیر کسی ارادے کے ہو رہا ہے۔ کائنات کے خود بخود پیدا ہو جانے کے بعد یہ کس طرح عقل میں آتا ہے کہ اس میں اس قدر باضابطہ رُوحِ عمل پیدا ہو گئی کہ کہیں کوئی نقص نظر نہیں آتا۔ باضابطہ کے خلاف کچھ نہیں ہوتا۔ ہر کام ایک مقررہ فطری قانون کے ماتحت ہو رہا ہے۔ اس ضمن میں جتنا



آپ سوچیں گے آپ کی حیرت میں اضافہ ہی ہوتا چلا جائے گا۔ یہ چیز بھی عقل میں نہیں آئے گی کہ کائنات خود بخود پیدا ہونے کے بعد کس طرح قوانین فطرت کے تابع ہو گئی۔ بڑے سے بڑے تارے کو لیجئے جس میں سے ہماری زمین کے برابر سنکھوں مینیں بن سکتی ہیں یا چھوٹے سے چھوٹے ذرے کو لیجئے دونوں کی بنیادی ترکیب میں کوئی فرق نظر نہ آئے گا۔ دونوں کا بنیادی نقطہ ایٹم ہے، اور ہر چیز کا ایٹم کارکردگی اور ساخت میں ہم آہنگ نظر آئے گا۔ ایٹم اتنا چھوٹا ذرہ ہے کہ اسے طاقتور سے طاقتور خوردبین سے بھی نہیں دیکھ سکتے۔ ایک قطرہ آب میں ساٹھ ہزار سنکھ ایٹم ہوتے ہیں۔ اس چھوٹے سے ذرے میں توانائیوں کی ایک دنیا آباد ہے۔ وہ توانائیاں کس طرح اور کس قدر ہم آہنگی سے قانون فطرت کے مطابق کام کر رہی ہیں کہ عقل حیران ہے۔ کیا یہ سب کچھ خود بخود ہو رہا ہے۔ عقل میں کیسے اتنی بعید از عقل بات آسکتی ہے۔ اس سے تو یہی بات زیادہ آسان ہے کہ خالق کا وجود تسلیم کر لیا جائے پھر اگر یہ تصور ذہن میں آئے کہ خالق کیسے پیدا ہو گیا تو اس سوال کا جواب وہی ہو گا جو خالق کے انکار کے بعد اس سوال کا جواب ہے کہ ”کائنات کیسے پیدا ہو گئی؟“

اے نوجوانان قوم! اور اے اسلام سے روٹھ جانے والے انسانوں! سائنسدان تو یہ کہتے آئے ہیں اور کہہ رہے ہیں کہ اس کائنات کا کوئی خالق ہے۔ چالیس بڑے بڑے سائنسدانوں نے خالق کائنات کے وجود کو تسلیم کیا ہے۔ ان کے اقوال ایک کتاب میں جمع کروئے گئے ہیں، یہ کتاب طبع ہو چکی ہے۔

سائنسدان سائنس کی بنیاد پر خالق کے وجود کو تسلیم کر رہے ہیں۔ اور منکرین خالق بغیر سائنس اور برہان کے اپنی بات منوانا چاہتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ جو بات سائنس کی بنیاد پر ہو وہی قابل قبول ہوگی نہ کہ وہ جسکی پشت پر نہ کوئی سائنس ہو نہ کوئی دلیل۔

سائنس جتنی ترقی کرے گی خالق کے وجود کے دلائل اتنے ہی بڑھتے چلے جائیں گے۔ سائنس نہ خالق کا انکار کرتی ہے نہ اسلام کے خلاف کوئی بات بتاتی ہے۔ کچھ دن ہوئے سائنس کا ایک جدید نظریہ بھی منظر عام پر آچکا ہے جسے موڈرن تھیوری آف کوئینٹم (MODERN THEORY OF QUANTUM) کہتے ہیں اس نظریہ نے ثابت کر دیا کہ نظام کائنات کو ہر لمحہ کسی نگراں اور چلائیلے کی ضرورت ہے۔ اگر وہ اس کی طرف سے ذرا بھی غافل ہو جائے تو نظام عالم درہم برہم ہو جائے۔ اس نظریہ نے خالق کے وجود کو اس طرح تسلیم کر لیا ہے کہ اب مجال انکار باقی



نہیں رہی۔

اے نوجوانو! خالق کو تسلیم کرو، اگر تمہیں پہلے سے تسلیم ہے تو پھر دل کی گہرائیوں سے تسلیم کرو۔ خالق کائنات کا اکبر گرامی اللہ ہے، اؤ اللہ کے سامنے جھک جاؤ۔ اپنے خالق کے ہی ہو جاؤ، اسی کے حکم کو بجالاؤ، اسی کی ماکیت تسلیم کرو۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

## روزِ حساب

گذشتہ اشاعت میں ہم عقلی و سائنسی دلائل سے ثابت کر چکے ہیں کہ اس کائنات کا ایک خالق ہے جس کا اسم گرامی اللہ ہے۔ وہی اس کائنات کو اس کی موجودہ حالت پر برقرار رکھے ہوئے ہے، اگر وہ ایک لمحہ کیلئے بھی غافل ہو جائے تو نظامِ عالم درہم برہم ہو جائے۔ وہی آسمانوں اور زمینوں کی حفاظت کرتا ہے۔

لَا يَتُودُّكَ حَفْظُهُمَا (۱) اور یہ حفاظت اُس کیلئے کوئی دشوار کام نہیں، اس حفاظت سے اُسے کوئی تکان نہیں ہوتی۔

جب ہم نے یہ تسلیم کر لیا کہ ہمارا کوئی خالق ہے تو ہم یہ کیسے تصور کر سکتے ہیں کہ خالق کا کوئی کام بے مقصد ہو سکتا ہے۔ یقیناً ہماری پیدائش کا کوئی خاص مقصد ہے۔ اس

أَتَحْسَبُ الْإِنْسَانَ أَنْ يُتْرَكَ (۲) ہمیں یوں ہی پیدا نہیں کیا ہے کہ سُدّی (۳) ہم جو چاہیں کرتے پھریں۔

بلکہ اُس نے ہمیں اس لئے پیدا کیا ہے کہ :- وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ (۴) ہم اس کے حکم کے مطابق چلتے رہیں۔

إِلَّا لِيَعْبُدُونِ (۵) اگر ہم اس مقصدِ تخلیق کو پورا نہ کریں گے تو وہ نَعْرَانِ عَلَيْنَا حِسَابُهُمْ (۶) ضرور ہم سے باز پرس کرے گا۔ اس باز پرس کیلئے اُس نے ایک دن مقرر کیا ہے۔

لَيَجْمَعَنَّكُمْ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ (۷) اس دن وہ ضرور سب کو جمع کرے گا۔

قیامت اور اُس دن کے حساب کتاب کا عقیدہ بنیادی عقیدوں میں سے ہے۔ خالق کو تسلیم کرنے کا عقیدہ اس لئے ضروری ہے کہ ہم یہ سمجھیں کہ کوئی ہے جو ہم پر حاکم ہے۔ لیکن خالق کو محض ماکم مان لینے سے زندگی میں باضا بطلی پیدا

سلسلہ اشاعت

نہیں ہو سکتی جب تک کہ ہم یہ عقیدہ نہ رکھیں کہ اللہ جس کو ہم خالق اور حاکم مانتے ہیں ہمارے اعمال کا حساب بھی لے گا۔ یہ حساب کتاب کا خوف ہی ہماری زندگی کو نظم و ضبط کا پابند بنائے گا اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے بچائے گا۔  
 دینی شواہد کے علاوہ سائنسی شواہد بھی ایسے پائے جاتے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ کائنات مائل بہ فنا ہے ایک دن آئے گا کہ :-

مَحَلُّ شَيْءٍ هَٰذَا لَكَ إِلَّا وَجْهًا (قرآن مجید) تمام نظام عالم درہم برہم ہو جائے گا۔  
 کوئی چیز باقی نہیں رہے گی سوائے خالق کائنات کے۔

پھر سب زندہ کئے جائیں گے اور  
 يَوْمَ يَقُومُ النَّاسُ لِرَبِّ الْعَالَمِينَ (تغیث) رب العالمین کے سامنے  
 پیش کئے جائیں گے۔

یہی وہ دن ہو گا جس دن جزاء و سزا کا فیصلہ ہو گا۔  
 اے لوگو! کیا آپ نے کبھی اُس دن کے متعلق سوچا۔ اگر ابھی تک نہیں سوچا تو  
 اب سوچیے۔

يَتَفَكَّرُونَ فِي خَلْقِ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ ۖ {آل عمران} عقل والے وہی  
 ہیں جو زمین و آسمان کی پیدائش کے متعلق سوچتے ہیں۔  
 پھر سوچتے سوچتے آخر کہہ اُٹھتے ہیں :-

رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هَٰذَا بَاطِلًا ۖ سُبْحَانَكَ {آل عمران} اے ہمارے رب  
 تو نے یہ سب کچھ بے مقصد نہیں پیدا کیا، بے مقصد پیدا کر نیسے تیری ذات پاک ہے،  
 بلکہ یہ سب کچھ ہماری آزمائش کیلئے ہے، آزمائش میں کامیابی جنت کی ضامن ہے۔  
 اور ناکامی و دوزخ کی ضامن ہے۔ دوزخ کا خیال دل میں آتے ہی عقل والے فوراً پکار اٹھتے ہیں :-  
 فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ {آل عمران} اے ہمارے رب ہمیں دوزخ سے بچا۔

اے لوگو! یہ زندگی چند روزہ ہے۔ ایام صحت و جوانی اور بھی کم ہیں، تو کیا اس  
 مختصر مدت کی خاطر آخرت کی دائمی زندگی خراب کر لینا عقلمندی کی نشانی ہے، اُسٹھے  
 اور اُس دن کے لئے تیاری کیجئے جس دن۔

لَا تَجْزِي نَفْسٌ عَنْ نَفْسٍ شَيْئًا (ممتحہ) کوئی شخص کسی شخص کے کچھ بھی  
 کام نہ آ سکے گا۔

اور نہ اُس دن

وَلَا يُقْبَلُ مِنْهَا شَفَاعَةٌ {بغیرہ} کسی شخص سے کوئی سفارش قبول کی جائے گی۔

اُس دن ہر شخص  
وَكُلُّهُمْ آتِيهِ يَوْمَ الْقِيَمَةِ فَرْدًا ۝ {۹۶} اللہ تعالیٰ کے سامنے فرداً  
فرداً پیش ہوگا۔

پھر اُس دن  
يَوْمَ يَبْدَأُ كَرَمًا الْإِنْسَانَ مَا سَعَى ۝ {۹۷} انسان کو اپنے اعمال  
یاد آئیں گے۔

اگر دنیا میں نیک عمل نہیں کئے ہوں گے تو پھر اُس دن سولے کف افسوس ملنے کے  
اور کیا ہو سکے گا۔  
اے لوگو! اُٹھئے اور اس خوفناک دن اپنے خالق کے غضب سے بچنے کیلئے  
کام کیجئے۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

ماہ رجب ۱۴۰۲ھ

سلسلہ اشاعت ۱۰۴

## اجتماعیت اور اسلام

اجتماعیت اور اسلام لازم و ملزوم ہیں۔ انفرادیت کے لئے اسلام میں  
کوئی گنجائش نہیں سوائے اس صورت کے کہ کوئی دوسرا مسلم ہی موجود نہ ہو۔  
اجتماعیت فرض ہے | اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :-

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَ اءِ اِيْمَانِ وَالْوَالِدَ الَّذِي فِيهِ رُحُوٰكُمُ الرَّحْمٰنُ  
كُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ ۝ (التوبة ۱۱۹) کے ساتھ رہو۔

جماعت سے منسلک ہونا فرض ہے | رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔



تَلْزَمُ جَمَاعَةَ الْمُسْلِمِينَ وَ جَمَاعَتِ الْمُسْلِمِينَ اِذَا رَأَوْا اِمَامَهُمْ (صحیح بخاری کتاب الفتن و صحیح چمٹے رہو۔  
مسلم کتاب الامارۃ)

جماعت سے علیحدہ ہونا گناہ عظیم ہے | رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں :-

مَنْ فَارَقَ الْجَمَاعَةَ شِبْرًا فَمَاتَ جَوْشَخْصِ جَمَاعَتٍ سَابِلَتْ بِهْرِ بَعِي عَلِيهِه  
اِلَّا مَاتَ مِيْتَةً جَاهِلِيَّةً (صحیح ہوا اور اسی حالت میں) مر گیا تو اس کی  
بخاری کتاب الفتن و صحیح مسلم کتاب الامارۃ موت جاہلیت کی موت ہوگی۔

جماعت کو چھوڑنا اسلام کو چھوڑنا ہے | رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں :-

مَنْ فَارَقَ الْجَمَاعَةَ قَيْدًا شَبْرًا فَقَدْ جَوْشَخْصِ جَمَاعَتٍ سَابِلَتْ بِهْرِ بَعِي عَلِيهِه  
خَلَعَ رِبْقَةَ الْاِسْلَامِ مِنْ عُنُقِهِ۔ ہوا اس نے اسلام کی رسی کو اپنی گردن سے  
(رواہ الترمذی و صحیح فی ابواب الاثقال ۲/۲۹۶) علیحدہ کر دیا۔

سفر میں بھی جماعت اور امیر ضروری ہے | رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں :-

اِذَا خَرَجَ ثَلَاثَةٌ فِي سَفَرٍ جَبْنَيْنِ آدَمِي سَفَرٍ لِّئِنْ نَكَلَيْتُمْ تَوَانِي  
فَلْيُؤَمِّرُوا أَحَدَهُمْ (ابوداؤد) چاہیے کہ اپنے میں سے ایک کو امیر  
کتاب الجہاد۔ سندہ صحیح و حسنہ الالبانی۔ بنالیں۔

التعليقات على المشكاة ۲/۱۱۳۵

بستی ہو یا جنگل ہر جگہ اجتماعیت ضروری ہے | رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں :-

مَا مِنْ ثَلَاثَةٍ فِي قَرْيَةٍ وَلَا تَيْنِ آدَمِي اِذَا كُنِيَ بَسْتِي يَأْكُلُ جَنْكَلٍ مِّنْ هَوْنِ

بَدُّوْا لَتَقَامُ فِيْهِمُ الصَّلَاةُ اِلَّا ۖ پھر ان میں نماز نہ قائم کی جائے تو ان پر  
 قَدْ اسْتَحْوَذَ عَلَيْهِمُ الشَّيْطَانُ شیطان مسلط ہو جاتا ہے لہذا جماعت  
 فَعَلَيْكَ بِالْجَمَاعَةِ فَانْهَمَا يَا كُلُّ کو لازم پکڑو اس لئے کہ بھیڑ یا اسی بکری  
 الذِّئْبُ الْقَاصِيَةَ (ابوداؤد کتاب کو کھاتا ہے جو ریوڑ سے دور ہو گئی ہو۔

الصلوة باب في التشديد في ترك الجماعة ۱/۸۸

سندہ صحیح۔ نیل الاوطار ۲/۲۱۱

جنگل میں بھی جماعت اور امیر کا ہونا ضروری ہے | رسول اللہ صلی

اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں :-

لَا يَجِلُّ لِمَثَلٍ ثَلَاثٍ نَفَرٍ يَكُونُونَ تین آدمیوں کے لئے حلال نہیں کہ کسی  
 بِأَرْضٍ فَلَاةٍ اِلَّا اَمَرُوا عَلَيْهِمْ جنگل میں رہیں مگر یہ کہ اپنے میں سے کسی  
 اَحَدَهُمْ (رواہ احمد و سندہ حسن - ایک کو اپنا امیر بنالیں (یعنی جنگل میں  
 بلوغ الامانی جزر ۱۹ ص ۲۸۸) بھی بغیر امیر کے رہنا حرام ہے)۔

الغرض تین مسلم خواہ وہ سفر میں ہوں یا حضر میں، بستی میں ہوں یا جنگل میں  
 انہیں اپنا ایک امیر مقرر کرنا چاہیے اور اجتماعی زندگی گزارنی چاہیے۔

دین اسلام ایک اجتماعی نظام ہے۔ ہر اجتماعی کام کے لئے نظم و ضبط کی ضرورت  
 ہے اور نظم و ضبط کے لئے امیر کا ہونا اور اس کی اطاعت کرنا ضروری ہے۔ بغیر امیر  
 کی اطاعت کے نہ تنظیم ہوگی، نہ نظم و ضبط برقرار رہے گا اور نہ جماعت ہی باقی  
 رہے گی۔ جماعت ضروری ہے اور جماعت کی بقاء کے لئے امیر کی اطاعت  
 ضروری ہے۔

# جماعت امین

## بسم اللہ الرحمن الرحیم وقت کی قربانی

آپ کا دعویٰ ہے ”لَا تَأْتِيهِ“ (ہم اللہ کے ہیں) لیکن غور کیجئے آپ کا یہ دعویٰ کہاں تک صحیح ہے؟ کبھی آپ نے یہ سوچا کہ آپ اللہ کیلئے کیا کر رہے ہیں؟ کیا آپ نے خود کو اللہ کا کلمہ بلند کرنے اور دین کی خدمت کیلئے وقف کر لیا ہے۔ مزید برآں آپ یہ بھی پڑھتے ہیں ”مَحْيَايَ وَمَمَاتِي لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ“ (میری زندگی اور موت اللہ کے لئے ہے جو عالمین کا رب ہے) کیا آپ نے اس پر توجہ بھی دی کہ آپ جو کچھ کہتے ہیں اس پر عمل بھی کرتے ہیں؟ کیا آپ کے قول فعل میں تضاد تو نہیں؟

حقیقت یہ ہے کہ آپ ہر کام کیلئے وقت نکال سکتے ہیں لیکن اگر آپ کے پاس وقت نہیں ہے تو دین کی خدمت کیلئے بلبوں، سینیماؤں، تفریح گاہوں اور ناول رسائل پڑھنے کیلئے آپ کبھی وقت کی کمی کی شکایت نہیں کرتے۔ خاندانی تقریبات میں آپ بڑی پابندی سے شرکت کرتے ہیں۔ ٹیلیوژن کیلئے بھی وقت کی کمی کا سوال پیدا نہیں ہوتا۔ ملازمت اور کاروبار کیلئے تو گویا آپ وقف ہی ہو چکے ہیں۔ گویا زندگی کا مقصد صرف کمانا ہے اور بس۔

کیا آپ اس سے انکار کر سکتے ہیں کہ آپ کے لیل و نہار کُلّی طور پر دنیوی مشاغل میں صرف ہو رہے ہیں۔ ہفتہ کے ۱۶۸ گھنٹوں میں سے ایک گھنٹہ بھی دین کی خدمت کیلئے نکالنا آپ کیلئے مشکل بلکہ ناممکن ہے۔ سالہا سال تک کسی دینی محفل میں شرکت کا موقع آپ کو نہیں ملتا۔ کیا آپ سمجھتے ہیں کہ دین کے حق کو نظر انداز کر کے آپ بروزِ محشر سُرخ رو ہو سکیں گے؟ یہ کیفیت جو اس وقت آپ کی ہے اُن ہی لوگوں کی ہو سکتی ہے جو خوفِ الہ نہ رکھتے ہوں۔ جن کو حساب کتاب پر ایمان نہ ہو، اور جو دنیا ہی کو سب کچھ سمجھے بیٹھے ہوں۔

یاد رکھئے جس الہ نے یہ زندگی دی ہے وہ اسے چھین بھی سکتا ہے۔ جس نے آپ کو



اوقات دئے ہیں وہ آپ کے اوقات کو بے مصرف بھی بنا سکتا ہے۔ کیا یہ حقیقت نہیں ہے کہ جن لوگوں کو اپنے کاروبار اور دیگر مشاغل سے لمحہ بھر کی فرصت نہیں ملتی وہ جب بیمار پڑتے ہیں تو کئی کئی مہینے بستر پر کاٹتے ہیں۔ کیا اُس وقت اُن کے کاروبار ختم ہو جاتے ہیں؟ کیا اُن کو نقصان برداشت کرنا نہیں پڑتا؟ سب کچھ ہوتا ہے لیکن وہ مجبور ہوتے ہیں ایسے لوگوں کو دنیا تو مل جائے گی جیسا کہ ارشادِ باری ہے ”وَهُمْ فِيهَا لَا يَبْخَسُونَ“ لیکن اُن کا حشر ”لَيْسَ لَهُمْ فِي الْآخِرَةِ إِلَّا النَّارُ“ (سورہ ہود) کا مصداق ہوگا۔ اگر آپ آخرت کی رسوائی سے بچنا چاہتے ہیں تو غفلت اور سستی چھوڑیے قرآن و حدیث پر عمل کیجئے۔ قرآن و حدیث پر عمل کرنے کی دعوت دیجئے۔ قرآن و حدیث کا دفاع کیجئے۔ قرآن و حدیث کے خلاف جو فتنے اُٹھ رہے ہیں اُن کا مقابلہ کیجئے۔ ان فتنوں سے اپنی اولاد کو بچائیے۔ ایسا ماحول اور ایسے مدارس قائم کیجئے جو ان فتنوں سے آپ کی اولاد کو محفوظ رکھیں۔ ان تمام باتوں کے حصول کیلئے وقت کی قربانی دیجئے۔ یہ وقت کی اہم ضرورت ہے۔ ورنہ نئی نسل کی گمراہی کے ذمہ دار آپ ہوں گے۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

## جماعت المسلمین کی دعوت

ہمارا ملک	صرف ایک یعنی: اللہ تبارک و تعالیٰ .. اللہ کے سوا کوئی نہیں
ہمارا اہم	صرف ایک یعنی: محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم .. فرقہ وارانہ امام نہیں
ہمارا دین	صرف ایک یعنی: اللہ کا پسند کردہ دین اسلام .. فرقہ وارانہ مذہب نہیں
ہمارا نام	صرف ایک یعنی: اللہ کا نیکو نام اسلام .. فرقہ وارانہ نام نہیں
ہمارا رشتہ	صرف ایک یعنی: اللہ تعالیٰ سے تعلق .. دنیوی تعلقات نہیں
ہمارا قتلہ	صرف ایک یعنی: ایمان کا اللہ العظیم .. وطن اور زبان نہیں

اگر آپ اس دعوت سے متعلق ہیں تو ہمارے  
ساتھ تعاون فرمائیں۔  
تذکرہ مفت طلب فرمائیں۔

جماعت المسلمین

سید المسلمین: برادرِ نبویؐ  
برادرِ باطن: آوازِ ملکِ کریمؐ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

## رسالت

گزشتہ اشاعتوں میں ہم نے ثابت کیا تھا کہ ہم خود بخود پیدا نہیں ہوئے بلکہ ہمارا کوئی خالق ہے۔ اور یہ کہ ہماری پیدائش بے مقصد نہیں بلکہ اس کا کوئی خاص مقصد ہے۔ ہم نے یہ بھی ثابت کیا تھا کہ اگر اس مقصد کو ہم نے پورا نہ کیا تو ضرور ہم سے باز پرس ہوگی۔ اور پھر اس کا خمیازہ بھگتنا ہوگا۔

سلسلہ اشاعت ۱۵۷

خالق کے وجود اور قیامت کے وقوع کو مان لینے کے بعد بھی انسان اپنی بے راہ روی کیلئے مُجْتِہِد قائم کر سکتا ہے۔ ان دونوں چیزوں پر ایمان لانا کسی انسان کو بے کام سے نہیں روک سکتا، انسان یہ کہہ سکتا ہے کہ مجھے کیا معلوم تھا کہ اللہ کس کام سے خوش ہوتا ہے اور کس کام سے ناراض۔ انسان کی اس مُجْتِہِد کو توڑنے کیلئے اللہ تعالیٰ نے سلسلہ رسالت قائم کیا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :-

لَعَلَّ لَا يَكُونَنَّ لِلنَّاسِ عَلَى اللَّهِ حُجَّةٌ بَعْدَ الرُّسُلِ ۚ (نساء: ۱۶۵) رسول اس لئے بھیجے گئے تاکہ رسولوں کے آنے کے بعد لوگوں کیلئے اللہ پر کوئی مُجْتِہِد باقی نہ رہے۔

اگر اللہ تعالیٰ رسولوں کا سلسلہ قائم نہ کرتا تو پھر۔  
وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِينَ حَتَّى نَبْعَثَ رَسُولًا ۚ (اسراء: ۱۵) یقیناً وہ لوگوں کو عذاب بھی نہ دیتا۔

لیکن جب اللہ تعالیٰ نے رسولوں کا سلسلہ قائم کر دیا تو اب بندوں کے پاس کوئی حجت نہیں رہی۔ اب اللہ تعالیٰ کو حق پہنچتا ہے کہ وہ بے راہ روی کی سزا دے۔ خلاصہ یہ تھا کہ انسان کو نظم و ضبط کا پابند بنانے کیلئے تین چیزوں کو تسلیم کرنا بہت ضروری ہے۔

① خالق ② آخرت ③ رسالت

اے لوگو! پہلی دو چیزیں عقلی و نقلی شواہد سے ثابت ہیں۔ تیسری چیز ان دونوں کے ساتھ لازم و ملزوم ہے۔ اور یہ اللہ تعالیٰ کی وہ حجت ہے کہ اس کے آگے انسان کو ذمہ مانتے کی گنجائش نہیں۔

رسول پر ایمان لانے کا مطلب یہ ہے کہ وہ جو کچھ کہے اُس پر ایمان لانا اور اُسے

تسلیم کرنا ہوگا۔ اب آپ کی عقل و مصلحت کو ہتھیار ڈالنے ہوں گے۔ اگر وہ کہے کہ یہ قرآن اللہ کی کتاب ہے تو اس کی بات حجت ہوگی۔ اگر وہ یہ کہے کہ حروف مقطعات اللہ کا فیض اللہ کی طرف سے نازل ہوئے ہیں تو آپ کو ماننا ہوگا خواہ ان کے معنی اور مقصد کو آپ سمجھیں یا نہ سمجھیں۔ اگر وہ کہے کہ فلاں آیت کے یہ معنی ہیں تو وہی معنی تسلیم کرنے ہوں گے اگر وہ کہے کہ فلاں حکم فلاں وقت واجب التعمیل ہے ورنہ نہیں، تو اس کی بات ماننی ہوگی اگر آپ رسول کی بات اُس وقت مانیں جب آپ کی عقل میں آئے تو یہ ایمان بالعقل ہے، ایمان بالرسول نہیں۔

اے لوگو! ایمان بالرسول کے بعد اب آپ کی حجت ختم ہوگئی۔ لہذا اب آپ سوچیے کہ آپ کیا کر رہے ہیں اور آپ کو کیا کرنا چاہیے۔ کیا اب بھی آپ کے پاس کوئی حجت ہے جس کو پیش کر کے آپ عذاب الہی سے بچ سکیں۔

اللہ تعالیٰ نے رسول بھیجے اور ہر رسول نے ہی کہا:-

فَاتَّقُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا {شعراء} اللَّهَ دُرُود اور میری اطاعت کرو۔

اللہ تعالیٰ نے بھی اس پر مزید مہر تصدیق ثبت کر دی۔ فرمایا:-

وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُولٍ إِلَّا يَطَاعُ بِالْإِذْنِ اللَّهِ {نساء} رسول بھیجا ہی

اس لئے جاتا ہے کہ اللہ کے حکم سے اُس کی اطاعت کی جائے۔

بلکہ یہاں تک فرما دیا:-

مَنْ يُطِيعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللَّهَ {نساء} جس نے رسول کی اطاعت

کی اُس نے اللہ کی اطاعت کی۔

وَأِنْ كُنْتُمْ كُفَّارًا فَادْعُوا {نساء} رسول کی اطاعت ہی سے تم

ہدایت یاب ہو سکتے ہو۔

اور نہ صرف اطاعت بلکہ رسول کے افعال کی پیروی بھی کرنی ہوگی۔ فرمایا:-

وَاتَّبِعُوا لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ {آل عمران} رسول کی پیروی کرو تاکہ تم

ہدایت سے ہمکنار ہو جاؤ۔

گویا ہدایت کے حصول کیلئے اللہ تعالیٰ نے دو چیزوں کو لازم کر دیا۔

① رسول کے احکام کی فرماں برداری۔

② رسول کی سنت کی پیروی۔

اگر کسی انسان کی زندگی میں یہ دو چیزیں نہیں تو وہ ہدایت سے محروم ہے گا۔



اللہ تعالیٰ کی جنت اس پر قائم ہوگی اور وہ گرفتار عذاب ہوگا۔  
 لے لوگو! یہ ہے اللہ کا اعلیٰ قانون، کہاں بہکے چلے جائے ہو، کیوں رسول اللہ  
 صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی کرتے ہو، کیوں اتباع سنت سے منہ موڑتے ہو، کیا آپ کو  
 اللہ تعالیٰ کا خوف نہیں ہے، آخر کیا سوچا ہے؟ کب تک یہ بے راہ ردی رہے گی،  
 کب تک اللہ اور رسولؐ سے بغاوت جاری رہے گی۔ آئیے ہم سب توبہ کریں اور اسلامی  
 معاشرہ کی تشکیل کریں۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

سلسلہ اشاعت ۱۰۸

ذوالقعدہ ۱۴۰۶ھ

## ختم نبوت کا انکار کفر ہے

اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنے دین کو کامل کر دیا ہے۔ ارشادِ باری ہے :-

أَلْيَوْمَ اكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ (المائدہ - ۳)  
 (اے ایمان والو) آج میں نے تمہارے دین کو کامل کر دیا۔

اللہ تعالیٰ نے دین کو صرف کامل ہی نہیں کیا بلکہ اسے محفوظ بھی کر دیا۔ اللہ ذوالجلال والاکرام فرماتا ہے :-

إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ (الحجر - ۹)  
 ہم نے یہ نصیحت نازل کی ہے اور ہم اس کے محافظ ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمام انسانوں کے لئے رسول بنا کر بھیجے گئے ہیں۔ آپ کی نبوت عالمگیر ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :-

وَمَا آدُسُكَ إِلَّا كَافَّةً (اے رسول) ہم نے آپ کو تمام

لِّلنَّاسِ بَشِيرًا وَنَذِيرًا۔ لوگوں کے لئے بشیر و نذیر بنا کر بھیجا ہے۔ (سبا - ۲۸)

الغرض دین کامل بھی ہے اور محفوظ بھی ہے، دوسرے لفظوں میں یہ کہنا چاہیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فیضانِ نبوت کامل، محفوظ اور اتنا وسیع ہے کہ اب قیامت تک کے لئے کسی نبی کے مبعوث کئے جانے کی ضرورت نہیں رہی۔ اسی لئے اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا :-

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَا أَحَدٍ مِّن رِّجَالِكُمْ وَلَكِن رَّسُولَ اللَّهِ وَخَاتَمَ النَّبِيِّينَ (الاحزاب - ۴۰)

(اے ایمان والو) محمد تم مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں، البتہ وہ اللہ کے رسول ہیں اور خاتم النبیین ہیں۔

خاتم النبیین کے کیا معنی ہیں اس کے لئے نہ لغت دیکھنے کی ضرورت ہے اور نہ سرگردانی کی حاجت۔ جس طرح بذریعہ وحی اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کو نازل کیا اسی طرح بذریعہ وحی اس کی تفسیر بھی نازل کی۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :-

شَرَّاهُ إِنَّا عَلَيْنَا بَيَانُهُ ○ پھر اس (قرآن) کی تفسیر بھی ہمارے ذمہ ہے۔ (الاقسم بיום القيمة - ۱۹)

یہ منزل من اللہ تفسیر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی پھر

اس کو امت تک پہنچانا آپ کے فرائض منصبی میں شامل کر دیا گیا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :-

وَأَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الذِّكْرَ      اور (اے رسول) ہم نے (یہ) ذکر  
لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ      آپ کی طرف نازل کیا ہے تاکہ لوگوں  
إِلَيْهِمْ      (النحل - ۴۴)      (کی ہدایت) کے لئے جو کچھ نازل کیا

گیا ہے آپ اس کی تفسیر کر دیں۔

کیونکہ قرآن مجید کی تفسیر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرائض منصبی میں سے ہے لہذا اب ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خاتم النبیین کے کیا معنی بتائے۔ جو معنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بتائے وہی درحقیقت اللہ تعالیٰ کے بتائے ہوئے معنی ہیں اور جو معنی اللہ تعالیٰ نے بتائے وہی صحیح ہیں باقی سب غلط۔ اللہ عز وجل کے بتائے ہوئے معنی کی موجودگی اپنی طرف سے خود ساختہ معنی کرنا گھلا کفر ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور خاتم النبیین کے معنی | رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں :-

وَإِنَّهُ سَيَكُونُ فِي آخِرَتِي      میری امت میں تیس کذاب ہوں گے  
ثَلَاثُونَ كَذَّابُونَ كُلُّهُمْ      ان میں سے ہر ایک یہ دعویٰ کرے  
يَزْعُمُ أَنَّهُ نَبِيٌّ وَأَنَا      گا کہ وہ نبی ہے حالانکہ میں خاتم  
خَاتَمُ النَّبِيِّينَ لَا نَبِيَّ بَعْدِي      النبیین ہوں، میرے بعد کوئی نبی  
(رواہ الترمذی فی ابواب الفتن فی باب      نہیں۔

ما جاء لا تقوم الساعة حتى يخرج كذابون  
جزء ۲ ص ۱۱۰۔ قال الترمذی هذا حديث  
صحيح ورواه ابوداؤد فی کتاب الفتن



اس حدیث سے معلوم ہوا کہ خاتم النبیین کے معنی ہیں: ”وہ نبی جس کے بعد کوئی نبی نہیں“

(نوٹ :- ایسی حدیثیں جن میں ”لَا نَبِيَّ بَعْدِي“ کے الفاظ آئے ہیں متعدد ہیں، ہم بخوف طوالت ان سب کو نقل نہیں کر رہے)۔  
۲ رسالت باقی رہی اور نہ نبوت | حضرت انسؓ فرماتے ہیں :-

قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ الرِّسَالَةَ وَالنَّبُوَّةَ قَدْ انْقَطَعَتْ فَلَا رَسُولَ بَعْدِي وَلَا نَبِيَّ، فَشَقَّ ذَلِكَ عَلَى النَّاسِ، فَقَالَ لَكِنَّ الْمُبَشِّرَاتُ، فَقَالُوا يَا رَسُولَ اللَّهِ وَمَا الْمُبَشِّرَاتُ؟ قَالَ رُؤْيَا الْمُسْلِمِ وَهِيَ جُزْءٌ مِنْ أَجْزَاءِ النَّبُوَّةِ - (رواه الترمذی وصحہ فی ابواب الروایا باب ذہبت النبوة ولبقیت المبشرات جزء ۲ ص ۱۲۹)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”رسالت اور نبوت (دونوں) منقطع ہو گئیں لہذا میرے بعد نہ کوئی رسول ہوگا اور نہ نبی“ یہ چیز لوگوں پر شاق گذری تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”لیکن مبشرات (باقی ہیں)“ صحابہ نے پوچھا: اے اللہ کے رسول، مبشرات کیا ہوتے ہیں؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”مسلم کا خواب اور وہ نبوت کے اجزاء میں سے ایک جزء ہے۔“

حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں :-

سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ لَمْ يَبْقَ مِنَ النَّبُوَّةِ إِلَّا الْمُبَشِّرَاتُ؟ قَالُوا وَمَا الْمُبَشِّرَاتُ؟

میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا ہے: ”نبوت میں سے کچھ باقی نہیں رہا سوائے مبشرات کے۔“ صحابہ نے پوچھا: مبشرات کیا ہوتے ہیں؟

قَالَ الرَّوُّيَا الصَّالِحَةُ (صحيح بخاری رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:  
 کتاب التَّعْبِيرِ باب المَبَشَرَاتِ جُزْءٌ ۹ ص ۹۹) "نیک خواب"

حضرت عبداللہ ابن عباسؓ کہتے ہیں :-

كَشَفَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ السِّتَارَةَ وَالنَّاسُ صُفُوفٌ خَلْفَ أَبِي بَكْرٍ فَقَالَ أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّهُ لَمْ يَبْقَ مِنْ مَبَشَرَاتِ النَّبُوَّةِ إِلَّا الرَّوُّيَا الصَّالِحَةُ يَرَاهَا الْمُسْلِمُ أَوْ تَرَى لَهُ (صحيح مسلم کتاب الصَّلَاةِ باب النُّهْيِ عَنْ قِرَاءَةِ الْقُرْآنِ فِي الرُّكُوعِ وَالسُّجُودِ جُزْءٌ ۱ ص ۱۹۹)  
 رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (اپنی وفات کے دن) پردہ کھولا، (اُس وقت) لوگ ابوبکرؓ کے پیچھے صفیں (بنائے ہوئے کھڑے) تھے۔ آپ نے فرمایا: اے لوگو، نبوت کی بشارتوں میں سے کچھ باقی نہیں رہا سوائے نیک خواب کے جس کو مسلم (خود) دیکھے یا اس کے لئے (کسی دوسرے کو) دکھایا جائے۔

نوٹ :- اس مضمون کی اور بھی کئی احادیث ہیں، ہم بخوفِ طوالت ان سب کو نقل نہیں کر رہے۔

اوپر ترمذی کے حوالہ سے یہ گزر چکا ہے کہ نیک خواب نبوت کے اجزاء میں سے ایک جزر ہے۔ مندرجہ ذیل حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ نبوت کے ۴۶ اجزاء ہیں، ان ۴۶ اجزاء میں سے ایک جز ۶ نیک خواب ہے :-  
 رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں :-

الرَّوُّيَا الصَّالِحَةُ جُزْءٌ مِّنْ سِتَّةٍ وَأَرْبَعِينَ جُزْأً مِّنَ النَّبُوَّةِ (صحيح بخاری کتاب التَّعْبِيرِ باب الرويَا الصالِحَة جُزْءٌ مِّنْ سِتَّةٍ  
 نیک خواب نبوت کے ۴۶ اجزاء میں سے ایک جز ہے۔

واربعین جزءاً من النبوة جزء ۹ ص ۳۹

و صحیح مسلم کتاب الروایا جزور ۲ ص ۳۶

(نوٹ :- اس مضمون کی بھی کئی احادیث ہیں ہم بخوف طوالت ان کو نقل نہیں کر رہے)۔

مندرجہ بالا احادیث سے مندرجہ ذیل باتیں ثابت ہوئیں :-

① رسالت اور نبوت دونوں منقطع ہو گئیں لہذا اب نہ کوئی رسول بنایا جائے گا اور نہ نبی۔ رسالت اور نبوت جن کو ملنی تھی مل گئی اب نہ کسی کو رسالت مل سکتی ہے اور نہ نبوت۔

② نبوت کے ۴۶ اجزاء ہیں۔

③ نبوت کے اجزاء میں سے کچھ باقی نہیں رہا سوائے نیک خواب کے۔

④ نیک خواب نبوت کے ۴۶ اجزاء میں سے ایک جزو ہے۔

⑤ نبی وہ ہوتا ہے جس کو نبوت کے پورے ۴۶ اجزاء دئے جائیں۔

⑥ نیک خواب ہر مسلم دیکھ سکتا ہے یا اس کے لئے کسی دوسرے کو دکھایا جاسکتا ہے۔

مندرجہ بالا حقائق سے ظاہر ہوا کہ اب نبوت میں سے کسی مسلم کو کچھ مل سکتا ہے تو وہ نیک خواب ہے اور کیونکہ نیک خواب نبوت کے ۴۶ اجزاء میں سے ایک جزو ہے لہذا محض ایک جزو کے مل جانے سے کوئی شخص نبی نہیں بن سکتا۔

یہ ایک بدیہی امر ہے کہ جزو کو کل نہیں کہہ سکتے لہذا اگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے کسی کو نیک خواب دکھائے جائیں تو اسے نبی نہیں کہہ سکتے۔ قادیانی علماء ”خاتم النبیین“ اور ”لَا نَبِيَّ بَعْدِي“ کی تو من مانی



تاویل کر جاتے ہیں لیکن وہ آج تک اس سوال کا جواب نہیں دے سکے کہ :-

**کیا جزر کو کل کہہ سکتے ہیں ؟**

ختم نبوت کے مزید دلائل | رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں :-

① خَتَمَ بِي النَّبِيُّونَ مجھ پر نبی ختم کر دئے گئے۔

(صحیح مسلم کتاب المساجد ومواضع الصلوة)

(جزر اول ص ۲۱۳)

حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :-

② مَثَلِي وَمَثَلُ الْأَنْبِيَاءِ  
كَرَجُلٍ بَنَى دَارًا فَأَكْمَلَهَا  
وَاحْتَسَمَهَا (وَفِي رِوَايَةٍ لِمُسْلِمٍ  
فَأَتَمَّهَا) إِلَّا مَوْضِعَ لَبَنَةٍ فَجَعَلَ  
النَّاسُ يَدْخُلُونَهَا يَتَعَجَّبُونَ  
وَيَقُولُونَ لَوْلَا مَوْضِعُ اللَّبَنَةِ  
(وَفِي رِوَايَةٍ لِمُسْلِمٍ فَأَنَا مَوْضِعُ  
اللَّبَنَةِ جِئْتُ فَخَتَمْتُ الْأَنْبِيَاءِ)  
(صحیح بخاری کتاب بدء الخلق باب  
خاتم النبیین جزء ۴ ص ۲۲۶ و صحیح مسلم  
کتاب الفضائل باب ذکر کونہ صلی اللہ  
علیہ وسلم خاتم النبیین جزء ۲ ص ۲۱۶)

میری اور انبیاء کی مثال ایسی ہے  
جیسے ایک شخص نے ایک گھر بنایا،  
پھر اس کو کامل کیا اور خوبصورت  
بنایا مگر ایک اینٹ کی جگہ (چھوڑ  
دی)۔ لوگ اس گھر میں داخل ہوتے  
اور (اس کی خوبصورتی کو دیکھ کر تعجب  
کرتے اور کہتے اس اینٹ کی جگہ کیوں  
نہ (پُر کی گئی) تو (سنو) اس اینٹ کی  
جگہ (کو میں نے پُر کیا)، میں آیا اور  
(تمام) انبیاء ختم کر دئے گئے۔

③ حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :-

إِنَّ مَثَلِي وَمَثَلُ الْأَنْبِيَاءِ  
مِثْلِي وَمِثْلُ الْأَنْبِيَاءِ  
مِثْلِي وَمِثْلُ الْأَنْبِيَاءِ  
مِثْلِي وَمِثْلُ الْأَنْبِيَاءِ

مِنْ قَبْلِي كَمَثَلِ رَجُلٍ بَنَى  
بَيْتًا فَأَحْسَنَهُ وَأَجْمَلَهُ إِلَّا  
مَوْضِعَ لَبِنَةٍ مِنْ زَاوِيَةٍ  
فَجَعَلَ النَّاسُ يَطُوفُونَ بِهِ  
وَيُعْجَبُونَ لَهُ وَيَقُولُونَ  
هَلَّا وَضَعْتَ هَذِهِ اللَّبِنَةَ  
قَالَ فَإِنَّا اللَّبِنَةُ وَأَنَا خَاتِمُ  
النَّبِيِّينَ (وَفِي رِوَايَةٍ لِمُسْلِمٍ  
فَيَقُولُونَ أَرَأَوْا وَضَعْتَ هَهُنَا  
لَبِنَةً فَيَتِمُّ بُنْيَانُكَ فَقَالَ  
مُحَمَّدٌ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ  
فَكُنْتُ أَنَا اللَّبِنَةُ) (مجمع بخاری  
کتاب بدء الخلق باب خاتم النبیین ۲۲۶  
و صحیح مسلم کتاب الفضائل باب ذکر کونہ صلی  
اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین جزء ۲ ص ۳۱۵)۔

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قصر  
نبوت کی آخری اینٹ ہیں۔ آخری اینٹ کے بعد عمارت کی تکمیل ہو گئی  
اب کوئی اور اینٹ اس عمارت میں نہیں لگائی جاسکتی۔ جتنے نبی اللہ تعالیٰ  
کو بنانے تھے وہ سب بن چکے۔ اب کوئی نیا نبی نہیں بنایا جائے گا۔  
(نوٹ :- قصر نبوت کی تکمیل کے سلسلہ میں اور بھی حدیثیں ہیں  
جن کو بخوف طوالت نقل نہیں کیا گیا)۔

کی مثال ایسی ہے جیسے ایک شخص نے  
ایک گھر بنایا، پھر اُسے بہت اچھا  
اور بہت خوبصورت بنایا مگر ایک  
کونہ میں ایک اینٹ کی جگہ (بچھوڑ  
دی)۔ لوگ اس (گھر) کا چکر لگاتے  
اور اُسے بہت پسند کرتے اور کہتے  
یہ اینٹ کیوں نہ رکھی گئی (پھر انہوں  
نے بنانے والے سے پوچھا) تم نے  
یہاں اینٹ کیوں نہ رکھی تاکہ تمہاری  
عمارت پوری ہو جاتی، محمد صلی اللہ  
علیہ وسلم نے فرمایا: وہ اینٹ میں  
ہی ہوں اور میں ہی نبیوں کا ختم کرنے  
والا ہوں۔

ختم نبوت اور مولوی قاسم صاحب نانوتوی | مولوی محمد قاسم صاحب  
نانوتوی بانی دارالعلوم دیوبند نے ختم نبوت کی عجیب و غریب تشریح  
کی ہے جس نے ختم نبوت کی حیثیت ہی کو ختم کر دیا۔ وہ لکھتے ہیں :-  
" بالفرض آپ کے زمانہ میں بھی کہیں اور کوئی نبی ہو جب بھی  
آپ کا خاتم ہونا بدستور باقی رہتا ہے۔ "

(تحدیر الناس مصنفہ مولوی محمد قاسم صاحب ص ۱۸ سطور ۳ و ۴)  
دارالعلوم دیوبند کے بانی ایک اور جگہ تحریر فرماتے ہیں :-  
" اگر بالفرض بعد زمانہ نبوی صلعم بھی کوئی نبی پیدا ہو تو پھر  
بھی خاتمیت محمدی میں کچھ فرق نہ آئے گا۔ "

(تحدیر الناس ص ۳۲ سطور ۴ و ۵)

اگرچہ مولوی قاسم صاحب نانوتوی اور دیوبندیوں کا عقیدہ ہے  
کہ اب کوئی شخص نبی نہیں بنایا جائے گا لیکن مولوی محمد قاسم صاحب  
کی مندرجہ بالا تحریرات نے ختم نبوت کی رکاوٹ کو تو ختم کر دیا۔ اب اگر  
کوئی شخص نبوت کا دعویٰ کرے تو مولوی قاسم صاحب کے نزدیک  
ختم نبوت اس کے لئے رکاوٹ کا باعث نہیں ہوگی گویا مولوی قاسم  
صاحب نے دجالوں اور کذابوں کے لئے نبوت کا دروازہ کھول دیا  
اور غلام احمد قادیانی اور اس کے متبعین کے ہاتھ میں ایک دفائی  
ہتھیار دے دیا۔

نتیجہ | محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی شخص رسول یا  
نبی نہیں بن سکتا یعنی اب اللہ تعالیٰ کی طرف سے کسی کو رسول  
یا نبی نہیں بنایا جائے گا۔ رسالت اور نبوت دونوں منقطع ہو گئیں ،  
اب اللہ تعالیٰ کی طرف سے نہ کسی کو رسالت مل سکتی ہے اور نہ نبوت۔



جو شخص محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نبوت کا دعویٰ کرے وہ دجال اور کافر ہے۔ غلام قادیانی نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ کے بعد نبوت کا دعویٰ کیا وہ یقیناً جھوٹا اور کافر تھا، اب اس کے متبعین مختلف روپ میں آکر ایمان پر ڈاکہ ڈالنے کی کوشش کرتے رہتے ہیں۔ قارئین کرام ان کے فتنے سے ہوشیار رہیں۔

**انتباہ** عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام جو آسمان پر زندہ اٹھائے گئے تھے قیامت کے قریب حکم الہی دوبارہ تشریف لائیں گے لیکن ان کو از سر نو رسالت یا نبوت نہیں ملے گی۔ ان کو رسالت اور نبوت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے ملی تھی وہ اُسی رسالت اور نبوت کے ساتھ تشریف لائیں گے۔

# ترکِ سنت گناہ ہے

(سلسلہ اشاعت ۵۲، ۵۳، ۵۴، ۵۶، ۵۷، ۵۸ د)

بعض لوگوں کا یہ عقیدہ ہے کہ ترکِ سنت گناہ نہیں، یہ عقیدہ اتنا گمراہ کن ہے کہ اسلام کے تمام ضابطے اور آداب کا عدم ہو کر رہ گئے ہیں، اس عقیدہ کی بنیاد پر سنتیں چھوڑی جا رہی ہیں اور علی الاعلان یہ کہہ کر ان کا استخفاف کیا جا رہا ہے کہ "سنت ہی تو ہے، فرض تو نہیں" لہذا ضروری ہے کہ اس باطل عقیدہ کے خلاف جدوجہد کی جائے۔

جماعت المسلمین کا نام بھی وہی ہے جو اللہ تعالیٰ نے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رکھا تھا، جس کا دین بھی وہی دین اسلام ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے مسلمین کے لئے پسند فرمایا تھا لہذا جماعت المسلمین کب اس بات کو گوارا کر سکتی ہے کہ یہ غلط اور باطل عقیدہ قائم رہے، جماعت المسلمین نے اپنے اجتماعات میں بھی اس باطل عقیدہ کے خلاف بہت کچھ کہا اور اب اس کتابچہ کے ذریعہ اس کا بطلان کر رہی ہے۔ ذیل میں اس عقیدہ کے بطلان کے دلائل دئے جا رہے ہیں۔ قارئین کرام سے گزارش ہے کہ وہ ان دلائل کی روشنی میں غور فرمائیں کہ یہ عقیدہ کہ "ترکِ سنت گناہ نہیں" کتنا گمراہ کن ہے۔

## ① پہلی دلیل

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :-

(اے ایمان والو! تمہارے لئے اللہ کے رسول کی سیرت میں بہترین نمونہ ہے (یعنی تم میں سے ہر) اس شخص کے لئے جو اللہ (سے ملنے) اور روزِ قیامت (کے آنے) کی امید رکھتا ہو اور اللہ کا ذکر کثرت سے کرتا ہو (سیرت رسول میں بہترین نمونہ ہے)۔

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ  
أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَن كَانَ يَرْجُوا اللَّهَ  
وَالْيَوْمَ الْآخِرَ وَذَكَرَ اللَّهَ كَثِيرًا (احزاب)

اس آیت سے ثابت ہوا کہ

۱۔ سنتِ رسولؐ بہترین نمونہ زندگی ہے۔

۲۔ اللہ تعالیٰ اور یومِ آخرت پر ایمان لانے کا تقاضا یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت پر عمل کیا جائے، جو لوگ سنت پر عمل نہیں کرتے ان کا اللہ تعالیٰ اور قیامت پر ایمان صحیح نہیں۔ وہ تقاضا ہی کیا ہوا جس کا پورا کرنا ضروری نہ ہو۔

۳۔ کثرت سے اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنے والوں کے لئے بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت میں بہترین نمونہ ہے، اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنے والوں کو چاہیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے مطابق ہی اللہ تعالیٰ کا ذکر کریں۔

اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوہ حسنہ کے مطابق زندگی گزارنا ضروری نہیں تو پھر اس اسوہ حسنہ کا مقصد کیا ہے؟ اللہ تعالیٰ کا کوئی کام بے مقصد نہیں ہوتا لہذا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوہ حسنہ کو نمونہ بنانے کا مقصد ہی یہی ہے کہ اس کے مطابق عمل کیا جائے، اس کی خلاف ورزی نہ کی جائے۔

## ② دوسری دلیل

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :-

وَرَحْمَتِي وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ ۚ  
فَسَاكِنُهَا الَّذِينَ يَتَّقُونَ وَيُؤْتُونَ  
الزَّكَاةَ وَالَّذِينَ هُمْ بِآيَاتِنَا  
يُؤْمِنُونَ ۝ الَّذِينَ يَتَّبِعُونَ الرَّسُولَ  
مِثْلَ مَا هُوَ ۚ

(اعراف ۱۵۶-۱۵۷)

آیات بالا سے ثابت ہوا کہ اللہ کی وسیع رحمت بھی رسولؐ کی پیروی پر موقوف ہے۔ اگر اتباعِ رسولؐ نہیں تو رحمت کی امید خوش فہمی کے سوا اور کچھ نہیں۔ یہ آیت عام ہے اور ہر سنت کو شامل ہے۔ کسی آیت سے یہ بات ثابت نہیں ہوتی کہ صرف فرائض میں اتباعِ رسولؐ لازمی ہے۔ کیونکہ جو چیز ویسے ہی فرض ہو اُس میں اتباعِ رسولؐ کی شرط کیسے لگائی جاسکتی

۶۔

## ③ تیسری دلیل



اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :-

وَاتَّبِعُوا لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ (اعراف) رسول کی پیروی کرو تاکہ تمہیں ہدایت نصیب ہو۔  
یہاں بھی اللہ تعالیٰ نے اتباع رسول کو ہدایت کا ذریعہ بنایا۔ اب جو شخص بھی ہدایت کا طالب ہو اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کرنی چاہیے۔

اتباع، قدم بہ قدم چلنے کو کہتے ہیں لہذا تمام افعال رسول کی پیروی لازمی ہے۔ جب بغیر سنت پر عمل کئے ہدایت مل نہیں سکتی تو پھر ترک سنت کے گناہ ہونے میں کیا شبہ رہ جاتا ہے۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کا حکم دیا ہے اور اللہ تعالیٰ کا حکم فرض ہوتا ہے لہذا اللہ تعالیٰ کے اس حکم کی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کی پیروی فرض ہوگئی اور جو چیز فرض ہو اس کا ترک گناہ نہیں تو ادر کیا ہوگا۔

لازمی چیزوں کی دو قسمیں ہیں :-

۱۔ ایک تو وہ جو اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے براہ راست لازمی ہو۔

۲۔ دوسری وہ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کے واسطے سے لازمی ہو۔ پہلی قسم کو اصطلاحاً فرض کہتے ہیں، دوسری کو اصطلاحاً سنت کہتے ہیں۔ لازمی دونوں ہیں۔ یہ عقیدہ غلط ہے کہ پہلی قسم تو لازمی ہے اور دوسری قسم اختیاری۔ جب دونوں کا حکم اللہ تعالیٰ نے دیا ہے تو دونوں ہی لازمی ہوتیں۔ ایک کو لازمی کہنا اور دوسری کو اختیاری کہنا صحیح نہیں۔ اگر دوسری قسم لازمی نہیں تو اس کے معنی یہ ہوں گے کہ اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل لازمی نہیں اور یہ عقیدہ قطعاً غلط ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے سنت کی پیروی کا حکم دیا ہے لہذا سنت کی پیروی لازمی اور شرط ہدایت ہے۔

### ② چوتھی دلیل

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :-

فَلْيَحْذَرِ الَّذِينَ يُخَالِفُونَ عَنْ أَمْرِهِ أَنْ تُصِيبَهُمْ فِتْنَةٌ أَوْ يُصِيبَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ (سورہ نور)  
جو لوگ رسول کے امر کی خلاف ورزی کرتے ہیں انہیں ڈرنا چاہیے کہ کہیں وہ کسی فتنہ میں مبتلا نہ ہو جائیں یا کسی دردناک عذاب میں گرفتار نہ ہو جائیں۔

سنت اشاعت

امرا ایک جامع لفظ ہے جس کے معنی حکم کے بھی ہیں اور کام (یعنی فعل) کے بھی۔  
لہذا آیت بالا کا مطلب یہ ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم اور فعل کی خلاف ورزی  
کرنا دردناک عذاب کو دعوت دینا ہے۔ یعنی نہ صرف حکیم رسول بلکہ سنت رسول کی خلاف  
ورزی باعث عذاب ہے۔

## ⑤ پانچویں دلیل

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :-

قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ  
فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللَّهُ (آل عمران)  
اے رسول کہہ دیجئے کہ اگر تم اللہ سے محبت کرتے  
تو اللہ تم سے محبت کرے گا۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ سے محبت کرنے کا تقاضا رسول اللہ صلی  
اللہ علیہ وسلم کی پیروی ہے اور اللہ تعالیٰ سے محبت کرنا شرط ایمان ہے۔ اللہ تعالیٰ  
فرماتا ہے :-

وَالَّذِينَ آمَنُوا أَشَدُّ حُبًّا لِلَّهِ (بقرہ)  
ایمان والے اللہ سے بڑی شدت کے ساتھ محبت  
کرتے ہیں۔

اب اگر کوئی شخص ایمان کا دعویٰ کرے اور اللہ سے شدید محبت نہ کرے تو وہ  
اپنے دعویٰ میں جھوٹا ہے۔ اس کا دعویٰ ایمان فریب نفس سے زیادہ وقعت نہیں  
رکھتا۔ ایمان اور حب الہی لازم و ملزوم ہیں۔ حب الہی کے لئے جو چیز لازمی ہے وہ ہے  
اتباع رسولؐ، گویا ایمان کی شرط حب الہی ہے اور حب الہی کی شرط اتباع رسولؐ ہے۔ گویا  
بغیر اتباع رسولؐ حب الہی کا وجود ممکن نہیں ہے اور بغیر حب الہی کے ایمان کی کوئی حیثیت  
نہیں۔ نتیجہ ظاہر ہے کہ اتباع رسولؐ شرط ایمان ہے۔ اللہ کسی بندے سے اُس وقت  
تک محبت نہیں کرتا جب تک وہ اتباع رسولؐ نہ کرے اور جب تک اللہ محبت نہ  
کرے نجات ناممکن ہے۔ لہذا نجات کا دار و مدار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی  
پر ہے۔ یعنی سنت پر عمل کرنے ہی سے نجات مل سکتی ہے ورنہ نہیں اور جس چیز پر  
نجات کا انحصار ہو وہ چیز لازمی نہیں ہوگی تو اور کیا ہوگی اور جو چیز لازمی ہوگی اس  
کا ترک گناہ نہیں ہوگا تو اور کیا ہوگا۔

## ۶ چھٹی دلیل

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :-  
 وَاتَّبِعُونِ هَذَا صِرَاطٌ (الزخرف - ۶۱) میری پیروی کرو، یہی  
 سیدھا راستہ ہے۔  
 اس آیت سے معلوم ہوا کہ اتباعِ سنت ہی سیدھا راستہ ہے۔ سنت چھوڑ  
 کر کوئی شخص کس طرح سیدھے راستے پر رہ سکتا ہے اور سیدھے راستہ کو چھوڑنا  
 یقیناً گناہ ہے لہذا ترکِ سنت یقیناً گناہ ہے۔

## ۷ ساتویں دلیل

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں :-  
 مَنْ رَغِبَ عَنْ سُنَّتِي (صحیح بخاری و صحیح مسلم) جو شخص میری سنت سے موڑے اور اسے چھوڑ دے  
 فَلَيْسَ مِنِّي (نوٹ :- رَغِبَ عَنْهُ = اعرض عنه و ترکہ (المنجد) اعرض عنه و  
 لم یرده و زهد فیہ و ترکہ (محیط المحيط) {  
 آپؐ نے یہ بات اُس وقت فرمائی تھی جب تین آدمیوں میں سے دو نے  
 سنت سے کچھ زیادہ کام کرنے کا ارادہ کیا تھا اور ایک آدمی نے نکاح کی سنت  
 کو ترک کرنے کا ارادہ کیا تھا۔ اُن کو سنت سے نفرت نہیں تھی بلکہ صرف اس لئے  
 انہوں نے سنت کو ترک کرنا چاہا تھا کہ کچھ زیادہ عمل کر کے نجات کے لئے ماہِ ہموار  
 کریں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی نیک نیتی کے باوجود انہیں ترکِ  
 سنت کی اجازت نہیں دی اور مذکورہ بالا سخت الفاظ میں انہیں تنبیہ کی۔ اس  
 حدیث سے ثابت ہوا کہ نہ سنت سے زائد کوئی کام کرنا چاہیے نہ سنت سے  
 کم اور جو شخص ایسا کرے اُس کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی تعلق نہیں۔  
 کیا اب بھی یہ کہا جاسکتا ہے کہ ترکِ سنت جائز ہے۔

## ۸ آٹھویں دلیل

إِنْ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بعض کام چھوڑ دیا



عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَيْدُ الْعَمَلِ وَهُوَ مُحِبُّ  
 أَنْ يَعْمَلَ بِخَشْيَةٍ أَنْ يَعْمَلَ بِهِ  
 النَّاسُ فَيُفْرَضَ عَلَيْهِمْ (صحیح بخاری) گئے پھر وہ اُن پر فرض ہو جائے گا۔

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کسی عمل کو  
 چھوڑنے کا مقصد یہ ہوتا تھا کہ وہ عمل امت پر لازمی نہ ہو جائے اور یہ چیز بھی  
 اس حدیث سے ثابت ہوئی کہ کسی عمل کو آپ کا ہمیشہ کرنا اس کے لازمی ہونے کی  
 دلیل ہے۔ اگر آپ اس کو لازمی کرنا نہ چاہتے تو اس کو کبھی کبھی چھوڑ دیتے تھے،  
 لہذا جس سنت کو آپ نے کبھی نہیں چھوڑا وہ لازمی ہے، اس کا ترک جائز نہیں۔

### ⑨ نویں دلیل

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین رات نماز تراویح باجماعت ادا کی۔  
 چوتھی رات کو بھی صحابہ کرام مسجد میں جمع ہو گئے لیکن آپ باہر تشریف نہیں لئے۔  
 صبح کو آپ نے فرمایا :-

إِنَّهُ لَمْ يَخَفْ عَلَى مَكَانِكُمْ  
 وَلَكِنِّي خَشِيتُ أَنْ تَعْتَرِضَ عَلَيْكُمْ  
 فَتَعْجِزُوا عَنْهَا (صحیح بخاری) مجھ پر تمہارا یہاں جمع ہونا پوشیدہ نہیں تھا لیکن  
 میں نے اس لئے نماز نہ پڑھائی کہ مجھے یہ اندیشہ  
 ہوا کہ کہیں یہ نماز تم پر فرض نہ ہو جائے اور پھر  
 تم اس کی ادائیگی سے عاجز و در ماندہ ہو جاؤ۔

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ اگر نماز تراویح باجماعت آپ مسلسل ادا کرتے  
 رہتے تو تراویح باجماعت فرض ہو جاتی۔ تین رات پڑھانے کے بعد چھوڑ دینے کی وجہ یہی  
 ہے جو آٹھویں دلیل کے ضمن میں اوپر بیان ہوئی ہے، لہذا ثابت ہوا کہ وہ سنت جو  
 آپ نے کبھی نہیں چھوڑی لازمی ہے اور اس کا ترک جائز نہیں۔

### ⑩ دسویں دلیل

عصر کے بعد کی دو رکعتوں کے متعلق حضرت عائشہ صدیقہ فرماتی ہیں :-  
 كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ  
 يَصَلِيَهُمَا وَلَا يُصَلِّيَهُمَا فِي الْمَسْجِدِ  
 اس دو رکعتیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پڑھا  
 کرتے تھے لیکن ان کو مسجد میں کبھی نہیں پڑھتے تھے  
 اس ڈر سے کہ کہیں امت پر بوجھ نہ ہو جائے اور

سَلَامٌ عَلَيْكُمْ

يُحِبُّ مَا يَخَفُّ عَنْهُ (صحیح بخاری) آپ اپنی امت پر تخفیف کو پسند کرتے تھے۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جس عمل کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پوشیدہ طور پر کریں، امت پر اس کو ظاہر نہ کریں تو وہ عمل لازمی نہیں ہوتا اور بوجھ نہیں بنتا لیکن جس عمل کو ظاہر کریں تو اس کا مقصد یہ ہو گا کہ آپ نے امت پر اس کو لازم کرنا چاہا۔

اس حدیث اور اس سے پہلے کی حدیث سے ثابت ہوا کہ فرض نماز کے پہلے اور بعد میں جو سنتیں پڑھی جاتی ہیں جن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ظاہر بھی کیا اور ترک بھی نہیں کیا لازمی ہیں۔ ان کا درجہ نفل جیسا نہیں کہ چاہے پڑھو چاہے چھوڑ دو۔ مندرجہ بالا احادیث کا خلاصہ یہ ہوا کہ جس عمل کو آپ ظاہر کریں اور ہمیشہ کریں وہ لازمی ہے۔ اُس کا ترک جائز نہیں ترک کرنے والے کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی تعلق باقی نہیں رہتا۔

## ① گیارہویں دلیل

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :-

صَلُّوا قَبْلَ صَلَاةِ الْمَغْرِبِ صَلُّوا قَبْلَ صَلَاةِ الْمَغْرِبِ صَلُّوا قَبْلَ صَلَاةِ الْمَغْرِبِ  
نمازِ مغرب سے پہلے نماز پڑھو۔ نمازِ مغرب سے پہلے نماز پڑھو۔ نمازِ مغرب سے پہلے نماز پڑھو۔

تین دفعہ یہ جملہ فرمانے کے بعد آپ نے ارشاد فرمایا :-

لِمَنْ شَاءَ كَوْنًا هَيْئَةً أَنْ يَتَّخِذَهَا جَوْشَخَصٌ يَرْحَلُ بِهَا، اس بات کو ناپسند  
النَّاسُ سُنَّةٌ (صحیح بخاری) کرتے ہوئے کہ لوگ اس کو سنت بنالیں۔

حدیث بالا سے دو نتیجے برآمد ہوئے :-

- ۱۔ آپ نے نمازِ مغرب سے پہلے نماز کا حکم دیا۔ کیونکہ حکم رسول فرض ہوتا ہے لہذا آپ نے اس کی فرضیت کو ختم کرنے کے لئے یہ فرمایا کہ ”جو چاہے پڑھ لے“ اگر آپ یہ الفاظ نہ فرماتے تو اس کا پڑھنا فرض ہوتا۔ اس جملہ نے اس کے وجوب کو ساقط کر دیا اور اب مغرب کے فرض سے پہلے دو رکعت پڑھنا محض مستحب رہ گیا لازمی نہیں رہا۔
- ۲۔ حدیث مذکور کے آخری جملہ سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ اگر آپ ”جو چاہے پڑھ لے“ نہ فرماتے تو لوگ اس کو سنت سمجھ لیتے۔

ان دونوں نتیجوں کا خلاصہ یہ ہوا کہ جس چیز کو نتیجہ اول میں لازمی کہا گیا ہے

اسی کو نتیجہ ۱ میں سنت سے تعبیر کیا گیا ہے۔ یعنی سنت لازمی چیز ہے اور ہر لازمی چیز کا ترک کرنا گناہ ہوتا ہے۔

قارئین کرام غور فرمائیں کہ اگر سنت کے معنی یہی ہوتے جو آجکل لئے جا رہے ہیں یعنی وہ فعل جس کا کرنا اچھا اور ترک کرنا گناہ نہیں تو پھر سنت کے مقام سے ہٹنے کے لئے ”جو چاہے پڑھ لے“ کہنے کی کیا ضرورت تھی۔ نتیجہ ظاہر ہے کہ سنت کا مفہوم عہد رسالت میں کچھ اور تھا اور اب کچھ اور ہے۔

### (۱۲) بارہویں دلیل

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔

سِتَّةٌ لَّعْنَتْهُمْ، لَعْنَهُمُ اللَّهُ وَكُلُّ نَبِيٍّ مُّجَابٍّ، الْمُكَذِّبُ بِقَدَرِ اللَّهِ ..... وَالتَّارِكُ لِسُنَّتِي۔

چھ آدمی ایسے ہیں جن پر میں نے بھی لعنت کی ہے اور اللہ نے بھی لعنت کی ہے اور ہر نبی مستجاب الدعوات ہوتا ہے۔ (وہ چھ آدمی ہیں)

(رداء الحاکم وسندہ صحیح المستدرک جزر اول (۱) اللہ کی تقدیر کا جھٹلانے والا..... ص ۲۶) (۶) اور میری سنت کا چھوڑنے والا۔

حدیث مذکور سے ثابت ہوا کہ تارک سنت ملعون ہے۔ لہذا ترک سنت گناہ ہے۔

### (۱۳) تیرھویں دلیل

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عید الاضحیٰ کے دن خطبہ میں فرمایا کہ: آج سب سے پہلا کام جس سے ہم ابتداء کریں یہ ہے کہ ہم نماز پڑھیں، پھر واپس (گھر) جائیں پھر قربانی کریں۔ اس کے بعد فرمایا۔

فَمَنْ فَعَلَ ذَلِكَ فَقَدْ أَصَابَ سُنَّتَنَا وَمَنْ ذَبَعَ قَبْلَ أَنْ يُصَلِّيَ فَإِنَّمَا هُوَ لَحْمٌ عَجَلٌ لِأَهْلِهِ لَيْسَ مِنَ النَّسِكِ فِي شَيْءٍ فَلْيَذْبَحْ أُخْرَى مَكَانَهَا

جس نے ایسا کیا اس نے ہماری سنت کو پایا اور جس نے نماز سے پہلے قربانی کر لی تو وہ صرف ایک گوشت ہے جو اس نے اپنے اہل و عیال کے لئے جلدی (حاصل) کر لیا ہے۔ قربانی میں بالکل شمار نہیں ہوگا۔ اسے اس کے بدلہ اب دوسری قربانی کرنی چاہیے۔

(صحیح بخاری)



حدیث بالا سے ثابت ہوا کہ پہلے نماز عید ادا کرنی چاہیئے پھر قربانی کرنی چاہیئے۔ ان دونوں کاموں کی یہ ترتیب سنت ہے۔ اگر اس ترتیب کا لحاظ نہیں کیا گیا تو وہ قربانی کا لغو ہے۔ اس کا کوئی فائدہ نہیں۔ یعنی ترتیب کی سنت چھوڑ دینے سے پورا فعل بیکار ہو گیا۔ اگر سنت کی پیروی لازمی نہ ہوتی تو ظاہر ہے کہ وہ فعل بیکار نہ ہوتا۔ کیونکہ اس فعل کی قبولیت کا دار و مدار ہی سنت کی پیروی پر ہے لہذا سنت کے لازمی ہونے میں کیا شبہ رہا۔

اس حدیث سے یہ بات بھی ثابت ہوئی کہ اگر کوئی کام فرض ہے تو اس کی ادائیگی کا طریقہ (یعنی سنت) بھی فرض ہے۔ اگر اس فرض کو اس طریقہ سے (یعنی سنت کے مطابق) ادا نہیں کیا تو وہ فرض ادا نہیں ہوگا۔ مثلاً اگر نماز فرض ہے تو اس کا طریقہ بھی فرض ہے۔ اس کو اسی طرح ادا کرنا ہوگا جس طرح سنت ہے۔ یہ نہیں کہ نماز تو فرض ہے لیکن اس کا طریقہ فرض نہیں جو چاہے جس طریقہ سے پڑھ لے۔

### ۱۴) چودھویں دلیل

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے دن ایک دھو سے کئی نمازیں پڑھیں۔ حضرت عمرؓ نے عرض کیا اے اللہ کے رسول! آج آپ نے ایسا کام کیا ہے جو (اس سے پہلے) آپ نے کبھی نہیں کیا۔ آپؐ نے فرمایا۔  
عَمَدًا صَنَعْتُ يَا عُمَرُ (صحیح مسلم) اے عمر میں نے قصداً ایسا کیا ہے۔  
اس حدیث سے ثابت ہوا کہ جس کام کو آپ اُمت پر لازم کرنا نہیں چاہتے تھے اُسے ہمیشہ نہیں کرتے تھے بلکہ کبھی ترک بھی کر دیا کرتے تھے اور جس کام کو لازم کرنا چاہتے تھے اسے کبھی ترک نہیں کرتے تھے، یعنی وہ فعل جس کو آپ نے ہمیشہ کیا لازمی ہے۔

### ۱۵) پندرھویں دلیل

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رمضان کے مہینہ میں فتح مکہ کے لئے روانہ ہوئے۔ آپؐ اور آپؐ کے صحابہؓ روزہ سے تھے۔ لیکن (سفر میں) روزہ رکھنے سے کافی تکلیف ہو رہی تھی۔ آپؐ سے اس کا ذکر کیا گیا۔ آپؐ نے عصر کے بعد پانی

کا ایک پیالہ منگایا، پھر اس کو بلند کیا تاکہ تمام لوگ دیکھ لیں، پھر اس کو پی لیا! اس کے بعد آپؐ سے کہا گیا کہ بعض لوگوں نے اب بھی افطار نہیں کیا۔ آپؐ نے فرمایا۔  
 اُولَئِكَ الْعَصَاةُ اُولَئِكَ الْعَصَاةُ یہ لوگ گنہگار ہیں۔ یہ لوگ گنہگار ہیں۔  
 (صحیح مسلم)

سفر میں روزہ نہ رکھنے کی اجازت ہے۔ جتنے روزے سفر میں رہ جائیں سفر ختم ہونیکے بعد انہیں رکھنا چاہیئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس اجازت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے روزہ افطار کر دیا۔ بعض صحابہؓ نے آپؐ کے اس فعل کی پیروی نہیں کی بلکہ روزہ کو جاری رکھا۔ آپؐ نے فرمایا وہ گنہگار ہیں۔ اس حدیث سے ثابت ہوا کہ جو شخص آپؐ کے کسی بھی فعل کی پیروی نہیں کرتا وہ گنہگار ہے۔ یعنی سنت لازمی چیز ہے اور ترک سنت گناہ ہے۔

### ۱۶) سولہویں دلیل

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں :-  
 مَنْ أَكَلَ طَيِّبًا وَعَمِلَ فِي سُنَّةٍ جَسَدُهُ يَكُونُ كَالْغُلَّةِ فِي سِدْرٍ مَوْضِعَهُ يَكُونُ كَالْغُلَّةِ فِي سِدْرٍ مَوْضِعَهُ  
 کیا اور جس کی ایذا رسانیوں سے لوگ محفوظ رہے وہ جنت میں داخل ہوگا۔  
 (المستدرک جز ۴ ص ۷۸)

اس حدیث میں تین باتوں کا حکم دیا گیا ہے :-

- ۱۔ حلال کھانا۔
- ۲۔ سنت پر عمل کرنا۔
- ۳۔ لوگوں کو ایذا نہ پہنچانا۔

مندرجہ بالا تینوں باتوں کا حکم یکساں ہونا ضروری ہے ورنہ لازم آئے گا کہ دولازی کاموں کے درمیان ایک نفل کام کو شامل کر دیا اور یہ بعید از عقل ہے۔

### ۱۷) سترہویں دلیل

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کھانا کھایا۔ پھر آپؐ کے پاس وضو کے لئے پانی لایا گیا۔ آپؐ نے وضو نہیں کیا اور فرمایا۔

لَوْ فَعَلْتُمْ فَعَلَّ ذَلِكَ النَّاسُ بَعْدِي      اگر میں وضو کر دوں تو پھر میرے بعد لوگوں کو بھی  
(رداء احمد عن مغیرۃ بن روادۃ ثقات۔ بلوغ ۱۵۲)      ایسا کرنا ہوگا (یعنی پھر وہ وضو ترک نہیں کر سکیں گے)  
دندہ صحیح)

اب تک ہم نے قرآن و حدیث سے سترہ دلائل دے کر یہ ثابت کیا کہ سنت کی  
پیروی لازمی ہے۔ ترک سنت جائز نہیں۔ افسوس ہے کہ ان دلائل اور ان جیسے  
اور دلائل کی موجودگی میں بعض علماء نے یہ فتویٰ کیسے دے دیا کہ ترک سنت جائز  
ہے، گناہ نہیں۔ اس فتوے کا اثر یہ ہوا کہ سنت کی اہمیت کم ہوتی چلی گئی۔ سنتوں  
پر عمل ترک ہوتا چلا گیا۔ اسلامی ضابطہ حیات عملاً مٹنا چلا گیا۔ مسلم دوسروں کے  
طرز معاشرت کو اختیار کرتے چلے گئے۔ نقالی کے جراثیم لوگوں کے رگ و ریشہ میں  
پیوست ہوتے چلے گئے اور وہ احساس کمتری کا شکار ہوتے چلے گئے۔ ایمان میں  
کمزوری پیدا ہوئی۔ اسلامی ضابطوں پر غیر اسلامی ضابطوں اور رسوم کو ترجیح دی  
جانے لگی۔ کافرانہ تہذیب سے ساز باز ہونے لگی اور وہ بالکل اس حدیث کا  
مصدق بن گئے۔

مَنْ تَشَبَّهَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ      جو شخص کسی قوم سے مشابہت کرے تو وہ انہی  
(ابوداؤد، سندہ صحیح)      میں سے ہے۔

کسی دوسری قوم کی نقالی آدمی اس وقت کرتا ہے جب اس کو اپنی چیز  
گھٹیا نظر آتی ہے۔ اس پر عمل کرتے ہوئے اسے شرم محسوس ہوتی ہے۔ ایک مسلم  
جب کسی دوسری قوم کی نقالی کرتا ہے تو گویا اس کو اسلامی چیز گھٹیا نظر آتی ہے۔ وہ  
کافرانہ رسم کو اسلامی رسم پر ترجیح دیتا ہے تو گویا عقیدہ ثناء اور عملاً غیر اسلامی چیز کو بہتر  
سمجھتا ہے اور یہ علامت کفر کی ہے۔ ایمان کی نہیں۔ مومن کی نشانی یہ ہے کہ وہ  
حدیث پاک

خیر الہدی ہدی محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سب سے بہتر طریقہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا طریقہ  
علیہ وسلم ہے (صحیح مسلم)

برایمان رکھے اور آیہ کریمہ لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ (بے شک  
تمہارے لئے رسول اللہ کی سیرت میں بہترین نمونہ ہے) پر سختی سے عمل کرے۔  
الغرض قرآن مجید اور احادیث صحیحہ کے دلائل سے یہ ثابت ہو گیا کہ سنت  
لازمی ہے اور ترک سنت گناہ ہے۔



**سُنّت اور صحابہ کرامؓ** اب ہم یہ بتانا چاہتے ہیں کہ صحابہ کرام کا سنت

دے کر ترک کر دیا کرتے تھے یا وہ سنت کو لازمی اور ترک سنت کو گناہ سمجھتے تھے۔

(۱) حضرت عائشہ صدیقہ طاہرہ مطہرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں :-

قَدْ سَنَّ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الطَّوَّافَ بَيْنَهُمَا فَلَيْسَ

صفا و مروہ کے مابین دوڑنا رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم کی سنت ہے لہذا کسی شخص کے لئے

جائز نہیں کہ وہ ان دونوں کے درمیان دوڑنے

کو ترک کر دے۔

(صحیح بخاری و صحیح مسلم)

حدیث بالا سے ثابت ہوا کہ عائشہ صدیقہؓ کے نزدیک ترک سنت جائز نہیں۔

(۲) حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں :-

لَسْتُ تَارِكًا شَيْئًا كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُعْمَلُ بِهِ إِلَّا عَمَلًا

میں کسی ایسے فعل کو چھوڑنے کے لئے تیار نہیں ہوں

جو فعل کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا کرتے

تھے بلکہ میں تو اسی عمل پر عمل کروں گا کیونکہ میں

ڈرتا ہوں کہ اگر میں آپ کے کسی فعل کو چھوڑ دوں گا

تو گمراہ ہو جاؤں گا۔

بِهِ فَإِنِّي أَخْشَى أَنْ تَرَكْتُ شَيْئًا مِنْ

أَمْرِهِ أَنْ أَرْبَحَ (صحیح بخاری)

ثابت ہوا کہ حضرت ابو بکر صدیقؓ کے نزدیک ترک سنت گمراہی ہے۔

(۳) حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں :-

أَعْمَلُ فِيهَا بِمَا عَمِلَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ..... فَوَاللَّهِ الَّذِي

میں اس معاملہ میں وہی عمل کروں گا جو رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم کرتے تھے..... اللہ کی

قسم جس کے حکم سے آسمان اور زمین قائم ہیں

میں قیامت تک اس کے علاوہ کوئی فیصلہ نہیں

کر سکتا۔

بِأَذْنِهِ تَقُومُ السَّمَاءُ وَالْأَرْضُ لَا أَقْضِي

فِيهَا قَضَاءً غَيْرَ ذَلِكَ إِلَى يَوْمِ الْقِيَمَةِ

(صحیح بخاری و صحیح مسلم)

ثابت ہوا کہ حضرت عمرؓ بھی ترک سنت کو جائز نہیں سمجھتے تھے۔

(۴) ابن مسطک کہتے ہیں میں نے حضرت عمرؓ کو زوالِ خلیفہ میں دو رکعتیں پڑھتے

ہوئے دیکھا (یعنی قصر کرتے ہوئے دیکھا) میں نے اُن سے اس کا سبب دریافت

کیا۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا :-

إِنَّمَا أَفْعَلُ كَمَا رَأَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَفْعَلُ

اس کے سوا اور کوئی بات نہیں کہ میں تو دیکھا ہی

میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کرتے دیکھا

اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَفْعَلُ (نسائی۔ سنہ صحیح) کرتا ہوں جیسا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کرتے ہوئے دیکھا ہے۔

(۵) حجر اسود کو مخاطب کرتے ہوئے حضرت عمرؓ فرماتے ہیں :-  
لَوْلَا أَنِّي رَأَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اگر میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تیرا بوسہ  
اُسْتَلَمْتُكَ مَا اسْتَلَمْتُكَ (صحیح بخاری) لیتے ہوئے نہ دیکھا ہوتا تو میں بھی تیرا بوسہ نہ لیتا۔  
گویا حضرت عمرؓ نے سنت کے مطابق بوسہ لیا۔ اگر بوسہ نہ لینا سنت ہوتا تو وہ اس سنت پر عمل کرتے۔

(۶) طوافِ کعبہ کرتے وقت تین چکروں میں دوڑا جاتا ہے۔ حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ اب اس دوڑنے سے کیا فائدہ ہے یہ تو ہم نے اس لئے کیا تھا کہ مشرکین پر اپنی قوت کا اظہار کریں اور اب مشرکین کو اللہ نے ہلاک کر دیا (اب اپنی قوت کا مظاہرہ کیا معنی رکھتا ہے) یہ کہہ کر فرمایا :-

شَيْءٌ صَنَعَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ (بہر حال) یہ ایک کام ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم  
فَلَا نَحِبُّ أَنْ نَتْرُكَهُ (صحیح بخاری) نے کیا۔ لہذا ہم اس کو چھوڑنا پسند نہیں کرتے۔  
ثابت ہوا کہ حضرت عمرؓ اس سنت کو بھی نہیں چھوڑتے تھے جس کا مقصد باقی نہ رہا ہو۔

(۷) حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں :-  
وَلَكِنْ سُنَّةٌ فَلَا تَذْعُوزُ (مداخدا) در سنت ہے لہذا اسے نہ چھوڑو۔

(۸) ایک کمینی شخص نے حجر اسود کو بوسہ دینے کے متعلق حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے سوال کیا انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کو ہاتھ لگاتے تھے اور بوسہ دیتے تھے۔ اس نے کہا اگر ہجوم زیادہ ہو جائے اور میں مغلوب ہو جاؤں (تو کیا کروں) حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے فرمایا :-

اجْعَلْ أَرَأَيْتَ بِالْيَمَنِ (صحیح بخاری) یہاں اگر مگریمین میں رکھو۔  
اس سے ثابت ہوا کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کسی عذر کی بنا پر بھی ترکِ سنت کو جائز نہیں سمجھتے تھے۔

(۹) حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں :-  
لَوْ تَرَكْتُمْ سُنَّةَ نَبِيِّكُمْ لَضَلَلْتُمْ اگر تم اپنے نبی کی سنت کو چھوڑ دو گے تو گمراہ  
(صحیح مسلم) ہو جاؤ گے۔



(۱۰) حضرت عمرؓ نے ارادہ کیا کہ کعبہ کے خزانہ میں جتنا سونا چاندی ہے سب کو تقسیم کر دیں۔ ایک شخص نے کہا آپ کے دونوں ساتھیوں (یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکرؓ) نے تو ایسا نہیں کیا۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا :-

هَذَا الْمَرْأَةُ أَقْتَدِي بِهِمَا (صحیح بخاری) ان ہی دونوں کی میں بھی پیروی کروں گا۔  
(۱۱) حضرت علیؓ، امیر المومنین حضرت عثمانؓ کے حکم کے مقابلہ میں فرماتے ہیں :-  
مَا كُنْتُ لِأَدْعَ سُنَّةَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِقَوْلِ أَحَدٍ (صحیح بخاری) سنت کو نہیں چھوڑ دوں گا۔

حضرت عثمانؓ نے اجتہادی غلطی کی بنا پر ایک خلاف سنت کام کا حکم دے دیا۔ موجودہ لوگوں کے عقیدہ کے مطابق چاہیے تو یہ تھا کہ حضرت علیؓ اس حکم کے مقابلہ میں سنت کو چھوڑ دیتے کیونکہ امیر کی اطاعت فرض ہے لیکن انہوں نے ایسا کرنے سے صاف انکار کر دیا۔ گویا حضرت علیؓ کے نزدیک سنت کی پیروی امیر کی اطاعت پر فوقیت رکھتی ہے۔

حضرت علیؓ کے اس قول پر ان لوگوں کو غور کرنا چاہیے جو شوہر یا ماں باپ یا حاکم کے کئے سے سنت چھوڑ دیتے ہیں اور دلیل یہ پیش کرتے ہیں کہ شوہر یا ماں باپ یا حاکم کی اطاعت فرض ہے لہذا فرض کے مقابلہ میں سنت ترک کر دینی چاہیے۔ کاش وہ غور کرتے کہ سنت دین ہے۔ دین میں اطاعت صرف اللہ اور رسول کی ہوتی ہے۔ شوہر یا ماں باپ یا حاکم کی اطاعت کے حدود و دائرہ دوسرے ہیں۔ دین کے معاملات میں ان کی اطاعت کوئی حیثیت نہیں رکھتی۔ اگر وہ دین کے مطابق حکم دیں یا دنیوی معاملات کے متعلق کوئی حکم دیں تو پھر ان کی اطاعت فرض ہے ورنہ ان کی اطاعت فرض تو کجا شرک فی الدین کے دائرہ میں داخل ہو جاتی ہے۔ ترک سنت گناہ ہے اور گناہ میں کسی کی اطاعت جائز نہیں۔ جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے ”اطاعت تو صرف معروف کاموں میں ہے۔“ (بخاری) خالق کی نافرمانی میں مخلوق کی اطاعت (حلال) نہیں۔ (شرح السنۃ، سندہ صحیح۔ التطبیقات للالبانی علی مشکوٰۃ، کتاب الامارۃ ۱۰۹۲)

(۱۲) حضرت کعب بن عجرہؓ مسجد میں داخل ہوئے۔ دیکھا کہ عبدالرحمن بن ام الحکم بیٹھ کر خطبہ دے رہا ہے۔ فرمایا :-

أَنْظِرُوا إِلَيَّ هَذَا الْخَبِيثُ يَخْطُبُ اس خبیث کو دیکھو کہ بیٹھ کر خطبہ دے رہا ہے



قَاعِدًا وَقَالَ اللَّهُ تَعَالَى ..... (حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہو کر خطبہ دیتے تھے) جیسا کہ اللہ نے فرمایا ہے... (صحیح مسلم)

حضرت کعب بن عجرہؓ ترک سنت دیکھ کر بیتاب ہو گئے: کیا اس سے ثابت نہیں ہوتا کہ ترک سنت جائز نہیں۔ اگر سنت کا ترک جائز ہوتا تو خفگی کا کیا موقع تھا۔ جائز کام پر خفگی نہیں ہو کرتی۔

(۱۳) حضرت عمارہ بن روہبہؓ نے بشر بن مردان کو منبر پر دونوں ہاتھ اٹھائے دیکھ کر فرمایا :-

قَبْلَهُ اللَّهُ هَاتَيْنِ الْيَدَيْنِ بِآيَةٍ . اللہ ان دونوں ہاتھوں کا بڑا کرے میں نے رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا يَزِيدُ عَلَى أَنْ يَقُولَ بَيِّدًا هَكَذَا .... رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہے کہ صرف ایک ہاتھ اٹھا کر انگشت شہادت سے اشارہ کرتے تھے۔ (صحیح مسلم)

(۱۴) حضرت عبد اللہ بن عمرؓ نے ایک شخص کو دیکھا کہ اونٹ کو بٹھا کر نحر کر رہا ہے تو فرمایا :- اِبْحَثْهَا قِيَامًا مُقَيَّدَةً سُنَّةَ مُحَمَّدٍ اس کا ایک پیر باندھ کر کھڑا کر (پھر نحر کر) یہ ہے صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔ (صحیح بخاری) محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت۔

(۱۵) حضرت حذیفہؓ نے ایک شخص کو دیکھا کہ نماز میں رکوع و سجود کو پوری طرح ادا نہیں کر رہا ہے۔ فرمایا :-

مَا صَلَّيْتُ، لَوْ مِتَّ مِتَّ عَلَى غَيْرِ سُنَّةِ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تو نے نماز نہیں پڑھی اور اگر تو اسی حالت میں مر جاتا تو تیری موت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت پر نہیں ہوتی۔ (صحیح بخاری)

غرض یہ کہ صحابہ کرامؓ سنت کو لازمی سمجھتے تھے۔ اس کے چھوڑنے کو جائز نہیں سمجھتے تھے، بلکہ ترک سنت پر سختی سے پیش آتے تھے۔ ہمارے لئے بھی سلامتی کی راہ یہی ہے کہ ہم ان کی روش پر چلیں۔ ان کے عقیدہ کے مطابق عقیدہ رکھیں! اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَالَّذِينَ اتَّبَعُوهُمْ بِإِحْسَانٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ (توبہ) جن لوگوں نے ان (مجاہدین و انصار) کی (جایان) لانے میں سبقت کرنے والے تھے (ابھی طرح سے) پیروی کی تو اللہ ان سے راضی اور وہ اللہ سے راضی ہوں گے)

اب دیکھنا یہ ہے کہ کیا ہمارا بھی وہی عقیدہ ہے جو صحابہ کرامؓ کا تھا۔ کیا ہمارا بھی وہی عمل ہے جو صحابہ کرامؓ کا تھا۔ ہرگز نہیں۔ ہمارے اور ان کے عقیدہ و عمل میں زمین و آسمان کا فرق پیدا ہو گیا۔

آئیے ہم سب مل کر سنت پر عمل کریں اور اس کے ترک کو گناہ سمجھیں جو شخص سنت چھوڑے اسے اس فعل شنیع سے باز رکھیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

## عصمتِ رسول (صلی اللہ علیہ وسلم)

سلسلہ اشاعت

عصرِ حاضر میں کچھ لوگ ایسے بھی پائے جاتے ہیں جو کہتے ہیں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم معصوم نہیں تھے بلکہ گناہگار تھے (نعوذ باللہ من ذلک) بدقسمتی سے اس قسم کے توہین آمیز دگستاخانہ کلمات ان لوگوں کی زبانوں سے نکلتے ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کلمہ بھی پڑھتے ہیں۔

بعض لوگ ایسے بھی ہیں جو کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بحران ہو گیا تھا اور کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مرتبہ بڑے بھائی کے برابر ہے۔ اس قسم کے اقوال کفر کے کلمات ہیں بلکہ کفر سے بھی بدتر ہیں۔

سیاسی اسلام جہاں بھی ہوتا ہے وہاں اس قسم کے نظریات اور کفریہ کلمات لوگوں کی زبانوں سے نکلتے رہتے ہیں اور حقیقی اسلام سے لاعلمی کی وجہ سے جو شخص جو کچھ چاہتا ہے کہہ دیتا ہے۔ کئی اس کی زبان بکرنے والا نہیں ہوتا۔

بدقسمتی سے یہ سب کچھ فہمِ قرآن مجید کے زعم میں ہو رہا ہے۔ اس سلسلہ میں سب سے بڑا اتھارن مترجمین و مفسرینِ کلمہ جنہوں نے قرآن مجید کے غلط ترجمے کئے اور یہ تک نہیں سوچا کہ لوگ خصوصاً غیر مسلمین ان ترجموں اور تفاسیر کو پڑھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں کیا رائے قائم کریں گے؟

غلطیاں بہر حال غلطیاں ہوتی ہیں خواہ وہ کسی سے بھی سرزد کیوں نہ ہوں اس سلسلہ میں سب سے زیادہ حیرت ان مصنفین و مؤلفین پر ہوتی ہے جو محض ملکی پر ملکی مارنے پر اکتفا کرتے ہیں اور غلط ترجموں کو ہی نقل کرتے رہتے ہیں جو ان کے پیش رو کرتے چلے آئے۔

انقرضِ قرآن مجید کی بعض آیات کے غلط ترجموں کے سہارے بعض لوگوں نے یہ کٹنا شروع

کر دیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم معصوم نہیں تھے بلکہ گناہگار تھے۔ انا بشر وانا الیہ راجعون۔  
ذیل میں ہم وہ آیت پیش کر رہے ہیں جس کے ترجمے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بلند  
مرتبہ و مقام اور آپ کی ذات مقدس کے شایان شان نہیں کہے گئے۔

قبل اس کے کہ ہم صحیح ترجمے پیش کریں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ پہلے ان آیات کے وہ  
ترجمے پیش کریں جن کی بنیاد پر یہ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو گناہگار کہتے ہیں۔

### آیات ربانی

إِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِينًا ۝  
لِيُغْفِرَ لَكَ اللَّهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ  
ذَنْبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ وَيُتِمَّ  
نِعْمَتَهُ عَلَيْكَ وَيَهْدِيَكَ صِرَاطًا  
مُسْتَقِيمًا ۝ وَيَنْصُرَكَ اللَّهُ نَصْرًا  
عَظِيمًا ۝ (الفتح - ۲۲۱)

### غلط ترجمہ

(اے رسول) ہم نے آپ کو کھلی فتح دی تاکہ اللہ  
آپ کے تمام اگلے پچھلے گناہوں کو معاف کر دے،  
آپ پر اپنی نعمت پوری کر دے، آپ کو سید  
راستہ پر چلا کر منزل مقصود پر پہنچائے اور آپ  
کی بڑی زور دار مدد فرمائے۔

آیت مذکورہ بالا میں خط کشیدہ عبارت کا ترجمہ قابل غور ہے۔  
عام طور پر لیغفر لک الله ما تقدّم من ذنبک وما تأخّر کا ترجمہ یہی کیلئے  
رہا ہے کہ

"تاکہ اللہ تعالیٰ آپ کے تمام گناہوں کو معاف کر دے جو پہلے ہو چکے اور جو بعد میں ہونگے۔"  
اب ترجمے خواہ اردو زبان کے ہوں یا کسی اور زبان کے بہر حال ان ترجموں سے جو کچھ  
ثابت ہوتا ہے وہ انتہائی مضحکہ خیز ہے۔

یعنی اللہ تبارک و تعالیٰ نے یہ فتح اس لئے دی ہے کہ آپ کے اگلے اور پچھلے گناہ معاف  
کر دے۔ ظاہر ہے کہ جب ذنب کے معنی گناہ کر دئے جائیں تو اس کا مفہوم بھی صاف واضح  
ہو جاتا ہے کہ استغفر اللہ من ذلک اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم آیت مذکورہ کے نزول سے  
پہلے بھی گناہ گار تھے اور بعد میں بھی گناہ کرتے رہے۔

کیا اس قسم کے ترجمے غیر شعوری طور پر نبوت پر چوٹ نہیں ہیں؟  
لیکن افسوس کہ ذنب کا ترجمہ کرتے وقت کسی کو بھی خیال نہیں آیا کہ ذنب کے معنی صرف  
گناہ ہی کے نہیں کچھ اور معنی بھی ہو سکتے ہیں۔

ذنب کے معنی کسی کے پیچھے لگ جانا پھر اس کا پیچھا نہ چھوڑنا، دُم پکڑنا، الزام لگانا  
یا ہر وہ کام جس کا انجام برا ہو وغیرہ۔

جب ذنب کے معنی گناہ کے علاوہ اور بھی ہیں تو دوسرے معنوں سے کسی ایک معنی کو چن



کر بھی ترجمے کئے جاسکتے تھے تاکہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی شان اور مرتبہ پر چوٹ نہ پڑتی۔  
بہر حال ان مترجمین اور مفسرین کو ایک مرحلے پر سخت مشکل یہ پیش آئی کہ وہ ذنب کا ترجمہ  
گناہ کرنے کے بعد یہ نہ بتا سکے کہ فتح سے گناہ کیسے معاف ہوتے ہیں؟

علی بن ایہا، ہم قتی نے اپنی تفسیر میں (جو تفسیر قتی کہلاتی ہے) اور فضل بن حسن طبری نے اپنی  
تفسیر (جو تفسیر طبری کے نام سے مشہور ہے) میں حضرت امام جعفر صادقؑ کا ایک اچھا قول نقل کیا  
ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ امام جعفر صادقؑ نے فرمایا:-

”اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ کبھی گناہ کیا اور نہ کبھی گناہ کا خیال دل میں آیا یہ تو  
آپ کے شیعوں کے گناہ ہیں جن کو بخشا گیا ہے یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متبعین کے  
گناہ معاف کئے گئے ہیں؟“

یہ دونوں مفسرین شیعہ عالم ہیں انہوں نے احترام کو ملحوظ رکھ کر امام جعفر صادقؑ کا نقل  
نقل کیا ہے۔

اسی طرح احمد رضا خان صاحب بریلوی نے بھی احترام کو ملحوظ رکھتے ہوئے امام جعفر  
صادقؑ کی روش کو اختیار کرتے ہوئے ترجمہ کیا ہے لیکن تھوڑی سی تبدیلی کے ساتھ انہوں نے آیت  
مذکورہ کا جو ترجمہ کیا ہے وہ اس طرح ہے:-

”بے شک ہم نے تمہارے لئے روشن طبع فرمادی تاکہ اللہ تمہارے سبب سے گناہ بخشے  
تمہارے انگوں کے اور تمہارے پھیلوں کے؟“

امام جعفر صادقؑ اور احمد رضا خان صاحب کے ترجموں کو دیکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ  
انہوں نے احترام اٹایا کیا ہے بہر حال دونوں ترجموں میں کچھ تحریف معنوی ضرور ہے لیکن ایک اچھے  
جذیبہ کے ساتھ۔

اس کے برعکس دوسرے مترجمین مثلاً مولوی محمود الحسن صاحب دیوبندی، ڈپٹی نذیر احمد  
صاحب دیوبند اور اشرف علی صاحب تھانوی وغیرہ نے احترام ملحوظ نہیں رکھا اور صاف صاف  
یہ ترجمہ کیا ہے آپ کے انگوے اور پھیلے گناہ معاف کر دے۔

ان لوگوں کے ترجموں سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم گناہ گار تھے معصوم  
نہیں تھے الیاذ باللہ۔

الفرح لفتح یا صلح سے گناہ کس لئے معاف ہو رہے ہیں اس کا جواب تو وہ بھی نہ دے سکے  
جنہوں نے احترام کو ملحوظ رکھ کر ترجمہ کئے ہیں اور یہ ایک ایسا معتمد تھا جسے کوئی حل نہ کر سکا۔

باادب مترجمین کے ترجموں کو تسلیم کر لیا جائے کہ اگلی اور پھیل امت کے گناہ معاف ہو گئے تو  
حیرت انگیز بات یہ سامنے آتی ہے کہ امت کے لئے گناہ کا تو کوئی وجود ہی باقی نہیں رہا۔ ظاہر ہے جب

ساری امت بخش دی گئی تو گناہ تو ایک بے حقیقت چیز بن کر رہ گیا نہ اگلا کوئی گناہ باقی رہا نہ پچھلا کوئی گناہ باقی رہا سب بخش دئے گئے تو گویا ساری امت گناہوں سے پاک و صاف ہو گئی۔  
 الغرض فتح سے گناہ کا معاف ہونا اور گناہ کا وجود بے معنی ہو جانا یہ دونوں معنی کوئی محل نہیں کر سکا۔

اس حقیقت کو ذہن میں رکھیے کہ قرآن مجید میں بہت سے الفاظ ایسے بھی ہیں جو ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ کسی لفظ کے ایک ہی معنی نہیں ہوتے بلکہ کئی کئی معنی ہوتے ہیں۔  
 مثلاً ① زَجُوْا - یہ مصدر ہے اس کے معنی امید کرنے کے بھی ہیں اور ڈرنے کے بھی ہیں۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :-  
 لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ  
 حَسَنَةٌ لِّمَن كَانَ يَرْجُوا اللَّهَ وَالْيَوْمَ  
 الْآخِرَ وَذَكَرَ اللَّهَ كَثِيرًا ۝ (احزاب - ۲۱)  
 تم لوگوں کے لئے جو اللہ سے اور قیامت کے دن سے ڈرتے ہیں اور کثرت سے اللہ کا ذکر کرتے ہیں اللہ کے رسول کی زندگی میں بہترین نمونہ ہے۔

آیت مذکورہ میں "يَرْجُوا" - زَجُوْا سے مفارغ کا صیغہ ہے اس آیت میں اس کے معنی ہیں "وہ ڈرتا ہے"۔

اگر اس کے معنی امید رکھنے کے کئے جائیں تو آیت کا ترجمہ غلط ہی نہیں بلکہ بے معنی ہو کر رہ جاتا ہے۔ اب دوسری آیت ملاحظہ فرمائیے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :-

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَالَّذِينَ هَاجَرُوا  
 وَجَاهَدُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أُولَٰئِكَ  
 يَرْجُونَ رَحْمَةً مِنَ اللَّهِ (البقرة - ۲۱۸)  
 جو لوگ ایمان لائے اور جن لوگوں نے ہجرت کی اور اللہ کے راستہ میں جہاد کرتے رہے یہ لوگ اللہ کی رحمت کی امید رکھتے ہیں۔

آپ نے غور فرمایا کہ یہاں "يَرْجُونَ" کے معنی ڈرنے کے نہیں کئے گئے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی رحمت امید کی متقاضی ہے نہ کہ ڈرنے کی۔

آپ نے دیکھا کہ ایک ہی لفظ کے دو معنی کئے گئے ہیں ایک جگہ "ڈرنا" اور دوسری جگہ "امید رکھنا"۔ حالانکہ ڈر اور امید ایک دوسرے کی ضد ہیں اور دونوں معنوں میں گہرا تضاد موجود ہے لیکن دونوں معنی شکل کے منشا اور محل کے اعتبار سے بالکل صحیح ہیں۔

مثال ②

قُلْ يَا أَيُّهَا الْكَافِرُونَ ۝ لَا أَعْبُدُ  
 مَا تَعْبُدُونَ ۝ (الکافرون - ۱)  
 کہہ دیجئے اے کافرو! میں ان کی عبادت نہیں کرتا جن کی عبادت تم کرتے ہو۔

یہاں کافروں سے مراد کون سے کافر ہیں؟

مذکورہ خطاب میں وہ لوگ مراد ہیں جنہوں نے اسلام قبول نہیں کیا۔ یعنی اس آیت میں "کافرون" کا اطلاق ان لوگوں پر ہوتا ہے جو اسلام نہیں لائے اب دوسری آیت ملاحظہ فرمائیے۔  
اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :-

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا سَوَاءٌ عَلَيْهِمْ  
ءَأَنذَرْتَهُمْ أَمْ لَمْ تُنذِرْهُمْ لَا  
يُؤْمِنُونَ ○ (البقرة - ۶)

اگر دوسری آیت میں کافروں سے مراد ہر قسم کے کافر ہیں تو پھر ماننا پڑے گا کہ یہ خبر صحیح نہیں نکلی کیونکہ قرآن مجید کی آیت ہی سے ثابت ہوتا ہے کہ بہت سے کافر ایمان لے آئے۔  
اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :-

يَدْخُلُونَ فِي دِينِ اللَّهِ أَفْوَاجًا ○ فوجوں کی فوجیں اللہ کے دین میں داخل ہو رہی ہیں۔ (سورة النصر - ۲)

آپ نے غور فرمایا یہ کیسا تضاد ہے اور کیوں ہے؟  
اللہ تعالیٰ ہی خبر دے رہا ہے کہ کافر ایمان نہیں لائیں گے اور اللہ تعالیٰ ہی خبر دے رہا ہے کہ کافر اسلام میں جوق در جوق داخل ہو رہے ہیں۔  
مذکورہ آیات ہمیں سوچنے پر مجبور کرتی ہیں کہ کفر کے معنی دونوں جگہ ایک نہیں ہو سکتے اور حقیقت بھی یہی ہے کہ کفر کے معنی انکار کے بھی ہیں اور چھپانے کے بھی ہیں۔  
پہلی آیت میں "کافرون" سے مراد عام کافر ہیں جنہوں نے سرے سے اسلام قبول نہیں کیا، دوسری آیت میں کافروں سے مراد حق پر فحش انسان ہیں۔

الفرس "إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا" سے مراد وہ لوگ ہیں جو حق کو چھپاتے ہیں، حق پر فحش کرتے ہیں؟ ہٹ دھرمی کرتے ہیں لہذا سورہ بقرہ کی آیت ۷۱ کا ترجمہ یہ ہوا "جو لوگ حق کو چھپاتے ہیں اے رسول آپ ان کو ڈرائیں یا نہ ڈرائیں وہ ایمان نہیں لائیں گے۔"

غور فرمائیے جب ایک ہی لفظ کے معنی کافر بھی ہوتے ہیں اور حق چھپانے والے کے بھی ہوتے ہیں تو پھر ان مترجمین اور مفسرین نے کیوں نہ سوچا کہ آخر "ذنب" کے کچے اور معنی بھی ہو سکتے ہیں۔

انہوں نے دوسرے معنی و مفہوم کو اختیار کیوں نہیں کیا اور "ذنب" کے معنی صرف گناہ ہی کے کیوں کئے؟ پھر خصوصاً ایسی صورت میں جبکہ معاملہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس کے احترام اور آپ کی معصومیت کا ہو، آخر احترام اور معصومیت دونوں کو کیوں



## نظر انداز کیا گیا؟

حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے بھول سے ایک ذرا سی لغزش ہو گئی۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :-

وَلَقَدْ عَهِدْنَا إِلَىٰ آدَمَ مِنْ قَبْلُ  
فَنَسِيَ (ظہ - ۱۱۵)  
ہم نے پہلے آدم سے ایک عہد لیا تھا لیکن وہ  
بھول گئے۔

یعنی حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے اللہ تعالیٰ نے جو عہد لیا تھا وہ یہ تھا کہ اس درخت کے پاس نہ جائیں لیکن وہ بھول گئے اور بھولے سے اس درخت میں سے کھایا۔ اللہ تعالیٰ نے اس بھول چوک کو بھی معاف نہیں کیا بلکہ خفگی کا اظہار کیا۔

ذرا غور کیجئے کہ آدم علیہ السلام کی بھول پر خفگی کا اظہار کیا گیا لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پچھلے اور آئندہ ہونے والے گناہ بھی معاف کئے جا رہے ہیں اور خفگی کا نام و نشان تک نہیں کیا یہ سمجھ میں آنے والی بات ہے؟

اس سلسلہ میں ایک اور مثال بھی ملاحظہ فرمائیے۔

حضرت یونس علیہ الصلوٰۃ والسلام سے حسن ظن کی بنیاد پر ایک لغزش ہوئی لیکن معاف نہیں کیا گیا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :-

فَقُلْنَا أَنْ تَنْفُذَ وَعْدَهُ  
(الانبیاء - ۸۷)  
انہیں (ہمارے معلق) یہ (حسن) ظن تھا کہ ہم  
ان کے اس طرح حکم الہی کے بغیر چلے جانے پر  
ان کی گرفت نہیں کریں گے۔

حضرت یونس علیہ الصلوٰۃ والسلام کا خیال تھا کہ میرے اس طرح چلے جانے سے اللہ تعالیٰ میری پکڑ نہیں کرے گا۔

ہوتا ایسی ہے اور یہ دستور رہا ہے کہ جب کسی قوم پر عذاب آنے والا ہوتا ہے تو اس قوم کا نبی اس بستی کو چھوڑ دیتا ہے۔

حضرت یونس علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بھی دستور کے مطابق عمل کیا لیکن ان سے لغزش صرف یہ ہوئی کہ وہ اللہ تعالیٰ کے حکم کا انتظار کئے بغیر ہی اپنا مستقر چھوڑ بیٹھے نتیجہ جو کچھ ہوا وہ سب کو معلوم ہے۔

بتائیے ایک نبی تو محض حسن ظن کی بناء پر خفگی کا مستحق ہو اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم زندگی بھر گناہ پر گناہ کرتے رہے اور کوئی گرفت نہیں کی گئی۔

ان مثالوں سے یہ حقیقت کھل کر سامنے آگئی کہ غلط ترجمے اور غلط تشریحات آیت کے معانی و مفہوم کو کیا سے کیا بنا دیتے ہیں۔

اب ذَنْبُ کے اصل اور حقیقی معنی ملاحظہ فرمائیے۔

ذنب کے معنی | ذنب کے معنی ہر وہ کام جس کا انجام برا ہو (مفردات امام راغب)

گناہ کو ذنب اسی لئے کہتے ہیں کہ اس کا انجام بُرا ہوتا ہے۔

ذنب کے دوسرے معنی : الزام لگانا ہیں۔

سب جانتے ہیں کہ الزام کا انجام بھی برا ہوتا ہے کیونکہ جس پر الزام لگایا جاتا ہے لوگ اس سے متنفر ہو جاتے ہیں اور طرح طرح کے شکوک میں مبتلا ہو کر اس کی حق بات کو سننا بھی گوارا نہیں کرتے۔

اسی طرح غُفْر کے معنی بھی غلط کئے گئے۔

غُفْر | غفر کے معنی ڈھانکنے اور چھپانے کے بھی ہیں۔ غُفْرَةُ اس سرپوش کو کہتے ہیں جو برتن کو چھپائے یا ڈھانک دے۔

غفر کے معنی بچانے کے بھی ہیں اور غفر کے معنی درست کرنا، اصلاح کرنا اور آزاد کرنے کے بھی ہیں۔

غُفَّارہ : اس کپڑے کو کہتے ہیں جو دوپٹہ کو تیل وغیرہ سے بچانے کے لئے خواتین اپنے سر پر باندھ لیتی ہیں۔

مُغْفَر : خود کو کہتے ہیں جو سر کو تلوار کے وار سے بچاتا ہے۔

اس تفصیل وضاحت کے بعد اب آیت کا صحیح ترجمہ ملاحظہ فرمائیے :-

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :-

اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِينًا ۝ لِيُغْفِرَ	(اے رسول) ہم نے آپ کو فتح مبین دی تاکہ اللہ
لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّرَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا	آپ پر لگائے گئے اگلے پچھلے تمام الزامات کی
تَاَخَّرَ وَبَيِّنَ لِنَفْسِكَ عَلَيكَ وَيُؤَدِّكَ	اصلاح فرمائے اور آپ پر اپنی نعمت پوری
صِرَاطًا مُسْتَقِيمًا ۝ وَيَنْصُرَكَ اللّٰهُ	کر دے اور آپ کو سیدھے راستے پر چلاتا
نَصْرًا عَظِيمًا ۝	ہے۔ (بے شک) اللہ آپ کی (ہر موقع پر)
	زبردست مدد کرے گا۔

مذکورہ بالا ترجمہ کے صحیح ہونے کا ایک خاص تاریخی پس منظر بھی ہے۔

کفار مکہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر استہزائیہ انداز میں اور فخر کے زعم میں طرح طرح کے الزامات لگائے تھے مثلاً

کسی نے آپ کو مجنون کہا، کسی نے شاعر کہا، کسی نے جادوگر، کسی نے مسرور (یعنی کسی نے آپ پر جادو کر دیا ہے) کسی نے کاہن کہا۔

الغرض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر اسی قبیل کے بہت سے الزامات لگائے گئے۔  
اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ صلح سے الزامات کے ازالے کا کیا تعلق ہے؟  
آپ اس حقیقت کو ذہن میں رکھیں کہ کسی پر الزامات یا اس کی برائیاں اس کی غیر حاضری میں  
بیان کی جاتی ہیں اور غیر حاضری ہی میں لوگ ان الزامات کو ایک دوسرے تک سینہ بہ سینہ پہنچاتے  
رہتے ہیں۔

کفار مکہ نے مذکورہ الزامات کو خوب شہرت دی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بدنام  
کرنے میں کوئی دقیقہ فرو گذاشت نہیں کیا۔

صلح ہوجانے کے بعد لوگ ایک دوسرے سے ملاقات کرنے لگے۔ ملاقات کے ذریعہ الزامات  
کا ازالہ ہوتا چلا گیا۔ اگلے پچھلے تمام الزامات کی صفائی ہو گئی۔ اس فتح میں سے نہ صرف ان الزامات  
کا ازالہ ہوا بلکہ تبلیغ دین کے لئے جو رکاوٹیں تھیں وہ بھی دور ہو گئیں اور تبلیغ کا دائرہ وسیع سے وسیع  
تر ہوتا چلا گیا۔ یہی نہیں بلکہ اس صلح میں جو حکمت اور مصلحت پوشیدہ تھی وہ صحابہ کرام رضوان اللہ  
علیہم اجمعین کے لئے بے شمار خوشیوں اور جنت کی نوب کا باعث بنی۔

صلح حدیبیہ پر تبصرہ (۱) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اگرچہ بظاہر ذب کر صلح کی لیکن حقیقت  
یہ ہے کہ اس میں بڑی مصلحت تھی۔ مثلاً یہ صلح ہی دراصل فتح مکہ کا پیش خیمہ ثابت ہوئی۔ تبلیغ  
کے لئے میدان صاف ہو گیا۔ مکہ مکرمہ کے مظلوم مسلمین لاپرواہی میں قتل ہونے سے بچ گئے۔ اس اثنا میں  
بہت سے کافر مسلم ہو گئے وغیرہ وغیرہ۔

(۲) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابتداء ہی میں مشورہ لیتے وقت فرمایا تھا "کیا  
تمہاری رائے ہے کہ میں ان کافروں کو جا کر غارت کر دوں؟" پھر آپ نے صحابہ کرامؓ سے رٹنے اور  
مرنے پر بیعت لے کر جنگ کا ارادہ فرمایا تھا آپ نے بدیل اور عروہ سے بھی جنگ کرنے کا ارادہ ظاہر  
فرمایا تھا اور آپ کسی طرح بھی ان سے خوفزدہ نہیں تھے، اللہ تعالیٰ کے ارشادات سے بھی یہی  
واضح ہوتا ہے، مثلاً:-

وَلَوْ قَتَلَكُمُ الَّذِينَ كَفَرُوا ذَلِكُمْ لَكُمُ الْوَيْلُ  
الْأَوَّلُ (فتح - ۲۲)  
اَنْ تَطْلُوْهُمُ (فتح - ۲۵)  
اگر کافر تم سے رٹتے تو بیٹھ پھیر کر بھاگ  
جاتے۔  
تم ان کو پامال کر دیتے۔

ان تمام باتوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ ذب کر صلح کسی کمزوری یا ہزدلی کی وجہ سے نہیں کی گئی تھی۔  
(۳) یہ صلح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی مرضی سے نہیں کی بلکہ اللہ کے حکم سے کی جیسا  
کہ آپ نے حضرت عمرؓ سے فرمایا تھا کہ "میں اللہ کی نافرمانی نہیں کر سکتا۔ پھر بعد میں اللہ تعالیٰ نے



صودہ فتح میں اس کی تائید کر دی۔

(۳) اللہ تعالیٰ نے اس فتح میں کے سلسلہ میں صحابہ کرامؓ کے لئے بھی بہت سی خوشخبریوں کے ساتھ ان کے دلوں پر جو سکینہ نازل فرمایا تھا وہ تحمل اور قوت برداشت ہی تو تھی جس نے ان کے جوشِ انتقام کو ٹھنڈا کر دیا اور ان کو تقویٰ کی بات پر قائم رکھا اور وہ اسی کے مستحق اور اہل بھی تھے اور اللہ (نہ صرف ان کے تقویٰ سے باخبر ہے بلکہ وہ) ہر چیز سے واقف ہے۔

اس ہی بنیاد پر اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صلح حدیبیہ ہی کو فتح کا مزید ہماں اس صلح سے جو آئندہ کامرانیوں کا سرور میں آئیں وہ یہ کہ (۵) صرف تین ماہ بعد غیر فتح ہوا۔

(۶) دو سال بعد آٹھ ہزار مسلمان لے کر چلے گئے اور مکہ فتح ہوا۔

(۷) پھر جو فتوحات کا سلسلہ شروع ہوا تو حنین، طائف اور مدائن فتح ہوئے اسکے بعد

(۸) غزوہ موتہ میں قیسر سے جنگ ہوئی اور فتح ہوئی۔

(۹) پھر جب خلفائے راشدین کا دور آیا تو انہوں نے قیسر و کسری کی حکومتوں کے پرچے اڑا کر رکھ دیئے۔

یہ سب کیا تھا؟ یہ اسی صلح حدیبیہ کے نتائج و ثمرات تھے جو بظاہر دہرب کر کی گئی تھی۔

الغرض صلح حدیبیہ کے سلسلہ میں یہ مختصر سی وضاحت ہے اس سلسلہ میں مزید تفصیلات کے لئے تاریخ الاسلام والمسلمین ملاحظہ فرمائیے۔

اب ذرا غور فرمائیے کہ کیا یہ فتح میں محض اس لئے دی گئی تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پچھلے اور آئندہ ہونے والے گناہ معاف کر دیئے جائیں۔

کاش کہ مترجمین و مفسرین قرآن مجید کی آیات و احادیث کو مد نظر رکھتے ہوئے یہ محسوس کرتے کہ ان کے غلط ترجمے کس قدر غلط نتائج پیدا کر رہے ہیں۔

ایک طرف تو قرآن مجید کی بے شمار آیات و احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شانِ اقدس کو دہ بالا کرتے ہوئے انہیں معصوم من الخطاء باور کرا رہی ہیں اور دوسری طرف انہیں گناہ گار باور کرایا جا رہا ہے کیا یہ کھلا تضاد نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :-

۱) وَلَا تَلْفُ نَفْسٌ خُلِقَتْ عَظِيمًا ۝ (اے رسول) بد شک آپ عظیم الشان اخلاق پر فائز ہیں۔

(د - ۴)

۲) قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللَّهُ (اے رسول آپ کہہ دیجئے) اگر تم کو اللہ تعالیٰ سے محبت کا دعویٰ ہے تو میری اتباع کرو پھر اللہ تم سے محبت کرے گا۔

(آل عمران - ۳۱)

(۳) وَاتَّبِعُوا لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ ○ رسول کی پیروی کرو تاکہ تمہیں ہدایت مل جائے۔  
(الاعراف - ۱۵۸)

(۴) إِنَّكَ عَلَىٰ صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ (اے رسول) آپ سیدھے راستے پر ہیں۔  
(الزخرف - ۴۳)

(۵) وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ ○ اور رسول کی اطاعت کرو تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔  
(النور - ۵۶)

(۶) مَنْ يُطِيعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللَّهَ (النساء - ۸۰) جس نے رسول کی اطاعت کی اس نے (در اصل) اللہ ہی کی اطاعت کی۔

حضرت عائشہ صدیقہ طاہرہ مطہرہ فرماتی ہیں :-

(۷) إِنَّ خُلُقَ نَبِيِّ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ الْقُرْآنَ (صحیح مسلم)  
اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا خلق قرآن تھا  
(یعنی وہ تمام اخلاق حسنہ و اوصاف حمیدہ جو  
قرآن مجید میں بیان کئے گئے ہیں آپ میں بدرجہ  
اتم موجود تھے)۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں :-

(۸) وَاللَّهُ إِنِّي لَا خَشَاكُمُ بِاللَّهِ وَالْغَاكُمُ لَه . (صحیح بخاری کتاب النکاح باب الزَّيْبُ فِي النِّكَاحِ)  
اللہ کی قسم میں تم میں سب سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والا اور تم سب سے زیادہ اللہ کی نافرمانی سے بچنے والا ہوں۔

یہ چند آیات و احادیث آپ کے سامنے ہیں غور فرمائیے کہ اس قدر جامع اوصاف و کامل ہستی جو سب سے زیادہ متقی و پرہیزگار اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے بچنے والی اور صراطِ مستقیم پر قائم ہو جس کی پیروی سے ہدایت و کامرانی ملتی ہو جس کی زندگی ہماری لئے کامل نمونہ ہو بھلا ایسی معصوم ہستی گناہ گار بھی ہو سکتی ہے۔ گناہ گار نمونہ نہیں بن سکتا۔

غلط معنی و مفہوم اخذ کرنے کے سلسلہ میں گزشتہ اصداق میں جو کچھ بتایا گیا اسی پر اکتفا نہیں بلکہ غلط تراجم کے سلسلہ میں مزید کئی اہم مثالیں موجود ہیں۔ سورہ نجم کی ابتدائی آیات میں بھی یہی روش اختیار کی گئی ہے مثلاً :-

اللہ تبارک و تعالیٰ فرماتا ہے :-

وَلَنَنْجِيَنَّ إِذَا هُوَ (نجم - ۱) قسم ہے تارے کی جب وہ بلند ہو جائے۔

مذکورہ بالا ترجمہ جو کہ صحیح ترجمہ ہے اس کے برعکس بعض مترجمین نے اس کا ترجمہ یہ کیا ہے :-

”قسم ہے ادرے کی جب وہ گرے“ کیا ہی عجیب و غریب ترجمہ ہے۔  
 سورہ نجم کی ابتدائی آیات معراج کے متعلق ہیں۔ ان آیات میں ہی ایک جگہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:  
 لَقَدْ رَأَىٰ مِنْ آيَاتِ رَبِّهِ  
 الْكُبْرَىٰ (نجم - ۱۸) بڑی بڑی نشانیاں دیکھیں۔

فور فرمائیے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم تو عروج و بلندی پر جا رہے ہیں اور ترجمہ کیا گیا  
 گرنے کا۔ کیا یہ مضحکہ خیز ترجمہ نہیں ہے؟

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم معراج پر تشریف لے گئے تو کتنی بلند یوں پر آپ تشریف لے  
 گئے یہ اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے ہم اس معجزاتی بلند یوں کا ادراک نہیں کر سکتے۔  
 اب اس سے اگلی آیت کا ترجمہ بھی ملاحظہ فرمائیے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:-

مَاضِلٌ صَاحِبُكُمْ وَمَا غَوَىٰ (نجم - ۱۹) تمہارے صاحب (ساتھی) نہ راستہ بھولے  
 اور نہ بھٹکے۔

بتائیے جو شخص نہ بھولا ہوا اور نہ بھٹکا ہو وہ گناہگار ہو سکتا ہے۔ ہرگز نہیں۔  
 عموماً انسان شیطان کے بہکائے میں آکر بہک جاتا ہے اور غلطی کر بیٹھتا ہے حتیٰ کہ گناہ بھی کر  
 بیٹھتا ہے لیکن صحیح مسلم کی ایک حدیث کے مطابق اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم شیطان کے عکس  
 فریب سے مستثنیٰ ہیں یعنی شیطان انہیں نہیں بہکا سکتا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:-  
 تم میں سے ہر شخص کے ساتھ جنات میں سے ایک ساتھی متعین ہوتا ہے۔  
 صحابہؓ نے پوچھا کہ اے اللہ کے رسول کیا آپ کے ساتھ بھی شیطان ہے۔  
 رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہاں میرے ساتھ بھی (شیطان) ہے لیکن اللہ تعالیٰ  
 نے میری مدد فرمائی کہ وہ مسلم ہو گیا ہے لہذا وہ مجھ سے کوئی بات نہیں کہتا سوائے نیکی کے (صحیح مسلم  
 کتاب صفۃ القیامۃ باب تعریض الشیطان)

اس سلسلہ کی دوسری حدیث بھی ملاحظہ فرمائیے:-  
 حضرت عائشہ صدیقہ طاہرہ مطہرہؓ فرماتی ہیں:-  
 (ایک دن) اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا: کیا تمہارے پاس شیطان آیا  
 تھا؟

میں نے پوچھا: اے اللہ کے رسول کیا میرے ساتھ بھی شیطان ہے؟ فرمایا: ہاں۔  
 میں نے پوچھا: کیا تمام انسانوں کے ساتھ شیطان ہوتا ہے؟ فرمایا: ہاں۔



میں نے پھر پوچھا: اے اللہ کے رسول کیا آپ کے ساتھ بھی شیطان ہے؟  
 رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہاں میرے ساتھ بھی شیطان ہے لیکن میرے رب  
 نے میری مدد فرمائی وہ مسلم ہو گیا ہے (صحیح مسلم کتاب صفۃ القیامۃ باب توحیش الشیطان)  
 بتائیے روئے زمین پر کوئی ایسی ہستی ہے جو شیطان کے مکر و فریب سے محفوظ و سلامت ہو۔  
 غور فرمائیے اللہ تعالیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شانِ اقدس میں ان کے معصوم عن الخطاء  
 ہونے کی کیسی سند نازل فرما رہی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :-  
 وَمَا يَنْطَلِقُ عَنِ الْهَوَىٰ ۖ اِنْ هُوَ اِلَّا  
 دُخِيُّ يُدْعَىٰ ۖ (نجم ۲-۴)  
 کہتے وہ تو وہی بات کہتے ہیں جو ان کی طرف وحی  
 کی جاتی ہے۔

الغرض شیطان بھی مسلم، زبان بھی صحیح و ممتاز بلکہ خواہشاتِ نفسانی سے قطعی ماوراکہ کوئی کلمہ  
 زبان سے غلط نکلنے کا امکان ہی نہیں تو پھر خطاء و نسیان یا بھول چوک یا گناہ کا معاف کیا جانا قرآن  
 مجید کی بڑی عجیب و غریب ترجمانی ہے۔

جب ہر بات ہر فعل منشاء اللہ کے عین مطابق ہو تو وہ ہستی معصوم عن الخطاء ہوتی ہے  
 نہ کہ گناہگار؟

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ سے لوگوں نے کہا کہ آپ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم  
 کی ہر بات نہ لکھا کریں کیونکہ کہیں آپ خوش ہوتے ہیں اللہ کہیں ناراض ہوتے ہیں (لہذا) انہوں نے  
 لکھنا چھوڑ دیا اور آپ سے پوچھا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:-  
 اَكْتُبْ كَمَا الَّذِي تَفْعَلُ بِمَدْرَةٍ مَا  
 يَخْرُجُ مِنْهُ اِلَّا حَقٌّ (رواہ ابوداؤد  
 کتاب العلم بحوالہ الحاکم والذہبی حاکم ۱۰۵/۱)  
 تم لکھا کر قسم اس ذات کی جس کے قبضہ میں  
 میری جان ہے اس منہ سے حق کے سوا کچھ  
 نہیں نکلتا۔

بتائیے ایسے باکمال، ہمہ صفات موصوف اور بے مثال نبی اتی رسول برحق صلی اللہ علیہ  
 وسلم جو اپنے بیان میں قطعی معصوم ہوں اور گناہ تو بڑی چیز ہے جن کے دل میں شیطان کے سلم ہوتا  
 کی وجہ سے گناہ کا تصور تک نہ آئے ایسی ہستی کے بارے میں یہ کہا جائے کہ وہ گناہ گار تھے  
 یقیناً کفر ہے بلکہ کفر سے بھی بدتر۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

## عصمت رسول صلی اللہ علیہ وسلم

(دوسری تقریر)

تراجم کے سلسلہ میں بعض سنگین غلطیوں کی نشاندہی گذشتہ تقریر میں کی گئی تھی آج مزید غلطیوں کی نشاندہی کی جاتی ہے۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے :-

عَبَسَ وَتَوَلَّى ۝ اَنْ جَاءَهُ الْاُلْمٰی ۝  
وَمَا يَذُرُ بِكَ تَعْلَهُ يَذُرُ ۝  
(عبس - ۲ تا ۴)

تیسری چڑھائی اور منہ پھیر لیا اس لئے کہ اس کے پاس ایک نابینا آگیا اور (اے رسول) آپ کو علم نہیں شاید وہ پاکی حاصل کرتا۔

مندرجہ بالا ترجمہ وہ ترجمہ ہے جو عام طور پر مترجمین و مفسرین کرتے چلے آئے ہیں۔ مذکورہ بالا آیات کا ترجمہ کرتے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شانِ اقدس کو ملحوظ نہیں رکھا گیا اور ایسا ترجمہ کیا گیا جس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ نعوذ باللہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم معصوم نہیں تھے بلکہ گناہ گار اور بد اخلاق تھے۔ آپ نے ایک نابینا صحابی عبداللہ بن ام مکتومؓ کی آمد پر تیسری چڑھائی اور منہ پھیر لیا۔

اصل حقیقت کیا ہے اور اس قسم کا ترجمہ کیوں کیا گیا ہے؟ اس کا ایک پس منظر ہے وہ پس منظر مذکورہ بالا آیات کے شانِ نزول میں بیان کیا گیا ہے۔ اس شانِ نزول کو بیان کرنے والے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ ہیں۔ اس شانِ نزول میں "عَبَسَ وَتَوَلَّى" کا فاعل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بتایا گیا ہے یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تیسری چڑھائی اور منہ پھیر لیا۔

حیرت ہے سب مکھی پر مکھی مارتے چلے گئے۔ کسی نے یہ تحقیق کرنے کی زحمت گوارا نہیں کی کہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ والی روایت کی سند کیسی ہے؟ اس روایت کو حافظ عماد الدین ابن کثیر نے بحوالہ تفسیر ابن ابی حاتم اور بحوالہ تفسیر طبری نقل کیا ہے۔

اس روایت کی سند میں ایک راوی عطیۃ العونی ہے جو امام بخاری کے نزدیک ابوبارودہ اور ثمر بن حرب کے مثل ہے (تہذیب)

ابوبارودہ کذاب ہے، امام بخاری فرماتے ہیں ابوبارودہ کذاب ہے (جوز القراءۃ سیفی ص ۱۳۷)۔ امام نسائی فرماتے ہیں :- موقوف الحدیث ہے۔ حماد بن زید، جوزجانی، ابن معین، ابن علیہ اور عثمان بن ابی شیبہ نے کہا کذاب ہے۔ حضرت عثمانؓ کو کافر سمجھتا تھا (تہذیب جلد ۷ ص ۱۳۷)

بشر بن حرب کے متعلق ابن خراش کہتے ہیں متروک ہے اور متروک وہ راوی ہوتا ہے جس پر جھوٹ کی تہمت ہو۔ یعنی القطان نے اسے ترک کر دیا تھا۔

کیونکہ عطیہ العوفی ابو ہارون اور بشر بن حرب کے مثل ہے لہذا وہ بھی انتہائی ضعیف ہوا بلکہ کذاب ہوا۔ امام احمد، امام نسائی، امام ہشیم اور امام ابو حاتم نے اسے ضعیف کہا۔ امام ابو داؤد نے کہا اس پر اعتماد نہیں کیا جاسکتا۔ یہ حضرت علیؓ کو کل لوگوں پر فضیلت دیتا تھا (تہذیب جلد ۲۲۵ ص ۲۲۵)

طبری کی سند اس طرح ہے : حدثنی محمد بن سعد قال ثنا ابی قال ثنی عی قال ثنی ابی عن ابیہ ۔

بھلا یہ بھی کوئی سند ہے : مجھ سے میرے باپ نے بیان کیا، ان سے ان کے چچا نے بیان کیا، ان سے ان کے باپ نے بیان کیا اور انہوں نے اپنے باپ سے روایت کیا۔ یہ سند کیا ہے ایک لانگر ہے کچھ پتہ نہیں چلتا کہ یہ راوی کون تھے؟ حافظ ابن کثیر حضرت ابن عباسؓ کی روایت کے متعلق لکھتے ہیں :-

”اس میں غرابت ہے، نکارت ہے اور اس کی سند میں کلام کیا گیا ہے۔“ (تفسیر ابن کثیر ج ۴ ص ۲۷۷)

الغرض یہ روایت سنداً باطل ہے اسی باطل روایت کی بنیاد پر گاڑی آگے چلتی رہی۔ شان نزول کے متعلق دو روایتیں اور ہیں۔ ایک حضرت عائشہ صدیقہ طاہرہ مطہرہ سے مروی ہے اور دوسری حضرت انسؓ سے۔

حضرت عائشہ صدیقہ طاہرہ مطہرہؓ کی روایت میں عَبَّسَ وَ تَوَلَّى کا فاعل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نہیں بتایا گیا اور نہ حضرت انسؓ کی روایت میں عَبَّسَ کا فاعل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بتایا گیا ہے۔

حضرت عائشہ صدیقہ طاہرہ مطہرہؓ کی روایت میں ”أَبْسَ مِنْ“ کا فاعل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بتایا گیا ہے لیکن یہ روایت مرسل ہے۔ امام حاکم لکھتے ہیں : ارسلا جماعۃ عن هشام بن عروہ یعنی محدثین کی ایک جماعت نے اسے ہشام بن عروہؓ سے مرسل بیان کیا ہے۔

امام ذہبی لکھتے ہیں ”وہو الصواب“ اور یہی صحیح ہے (حاکم ۵۱۴/۲) یعنی اس کا مرسل ہونا ہی صحیح ہے۔

الغرض اس روایت کا متن ہشام کا قول ہے، حضرت عائشہ صدیقہ طاہرہ مطہرہؓ تک اس کی سند نہیں پہنچتی لہذا حضرت عائشہ صدیقہ طاہرہ مطہرہؓ کی یہ روایت کالعدم ہے۔ حضرت انسؓ کی روایت کا متن یہ ہے :-



جاء ابن ام مکتوم الى النبي صلى الله عليه وسلم وهو يكلم ابن بن خلف  
 فاعرض عنه فانزل الله "عَبَسَ وَتَوَلَّى" (مسند ابی یعلیٰ ج ۵ ص ۲۲)۔ سندہ صحیح۔  
 ابن ام مکتومؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے آپ اس وقت ابی بن خلف  
 سے بات کر رہے تھے۔ اس نے ان سے اعراض کیا اس وقت یہ آیت نازل ہوئی عَبَسَ وَتَوَلَّى  
 اَعْرَضَ کا فاعل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نہیں ہو سکتے اس لئے کہ رسول اللہ صلی  
 اللہ علیہ وسلم کی یہ عادت شریفہ نہیں تھی کہ کسی غریب آدمی کا آپ کے پاس کھڑا ہونا یا بیٹھنا آپ  
 کو ناگوار گذرے۔ یہ تو دوسلئے مشرکین کی عادت تھی، انہوں نے ہی کہا تھا "اُظْرُدْهُوَ لَاؤ"۔  
 ان غریب آدمیوں کو اپنی مجلس سے نکال دیجئے۔ ان کے اس مطالبہ پر یہ آیت نازل ہوئی۔  
 وَلَا تَنْظُرُوا الَّذِينَ يَذْعَبُونَ مَرْثِيَهُمْ  
 بِالْعُدْوَةِ وَالنَّعْيِ (صحیح مسلم کتاب النفاۃ) و شام پکارتے رہتے ہیں (اپنی مجلس سے) نہ  
 اب فی فضل سعد بن ابی وقاصؓ ج ۲ ص ۲۶۵ نکالئے۔  
 خلاصہ | حضرت عائشہ صدیقہ طاہرہ مطہرہؓ کی روایت مرسل ہونے کی وجہ سے کالعدم ہے۔  
 مزید یہاں اس میں "عَبَسَ" کا فاعل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نہیں بتایا گیا اور نہ اس میں  
 عتاب کا ذکر ہے۔

حضرت ابن عباسؓ کی روایت سند باطل ہے۔ اس روایت میں بھی عتاب کا کوئی ذکر  
 نہیں ہے۔ عتاب کا شاخسانہ فرضی ہے۔ حقیقت کچھ نہیں۔ اب آئیے اصل حقیقت کی طرف۔  
 حضرت انسؓ کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ کے ایک  
 رئیس کو تبلیغ کر رہے تھے۔ اسی دوران عبداللہ ابن ام مکتومؓ آئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ  
 وسلم کو مخاطب کر کے کوئی سوال کیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو جواب نہیں دیا اور رئیس مکہ ہی کو تبلیغ کرتے رہے۔  
 اُس رئیس نے ایک غریب آدمی کو اپنے پاس کھڑا دیکھ کر تیوری چڑھائی اور منہ موڑ کر چلا گیا۔ ایسے  
 موقع پر یہ آیات نازل ہوئیں:

عَبَسَ وَتَوَلَّى ۝ اَنْ جَاءَكَ مَهْلًا غَمِي ۝  
 وَمَا يُدْرِيكَ لَعَلَّهَا يَسْرَتِي ۝  
 (عبس - ۲۲۱)

(اس کا فرنے) تیوری چڑھائی اور پیٹھ موڑ کر  
 چلا گیا جبکہ اس کے پاس ایک ناجینا آیا۔ (اے  
 رسول) آپ کو نہیں معلوم کہ (وہ کافر تو راہ راست  
 پر آنے والا نہیں البتہ) شاید یہ ناجینا پاکی حاصل  
 کرتا۔

یہ ہے اصل حقیقت۔ اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نہ تیوری چڑھانے کا ذکر

ہے اور نہ عتاب کا۔ مزید برآں اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عدم ترجیح کو بھی حکایتاً بیان کیا ہے۔ مراحتاً کوئی حکم نہیں دیا۔

تبلیغ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرائض میں شامل تھی اور آپ تبلیغ ہی کر رہے تھے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے :-

يَا أَيُّهَا الرَّسُولُ بَلِّغْ مَا أُنْزِلَ  
إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ وَإِنْ لَمْ تَفْعَلْ فَمَا  
بَلَّغْتَ رِسَالَتَهُ .  
(مائدا - ۶۷)

اے رسول آپ کے رب کی طرف سے جو احکام  
آپ پر نازل کئے گئے ہیں انہیں آپ پہنچادیں  
اور اگر آپ نے ایسا نہیں کیا تو آپ نے اللہ  
کی رسالت کو نہیں پہنچایا۔

ایک اور جگہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے :-

فَلِذَلِكَ فَادْعُ وَاسْتَقِمْ كَمَا  
أُمِرْتَ وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَاءَ هُمْ  
(شوری - ۱۵)

(اے رسول) آپ اسی (دین) کی طرف ان  
کو بلائے رہیے، جو حکم آپ کو دیا گیا ہے اسی  
پر قائم رہیے اور ان کی خواہشات کی پیروی  
نہ کیجئے۔

ان آیات سے واضح ہوا کہ حق کی تبلیغ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے فرائض منصبی میں شامل تھی۔

اب سوال یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کا یہ حکم تھا کہ اس دین کو جو آپ پر نازل کیا جا رہا ہے بے کم و کاست پہنچادیں اور اسی حق کی طرف آپ لوگوں کو دعوت دیتے رہیں اور اگر آپ نے ایسا نہیں کیا تو گویا آپ نے حق رسالت ادا نہیں کیا۔

بتائیے جب اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق اپنے فرض منصبی کو انجام دے رہے تھے تو حکم کی تعمیل گناہ کس طرح ہو گئی؟ گناہ تو نافرمانی سے ہوتا ہے۔

دعوت حق اور تبلیغ تو کوئی گناہ کا کام نہیں تھا اور جب گناہ نہیں تھا تو پھر عتاب کا نزول کیا معنی رکھتا ہے؟

اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ اس کا دین دنیا کے چپے چپے پر غالب اور نافذ ہو۔ اللہ تعالیٰ

فرماتا ہے :-

هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَى  
وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ  
كُلِّهِ .  
(توبہ - ۳۳)

اللہ ہی ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت  
اور دین حق کے ساتھ مبعوث فرمایا تاکہ اس  
کو تمام ادیان پر غالب کر دے۔

اب اس فریضہ منصبی کو درجہ کمال تک پہنچانے کی سعی و جدوجہد میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم رئیس مگرہ کی تبلیغ کر رہے تھے اور رئیس مگرہ کے ایمان لانے سے یہ امید تھی کہ بہت

نے غریب لوگ بھی اسلام میں داخل ہو جائیں گے اور اس طرح اسلام کو ایک قوت مائل ہو جائے گی۔

الفرض یہی وہ حکمت تھی جس کی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عبد اللہ ابن ام مکتومؓ کے سوال کی طرف متوجہ نہیں ہوئے اور آپ کی توجہ کفار مکہ کے رئیس کی طرف مرکوز رہی۔

اب سوال یہ ہے کہ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ طرز عمل، دعوت و تبلیغ اور رئیس مکہ کی طرف توجہ کرنا گناہ تھا؟

اگر نہیں اور ہرگز نہیں تو پھر عتاب کیسا؟  
عتاب کے نزول کی وجہ علماء نے یہ بتائی ہے کہ کیونکہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک غریب مسلم کی طرف توجہ نہیں کی اور مکہ کے رئیس کو ترجیح دی جس کی وجہ سے اس غریب نابینا کو سچ پہنچا۔ اس کا رنجیدہ ہونا ہی اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا سبب بن گیا اور یہی وجہ عتاب کے نزول کی تھی۔

سوال یہ ہے کہ کیا اس سے پہلے اس قسم کا کوئی حکم نازل ہو چکا تھا کہ "جب کبھی کوئی مسلم سوال کرنے آئے تو آپ کافروں کو چھوڑ دیں اور مسلم کی طرف توجہ کریں؟"

اگر ایسا کوئی حکم نازل ہو چکا ہوتا تو پھر آپ کا یہ فعل جرم ہوتا اور عتاب بھی نازل ہوتا لیکن حکم تو بعد میں نازل ہوا اور وہ بھی مراعات نہیں حکایتاً۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کے عدم توجہی کے فعل کو حکایتاً بیان کیا اور اس کی وجہ یہ بتائی کہ آپ کو علم نہیں تھا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :-

وَمَا يَذِّبُ بِكَ نَفْلًا يَنْزِلُكَ  
آپ کو علم نہیں کہ شاید وہ پاکی حاصل کرتا۔

بتلیئے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ علم ہی نہیں تھا کہ نابینا صحابیؓ آپ سے پاکی حاصل کرتا اور فائدہ اٹھاتا اور کافر کا بھروسہ نہیں کہ وہ ایمان لائے یا نہ لائے تو جو فعل لاعلمی میں ہو وہ گناہ کس طرح ہو گا؟ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے آپ کے فعل کو تو بیان کیا لیکن تنبیہ کچھ نہیں کی۔

آئندہ نافذ ہونے والے کسی حکم کی خلاف ورزی نافرمانی نہیں ہوتی اور جب نافرمانی ہی نہیں ہوتی تو عتاب کیسے نازل ہوتا؟

شراب کی حرمت کا حکم نازل ہونے سے پہلے جو لوگ شراب پیتے تھے کیا وہ گناہگار ہوں گے؟ ہرگز نہیں۔

ان آیات کے نزول کے بعد اب یہ کہا جاسکتا ہے کہ آئندہ جب کبھی غیر مسلموں کو دعوت دی جائے اور اس دوران کوئی مسلم آجائے تو اس مسلم کو ترجیح دینی ہوگی اور ان غیر مسلم کفار کی خواہ وہ کتنے ہی ذی مرتبہ کیوں نہ ہوں پرواہ نہیں کی جائے گی۔

بد اخلاق کا جو فعل نبی معصوم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس کی طرف منسوب کیا گیا ہے



اس بہتان عظیم پر کسی نے نہ ترجمہ کی اور نہ تحقیق کی زحمت گوارا کی۔  
حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی روایت دہا یا تا بھی غلط ہے اور سند بھی غلط ہے بلکہ سند جھوٹی ہے۔ ایسی روایت کی بنیاد پر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی پر بہتان لگانا کہ آپ سے بد اخلاق بھی ہو جایا کرتی تھی اور اسی کی بنیاد پر سورہ قُصَص کا غلط ترجمہ کرنا یقیناً قابل مذمت بھی ہے اور قابل افسوس بھی۔

مذکورہ ترجمہ اس اعتبار سے بھی باطل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بلند اخلاق کی سند نازل فرمائی۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :-

وَإِنَّكَ تَعْلَىٰ خُلُقٍ عَظِيمٍ (ت - ۴) (اے رسول) بے شک آپ عظیم (اشان) اخلاق پرفاخر ہیں۔

ایسی معرکہ الآرا سند کی موجودگی میں کسی ایک نے بھی اس گمراہ کن ترجمے کی تردید نہیں کی سب ہی یکسویں پر یکسویں مارتے چلے گئے حتیٰ کہ احمد رضا خان صاحب بریلوی جو احترام و عقیدت کے معاملے میں بڑے محتاط تھے انہوں نے بھی اس بات کی پرواہ نہ کی اور نہ تردید کی اور وہی ترجمہ کیا جو دوسرے کرتے چلے آئے تھے۔

بعض لوگ ہم پر یہ طعن کرتے ہیں کہ لوجی! یہ بریلویوں سے بھی آگے نکل گئے۔  
جی ہاں! ہم یقیناً ادب و احترام کے معاملے میں آگے نکل گئے ہیں۔ ہمارے نزدیک ادب و احترام بڑی ضروری چیز ہے۔ ہم خود ضرور ہیں لیکن باادب۔ اگر احترام و عقیدت میں غلو نہ ہو تو یہ خصوصیت ہر موجد کے لئے ضروری ہے۔ دیکھئے اللہ تعالیٰ کیا فرماتا ہے :-  
وَمَنْ يَعْظَمْ حُرْمَتِ اللَّهِ فَهُوَ خَيْرٌ لَهُ عِنْدَ رَبِّهِ (الحج - ۳۰)  
اور جو شخص اللہ کی محترم قرار دی ہوئی چیزوں کی تعظیم کرے تو یہ اس کے رب کے ہاں اس کے لئے بہتر ہے۔

معلوم ہوا کہ شعائر اللہ کی تعظیم تو ایک خیر ہے اور اس خیر کے حصول کے لئے تعظیم بڑی ضروری چیز ہے لیکن احترام و عقیدت کے لئے جو شرط ہے اسے ملحوظ رکھنا نہایت ضروری ہے۔ اللہ تعالیٰ آگے ارشاد فرماتا ہے :-

وَمَنْ يُشْرِكْ بِاللَّهِ فَكَأَنَّمَا خَرَّ مِنَ السَّمَاءِ فَتُخَطِّفُهُ الْطَّيْرُ أَوْ تَهْوِي بِهِ السَّيْلُ فِي مَكَانٍ سَمِيحٍ (الحج - ۲۱)  
اور جو شخص اللہ کے ساتھ (کسی کو) شریک کرے تو گویا وہ آسمان سے گر پڑا پھر یا تو اس کو پرندے اچک لے جائیں یا ہوا اس کو دور دراز مقام پر لے جا کر ڈال دے۔

معلوم ہوا کہ ہر حالت میں شرک کنا بہت بڑا گناہ ہے اور شرک کی ہر لحاظ سے کامل بربادی

ہے لیکن اس کے یہ سنی ہرگز نہیں کہ تعظیم و تکریم اور ادب و احترام بھی شرک ہے یہی وجہ ہے کہ اس  
شال کے بعد اللہ تعالیٰ اگلی آیت میں فرماتا ہے :-

ذٰلِكَ، وَ مَنْ يَعْظِمُ شَعًا بِشَرِّ اللّٰهِ  
فَوَاسِعًا مِنْ تَقْوٰی الْغُلُوْبِ ۝  
(الحج - ۳۲) علامت ہے۔

ثابت ہوا کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کردہ چیزوں کی تعظیم و تکریم کرتا ہے  
وہی متقی ہے یعنی شعائر اللہ کی تعظیم وہی کرے گا جس کے دل میں تقویٰ ہوگا۔  
اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہونے کی وجہ سے اللہ کی طرف منسوب  
ہیں لہذا آپ کی تعظیم و تکریم ضروری ہے۔ اللہ تعالیٰ نے خود ان کی تعظیم و تکریم کی ہمیں تعلیم دی  
ہے اور قرآن مجید میں اس قسم کی متعدد آیات موجود ہیں۔

① اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :-

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقْدِرُوا بِأَيْدِي اللَّهِ  
وَسُؤْلِهِ وَاتَّقُوا اللَّهَ  
(المحجرات - ۱)

② اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :-

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَرْفَعُوا أَصْوَابَكُمْ  
فَوَقَىٰ صَوْتِ النَّبِيِّ وَلَا تَجْهَرُوا لَهُ  
بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ أَن تَحْبَطَ  
أَعْمَالُكُمْ وَأَنتُمْ لَا تَشْعُرُونَ ۝  
(المحجرات - ۲)

غور فرمائیے تعظیم و تکریم کی کیسی تاکید ہے کہ بلند آواز سے بات کرنے کی اجازت بھی نہیں۔  
یہ احترام نہیں تو اور کیلئے ؟

اس احترام کو اس قدر ملحوظ رکھنے کی تاکید کی گئی ہے کہ اگر اس کی خلاف ورزی کی گئی تو سارے  
اعمال ضبط، گویا عدم تعظیم و تکریم سے جا ملایا کیونکہ شرک کی صورت میں بھی ضبط اعمال کی سخت وعید  
ستانی گئی ہے۔

③ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :-

فَالَّذِينَ آمَنُوا بِهِ وَاعْتَمَذُوا أُوْلَئِكَ  
لَهُمْ أَجْرٌ كَثِيرٌ ۝ وَاتَّبِعُوا التَّوْرَ الَّذِي أُنْزِلَ  
عَلَيْهِمْ لَعَلَّكُمْ يَتَّقُونَ ۝  
جو لوگ رسول پر ایمان لائے، ان کا احترام  
کیا، ان کی مدد کی اور اس نور کی پیروی کی جو

مَعَةً أَوْ لَيْكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ○ ان پر نازل کیا گیا ہے وہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔ (اعراف - ۱۵۷)

(عَنْزَرُوا) عَنْزَرٌ، يُعْزِرُ، تَعْزِيرٌ (باب تفعیل) کے معنی ہیں ادب و احترام کرنا۔ جو سزا ادب و احترام سکھانے کے لئے دی جائے اس سزا کو بھی لوگ تعزیر کہنے لگے ہیں حالانکہ تعزیر کے معنی تو احترام کے ہی ہیں۔

صحابہ کرامؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بے حد ادب و احترام کرتے تھے، حضرت اسامہ بن شریک فرماتے ہیں:-

أَتَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي بَيْتِهِ  
وَأَصْحَابُهُ كَانُوا عَلَى دُؤْبِهِمُ الطَّيْرُ  
(ابوداؤد جزء ۲ صفحہ ۱۸۳ سند صحیح) میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا۔ آپ کے اصحاب اس طرح (بیٹھے ہوئے) تھے گویا ان کے سروں پر پرندے بیٹھے ہوئے ہیں۔

صحابہ کرامؓ کس قدر ادب و احترام کرتے تھے اب اگر ہم احترام کرتے ہیں تو یہ طعن کیا جا رہا ہے کہ یہ تو بریلوں سے بھی دو قدم آگے نکل گئے ہیں۔

الغرض ادب و احترام کے سلسلہ میں متعدد آیات و احادیث ہیں جن کی تفصیل کیا جا رہی ہے۔ تقریر کا اصل موضوع عُتْبَن کے معنی اور اس کا شان نزول ہے۔ قرآن مجید کی مذکورہ سورہ سب ہی پڑھتے رہے لیکن اس کے جو معنی کئے گئے اس پر کسی نے نہ غور کیا اور نہ تحقیق کی ذمت گوارا کی۔ سوال یہ ہے کہ ”عُتْبَن“ کا فاعل کون ہے؟ فاعل کا کچھ پتہ نہیں چلتا۔ بعض لوگ شاید یہ کہیں کہ اس کا فاعل ضمیر مرفوع متصل موجود ہے۔ لیکن ضمیر میں تو اسم پوشیدہ ہو گیا ہے۔ ظاہر نہیں ہوتا لہذا ضمیر سے معلوم نہیں ہو سکتا کہ وہ کون شخص ہے جس کے لئے عُتْبَن صادر ہوا ہے۔

اگر بالغرض محال عُتْبَن کا فاعل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مانا جائے تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ آخر ”عُتْبَنَتْ وَتَوَلَّيْتُ“ کیوں نہیں کہا گیا؟ (یعنی) اے رسول آپ نے تیوری چڑھائی اور پیٹھ پھیر کر چل دی۔ جب ایسا نہیں ہے تو پھر عُتْبَن کہہ کر کس فاعل کی طرف اشارہ کیا گیا ہے؟ ظاہر ہے کہ اس کا فاعل کوئی اور ہے اور بلاوجہ ضمیر غائب کو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف پھیرا گیا؟ جب کہا گیا کہ اگر عُتْبَن تَوَلَّيْتُ کے فاعل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہوتے تو عُتْبَن تَوَلَّيْتُ کے بجائے ”عُتْبَنَتْ وَتَوَلَّيْتُ“ ہونا چاہیے تھا۔ تو اس کا جواب بھی گمراہ کیا گیا۔ کہنے لگے کہ اللہ تعالیٰ نے احتراماً غائب کا صیغہ استعمال کیا ہے۔

سوال یہ ہے کہ ایک طرف تو تم کہتے ہو کہ اللہ تعالیٰ کا عتاب نازل ہوا اور دوسری طرف کہتے ہو کہ اللہ تعالیٰ نے احتراماً کہا ہے۔

کیا یہ عجیب و غریب تضاد نہیں کہ عتاب بھی ہو رہا ہے اور احترام بھی ہو رہا ہے؟



الغرض علماء مفسرین نے ایسی سنگین اور متضاد صورت حال کی کوئی تردید نہیں کی البتہ شیعہ مفسرین نے اس کی سخت تردید کی ہے۔

سبغ طوسی تبیان میں لکھتے ہیں :-

وَهَذَا قَاسِدٌ لَّانَ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدْ أَجَلَ اللَّهُ قَدْرَهُ عَنْ هَذِهِ الصِّفَاتِ وَكَيْفَ يَصِفُهُ بِهَا الْعَبُوسُ وَالتَّقْطِيبُ وَقَدْ وَصَفَهُ بِأَنَّهُ عَلَى خَلْقٍ عَظِيمٍ وَقَالَ وَلَوْ كُنْتُ فَظًّا غَلِيظًا أَلْقَبَ لَا لَفَضُوا مِنْ حَوْلِكَ وَكَيْفَ يَمْرُؤُ عَمَّنْ وَصَفَهُ مَعَ قَوْلِهِ تَعَالَى "وَلَا تَطْرُدِ الَّذِينَ يَدْعُونَ رَبَّهُمْ بِالْغَدَاةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيدُونَ وَجْهَهُ" وَمَنْ عَرَفَ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَحَسَنَ اخْلَاقَهُ وَمَا حَصَبَهُ اللَّهُ تَعَالَى بِهِ مِنْ مَكَامٍ اخْلَاقَهُ وَحَسَنَ الصِّبَةِ حَتَّى أَنَّهُ لَمْ يَصَافِحْ أَحَدًا قَطُّ فَيَنْزِعَ يَدَهُ مِنْ يَدِهِ حَتَّى يَكُونَ ذَلِكَ الَّذِي يَنْزِعُ يَدَهُ مِنْ يَدِهِ فَمِنْ هَذِهِ الصِّفَةِ كَيْفَ يَقْطُبُ فِي وَجْهِهِ إِلَّا عَنَى جَاءَ بِطَلَبِ الْإِسْلَامِ وَحَلَّى أَنْ الْأَنْبِيَاءَ مَنْزُومُونَ عَنْ مِثْلِ هَذِهِ الْإِخْلَاقِ لِمَا فِي ذَلِكَ مِنَ التَّنْفِيرِ عَنْ قَبُولِ قَوْلِهِمْ وَقَالَ قَوْمٌ مِنْ هَذِهِ الْآيَاتِ فِي الرَّجُلِ مِنْ بَنِي أُمَيَّةَ كَانَ رَاقِفًا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمَّا أَقْبَلَ ابْنُ أُمَرَ مَكْتُومٌ تَنَفَّسَ مِنْهُ وَجَمَعَ نَفْسَهُ وَتَغَبَّسَ فِي وَجْهِهِ فَمَكَى اللَّهُ تَعَالَى ذَلِكَ وَأَنكَرَهُ مَعَابَةً عَلَى ذَلِكَ (تعليقات

یہ فاسد ہے اس لئے کہ اللہ نے آپ کی قدر و منزلت کو ان صفات سے بلند و بالا کر دیا ہے اور وہ کیسے آپ کو عبوس اور ترش روئی سے منسوب کر سکتا ہے جبکہ اس نے آپ کا وصف یہ بیان کیا ہے کہ آپ خلق عظیم پر ہیں اور اس نے فرمایا ہے اور اگر آپ ترش رو اور سخت دل ہوتے تو یہ سب آپ کے ارد گرد سے بھاگ جاتے اور وہ ایسے شخص سے کس طرح روگردانی کر سکتے ہیں جس کے لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہو۔ اور اے رسول آپ ان لوگوں کو اپنی مجلس سے نہ نکلے جو صبح و شام اپنے رب کو پکارتے رہتے ہیں اور جو شخص آپ کو، آپ کے مکارم اخلاق کو جو اللہ تعالیٰ نے خاص طور پر آپ کو دے گئے تھے اور آپ کے حسن صحت کو پہچانتا ہے (وہ کبھی ترش روئی کے فعل کو آپ کی طرف منسوب نہیں کر سکتا) یہاں تک کہا گیا ہے کہ آپ جب کبھی مصافحہ کرتے تھے تو اپنا ہاتھ نہیں کھینچتے تھے جب تک دوسرا آدمی اپنا ہاتھ نہیں کھینچتا تھا تو جس کی یہ صفات ہوں وہ کیسے ایک نابینا کے آنے پر جو اسلام طلب کرنے آیا ہو بد اخلاقی کر سکتا ہے اور (یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ) انبیاء اس قسم کے اخلاق سے پاک ہوتے ہیں اس لئے کہ اس سے ان کے قول کو قبول کرنے سے ایک قسم کی نفرت ہوتی ہے۔ ایک قوم نے کہا دیہ بنی امیہ کا ایک شخص تھا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ

السيد طيب الموسوي الجزائري علي  
تفسير القمي جلد ۲ (ص ۴۴)

کھڑا تھا۔ جب ابن ام مکتوم آئے تو اس نے  
ان سے نفرت کی، اپنے نفس کو جمع کیا اور ان  
کو دیکھ کر تیوری چڑھائی تو اللہ تعالیٰ نے اس  
کا ذکر کیا۔ اس پر عتاب کرتے ہوئے (اللہ تعالیٰ  
نے) اس کی برائی ظاہر کی۔

دوسرے شیعہ مفسر الفضل بن الحسن الطبرسی اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں :-

قال المرتضى علم الهدى قدس الله روحه .  
ليس في ظاهر الآية دلالة على توجهها  
الى النبي صلى الله عليه وسلم هو خبر  
محض لم يصرح بالمخبر عنه وفيها  
يدل على ان المعنى بها غيره لان  
المعبروس ليس من صفات النبي صلى  
الله عليه وسلم مع الاعداء البائسين  
فضلا عن المؤمنين المسترشدين  
فالظاهر ان قوله (عَبَسَ وَتَوَلَّى) المراد به  
غيره وقد روى عن الصادق (ع)  
انها نزلت في رجل من بني امية كان  
عند النبي صلى الله عليه وسلم فجاء  
ابن ام مکتوم فلما رآه تقذرمه وجمع  
نفسه وعبس واعرض بوجهه عنه فحكي  
الله سبحانه ذلك (مجمع البيان في  
تفسير القرآن جزء ۲ ص ۴۴)

المرتضى علم الهدى قدس الله روحه  
کے ظاہر میں اس بات کی دلالت نہیں ہے کہ  
اس سے مراد نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہیں بلکہ یہ محض  
ایک خبر ہے اور جس کے متعلق خبر دی گئی ہے اس  
(کے نام) کی مراعت نہیں ہے بلکہ اس میں اس  
بات کی دلالت ہے کہ یہ بات رسول اللہ صلی  
اللہ علیہ وسلم کے علاوہ کسی اور کے متعلق ہے اس  
لئے کہ تیوری چڑھانا کھلے دشمنوں کے ساتھ بھی  
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صفات میں سے  
نہیں یہ جائیکہ مؤمنین و ہدایت یاب لوگوں کے  
ساتھ ہو۔ لہذا ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قول  
(عَبَسَ وَتَوَلَّى) سے کوئی اور مراد ہے۔ (امام جعفر)  
صادق سے روایت کیا گیا ہے کہ یہ آیت بنی امیہ  
میں سے ایک شخص کے متعلق نازل ہوئی ہے۔ وہ  
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تھا کہ اسی  
ثناء میں ابن ام مکتوم آگئے۔ جب اس نے ان  
کو دیکھا تو ان سے نفرت کی۔ اپنے نفس کو جمع کیا،  
تیوری چڑھائی اور ان سے منہ پھیر لیا۔ اللہ سبحانہ  
نے اس (واقعہ) کو حکایتاً بیان کیا۔

اس کے علاوہ شیعہ مفسر استاد محسن المقلب بہ الفیض الکاشانی نے بھی اپنی تفسیر الصافی  
میں امام جعفر صادق کا وہی قول بیان کیا ہے جو مجمع البیان کے حوالہ سے ادھر نقل کیا گیا ہے (تفسیر  
الصافی جزء ۵ ص ۲۸۴)

دوسرے علماء کی تفسیروں میں یہ چیز نہیں ملتی جو شیعوں کی تفسیروں میں مل رہی ہے گویا ناسد باتوں کی تردید شیعہ مفسرین نے کی لیکن دوسرے علماء کسی پر کسی مارتے رہے۔ دوسرے علماء میں سے اگر داؤدی نے یہ کہہ بھی دیا "صوالکافر" تیوری چڑھانے والا کافر تھا تو حافظ ابن حجر نے یہ کہہ کر اُسے رو کر دیا: اغوب الداؤدی۔ داؤدی نے غریب یعنی اجنبی بات کسی (فتح الباری میں) الغرض دوسرے علماء نے کبھی غور ہی نہیں کیا کہ اللہ تعالیٰ خود اس الزام کی کس انداز میں تردید کر رہا ہے جو علماء مفسرین نے اللہ تعالیٰ کی محبوب ترین ہستی پر لگایا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :-

فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللَّهِ لَئِنْ لَّهٗ لَہٗز وَکُوۡرٌ  
کُنْتُ فَطَّاعِیۡنًا لِّلْقَلۡبِ لَا نَفۡعُ لَہٗۤ اٰیٰتِ  
حٰوِلٰکَ (ال عمران - ۱۵۹)  
(اور اے رسول) یہ تو اللہ کی رحمت ہے کہ آپ  
مؤمنین کے لئے بڑے نرم واقع ہوئے ہیں اور  
اگر آپ برا خلاق و سخت دل ہوتے تو یہ آپ کے  
ارد گرد سے بھاگ جاتے۔

بتائیے اللہ تعالیٰ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خوش اخلاق اور نرم دلی کی تعریف کر رہا ہے اور یہ کہتے ہیں آپ برا خلاق سے پیش آئے۔  
ایک اور جگہ اللہ تعالیٰ قسم کھا کر فرماتا ہے :-

وَ اَلْقَلَمِ ۚ وَمَا یَسْطُرُوۡنَ ۝ مَا  
اَنۡتَ بِنِعۡمَةِ رَبِّکَ بِمَجۡنُوۡنٍ ۝ وَاَنۡ  
لَّکَ لَا جَۡزَاۡءَ اَعۡتَدَ مَنۡحُوۡبٍ ۝ وَاِنَّکَ  
لَعَلَّ اَخۡلَقَ عَظِیۡمٍ ۝ (القلم - ۴ تا ۷)  
۴۔ قلم کی قسم اور اس چیز کی قسم جو لوگ لکھتے  
ہیں آپ اپنے رب کی نعمت سے مجنون نہیں  
ہیں آپ کے لئے نہ منقطع ہونے والا اجر ہے اور  
بے شک آپ خلق عظیم پر (فائز) ہیں۔  
غور فرمائیے کہ کیسی عظیم چیز (قلم) کی قسم کھا کر اللہ تعالیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے  
خلق عظیم کی سزا و پر سے نازل فرما رہا ہے۔ قلم کی قسم بڑی عجیب و عظیم قسم ہے۔  
بنی نوع انسان پر قلم کے کتنے احسانات ہیں اور اس کے کتنے عظیم ائشان فوائد ہیں جس کا  
شمار انسان کے بس سے باہر ہے۔

مجم ساری دنیا کی تاریخیں، علوم، فنون اسی قلم کی مرہون منت ہیں۔ قلم ہی کی بدولت  
ہر قسم کے علوم سیکھے اور سکھائے جا رہے ہیں اور یہ قلم ہی کا کارنامہ ہے کہ شریعت الہیہ کے دو  
ماخذ (قرآن مجید اور احادیث صحیحہ) تحریری شکل میں موجود ہیں۔

اسی طرح آیت مذکورہ میں لفظ عظیم بھی انتہائی غور طلب ہے۔ لفظ عظیم کی عظمت کا اندازہ  
لگانا مشکل ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :-

قُلْ مَتَاعُ الدُّنۡیَا قَلِیۡلٌ  
کہہ دیجئے کہ دنیا کا مال و متاع بہت تو ٹھپہ۔  
لیکن ساتھ ہی یہ بھی فرماتا ہے :-



وَإِنْ تُعَدُّوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ لَا تُحْصَوْهَا  
(نحل - ۱۸)

اور اگر تم اللہ کی نعمتوں کو گننا چاہو تو ان کو گن نہیں سکتے۔

یہ قلیل نعمتوں کا عالم ہے جنہیں ہم گنے سے قاصر ہیں تو جس چیز کو عظیم کہا گیا ہے اس کی دستوں کا اندازہ کون لگا سکتا ہے؟

حضرت عائشہ صدیقہ طاہرہ بطبرہ فرماتی ہیں :-

ان خلق النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان  
القراءات (صحیح مسلم کتاب الصلوۃ)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا خلق قرآن تھا۔

یعنی وہ تمام مکرم اخلاق اور اوصاف حمیدہ جو قرآن مجید میں بیان کئے گئے ہیں وہ آپ میں بدرجہ اتم موجود تھے۔

رئیس المنافقین عبداللہ ابن ابی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اسلام کا شدید ترین دشمن تھا اور ہمیشہ آپ کے خلاف سازشیں کرتا رہتا تھا لیکن جب اس فتنہ پرور کا انتقال ہوا تو آپ اس کی نماز جنازہ پڑھنے کھڑے ہو گئے یہی نہیں بلکہ اس کے جسم پر اپنا لعاب دہن لگایا اور اپنی قمیص اس کے کفن کے لئے دی یہ آپ کے علم و بردباری، عفو و درگزر اور رحم و کرم کی ایسی عظیم الشان مثال ہے جس کی نظیر تاریخ عالم میں نہیں مل سکتی۔

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں :-  
إِنَّمَا بُعِثْتُ لِأَتَمِّمَ صَالِحَ الْأَخْلَاقِ  
(مسند احمد ج ۲، ص ۱۷۸) بحکم احمد محمد شاہ

مجھے اللہ تعالیٰ نے اس لئے مبعوث فرمایا ہے کہ میں اخلاق کے حقوق اور واجبات کی تکمیل کروں۔

الغرض ان آیات و احادیث سے واضح ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اعلیٰ ترین اخلاق کے منصب پر فائز تھے۔

کسی شخص کا انہیں رسول تسلیم کرنا اور ان کو بد اخلاق بھی کہنا دراصل ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ کیونکہ اجتماع ضدین باطل ہے لہذا یہ دونوں باتیں کبھی بھی ایک شخص میں جمع نہیں ہو سکتیں اور پھر ایسی ہستی جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ قسم کھا کر گواہی دے کہ وہ بلند ترین اخلاق پر فائز ہیں تو پھر اس ہستی کے بارے میں کوئی تصور نہیں کر سکتا کہ وہ بد اخلاق کر سکتا ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ آخر ان آیات کا اصل مطلب کیا ہے؟

ادل تو یہ کہ غیب کا صیغہ واحد غائب کا صیغہ ہے، مخاطب کا صیغہ نہیں ہے لہذا اس کے فاعل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نہیں ہیں۔

دوسرے یہ کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی وہ حدیث جو پہلے بیان کی جا چکی ہے صحیح سند سے مسند ابویعلیٰ اور دوسری کتب احادیث میں موجود ہے اس میں بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تیوری چڑھانے کا ذکر نہیں ہے۔ اس حدیث کے الفاظ پھر سن لیجئے۔

جاء ابن ابی مکتوم الی النبی صلی  
 اللہ علیہ وسلم وھو یکلّم ابی ابن  
 خلف فاعرض عنہ فانزل اللہ عَنّی  
 وَتَوَنّی (مسند ابی یعلٰ جزء ۵ ص ۳۲) سنہ صحیح  
 عبد اللہ ابن ام مکتوم رسول اللہ صلی اللہ علیہ و  
 سلم کے پاس آئے۔ آپ اس وقت ابی ابن  
 خلف سے بات کر رہے تھے۔ ابی ابن خلف  
 نے ان سے اعراض کیا۔ اس موقع پر یہ آیت  
 نازل ہوئی "اس نے تیوری چڑھائی اور پیچھے  
 کر چلا گیا۔"

مذکورہ حدیث میں نہ عتاب کا ذکر ہے، نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تیوری چڑھانے  
 اور نہ پیچھنے کا ذکر ہے۔

اس حدیث سے سارا معاملہ صاف ہو جاتا ہے کہ بد اخلاقی کا مرتکب ابی ابن خلف تھا کہ  
 رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس۔ ابی ابن خلف نے تیوری چڑھائی اور نہ موڑ کر چلا گیا۔  
 بہر حال اصل حقیقت کیا تھی اور کیا بنادی گئی۔

مزید برآں ابی ابن خلف والی بات کوئی ان کی بات نہیں تھی۔

انبیاء عظیم الصلوٰۃ والسلام کی دعوت و تبلیغ کے سلسلے میں متعدد واقعات قرآن مجید میں موجود  
 ہیں کہ اس قسم کی ذلیل حرکتیں کافر قوم کے سردار و رؤساء اکثر کرتے رہتے تھے اور اس قسم کی حرکتیں  
 کفار مکہ کے رؤساء بھی کیا کرتے تھے وہ بھی اسی قسم کے مطالبے کیا کرتے تھے۔ یہی خصلت بد ابی ابن  
 خلف میں بھی موجود تھی جب اس نے دیکھا کہ ایک نابینا اور غریب شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم  
 کی مجلس میں آیا تو فوراً حقارت سے اس کی تیوری پر بل آگئے اور اس نے نہ پیچھ لیا اور پوری بات نے  
 بغیر ہی اٹھ کر چل دیا۔

اس شان نزول کی روشنی میں یہ چیز ثابت ہو گئی کہ عَنّی کا فاعل صرف اور صرف ابی ابن خلف  
 تھا۔

اب توئی کے معنی بھی سن لیجئے۔ توئی کے معنی ہیں، اعراض کیا اور چھوڑ دیا (مصباح اللغات)  
 توبہ نہ کرنا اور قرب کا ترک کرنا (مفردات القرآن امام راغب اصفہانی)  
 اعراض کیا اور ترک کیا (محیط المیل)

ان معنوں کی روشنی میں واضح ہوا کہ توئی کا اطلاق اسی پر ہو گا جو اپنی جگہ چھوڑ کر چلا جائے،  
 اس پر نہیں ہو گا جو اپنی جگہ پر موجود ہو کیونکہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم تو وہیں تشریف فرما تھے۔  
 اعراض کرنے اور مجلس کو ترک کر کے اٹھ کر جانے والا ابی ابن خلف تھا لہذا "عَنّی وَتَوَنّی" کا فاعل  
 ابی بن خلف ہوا نہ کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم۔ انراض "توئی" کے معنی کی روشنی میں یہ بات واضح  
 ہو گئی کہ تیوری چڑھا کر جانے والا ابی بن خلف تھا۔ اس سے اگلی آیت میں جو یہ ارشاد فرمایا گیا کہ وَمَا

يُذِرُكَ نَعْلًا يَسْذُخِي" تو یہ ایک تسلی ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دی گئی تھی کہ وہ (یعنی) ابی بن خلف جاتا ہے تو جلسے اس کی پرواہ نہ کریں آپ کو نہیں معلوم کہ وہ جو (ناہینا) آپ کے پاس آئی ہے تو قہر ہے کہ وہ آپ سے پاکی حاصل کرے جبکہ اس متکبر کافر کا بھروسہ نہیں کہ وہ ایمان لائے لہذا آپ اس پر توجہ کریں جو آپ سے فائدہ حاصل کرنا چاہتا ہے۔

اس سے اگلی آیت میں بھی ایک تسلی ہے جیسا کہ ارشاد فرمایا گیا "أَمَّا هُنَّ اسْتَفْنِي ۖ فَأَنْتَ نَعْلٌ تَصْذِي ۚ" آپ اس کی طرف توجہ کرتے ہیں جو پرواہ ہی نہیں کرتا۔ یہاں لفظ "تَصْذِي" غور طلب ہے۔

تَصْذِي کے معنی ہیں: توجہ کرنا، مددے بازگشت کی طرح کسی چیز کے درپے ہونا (مفرداً القرآن، امام راغب اصفہانی)

مددے بازگشت اس آواز کو کہتے ہیں جو کسی چیز سے ٹکرا کر واپس آتی ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آواز بچھا کر رہی ہے۔ لہذا تَصْذِي سے مراد وہ مددے بازگشت تھی جو ابی بن خلف کا بچھا کر رہی تھی یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے جانے کے بعد بھی اس کو بلا رہے تھے۔ رحمت للعالمین غیر الانام حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ امید تھی کہ وہ کافرا یا مانے لے گئے گا لیکن اللہ تعالیٰ کو معلوم تھا کہ وہ شخص آپ کی خیر خواہانہ پکار کی طرف توجہ نہیں کرے گا لہذا (امام اسْتَفْنِي) فرما کر روک دیا کہ جو شخص متکبرانہ انداز سے منہ پھیر کر چلے آپ اس کی طرف توجہ ہی کیوں کرتے ہیں؟ توجہ تو اس کی طرف کریں جو آپ سے پاکی حاصل کرنے آپ کے پاس چل کر آیا ہے۔ تسلی دیتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرماتا ہے:۔

وَمَا عَلَيْكَ أَلَّا يَزْكِي ۚ وَأَمَّا  
مَنْ حَبَّاءَ لَكَ يَسْنِي ۚ وَهُوَ يَجْنِي ۚ  
فَأَنْتَ عَنْهُ تَلَهَّى ۚ  
اگر وہ پاکی حاصل نہیں کرتا تو آپ پر کوئی (انہی) نہیں اور جو شخص آپ کے پاس چل کر آیا ہے اور وہ ڈرتا بھی ہے تو آپ اس کی طرف توجہ نہیں کرتے۔

یعنی آپ کو اس کی طرف توجہ کرنی چاہیے جس کے پاکی حاصل کرنے کا امکان ہو۔

اگلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے پھر تسلی دی۔ فرمایا:۔

كَلَّا إِنَّهَا تَذْكِرَةٌ ۚ فَمِنْ شَاءَ  
ذَكَرْنَا ۚ  
ہرگز نہیں۔ یہ تو ایک نصیحت ہے لہذا جو چاہے اس سے نصیحت حاصل کرے۔

یعنی اگر وہ نصیحت حاصل کرنا نہیں چاہتا تو اس کی فکر نہ کیجئے جو نصیحت حاصل کرنا چاہتا ہے اس کی طرف توجہ کیجئے۔



ان آیات سے جو نتیجہ سامنے آیا وہ یہ کہ جب کبھی کسی داعی الی الحق کے سامنے ایسا مرحلہ آجائے  
تو اسے ایک غریب مسلم کو ترجیح دینی ہوگی خواہ اس کی مجلس میں بڑے بڑے رؤسا و اعلیٰ عہدیدار کفار  
ہی کیوں نہ ہوں کیوں کہ حقیقی عزت و احترام کے مستحق مؤمنین ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :-

وَلِلّٰهِ الْبَرَزَاتُ وَلِیْسَ سُوْلُہٗ وَلِلْمُؤْمِنِیْنَ  
عزّت اللہ تعالیٰ کے لئے، اس کے رسول کے لئے  
(منافقون - ۸)

اس سلسلہ میں جو بات قابل ذکر ہے اسے بھی ذہنی نشین کر لیجئے کہ قرآن مجید کی کوئی آیت ایسی  
نہیں جو بطور حکم پہلے نازل ہو چکی ہو اور جس کی خلاف ورزی اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے کی ہو  
لہذا کسی گناہ کا سرزد ہونا ہی بعید ہے۔ مثال کے طور پر اللہ تعالیٰ ایک جگہ ارشاد فرماتا ہے :-

عَفَا اللّٰهُ عَنْكَ لِذٰ اِذْ نَتَّ لَہُمْ حَتٰی  
ان (منافقین) کو (لڑائی پر نہ جانے کی) اجازت  
کیوں دی (اگر آپ اس وقت تک اجازت کو  
مؤخر کر دیتے) جب تک سچے آپ پر ظاہر نہ ہو جائے  
(توبہ - ۴۳)

اور جھوٹوں سے آپ واقف نہ ہو جاتے۔  
منافقین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گئے اور مختلف قسم کے چیلے، بہانے پیش  
کرتے ہوئے کہا کہ ہمیں جنگ میں شرکت کرنے سے مستثنیٰ قرار دے دیا جائے۔  
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اجازت دے دی لیکن اللہ عالم الغیب کو منافقین کے  
نفاق اور مکر و فریب کا علم تھا لہذا اللہ تعالیٰ نے مذکورہ آیت کے ذریعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم  
کو متنبہ کر دیا کہ اگر آپ ان کو اجازت نہ دیتے تو ان کے نفاق کا بھانڈا سراہا پھوٹ جاتا کیونکہ یہ  
جھوٹے کسی حالت میں بھی جنگ کرنے نہ جاتے۔

بتائیے اس میں کیا غلطی ہے؟ اگر اللہ تعالیٰ پہلے یہ حکم نازل فرما دیتا کہ "ان منافقین کو ہرگز  
اجازت نہ دینا" اس حکم کے بعد اگر اجازت دی جاتی تو یقیناً یہ گناہ ہوتا۔  
ایک اور مثال ملاحظہ فرمائیے۔

رؤس المنافقین عبداللہ بن ابی کے صاحبزادے عبداللہ نے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ  
وسلم سے اپنے منافق باپ کی نماز جنازہ پڑھانے اور مغفرت کی درخواست کی تو رسول اللہ صلی اللہ  
علیہ وسلم نے اس کی درخواست کو منظور فرمایا اور نماز جنازہ پڑھانے کھڑے ہو گئے۔ حضرت عمرؓ نے  
آپ کا دامن پکڑ کر عرض کیا اے اللہ کے رسول یہ تو منافق ہے اس نے فلاں دن یہ یہ کہا اور اس کی  
کئی ناشائستہ باتیں گنوانے کے بعد حضرت عمرؓ نے کہا کہ آپ اس کی نماز جنازہ پڑھائیں گے؟  
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :- اللہ تعالیٰ نے مجھے (دعا کرنے یا نہ کرنے کی اختیار)

دیا ہے (منع نہیں کیا) جیسا کہ ارشاد باری ہے :-

اِسْتَفْغِرْ لَهُمْ اَوْ لَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ ؕ اِنْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِينَ مَرَّةً فَلَنْ يَغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ (توبہ - ۸۰)

آپ ان کے لئے استغفار کریں یا نہ کریں اگر آپ ستر مرتبہ بھی استغفار کریں گے تب بھی اللہ ان کو معاف نہیں کرے گا۔

پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :- اگر میں سمجھتا کہ ستر مرتبہ سے زیادہ استغفار کرنے سے یہ بخش دیا جائے گا تو میں ستر مرتبہ سے زیادہ استغفار کرتا۔ یہ فرما کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے جنازہ کی نماز پڑھا دی۔

اس وقت اللہ تعالیٰ نے وحی بھیجی اور فرمایا :-

وَلَا تُصَلِّ عَلَىٰ اَحَدٍ مِّنْهُمْ مَا تَابَ اَبَدًا وَّلَا تَقُمْ عَلَىٰ قَبْرِہٖ ؕ اِنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِہٖ وَهَاتُوا وُجُوْہَہُمْ فِیْ سُقُوْتِہُمْ (توبہ - ۸۴)

(اے رسول) منافقین میں سے جب کوئی مر جائے تو آئندہ آپ کبھی اس کے جنازہ کی نماز نہ پڑھیں اور نہ اس کی قبر پر کھڑے ہوں۔ انہوں نے اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ کفر کیا اور نافرمانی کی حالت میں مر گئے۔

معلوم ہوا کہ اس حکم سے پہلے استغفار کرنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اختیار میں تھا لیکن جب ممانعت کا حکم نازل ہوا تو آپ نے اس فعل کو ترک کر دیا۔ اگر بالفرض محال اب بھی ترک نہ کرتے تو گناہ کا صدور ہوتا۔

اسی طرح جنگ بدر کے قیدیوں کو فد یہ لے کر چھوڑ دینے کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ناراضگی کا اظہار کیا۔

یہ غلط تاثر ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ قیدیوں کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ سے مشورہ لیا۔ حضرت ابو بکرؓ نے فرمایا: یہ ہمارے چچا کی اولاد ہیں اور ہمارے خاندان کے ہی افراد ہیں میری رائے تو یہ ہے کہ آپ ان کو کچھ مال کے عوض چھوڑ دیجئے تاکہ اس مال سے آئندہ کفار سے مقابلہ کر لے کے لئے سامان جنگ خریدا جاسکے اور شاید اللہ تعالیٰ (بعد میں) انہیں اسلام قبول کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :-

اے خطابؓ کے بیٹے تمہاری کیا رائے ہے؟ حضرت عمرؓ نے عرض کیا: اللہ کی قسم میری وہ رائے نہیں جو ابو بکرؓ نے دی ہے۔ میری رائے تو یہ ہے کہ آپ انہیں ہمارے حوالے کریں تاکہ ہم ان کی گردنیں اڑا دیں۔ عقیلؓ کو علیؓ کے حوالے کیجئے تاکہ وہ انہیں قتل کر دیں اور مجھے میرے غلام عزیز کو دیجئے تاکہ میں اس کی گردن اڑا دوں اور یہ بہت مزدوری ہے کیونکہ یہ کفر کے سردار ہیں اور اس

کے سرے ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت ابو بکر صدیقؓ کی رائے پسند آئی۔ آپ نے حضرت عمرؓ کی رائے کو پسند نہیں فرمایا (صحیح مسلم کتاب الجہاد)۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طبیعت میں علم اور عفو و درگزر بدرجہ اتم پایا جاتا تھا لہذا آپ نے ان کے قتل کو پسند نہیں فرمایا لیکن اللہ تعالیٰ کو فدیے کر چھوڑنے والا اعلیٰ پسند نہیں آیا۔ فرمایا آیت نازل فرمائی :-

مَا كَانَ لِشَيْءٍ أَنْ يَبْكَوْنَ لَكَ أَسْرَىٰ  
خَشِيَ الشَّيْءُ فِي الْأَرْضِ  
نبی کے یہ شایانِ شان نہیں کہ اس کے قبضہ میں  
قیدی ہوں جب تک کافروں کو خوب قتل کر کے  
(انفال - ۶۷)  
ملک میں اپنا رعب نہ (قائم) کر لے۔

اصل میں بات کیا تھی؟ اس پر کسی نے غور نہیں کیا۔

اللہ تعالیٰ نے جنگِ بدر کے قیدیوں کے سلسلہ میں ایک خاص حکم کو مخفی رکھا تھا۔ اُسے پہلے ظاہر نہیں کیا یعنی اس حکم کو اس وقت نازل فرمایا جب فدیہ لے کر قیدیوں کو چھوڑ دینے کی کارروائی عمل میں آچکی تھی۔

اللہ تعالیٰ نے جس حکم کو بعد میں نازل فرمایا وہ درج ذیل ہے۔

لَوْلَا جَنَّتْ مِنْ اللَّهِ شَيْءٌ لَمْ تَكُنْ  
فِيهَا آخِذٌ شَرُّ عَذَابٍ عَظِيمٍ  
فَكُلُوا مِنْ ثَمَرِهِمْ حَتَّىٰ طَيِّبُوا  
(انفال - ۶۸)  
اگر اللہ نے پہلے سے یہ فیصلہ نہ کیا ہوتا (کہ تمہیں  
صاف کر دیا جائے گا) تو جو مال تم نے لیا اس  
کی وجہ سے تم پر بڑا عذاب نازل ہوتا (غیر جو ہوا  
سو ہوا اب) جو مال فنییت تمہیں ملا ہے تم  
اسے حلال و طیب سمجھ کر کھا سکتے ہو۔

ظاہر ہے کہ حکمِ بعد میں نازل ہوا تو اس حکم کی نافرمانی کیسے ہوئی؟

جب نافرمانی ہی نہیں ہوئی تو عتاب یا نارا منگی کا سوال ہی کب پیدا ہوتا ہے۔ اگر نافرمانی ہوئی تو عذاب نازل ہوتا۔

اللہ تعالیٰ کا جو منشاء تھا وہ بعد والوں کے لئے حکم بن گیا۔ مقصد صرف یہ تھا کہ اگر نبی کے پاس قیدی ہوں تو یہ ضروری ہے کہ ان کو اچھی طرح قتل کر دیا جائے تاکہ دشمن پر مسلمین کی دھاک میٹھ جائے اور وہ اتنا کمزور ہو جائے کہ آئندہ مقابلہ کی جرأت نہ کر سکے لیکن یہ حکم بعد میں نازل ہوا تو اس حکم کی خلاف ورزی کیسے ہوئی؟ اور جب خلاف ورزی نہیں ہوئی تو گناہ کیسے ہوا۔

البتہ ان لوگوں کو تنبیہ کی گئی جن لوگوں نے دنیا طلبی کے لئے فدیہ لے کر چھوڑنے کی رائے

دی تھی۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :-

تُرِيدُونَ خَوَافَ الدُّنْيَا وَاللَّهُ يُرِيدُ  
تم دنیا کا مال چاہتے ہو اور اللہ آخرت چاہتا



الْآخِرَةَ (انفال - ۶۷) ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مشورہ کرنے کا حکم تھا۔ آپ نے مشورہ کیا اور مشورہ ہی کے مطابق عمل کیا اس میں کون سی غلطی تھی؟

الغرض قرآن مجید میں ایسا کوئی حکم نہیں ہے جو پہلے نازل ہو چکا ہو اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی خلاف ورزی کی ہو۔ جب ایسا نہیں ہے تو پھر معصوم عن الخطاء بنی برحق صلی اللہ علیہ وسلم کو گناہ کا ثبوت کرنا اور قرآن مجید کی آیات کو غلط معنی پہنانا زیادتی ہی نہیں بلکہ بہت بڑا کفر ہے۔

ترجمہ: محمد یوسف، مدیر "المسلم"

## برسبیل تذکرہ

لوگ ہم سے اکثر یہ سوال کرتے ہیں کہ آپ تو کہتے ہیں کہ امام بنانا تو اللہ تعالیٰ کا کام ہے تو پھر بتائیے کہ آپ کیسے امام بن گئے؟ آپ کو کس نے امام بنایا؟ یہ عجیب و غریب اعتراض ہے۔ اللہ تعالیٰ تو وہ امام بناتا ہے جو اپنے قول و فعل میں قطعی معصوم ہو۔ جس کا ہر فقرہ ضابطہ حیات ہو، جس کی ہر ادا منظور شدہ ہو، جس کے لئے اللہ تعالیٰ خود گواہی دے کہ میرے بنائے ہوئے امام رسول نبی واقعی کی پیروی کرو گے تو ہدایت ملے گی ورنہ نہیں۔ اللہ تعالیٰ کا بنایا ہوا امام قیامت تک کے لئے ہے، ان پڑھ ہونے کے باوجود جاہل نہیں بلکہ ایسا جامع عالم کہ ان جیسا عالم آج تک نہ پیدا ہوا اور نہ ہوگا۔

بتائیے کہاں وہ امام اور کہاں انسانوں کے بنائے ہوئے امام۔ اس واضح اور روشن حقیقت کے ساتھ ساتھ مترفع حضرات اس حقیقت کو بھی ذہن میں رکھیں کہ دنیا والے جس کو امام بناتے ہیں خواہ وہ کسی جماعت کا امام یا امیر ہو یا کسی مسجد کا امام ہو یا کسی علم و فن میں مہارت تائید رکھنے کی بنیاد پر امام بنایا گیا ہو وہ **هَآئِیْخْرُجْ مِنْهُ إِلَّا حَقٌّ** کا مصداق ہرگز نہیں اور نہ ہی وہ قیامت تک کے لئے واجب الطاعت ہوتا ہے۔ وہ صرف عارضی اور ایک خاص مدت کے لئے امام ہوتا ہے۔ مزید برآں دنیا والے جس کو امام بناتے ہیں وہ ان پڑھ نہیں ہوتا بلکہ عموماً کسی دارالعلوم سے فارغ التحصیل ہونے کی سند کی بنیاد پر امام بنایا جاتا ہے۔ لہذا مذکورہ اعتراض لغو بھی ہے اور منصب امامت کی اصل روح کو نہ سمجھنے کا شاخسانہ بھی ہے۔

ہا یہ اعتراض کہ آپ کو کس نے امام بنایا؟ تو یہ اعتراض برائے اعتراض ہے۔ بہر حال مجھے تو ان لوگوں نے امام بنایا جو میری طرح فرقوں سے بیزار تھے اور یہ لوگ اچھی طرح جانتے تھے کہ بغیر امیر یا امام کوئی جماعت چل نہیں سکتی لہذا میرا انتخاب بھی دین کی ایک ضرورت کے تحت کیا گیا ہے۔

دنیا والے جب نماز باجماعت کے لئے کسی امام کو منتخب کر کے اسے منصب امامت تفویض کر سکتے ہیں تو کیا کسی ایسی جماعت کے لوگ جو خالص دین اسلام کا داعیہ لے کر اٹھے ہوں کسی امام کا انتخاب نہیں کر سکتے؟

## انتباہ

ڈاکٹر مسعود الدین عثمانی کی ماری والے سے جماعت المسلمین کا کوئی تعلق نہیں جماعت المسلمین ان کے بعض عقائد سے سخت بیزار ہے انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف بحران کو منسوب کر کے سخت گستاخی کی ہے جماعت المسلمین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان اقدس میں ذرا سی گستاخی کو بھی کفر سمجھتی ہے۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

ماہ ربیع الاول ۱۴۱۲ھ

سلسلہ اشاعت ۱۲۱

## جماعت کی اہمیت اور آزادی کی قربانی

انسان اپنی زندگی کے کسی بھی حصہ میں پوری طرح آزاد نہیں ہوتا۔ بچہ اگر آگ کی طرف جاتا ہے تو ماں باپ یا دوسرے افراد اُسے روک دیتے ہیں۔ اگر وہ کنویں کی طرف بھاگ کر جا رہا ہے تو اُسے پکڑ لیتے ہیں۔ اگر وہ زمین سے کوئی گری پٹری چیز اٹھا کر منہ میں رکھ لیتا ہے تو اُسے اُس کے منہ سے زبردستی نکال لیتے ہیں۔ غرض یہ کہ وہ اپنی مرضی کے مطابق کچھ نہیں کر سکتا۔ وہ دوسروں کے ہاتھوں میں ایک کھلونا بن کر رہ جاتا ہے۔ وہ صرف وہی کام کر سکتا ہے جس کام کو دوسرے اُسے کرنے دیں۔ وہ زندہ بدست زندہ ہوتا ہے۔

جب بچہ بڑا ہوتا ہے تو ماں باپ کا محکم ہوتا ہے۔ اُسے ماں باپ کی

اطاعت کرنی پڑتی ہے۔ اطاعت نہیں کرتا تو سزا ملتی ہے۔ وہ اپنی مرضی سے ہر کام نہیں کر سکتا۔ وہ بس وہی کام کر سکتا ہے جس کی اجازت ماں باپ کی طرف سے ہوتی ہے۔

جب وہ جوان ہوتا ہے تو رسم و رواج اور معاشرت کے بندھنوں میں بندھ جاتا ہے۔ حکومت کے قوانین، قواعد و ضوابط پر اسے عمل کرنا پڑتا ہے۔ وہ اپنی مرضی سے سڑک پر بھی نہیں چل سکتا۔ نہ معاشرہ، نہ برادری اور نہ حکومت اسے کھلی چھٹی دیتی ہے کہ وہ جو چاہے کرے۔ برادری کے اصول و ضوابط کی خلاف ورزی سے مقاطعہ تک نوبت پہنچتی ہے۔ حکومت کے قوانین کی خلاف ورزی اسے جیل تک پہنچا دیتی ہے۔

جب وہ بوڑھا ہوتا ہے تو پھر زندہ بدست زندہ کا مصداق بن جاتا ہے۔ جوان اولاد اس کی خواہش یا احکام پر عمل نہیں کرتی۔ جوان اولاد اس کی صریح طور پر نافرمانی کرتی ہے اور کبھی اس کو سٹھیا یا ہوا سمجھ کر اس کے احکام کو نظر انداز کر دیتی ہے۔

۲۔ انسان اپنی زندگی میں کبھی بھی کلیۃً آزاد نہیں ہوتا۔ اس کی آزادی صرف اسی حد تک ہوتی ہے کہ وہ جو کچھ کرے دوسرے افراد یا راجح الوقت قوانین اس سے اتفاق کریں اور وہ جو کچھ کر رہا ہے اسے کرنے دیں۔ یہ آزادی نہیں بلکہ دوسروں کی رضامندی یا قوانین کی مطابقت کی پابندی ہے۔

الغرض انسان پابند ہے، مقید ہے لہذا یہ کہنا کہ انسان فطرۃً آزاد ہے محض دعویٰ ہے جس کی دلیل کوئی نہیں۔ کتنا خوش قسمت ہے وہ انسان جو یہ سمجھ رہا ہے کہ کامل آزادی تو بہر حال مل نہیں سکتی، پابند رہنا فطری عمل ہے، آزادی تو کھوئی ہی پڑتی ہے تو کیوں نہ اپنی آزادی کو اپنے مالک حقیقی کی رضاء پر قربان کر دے۔ جب ماں باپ، رسم و رواج، معاشرہ، اولاد اور حکومت کے لئے آزادی کو دل کی خوشی کے ساتھ یا بادل نا خواستہ قربان کرنا پڑتا ہے تو کیوں نہ خالق و مالک کے ضوابط و احکام کی خاطر اپنی آزادی کو دل کی خوشی کے ساتھ قربان کر کے دونوں



جہانوں میں سرخروئی اور کامیابی حاصل کی جائے۔

۳۔ کتنی عجیب بات ہے کہ دوسروں کے قواعد و ضوابط کے مقابلے میں اپنی آزادی کو قربان کرنا تو ہمیں ناگوار نہیں گذرتا لیکن اللہ تعالیٰ کے احکام و قوانین کے مقابلے میں اپنی آزادی کو قربان کرنا ناگوار گذرتا ہے اور عموماً یہ کہا جاتا ہے کہ آزادی انسان کا فطری اور پیدائشی حق ہے۔ حالانکہ معاملہ اس کے برعکس ہے۔ پابندی انسان کی زندگی کا لازمی فریضہ ہے اور اس سے چھٹکارا حاصل کرنا فسرت سے جنگ کرنا ہے۔ پابندی کے بغیر کوئی معاشرہ چل نہیں سکتا۔ پابندی ہی سے تمام معاملات میں توازن پیدا ہوتا ہے اور انسانی زندگی خوشحال رہتی ہے۔

کیونکہ اللہ تعالیٰ کے احکام کی پابندی کے خلاف کچھ کہنے سے ایمان کی نفی ہوتی ہے لہذا اس کو امیر کے احکام کی پابندی کا نام دے کر اس کے خلاف خوب ہر اگلا جاتا ہے۔ آزادی کو انسان کا فطری حق قرار دے کر امیر کی اطاعت سے راہِ فرار اختیار کی جاتی ہے۔ یہ شیطان ہی کا فریب نہیں بلکہ فریبِ نفس بھی ہے۔ پوری زندگی انسان کسی نہ کسی شخص یا ضابطے کا پابند رہتا ہے لہذا یہ کہنا کہ آزادی انسان کا فطری اور پیدائشی حق ہے قطعاً صحیح نہیں۔

۴۔ قربانی کی بہت سی قسمیں ہیں مثلاً وقت کی قربانی، آرام کی قربانی، خواہشات کی قربانی، مال کی قربانی، جان کی قربانی، اولاد کی قربانی، مذاہب کی قربانی، رسم و رواج کی قربانی وغیرہ لیکن قربانی کی ایک قسم ایسی ہے جس کو کوئی خاص اہمیت نہیں دی جاتی حالانکہ وہ بہت اہم ہے اور وہ ہے آزادی کی قربانی۔

۵۔ اسلام ایک اجتماعی نظام ہے۔ اس نظام میں بہت سے شعبے ہیں، مثلاً شعبہ نظامِ صلوٰۃ، شعبہ نظامِ زکوٰۃ، شعبہ نظامِ اقامتِ دین، شعبہ نظامِ امر بالمعروف و نہی عن المنکر، شعبہ نظامِ عدل و انصاف، شعبہ نظامِ جہاد وغیرہ۔

۶۔ مندرجہ بالا شعبوں میں سے ایک بھی شعبہ ایسا نہیں جس میں آزادی کو قربان نہ کرنا پڑتا ہو۔ نظامِ صلوٰۃ کو لیجئے۔ اذان کی آواز آئے یا جماعت ہو رہی ہو تو عجمت سے نماز پڑھنا ضروری ہے۔ اگر کوئی شخص تنہا نماز پڑھتا ہے تو وہ آزاد ہے جب

چاہے قرأت ختم کرے، جب چاہے رکوع کرے، جب چاہے سجدہ کرے لیکن اگر وہ جماعت میں شامل ہو جاتا ہے تو اس کی آزادی ختم ہو جاتی ہے۔ اُسے اختیار نہیں رہتا کہ وہ جب چاہے رکوع کرے اور جب چاہے سجدہ کرے۔ وہ اپنی آزادی کو قربان کر کے اپنے کو امام کی ہدایت کا پابند بنا لے۔ وہ اپنی مرضی اور اپنے ارادے سے اب کچھ نہیں کر سکتا۔ اب اس کی تمام حرکات و سکنات امام کی حرکات و سکنات کے تابع ہوتی ہیں۔ وہ وہی کرتا ہے جو امام کرتا ہے۔ اس سے سرمو انحراف نہیں کرتا حتیٰ کہ اگر امام غلطی بھی کرتا ہے تو وہ اس کی غلطی میں بھی اس کا ساتھ دیتا ہے۔ وہ امام کی ہدایات کا منتظر رہتا ہے اور کچھ نہیں کرتا جب تک امام ہدایت نہ دے۔ گویا وہ اپنے کو کلیتہً بے بس و بے اختیار بنا لیتا ہے۔ سارے اختیارات امام کے حوالے کر کے بس اُسی کا ہو جاتا ہے اور نظامِ صلوٰۃ کے اجتماعی نظام میں گم ہو جاتا ہے۔ اس کی نہ ذاتی آزادی باقی رہتی ہے اور نہ انفرادیت۔

۷۔ کیونکہ اسلام کے تمام نظامِ امارت یا خلافت کے ماتحت ہی بخیر و خوبی چلتے ہیں لہذا نظامِ امارت یا نظامِ خلافت کا منعقد کرنا ضروری ہے اور اسی کے ماتحت پابند زندگی گزارنا بھی ضروری ہے۔ جس طرح کوئی شخص اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل میں اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر نماز باجماعت میں شامل ہو کر اپنی آزادی کو قربان کرتا ہے اسی طرح ہر شخص کو چاہیے کہ پورے دین کی اقامت و نفاذ کے لئے نظامِ امارت یا نظامِ خلافت میں بھی اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل میں اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر اپنی آزادی کو قربان کرے، اپنی انفرادیت اور انانیت کو قربان کرے اور اجتماعی نظام میں گم ہو جائے۔

۸۔ نظامِ امارت یا نظامِ خلافت میں شامل ہونے کے بعد ہر فرد کو

- ① اپنی پسند اور ناپسند،
- ② اپنی رائے اور اپنا اجتہاد،
- ③ انفرادیت اور انانیت،
- ④ ترجیح اور تقدیم،

### ⑤ اپنے حقوق اور اپنی آزادی

کو قربان کرنا ضروری ہے۔ اب وہ یہ نہیں سوچ سکتا کہ مجھے کیا ملا اور کیا نہیں ملا۔ اب وہ ذاتی پسند، اجتہاد، مقاصد اور مفاد سے بالاتر ہو کر تنظیم کی مضبوطی و استحکام کے لئے کام کرے گا۔ ایسے شخص سے ہرگز یہ توقع نہیں کی جاسکتی کہ وہ کسی بھی وقت تنظیم یا جماعت یا دوسرے الفاظ میں دین کو معمولی سا بھی نقصان پہنچائے گا۔ ایسا ہی شخص جماعت کا سچا وفادار ہو سکتا ہے۔ جو شخص ایسی قربانی پیش نہیں کر سکتا بلکہ اپنی انفرادیت کو برقرار رکھنا چاہتا ہے وہ جماعت میں کبھی شامل نہیں ہوگا اور اگر اتفاق سے شامل ہو گیا تو جماعت کے ساتھ چل نہیں سکے گا۔ وہ آج نہیں تو کل ضرور جماعت کو چھوڑ دے گا۔

۹۔ جو شخص برضاء و رغبت، بغیر جبر و اکراہ نظام جماعت میں شامل ہوتا ہے وہ گویا اللہ تعالیٰ کی رضا کا طالب ہوتا ہے، اس کی یہ شمولیت اس کے لئے عبادت شمار ہوگی اور جو شخص بادلِ ناخواستہ، جبر و اکراہ سے نظام جماعت میں شامل ہو اس کی نیت اس شمولیت سے کیونکہ رضائے الہی نہیں ہوگی لہذا اس کو اس شمولیت کا کوئی اجر نہیں ملے گا۔

۱۰۔ تمام مسلمین کو چاہیے کہ نظام امارت کی اہمیت کو سمجھیں اور اپنے تمام اختلافات کو بھلا کر اور ہر قسم کی قربانی دے کر اس نظام کو قوت پہنچائیں تاکہ ہر جگہ اللہ تعالیٰ کا کلمہ سر بلند ہو اور ساری دنیا نغمہ توحید سے معمور ہو جائے۔





بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ  
 سلسلہ اشاعت ۱۰۳  
 ماہ جمادی الاولیٰ ۱۴۰۴ھ

# امیر کی اطاعت

① اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :-

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَاطِيعُوا أُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ  
 اے ایمان والو، اللہ کی اطاعت کرو،  
 رسول کی اطاعت کرو اور تم میں سے جو  
 امراء ہوں ان کی اطاعت کرو۔  
 (النساء - ۵۹)

اس آیت مبارکہ سے اولوالامر یعنی امراء کی اطاعت فرض ہوئی۔ اس  
 آیت میں امراء کے ساتھ حکومت کی کوئی شرط اللہ تعالیٰ نے نہیں لگائی لہذا  
 ہر امیر کی اطاعت فرض ہے۔ اپنی طرف سے حکومت کی شرط کتاب اللہ پر  
 زیادتی ہے اور یہ کفر ہے۔

② رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں :-

مَنْ يَطِيعِ الْأَمِيرَ فَقَدْ أَطَاعَنِيْ جَسَّ نَے امیر کی اطاعت کی اُس نے  
 وَ مَنْ يَعْصِي الْأَمِيرَ فَقَدْ عَصَانِيْ۔ میری اطاعت کی اور جس نے امیر  
 صحیح مسلم کتاب الامارۃ باب وجوب کی نافرمانی کی اس نے میری  
 طاعة الامراء جز ۲ ص ۱۲۹  
 نافرمانی کی۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ہر امیر کی اطاعت فرض ہے۔ امیر کی

اطاعت کے لئے حدیث میں کوئی شرط نہیں ہے۔ اپنی طرف سے حکومت کی شرط لگانا شریعت سازی ہے اور یہ شرک ہے۔

(۳) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں :-

مَنْ كَرِهَ مِنْ أَمِيرِهِ شَيْئًا  
فَلْيَصْبِرْ فَإِنَّ مَنْ خَرَجَ مِنَ  
السُّلْطَانِ شِبْرًا مَاتَ مِيتَةً  
جَاهِلِيَّةً۔ (صحیح بخاری کتاب الفتن  
باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم سترون بعدی  
اموراً تنکرونها جزء ۹ ص ۵۹ و صحیح مسلم  
کتاب الامارۃ باب الامر بلزوم الجماعة  
جزء ۲ ص ۱۳۴)

سلطان کے معنی دلیل، حجت، اختیار اور قوت کے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :-

وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا مُوسَىٰ بِآيَاتِنَا  
وَسُلْطَانٍ مُّبِينٍ ○ (صود - ۹۶)  
اور ہم نے موسیٰ کو اپنی نشانیوں اور روشن  
دلیل کے ساتھ بھیجا۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :-

وَمَنْ قَتَلَ مَظْلُومًا فَقَدْ جَعَلْنَا  
يُولِيًّا سُلْطَانًا (بنی اسرائیل - ۳۳)  
اور جو شخص ظلم کے ساتھ قتل کر دیا جائے  
تو ہم نے اس کے وارث کو اختیار دیا ہے  
(کہ وہ بدلہ لے لے)۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :-

يَمْعَشِرَ الْجَنِّ وَالْإِنْسِ إِنْ  
اے جنات اور انسانوں کی جماعت اگر

اَسْتَطَعْتُمْ اَنْ تَنْفُذُوا مِنْ اَقْطَارِ السَّمَوَاتِ وَالْاَرْضِ فَانْفُذُوا لَا تَنْفُذُونَ اِلَّا بِسُلْطٰنٍ ۝  
 تم آسمانوں اور زمین کے کناروں سے نکل سکتے ہو تو نکل جاؤ (لیکن) تم نہیں نکل سکتے بغیر قوت کے۔

(الرحمن - ۳۳)

حدیث مذکور کے پہلے جز میں امیر کا لفظ ہے اور دوسرے جز میں سلطان کا لفظ ہے جو امیر ہی کے لئے استعمال ہوا۔ کیونکہ امیر کو اپنے عہدہ امارت کی وجہ سے ایک قسم کی قوت حاصل ہوتی ہے اور کیونکہ اس کا حکم مامورین پر حجت ہوتا ہے اسی لئے اسے سلطان کہا گیا ہے۔ بادشاہ کو بھی اسی لئے سلطان کہا جاتا ہے کہ اس کے ہاتھ میں قوت ہوتی ہے اور اس کا فرمان رعایا پر حجت ہوتا ہے۔

الغرض ہر امیر کی اطاعت فرض ہے اور اس کی اطاعت سے ایک بالشت بھی علیحدہ ہونا ناجائز ہے۔ امیر ہی کی وجہ سے جماعت میں تنظیم اور تنظیم میں قوت پیدا ہوتی ہے۔ اگر امیر کی اطاعت نہ کی جائے تو تنظیم کی قوت جاتی رہے گی۔ امیر ہی جماعت کی قوت کا مرکز ہے اور اس مرکزیت ہی کی وجہ سے وہ خود ایک قوت اور سلطان ہے۔

(۴) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں :-

مَنْ رَأَى مِنْ أَمِيرٍ شَيْئًا يَكْرَهُهُ فَلْيَصْبِرْ عَلَيْهِ فَإِنَّهُ مَنْ فَارَقَ الْجَمَاعَةَ شِبْرًا فَمَاتَ إِلَّا مَاتَ مِيتَةً جَاهِلِيَّةً۔  
 جو شخص اپنے امیر کی کوئی ایسی بات دیکھے جو اسے ناپسند ہو تو اس پر صبر کرے اس لئے کہ جو شخص جماعت سے بالشت بھر بھی علیحدہ ہوا اور (اسی حالت میں) مر گیا (صحیح بخاری کتاب الفتن جز ۹ ص ۵۹ و صحیح مسلم کتاب الامارۃ باب الامر بلزوم الجماعة)

مسلم کتاب الامارۃ باب الامر بلزوم الجماعة



نوٹ: جاہلیت سے مراد اسلام سے پہلے کا زمانہ یعنی کفر کا زمانہ ہے۔  
اس حدیث کے پہلے جز میں امیر کا لفظ ہے اور دوسرے جز میں جماعت کا لفظ ہے گویا امیر کو چھوڑنا جماعت کو چھوڑنا ہے۔

⑤ حضرت عبادہ بن الصامت فرماتے ہیں :-

دَعَانَا النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَبَايَعَنَا فَقَالَ فِيمَا أَخَذَ عَلَيْنَا أَنْ بَايَعَنَا عَلَى السَّمْعِ وَالطَّاعَةِ فِي مَنْشَطِنَا وَمَكْرَهِنَا وَعُسْرِنَا وَيُسْرِنَا وَأَثَرَةٍ عَلَيْنَا وَأَنْ لَا نُنَازِعَ الْأُمَرَآهْلَهُ إِلَّا أَنْ تَرَوْا كُفْرًا بَوَاحًا عِنْدَكُمْ مِنَ اللَّهِ فِيهِ بُرْهَانٌ (صحیح بخاری کتاب الفتن جزر ۹ ص ۵۹ و صحیح مسلم کتاب الامارۃ باب وجوب طاعة الامراء جزر ۲ ص ۱۳۲)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں بلایا پھر ہم سے بیعت لی۔ آپ نے ہم سے جن باتوں پر بیعت لی وہ یہ تھیں کہ : (امیر کا حکم) سننا اور اطاعت کرنا، خوشی میں بھی اور ناخوشی میں بھی، تنگی میں بھی اور آسانی میں بھی اور ترجیح کی صورت میں بھی اور (اس بات پر بھی بیعت لی) کہ امیر سے (اس کے) امر کے معاملہ میں جھگڑانہ کرنا سوائے اس صورت کے کہ تم (اس کو) مرتکب کفر (کرتے) دکھو جس (کو) کفر ثابت کرنے کے لئے تمہارے پاس اللہ کی طرف سے دلیل و برہان ہو۔

⑥ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں :-

إِسْمَعُوا وَأَطِيعُوا وَإِنْ اسْتُعْمِلَ عَلَيْكُمْ عَبْدٌ حَبَشِيٌّ كَانَ رَأْسَهُ زَبِيئَةً (صحیح بخاری)

(امیر کا حکم) سنو اور اطاعت کرو اگرچہ تم پر کسی ایسے حبشی غلام ہی کو کیوں نہ (امیر) مقرر کر دیا جائے جس کا سر شمش

کتاب الاحکام باب السمع والطاعة للامام (کے برابر) ہو۔  
 ما لم تکن معصیۃ جز ۹ ص ۷۸

④ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں :-

الَسَّمْعُ وَالطَّاعَةُ عَلَى الْمَرْءِ الْمُسْلِمِ فِيمَا أَحَبَّ أَوْ كَرِهَ  
 کرنا لازمی ہے خواہ اُسے وہ (حکم) پسند ہو یا ناپسند ہو (اس شرط کے ساتھ  
 بخاری کتاب الاحکام جز ۹ ص ۷۸ و صحیح کہ) اُسے گناہ کا حکم نہ دیا جائے۔  
 مسلم کتاب الامارۃ باب وجوب طاعة الامراء

جز ۲ ص ۱۳۱

اس حدیث سے بھی معلوم ہوا کہ امیر کی اطاعت فرض ہے صرف ایک  
 شرط کے ساتھ کہ امیر گناہ کا حکم نہ دے۔ امیر کی اطاعت کے لئے حکومت کی  
 شرط کسی حدیث میں نہیں ہے۔

⑧ حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں :-

كُنَّا اِذَا بَايَعْنَا رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى  
 اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى السَّمْعِ  
 وَالطَّاعَةِ يَقُولُ لَنَا فِيمَا اسْتَطَعْتَ  
 (صحیح بخاری کتاب الاحکام باب کیف یبايع  
 الامام الناس جز ۹ ص ۹۶ و صحیح مسلم کتاب  
 الامارۃ باب البيعة على السمع والطاعة فيما

استطاع جز ۲ ص ۱۴۲)

⑨ حضرت جریرؓ فرماتے ہیں :-

بَايَعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى السَّمْعِ وَالطَّاعَةِ  
 میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے (عہد) سننے اور اطاعت کرنے پر بیعت کی تو  
 فَلَقَنِي فِيمَا اسْتَطَعْتُ (صحیح) آپ نے مجھے سکھایا (کہ اس طرح کہو)  
 بخاری کتاب الاحکام جزء ۹ ص ۹۱ جہان تک مجھ سے ہو سکے گا (سنو) گا اور  
 اطاعت کروں گا۔

مندرجہ بالا احادیث سے امیر کی اطاعت کی اہمیت آشکار ہے۔ امیر کی اطاعت کرنے پر بیعت لی جاتی تھی۔

⑩ حضرت ابوذرؓ فرماتے ہیں :-

أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يَا أَبَا ذَرٍّ إِنِّي أَرَاكَ ضَعِيفًا وَإِنِّي أُحِبُّ لَكَ مَا أُحِبُّ لِنَفْسِي لَا تَأْمُرَنَّ عَلَى اثْنَيْنِ  
 رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے ابوذر، میں دیکھتا ہوں کہ تم کمزور (آدمی) ہو اور جو چیز میں اپنے لئے پسند کرتا ہوں وہی تمہارے لئے پسند  
 صحیح مسلم کتاب الامارۃ باب کراہۃ الامارۃ کرتا ہوں تم ہرگز دو آدمیوں پر بھی امیر  
 بغیر ضرورتہ جزء ۲ ص ۱۲۲ نہ بننا۔

دو آدمیوں پر امیر بننے کی دوہی صورتیں ہو سکتی ہیں :-

- (۱) خلیفہ دو آدمیوں پر کسی کو امیر بنادے مثلاً امیر وفد۔
- (۲) خلیفہ کی عدم موجودگی میں دو آدمی خود کسی کو امیر بنالیں مثلاً امیر جماعت

یا امیر سفر۔

ان دو صورتوں میں سے کسی ایک کو خاص کر لینا بے دلیل ہے۔ دوسری صورت میں دو آدمیوں کے امیر کے پاس نہ کوئی حکومت ہوگی اور نہ فوج لیکن اس حالت میں بھی اس کی اطاعت فرض ہوگی۔ اگر فرض نہ ہو تو پھر وہ کونسی ذمہ داری



ہے جس سے ڈرایا جا رہا ہے۔

(۱۱) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں :-

عَلَيْكَ السَّمْعُ وَالطَّاعَةُ فِي تَمْرٍ (امیر کا حکم) سننا اور (اس کی) عُسْرِكَ وَيُسْرِكَ وَمَنْشَطِكَ اطاعت کرنا لازم ہے : تنگی میں بھی وَمَكْرَهِكَ وَأُثْرَةٍ عَلَيْكَ اور آسانی میں بھی، تمہاری خوشی میں بھی صحیح مسلم کتاب الامارۃ باب وجوب طاعة اور تمہاری ناخوشی میں بھی اور (غیر مستحق الامراء جز ۲ صفحہ ۱۳) کو تم پر ترجیح دئے جانے کی صورت میں بھی۔

(۱۲) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں :-

إِنْ أَمَرَ عَلَيْكُمْ عَبْدٌ مُجَدَّعٌ اگر تم پر نکٹا غلام بھی امیر بنا دیا جائے يَقُودُكُمْ بِكِتَابِ اللَّهِ فَاسْمَعُوا جو کتاب اللہ کے مطابق تمہاری رہنمائی لَهُ وَأَطِيعُوا صحیح مسلم کتاب الامارۃ کرے تو اس کی (بات کو) سنو اور اطاعت باب وجوب طاعة الامراء جز ۲ صفحہ ۱۳) کرو۔

غلام کو امیر بنائے جانے کی دو صورتیں ہیں :-

- (۱) کوئی خلیفہ کسی غلام کو امیر بنا دے مثلاً مقامی امیر یا امیر شکر وغیرہ۔
  - (۲) مشورہ سے لوگ خود کسی کو اپنا امیر بنا دیں مثلاً خلیفہ یا امیر جماعت۔
- ہر دو صورتوں میں اُس غلام کی اطاعت ضروری ہوگی۔

(۱۳) حضرت ابوذرؓ فرماتے ہیں :-

إِنَّ خَلِيلِي أَوْ صَاحِبِي أَنْ أَسْمَعَ میرے خلیل (یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) نے مجھے وصیت کی کہ میں (امیر) وَأَطِيعَ وَإِنْ كَانَ عَبْدًا مُجَدَّعًا کا حکم) سنوں اور اطاعت کروں اگرچہ الْأَطْرَافِ (صحیح مسلم کتاب الامارۃ باب وجوب طاعة الامراء جز ۲ صفحہ ۱۳) وہ ہاتھ پیر کٹا ہوا غلام ہی کیوں نہ ہو۔

(۱۴) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں :-

مَنْ خَرَجَ مِنَ الطَّاعَةِ وَفَارَقَ الْجُمَاعَةَ ثُمَّ مَاتَ مَاتَ مَيِّتَةً جَاهِلِيَّةً (صحیح مسلم کتاب الامارۃ باب الامر بلزوم الجماعة عند ظهور الفتن جز ۲ ص ۱۳۵) موت مرا۔

جو شخص (امیر کی) اطاعت سے باہر ہو گیا اور جماعت چھوڑ دی پھر (اسی حالت میں) مر گیا تو وہ جاہلیت کی

(۱۵) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں :-

مَنْ خَلَعَ يَدًا مِنْ طَاعَةِ لِقَى اللَّهَ يَوْمَ الْقِيَمَةِ لَا حُجَّةَ لَهُ وَ مَنْ مَاتَ وَلَيْسَ فِي عُنُقِهِ بَيْعَةٌ مَاتَ مَيِّتَةً جَاهِلِيَّةً (صحیح مسلم کتاب الامارۃ باب الامر بلزوم الجماعة جزء ۲ ص ۱۳۶)

جس شخص نے (امیر کی) اطاعت سے ہاتھ کھینچ لیا تو وہ قیامت کے دن اللہ سے ایسی حالت میں ملے گا کہ اس کے پاس کوئی حجت نہیں ہوگی اور جو شخص اس حالت میں مرے کہ اس کی گردن میں (امیر کی) بیعت نہ ہو تو وہ جاہلیت کی موت مرے گا۔

(۱۶) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں :-

ثَلَاثٌ لَا يُغْلُّ عَلَيْهِنَّ قَلْبُ مُؤْمِنٍ : إِخْلَاصُ الْعَمَلِ لِلَّهِ وَالطَّاعَةُ لِذَوِي الْأَمْرِ وَ لَزُومُ جَمَاعَةِ الْمُسْلِمِينَ۔ (۱) عمل کو اللہ کے لئے خالص کرنا، (۲) ذو الامر یعنی امیر کی اطاعت کرنا (۳) جماعت المسلمین سے چمٹے رہنا۔ (رواہ الحاكم عن جبیر بن مطعم و بسندہ صحیح۔ المستدرک جز ۱ ص ۸)

تین باتیں ایسی ہیں کہ ان کے معاملہ میں مؤمن کا قلب خیانت نہیں کرتا :-

(۱۷) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں :-

مَنْ خَرَجَ مِنَ الْجَمَاعَةِ قَيْدَ شُبْرٍ فَقَدْ خَلَعَ رِبْقَةَ الْإِسْلَامِ  
 جو شخص جماعت سے بالشت بھر بھی علیحدہ  
 ہوا اس نے اسلام کی رستی کو اپنی گردن  
 سے اتار دیا یہاں تک کہ وہ (دو بارہ  
 عن عبد اللہ بن عمرو سندہ صحیح۔ المستدرک جماعت کی طرف) لوٹے۔  
 جزر اول ص ۷۷۔

(۱۸) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں :-

أَنَا أُمْرُكُمْ بِخَمْسٍ أَمْرِي فِي  
 میں تمہیں پانچ چیزوں کا حکم دیتا ہوں  
 بَيْنِي وَالسَّمْعِ وَالطَّلْعَةِ وَالْجِهَادِ  
 جن (کی تبلیغ) کا اللہ نے مجھے حکم دیا ہے۔  
 وَالْهَجْرَةِ وَالْجَمَاعَةِ فَإِنَّهُ  
 (۱) (امیر کا حکم) سننا ،  
 مَنْ فَارَقَ الْجَمَاعَةَ قَيْدَ شُبْرٍ  
 (۲) اطاعت کرنا ،  
 فَقَدْ خَلَعَ رِبْقَةَ الْإِسْلَامِ مِنْ  
 (۳) جہاد کرنا ،  
 عَنْقِهِ إِلَّا أَنْ يُرَاجَعَ (رواہ الترمذی  
 (۴) ہجرت کرنا اور  
 فِي الْبَابِ الْأَمْتَالِ عَنِ الْحَارِثِ الْأَشْعَرِيِّ  
 (۵) جماعت (سے چمٹے رہنا) کیونکہ جو  
 وَصَحَّ - جزر ۲ ص ۷۷۔

شخص جماعت سے بالشت بھر بھی علیحدہ  
 ہوا اس نے اسلام کی رستی کو اپنی گردن  
 سے علیحدہ کر دیا سوائے اس صورت  
 کے کہ وہ (جماعت کی طرف) واپس  
 لوٹے۔

(۱۹) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں :-

عَلَيْكُمْ بِالْجَمَاعَةِ وَإِيَّاكُمْ  
 جماعت کو لازم پکڑو۔ علیحدگی سے  
 وَالْفُرْقَةَ فَإِنَّ الشَّيْطَانَ مَعَ  
 بچو کیونکہ شیطان ایک آدمی کے ساتھ



الْوَّاحِدِ وَهُوَ مِنَ الْإِثْنَيْنِ رہتا ہے، دو سے دور ہو جاتا ہے۔  
 أَبَعْدُ (رواہ الترمذی فی ابواب الفتن  
 وصحہ جز ۲ ص ۹۶)

یہ حدیث ہر زمانہ کے لئے عام ہے۔ کوئی زمانہ اس کے لئے مخصوص نہیں۔ کیا جس زمانہ میں جماعت کے پاس حکومت نہ ہو جماعت سے علیحدگی اختیار کر کے شیطان کو اپنا ساتھی بنانا جائز ہے۔ ہرگز نہیں، لہذا جماعت سے علیحدگی بھی ہرگز جائز نہیں۔ جماعت سے چمٹے رہنا ضروری ہے اور یہ جب ہی ہو سکتا ہے کہ جماعت کے امیر سے بھی چمٹا رہے۔

(۲۰) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں :-

مَنْ فَارَقَ الْجَمَاعَةَ وَاسْتَذَلَّ جَوْشَخْصِ جَمَاعَتٍ چھوڑ دے، امارت  
 الْإِمَارَةَ لَقِيَ اللَّهَ وَلَا حُجَّةَ کی تذلیل کرے وہ اللہ سے اس  
 لَهُ عِنْدَ اللَّهِ (رواہ الحاکم وسندہ حال میں ملے گا کہ اللہ کے نزدیک اس  
 صیحح۔ المستدرک جز ۱ اول ص ۱۱۹) کے پاس کوئی حجت نہ ہوگی (یعنی اس  
 کے پاس کوئی حجت نہیں ہوگی جو عند اللہ  
 مقبول ہو)۔

مندرجہ بالا تمام احادیث میں

- (۱) امیر کی اطاعت پر زور دیا گیا ہے۔ کسی حدیث میں بھی امیر کے ساتھ حکومت کی شرط نہیں لگائی گئی،
- (۲) جماعت سے چمٹے رہنے کی تاکید کی گئی ہے۔ جماعت سے چمٹے رہنا بھی اسی صورت میں ممکن ہے کہ امیر جماعت سے چمٹا رہے اور امیر جماعت سے چمٹے رہنا اسی صورت میں ممکن ہے کہ اس کی اطاعت کرتا رہے۔

## امام جماعت اور امیر جماعت ہم معنی ہیں

① رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں :-

أَلَا كَلَّكُمْ رَاعٍ وَكَلَّكُمْ مَسْئُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ فَإِنَّ مَامَ الَّذِي عَلَى النَّاسِ رَاعٍ وَهُوَ مَسْئُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ وَالرَّجُلُ رَاعٍ عَلَى أَهْلِ بَيْتِهِ وَهُوَ مَسْئُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ وَالْمَرْأَةُ رَاعِيَةٌ عَلَى أَهْلِ بَيْتِ زَوْجِهَا وَوَلَدِهَا وَهِيَ مَسْئُولَةٌ عَنْهُمْ وَعَبْدُ الرَّجُلِ رَاعٍ عَلَى مَالِ سَيِّدِهِ وَهُوَ مَسْئُولٌ عَنْهُ أَلَا فَكَلَّكُمْ رَاعٍ وَكَلَّكُمْ مَسْئُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ (صحیح بخاری کتاب الاحکام باب قول اللہ تعالیٰ واطيعوا اللہ واطيعوا الرسول واولی الامر منکم جز ۹ ص ۷)

خبردار، تم میں سے ہر شخص حکمراں ہے اور تم میں سے ہر شخص سے اس کی رعیت کے متعلق باز پرس ہوگی۔ امام جو لوگوں پر حکمراں ہوتا ہے اس سے اس کی رعیت کے متعلق باز پرس ہوگی، مرد اپنے اہل بیت پر حکمراں ہے اور اس سے اس کے اہل بیت کے متعلق باز پرس ہوگی، عورت اپنے شوہر کے اہل بیت اور اس کی اولاد پر حکمراں ہے اور اس سے ان کے متعلق باز پرس ہوگی، اور غلام اپنے آقا کے مال پر حکمراں ہے اور اس سے (اس) مال کے متعلق باز پرس ہوگی۔ (الغرض) خبردار! (جو جاق) تم میں سے ہر ایک حکمراں ہے اور تم میں سے ہر ایک سے اس کی رعیت کے متعلق باز پرس ہوگی۔

اس حدیث میں لفظ راع استعمال ہوا ہے۔ اس کے معنی درج ذیل ہیں :-

(۱) اسم فاعل وکل من ولی امر قوم، وفي الاصطلاح هو المتحقق في معرفة الامور

السیاسة المتعلقة بالمدينة المتمكن على تدبير النظام الموجب لصلاح العالم (محیط

المحیط قاموس مطول للغة العربية ص ۳۲

**ترجمہ** (یہ لفظ رعایت سے) اسم فاعل (ہے، اس سے مراد) ہر وہ شخص ہے جو کسی قوم کے امر کا والی ہو اور اصطلاح میں (اس سے مراد وہ شخص ہے جو) مذہب کے متعلق امور سیاست کو واجب اور قائم کرنے والا (ہو یا) جو صلح عالم کے لئے انتظامی تدابیر پر قدرت رکھنے والا (ہو)۔

(۲) کل من ولی امر قوم کالاسقف والبطریق وغیرہما (المنجد فی اللغة و الادب والعلوم ص ۲۶۸)

**ترجمہ** ہر وہ شخص جو کسی قوم کے امر کا والی ہو جیسے اسقف (بادشاہ یا عالم) اور بطریق (سردار یا رئیس)۔

(۳) والی، امیر (منتہی الارب فی لغات العرب)

الغرض مندرجہ بالا تصریحات کے لحاظ سے "رایع" کا صحیح ترجمہ حکمراں ہے۔

② رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں :-

ثَلَاثَةٌ لَا تَسْأَلُ عَنْهُمْ رَجُلٌ تین آدمی ایسے ہیں کہ ان کے متعلق نہ  
فَارَقَ الْجَمَاعَةَ وَعَصَى إِمَامَهُ پوچھو کہ ان کا کیا حشر ہوگا) : ایک تو  
وَمَاتَ عَاصِيًا وَآمَةً أَوْ وہ شخص جو جماعت چھوڑ دے، اپنے  
عَبْدٍ أَبَقَ فَمَاتَ وَامْرَأَتَهُ امام کی نافرمانی کرے اور نافرمانی  
غَابَ عَنْهَا زَوْجُهَا قَدْ كَفَاهَا کی حالت میں مرجائے، دوسرا وہ غلام  
مُؤُونَةٌ الدُّنْيَا فَتَبَرَّجَتْ یا لونڈی جو بھاگ جائے اور اسی حالت  
بَعْدَهُ فَلَا تَسْأَلُ عَنْهُمْ (مسند میں) مرجائے، تیسری وہ عورت جس  
امام احمد و مستدرک حاکم و سندہ صحیح کا شوہر اس کے پاس موجود نہ ہو اور وہ  
المستدرک جزء اول ص ۱۱ و حجاب المرأة اس کی دنیا کی ضروریات پوری کر گیا ہو



پھر وہ اس کے جلنے کے بعد اپنا بناؤ سنگھا  
ظاہر کرے (الغرض) ان (تینوں) کے متعلق  
(کچھ) نہ پوچھو (کہ ان کے ساتھ کیا معاملہ  
ہوگا)۔

③ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شر کے ایک زمانہ کا ذکر کرتے ہوئے

فرمایا :-

دَعَا عَلَىٰ أَبْوَابِ جَهَنَّمَ مَنْ  
أَجَابَهُمْ إِلَيْهَا قَدْ فُتِيَ فِيهَا۔  
(اس زمانہ میں) دوزخ کے دروازوں پر  
ایسے بلانے والے ہوں گے کہ جو شخص ان  
کی بات کو مان لے گا وہ اُسے دوزخ میں  
جھونک دیں گے۔

حضرت حذیفہؓ نے پوچھا :

فَنَاتَا مُرْفِي إِنْ أَدْرَا كُنِي  
ذَلِكَ۔  
اگر میں وہ زمانہ پاؤں تو آپ مجھے کیا حکم  
دیتے ہیں (میں کیا کروں) ؟

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :-

تَلْزَمُ جَمَاعَةَ الْمُسْلِمِينَ  
وَإِمَامَهُمْ (صحیح بخاری کتاب الفتن  
باب كيف الامر اذا لم تكن جماعة جز ۲ ص ۶۵)  
تم جماعت المسلمین اور ان کے امام سے  
چپٹے رہنا۔  
و صحیح مسلم کتاب الامارة باب لزوم الجماعة  
عند ظهور الفتن جز ۲ ص ۱۳۵

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اُس شر کے زمانہ میں اسلامی حکومت نہیں ہوگی  
کیونکہ اسلامی حکومت کی موجودگی میں گمراہ کرنے والے داعی کیسے باقی رہ سکتے ہیں۔

مزید برآں اسلامی حکومت کا زمانہ تو خیر کا زمانہ ہو تا ہے نہ کہ شر کا۔  
 جماعت المسلمین سے چمٹے رہنے کے معنی یہ ہیں کہ جماعت میں شامل رہے۔  
 امام جماعت سے چمٹے رہنے کے معنی یہ ہیں کہ امام کی اطاعت کرے، اس  
 کی اطاعت سے ہاتھ نہ کھینچے۔ امام سے چمٹنے کے معنی اطاعت ہی ہو سکتے ہیں اور  
 اس کے سوا دوسرے معنی نہیں ہو سکتے۔

(۴) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں :-

مَنْ مَاتَ وَلَيْسَ عَلَيْهِ إِمَامٌ جَمَاعَةٌ فَإِنْ مَوْتُهُ مَوْتَةٌ  
 جَاهِلِيَّةٌ رَوَاهُ الْحَاكِمُ وَسَنَدُهُ صَحِيحٌ جَاهِلِيَّةٌ رَوَاهُ الْحَاكِمُ وَسَنَدُهُ صَحِيحٌ  
 المتدرک جزء اول ص ۱۱۱

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ہر مسلم کو اس حالت میں مرنا چاہیے کہ وہ کسی  
 امام کا ماتحت ہو۔ مندرجہ بالا تمام احادیث میں امام کی اطاعت کے لئے حکومت  
 کی کوئی شرط نہیں ہے۔ لہذا امام جیسا بھی ہو اس کی اطاعت کرنی ہوگی۔  
 ”امیر کی اطاعت“ اور ”امام جماعت....“ کی ذیل میں جو احادیث نقل کی  
 گئی ہیں ان کے مضمون سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ امیر اور امام میں کوئی فرق  
 نہیں۔ یہ دونوں لفظ ایک دوسرے کے بجائے استعمال ہوتے رہتے ہیں :-

## امیر کے معنی

”امیر“ صفت مشتبہ ہے۔ اس کا مصدر امارت ہے جس کے معنی ہیں:

”امروالا ہونا“۔

صفت مشتبہ میں مصدری معنی کا ثبوت اور لزوم سمجھا جاتا ہے لہذا امیر

کے معنی میں ”امروالا“ ہونے کی صفت ثابت ہے اور اپنے موصوف کے ساتھ لازم یعنی چمٹی ہوئی ہے۔ یہ صفت یعنی ”امروالا“ ہونا امیر سے کبھی علیحدہ نہیں ہو سکتی۔ ایسا نہیں ہو سکتا کہ کسی شخص کو امیر کہا جائے اور وہ ”حکم والا“ نہ ہو۔ امیر ہر حال میں حکم والا ہوگا۔ اس کا حکم ہر حال میں اور ہر وقت مانا جائیگا۔ اگر کسی شخص میں ”حکم والا“ ہونے کی صفت ہر حال میں نہ پائی جائے تو اسے آمر تو کہہ سکتے ہیں اور وہ بھی صرف اس وقت تک جب تک وہ حکم دینے کا فعل کر رہا ہو لیکن اسے امیر نہیں کہہ سکتے۔

## امام کے معنی

امام کے معنی ہیں : من یؤتم بہ ای یقتدی بہ من رئیس او غیرہ (محیط المحيط ص ۱۶) یعنی وہ شخص جس کی پیروی کی جائے خواہ وہ رئیس ہو یا کوئی اور۔ پیروی احکام میں بھی ہوتی ہے اور اقوال میں بھی۔ احکام کی پیروی کے سلسلہ میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :-

وَهَذَا كِتَابٌ أَنْزَلْنَاهُ مُبَارَكٌ (یہ بڑی) بابرکت کتاب ہے جو ہم نے فَاتَّبِعُوهُ (الانعام - ۱۵۵) نازل کی ہے لہذا اس کی پیروی کرتے رہو۔ افعال کی پیروی تو عموماً کی ہی جاتی ہے اور اس کے لئے کسی ثبوت کی ضرورت نہیں۔

## بے حکومت امیر کی اطاعت

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں :-  
إِذَا خَرَجَ ثَلَاثَةٌ فِي سَفَرٍ جب تین آدمی سفر کے لئے نکلیں تو فَلْيُؤْمَرُوا أَحَدَهُمْ - انہیں چاہیے کہ اپنے میں سے ایک کو



(رواہ ابوداؤد فی کتاب الجہاد ورواہ امیر بنالیس۔

ثقات وسندہ صحیح وحسنہ الالبانی فی

تعلیقاتہ علی مشکوٰۃ ۲/۱۱۴۵)

اس حدیث سے مندرجہ ذیل باتیں ثابت ہوئیں :-

(۱) سفر میں بھی بغیر امیر کے نہ رہے ،

(۲) امیر سفر کے پاس نہ حکومت ہوتی ہے اور نہ اُسے کوئی خلیفہ مقرر کرتا

ہے بلکہ حدیث کی رو سے مسافر خود کسی کو اپنا امیر مقرر کر لیتے ہیں ،

(۳) امیر بننے کا مقصد سوائے اطاعت کے اور کچھ نہیں ہو سکتا اور

(۴) ایسے امیر کی اطاعت بھی ضروری ہے جس کے پاس کوئی حکومت نہ ہو۔

**نتیجہ** | اللہ تعالیٰ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سفر کی قلیل مدت میں بھی مسافروں کا بغیر امیر کے رہنا پسند نہیں فرماتے تو یہ کیسے ممکن ہے کہ شہر میں مسلم آبادی کا دائمی طور پر بغیر امیر کے رہنا پسند فرمائیں گے۔ اگر سفر کی قلیل سی مدت میں امیر کا ہونا ضروری ہے تو حضر کی طویل مدت میں امیر کا ہونا اور بھی زیادہ ضروری ہے اور کیونکہ امیر سفر کی بغیر حکومت کے اطاعت ضروری ہے تو امیر جماعت کی بھی بغیر حکومت کے اطاعت ضروری ہے۔ نہ آیت میں اور نہ کسی حدیث میں امیر کی اطاعت کے لئے حکومت کی شرط لگائی گئی ہے اور نہ لگائی جاسکتی ہے۔ حکومت کی شرط لگانا خود ساختہ ہے لہذا کالعدم ہے۔

شوہر اور ماں باپ کی اطاعت بھی فرض ہے لیکن ان کی اطاعت کے لئے بھی حکومت کی شرط نہیں تو آخر امیر جماعت کے لئے حکومت کی شرط لگانا کس حد تک صحیح ہے۔ یقیناً یہ شرط لغو ہے۔

امیر سفر کی اطاعت سے صرف چند مسافروں کا مفاد وابستہ ہوتا ہے ،

شوہر کی اطاعت سے بیوی کا مفاد وابستہ ہوتا ہے، ماں باپ کی اطاعت سے صرف اولاد کا مفاد وابستہ ہوتا ہے پھر بھی یہ اطاعتیں تو فرض ہوں اور امیرِ جماعت کی اطاعت فرض نہ ہو جس سے پوری جماعت اور اللہ تعالیٰ کے دین کا مفاد وابستہ ہو۔ یہ کتنی حیرت انگیز بات ہے۔

الغرض منقول و معقول دلائل سے یہ بات ثابت ہو گئی کہ امیر کی اطاعت فرض ہے۔

## اعتراضات اور ان کے جوابات

**اعتراض ۱** | بعض لوگ کہتے ہیں کہ خلیفہ کو امیر یا امام کہا گیا ہے لہذا جہاں کہیں بھی امیر یا امام کا لفظ آئیگا اس سے خلیفہ ہی مراد ہوگا۔

**جواب** | یہ تو صحیح ہے کہ خلیفہ کو بھی امیر یا امام کہا جاتا ہے لیکن یہ کتنا صحیح نہیں کہ جہاں کہیں امیر یا امام کا لفظ آئیگا اس سے مراد خلیفہ ہی ہوگا۔ قرآن مجید اور احادیث صحیحہ سے اس مفروضہ کا کوئی ثبوت نہیں۔ ہر خلیفہ امیر یا امام ہوتا ہے لیکن ہر امیر یا امام خلیفہ نہیں ہوتا۔

**اعتراض ۲** | امیر جماعت کی اطاعت اگر فرض ہے تو وہ شرعی سزائیں کیوں نہیں نافذ کرتا۔

**جواب** | اس اعتراض کا پہلا جواب تو یہ ہے کہ ہر انسان کو اس کی طاقت کے مطابق مکلف بنایا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :-

لَا يُكَلِّفُ اللَّهُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا کسی شخص کو تکلیف نہیں دی جاتی مگر (البقرہ - ۲۸۶)

اس کی طاقت کے مطابق۔

لہذا امیر جماعت اپنی طاقت کے مطابق کام کرے گا۔

دوسرا جواب اس کا یہ ہے کہ امیر جماعت خلافت کے حصول کے لئے

جدوجہد کرتا ہے لہذا اس جدوجہد کے زمانہ میں اس سے خلیفہ کے فرائض کی ادائیگی کا مطالبہ کرنا بالکل لغو ہے۔ اس کو ایک مثال کے ذریعہ سمجھیے: تیسری جماعت میں پڑھنے والا بھی طالب علم ہے اور بی، اے میں پڑھنے والا بھی طالب علم ہے، تیسری جماعت میں پڑھنے والا کوشش کر رہا ہے کہ وہ بھی بی، اے کا طالب علم بن جائے لیکن ابھی بنا نہیں تو کیا اس تیسری جماعت کے طالب علم سے یہ مطالبہ کیا جاسکتا ہے کہ وہ بی، اے کے امتحان کے پرچے حل کرے۔ ہرگز نہیں دونوں میں محض طالب علم ہونے کی یکسانیت اس بات کی متقاضی نہیں کہ تیسری جماعت کا طالب علم بی، اے کے پرچے حل کرے۔ بالکل اسی طرح امیر جماعت بھی امیر ہوتا ہے اور خلیفہ بھی امیر ہوتا ہے تو کیا امیر جماعت سے اس حال میں کہ وہ خلیفہ بننے کی کوشش کر رہا ہو یہ مطالبہ کیا جاسکتا ہے کہ وہ خلیفہ کے فرائض انجام دے۔ ہرگز نہیں۔ محض امارت کی یکسانیت اس بات کی متقاضی نہیں ہو سکتی کہ ہر امیر سے خلیفہ کے فرائض کی ادائیگی کا مطالبہ کیا جائے۔

## امیر جماعت اسوہ رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی روشنی میں

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں غالب نہیں تھے۔ آپ کے ہاتھ میں نہ اقتدار تھا اور نہ حکومت البتہ آپ کی حکومت مسلمانوں کے قلوب و ابدان پر تھی جو کچھ آپ فرماتے تھے مسلمان اس کی اطاعت کرتے تھے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مکی زندگی کے مقاصد یہ تھے :-

(۱) اللہ تعالیٰ کی حاکمیت کی تبلیغ اور اس عقیدہ کو قلوب میں راسخ کرنا،

(۲) مسلمانوں کی اصلاح و تربیت،

(۳) مسلمانوں کو نظم و ضبط اور صبر و استقامت کی تلقین۔



رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مکی زندگی اللہ تعالیٰ کی حاکمیت کے عقیدہ کو عملی جامہ پہنانے یعنی اس عقیدہ کی بنیاد پر حکومت الہیہ قائم کرنے کی منظم تحریک تھی۔ ہر تنظیم میں بعض قواعد و ضوابط پر سختی سے عمل کرایا جاتا ہے۔ تنظیم کی قوت اور قواعد و ضوابط پر عمل سربراہ تحریک کی اطاعت پر منحصر ہے۔ اگر سربراہ کی اطاعت نہ ہوگی تو تنظیم بھی نہ ہوگی اور اگر تنظیم نہ ہوگی تو تحریک ختم ہو جائے گی۔ مکی زندگی میں بھی مسلمین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مکمل اطاعت کرتے تھے اور حکومت الہیہ کی منزل کی طرف رواں دواں تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ زندگی بھی مسلمانوں کے لئے نمونہ اور مشعلِ راہ ہے۔ اسی زندگی کی اتباع کر کے مسلمین منزلِ مقصود کو پہنچ سکتے ہیں۔ حکومت الہیہ کے لئے جو تحریک چلائی جائے یا چلائی جا رہی ہے اس کے لئے اسوۂ حسنہ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مکی زندگی ہے جس طرح مکی زندگی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کی جاتی تھی اسی طرح حکومت الہیہ کو قائم کرنے کی ہر تحریک میں امیر تحریک کی اطاعت لازمی ہوگی۔ اگر امیر کی اطاعت نہ کی جائے تو امیر کی حیثیت ایک میٹھ کے بت سے زیادہ نہیں ہوگی، مرکزیت ختم ہو جائے گی اور تحریک مردہ ہو جائے گی۔ الغرض امیر جماعت کی اطاعت بہت ضروری ہے اس لئے کہ اس کے بغیر حکومت الہیہ کا قیام ناممکن ہے۔

## ایک اعتراض اور اس کا جواب

**اعتراض** | مکی زندگی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت آپ کے نبی ہونے کی حیثیت سے کی جاتی تھی لہذا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مکی زندگی ہمارے لئے نمونہ نہیں بن سکتی تا وقتیکہ ہمارا قائد بھی نبی نہ ہو۔

**جواب** | نبوت ختم ہوگئی، نبی اب کوئی نہیں بن سکتا لہذا تنظیم کا کام اب کسی غیر نبی ہی سے لیا جاسکتا ہے اور وہ اس تنظیمی کام میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی ہی کو اپنا نمونہ بنائے گا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نبی تھے اسی لئے تو آپ کی ملکی زندگی ہمارے لئے نمونہ ہے۔ اگر آپ نبی نہ ہوتے تو آپ کی ملکی زندگی ہمارے لئے نمونہ نہ ہوتی۔ ہم نبوت میں بے شک آپ کے شریک نہیں ہو سکتے لیکن آپ کے اقوال و افعال میں عموماً ہم آپ کے شریک ہیں یعنی ہم وہی کرتے ہیں جو آپ نے فرمایا اور جو آپ نے کیا۔ خلافت کی تحریک میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کی جاتی تھی اسی بنیاد پر خلافت کی ہر تحریک میں امیر جماعت کی اطاعت لازمی طور پر کی جائے گی۔

یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر ملکی زندگی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت بہ حیثیت نبی کے کی جاتی تھی لہذا وہ اطاعت اور اس اطاعت کی بنیاد پر آپ کی تنظیم ہمارے لئے نمونہ نہیں تو پھر بتائیے کہ کیا خلافت کی تحریک میں کسی غیر نبی کی زندگی کو نمونہ بنائیں اگر نہیں تو پھر نمونہ کہاں سے لائیں۔

دوسرا سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر تحریک خلافت کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں ہمارے لئے کوئی نمونہ نہیں تو کیا آپ کا اسوۂ حسنہ ہمارے لئے کامل نمونہ نہیں! کیا اسلام ناقص ہے کہ اس سلسلہ میں وہ ہماری رہنمائی نہیں کرتا۔

الغرض مندرجہ بالا اعتراض ایک شیطانی وسوسہ ہے اور اس سے زیادہ کچھ نہیں۔

## اعلائے کلمۃ الحق فرض ہے

اس امر پر تو سب متفق ہیں کہ اعلائے کلمۃ الحق فرض ہے اور اس کے لئے خلافت کا قیام ضروری ہے۔ اگر اعلائے کلمۃ الحق فرض ہے تو کیا اس کے لئے حتی الامکان جدوجہد فرض نہیں ہوگی۔ ضرور ہوگی۔ اس کے لئے ضرور ایک منظم تحریک چلانی ہوگی، ایک مضبوط جماعت بنانی ہوگی اور تحریک منظم اور جماعت مضبوط اسی صورت میں ہو سکتی ہے جبکہ امیر جماعت کی اطاعت فرض ہو۔ اگر امیر جماعت اعلائے کلمۃ الحق کے لئے جہاد کا حکم دے اور جماعت حکم ماننے سے یہ کہہ کر انکار کر دے کہ امیر جماعت کی اطاعت نفل ہے تو کیا جماعت اعلائے کلمۃ الحق کے فریضہ کو ادا کر سکے گی، ہرگز نہیں۔ اگر جماعت اعلائے کلمۃ الحق کو فرض سمجھتی ہے تو وہ یہ سوچے کہ پھر اس کے حصول کا ذریعہ کیا ہوگا۔ کیا اس کے سوا اور بھی کوئی ذریعہ ہو سکتا ہے کہ جماعت اپنے امیر کے حکم جہاد کو فرض سمجھے اور فوراً جہاد کے لئے تیار ہو جائے۔ امیر کے تمام احکام اعلائے کلمۃ الحق ہی کے گرد گھومتے ہیں لہذا اس کے ہر حکم کی اطاعت کرنی ضروری ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :-

وَعَدَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْأَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِينَهُمُ الَّذِي ارْتَضَىٰ

جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے اللہ کا ان سے وعدہ ہے کہ انہیں زمین میں خلافت عطاء فرمائے گا جس طرح اُن لوگوں کو خلافت دی تھی جو ان سے پہلے گزرے ہیں اور ان کے لئے ان کے دین کو جس کو اس نے اُن کے لئے



لَهُمْ وَلَيَبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْ بَعْدِ خَوْفِهِمْ أَمْنًا۔  
 پسند فرمایا ہے مستحکم کر دے گا اور ان کے خوف و ہراس (کو ختم کرنے) کے بعد

(النور - ۵۵) (اس کے) بدلہ میں امن عطا فرمائے گا۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے صالح مؤمنین سے تین وعدے فرمائے ہیں:-

۱۔ ان کو حکومت و خلافت عطا فرمائے گا،

۲۔ دین اسلام کو مستحکم کر دے گا،

۳۔ خوف کی زندگی کے بدلہ میں امن و امان کی زندگی دے گا۔

آیت بالا سے معلوم ہوتا ہے کہ ان وعدوں کے پورا ہونے سے پہلے

۱۔ ان کے پاس کوئی حکومت نہ ہوگی،

۲۔ دین اسلام مستحکم نہیں ہوگا،

۳۔ ان کے دن خوف و ہراس میں گزرتے ہوں گے۔

اب سوال یہ ہے کہ ان صالح مؤمنین کو حکومت، استحکام دین اور امن و امان کیسے عطا ہوگا؟ کیا اس کے لئے انہیں کچھ کرنا ہوگا یا بغیر کچھ کے تحفہً انہیں

یہ چیزیں مل جائیں گی؟ کیا خلافت کے عطاء ہونے سے پہلے مؤمنین کی

کوئی جماعت ہوگی یا نہیں؟ اگر جماعت ہوگی تو کیا اس کا امیر ہوگا یا نہیں؟

اگر امیر ہوگا تو اس کی اطاعت لازمی ہوگی یا نہیں؟ ظاہر ہے کہ حصول

خلافت کے لئے ان صالح مؤمنین کو جماعت بھی منظم کرنی ہوگی، امیرِ جماعت

کی اطاعت بھی کرنی ہوگی اور پھر جد و جہد بھی کرنی ہوگی جیسا کہ اللہ تعالیٰ

فرماتا ہے:-

وَجَاهِدُوا فِي اللَّهِ حَقَّ

جِهَادِهِ (الحج - ۷۸) جہاد کرنے کا حق ہے۔

## ایک اعتراض اور اس کا جواب

**اعتراض** | امیر صرف دو ہی قسم کے ہیں یعنی امیر سلطنت (خلیفہ) یا امیر سفر۔ تیسرے امیر کا کوئی تصور اسلام میں نہیں۔

**جواب** | اگر تیسرے امیر کا کوئی تصور اسلام میں نہیں تو پھر تیسری جماعت کا تصور بھی اسلام میں نہیں۔ ایسی صورت میں اعتراض کرنے والوں کو چاہئے کہ اپنی جماعت توڑ دیں، امیر کو کالعدم کر دیں۔ اگر وہ اپنی جماعت نہیں توڑتے اور اپنے امیر کو کالعدم نہیں کرتے تو وہ ایک بدعت کے مرتکب ہوں گے۔

ہمارے نزدیک تو تیسری جماعت اور تیسرے امیر کا تصور اسلام میں موجود ہے اور ہم گزشتہ صفحات میں خصوصاً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مکی زندگی کے ضمن میں اسے بیان کر چکے ہیں۔

## بعض سوالات اور ان کے جوابات

بعض لوگ اس سلسلہ میں کئی سوال کرتے ہیں۔ ان کے یہ سوالات مع جوابات درج ذیل ہیں :-

**سوال** | کیا اطاعت کے لحاظ سے امیر کی کئی قسمیں ہیں مثلاً سیاسی امیر، غیر سیاسی امیر یا اجتہادی اولوالامر وغیرہ۔

**جواب** | اس سوال کو اگر فقہار کے ہاں بھیجا جاتا تو بہت اچھا ہوتا کیونکہ یہ کام ان کے ہاں بڑے شد و مد سے ہوتا ہے۔ وہ لوگ اقسام بھی بنا لیتے ہیں اور پھر ہر قسم کے احکام بھی علیحدہ علیحدہ وضع کر لیتے ہیں۔ جماعت المسلمین تو جو کچھ قرآن مجید اور احادیث میں ہے اُسے پہنچانے والی ہے۔ جماعت المسلمین

نہ تو اقسام بناتی ہے اور نہ اسے جائز سمجھتی ہے۔ اطاعت کے لحاظ سے نہ قرآن مجید میں اولوالامر کی اقسام بیان کی گئی ہیں اور نہ حدیث میں لہذا اطاعت کے لحاظ سے اولوالامر یا امیر کی بس ایک قسم ہے یعنی ہر امیر واجب الاطاعت ہے۔

ہر امیر سیاسی ہوتا ہے کیونکہ سیاست اسلام کا جزو اعظم ہے۔ امارت سے اگر سیاست کو نکال دیا جائے تو وہ پیری مریدی یا خالقانیت ہے، اسلام نہیں۔

سوال کرنے والوں کو چاہیئے کہ سوال میں جن اقسام کا ذکر ہے ان کا ثبوت قرآن مجید اور حدیث سے دیں اور پھر سوال کریں۔ یہ اقسام بالکل لغو اور خود ساختہ ہیں۔

**سوال ۱۲** | تلزم جماعة المسلمين واماہم کے تحت جماعت کے سربراہ کو حاکم، امیر، امام یا خلیفۃ المسلمین کہا جاسکتا ہے؟

**جواب** | ہم تو صرف وہی کہتے ہیں جو قرآن مجید اور حدیث میں ہے۔ اپنی طرف سے کچھ نہیں کہتے۔ امیر سفر، امیر لشکر، امیر جماعت، امیر حج، امیر مکہ کے الفاظ تو ہمیں احادیث میں ملتے ہیں لہذا ہم بھی ان الفاظ کو استعمال کرتے ہیں۔ خلیفہ سفر، خلیفہ لشکر، خلیفہ جماعت، خلیفہ حج یا خلیفہ مکہ کے الفاظ حدیث میں نہیں ملتے لہذا ہم بھی انہیں استعمال نہیں کرتے۔ ”حاکم“ کے ساتھ بھی یہ مرکب اضافی ہمیں حدیث میں نہیں ملتے لہذا ہم بھی ان مرکبات کو استعمال نہیں کرتے۔ جماعت کے سربراہ کے لئے امیر یا امام کے الفاظ حدیث میں ملتے ہیں لہذا یہی الفاظ استعمال کرنے چاہئیں۔

**سوال ۱۳** | کیا جماعت کے سربراہ کی انتظامی امور میں اطاعت فرض



ہے یا نفل۔

**جواب** | جماعت کے سربراہ کو امیر یا امام کہتے ہیں اور گزشتہ اوراق میں ہم امیر یا امام کی اطاعت کو فرض ثابت کر چکے ہیں لہذا جماعت کے سربراہ کی اطاعت فرض ہے۔

**سوال ۴** | اگر کوئی شخص جماعت کے سربراہ کی انتظامی امور میں اطاعت نہیں کرتا تو کیا وہ گنہگار ہوگا۔

**جواب** | فرض کا تارک یقیناً گنہگار ہے۔

**سوال ۵** | جماعت المسلمین کے سربراہ کے اختیارات شریعت نے کس حد تک متعین کئے ہیں؟

**جواب** | کیونکہ جماعت کے سربراہ کے لئے شرعی لفظ امیر یا امام ہے لہذا جماعت کے سربراہ کو وہ تمام اختیارات حاصل ہیں جو شریعت نے امیر یا امام کے لئے متعین کئے ہیں۔

**سوال ۶** | جماعت کے سربراہ کو اولوالامر یا غیر اولی الامر یا اجتہادی اولوالامر کتنا کہاں تک درست ہے؟

**جواب** | جماعت کے سربراہ کو اولوالامر کہہ سکتے ہیں۔ باقی الفاظ خود رختہ ہیں۔ قرآن مجید یا حدیث میں یہ الفاظ نہیں ملتے لہذا ان کے متعلق سوال لغو ہے۔ مزید برآں غیر اولی الامر سے مراد امیر ہو ہی نہیں سکتا۔ مامور ہو سکتا ہے۔

## معرضین سے چند سوالات

(۱) کیا سیاسی امیر اور غیر سیاسی امیر یا اولوالامر، غیر اولی الامر، اور اجتہادی اولوالامر کے الفاظ قرآن مجید یا حدیث

نبوی میں ملتے ہیں؟ اگر ملتے ہیں تو ان کا ثبوت دیجئے۔  
 (۲) اعلائے کلمۃ الحق یا حصولِ خلافت کے لئے لائحہ عمل  
 کیا ہوگا؟

(۳) کیا اس لائحہ عمل کا ثبوت سنتِ رسول (صلی اللہ علیہ وسلم)  
 میں ملتا ہے؟

(۴) اگر اس لائحہ عمل کا ثبوت سنتِ رسول (صلی اللہ علیہ وسلم)  
 میں نہیں ملتا تو کیا اس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اسلام  
 کی کاملیت میں تو فرق نہیں آتا؟

(۵) اگر اس لائحہ عمل کا ثبوت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی  
 سنت میں نہیں ملتا تو کیا یہ لائحہ عمل بدعت نہیں ہوگا؟

(۶) اگر کسی دینی مقصد کے لئے جماعت کا قیام ضروری ہو تو کیا  
 وہ چیز جس کے بغیر جماعت چل نہ سکے ضروری ہوگی یا نہیں۔ اگر نہیں  
 تو کیوں؟

## جماعتِ امین

مسجد المسلمین۔ کوثر نیازی کالونی۔ نارتھ ناظم آباد، بلاک جی، کراچی ۲۳۔

## طاغوت کے متعلق غلط فہمیاں اور ان کا ازالہ

طاغوت مندرجہ ذیل مصادر سے نکلا ہے :-

طُغُوْ ، طُغُوْ اور طُغُوَانُ

ان مصادر کے معنی ہیں : حد سے بڑھ جانا (مصباح اللغات) جاذ القدر

والحد (قدر اور حد سے بڑھ گیا) (محیط المحيط)

طاغوت کے معنی ہیں : حد سے تجاوز کرنے والا (مصباح اللغات) ہر وہ

شخص جو حد شکن ہو (مفردات القرآن امام راغب اصفہانی)

(۲) اصطلاح شرع میں طاغوت اس شخص کو کہتے ہیں جو لوگوں کو ایمان کی

روشنی سے نکال کر گمراہی کی تاریکیوں میں لے جائے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :-

اللَّهُ وَلِيُّ الَّذِينَ آمَنُوا يُخْرِجُهُم مِّنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ وَالَّذِينَ كَفَرُوا أُولَئِكَ هُمُ الطَّاغُوتُ يُخْرِجُونَهُم مِّنَ النُّورِ إِلَى الظُّلُمَاتِ (البقرة - ۲۵۷)

اللہ ایمان والوں کا دوست ہے۔ وہ انہیں تاریکیوں سے نکال کر نور

کی طرف لے آتا ہے اور وہ لوگ جو

کافر ہیں ان کے دوست طاغوت

ہیں جو انہیں نور سے نکال کر تاریکیوں

کی طرف لے آتے ہیں۔

اس آیت سے ثابت ہوا کہ جو لوگ اللہ کے دین سے منحرف کریں

اور لوگوں کو نور ہدایت سے نکال کر ضلالت کی تاریکیوں میں لے آئیں وہ طاغوت

ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ ایسے لوگوں سے بچا جائے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا



ہے :-  
 وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِي كُلِّ أُمَّةٍ  
 رَّسُولًا أَنْ اعْبُدُوا اللَّهَ  
 وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوتَ  
 اور (اے رسول) ہم نے ہر امت  
 میں ایک رسول بھیجا (جس نے اپنی  
 امت سے کہا) کہ اللہ کی عبادت کرو  
 (النحل - ۳۶) اور طاغوت سے بچو۔

الغرض طاغوت سے بچنا چاہیئے لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ ہر کافر  
 طاغوت ہوتا ہے یا ہر کافر کی حکومت طاغوت کی حکومت ہوتی ہے۔ ایسا  
 نہیں ہے ہاں جو کافر اللہ تعالیٰ کے دین سے برگشتہ کرے وہ طاغوت ہوگا۔  
 اسی طرح وہ حکومت طاغوت کی حکومت ہوگی جو لوگوں کو اللہ تعالیٰ کے  
 دین کے خلاف چلائے۔

③ یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام ایک کافر بادشاہ کی ملازمت کرتے  
 ہیں۔ مندرجہ بالا آیت کی رو سے انہیں تو یہ حکم تھا کہ اپنی امت کو طاغوت  
 سے بچنے کی تاکید کریں لیکن وہ تو بقول شخصے طاغوت سے چپٹ گئے، اس کے  
 ماتحت بن گئے۔ انہوں نے جو کچھ امت سے کہا تھا اس پر خود عمل نہیں کیا۔  
 ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا۔ انہوں نے ایک کافر بادشاہ کی ملازمت تو کی لیکن  
 طاغوت کی ملازمت نہیں کی۔

یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ میں کافر بادشاہ کا قانون نافذ  
 تھا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :-

مَا كَانَ لِإِيَّا خُذَ أَخَا  
 فِي دِينِ الْمَلِكِ  
 وہ اپنے بھائی کو (جوری کے الزام  
 میں) بادشاہ کے قانون کے مطابق  
 روک نہیں سکتے تھے۔  
 (یوسف - ۷۶)

یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام کا فر بادشاہ کے قانون کے ماتحت ملازمت کر رہے تھے۔ اللہ تعالیٰ کا قانون نافذ نہیں تھا البتہ یہ ضرور ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے بادشاہ کے قانون کے خلاف کوئی قانون نافذ نہیں کیا ہوگا۔ اگر ایسا ہوتا تو یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام شاہی قانون کی پیروی نہیں کرتے درنہ طاغوت کی پیروی لازم آتی۔

(۴) اگر یہ کہا جائے کہ کافر حکومت کی ملازمت کرنا یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شریعت میں جائز تھا، ہماری شریعت میں کفر ہے تو اس کے لئے دلیل چاہیے۔

یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں :-

وَإِتَّبَعْتُ مِلَّةَ آبَائِي إِبْرَاهِيمَ  
وَإِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ (یوسف - ۳۸) میں اپنے آباء ابراہیم، اسحق اور یعقوب کی ملت کی پیروی کرتا ہوں۔  
اس آیت سے ثابت ہوا کہ یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ملت کے متبع تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی یہی حکم ملا ہے کہ ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ملت کی پیروی کریں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :-

ثُمَّ أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ أَنْ اتَّبِعْ مِلَّةَ  
إِبْرَاهِيمَ حَنِيفًا، وَمَا كَانَ مِنَ  
الْمُشْرِكِينَ ۝ (النحل - ۱۲۳) پھر (اے رسول) ہم نے آپ کی طرف وحی کی کہ آپ ابراہیم حنیف کی ملت کی پیروی کریں اور وہ مشرکین میں سے نہیں تھے۔

الغرض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام دونوں ملت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے متبع تھے لہذا دونوں کی شریعت

ایک ہوئی۔ جو چیز یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شریعت میں جائز تھی وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت میں بھی جائز ہوگی۔ یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت میں بھی کافر حکومت کی ملازمت جائز ہوگی۔ اگر جائز نہ ہوتی تو مستثنیٰ کیا جاتا۔

⑤ صلح حدیبیہ اور طاغوت | ۱) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صلح نامہ لکھوایا۔ آپ نے فرمایا لکھو "بسم اللہ الرحمن الرحیم" کافروں کے نمائندے سہیل نے کہا: نہیں، آپ اسی طرح لکھو ایسے جس طرح آپ پہلے لکھتے تھے یعنی "بِاسْمِکَ اللّٰہُ" لکھو ایسے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "بِاسْمِکَ اللّٰہُ" اسی لکھ دو۔

کیا یہ طاغوت کی اطاعت تھی؟

۲) پھر آپ نے فرمایا لکھو: "محمد رسول اللہ"۔ سہیل نے کہا: اگر ہم جانتے کہ آپ اللہ کے رسول ہیں تو ہم آپ کو (عمرہ کرنے سے) نہ روکتے۔ آپ محمد بن عبد اللہ لکھو ایسے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ کی قسم، میں بے شک اللہ کا رسول ہوں، اگر تم میری تکذیب کرتے ہو تو محمد بن عبد اللہ ہی لکھ دو۔ الغرض محمد بن عبد اللہ ہی لکھا گیا۔

کیا یہ طاغوت کا فیصلہ تھا جسے آپ نے مان لیا۔ کیا آپ نے طاغوت کے کہنے سے ایسی بات مان لی جس سے دعویٰ رسالت کی نفی ہوتی تھی۔

۳) حضرت ابو جندلؓ مسلم ہو کر آئے۔ معاہدہ میں ایک شرط یہ بھی تھی کہ جو شخص مسلم ہو کر آپ کے پاس آئے گا آپ اُسے واپس کر دیں گے۔ سہیل نے کہا: ابو جندلؓ کو واپس کیجئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ابھی تو (معاہدہ کی) تحریر ہی ختم نہیں ہوئی۔ سہیل نے کہا: نہیں واپس کیجئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس ایک آدمی کو (روک لینے کی) اجازت دے



دو سہیل نے کہا: ہرگز نہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو جندلؓ کو واپس کر دیا۔

کیا اس معاملہ میں بھی آپ نے طاغوت کے فیصلہ کو مانا۔ باوجود اس کے کہ ابھی معاہدہ کی تکمیل نہیں ہوئی تھی اور باوجود اس بات کے کہ نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ابو جندلؓ کو واپس کرنا چاہتے تھے اور نہ صحابہ کرام لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کافر کی شرط مان لی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آزاد تھے۔ کافر حکومت کے ماتحت نہیں تھے پھر بھی آپ نے کافر کے شرائط کو مان لیا۔ آپ چاہتے تو انکار کر سکتے تھے لیکن نہیں کیا۔ کیا اس سے یہ ثابت نہیں ہوا کہ کافر کے شرائط مان لینا جائز ہے۔ کفر یا گناہ نہیں خصوصاً ایسی صورت میں کہ مسلم کافر حکومت کا ماتحت ہو۔ اس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ کافر حکومت سے امتحان کا یا گاڑی کا یا نکاح وغیرہ کا رجسٹریشن کر لینا جائز ہے۔

⑥ منافقین اور طاغوت | منافقین کا دعویٰ تھا کہ وہ اللہ کی کتاب پر

ایمان رکھتے ہیں لیکن یہ محض دعویٰ ہی دعویٰ تھا۔ وہ اللہ کی کتاب کے فیصلہ کو ماننے کے لئے تیار نہیں تھے۔ وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلہ سے پچنا چاہتے تھے اور ایسے فیصلہ کے متلاشی رہتے تھے جو ان کے ذاتی مفاد میں ہوتا اگرچہ وہ اللہ تعالیٰ کی کتاب کے خلاف ہی کیوں نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ يَزْعُمُونَ أَنَّهُمْ آمَنُوا بِمَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ وَمَا أُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ، يُرِيدُونَ أَنْ يَتَّخِذُوا إِلَى الطَّاغُوتِ وَ (اے رسول) کیا آپ نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جو دعویٰ کرتے ہیں کہ وہ اس کتاب پر بھی ایمان لائے جو آپ پر نازل کی گئی ہے اور (ان کتابوں پر بھی ایمان

قَدْ أَمَرُوا أَنْ يَكْفُرُوا بِهِ وَيُرِيدُ الشَّيْطَانُ أَنْ يُضِلَّهُمْ ضَلَالًا بَعِيدًا ۝  
(النساء - ۶۰)

لائے) جو آپ سے پہلے نازل کی گئی تھیں  
(لیکن) چاہتے یہ ہیں کہ (اپنے مقدمات  
کو) فیصلہ کے لئے طاغوت کے پاس  
لے جائیں حالانکہ انہیں یہ حکم دیا گیا  
ہے کہ طاغوت کا انکار کریں لیکن شیطان  
یہ چاہتا ہے کہ انہیں گمراہی میں بہت  
دور لے جا کر ڈال دے۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ منافقین کتاب اللہ کے خلاف فیصلہ چاہتے  
تھے۔ اللہ کی کتاب کے خلاف فیصلہ کر کے گمراہی کی تاریکیوں میں ڈال دینا یہ کام وہی  
کر سکتا ہے جو طاغوت ہو اور طاغوت کے خلاف شرع فیصلہ کو برضاء و رغبت  
مان لینا گویا ان پر ایمان لانا ہے حالانکہ حکم یہ دیا گیا ہے کہ ان کا انکار کریں لیکن  
منافقین نہ ان کا انکار کرتے ہیں اور نہ ان کے خلاف شرع فیصلہ کا انکار کرتے  
ہیں بلکہ برضاء و رغبت ان کے خلاف شرع فیصلہ کو تسلیم کر لیتے ہیں اور جب ان  
سے کہا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلہ کو مانو تو  
وہ اُس فیصلہ سے منہ موڑ لیتے ہیں اگرچہ زبانی ان کا دعویٰ یہی ہوتا ہے کہ وہ اللہ  
تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے ہیں اور اللہ تعالیٰ  
اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرتے ہیں لیکن عملاً وہ ایسا نہیں  
کرتے۔ ایسے لوگ یقیناً بے ایمان ہیں اگرچہ وہ کتنا ہی ایمان کا دعویٰ کریں! اللہ  
تعالیٰ فرماتا ہے :-

وَيَقُولُونَ آمَنَّا بِاللَّهِ وَبِالرَّسُولِ  
وَإِطَعْنَا ثُمَّ يَتَوَلَّى فِئْتًا

اور (اے رسول) منافقین کہتے ہیں  
ہم اللہ اور رسول (صلی اللہ علیہ وسلم)

مِنْهُمْ مَّنْ بَعْدَ ذَٰلِكَ. وَمَا أُولَٰئِكَ بِالْمُؤْمِنِينَ ۝ وَإِذَا دُعُوا إِلَى اللَّهِ وَرَسُولِهِ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ إِذَا فَرِيقٌ مِّنْهُمْ مُّعْرِضُونَ ۝ فَإِنْ يَكُنْ لَهُمُ الْحَقُّ يَأْتُوا إِلَيْهِ مُذْنِبِينَ ۝

(النور۔ ۴۷ تا ۴۹)

پرایمان لائے اور ہم اطاعت کرتے ہیں پھر اس (اقرار) کے بعد ان میں سے ایک جماعت (احکام الہی سے) منہ موڑ لیتی ہے، (حقیقت یہ ہے کہ) یہ لوگ مؤمن نہیں ہیں اور جب ان کو اللہ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی طرف بلایا جاتا ہے تاکہ (اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم) ان کے درمیان فیصلہ کر دیں تو ان میں سے ایک جماعت روگردانی کرتی ہے اور اگر ان کا حق ہوتا ہے تو وہ رسول کی طرف مطیع بن کر چلے آتے ہیں۔

الغرض منافقین اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ایسے فیصلہ کو نہیں مانتے تھے جو ان کے ذاتی مفاد کے خلاف ہوتا تھا۔ ایسی صورت میں وہ کسی ایسے شخص کے پاس فیصلہ کے لئے چلے جاتے تھے جو اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلہ کے خلاف فیصلہ کر کے منافقین کو وہ چیز دلوادیتا تھا جو ان کا حق نہیں ہوتی تھی مطلب یہ کہ وہ کسی طاغوت سے فیصلہ کراتے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آنے سے سختی سے گریز کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:-

وَإِذَا قِيلَ لَهُمُ تَعَالَوْا إِلَىٰ مَا أَنزَلَ اللَّهُ وَإِلَىٰ الرَّسُولِ رَأَيْتَ الْمُنَافِقِينَ يَصُدُّونَ

اور جب منافقین سے کہا جاتا ہے کہ (فیصلہ کے لئے) اس چیز کی طرف آؤ جو اللہ نے نازل فرمائی ہے اور (اس کے



عَنْكَ صِدْقًا ۝۱

(النساء - ۶۱)

رسول کی طرف آؤ تو (اے رسول) آپ

ان منافقین کو دیکھیں گے کہ وہ آپ

کے پاس آنے سے سختی سے گریز کرتے ہیں۔

الغرض اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلہ کے خلاف فیصلہ کرنے

والا طاغوت ہے اور جو ایسا نہیں کرتا وہ طاغوت نہیں ہے۔

(۷) خلاصہ | کافر حکومت کی ملازمت کی جاسکتی ہے اور اسی متفقہ اصول

کے تحت کی جاسکتی ہے جو درج ذیل ہے :-

لَا طَاعَةَ لِمَنْ خُلِقَ فِي مَعْصِيَةِ خَالِقِ كَيْ لَا يَفْرَمَانِي فِي كَيْسِ مَخْلُوقٍ كَيْ اطَاعَتِ

الْمَخَالِقِ (شرح السنہ - سندہ صحیح - التعليق) نہیں کی جاسکتی۔

للإماماني على المشكوة (۱۰۹۲)

جامعہ المسلمین

مسجد المسلمین - کوثر نیازی کالونی، بلاک سی نارتھ ناظم آباد، کراچی ۷۴۶۰۰

## حق کیسے غالب ہوتا ہے

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :-

أَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَسَالَتْ  
أَوْدِيَةٌ بِقَدَرِهَا فَاجْتَمَلَ  
السَّيْلُ زَبَدًا رَابِيًا، وَمِمَّا  
يُوْقِدُونَ عَلَيْهِ فِي النَّارِ ابْتِغَاءَ  
حُلِيٍّ أَوْ مَتَاعٍ زَبَدٌ مِّثْلُ  
كَذَلِكَ يُضْرِبُ اللَّهُ الْخَنَّاسَ  
الْبَاطِلَ، فَاَمَّا الزَّبَدُ فَيَذْهَبُ  
جُفَاءً، وَامَّا مَا يَنْفَعُ النَّاسَ  
فَيَمْكُثُ فِي الْأَرْضِ، كَذَلِكَ  
يَضْرِبُ اللَّهُ الْأَمْثَالَ ۝

(الرعد - ۱۷)

اللہ (تعالیٰ) آسمان سے پانی برساتا  
ہے پھر (تمام) وادیاں (ندی اور  
نالے) اپنی اپنی گنجائش کے مطابق  
بہنے لگتے ہیں پھر سیلاب پھولے ہوئے  
جھاگ کو اوپر اٹھالیتا ہے۔ اسی قسم  
کا جھاگ اس وقت بھی نکلتا ہے  
جب لوگ زیور یا اور کوئی سامان بنا  
کے لئے (کھوٹ ملے ہوئے سونے یا  
اور کسی دھات کو) آگ پر تپاتے ہیں،  
اسی طرح اللہ حق اور باطل (کی مثال)  
بیان فرماتا ہے، جھاگ تو چھٹ جاتا  
ہے اور (صاف اور شفاف پانی)  
جو لوگوں کے لئے نفع بخش ہوتا ہے  
زمین میں رہ جاتا ہے، اسی طرح اللہ  
(تعالیٰ) مثالیں بیان فرماتا ہے۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے دو مثالیں بیان فرمائی ہیں :-

پہلی مثال | پہلی مثال میں اللہ تعالیٰ نے حق کو صاف اور شفاف پانی سے تشبیہ دی ہے اور باطل کو جھاگ سے تشبیہ دی ہے۔ جس طرح شفاف پانی جھاگ کو اوپر اٹھا کر بہا دیتا ہے یا ادھر اُدھر کناروں پر پھینک دیتا ہے اسی طرح حق باطل کو اٹھا کر بہا دیتا ہے یا پھینک دیتا ہے۔ جس طرح صاف و شفاف پانی کے مقابلہ میں جھاگ بہت کمزور ثابت ہوتا ہے اسی طرح حق کے مقابلہ میں باطل بہت کمزور ثابت ہوتا ہے۔ باطل حق کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ حق باطل کو فنا کر دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :-

وَقُلْ جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ ۚ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوًّا ۝  
اور باطل مٹ گیا اور باطل (زوحق کے مقابلہ میں) مٹ ہی جایا کرتا ہے۔  
(بنی اسرائیل - ۸۱)

اس تمثیل سے مندرجہ ذیل باتیں ثابت ہوئیں :-

① صاف اور شفاف پانی آسمان سے نازل ہوتا ہے اور کیونکہ حق صاف اور شفاف پانی کے مثل ہے لہذا حق بھی آسمان سے نازل ہوتا ہے۔ حق کا سرچشمہ آسمان میں ہوتا ہے۔ زمین یا اہل زمین سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ حق اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوتا ہے اس کا انسانوں کے دماغ سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :-

فَاَمَّا يَٰٓاَتِيَنَّكُمْ مِنِّي هُدًى  
فَمَنْ تَبِعَ هُدَايَ فَلَا خَوْفٌ  
عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ۝  
(البقرہ - ۳۸)

خوف نہیں ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں



گے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :-  
 قُلْ يَا أَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَاءَكُمْ  
 الْحَقُّ مِنْ رَبِّكُمْ (یونس ۱۰۸)  
 (اے رسول) کہیجئے اے لوگو، تمہارے  
 پاس تمہارے رب کی طرف سے حق  
 آگیا ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :-  
 وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ  
 وَآمَنُوا بِمَا نُزِّلَ عَلَى مُحَمَّدٍ وَ  
 هُوَ الْحَقُّ مِنْ رَبِّهِمْ كَفَّرَ  
 عَنْهُمْ سَيِّئَاتِهِمْ وَأَصْلَحَ بَالَهُمْ  
 (محمد - ۲)  
 اور جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل  
 کرتے رہے اور اس چیز پر ایمان لائے  
 جو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پر نازل  
 ہوئی ہے اور وہ ان کے رب کی طرف  
 سے حق ہے تو اللہ (تعالیٰ) ان کے  
 گناہوں کو مٹا دے گا اور ان کے  
 حالات کی اصلاح فرمائے گا۔

② جھاگ زمین پر پیدا ہوتا ہے اور کیونکہ باطل جھاگ کے مثل ہے لہذا  
 باطل بھی زمین ہی پر پیدا ہوتا ہے۔ باطل کا تعلق اللہ تعالیٰ سے نہیں ہوتا بلکہ  
 انسانوں کے ذہن سے ہوتا ہے لہذا انسانوں کے ذہن کی پیداوار باطل ہوتی  
 ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے صرف منزل من اللہ کی پیروی کا حکم  
 دیا اور دوسری ہستیوں کی پیروی کو حرام کر دیا۔  
 اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :-

اتَّبِعُوا مَا أُنْزِلَ إِلَيْكُمْ مِنْ  
 رَبِّكُمْ وَلَا تَتَّبِعُوا مِنْ دُونِهِ  
 اس چیز کی پیروی کرو جو تمہارے  
 رب کی طرف سے تمہاری طرف نازل

أُولِيَاءَ، قَلِيلًا مَّا تَذَكَّرُونَ ۝ کی گئی ہے اور اس کے علاوہ دلیوں کی پیروی نہ کرو، مگر تم نصیحت کم

(الاعراف - ۳)

ہی حاصل کرتے ہو۔

مندرجہ بالا مباحث سے ثابت ہوا کہ حق وہ ہے جو آسمان سے نازل ہوا اور باطل وہ ہے جو زمین سے یا اہل زمین کے دماغوں سے نکلا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ انسانوں کی رائے و قیاس، فتوے اور اجتہاد کو حق سے دور کا بھی واسطہ نہیں۔ یہ چیزیں خس و خاشاک اور کوڑا کرکٹ کے جھاگ کی طرح ہیں لہذا باطل ہیں اور باطل کی پیروی مؤمن کا کام نہیں کافر کا شیوہ ہے جیسا کہ مندرجہ ذیل آیت سے ظاہر ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :-

ذٰلِكَ بِأَنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا اتَّبَعُوا  
الْبَاطِلَ وَأَنَّ الَّذِينَ آمَنُوا اتَّبَعُوا  
الْحَقَّ مِنْ رَبِّهِمْ (محمد - ۳)

(کافروں کے اعمال) اس لئے ضائع

کئے گئے) کہ کافر باطل کی پیروی کرتے

ہیں اور (مؤمنین کے گناہ) اس لئے

(معاف کئے گئے) کہ مؤمنین اپنے رب

کی طرف سے آئے ہوئے حق کی پیروی

کرتے ہیں۔

الغرض جو لوگ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل شدہ حق کی پیروی کرتے ہیں وہ تو مؤمن ہیں اور جو علماء کی رائے و قیاس کی پیروی کرتے ہیں وہ کافر نہیں ہیں۔

③ تیسری چیز جو آیت زیر تفسیر سے ثابت ہوئی وہ یہ ہے کہ جس طرح جھاگ چھٹ جاتا ہے اسی طرح باطل چھٹ جاتا ہے۔ جس طرح جھاگ سوکھ

کر بیکار ہو جاتا ہے اور کسی کام نہیں آتا اسی طرح باطل مٹ جاتا ہے اور لوگ اس سے سوائے نقصان کے کسی قسم کا فائدہ حاصل نہیں کر سکتے۔ جس طرح صاف اور شفاف پانی باقی رہ جاتا ہے اور لوگوں کے کام آتا ہے اسی طرح حق باقی رہ جاتا ہے اور لوگ اس سے دینی اور دنیوی دونوں قسم کے فوائد حاصل کرتے ہیں۔

④ جس طرح صاف و شفاف پانی کے مقابلہ میں جھاگ ٹھہر نہیں سکتا اسی طرح حق کے مقابلہ میں باطل ٹھہر نہیں سکتا۔

⑤ ظاہر بین لوگ جھاگ کی ٹیپ ٹاپ دیکھ کر دھوکا کھا سکتے ہیں اس لئے کہ جھاگ ادا پر ہوتا ہے اور صاف پانی نیچے لیکن سمجھنے والے سمجھ جاتے ہیں کہ صاف پانی کے اوپر جھاگ کی حیثیت محض فریب ہے۔ حقیقت کچھ بھی نہیں۔ وہ تو بہت جلد بہ جائے گا یا خشک ہو کر معدوم ہو جائے گا اور اس کے نیچے چھپا ہوا صاف پانی باقی رہ جائے گا۔ اسی طرح باطل کا غلبہ اور ظاہری چمک دمک دیکھ کر نادان لوگ دھوکا کھا سکتے ہیں لیکن عقلمند لوگ سمجھ جاتے ہیں کہ عنقریب حق غالب آجائے گا۔ حق نے باطل کو اٹھا لیا ہے اور مستقبل قریب میں حق باطل کو اٹھا کر پھینک دیگا۔ باطل کا چھا جانا وقتی اور عارضی ہوتا ہے۔ باطل حق کے مقابلہ میں ٹھہر نہیں سکتا اور دم توڑ دیتا ہے۔ اس کی ظاہری ٹیپ ٹاپ فنا ہو جاتی ہے۔

مگر شرط یہ ہے کہ

حق بہتے ہوئے پانی کی طرح متحرک ہو، ہر لمحہ آگے بڑھ رہا ہو تو جس طرح بتا ہوا پانی جھاگ کو بہا دیتا ہے یا دونوں کناروں پر پھینک دیتا ہے اسی طرح متحرک حق باطل کو مٹا دیتا ہے۔ اگر اہل حق پر جمود طاری ہو جائے تو حق متحرک نہیں ہوگا اور باطل نہیں مٹے گا۔ حق کو جامد کر دینا گویا باطل کو پھلنے پھرنے



کا موقع دینا ہے۔ اہل حق کو چاہیئے کہ حق کو چلاتے رہیں، سیلاب کی طرح اس کو بہاتے رہیں، حق کو متحرک رکھیں اور اس کو باطل پر مارتے رہیں۔ باطل یقیناً فنا ہو جائے گا۔

قینچی چلتی ہے تو کترتی ہے، قلم چلتی ہے تو لکھتی ہے، دل دھڑکتا ہے تو انسان زندہ رہتا ہے، گاڑی چلتی ہے تو فاصلہ طے ہوتا ہے، زمین حرکت کرتی ہے تو دن رات اور موسم بنتے ہیں۔ اسی طرح حق متحرک ہوگا تو باطل مٹے گا۔ تلوار کا کام کاٹنا ہے اسی طرح حق کا کام باطل کا قلع قمع کرنا ہے لیکن تلوار اگر میان میں ہو تو سر نہیں کاٹ سکتی، بالکل اسی طرح اگر اہل حق، حق کو چھپا کر رکھیں تو حق باطل کا قلع قمع نہیں کر سکتا۔ اگر تلوار میان سے نکال کر ہاتھ میں لی جائے اور ہاتھ اس تلوار کو دشمن کے سر پر مارے تو تلوار اپنے جوہر دکھائے گی، اسی طرح اگر اہل حق، حق کو لے کر میدان میں نکلیں، حق کو ظاہر کریں اور اس کی چوٹ باطل پر لگائیں تو پھر حق اپنی کزامت دکھائیگا اور باطل کو نیست و نابود کر دے گا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :-

بَلْ نَقْذِفُ بِالْحَقِّ عَلَى الْبَاطِلِ  
فَيَدُومُهُ فَإِذَا هُوَ زَاهِقٌ  
(الانبیاء - ۱۸)

ہم حق کو باطل (کے سر) پر مارتے ہیں  
تو وہ باطل کا سر بچاڑ دیتا ہے اور  
(اس طرح) باطل نیست و نابود ہو  
جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :-

قُلْ إِنَّ رَبِّي يَقْذِفُ بِالْحَقِّ  
(سبا - ۴۸)

(اے رسول) کہہ دیجئے کہ میرا رب  
(باطل پر) حق کی ضرب لگاتا رہتا ہے۔

غرض یہ کہ حرکت ہی سے سارے کام انجام پاتے ہیں۔ حرکت نہیں تو کچھ

بھی نہیں۔ اگر حق حرکت میں ہو تو باطل مٹے گا ورنہ نہیں۔ اہل حق نے حق کو جزدان میں چھپا کر رکھ دیا ہو تو باطل کیسے مٹے گا۔ اگر اہل حق نے حق کو طاق میں رکھ کر طاق نسیاں کر دیا ہو تو باطل کا مقابلہ کون کرے گا، باطل کس طرح نیست و نابود ہوگا؟

صاف پانی کا سیلاب جھاگ کو پھینک دیتا ہے۔ جھاگ کے چھٹ جانے کے بعد کچھ پانی سطح زمین پر رہ جاتا ہے اور آہستہ آہستہ بہتا رہتا ہے اور کچھ پانی کو زمین پی جاتی ہے۔ الغرض زمین پانی کو جھاگ سے صاف کرنے کیلئے دو کام کرتی ہے :-

- (۱) کچھ پانی کو تیزی کے ساتھ نشیب کی طرف بہا دیتی ہے۔ اس طرح جھاگ چھٹ جاتا ہے اور صاف و شفاف پانی باقی رہ جاتا ہے۔
- (۲) کچھ پانی کو زمین پی جاتی ہے۔ پانی زمین کے اندر حرکت کرتا ہوا درختوں کی جڑوں میں پہنچتا ہے اور موتوں میں سے ہوتا ہوا کنودوں میں پہنچ جاتا ہے۔ کنویں کا پانی صاف ہوتا ہے اور محض اس لئے صاف ہوتا ہے کہ وہ حرکت کرتا ہوا آتا ہے۔

زمین کو اگر پانی کے بہانے کی استطاعت نہیں ہوتی تو پانی کھڑا رہ جاتا ہے۔ مثلاً کسی گڑھے میں یا کسی کنڈ میں، لیکن اس صورت میں بھی زمین اپنا کام کرتی ہے، پانی کو جذب کرتی ہے اور پانی کو حرکت میں رکھ کر پانی کو صاف کر دیتی ہے۔ گڑھے کا تمام پانی جذب ہو جاتا ہے اور جھاگ و خاشاک زمین کی سطح پر پڑا رہ جاتا ہے اور سوکھ کر ضائع ہو جاتا ہے۔

ندی، نالوں کا جو پانی باقی رہ جاتا ہے وہ بھی انسانوں کے کام آتا ہے اور جو پانی زمین کے اندر جذب ہو جاتا ہے وہ بھی انسانوں کے

کام آتا ہے۔ لیکن جھاگ بہر صورت ضائع ہو جاتا ہے اور کسی کام نہیں آتا۔

اہل حق کا کام | جس طرح زمین پانی کو تیزی کے ساتھ بہاتی ہے اہل حق کو چاہیے کہ اسی طرح حق کو تیزی کے ساتھ بہائیں۔ حق بے گناہ باطل چھٹ جائے گا۔ حق باطل کو اٹھا کر پھینک دے گا۔

جس طرح زمین پانی کو جذب کر کے اسے متحرک رکھتی ہے اسی طرح اہل حق کا کام ہے کہ حق کو جذب کریں، حق کو حرکت دے کر دل کی گرائیوں تک پہنچائیں۔ حق کو دل میں جاگزیں کریں۔ دل حق سے منور ہو جائے، پھر دل سے حق کی نورانی لہریں اٹھیں اور اعضائے جسمانی سے ظاہر ہوں۔ اہل حق کا جسم مجسم حق بن جائے۔ یہ مجسم حق حرکت کرے، جہاں جائے آئے تبلیغ کا ایک چلتا پھرتا ذریعہ بن جائے۔ لوگ اس کے عمل اور جذبہ صادق کو دیکھ کر نصیحت حاصل کریں۔

غرض یہ کہ حق کو غالب کرنے کے لئے اہل حق کو چاہیے کہ حق کو متحرک رکھیں، تبلیغ کے سیلاب سے بھی ادا اپنے عملی پیکر سے بھی۔ اگر تبلیغ کے ذریعہ حق کو سیلاب کے مانند بہانے کی قدرت نہ ہو تو اپنے عملی پیکر کے ذریعہ تو ضرور حق کو متحرک رکھیں اور سیلاب کی طرح حق کو بہانے کی قدرت حاصل کرنے کے لئے مسلسل جدوجہد کرتے رہیں کیونکہ حق کو معاشرے میں غالب کرنے کا اصل ذریعہ یہی ہے۔

دوسری مثال | اللہ تعالیٰ نے حق و باطل کی دوسری مثال دھات کو تپا کر اس کی کھوٹ نکالنے سے دی ہے۔ جب کسی دھات میں سے کھوٹ نکالنی ہوئی ہے تو اسے آگ میں تپایا جاتا ہے۔ دھات پگھلتی ہے، اُس میں جوش آتا ہے،



حرکت پیدا ہوتی ہے اور کھوٹ جھاگ کی صورت میں صاف دھات کے اوپر آجاتی ہے اور نکال کر پھینک دی جاتی ہے۔ دھات نے کھوٹ کو اس وقت نکالا جب اس میں حرکت پیدا ہوئی۔

حق کو دھات سے تشبیہ دی گئی ہے اور باطل کو کھوٹ سے۔ دھات میں حرکت ہوتی تو اس نے کھوٹ کو نکال کر اچھال دیا۔ اسی طرح اگر حق میں حرکت ہوگی تو وہ باطل کو اٹھا کر پھینک دے گا۔

دھات میں حرکت خود بخود پیدا نہیں ہوتی۔ آگ اس میں حرکت پیدا کرتی ہے۔ آگ کی گرمی دھات کے اندر گھس کر دھات کے ہر ذرے کو گرم کرتی ہے۔ اس کے جمود کو توڑ کر اس میں ہیجان پیدا کرتی ہے۔ جب دھات میں ہیجان پیدا ہو جاتا ہے تو خالص دھات کھوٹ کو نکال پھینکتی ہے۔ اہل حق کو چاہیے کہ وہ بھی آگ کی طرح اپنی گرمجوشی سے دین حق کے ہر جزو کو گرمادیں۔ ہر مسئلہ کو اجاگر کریں۔ اللہ تعالیٰ کے ہر حکم اور ہر قانون کو متحرک کریں، اس کی تبلیغ کریں، اس کو پھیلائیں تاکہ دنیا پھر ایک بار

وَيَكُونَنَّ الدِّينُ كُلُّهُ بِاللهِ

کا منظر دیکھ لے اور یہ چمن پھرا ز سر نو نغمہ توحید سے معمور ہو جائے۔ الغرض اس مثال سے بھی ثابت ہوا کہ باطل کو نیست و نابود کرنے کے لئے حق کو حرکت میں لانا ہوگا۔ اہل حق کو چاہیے کہ حق کو متحرک رکھیں تاکہ حق باطل کو نیست و نابود کر دے۔

خلاصہ | ان دونوں مثالوں کا خلاصہ یہ ہوا کہ

(۱) حق کو پانی کے سیلاب کی طرح یا جوش مارتی ہوئی دھات کی طرح متحرک رکھے۔

(۲) حق کو دل میں جذب کرے اور اس پر عمل کر کے تبلیغ حق کا متحرک اور چلتا پھرتا مجسمہ بن جائے۔

کیا حق کو غالب کرنا ضروری ہے | حق کو غالب کرنا ضروری ہے اور حق غالب رہنے ہی کے لئے آیا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :-

هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ  
بِالْهُدَىٰ وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ  
عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ (توبہ - ۳۳)

وہ (اللہ ہی ہے) جس نے اپنے  
رسول کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ  
مبعوث فرمایا تاکہ دین حق کو تمام دینوں

پر غالب کر دے۔ (فتح - ۲۸، صف - ۹)

حق کو کس طرح متحرک رکھا جائے | حق کو جہاد کے ذریعہ متحرک رکھا جائے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں :-

رَأْسُ الْأَمْرِ الْإِسْلَامُ وَعُمُودُهُ  
الصَّلَاةُ وَزُرُوعُ سَنَامِهِ الْجِهَادُ  
(رواہ الترمذی وصحیح فی ابواب

دہر) کام کا سر اسلام ہے، اس کا  
ستون نماز ہے اور اس کے کوہان کی  
بلندی جہاد ہے۔

الایمان باب ما جاء فی حرمة

الصلاة، جزء ۲ صفحہ ۲۳

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :-

وَجَاهِدْ وَافِي اللَّهِ حَقَّ  
جِهَادِهِ (الحج - ۷۸)

(اے ایمان والو) اللہ (کے راستہ) میں  
جہاد کرو جیسا کہ جہاد کرنے کا حق ہے۔

## جہاد کی قسمیں

جہاد کی دو قسمیں ہیں :-

(۱) اپنے نفس سے جہاد -

(۲) دوسروں سے جہاد -

نفس سے جہاد | نفس سے جہاد یہ ہے کہ نفس کو اللہ تعالیٰ کے احکام کا تابع بنائے۔ نفس کو بُرے کام کرنے سے روکے، اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں نفس کا کتنا نہ مانے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں :-

أَلَمْ جَاهِدْ مَنْ جَاهَدَ نَفْسَهُ مجاہد وہ ہے جو اللہ کی فرمانبرداری فی طاعة الله (رواہ احمد و...) میں اپنے نفس سے جہاد کرے۔  
الحاکم عن فضالة - سندہ صحیح۔

مرعاة جلد اول ص ۱۸۱

جب مسلم اپنے نفس سے جہاد کرے گا تو گویا وہ مجسم حق بن جائے گا۔ اس کا جسم، اس کے اعضاء سب حق کا مظاہرہ کریں گے۔ وہ ایک چلتا پھرتا حق کا مبلغ ہوگا اور اس طرح حق کو پھیلنے پھولنے کا موقع مل جائے گا۔ وہ حرکت کر لگا گویا حق حرکت کرے گا۔

الغرض حق کو حرکت میں لانے کا یہ ایک ذریعہ ہوگا اور حق کی یہ حرکت بھی بڑی حذتک حق کو غالب کرنے میں مدد و معاون ہوگی۔

حق کی تبلیغ اور حق کو حرکت میں لانے کے لئے مبلغ کو یقیناً پہلے اپنی اصلاح کرنی چاہیے۔ اسی چیز پر زور دیتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :-

وَمَنْ أَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَا إِلَى اللَّهِ وَعَمِلَ صَالِحًا وَقَالَ إِنَّنِي مِنَ الْمُسْلِمِينَ ۝ (خمر السجدة - ۳۳)  
بات کے لحاظ سے اس سے بہتر کون ہو سکتا ہے جو اللہ کی طرف دعوت دے اور خود نیک عمل کرے اور کہے کہ میں مسلمین میں سے ہوں۔

اس آیت سے ثابت ہوا کہ حق کو حرکت میں لانے والے کو پہلے اس



حق پر خود عمل کرنا چاہیئے۔ اگر وہ خود عمل نہیں کر لگتا تو اس کی تبلیغ مؤثر نہیں ہوگی۔

دوسروں سے جہاد | دوسروں سے جہاد کی تین قسمیں ہیں :-

۱۔ مال سے جہاد۔

۲۔ زبان سے جہاد۔

۳۔ ہاتھ سے جہاد۔

مال سے جہاد | مال سے جہاد یہ ہے کہ تبلیغ کے لئے مال خرچ کرے۔ مجاہدین اور مجاہدین کے اہل و عیال کی مالی خدمت کرے اور جنگ کے لئے مال خرچ کرے۔

زبان سے جہاد | زبان سے جہاد یہ ہے کہ تبلیغ کرے، نیک کام کا حکم دے، بُرے کام سے روکے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں :-

جَاهِدُوا الْمُشْرِكِينَ بِأَمْوَالِكُمْ  
وَأَيْدِيكُمْ وَأَلْسِنَتِكُمْ (سورہ ۸)  
احمد و ابوداؤد والنسائی۔ سندہ کرو۔

صحیح۔ نیل الاوطار جزء ۷ ص ۱۶۱

اس سلسلہ میں سورہ نحم السجدۃ کے حوالہ سے ایک آیت اور پر گزر چکی

ہے۔

ہاتھ سے جہاد | ہاتھوں سے جہاد کی دو قسمیں ہیں :-

۱۔ قلم کے ذریعہ

۲۔ طاقت اور جنگ کے ذریعہ۔

قلم سے جہاد | قلم سے جہاد یہ ہے کہ تبلیغی خطوط وغیرہ لکھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بادشاہوں کے نام خطوط لکھے تھے۔ حضرت انسؓ فرماتے ہیں :-

أَنَّ نَبِيَّ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَتَبَ إِلَى كِسْرَى وَإِلَى قَيْصَرٍ وَإِلَى النَجَاشِيِّ وَإِلَى كُلِّ حَبَّارٍ يَدْعُوهُمْ إِلَى اللَّهِ تَعَالَى (صحیح مسلم کتاب الجہاد باب کتب النبی صلی اللہ علیہ وسلم الی ملوک الکفار یدعوهم الی اللہ جزء ۲ ص ۹۲)

نبی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسریٰ کو، قیصر کو، نجاشی کو اور ہر جابر بادشاہ کو (خط) لکھے۔ آپ انہیں اللہ تعالیٰ (کے دین) کی طرف دعوت دیتے تھے۔

طاقت اور جنگ کے ذریعہ جہاد | رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں :-

مَنْ رَأَى مِنْكُمْ مُنْكَرًا فَلْيُغَيِّرْهُ بِيَدِهِ فَإِنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَبِلِسَانِهِ فَإِنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَبِقَلْبِهِ وَذَلِكَ أَضْعَفُ الْإِيمَانِ (صحیح مسلم کتاب الایمان باب کون النہی عن المنکر من الایمان جزء اول ص ۲۹)

تم میں سے جو شخص کسی برائی کو دیکھے تو اسے چاہیے کہ ہاتھ سے اسے بدل دے، اگر اتنی طاقت نہ ہو تو زبان سے (دفعہ) اگر اتنی بھی طاقت نہ ہو تو دل سے (یعنی دل میں اسے بُرا سمجھے) اور یہ کمزور ترین ایمان ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں :-

مَا مِنْ نَبِيٍّ بَعَثَهُ اللَّهُ فِي أُمَّةٍ قَبْلِي إِلَّا كَانَ لَهُ مِنْ أُمَّتِهِ حَوَارِيُونَ وَأَصْحَابٌ يَأْخُذُونَ بِسُنَّتِهِ

کوئی نبی ایسا نہیں گذرا کہ جسکو اللہ نے کسی امت میں مجھ سے پہلے بھیجا ہو مگر یہ کہ اس کی امت میں اس کے کچھ حواری ہوتے تھے

وَيَقْتَدُونَ بِأَمْرِ شَمٍّ إِنَّهَا  
تَخْلَفُ مِنْ بَعْدِهِمْ خُلُوفٌ  
يَقُولُونَ مَا لَا يَفْعَلُونَ وَ  
يَفْعَلُونَ مَا لَا يُؤْمَرُونَ  
فَمَنْ جَاهَدْهُمْ يُدِّهِ فَهُوَ  
مُؤْمِنٌ وَمَنْ جَاهَدْهُمْ  
بِلِسَانِهِ فَهُوَ مُؤْمِنٌ وَمَنْ  
جَاهَدْهُمْ بِقَلْبِهِ فَهُوَ مُؤْمِنٌ  
وَلَيْسَ وَرَاءَ ذَلِكَ مِنَ الْإِيمَانِ  
حَبَّةُ خَرْدَلٍ (صحیح مسلم کتاب الایمان)  
باب بیان کون النہی عن المنکر من الایمان  
جزء اول ص ۳۹۔

اور کچھ اصحاب جو اس نبی کی سنت پر  
کاربند ہوتے تھے اور اس کے حکم کی  
تعمیل کرتے تھے۔ پھر ان کے بعد ایسے  
ناخلف لوگ پیدا ہو جاتے تھے جو  
کہتے تھے وہ کرتے نہیں تھے اور جو  
کرتے تھے اس کا حکم نہیں دئے گئے  
تھے تو جو شخص ایسے آدمیوں سے ہاتھ  
سے جہاد کرے وہ مؤمن ہے، جو زبان  
سے جہاد کرے وہ بھی مؤمن ہے اور  
جو دل سے جہاد کرے وہ بھی مؤمن  
ہے اور اس کے بعد تورانی کے دانہ کے  
برابر بھی ایمان نہیں رہتا۔

مندرجہ بالا دونوں حدیثوں سے ثابت ہوا کہ اگر طاقت ہو تو ہاتھ سے  
جہاد کر کے حق کو متحرک رکھے۔

نوٹ :- ہم نے اس مضمون میں قلبی جہاد پر زور نہیں دیا اس کی وجہ  
یہ ہے کہ قلبی جہاد سے حق متحرک نہیں ہوتا اور ہم اس مضمون میں حق  
کو متحرک رکھنے کے ذرائع پر بحث کر رہے ہیں۔

جنگوں سے بھی حق کو متحرک اور غالب رکھا جاسکتا ہے۔ یہی وجہ ہے  
کہ اللہ تعالیٰ نے بار بار جنگ کا حکم دیا ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :-

وَقَاتِلُوهُمْ حَتَّى لَا تَكُونَ

اور (اے ایمان والو) کافروں سے



فِتْنَةً وَيَكُونُ الدِّينُ كُلُّهُ لِرَبِّهِ (الأنفال - ۳۹)

لڑو یہاں تک کہ کوئی فتنہ باقی نہ رہے  
اور دین پورا کا پورا اللہ کے لئے ہو جائے  
(یعنی اللہ تعالیٰ کا قانون پوری طرح  
نافذ ہو جائے اور اس کے علاوہ کوئی  
قانون باقی نہ رہے)۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:-

قَاتِلُوا الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ  
بِاللَّهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْآخِرِ وَ  
لَا يُحَرِّمُونَ مَا حَرَّمَ اللَّهُ  
وَرَسُولُهُ وَلَا يَدِينُونَ دِينَ  
الْحَقِّ مِنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ  
حَتَّى يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ يَدٍ وَ  
هُمْ صَاغِرُونَ (التوبة - ۲۹)

(اے ایمان والو!) ان اہل کتاب سے  
لڑو جو نہ اللہ پر ایمان رکھتے ہیں اور  
نہ یوم آخرت پر، جو ان چیزوں کو  
حرام نہیں سمجھتے جن کو اللہ اور اس کے  
رسول نے حرام کیا ہے اور جو دین حق  
کو تسلیم نہیں کرتے جب تک وہ مات  
بن کر اپنے ہاتھ سے جزیہ نہ ادا کریں۔  
سورہ انفال کی مندرجہ بالا آیت عام ہے۔ سب سے لڑنے ہے جب  
تک فتنہ یعنی شرک، فساد و بد امنی باقی رہے اور پوری دنیا میں صرف اللہ  
تعالیٰ ملک الاملاک کا قانون نہ نافذ ہو جائے۔

دوسری آیت اہل کتاب کے ساتھ خاص ہے۔ اہل کتاب سے بھی جنگ  
جاری رہے گی جب تک وہ ایمان نہ لے آئیں یا ماتحت بن کر اسلامی حکومت  
کو جزیہ نہ دیں۔

اللہ تعالیٰ کو یہ منظور نہیں کہ اس کا دین مغلوب ہو، اس کے قوانین نافذ  
نہ ہوں، معاشرہ میں، ملک میں یا دنیا میں کسی اور کا قانون نافذ ہو۔ اگر کافر  
ایمان قبول کر لیتے ہیں تو اللہ تعالیٰ کے قانون کے نفاذ میں وہ رکاوٹ نہیں

بنیں گے۔ اگر وہ ایمان نہ لائیں لیکن ماتحت بن کر اسلامی حکومت میں رہنا چاہیں اس صورت میں بھی وہ قانون الہی کے نفاذ میں رکاوٹ نہیں بنیں گے۔ ہاں اگر وہ ایمان بھی نہ لائیں اور ماتحت بھی نہ بنیں تو ظاہر ہے کہ وہ اپنے ملک میں قانون الہی کے نفاذ میں رکاوٹ بنیں گے۔ ایسی صورت میں مسلمین پر فرض ہے کہ وہ اس رکاوٹ کو دور کریں اور جنگ کر کے کافروں کو مغلوب کریں اور اسلامی قانون نافذ کریں۔ اللہ تعالیٰ کو یہ تو گوارا ہے کہ کوئی گھر میں بیٹھ کر بت کی پوجا کرے یا آگ کی یا کسی اور چیز کی لیکن یہ گوارا نہیں کہ ملک اور معاشرے میں اس کا قانون نافذ نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ یہ نہیں چاہتا کہ ملک اور معاشرے میں دوسرے قوانین کا نفاذ ہو، دوسرے قوانین غالب ہوں اور اللہ تعالیٰ کا قانون مغلوب ہو۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے حکم دیا کہ اگر مخالف اسلامی قانون کے نفاذ میں مانع ہو تو اس کو طاقت کے ذریعہ راستہ سے ہٹا دیا جائے۔ اللہ تعالیٰ کسی کو زبردستی مسلم بنانے کی اجازت تو نہیں دیتا لیکن قوانین الہیہ کے نفاذ میں جو چیز یا قوت مانع ہو اسے دور کرنے کا حکم دیتا ہے۔ اسلامی جنگوں کا مقصد یہی تھا نہ کہ زبردستی کسی کو مسلم بنانا۔ اسلام غیر مسلم رہنے کی اجازت تو دیتا ہے لیکن غالب یا آزاد رہ کر نہیں مغلوب بن کر۔ اگر غیر مسلم مغلوب بننا نہیں چاہتا تو پھر اسلامی حکومت اس کو مغلوب بنا کر رہیگی اور جان و مال کی بازی لگا دے گی۔

مندرجہ بالا دو آیتوں کی تعبیل میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود متعدد لڑائیاں لڑیں یا ایمان والوں کے فوجی دستے وقتاً فوقتاً عرب میں روانہ کئے۔ سوائے چند مدافعتی جنگوں کے تمام جنگوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حملے کئے یا کرائے اور پورے عرب میں تمام مخالف قبائل کو مغلوب کر کے اللہ



تعلے کا قانون نافذ کیا۔

مندرجہ ذیل حدیث میں اسلام کے جنگی ضابطہ کا واضح بیان ہے۔ حضرت  
بریدہؓ فرماتے ہیں :-

كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا أَمَرَ أَمِيرًا عَلَى جَيْشٍ أَوْ سَرِيَّةٍ أَوْ صَاعَةً فِي خَاصَّتِهِ يَتَّقُوا اللَّهَ وَمَنْ مَعَهُ مِنَ الْمُسْلِمِينَ خَيْرًا ثُمَّ قَالَ أَعِزُّوا بِاسْمِ اللَّهِ فِي سَبِيلِ اللَّهِ قَاتِلُوا مَنْ كَفَرَ بِاللَّهِ أَعِزُّوا وَلَا تَغْلُوا وَلَا تَغْدِرُوا وَلَا تَنْشُلُوا وَلَا تَقْتُلُوا وَلِيْدًا وَإِذَا لَقِيتَ عَدُوَّكَ مِنَ الْمُشْرِكِينَ فَادْعُهُمْ إِلَى ثَلَاثِ خِصَالٍ (أَوْ خِلَالٍ) فَإِنْ تَهْتَبَتْ مَا أَجَابُوكَ فَأَقْبِلْ مِنْهُمْ وَكُفَّ عَنْهُمْ ثُمَّ ادْعُهُمْ إِلَى الْإِسْلَامِ فَإِنْ أَجَابُوكَ فَأَقْبِلْ مِنْهُمْ وَكُفَّ عَنْهُمْ ثُمَّ ادْعُهُمْ إِلَى التَّحَوُّلِ مِنْ دَارِهِمْ إِلَى

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی لشکر یا کسی فوجی دستے پر کسی کو امیر مقرر کرتے تو اسے خاص طور پر اللہ سے ڈرنے اور جو مسلمین اس کے ساتھ (جہاں میں جلتے) ان کے متعلق خیر خواہی کی نصیحت کرتے، پھر آپ فرماتے اللہ کے نام کے ساتھ اللہ کے راستہ میں لڑو، ان لوگوں سے لڑو جو اللہ کے ساتھ کفر کرتے ہیں، لڑو لیکن خیانت نہ کرنا، بد عہدی نہ کرنا، اعضاء نہ کاٹنا، بچہ کو قتل نہ کرنا اور جب تم مشرکین میں سے اپنے دشمن سے مقابلہ کرو تو دشمن کے شکر کو تین باتوں کی طرف دعوت دینا۔ ان میں سے وہ جس بات کو بھی قبول کر لیں تم اُسے منظور کر لینا اور لڑائی سے ہاتھ روک لینا۔ (پہلی بات یہ ہے کہ) تم انہیں اسلام کی دعوت دینا۔ اگر وہ اسلام قبول



دَارِ الْمُهَاجِرِينَ وَآخِرُهُمْ  
 أَنَّهُمْ إِنْ فَعَلُوا ذَلِكَ فَلَهُمْ  
 مَا لِلْمُهَاجِرِينَ فَإِنْ أَبَوْا أَنْ  
 يَتَحَوَّلُوا مِنْهَا فَأَخْبِرُهُمْ  
 أَنَّهُمْ يَكُونُونَ كَأَعْرَابِ  
 الْمُسْلِمِينَ يَجْرِي عَلَيْهِمْ  
 حُكْمُ اللَّهِ الَّذِي يَجْرِي عَلَى  
 الْمُؤْمِنِينَ وَلَا يَكُونُ لَهُمْ  
 فِي الْغَنِيمَةِ وَالْفَيْءِ شَيْءٌ إِلَّا  
 أَنْ يُجَاهِدُوا مَعَ الْمُسْلِمِينَ  
 فَإِنْ هُمْ أَبَوْا فَسَلُّهُمْ الْجَزْيَةَ  
 فَإِنْ هُمْ أَجَابُوكَ فَاقْبَلْ  
 مِنْهُمْ وَكَفَّ عَنْهُمْ فَإِنْ هُمْ  
 أَبَوْا فَاسْتَعِزْ بِاللَّهِ وَقَاتِلْهُمْ  
 (صحیح مسلم کتاب الجہاد والسیر باب تأمیر  
 الامراء علی البعث ووصیتہ ایاہم  
 باداب الغزو وغیرہا جزء ۲ ص ۶۹)

کر لیں تو تم ان کے دعویٰ اسلام کو قبول  
 کر لینا اور ان سے ہاتھ روک لینا۔  
 پھر انہیں اس بات کی دعوت دینا کہ  
 وہ اپنے شہر کو چھوڑ کر مہاجرین کے  
 شہر میں آکر بود و باش اختیار کریں اور  
 (انہیں یہ بتانا کہ) ان کے وہی حقوق  
 ہوں گے جو حقوق مہاجرین کے ہیں اور  
 ان کے وہی فرائض ہوں گے جو مہاجرین  
 کے فرائض ہیں۔ اگر وہ نقل مکانی سے  
 انکار کریں تو انہیں بتانا کہ ان کی حیثیت  
 دیہاتی مسلمین جیسی ہوگی۔ ان پر اللہ  
 تعالیٰ کے وہی احکام نافذ ہوں گے  
 جو (عام) مؤمنین پر نافذ ہوتے ہیں۔  
 ایسی صورت میں مال غنیمت اور مالِ  
 فے میں سے انہیں کچھ نہیں ملے گا  
 سوائے اس صورت کے کہ وہ خود مسلمین  
 کے ساتھ جہاد کریں۔ پھر اگر وہ (اسلام  
 قبول کرنے سے) انکار کریں تو ان سے  
 جزیہ طلب کرنا۔ اگر وہ جزیہ دینا قبول  
 کر لیں تو تم اُسے منظور کر لینا اور لڑائی  
 سے ہاتھ روک لینا۔ اگر (وہ جزیہ دینے

سے بھی) انکار کریں تو اللہ سے مرد طلب کرنا اور ان سے لڑنا۔

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے جنگ کے جو احکام جاری فرمائے تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پر عمل کیا اور متعدد لشکر اور فوجی دستے روانہ کئے جن کا کام یہ تھا کہ وہ اسلام کی تبلیغ کریں، اگر کوئی قوم اسلام قبول نہیں کرتی تو ماتحت و مغلوب بن کر جزیہ ادا کرے۔ اگر جزیہ بھی ادا کرنے کے لئے وہ تیار نہیں تو پھر اس سے اعلان جنگ ہے۔ حضرت عمرانؑ فرماتے ہیں :-

فَكَانَ الْمُسْلِمُونَ بَعْدَ ذَلِكَ  
يَغِيرُونَ عَلَى مَنْ حَوْلَهُمَا مِنَ  
النُّشْرَاكِينَ وَلَا يُصِيبُونَ الْقَرَمَ  
الَّذِي هِيَ مِنْهُ فَقَالَتْ يَوْمًا  
لِقَوْمِهَا مَا أَرَى أَنَّ هُوَ لَا يَرِ  
النَّوْمَ رَيْدَ عَوْثِكُمْ عَمْدًا فَهَلْ  
لَكُمْ فِي الْإِسْلَامِ رِفَا طَاعُوَهَا  
فَدَخَلُوا فِي الْإِسْلَامِ (مجمع بخاری  
کتاب التیمم باب الصید الطیب وضوء  
المسلم جزء ۱ ص ۹۵)

اس واقعہ کے بعد مسلمان اس بڑھیکے  
(گاؤں کے) ارد گرد (جس بڑھیا کی پچھالوں  
سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے  
پانی لیا تھا اور پچھالوں میں پانی کم نہیں  
ہوا تھا بلکہ اور بڑھ گیا تھا) مشرکین پر  
حملہ کرتے تھے لیکن اس بڑھیکے گاؤں  
پر حملہ نہیں کرتے تھے۔ ایک دن اُس  
ھیانے اپنی قوم سے کہا: میں سمجھتی ہوں  
کہ یہ لوگ قصداً تمہیں چھوڑ دیتے ہیں  
تو کیا تمہیں اسلام کی طرف کچھ رغبت  
ہے؟ قوم کے لوگوں نے اس بڑھیا کی  
بات مان لی اور سب اسلام میں داخل  
ہو گئے۔

حضرت عبداللہ بن عباس فرماتے ہیں :-

فَبَعَثَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَرِيَّةً فَهَرَّوْا بِقَوْمِهِ فَقَالَ صَاحِبُ السَّرِيَّةِ لِلْجَيْشِ هَلْ أَصَبْتُمْ مِنْ هَؤُلَاءِ شَيْئًا فَقَالَ رَجُلٌ مِنَ الْقَوْمِ أَصَبْتُ مِنْهُمْ مِطْهَرَةً فَقَالَ رُدُّوْهَا فَإِنَّ هَؤُلَاءِ قَوْمٌ ضَمَادٌ (صحیح مسلم کتاب الجمعة باب تخفيف الصلوة والخلة جزء اول ص ۲۲۵)

(ضماڈ کے اسلام قبول کرنے اور مدینہ منورہ میں اسلامی ریاست قائم ہونے کے بعد) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک لشکر روانہ کیا۔ اس لشکر کا گزر ضماڈ کی قوم پر سے ہوا۔ لشکر کے سپہ سالار نے مسلمانوں سے کہا: کیا تم نے ان لوگوں کی کوئی چیز لی ہے ایک شخص نے کہا مجھے ایک لوٹا ملا ہے۔ سپہ سالار نے کہا: لوٹے کو واپس کر دو، یہ ضماڈ کی قوم ہے۔

مندرجہ بالا احادیث سے ثابت ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلیٰ کلمۃ الحق اور نفاذ قوانین الہیہ کے مقصد کی خاطر جنگوں کے ایک تابناک سلسلہ کی بنیاد ڈالی اور بڑی قوت کے ساتھ حق کو سیلاب کی طرح متحرک کرنے کا اہتمام فرمایا۔

ملک عرب فتح ہونے کے بعد بھی جنگ کے سلسلہ کو منقطع نہیں کیا گیا! اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتْلُوا الَّذِينَ يَكُونُ نَكَمٌ مِنَ الْكُفَّارِ وَلِيَجِدُوا فِيكُمْ غِلْظَةً، وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ مَعَ الْمُتَّقِينَ ۝ (توبہ - ۱۲۳)

اے ایمان والو، اپنے قریب کے کفار سے جنگ کرو، وہ تم میں سختی (اور بہادری) پائیں اور (اس بات کو اچھی طرح) جان لو کہ اللہ متقیوں کے ساتھ ہے۔



حکومت الہیہ کے سب سے زیادہ قریب دو عظیم الشان اور طاقتور سلطنتیں تھیں۔ ایک قیصر کی سلطنت اور دوسری کسریٰ کی سلطنت۔ کیونکہ قیصر کی سلطنت کی سرحد حکومت الہیہ کی سلطنت کی سرحد سے ملتی تھی لہذا حکم الہی ملتے ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قیصر کے ملک پر حملہ کر دیا موت کے مقام پر جنگ ہوئی اور اسلامی لشکر فتحیاب ہو کر واپس آیا۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں۔

رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي غَزْوَةِ مَوْتَةَ زَيْدَ بْنَ حَارِثَةَ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ قُتِلَ زَيْدٌ فَجَعَفَرُ وَإِنْ قُتِلَ جَعَفَرُ فَجَبْدُ اللَّهِ بْنِ رَوَاحَةَ (صحیح بخاری کتاب المغازی باب غزوة موتة من ارض الشام جزء ۵ ص ۸۲)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ موتہ میں زید بن حارثہ کو سپہ سالار بنایا۔ آپ نے فرمایا اگر زید قتل ہو جائیں تو جعفر امیر ہوں، اگر جعفر قتل ہو جائیں تو عبداللہ بن رواحہ امیر ہوں۔

حضرت انسؓ فرماتے ہیں :-

قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَخَذَ الرَّأْيَةَ زَيْدٌ فَأُصِيبَ ثُمَّ أَخَذَ جَعْفَرٌ فَأُصِيبَ ثُمَّ أَخَذَ ابْنُ رَوَاحَةَ فَأُصِيبَ وَعَيْنَاهُ تَذْرِفَانِ حَتَّى أَخَذَ الرَّأْيَةَ سَيْفٌ مِنْ سُيُوفِ اللَّهِ حَتَّى فَتَحَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ (صحیح بخاری کتاب المغازی)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا زیدؓ نے رائیہ لیا، وہ شہید ہو گئے، پھر جعفرؓ نے رائیہ لیا، وہ بھی شہید ہو گئے پھر ابن رواحہؓ نے رائیہ لیا وہ بھی شہید ہو گئے (اس وقت) آپ کی آنکھوں سے آنسو بہ رہے تھے، پھر آپ نے فرمایا (پھر) اللہ کی تلواروں میں سے ایک

المغازی باب غزوة موتة جند ۵ ص ۱۸۲

تواری نے جھنڈا لیا (وہ لڑے) یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے دشمن پر فتح دی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قیصر پر دوسرا حملہ تبوک کے مقام پر کیا۔

حضرت کعب بن مالک فرماتے ہیں :-

غَزَاهَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي حَرِّ شَدِيدٍ وَاسْتَقْبَلَ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تبوک کی لڑائی لڑی تو گرمی سخت تھی، سفر

مَفْرَأً بَعِيدًا وَمَفَازًا وَعَدُوًّا

طویل تھا اور منزل بہت دور تھی اور دشمن کی تعداد کثیر تھی۔

کَثِيرًا (صحیح بخاری کتاب المغازی باب غزوة تبوک جزء ۶ ص ۱۸۲)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قیصر پر تیسری بار حملہ کرنے کے لئے پھر ایک

شکر تیار کیا۔ حضرت عبد اللہ بن عمر فرماتے ہیں :-

أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعَثَ بَعْثًا وَآمَرَ عَلَيْهِمُ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شکر روانہ کیا اور اس پر اسامہ بن زید

أُسَامَةَ بْنَ زَيْدٍ (صحیح بخاری کتاب المغازی باب بعث النبی صلی اللہ علیہ وسلم

اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما جزء ۶ ص ۱۹۱)

غرض یہ کہ تھوڑی سی مدت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قیصر کے

ملک پر تین حملے کئے اور بڑی خوبی اور مستعدی کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے حکم پر

عمل کیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد خلفاء راشدین نے اس سلسلہ کو

جاری رکھا اور ایک قلیل عرصہ میں پورے ایران پر اور قیصر کے بیشتر علاقوں

پر اسلامی جھنڈا لہانے لگا۔

خوشخبریاں | اللہ تعالیٰ نے جنگ کا حکم دیا تو ساتھ ساتھ فتح کی بشارت بھی

بارہادی۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :-

وَلَا تَهِنُوا وَلَا تَحْزَنُوا وَأَنْتُمْ  
الْأَعْلَوْنَ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ ۝

ہمت نہ ہارو، غم نہ کرو، تم ہی غالب  
رہو گے اگر تم مؤمن ہوئے۔

(ال عمران - ۱۳۹)

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :-

وَلَنْ يَجْعَلَ اللَّهُ لِلْكَافِرِينَ عَلَى  
الْمُؤْمِنِينَ سَبِيلًا ۝ (النساء ۱۴۱)

اللہ کافروں کو مؤمنین پر ہرگز غلبہ  
نہیں دے گا۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :-

وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُورِ مِنْ  
بَعْدِ الذِّكْرِ أَنَّ الْأَرْضَ يَرِثُهَا  
عِبَادِيَ الصَّالِحُونَ ۝

دُور در پند و نصیحت کے بعد ہم زبور  
میں یہ لکھ چکے ہیں کہ زمین کے وارث  
میرے نیک بندے ہوں گے۔

(الانبیاء - ۱۰۵)

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :-

وَمَنْ يَتَوَلَّ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَ  
الَّذِينَ آمَنُوا فَإِنَّ حِزْبَ اللَّهِ  
هُمُ الْغَالِبُونَ ۝ (المائدة - ۵۶)

جو شخص اللہ کو، اس کے رسول کو  
اور ایمان والوں کو دوست بنائے  
(تو یہ اللہ کا لشکر ہے) اور اللہ کا لشکر  
ہی غالب رہے گا۔

جبریل حبیبہ کہتے ہیں :-

نَدَبْنَا عُمَرَ وَاسْتَعْمَلَ عَلَيْنَا  
النُّعْمَانُ بْنُ مُقَرَّرٍ حَتَّى إِذَا

(حضرت) عمرؓ نے ہمیں جنگ کے لئے  
برائے نیکو کیا اور ہم پر نعمان بن مقرن



كُنَّا بِأَرْضِ الْعَدُوِّ وَخَرَجَ عَلَيْنَا  
 عَامِلٌ كِسْرَى فِي أَرْبَعِينَ أَلْفًا  
 فَقَامَ تَرْجُمَانٌ فَقَالَ لِيُكَلِّمْنِي  
 رَجُلٌ مِّنْكُمْ فَقَالَ التَّمِيزَةُ  
 سَلْ عَمَّا يَشْتَتِ قَالَ مَا أَنْتُمْ  
 قَالَ نَحْنُ أَنْاسٌ مِنَ الْعَرَبِ  
 كُنَّا فِي شَقَاءٍ شَدِيدٍ وَ  
 بَلَاءٍ شَدِيدٍ نَمَصُّ الْجِلْدَ  
 وَالنَّوَى مِنَ الْجُوعِ وَنَلْبَسُ  
 الْوَبَرَ وَالشَّعَرَ وَنَعْبُدُ الشَّجَرَ  
 وَالتَّحَجَّرَ قَبِينَا نَحْنُ كَذَلِكَ  
 إِذْ بَعَثَ رَبُّ السَّمَوَاتِ وَ  
 رَبُّ الْأَرْضِينَ، تَعَالَى ذِكْرُهُ  
 وَجَلَّتْ عَظَمَتُهُ إِلَيْنَا نَبِيًّا  
 مِنْ أَنْفُسِنَا نَعْرِفُ أَبَاهُ وَأُمَّهُ  
 فَأَمَرَنَا نَبِيُّنَا رَسُولُ رَبِّنَا هَلَى  
 اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ نَقَاتِلَكُمْ  
 حَتَّى تَعْبُدُوا اللَّهَ وَخُدَّاهُ  
 أَوْ تَوَدُّوا الْجِزْيَةَ وَأَخْبَرَنَا  
 نَبِيُّنَا صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ  
 عَنْ رَسُولِ رَبِّنَا أَنَّ مَنْ

کو سپہ سالار بنا دیا۔ جب ہم دشمن کے  
 ملک میں پہنچے تو کسریٰ کا عامل چالیس  
 ہزار سپاہیوں کے ساتھ ہمارے مقابلہ  
 کے لئے آیا۔ ایک ترجمان (درمیان  
 میں) کھڑا ہو گیا۔ عامل نے کہا: تم  
 میں سے ایک آدمی مجھ سے بات  
 کرے۔ حضرت مغیرہؓ نے کہا: پوچھ  
 جو تو پوچھنا چاہے۔ عامل نے کہا تم  
 کون ہو؟ حضرت مغیرہؓ نے کہا: ہم  
 عرب کے لوگ ہیں، ہم سخت بدبختی  
 اور شدید بلاء میں مبتلا تھے، بھوک  
 میں کھاؤں کو اور گٹھلیوں کو چوسا  
 کرتے تھے، بالوں کا لباس پہنتے  
 تھے، درختوں اور پتھروں کو پوجتے  
 تھے۔ ہم اسی حال میں تھے کہ آسمانوں  
 کے اور زمینوں کے رب نے جس کا ذکر بلند  
 ہے اور جس کی عظمت روشن ہے ہم میں  
 ایک نبی مبعوث فرمایا جو ہم ہی میں  
 سے تھا۔ اس کے ماں باپ کو ہم  
 (اچھی طرح) پہچانتے تھے۔ ہمارے  
 نبی، ہمارے رب کے رسول صلی

قُتِلَ مَنَّا صَارَ إِلَى الْجَنَّةِ فِي نَعِيمٍ      اللہ علیہ وسلم نے ہمیں حکم دیا کہ ہم  
لَمْ يَزِدْ مِثْلَهَا قَطُّ وَمَنْ بَقِيَ      تم سے لڑیں یہاں تک کہ تم اللہ  
مِنَّا مَلَكَ رِقَابَكُمْ (صحیح بخاری)      اکیلے کی عبادت کرو یا جزیہ ادا کرو  
کتاب الجہاد باب الجزیۃ والموادعۃ مع      اور ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے  
اہل الکتاب جزء ۴ ص ۱۱۸

ہمارے رب کا یہ پیغام بھی ہمیں  
پہنچا ہے کہ ہم میں سے جو قتل ہو گیا وہ  
جنت کی نعمت میں داخل ہوگا، اس  
جیسی (نعمت) اس نے کبھی نہیں دیکھی  
ہوگی اور جو ہم میں سے زندہ رہا وہ  
تمہاری گردنوں کا مالک ہوگا۔

کتنی واضح، کتنی روشن اور کتنی ہمت افزا یہ بشارتیں ہیں! ان بشارتوں  
کے مطابق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کے دور میں فتوحات کا ایک  
تابناک سلسلہ ظہور پذیر ہو چکا ہے۔ بشارت کی یہ پیش گوئیاں حرف بہ  
حرف پوری ہوئیں اور دنیا نے دیکھ لیا کہ حق کے مقابلہ میں باطل پسپا  
ہوتا چلا گیا بلکہ فنا ہوتا چلا گیا۔ مسلمان جہاں نکل جاتے تھے فتح ان کا  
قدم چومتی تھی۔ کیا یہ بشارتیں اور ان کے مطابق فتوحات کا ظہور پذیر  
ہونا ہمارے جمود کو توڑنے کے لئے کافی نہیں؟ کیا یہ چیزیں ہماری  
ہمت افزائی کا باعث نہیں؟ اگر ہیں اور یقیناً ہیں تو پھر ہمیں پوری قوت  
سے حق کو لے کر میدان میں نکل آنا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ  
وہ ایمان والوں کی مدد کرے گا، اس کی معیت اور نصرت تقویٰ والوں  
کے ساتھ ہوگی۔ اٹھیے، دلوں میں صبح ایمان اور تقویٰ پیدا کیجئے اور اللہ

تعالیٰ پڑ بھروسہ کر کے ہر قسم کے جہاد کی طرف قدم بڑھائیے۔ اللہ تعالیٰ کا نام لے کر اللہ تعالیٰ کے راستہ میں اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لئے، اللہ تعالیٰ سے مدد طلب کرتے ہوئے زبان سے، ہاتھ سے، جان سے اور مال سے جہاد کیجئے۔ کیونکہ جنگ کے ذریعہ جہاد کرنا حکومت کا کام ہے لہذا اہل حق کو چاہیے کہ حکومت کو تابع حق بنائیں تاکہ وہ اس جہاد سے محروم نہ رہنے پائیں۔

جامعۃ المسلمین

مسجد المسلمین۔ کوثر نیازی کالونی۔ ناتھ ناظم آباد بلاک جی، کراچی ۷۴۲۰۰



# بدعت

۱۳۹۵ھ

سلسلہ اشاعت نمبر ۵

**بدعت کے لغوی معنی** | بدعت کا مادہ ”بَدَعَ“ ہے۔ ”بَدَعَ“ کے معنی ہیں: نو پیدا کرنا۔ ایجاد کرنا۔ ”بَدَعَ“ کے معنی ہیں: نو ایجاد جو کسی کی مثال پر نہ ہو۔ ”بَدِيعٌ“ اللہ تعالیٰ کا ایک نام ہے، اس کے معنی ہیں: بے نمونہ نیا پیدا کرنے والا (منتهی الارباب فی لغات العرب) علامہ راغب اصفہانی لکھتے ہیں ”الْبَدْعُ“ کے معنی بغیر کسی کی تقلید کے کسی چیز کے ایجاد کرنے کے ہیں۔۔۔ جب اِبْدَاعٌ کا لفظ اللہ عزوجل کے متعلق استعمال ہو تو اُس کے معنی بغیر آلہ، بغیر مادہ، بغیر زمانہ مکان کے کسی شے کو ایجاد کرنے کے ہوتے ہیں“ (مفردات القرآن) الغرض بدعت کے لغوی معنی یہ ہوئے ”ایسی نئی چیز جس کا نمونہ پہلے سے موجود نہ ہو“ قرآن مجید سے بھی اس معنی کی تائید ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:-

قُلْ مَا كُنْتُ بِدْعًا (اے رسول) آپ کہہ دیجئے کہ میں رسولوں میں  
مِنَ الرُّسُلِ {احقاف} بدْع نہیں ہوں (یعنی ایسا نیا اور نالارسل  
نہیں ہوں کہ اس کا نمونہ گذشتہ رسولوں میں نہ ہو، پہلے بھی ایسے رسول آتے رہے ہیں)  
**بدعت کے شرعی و اصطلاحی معنی** | قرآنی اور لغوی معنی کی بنیاد پر بدعت کے شرعی معنی  
یہ ہوئے:-

”ایسا نیا کام جس کی مثال یا جس کا نمونہ پہلے سے شریعت یا سنت میں موجود نہ ہو۔“  
اس اصطلاحی و شرعی معنی کی تائید قرآن مجید سے بھی ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:-  
وَرَهْبَانِيَّةً ابْتَدَعُوْهَا مَا (نصاری نے) رہبانیت کی بدعت نکالی حالانکہ  
كَتَبْنَاهَا عَلَيْهِمْ {حجۃ} ہم نے اس رہبانیت کو ان پر فرض نہیں کیا تھا۔  
اس آیت سے معلوم ہوا کہ رہبانیت پہلے سے دین میں شامل نہیں تھی، اللہ تعالیٰ نے اس کے  
متعلق کوئی حکم نہیں دیا تھا، بعد میں نصاریٰ نے اسے ایجاد کیا، اللہ تعالیٰ نے اس ایجاد  
کو بدعت کہا، لہذا آیت سے ثابت ہوا کہ بدعت ”وہ نیا کام ہے جو پہلے سے دین میں موجود نہ ہو“  
بدعت کے یہ شرعی و اصطلاحی معنی اتنے مشہور ہو گئے کہ اہل لغت نے بھی اپنی کتابوں  
میں اسے درج کر دیا۔ منتهی الارباب میں بدعت کے یہ معنی لکھے ہیں:- ”دین کے کمال کے بعد اس

میں نئی رسم نکالنا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نئی بات نکالنا۔  
**کیا بدعت کی دو قسمیں ہیں** | عام طور پر مشہور ہے کہ بدعت کی دو قسمیں ہیں (۱) بدعت حسنہ  
 (یعنی اچھی بدعت) (۲) بدعت سیئہ (یعنی بُری بدعت)۔ بدعت کو دو قسموں میں تقسیم  
 کرنا عقل کے بھی خلاف ہے اور نقل کے بھی۔ عقل کے خلاف اس لحاظ سے ہے کہ بدعت سیئہ کا اضافہ  
 دین میں نہیں ہو سکتا، ایسی نئی بات کوئی نہیں نکال سکتا کہ جو بُری بھی ہو اور پھر اُسے ثواب بھی  
 سمجھا جائے۔ اور اگر کوئی نکلے بھی تو اُسے کوئی تسلیم نہیں کرے گا۔ مثلاً اگر کوئی شخص کے کہ فلاں  
 تاریخ کو جو اٹھلنا یا شراب پینا باعثِ ثواب ہے تو بتائیے اُسے کون تسلیم کرے گا۔ لہذا بدعت  
 سیئہ کا کوئی وجود نہیں:

بُرا کام ہر حال میں بُرا ہے خواہ وہ نیا ہو یا پرانا۔ اس لحاظ سے بُرے کام کے لئے نئے پرانے  
 کی تقسیم لایعنی ہے۔ اللہ اور اُس کے رسول کا کلام لایعنی باتوں سے پاک ہوتا ہے۔ لہذا ثابت  
 ہوا کہ بدعت سے بُرے کام مراد لینا قطعاً صحیح نہیں، اور یہ کہ بدعت کی دو قسمیں کرنا عقلاً باطل ہے۔  
 بدعت حسنہ ہی درحقیقت شرعی بدعت ہے۔ لیکن یہ مرکب تو صیغی صحیح نہیں اس لئے  
 کہ بدعت بُرا کام ہے (جیسا کہ آگے آرہا ہے) لہذا کسی بُرے کام کے ساتھ حسنہ کا لفظ لگانا  
 باطل ہے۔ یہ کیسے ممکن ہے کہ ایک کام بُرا بھی ہو اور اچھا بھی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:-  
 كُلُّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ {صحیح مسلم تہذیباً} ”ہر بدعت گمراہی ہے“  
 إِنَّ كُلَّ مُحَدَّثَةٍ بِدْعَةٌ وَكُلٌّ  
 بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ {اتحد، ابوداؤد، نسائی  
 ترمذی وقال الترمذی هذا حدیث حسن صحیح} ”ہر نیا کام بدعت ہے اور  
 ہر بدعت گمراہی ہے۔“

سنن کی مندرجہ بالا حدیث میں لفظ ”مُحَدَّثَةٌ“ آیا ہے۔ یہ لفظ ’احداث‘  
 سے مشتق ہے جس کے معنی ہیں ”نیا پیدا کرنا“ (منتهی الارب)، ایجاد کرنا۔ مُحَدَّثٌ  
 چیز جو عدم سے وجود میں آئی ہو، حَدُوث کے معنی ہیں ایسی چیز کا وجود میں آنا جو  
 پہلے نہ ہو (مفردات القرآن) گویا ”مُحَدَّثَةٌ“ اور ”بِدْعَةٌ“ ہم معنی الفاظ ہیں۔

احادیث بلائے ثابت ہوا کہ ہر نئی بات کو بدعت کہتے ہیں اور ہر بدعت گمراہی ہے۔ جب ہر بدعت  
 گمراہی ہے تو پھر وہ کونسی بدعت نہ جاتی ہے جو گمراہی نہیں ہے۔ لہذا قطعاً بھی بدعت کو دو قسموں میں  
 تقسیم کرنا باطل ہے:-

ایک شبہ اور اُس کا ازالہ | حضرت عمرؓ نے ایک مرتبہ تراویح کو بدعت حسنہ کہا تھا لہذا ثابت

ہوا کہ بعض بدعتیں حسنہ بھی ہوتی ہیں۔ اس شبہ کا جواب درج ذیل ہے۔  
 رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں مسجد نبوی میں تراویح کی مختلف جماعتیں ہو کرتی تھیں (مسند احمد عن عائشہؓ) پھر ایک مرتبہ ایسا ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین رات نماز تراویح پڑھائی، ان راتوں میں نماز تراویح کی ایک ہی جماعت ہوئی۔ چوتھی رات کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز تراویح نہیں پڑھائی اور یہ فرمایا ”میں نے اس اندیشہ سے نماز نہیں پڑھائی کہ کہیں تم پر لازم نہ ہو جائے“ اس کے بعد وہی کیفیت جاری رہی، پھر مختلف جماعتیں ہونے لگیں۔ حضرت عمرؓ نے اپنے زمانہ خلافت میں یہ صورت دیکھی تو فرمایا اگر میں ان سب کو ایک قاری پر جمع کر دوں ”لکان امثل“ تو بے شک یہ (سنت کے) زیادہ مثل ہو گا۔ یہ کہہ کر انہوں نے ایک جماعت جاری کر دی، اور فرمایا۔

نِعْمَ الْبَدْعَةُ هَذِهِ (صحیح بخاری)  
 کتاب صلاۃ التراویح  
 ”اچھی بدعت یہ ہوتی ہے۔“

ایک امام کے پیچھے تمام لوگوں کا نماز پڑھنا سنت سے ثابت تھا، حضرت عمرؓ نے ”لکان امثل“ کہہ کر اس کا اظہار بھی کر دیا تھا، لہذا شرعی اصطلاح میں یہ بدعت نہیں ہوئی، کیونکہ اصطلاح شرع میں بدعت وہ کام ہے جس کا نمونہ سنت میں موجود نہ ہو۔ حضرت عمرؓ نے بدعت کو لغوی معنی میں استعمال کیا۔ ایک مسجد میں ایک ہی جماعت کا قیام متروکہ سنت تھی حضرت عمرؓ نے اسے پھر جاری کر دیا۔ کیونکہ متروکہ سنت کو جاری کرنے کا فعل اس سے پہلے واقع نہیں ہوا تھا لہذا انہوں نے اس جاری کرینکے فعل کو لغوی اعتبار سے بدعت سے تعبیر کیا۔ جن لوگوں نے جاری کرنے ”اور“ ایجاد کرنے ”میں فرق نہیں کیا وہ حضرت عمرؓ کے قول سے غلط فہمی میں مبتلا ہو گئے کہ بدعت اچھی بھی ہو سکتی ہے، حالانکہ بات یہ نہیں ہے حضرت عمرؓ نے جس بدعت کو اچھا کہا وہ متروکہ سنت کا جاری کرنا ہے اور یہ چیز خارج از بحث ہے۔ حضرت عمرؓ نے کسی ایسے نیک کام کے ایجاد کرنے کو جس کا نمونہ پہلے سے سنت میں موجود نہ ہو اچھا نہیں کہا۔ لہذا حضرت عمرؓ کے قول سے اصطلاحی بدعت کی دو قسمیں ثابت نہیں ہوئیں۔ فلتلہ الحمد۔ نیک کام ہی بدعت ہوتا ہے اگرچہ دلائل بالا ہی سے ثابت ہو چکا ہے کہ بدعت اس نیک کام کو کہتے ہیں جو دین میں نیا نکالا جائے اور جس کا نمونہ سنت میں موجود نہ ہو، تاہم ذیل میں ہم اس کے مزید دلائل دیتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:-

مَنْ أَخَذَ فِي أَمْرِنَا هَذَا مَا لَيْسَ مِنْهُ فَهُوَ رَدٌّ (صحیح بخاری کتاب الفلح)  
 ”جس نے ہمارے اس امر میں کوئی نیا کام نکالا تو وہ نیا کام نا مقبول اور مسترد دیکھ مسلم کتاب الاضیئہ“  
 کر دیا جائے گا۔“

اللہ اور اس کے رسولؐ کا ”امر“ (یعنی حکم) دین اسلام ہے، لہذا حدیث کا مطلب یہ ہوا کہ



”دین میں جو نیا کام نکالا جائے وہ مقبول نہیں ہوگا۔“

دوسری حدیث کے الفاظ اس طرح ہیں:-

”مَنْ عَمِلَ عَمَلًا لَيْسَ عَلَيْهِ أَمْرُنَا“ جس نے ایسا عمل کیا جس پر ہمارا امر نہ ہو تو  
فَهُوَ رَدٌّ (صحیح مسلم کتاب الاقضية) وہ عمل مسترد کر دیا جائے گا۔“

’امر‘ کے معنی حکم کے بھی ہیں اور فعل کے بھی۔ جب امر کے معنی حکم ہوتے ہیں تو اس کی جمع ادا کر  
ہوتی ہے۔ اور جب امر کے معنی کام ہوتے ہیں تو اس کی جمع امور ہوتی ہے۔ لہذا حدیث کا مطلب یہ  
ہوا کہ جس نے ایسا کوئی عمل کیا جس کی تائید میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم یا فعل نہ ہو تو وہ  
عمل مردود ہے، نامقبول ہے۔

بُرائے کام کو قبول کرنے یا نہ کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ بُرا کام نیا ہو یا پُرانا ہر حال  
میں نامقبول ہے، لہذا اس کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمانا کہ ”وہ نامقبول ہے“ کوئی  
معنی نہیں رکھتا، اللہ اور اُس کے رسول کا کلام مہمل نہیں ہوتا لہذا حدیث میں بدعت سے مراد بُرا  
کام نہیں لیا جاسکتا قبول ہونے نہ ہونے کا سوال تو صرف نیک کام کے متعلق ہی ہو سکتا ہے لہذا  
اس حدیث کی رد سے اگر کوئی بدعت قبول نہیں ہوئی تو ظاہر ہے کہ وہ بدعت نیک کام ہوگی، غلط  
یہ ہوا کہ وہ نیک کام جو دین میں نیا نکالا گیا ہو بدعت ہے۔

حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ میں آدمیوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادت کے  
متعلق سوال کیا جب انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادت کی تفصیل بتائی گئی تو انہوں  
نے اس عبادت کو اپنے حق میں کم سمجھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ عبادت کرنے کا  
ارادہ کیا۔

ایک نے کہا:-

”أَنَا أَنَا فَاصْبِرْ لَيْلًا أَبَدًا“ ”میں ہمیشہ تمام رات نماز پڑھا کروں گا۔“

دوسرے نے کہا:-

”أَنَا أَصُومُ الدَّهْرَ وَلَا أَفْطِرُ“ ”میں ہمیشہ روزہ رکھوں گا (دن کو) کبھی افطار نہیں کروں گا۔“

تیسرے نے کہا:-

”أَنَا أَغْتَزِلُ النِّسَاءَ فَلَا أَتَزَوَّجُ“ ”میں عورتوں سے علیحدہ رہوں گا، کبھی نکاح نہیں

آبدًا۔“

کروں گا (تاکہ ہر وقت عبادت میں لگا رہوں)

ان لوگوں کی یہ باتیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہوئیں، آپ اُن کے پاس تشریف

لائے اور فرمایا:-

أَنْتُمْ الَّذِينَ قُلْتُمْ كَذًا وَكُذًا "تم ہی لوگ جو جنہوں نے اس اس طرح کہا ہے،  
 وَاللّٰهُ اِنِّیْ لَآخْشَاکُمْ لِلّٰهِ وَانْقَضَکُمْ لَہٗ لَکِنِّیْ اَصُوْمٌ وَّافْطِرٌ وَّاصِلٌ وَاَزْقٰہُ وَاَتَزَوَّجُ النِّسَاءَ فَمَنْ تَغِیْبَ عَنْ سُنَّتِیْ  
 اللہ کی قسم میں تم سب زیادہ اللہ سے ڈرتا ہوں اور تم سب زیادہ معفی ہوں لیکن میں روزے بھی رکھتا ہوں اور افطار بھی کرتا ہوں، میں نماز بھی پڑھتا ہوں اور سوتا بھی ہوں اور میں عورتوں سے نکاح  
 فَلَیْسَ مِنِّیْ {صحیح بخاری کتاب النکاح ورواہ مسلم غورہ فی کتاب النکاح}

کرے وہ مجھ سے نہیں" (یعنی اُس کا مجھ سے کوئی تعلق نہیں)

ان تین آدمیوں نے جن کاموں کا ارادہ کیا وہ کام یقیناً نیک تھے اور خلوص نیت پر مبنی تھے اس کے باوجود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خفگی کا اظہار فرمایا اور سنت سے زائد کام کرنے سے روک دیا بلکہ سنت سے زیادہ کام کرنے والے سے اپنی بے تعلقی اور بیزاری کا اظہار فرمایا اس حدیث سے واضح طور پر ثابت ہو گیا کہ کتنا ہی نیک کام کیوں نہ ہو اگر وہ سنت سے زائد ہو تو مردود ہے، اس کے کرنے سے ثواب حاصل نہ ہو گا بلکہ نیکی برباد گناہ لازم کا مصداق ہو گا۔ بدعت کفر ہے | مندرجہ بالا حدیث سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سب سے زیادہ متقی تھے لہذا جو کچھ آپ نے کیا وہ تقویٰ کی اتمہائی منزل اور آخری حد ہے۔ اس کے آگے ضلالت و گمراہی کے حدود شروع ہو جاتے ہیں، لہذا جو شخص سنت سے زائد کام کرتا ہے وہ گویا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ متقی بننا چاہتا ہے، ایسا شخص یقیناً کافر ہے۔

خلاصہ یہ ہوا کہ سنت سے زائد جتنے نیک کام ہیں وہ بدعت ہیں۔ ان کا کرنا کفر کی ایک قسم ہے۔ سورہ حدید کی مذکورہ بالا آیت اور احادیث مذکورہ بالا سے نتیجہ یہ نکلا کہ بدعت اُس نیک کام کو کہتے ہیں جو حدود شرعیہ اور طریقہ سنونہ سے آگے بڑھ جائے۔ اگرچہ سنت سے کم کرنا گناہ ہے لیکن سنت سے زیادہ کرنا نہ صرف گناہ ہے بلکہ بدعت ہے اور یہ ترک سنت سے زیادہ ہلاکت خیز ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :-

وَجَعَلْنَا فِیْ قُلُوْبِ الذِّیْنَ اَتَّبَعُوْا رَافِقًا وَّرَحْمَةً وَّرَهْبَانِیَّةً ۚ اِیْتَدَعُوْهَا مَا کَتَبْنٰہَا عَلَیْہُمْ اِلَّا اِیْتِغَاۡءٌ رِّضْوَانِ اللّٰہِ کَمَا رَعَوْہَا حَقًّا رِّعَآیَتِہَا فَاَشَیْنَا الذِّیْنَ اٰمَنُوْا

جن لوگوں نے عیسیٰ علیہ السلام کی پیروی کی ہم نے ان کے دلوں میں شفقت اور نہربانی کا جذبہ پیدا کر دیا (پھر) ان لوگوں نے رہبانیت کی بدعت نکالی جو ہم نے ان پر فرض نہیں کی تھی (انہوں نے اپنے خیال میں) اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کیلئے (خود ہی ایسا کر لیا)

مِنْهُمْ أَجْرُهُمْ وَكَثِيرٌ مِنْهُمْ  
فَاسِقُونَ ﴿۲۷﴾  
تھا) پھر جیسا اُس کو نباہنا چاہئے تھا نباد بھی نہ سکے،  
پھر جو لوگ ان (بدعتیوں) میں سے ایمان لے آئے  
ان کو ہم نے ان کا اجر دیا اور ان میں سے بہت سے فاسق ہی رہے۔

آیت کے پہلے حصہ میں اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پیروی کرنے والوں کی  
تعریف کی، یہ بدعتی نہیں تھے، پھر آیت کے دوسرے حصہ میں اللہ تعالیٰ نے پیروی کرنے والوں  
میں سے ان لوگوں کی مذمت کی جو بدعت کا شکار ہو گئے تھے۔ پھر ان بدعتیوں میں سے بعض لوگوں کے  
ایمان لانے کا ذکر کیا، اس کا مطلب صاف ہے کہ پہلے وہ بدعتی کافر ہو گئے تھے۔ جب بدعت چھوڑ کر  
تاب ہو گئے تو گویا پھر ایمان لائے، لہذا ثابت ہوا کہ بدعت کفر کی ایک قسم ہے۔  
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں :-

كُلُّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ (متح مسلم ونداء) ”ہر بدعت گمراہی ہے اور  
وَكُلُّ ضَلَالَةٍ فِي النَّارِ (نسائی کتاب العیدین) ہر گمراہی دوزخ میں (یجانے والی) ہے۔“  
بدعت کے متعلق ضلالت کا لفظ بتا رہا ہے کہ بدعت کفر سے کسی طرح کم نہیں اس لئے کہ کسی گناہ  
کو ضلالت نہیں کہا جاتا، مثلاً اگر کوئی شخص چوری کرتا ہے تو اُسے گناہگار تو کہا جائے گا گمراہ نہیں  
کہا جائے گا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں :-  
إِنَّ..... شَرَّ الْأُمُورِ مُخَدَّنَاتُهَا. ”بے شک تمام اعمال میں سب سے بدتر عمل  
(متح مسلم کتاب الجنۃ) بدعات ہیں۔“

سب سے بدتر کام تو کفر اور شرک کے کام ہیں لہذا بدعت کفر اور شرک سے کسی طرح کم نہیں۔  
اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :-

أَلْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ (ملئۃ) ”آج میں نے تمہارے دین کو کامل کر دیا“  
جب دین کامل ہو گیا تو پھر اس میں کوئی چیز شامل نہیں ہو سکتی۔ دین میں نئی چیز شامل  
کرنے کے معنی یہ ہیں کہ دین کو ناقص مانا جائے اور یہ عقیدہ کفر ہے۔ جو لوگ دین میں نئی باتیں  
نکال رہے ہیں یا نئی باتوں پر عمل کر رہے ہیں وہ دین کو ناقص ملنے کا اقرار کریں یا نہ کریں عملاً  
وہ دین کو ناقص ہی ثابت کر رہے ہیں۔ ان کا بدعت پر عمل کرنا عمل کفر ہے۔  
بدعت شرک ہے | دین اسلام، اللہ کا دین ہے۔ اس دین کی تمام جزئیات اللہ تعالیٰ  
کی مقرر کی ہوئی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشادِ گرامی ہے :-

شَرَعَ لَكُمْ مِنَ الدِّينِ (شوری) ”اللہ نے تمہارے لئے دین بنایا۔“



دین میں کمی بیشی کرنے کا اختیار صرف اللہ تعالیٰ کو ہے۔ بدعت کیونکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے دین میں شامل نہیں ہوتی بلکہ بعد میں بڑھائی جاتی ہے لہذا یہ دین میں اضافہ کے مترادف ہے اور کیونکہ دین میں اضافہ کرنا صرف اللہ تعالیٰ کا حق ہے لہذا جو لوگ کسی بدعت کا اضافہ کرتے ہیں وہ اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے منصب پر پہنچا دیتے ہیں، وہ شرک فی الدین یا شرک فی التشریع کے مرتکب ہوتے ہیں۔ اور جو لوگ اس بدعت پر عمل کرتے ہیں وہ گویا اُس بدعت کے نکالنے والے کو دین سازی میں اللہ تعالیٰ کا شرک سمجھتے ہیں۔ اس طرح وہ ایک الہ نہیں بلکہ کئی الہ مانتے ہیں۔ کتنا بڑا شرک ہے جو یہ لوگ کر رہے ہیں لیکن انہیں اس کا شعور نہیں۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:-

أَمْ لَهُمْ شُرَكَاءُ شَرَعُوا لَهُمْ  
مِنَ الدِّينِ مَا لَمْ يَكُنْ مِنَ دِينِ اللَّهِ  
{ شوریٰ }

”کیا انہوں نے (اللہ کے) شرک بنا رکھے ہیں جو ان کے لئے دین سازی کرتے رہتے ہیں حالانکہ اللہ نے اس کی اجازت نہیں دی“

آیت بالا سے ثابت ہوا کہ دین سازی شرک ہے۔ دین سازی خالص اللہ تعالیٰ کا حق ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:-

أَلَا لِلَّهِ الدِّينُ الْخَالِصُ (نہم)  
”خبردار، دین خالص اللہ کے لئے ہے۔“  
بدعتی کی بدعتی قیامت کے دن حوض کوثر سے بعض لوگوں کو دُر کر دیا جائے گا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دریافت فرمائیں گے کہ ان کو کس جرم میں دُر کیا جا رہا ہے؟ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جواب ملیگا۔  
إِنَّكَ لَا تَذَرُنِي مَا أَخَذْتُهَا  
”آپ کو نہیں معلوم کہ انہوں نے آپ کے بعد کیسی بدعتیں کی تھیں۔“

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرمائیں گے سُبْحَقًا (یہ لوگ مجھ سے) دور ہو جائیں (جمع مسلم ورواہ البخاری نمود)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رحمۃً للعالمین ہیں، اپنی اُمت کے گناہگاروں پر بہت مہربان ہیں، لیکن باوجود اس کے آپ بدعتیوں سے بیزار ہیں۔ آخر اس کی کیا وجہ ہے؟ اس سوال کا جواب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ میں سنئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:-  
لَمَّا عَيَّرَ بَعْدِي (جمع مسلم ورواہ البخاری نمود) ”یہ دُوری اُس کے لئے ہوگئی جس نے میرے بعد دین کو بدل دیا تھا۔“

بدعت سے دین بدل جاتا ہے، سنت اٹھ جاتی ہے، یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بدعتی سے بیزار ہوں گے۔

بدعت میں خیر نہیں | اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:-

اَسْتَمْتُ عَلَیْكُمْ نَعْمَتِی (بانیہ) ”میں نے تم پر اپنی نعمت پوری کر دی۔“  
 جب نعمت پوری ہو گئی تو اب وہ کونسی نعمت رہ گئی جس کو تلاش کیا جائے۔ اگر بدعتیں نعمت  
 ہوتیں تو ضرر اللہ تعالیٰ اُن کو پہلے اپنے دین میں شامل کر کے پھر دین کو کاہل کرتا، لیکن ایسا نہیں  
 ہوا تو پھر یہ بدعتیں جو بعض مسلمانوں نے نکال رکھی ہیں نعمت نہیں ہیں بلکہ لعنت ہیں۔ رسول اللہ  
 صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔

لَعَنَ اللّٰهُ مَنْ اٰذَى مُّحَدِّثًا ”اللہ کی لعنت ہے اُس شخص پر جو کسی بدعتی  
 (صحیح مسلم کتاب الامانی) کو جگہ دے۔“

جب بدعتی کو جگہ دینے والے پر اللہ کی لعنت ہے تو پھر بدعتی پر کس قدر لعنت ہوگی۔  
 رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:-

اِنَّهُ لَمْ يَكُنْ نَبِیُّ قَبْلِیْ اِلَّا كَانَ حَقًّا عَلَیْهِ اَنْ یَّدُلَّ اُمَّتَهُ عَلٰی خَیْرٍ مَا یَعْلَمُ لَهُمْ (صحیح مسلم کتاب الامارۃ)  
 ”مجھ سے پہلے جتنے بھی رسول آئے اُن میں سے ہر ایک  
 پر فرض تھا کہ اُمت کیلئے جو خیر کی بات اُسے معلوم  
 ہے وہ اُمت کو بتائے۔“

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ خیر کی جتنی باتیں تھیں وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بتادیں،  
 کوئی خیر نہیں جس کو خیر سمجھ کر نکالا جائے۔

بُغْتِیْ بے اِیْکَانَ ہوتا ہے۔ مومنین کا اس سے کیا سلوک ہونا چاہئے؟ رسول اللہ صلی اللہ  
 علیہ وسلم فرماتے ہیں:-

مَا مِنْ نَبِیٍّ بَعَثَهُ اللّٰهُ فِیْ اُمَّةٍ قَبْلِیْ اِلَّا كَانَ لَهُ فِیْ اُمَّتِهِ حَوَارِیُّوْنَ وَاصْحَابٌ یَّتَّخِذُوْنَ یُسْنَتَهُ وَ یَقْتَدُوْنَ بِاَمْرِہٖ ثُمَّ لَئِنْ تَخَلَّفَ مِنْ اَبْعَدِہُمْ خُلُوْفٌ یَّقُوْلُوْنَ مَا لَا یَفْعَلُوْنَ وَ یَفْعَلُوْنَ مَا لَا یُؤْمَرُوْنَ۔  
 ”مجھ سے پہلے جو نبی بھی اللہ نے کسی اُمت میں بھوث  
 فرمایا اُس اُمت میں اُس کے مددگار اور اصحاب  
 ہوا کرتے تھے جو اُس کی سنت پر عمل کرتے تھے اور  
 اُس کے حکم کی تعمیل کرتے تھے۔ اُن کے بعد ایسے  
 ناخلف لوگ پیدا ہوتے تھے جو ایسی باتیں کہتے  
 تھے جن پر عمل نہیں کرتے تھے اور جو عمل کرتے  
 تھے اُن کے کرنے کا اُنہیں حکم نہیں دیا گیا تھا۔“

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اُن ناخلف لوگوں کی دو خصوصیات تھیں۔

(۱) ان کے قول و فعل میں تضاد تھا، جیسے آجکل کے لوگ کہ اپنے مسلم ہونیکا دعویٰ  
 کرتے ہیں لیکن اسلام پر عمل نہیں کرتے، اہل حدیث یا اہل سنت ہونے پر فخر کرتے ہیں  
 لیکن حدیث یا سنت پر عمل نہیں کرتے۔

(۲) ایسے عمل کرتے تھے جن کا حکم نہیں دیا گیا تھا یعنی جو عمل وہ کرتے تھے اُن کے دین میں اُن کا کوئی ذکر نہیں تھا، دوسرے غلطوں میں یہ کہنا چاہئے کہ وہ بدعتیں کرتے تھے۔ مختصر یہ کہ سنت کا ترک اور بدعت پر عمل اُن کا شیوہ تھا۔ ایسے لوگوں سے ایمان والوں کو کسی قسم کا سلوک کھنا چاہئے اس کی وضاحت کرتے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مندرجہ بالا الفاظ کے آگے فرمایا:-  
 فَتَنْ جَاهِدَ هُمْ بِيَدِهِ فَهُوَ مُؤْمِنٌ وَمَنْ جَاهِدَ هُمْ بِلِسَانِهِ فَهُوَ مُؤْمِنٌ وَمَنْ جَاهِدَ هُمْ بِقَلْبِهِ فَهُوَ مُؤْمِنٌ وَلَكِنْ ذَٰلِكَ مِنَ الْإِيمَانِ حَبَّةٌ خَرْدَلٍ (صحیح مسلم کتاب الایمان باب یلکون لہنی عن الشکرین الایمان) رہتا۔

یہ حدیث اپنے مطلب میں بالکل واضح ہے۔ حدیث سے ثابت ہوا کہ جو شخص بدعتی کے خلاف قلب سے بھی جہاد نہ کرے وہ مؤمن نہیں، یعنی جو بدعتی کو یا بدعت کو دل میں بھی بُرا نہ سمجھے وہ بالکل بے ایمان ہے۔ سوچئے جو شخص بدعت تو نہیں کرتا لیکن بدعتی یا بدعت کو بُرا بھی نہیں سمجھتا وہ بے ایمان ہے تو بتائیے کہ جو شخص بدعت کو اچھا سمجھتا ہے اور اُس کو کرتا بھی ہے وہ کتنا بُرا بے ایمان ہوگا۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بدعت کو بُرا نہ سمجھنا کفر ہے تو پھر اُس کو اچھا سمجھنا کیسے کفر نہ ہوگا۔ حدیث سے یہ بھی ثابت ہوا کہ مؤمنین کو بدعتیوں سے جہاد کرنا چاہئے نہ یہ کہ اُن کا ہم نوالہ وہم پیالہ بن جائیں اور اُن کو اپنا امام بنالیں۔

اسلام اُسی چیز کا نام ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت تھی جو بعد میں نکلی وہ بدعت ہے۔ اسلام قرآن و حدیث کے اندر محفوظ ہے۔ قرآن و حدیث کے باہر اسلام نہیں ملیگا۔ جماعت المسلمین کی دعوت یہی ہے کہ اُس خالص اسلام کو ماننے جس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس اُمت کو چھوڑ کر دُنیا سے تشریف لے گئے تھے۔ اس میں کسی کے قول و فعل فتوے اور رائے کو شامل نہ کیجئے، اللہ کے دین کو خالص رکھئے، اس میں کسی قسم کی آمیزش نہ کیجئے، اتفاق و اتحاد کی یہی صورت ہے اور بس۔ نجات کا دار و مدار بھی صرف قرآن و حدیث کی اتباع پر ہے۔ آئیے ہم سب مل کر اللہ کی اس رستی کو مضبوطی سے پکڑ لیں اور ایک ہو جائیں۔



# اصلاح اُمت اور جماعت المسلمین

ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ أَيْدِي النَّاسِ -  
 (آج سے تقریباً ۱۴۰۰ سال پہلے) لوگوں کی بد اعمالی کی وجہ سے بحر و بر میں فساد پھیل  
 چکا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اس فساد کو نیست و نابود کرنے کے لئے اپنے آخری رسول احمد  
 مجتبیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ  
 تعالیٰ کی توفیق اور نصرت سے شرک کی جگہ توحید، کفر کی جگہ ایمان، شر کی جگہ خیر،  
 بد امنی کی جگہ امن و امان، فرقہ وارانہ مذاہب کی جگہ اسلام اور فرقوں کی جگہ ایک  
 امت مسلمہ: جماعت المسلمین کو برپا کیا۔

فیضان نبوت سے صدیوں تک اسلام کی چمک دمک باقی رہی۔  
 چنستان اسلام میں سالہا سال تک بہا رہی اور اللہ تعالیٰ کا کلمہ  
 بلند رہا لیکن پھر آخر وہ وقت بھی آیا کہ بہار خزاں میں تبدیل ہو گئی اور امت  
 مختلف فرقوں میں تقسیم ہو گئی۔ کُلَّ حِزْبٍ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُوْنَ کے  
 بمصداق ہر فرقہ اپنے خود ساختہ مذہب پر مگن ہی نہیں بلکہ نازاں ہو گیا۔ عمل مفقود  
 ہو گیا اور اگر کہیں عمل رہا بھی تو علماء کے فتوؤں اور قیاسوں پر۔ وہ دین جو قرآن اور  
 حدیث کے اندر مکمل و محفوظ تھا اس کا بس نام ہی باقی رہ گیا۔ دین کو کامل ملنے ہوئے  
 بھی اس میں ہزار ہا اضافے ہو گئے۔ قرآن مجید اور حدیث نبوی کو برکت کے لئے استعمال  
 کیا جانے لگا لیکن عمل کے لحاظ سے انہیں پس پشت ڈال دیا گیا۔ دعویٰ سب کا یہی  
 تھا کہ ہم قرآن و حدیث پر عمل کرتے ہیں اور انہی کی طرف دعوت دیتے ہیں لیکن حقیقتاً  
 انہیں قرآن و حدیث سے دور کا بھی واسطہ نہیں رہا۔

اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے کہ ماضی میں اس فساد کو نیست و نابود کرنے کے لئے کون  
 کونسی اصلاحی تحریکیں اٹھیں اور کن کن ادوار و زمن میں از سر نو جماعت المسلمین کا  
 کاجبار ہوا۔ زمانے گزرتے رہے بالآخر وہ وقت بھی آیا کہ ہمارے زمانہ میں اسلام  
 کے چند خیر خواہ حضرات نے ۱۳۹۵ھ میں پھر جماعت المسلمین کا احیاء کیا۔  
 جماعت المسلمین کے احیاء کے وقت یعنی ۱۳۹۵ھ میں امت کی جو

حالت تھی ہم اس کا مختصر خاکہ ذیل میں درج کر رہے ہیں :-

① تقلید اور فرقہ واریت | فرقوں کا دور دورہ تھا، قرآن و حدیث پر براہ راست عمل کرنے کو اکثر حلقوں میں الحاد اور بے دینی تصور کیا جاتا تھا۔ ائمہ اور علماء کی تقلید عام تھی حتیٰ کہ وہ جماعت جو اپنے خود ساختہ نام پر نازاں اور قرآن و حدیث پر براہ راست عمل کرنے کی مدعی تھی تقلید میں گرفتار ہو چکی تھی۔ اس جماعت کے افراد بھی کسی ایسی سچی بات کو ماننے کے لئے تیار نہیں تھے جو انہوں نے پہلے سے نہ سُن رکھی ہو، نہ کسی ایسی چیز کو چھوڑنے کے لئے تیار تھے جو بعض علماء کے غلط فتوؤں کی وجہ سے رواج پا گئی ہو اور جس کی پشت پر قرآن و حدیث سے کوئی دلیل موجود نہ ہو یعنی غیر معروف سنتوں سے نفرت اور بدعات پر اڑے رہنا ان کا شیوہ بن گیا تھا۔ ان کی زبان پر بھی وہی الفاظ آنے لگے تھے جو مقلدین کا طرہ امتیاز تھے۔ وہ بھی بعض کاموں کی دلیل میں یہ کہنے لگے تھے کہ بڑے بڑے علماء ایسا کرتے آئے ہیں۔

② تسامح | کسی اچھے کام کے ترک اور بُرے عمل کے ارتکاب کو کوئی وقعت نہیں دیتے تھے۔ جب کسی عمل کے لئے کہا جاتا تھا تو جواب ملتا تھا کہ آپ لوگ معمولی معمولی باتوں کے پیچھے پڑتے ہیں۔ کیا اسلام انہی باتوں میں رہ گیا ہے۔ اگر اس کام کو نہیں کیا گیا تو کیا اسلام خطرے میں پڑ جائے گا؟ اگر اتفاق سے وہ کام اختلافی ہو تو جواب ملتا تھا کہ آپ لوگ فروعیات میں الجھتے ہیں۔ اصل اسلام خطرے میں ہے اس کی طرف تو توجہ نہیں کرتے۔ فروعیات میں الجھ کر پورے اسلام کو خطرے میں ڈال رہے ہیں۔ سب کچھ ٹھیک ہے مسلمانوں کو کام کرنے دو خواہ وہ اس کام کو کسی طرح بھی کریں۔ لوگ نماز ہی نہیں پڑھتے آپ نماز کے طریقہ میں الجھ رہے ہیں۔ آپ کے اس رویہ کو لوگ تشدد پر مجبور کرتے ہیں اور اسلام سے متنفر ہوتے ہیں۔ آپ بجائے اس کے کہ لوگوں کو اپنے قریب لائیں اپنے سے دُور کر رہے ہیں۔

اگر کسی برے کام سے روکا گیا تو جواب ملا کہ اس میں کیا حرج ہے۔ ہر کام کے سلسلہ میں یہی جواب ملتا رہا کہ اس میں کیا حرج ہے۔ "اس میں کیا حرج ہے" کے مقولے سے برائیوں کا انبار لگتا چلا جا رہا تھا حتیٰ کہ شرک اور بدعت کے جراثیم دل و دماغ میں پیوست ہونے چلے جا رہے تھے اور وہ یہی کہے جا رہے تھے کہ اس میں کیا حرج ہے۔

اس متناسلہ روئے کے مقابلہ میں آپ ذرا دور صحابہ کا مطالعہ کریں تو آپ کو زمین و



آسمان کا فرق نظر آئے گا۔ مثلاً

(۱) حضرت انس رضی اللہ عنہ سے فرماتے ہیں :-

إِنَّكُمْ لَتَعْمَلُونَ أَعْمَالًا هِيَ أَدَقُّ  
فِي أَعْيُنِكُمْ مِنَ الشَّعْرِ إِنْ كُنَّا  
نَعُدُّهَا عَلَى عَهْدِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ  
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمَوْبِقَاتِ (صحیح بخاری)  
کتاب الرقاق باب ما یثقی من محقرات  
الذنوب (۸/۱۳۸)

تم ایسے ایسے عمل کر گزرتے ہو جو تمہاری نگاہ  
میں تو بال سے زیادہ باریک ہوتے ہیں لیکن  
ہم تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ  
میں ان کو ہلاک کر دینے والے گناہ سمجھتے  
تھے۔

(۲) حضرت نافعؓ کہتے ہیں :-

إِنَّ ابْنَ عُمَرَ رَأَى رَجُلًا يُصَلِّي  
رَكْعَتَيْنِ يَوْمَ الْجُمُعَةِ فِي مَقَامِهِ  
فَدَفَعَهُ وَقَالَ أَتُصَلِّي الْجُمُعَةَ  
أَرْبَعًا (ابوداؤد کتاب الصلوۃ باب الصلوۃ  
بعدا لجمعة ۱۶۷ وسندہ صحیح بخاری)

حضرت ابن عمرؓ نے ایک شخص کو جمعہ کے دن  
اس کے (فرض کے) مقام پر نماز پڑھتے ہوئے  
دیکھا تو اسے دھکا دیا اور فرمایا کیا تو جمعہ کی چار  
رکعت پڑھتا ہے؟

فرض کی جگہ سنت پڑھنا منع ہے جب تک فصل بالكلام نہ ہو یعنی جب تک  
درمیان میں بات نہ کرے، اگر فصل بالكلام نہ ہو تو اس جگہ سے ہٹ کر نماز پڑھنا چاہیے۔  
حضرت عبداللہ بن عمرؓ اس کو کتنا اہم سمجھتے تھے اور فی زمانہ اس کو کتنا غیر  
اہم سمجھا جاتا ہے۔

(۳) حضرت عیینہؓ کہتے ہیں :-

حَدَّثَنَا أَبِي قَالَ خَرَجْتُ فِي جَنَازَةٍ  
عَبْدِ الرَّحْمَنِ ابْنِ سَمُرَةَ فَجَعَلَ  
رِجَالٌ مِنْ أَهْلِهِ يَسْتَقْبِلُونَ الْجَنَازَةَ  
فَيَسْتَوُونَ عَلَى أَعْقَابِهِمْ وَيَقُولُونَ  
رَوْيْدًا بَارَكَ اللَّهُ فِيكُمْ قَالَ فَلِحَقْنَا  
أَبُو بَكْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ مِنْ طَرِيقِ  
الْمُرْبِدِ فَلَمَّا رَأَى أَوْلِيكَ وَمَا  
يُصْنَعُونَ حَمَلَ عَلَيْهِمْ بِبَعْلَتِهِ وَ

ہم سے میرے والد نے بیان کیا کہ وہ عبدالرحمن  
بن سمرہ کے جنازہ میں (شرکت کے لئے) نکلے تو  
کیا دیکھتے ہیں کہ اس کے اہل میں سے بہت  
سے لوگ جنازہ کے آگے جا رہے ہیں پھر  
ایڑیوں کے بل چلتے ہیں اور کہتے ہیں: "آہستہ  
آہستہ (چلو)، اللہ تمہارے (کام) میں  
برکت عطا فرمائے" مریہ کے راستہ میں ابو بکرہ  
رضی اللہ عنہ انہیں ملے۔ انہوں نے جب



آهوی لَهُم بِالسَّوِطِ وَقَالَ خَلُّوا  
فَوَالَّذِي كَرَّمَ وَجْهَ أَبِي الْقَاسِمِ  
صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَقَدْ رَأَيْتُنَا  
مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ  
وَإِنَّا لَنَكَادُ أَنْ نَرْمَلَ بِهَا (مسند امام  
احمد وسندہ جید۔ بلوغ الامانی جز ۸ ص ۵)

ان لوگوں کو اور جو کچھ وہ کر رہے تھے اُسے  
دیکھا تو اپنے پھر پر جھپٹ کر آئے اور کوڑا  
لے کر ان پر جھکے اور کہا: راستہ چھوڑو، قسم  
اس کی جس نے ابوالقاسم صلی اللہ علیہ وسلم  
کے چہرہ کو بزدگی دی ہم رسول اللہ صلی اللہ  
علیہ وسلم کے ہمراہ جنازہ کے ساتھ تیزی سے  
چلا کرتے تھے۔

(۴) حضرت حصین کہتے ہیں :-

عَنْ عَمَّارَةَ بِنِ رُوَيْبَةَ قَالَ رَأَى  
بِشْرُ بْنُ مَرْوَانَ عَلَى الْمَيْمَنَةِ رَافِعًا  
يَدَيْهِ فَقَالَ قُبَّحَ اللَّهُ هَاتَيْنِ  
الْيَدَيْنِ لَقَدْ رَأَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى  
اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا يَزِيدُ عَلَيَّ  
أَنْ يَقُولَ بِيَدِهِ هَكَذَا وَأَشَارَ  
بِأَصْبَعِهِ الْمُسَبَّحَةِ (صحیح مسلم کتاب  
الجمعة باب تخفيف الصلوة والخطبة جز ۱ ص ۲۳۶)

عمارہ بن رویبہ نے بشر بن مروان کو منبر  
پر دونوں ہاتھ اٹھائے دیکھا تو فرمایا: اللہ  
ان دونوں ہاتھوں کا برا کرے میں نے رسول  
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہے کہ آپ صرف  
ہاتھ سے اس طرح اشارہ کرتے تھے (یہ کہتے  
ہوئے) انہوں نے اپنی انگشت شہادت سے  
اشارہ کیا۔

(۵) حضرت مجاہد کہتے ہیں :-

كُنْتُ مَعَ ابْنِ عُمَرَ فَثَوَّبَ رَجُلٌ  
فِي الظُّهْرِ وَالْعَصْرِ قَالَ اخْرُجْ  
بِنَاقَاتِ هَذِهِ بَدْعُهُ (ابوداؤد کتاب  
الصلوة باب في التثويب جز ۱ ص ۸۶  
وسندہ حسن)

میں ابن عمرؓ کے ساتھ تھا۔ ایک شخص نے ظہر  
یا عصر (کی اذان) میں الصلوة خیر من النوم  
کہا۔ ابن عمرؓ نے (مجھ سے) فرمایا: ہمیں یہاں  
سے چلو کیونکہ یہ بدعت ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے خلاف سنت بات ہونے دیکھا تو فوراً مسجد سے  
چلے گئے۔

الغرض صحابہ کرامؓ چھوٹی اور بڑی تمام بانوں کو اہمیت دیا کرتے تھے اور ان کی غلاف  
درزی پر سختی سے تنقید کرتے تھے۔ نہ کوئی خلاف سنت بات برداشت کرتے اور نہ کسی  
بدعت کو نظر انداز کرتے۔

دور صحابہ اور موجودہ دور کے معاشرہ کا جو موازنہ اوپر پیش کیا گیا ہے اس سے قارئین کرام نے اندازہ لگالیا ہوگا کہ کیا تھا اور کیا ہو گیا۔ صحابہ کرام کے مزاج اور موجودہ دور کے لوگوں کے مزاج میں کتنا عظیم الشان فرق ہو گیا۔ موجودہ دور کے لوگ ہر بات کو معمولی سمجھ کر چھوڑ رہے ہیں گو یا وہ خود اسلام کو آہستہ آہستہ رخصت کر رہے ہیں! اسلام لوگوں کی زندگیوں سے دور ہوتا جا رہا ہے اور اس میں کیا حرج ہے" کے مقولہ سے برائیاں آ رہی ہیں۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :-

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا ادْخُلُوا فِي  
السِّلْمِ كَافَّةً وَلَا تَتَّبِعُوا خُطُوَاتِ  
الشَّيْطَانِ إِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ مُبِينٌ ○  
(البقرة - ۲۰۸)

اے ایمان والو، اسلام میں پورے پورے  
داخل ہو جاؤ اور شیطان کے قدموں کی پیروی  
نہ کرو، وہ تو تمہارا کھلا دشمن ہے۔

اللہ تعالیٰ نے تو ایمان والوں کو بڑی سختی کے ساتھ پورے اسلام پر عمل کرنے کی تاکید کی تھی لیکن اسلام کے ماننے والوں نے اسلام کے ایک بہت بڑے حصہ کو چھوڑ دیا۔  
③ ترک سنت اکثر لوگوں کا یہ عقیدہ ہو گیا تھا کہ ترک سنت گناہ نہیں،  
سنت مثل نفل کے ہے مثلاً محمد صادق صاحب سیالکوٹی  
لکھتے ہیں :-

"واضح ہو کہ سنت، نفل، مندوب، مستحب، مرغب فیہ، حسن،  
یہ تمام الفاظ ہم معنی اور مترادف ہیں جو عبادت نافلہ (غیر فرض) پر  
بولے جاتے ہیں۔" (صلوة الرسول ص ۳۳۶)

یہ عقیدہ اتنا گمراہ کن تھا اور ہے کہ اسلام کے تمام ضابطے اور آداب کا لعدم ہو کر رہ گئے۔ سنتیں چھوڑی جا رہی تھیں اور یہ کہہ کر چھوڑی جا رہی تھیں کہ سنت ہی تو ہے، فرض تو نہیں۔ اس طرح علی الاعلان سنت کا استخفاف ہو رہا تھا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :-

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ  
أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَن كَانَ يَرْجُوا  
اللَّهَ وَالْيَوْمَ الْآخِرَ وَذَكَرَ اللَّهَ  
كَثِيرًا ○ (الاحزاب - ۲۱)

بے شک اللہ کے رسول (کی زندگی میں تمہارا  
لئے بہترین نمونہ ہے۔ یہ اس کے لئے جو اللہ  
کی اور آخرت کے دن کی امید رکھتا ہو اور اس  
کے لئے بھی جو اللہ کا ذکر بہت کرتا ہو۔

اس آیت سے ثابت ہوا کہ :-

- ۱۔ سنت رسولؐ بہترین نمونہ زندگی ہے۔
- ۲۔ اللہ تعالیٰ اور قیامت پر ایمان رکھنے کا تقاضا یہ ہے کہ سنت رسولؐ پر عمل کیا جائے۔
- ۳۔ کثرت سے اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنے والوں کے لئے بھی بہترین نمونہ سنت رسولؐ ہے۔ سنت رسولؐ کے خلاف ذکر الہی کرنا مفید نہیں ہوگا۔
- آیت کا مطلب صاف ہے کہ سنت رسولؐ پر عمل کرنے کے بعد ہی ایمان کا دعویٰ صحیح ہو سکتا ہے۔

**۴) احکام کی حیثیت** | قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے جگہ جگہ ارشاد فرمایا ہے کہ ”اللہ اور رسولؐ کی اطاعت کرو“ گویا قرآن مجید کی رو سے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولؐ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی اطاعت فرض ہے۔ اللہ تعالیٰ اور رسولؐ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو حکم دیں اس حکم کی تعمیل فرض ہوگی سوائے اس صورت کے کہ اس کو فرضیت یا وجوب سے ہٹانے کے لئے کوئی قرینہ پایا جائے اور وہ قرینہ قرآن مجید یا حدیث نبوی ہی میں موجود ہو۔ کسی ایسے قرینے سے جو فرضی اور خیالی ہو یا جو کسی شخص یا اشخاص کی رائے سے عالم وجود میں آیا ہو کسی حکم کے وجوب کو ہٹایا نہیں جاسکتا لیکن ہو یہ رہا تھا کہ متعدد احکام کو محض وہم و گمان کی بنیاد پر وجوب سے ہٹا کر مستحب سمجھا جا رہا تھا۔ ان احکام کی اصلی حیثیت باقی نہیں رہی تھی۔ لوگ ویسے ہی عموماً نثر آسانی کا شکار ہوتے ہیں جب انہیں یہ فتویٰ مل جائے کہ فلاں حکم استحبابی ہے تو انہیں کیا ضرورت کہ وہ اس حکم پر عمل کریں! اس طرح سینکڑوں احکام کو پس پشت ڈالا جا رہا تھا، فرائض کو نفل کا درجہ دیا جا رہا تھا۔ یہ ایک بڑی گمراہی تھی جو معاشرہ میں پائی جاتی تھی۔

جیسا کہ اوپر لکھا جا چکا ہے اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم فرض ہوتا ہے جب تک کوئی قرینہ صارفہ اس کے وجوب کو ہٹانے والا نہ ہو۔ کیونکہ یہ اصول سب کے نزدیک مسلم ہے لہذا ہمیں اس اصول کو مٹانے کے لئے کسی دلیل کے بیان کی ضرورت نہیں۔ ہم تو یہ بتانا چاہتے ہیں کہ کس طرح اپنے مسلمہ اصول کو توڑ کر لوگوں نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولؐ کے احکام کو فرض کے بجائے مستحب بنا دیا۔ مثلاً :-

۱۔ تحیۃ المسجد | رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :-

إِذَا دَخَلَ أَحَدُكُمُ الْمَسْجِدَ جَبْتُمْ يَدَيْهِ ثُمَّ ادْخُلُوا مَعَهُ



فَلْيَرْكُعْ رَكْعَتَيْنِ قَبْلَ أَنْ تَجْلِسَ  
 (صحیح بخاری کتاب الصلوٰۃ باب اذا دخل احدکم  
 المسجد فلیرکع رکعتین جزر اول ص ۱۲ و صحیح مسلم  
 کتاب المساجد باب استحباب تحية المسجد رکعتین  
 جزر اول ص ۲۸۷)

یہ حکم اپنی منشاء میں بالکل واضح ہے یعنی ان دو رکعت کا پڑھنا لازمی ہے لیکن  
 علماء نے ان دو رکعتوں کو مستحب کہا ہے یعنی ان دو رکعتوں کا پڑھنا ضروری نہیں، اگر پڑھ  
 لے تو اچھا ہے۔ ان علماء نے اس سلسلہ میں کوئی قرینہ صارفہ پیش نہیں کیا اور نہ ہی کسی  
 قرینہ صارفہ کا وجود ہے۔ بعض علماء نے یہ ضرور کہا کہ اگر ہم نے اس کو فرض مان لیا تو چھ  
 نمازیں فرض ہو جائیں گی حالانکہ نمازیں صرف پانچ فرض ہیں۔ ان کی یہ منطق صحیح نہیں اس  
 لئے کہ پانچ نمازیں تو دن و رات کا وظیفہ ہیں اور بغیر کسی سبب کے ہر مرد و عورت پر فرض  
 ہیں لیکن تحیۃ المسجد بغیر سبب کے ہر مرد و عورت پر فرض نہیں۔ یہ تو صرف اسی وقت فرض  
 ہوگی جب کوئی شخص مسجد میں داخل ہو کر بیٹھنے کا ارادہ کرے۔

الغرض اس سلسلہ میں کوئی قرینہ صارفہ موجود نہیں ہے۔ اس کے برعکس احادیث  
 میں ایسے قرائن ملتے ہیں جو ان دو رکعتوں کی فرضیت کو ثابت کرتے ہیں :-  
 پہلا قرینہ | حضرت ابو قتادہ فرماتے ہیں :-

دَخَلْتُ الْمَسْجِدَ وَرَسُولُ اللَّهِ صَلَّى  
 اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَالِسٌ بَيْنَ ظَهْرَانِي  
 النَّاسِ قَالَ فَجَلَسْتُ فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ  
 صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا مَنَعَكَ أَنْ  
 تَرْكُعَ رَكْعَتَيْنِ قَبْلَ أَنْ تَجْلِسَ قَالَ  
 فَقُلْتُ يَا رَسُولَ اللَّهِ لَا يَنْتَكِ جَالِسًا  
 وَالنَّاسُ مُجْلُوسٌ قَالَ فَإِذَا دَخَلَ أَحَدُكُمْ  
 الْمَسْجِدَ فَلَا يَجْلِسُ حَتَّى يَرْكُعَ رَكْعَتَيْنِ  
 (صحیح مسلم کتاب المساجد باب استحباب تحية المسجد  
 برکعتین جزر اول ص ۲۸۷)

میں مسجد میں داخل ہوا۔ رسول اللہ صلی اللہ  
 علیہ وسلم لوگوں کے ساتھ مسجد میں بیٹھے ہوئے  
 تھے، میں بھی بیٹھ گیا۔ رسول اللہ صلی اللہ  
 علیہ وسلم نے فرمایا: بیٹھنے سے پہلے تمہیں  
 دو رکعت پڑھنے سے کس بات نے روکا۔ میں  
 نے کہا: اے اللہ کے رسول میں نے آپ کو اور  
 لوگوں کو بیٹھا ہوا دیکھا (تو میں بھی بیٹھ گیا) رسول  
 اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جب تم میں سے  
 کوئی مسجد میں داخل ہو تو بیٹھے نہیں جب  
 تک دو رکعت پڑھ نہ لے۔

اگر یہ دو رکعتیں صرف مستحب ہوتیں تو نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سوال کرتے،

نہ تنبیہ فرماتے۔ افسوس ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو بغیر دو رکعت پڑھے، بیٹھنے سے منع فرمائیں اور علماء بیٹھنے کی اجازت دیں اور یہ کہیں کہ بغیر دو رکعت پڑھے بیٹھنے میں کوئی حرج نہیں۔ بتلیئے کس کی مانیں۔

**دوسرا قرینہ** | حضرت ابو ذرؓ فرماتے ہیں :-

دَخَلْتُ الْمَسْجِدَ فَإِذَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَالِسٌ وَحْدَهُ فَقَالَ يَا أَبَا ذَرٍّ إِنَّ لِلْمَسْجِدِ تَحِيَّةً وَابْتِئَاجَةً رَكْعَتَانِ فَقُمُ فَإِذَا رَكَعْتُمَا قَالَ فَقُمْتُ فَرَكَعْتُهُمَا (صحیح ابن حبان۔  
وارد النظم کتاب المساجد باب فی تحیة المسجد ص ۱) سکت علیہ الحافظ (فتح الباری جزء ۲ ص ۸۳)۔

میں مسجد میں داخل ہوا تو کیا دیکھتا ہوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اکیلے بیٹھے ہوئے ہیں۔ آپ نے فرمایا: مسجد کے لئے بھی تحیہ (یعنی سلام یا تحفہ) ہے اور مسجد کا تحیہ دو رکعتیں ہیں لہذا کھڑے ہو جاؤ اور دو رکعتیں پڑھو۔ حضرت ابو ذرؓ کہتے ہیں: میں کھڑا ہو گیا اور دو رکعتیں پڑھیں۔

**تیسرا قرینہ** | حضرت جابرؓ فرماتے ہیں :-

جَاءَ رَجُلٌ وَالتَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَخْطُبُ النَّاسَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ فَقَالَ أَصَلَيْتَ يَا فُلَانُ قَالَ لَا مَالَ قُمْ فَارْكَعْ وَفِي رِوَايَةٍ فَصَلَّ رَكْعَتَيْنِ (صحیح بخاری کتاب الجمعة باب إذا رأى الإمام رجلاً جاء وهو يخطب ... الخ جزء ۲ ص ۵۱ و صحیح مسلم کتاب الجمعة باب التحية والإمام يخطب جزء اول ص ۳۴)۔

ایک شخص آیا۔ جمعہ کا دن تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کو خطبہ دے رہے تھے۔ آپ نے (اس سے) فرمایا اے فلاں کیا تم نے نماز پڑھی۔ اس نے کہا: نہیں۔ آپ نے فرمایا: اٹھو اور دو رکعت پڑھو۔

**چوتھا قرینہ** | رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں :-

إِذَا جَاءَ أَحَدُكُمْ وَالْإِمَامُ يَخْطُبُ أَوْ قَدْ خَرَجَ فَلْيُصَلِّ رَكْعَتَيْنِ (صحیح بخاری باب ما جاء في التطوع مثني مثني جزء ۲ ص ۵۱ و صحیح مسلم کتاب الجمعة باب التحية والإمام يخطب جزء اول ص ۳۴ و ص ۳۵)۔

جب تم میں سے کوئی شخص اس حالت میں آئے کہ امام خطبہ دے رہا ہو یا نکل آیا ہو تو اس وقت بھی دو رکعت پڑھو۔

قارئین کرام اس بات کو بخوبی جانتے ہیں کہ دوران خطبہ نماز نہیں پڑھنی چاہیے، کسی بات کہنے والے سے یہ کہنا کہ ”چپ رہو“ اس کی بھی ممانعت ہے اور یہ کہ خطبہ کے وقت بات کرنے والے کا جھوٹا نہیں ہوتا لیکن ان تمام باتوں کے باوجود ان دور کعتوں کی تاکید فرمائی گئی اس بات کا قوی قرینہ نہیں کہ یہ دو رکعت واجب ہیں۔ انہیں خطبہ کی حالت میں بھی نہیں چھوڑا جاسکتا۔

غرض یہ کہ قرائن اس بات کے شاہد ہیں کہ یہ دو رکعت واجب ہیں لیکن کہنے والے یہی کہتے ہیں کہ یہ دو رکعت واجب نہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ حکم وجوبی نہیں، استحبابی ہے۔ پڑھ لے تو اچھا ہے، نہ پڑھے تو کوئی حرج نہیں۔ افسوس قرائن صارفہ کی عدم موجودگی اور قرائن موجبہ کی موجودگی کے باوجود کس لاپرواہی کے ساتھ اس فریضہ کو نفل کے خانہ میں ڈال دیا گیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

## ۲۔ خواتین کی عید گاہ میں حاضری | حضرت ام عطیہؓ فرماتی ہیں :-

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں حکم دیا کرتے تھے کہ ہم عید الفطر اور عید الاضحیٰ میں نکلیں اور (سب) عورتوں کو عید گاہ لے جائیں۔

کُنَّا نَوْمُرُ أَنْ نَخْرُجَ يَوْمَ الْعِيدِ (صحیح بخاری کتاب العیدین باب التکبیر ایام منیٰ جزء ۳ ص ۱) وَفِي رِوَايَةٍ لِمُسْلِمٍ أَمْرًا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ تَخْرُجَهُنَّ فِي الْفِطْرِ وَالْأَضْحَى (صحیح مسلم کتاب العیدین باب ذکر اباحۃ خروج النساء فی العیدین جزء اول ص ۳۵)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ حکم بھی اپنے مطلب میں واضح ہے۔ احادیث میں کوئی ایسا قرینہ نہیں ملتا جو اس حکم کے وجوب کو ساقط کرے لہذا اصول مسلمہ کے لحاظ سے خواتین پر عید گاہ کی حاضری فرض قرار دینی چاہیے تھی لیکن افسوس! ایسا نہیں ہوا۔ یہاں بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کو حکم استحبابی سمجھا گیا اور اس طرح اس حکم کی حیثیت کو مسخ کر دیا گیا۔

علماء نے یہاں نہ صرف اپنے مسلمہ اصول کو توڑا بلکہ ان قرائن کو بھی نظر انداز کر دیا جو اس کے وجوب کو ثابت کرتے ہیں مثلاً

پہلا قرینہ | جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ حکم دیا تو ایک عورت نے پوچھا :-  
يَا رَسُولَ اللَّهِ أَعَلَىٰ إِيحْدَانَا بَأْسٌ اے اللہ کے رسول، کیا ہم میں سے کسی پر



اِذَا لَمْ يَكُنْ لَهَا جِلْبَابٌ اَنْ لَا تَخْرُجَ؟  
گناہ ہوگا اگر اس کے پاس برقع نہ ہو تو وہ عید گاہ نہ جائے؟

اس سوال سے معلوم ہو رہا ہے کہ اس عورت نے اس حکم کو فرض سمجھا اور نہ سوال کرنے کی کیا ضرورت تھی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :-

لَتَلْبِسُهَا صَاحِبَتُهَا مِنْ جِلْبَابِهَا فَلْيَشْهَدْ نَ الْخَيْرُ وَدَعْوَةُ الْمُؤْمِنِينَ  
(صحیح بخاری کتاب العیدین باب اذا لم یکن لها جلباب جزر ۲ ص ۲۷۷ و صحیح مسلم کتاب العیدین باب ذکر اباحتہ خروج النساء فی العیدین جزر اول ص ۳۵۲)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بے برقع والی خواتین کو بھی عید گاہ سے غیر حاضر ہونے کی اجازت نہیں۔

دوسرا قرینہ | حضرت ام عطیہ فرماتی ہیں :-

اَمْرُنَا اَنْ تَخْرُجَ الْعَوَاتِقُ وَ ذَوَاتِ الْخُدُورِ (صحیح بخاری کتاب العیدین باب خروج النساء و الحيض الى المصلی جزر ۲ ص ۲۶۷) وَ فِي رِوَايَةٍ حَقِّي تَخْرِجَ الْبُكَرِ مِنْ خُدُرِهِنَّ (صحیح بخاری کتاب العیدین باب البکیرایم منی جزر ۲ ص ۲۷۷)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ یہ حکم صرف بوڑھی عورتوں کے لئے ہی نہیں ہے بلکہ جوان عورتوں اور کنواری لڑکیوں کے لئے بھی یہی حکم ہے۔ کسی کو مستثنیٰ نہیں کیا گیا۔

تیسرا قرینہ | حضرت ام عطیہ فرماتی ہیں :-

اَمْرُنَا اَنْ تَخْرُجَ فَتَخْرِجَ الْحَيَضُ وَالْعَوَاتِقُ وَ ذَوَاتِ الْخُدُورِ فَاَمَّا الْحَيَضُ فَيَشْهَدُ نَ جَمَاعَةُ الْمُسْلِمِينَ

ہم حکم دے گئے تھے کہ عید گاہ جائیں اور نفہ عورتوں، جوان عورتوں اور پردہ نشین لڑکیوں کو بھی عید گاہ لے جائیں۔ حائفہ عورتیں

وَدَعَوْتُهُمْ وَيَعْتَزِّلْنَ مُصَلَّاهُمْ (صحیح بخاری کتاب العیدین باب اعتزال جماعت المسالین اور ان کی دعا میں حاضر ہوں لیکن ان کی نماز کی جگہ سے علیحدہ رہیں۔ الحیض المصلیٰ جز ۲ ص ۲۸)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ وہ خواتین جو اذیت ماہانہ کی وجہ سے نماز نہیں پڑھ سکتیں عید گاہ میں ضرور حاضر ہوں۔ ان کو بھی غیر حاضری کی اجازت نہیں دی گئی۔  
**جو تھا قرینہ** | رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عائشہ عورتوں کو حکم دیا کہ :-

فَيَكْبِتْنَ بِتَكْبِيرِهِمْ وَيَدْعُونَ وہ مؤمنین کی تکبیروں کے ساتھ تکبیریں کہتی ہیں، ان کی دعاؤں کے ساتھ دعائیں مانگیں  
الْيَوْمَ وَطَهَّرْتَنَا (صحیح بخاری کتاب العیدین باب التکبیر ایام منیٰ جز ۲ ص ۲۵) امیدوار رہیں۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عید کے دن کی خیر و برکت اور پاکیزگی حاصل کرنے کے لئے عید گاہ جانا ضروری ہے اور یہ چیزیں وہیں ملیں گی۔ ان چیزوں کی جس طرح مردوں کو ضرورت ہے عورتوں کو بھی ضرورت ہے لہذا ان کا عید گاہ جانا ضروری ہے۔  
**پانچواں قرینہ** | اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :-

وَلِتُكَبِّرُوا اللَّهَ عَلَىٰ مَا هَدَاكُمْ (البقرہ - ۱۸۵)  
(اے ایمان والو) اللہ نے تمہیں ہدایت دی تو تم (اس احسان کے بدلہ میں) اللہ کی بڑائی بیان کرو۔

اس آیت میں عید کی تکبیر کی طرف اشارہ ہے اور یہ حکم بالکل اسی طرح عام ہے جس طرح اس سے پہلے کا حکم وَلِتُكَبِّرُوا اللَّهَ (یعنی روزوں کی گنتی پورا کرو) عام ہے۔ جس طرح پہلا حکم ہر مرد و عورت کے لئے ہے اسی طرح دوسرا حکم بھی ہر مرد و عورت کے لئے ہے۔ یعنی عید کے دن کی تکبیریں نہ صرف مردوں پر فرض ہیں بلکہ عورتوں پر بھی فرض ہیں۔

مندرجہ بالا پانچ قرآن اس بات کے مقتضی ہیں کہ خواتین پر بھی عید گاہ کی حاضری فرض ہو لیکن علماء نے بغیر کسی قرینہ صارفہ کے اس حکم کو بھی فرض کے خانہ سے نکال کر نفل کے خانہ میں ڈال دیا بلکہ بعض علماء نے تو حد ہی کر دی کہ عورتوں کے عید گاہ جانے کو مکروہ قرار دیا۔ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُونَ۔

### ۳۔ آخری قعدہ میں تَعُوذُ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں :-  
 إِذَا فَرَغَ أَحَدُكُمْ مِنَ التَّشَهُّدِ  
 الْآخِرِ فَلْيَتَعَوَّذْ بِاللّٰهِ مِنْ أَرْبَعٍ :  
 مِنْ عَذَابِ جَهَنَّمَ وَمِنْ عَذَابِ  
 الْقَبْرِ وَمِنْ فِتْنَةِ الْمَحْيَا وَالْمَمَاتِ  
 وَمِنْ شَرِّ الْمَسِيحِ الدَّجَالِ (صحیح  
 مسلم کتاب الصلوٰۃ باب ما يستعاذ منه في  
 الصلوة جزء اول ص ۲۳۷)

یہ حدیث بھی اپنے مطلب میں بالکل واضح ہے یعنی اس حکم کی رو سے نماز کے  
 آخر میں ان چار چیزوں سے پناہ مانگنا فرض ہے۔ کوئی قرینہ صارفہ بھی نہیں جو اس کے وجوب  
 کو ساقط کرے لیکن اس حکم کو بھی الا ماشاء اللہ کسی نے فرض قرار نہیں دیا حالانکہ یہاں بھی  
 قرآن موجبہ موجود ہیں :-

یہلا قرینہ | رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خود ان چار چیزوں سے پناہ مانگا کرتے تھے۔  
 حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں :-

قَالَ نَبِيُّ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ (وَفِي رِوَايَةٍ كَانَ يَتَعَوَّذُ)  
 اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنْ عَذَابِ  
 الْقَبْرِ وَعَذَابِ النَّارِ وَفِتْنَةِ  
 الْمَحْيَا وَالْمَمَاتِ وَشَرِّ الْمَسِيحِ  
 الدَّجَالِ (صحیح مسلم کتاب الصلوٰۃ باب  
 ما يستعاذ منه في الصلوة جزء اول ص ۲۳۷)

نبی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ دعا پڑھتے تھے:  
 اے اللہ میں عذاب قبر سے، عذاب جہنم  
 سے، زندگی اور موت کے فتنہ سے اور  
 مسیح دجال کے شر سے تیری پناہ طلب  
 کرتا ہوں۔

دوسرا قرینہ | رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس دعا کو اس اہتمام سے سکھاتے تھے  
 جس اہتمام سے قرآن مجید کی کسی سورت کو سکھاتے تھے۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں :-

أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ  
 كَانَ يُعَلِّمُهُمْ هَذَا الدُّعَاءَ كَمَا  
 رَوَى ابْنُ عَبَّاسٍ (صحیح مسلم صحابہ کو یہ  
 دعا اس طرح تعلیم دیتے تھے جس طرح



يَعْلَمُهُمُ السُّورَةَ مِنَ الْقُرْآنِ يَقُولُ  
تَوَلَّوْا لِلّٰهِمَّ اِنَّا نَعُوْذُ بِكَ مِنْ  
عَذَابِ جَهَنَّمَ وَاعُوْذُ بِكَ مِنْ  
عَذَابِ الْقَبْرِ وَاعُوْذُ بِكَ مِنْ فِتْنَةِ  
الْمَسِيْحِ الدَّجَالِ وَاعُوْذُ بِكَ مِنْ  
فِتْنَةِ الْمَحْيَا وَالْمَمَاتِ (صحیح مسلم کتاب  
الصلوة باب ما يستأذنه فی الصلوة جز اول  
۲۳۸)

قرآن کی کسی صورت کی۔ آپ فرماتے تھے اس  
طرح کہو: اے اللہ ہم عذاب جہنم سے تیری  
پناہ چاہتے ہیں اور (اے اللہ) میں عذاب  
قبر سے تیری پناہ طلب کرتا ہوں، مسیح  
دجال کے فتنہ سے تیری پناہ طلب کرتا ہوں  
اور زندگی اور موت کے فتنہ سے تیری پناہ  
طلب کرتا ہوں۔

ان قرآن کو نظر انداز کر دیا گیا۔ علماء کے نزدیک اب اس دعا کا پڑھنا بالکل نفل کی  
حیثیت رکھتا ہے۔

غرض یہ کہ اس قسم کی بیسیوں مثالیں ہیں جن میں اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ  
صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام کو فرض کے خانہ میں رکھنے کے بجائے نفل کے خانہ میں رکھ دیا گیا۔  
**⑤ قول اور فعل میں تضاد** لوگوں کا گونا گویا عقیدہ تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ  
وسلم کے قول اور فعل میں تضاد ہو سکتا ہے۔ آپ  
جو کچھ فرماتے تھے اس کے خلاف کر لیا کرتے تھے۔ یہ اتنا بے بنیاد، مضحکہ خیز اور ہتک آمیز عقیدہ  
تھا اور ہے کہ اس سے ایمان اور اسلام تو کجا شرافت کی بنیادیں کھوکھلی ہو جاتی ہیں۔ قصر  
نبوت گر پڑتا ہے۔ اسلامی ضابطے چستان بن کر رہ جاتے ہیں۔ کوئی شریف آدمی اس بات کو  
پسند نہیں کرتا کہ لوگ اس کے متعلق قول و فعل میں تضاد کا یقین تو کجا گمان بھی کریں۔ اگر کسی  
سے ایسی بات سرزد بھی ہو جائے تو اسے ظاہر کرتے ہوئے شرمناک ہے لیکن کتنے افسوس کا  
مقام ہے کہ لوگ ایسی ناپسندیدہ بات کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کرتے  
ہوئے نہیں شرماتے۔

الغرض ایسے غلط اصول کے ماتحت بیسیوں احکام کو اس لئے پس پشت ڈالا جاتا  
ہے کہ فعل رسولؐ اس کے خلاف پایا جاتا ہے لہذا یہ احکام لازمی نہیں۔ اگر لازمی ہوتے  
تو خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے خلاف عمل کیوں کرتے گویا وہ فعل رسولؐ کو حکم رسولؐ  
کے مقابلے میں پیش کرتے ہیں اور حکم رسولؐ کی خلاف ورزی کرتے ہیں۔

قارئین کرام سمجھ گئے ہوں گے کہ یہ عقیدہ کتنا منکسر ہے۔ اب ہم اس عقیدہ کے  
بطلان کے دلائل بیان کرتے ہیں۔

۱۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :-

أَنَا مُرُونَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَتَوَنُّونَ  
أَنفُسَكُمْ وَأَنْتُمْ تَخْلُونَ الْكِتَابَ  
أَفَلَا تَعْقِلُونَ ○ (البقرة - ۱۲۲)

کیا تم لوگوں کو تو نیکی کا حکم دیتے ہو اور اپنے  
آپ کو بھول جلتے ہو حالانکہ تم کتاب (القی)  
کو بھی پڑھتے رہتے ہو۔ کیا تم سمجھتے نہیں  
(کہ یہ کتنی بری بات ہے)۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :-

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لِمَ تَقُولُونَ  
مَا لَا تَفْعَلُونَ ○ كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ  
اللَّهِ أَنْ تَقُولُوا مَا لَا تَفْعَلُونَ ○  
(الصفت - ۳۵۲)

اے ایمان والو، ایسی بات کیوں کہتے ہو جس  
کو تم کرتے نہیں۔ اللہ کے نزدیک یہ بہت  
خفگی کی بات ہے کہ وہ بات کہو جو تم کرتے نہیں۔

آیات بالا سے ثابت ہوا کہ کسی شخص کے لئے جائز نہیں کہ دوسروں کو تو نیکی کا حکم دے  
اور خود اس پر عمل نہ کرے۔ یہ بات اللہ تعالیٰ کی خفگی کا موجب ہے کہ قول و فعل میں تضاد  
ہو، کہے کچھ اور کرے کچھ، جب یہ بات کسی مومن کے لئے جائز نہیں تو پھر نبی کے لئے جس کی شان  
بہت ہی ارفع و اعلیٰ ہوتی ہے کیسے جائز ہو سکتی ہے۔ کیا کوئی نبی ایسا کام کر سکتا ہے جس کے  
کرنے سے اللہ تعالیٰ ناراض ہو جائے۔ اگر کسی مدعی نبوت کے قول و فعل میں تضاد ہو تو اس  
کی نبوت کی عمارت خود دھڑام سے آگے گی۔ کسی نزدیک ضرورت نہیں۔ کون ایسے شخص  
کو نبی مان سکتا ہے جو دوسروں کو کسی کام سے منع کرے، اس کے کرنے پر دھمکائے اور پھر  
خود وہی کام کرے۔ ایمان والوں کا تو یہ عقیدہ ہونا چاہیے کہ نبی جو کہتا ہے وہی کرتا ہے۔

حضرت شعیب علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنی قوم سے فرماتے ہیں :-

وَمَا أُرِيدُ أَنْ أَخَالَفَكُمْ إِلَى  
مَا أَنهَضَكُمْ عَنْهُ  
(بقرہ - ۸۸)

میں تو یہ ارادہ بھی نہیں کرتا کہ کسی کام سے تم  
کو منع کروں پھر وہی کام کروں اور اس طرح  
میرے اور تمہارے عمل میں اختلاف پایا جا۔

قرآن مجید میں حضرت شعیب علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اس قول کا اصلی مقصد یہی ہے  
کہ یہ بات نبی کی شان کے منافی ہے کہ جو کہے وہ خود نہ کرے۔ اس کی تو یہ شان ہوتی ہے کہ  
جو کہے اس پر عمل کر کے دکھائے۔ سوچیے اگر کوئی غیر مسلم ہم سے کہے کہ آپ کے نبی کے قول و  
فعل میں تضاد دکھانے والا ہے اپنی لائی ہوئی کتاب کی رنخی میں نبی نہیں ہو سکتے تو ہم کیا جواب دیں  
گے۔ اس کا اگر کوئی حل ہے تو یہی کہ پہلے ہم اس عقیدہ کا انکار کریں کہ نبی کے قول اور فعل  
میں تضاد ہوتا ہے پھر ہم یہ کہیں کہ ہمارے نبی نے جو کہا کر کے دکھایا اگر وہ ایسی کوئی بات



پیش کرے جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فعل آپ کے کسی قول کے خلاف ہو تو ہم صاف کہہ دیں کہ یہ فعل قول سے پہلے واقع ہوا ہے لہذا منسوخ ہے۔ ہم قرآنی اصول کی روشنی میں یہ تسلیم ہی نہیں کرتے کہ یہ فعل بعد میں واقع ہوا ہے۔

الغرض مندرجہ بالا تحریر سے ثابت ہو گیا کہ یہ عقیدہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے حکم کے خلاف عمل کرتے تھے انتہائی گمراہ کن ہے۔ ایسا نہیں ہو سکتا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ادرامت کے حالات میں یکسانیت ہو اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے حکم کے خلاف کام کریں۔ ہاں اگر آپ کے ادرامت کے حالات میں یکسانیت نہ ہو تو ان مخصوص حالات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ فعل جو آپ کے حکم کے خلاف ہو آپ کی خصوصیت ہوگا۔

اس کو ایک مثال کے ذریعہ سمجھیے :-

مردار ہر شخص کے لئے حرام ہے لیکن اگر کوئی شخص مضطر ہو جائے تو از روئے قرآن مجید اس مضطر کے لئے بقدر ضرورت مردار کھانا جائز ہے۔ جس کے لئے حرام ہے وہ مضطر نہیں اور جس کے لئے حلال ہے وہ مضطر ہے۔ دونوں کی حالتوں میں فرق ہے اور یہی وہ فرق ہے جو ایک حرام چیز کو حلال کر دینے کا سبب بن جاتا ہے۔ حرام چیز کا کھانا خاص طور پر صرف مضطر کے لئے حلال ہے اور یہ اس کی خصوصیت ہے۔ دوسرا شخص جو اس خصوصیت یعنی اضطراری کیفیت کا حامل نہ ہو حرام چیز نہیں کھا سکتا۔ بالکل اسی طرح اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ادرامت کے حالات میں فرق ہو تو اس فرق کی بنیاد پر حکم شریعت میں بھی فرق ہوگا۔ اس صورت میں وہ فعل جو حکم کے خلاف ہوگا صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت ہوگی اور اس قسم کی مثالیں دو چار سے زیادہ نہیں۔ ان دو چار مثالوں کے علاوہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہی کیا جس کا حکم آپ نے امت کو دیا۔ اب ہم چند مثالیں ایسی بیان کرتے ہیں جو آپ کی خصوصیات میں شمار ہوتی ہیں۔ مثلاً (۱) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :-

لَا تَوَاصِلُوا (صحیح بخاری) وصال نہ کرو یعنی بغیر افطار کے مسلسل روزے نہ رکھو۔

صحابہ نے عرض کیا :-

إِنَّكَ تَوَاصَلْتَ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :-

آپ تو وصال کرتے ہیں۔



لَسْتُ كَأَحَدٍ مِنْكُمْ إِنِّي أُطْعَمُ فِي يَتِيمٍ مِثْلِي  
وَأُسْقَى فِي رِوَايَةٍ أُيَكُمُ مِثْلِي  
إِنِّي أَبِيتُ يُطْعِمُنِي رَبِّي وَيَسْقِينِي

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اور امت کی حالت میں فرق تھا لہذا حکم میں بھی فرق ہو گیا اور وہ فرق یہ تھا کہ امت کے لوگوں کو اللہ تعالیٰ رات کے وقت کھلاتا پلاتا نہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کھلاتا پلاتا تھا اور یہی وہ فرق تھا جس کی بناء پر آپ نے اپنے حکم کے خلاف عمل کیا۔

اس ممانعت اور خصوصیت کے باوجود بعض لوگوں نے غلط فہمی سے اس حکم امتناعی پر عمل نہیں کیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پر سخت خفگی کا اظہار فرمایا۔ حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں :-

فَلَمَّا أَبَوْا أَنْ يَنْتَهُوا عَنِ الْوِصَالِ  
وَاصَلَ بِهِمْ يَوْمًا ثُمَّ يَوْمًا ثُمَّ  
رَأَوْا الْإِهْلَالَ فَقَالَ تَوَاتَخَرْنَا زِدْتُمْ  
كَالْتَنكِيلِ لَهُمْ حِينَ أَبَوْا أَنْ يَنْتَهُوا  
رِصَاحِ بَخَّارِي كِتَابِ الصِّيَامِ بَابِ الْوِصَالِ جُزْءِ  
ثَلَاثٍ وَبَابِ التَّنْكِيلِ لِمَنْ أَكْثَرَ الْوِصَالِ جُزْءِ  
۳ ص ۲۹ وَصَحِيحُ مُسْلِمٍ كِتَابِ الصِّيَامِ بَابِ النَّهْيِ  
عَنِ الْوِصَالِ فِي الصَّوْمِ جُزْءِ أَوَّلِ ص ۲۲

جب لوگ وصال سے باز نہیں رہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن وصال کیا، پھر ایک دن اور وصال کیا پھر چاند نظر آگیا تو آپ نے فرمایا: اگر چاند دکھائی نہ دیتا تو میں اور وصال کرتا گویا ان کے نہ ماننے پر آپ انہیں سزا دیتے۔

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ ایسے فعل کے معاملہ میں جو قول کے خلاف ہو امت کو قول پر عمل کرنا چاہیے۔ اگر ایسی صورت میں کوئی شخص فعل پر عمل کرتا ہے تو وہ گویا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خفگی مول لیتا ہے اور اب آپ کے انشقاق کے بعد گویا وہ اللہ تعالیٰ کی ناراضگی مول لیتا ہے۔

یہ بھی حسن اتفاق ہے کہ اس وقت لوگوں نے فعل کی اتباع میں روزے رکھے تو حکم کی اہمیت ظاہر ہو گئی اور ظاہری تضاد کی حقیقت معلوم ہو گئی۔ اگر عمدہ رسالت میں یہ واقعہ پیش نہ آتا تو آج کل کے لوگ یہی سمجھتے کہ دونوں صورتیں جائز ہیں یعنی حکم امتناعی پر عمل کرے تو اچھا ہے اور اس کے مخالف فعل پر عمل کرے تو بھی کوئی حرج نہیں جیسا کہ بہت سے

معاملات میں ہو رہے اور اس مثال کے باوجود ان لوگوں نے اپنے عمل اور عقیدہ کی ابھی تک اصلاح نہیں کی ہے۔

(۲) امت کے لوگوں کو حکم ہے کہ سو جائیں تو وضو کریں لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سو جاتے تھے اور وضو نہیں کرتے تھے۔ اس کی وجہ وہ فرق ہے جو دونوں کی حالتوں میں پایا جاتا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں :-

إِنَّ عَيْنِي تَنَامَانِ وَلَا يَنَامُ قَلْبِي مِثْرِي أَنْكَمِيسُ سَوْتِي هِيَ، دَلَّ نَحْسُ سَوْتَا۔  
(صحيح بخاری باب قیام النبی صلی اللہ علیہ وسلم باللیل فی رمضان وغیرہ جزر ۲ ص ۶)

دل کا نہ سونا یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت تھی لہذا سونے کے بعد وضو نہ کرنا آپ کی خصوصیت ہوئی۔ کسی دوسرے کے لئے آپ کے فعل کی اقتداء میں سونے کے بعد نماز کے لئے دوبارہ وضو نہ کرنا جائز نہیں۔

صحابہ کو حج تمتع کا حکم دینا اور خود حج قرآن کرنا، امت کو چار سے زیادہ بیویاں رکھنے کی ممانعت کرنا اور خود چار سے زیادہ بیویاں رکھنا بھی حالات کے اختلاف کی بنیاد پر تھا۔ اس تمام بحث کا خلاصہ یہ ہوا کہ :-

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے قول کے خلاف عمل نہیں کرتے تھے۔ اگر آپ کا کوئی فعل آپ کے قول کے خلاف کسی حدیث میں مروی ہو تو وہ قول سے پہلے واقع ہوا ہوگا لہذا منسوخ ہوگا، یا

وہ فعل مخصوص حالات کی بناء پر آپ کے لئے مخصوص ہوگا۔ امت کو بہر حال قول پر عمل کرنا ہوگا نہ کہ اس کے مخالف فعل پر۔

(۶) فرقہ دارانہ مذاہب کی وجہ سے اصل اسلام تو ویسے ہی رخصت ہو گیا تھا سونے پر سہاگہ یہ کہ لوگوں میں مندرجہ ذیل خرابیاں پیدا ہو گئی تھیں :-

۱۔ عموماً لوگ احساس کمتری کا شکار تھے۔ تقیہ جیسی کوئی چیز دلوں میں راسخ ہو گئی تھی۔ اپنے قول و فعل سے اپنا اور حق کا تعارف کرنے میں جھجک محسوس کرتے تھے۔ نقالی شبوہ بن چکی تھی۔ اسلامی چیز کو گھٹیا اور غیر اسلامی چیز کو بڑھیا سمجھنے لگے تھے۔ علم دین معدوم تھا۔ فرقہ دارانہ علماء اپنے فرقہ دارانہ مذہب کی دکالت میں اپنی زندگیاں صرف کر رہے تھے۔ حق و باطل میں تمیز اٹھتی چلی جا رہی تھی گویا حق و باطل میں سمجھوتہ ہو گیا تھا۔ عملی قوتیں مفقود تھیں۔ لوگ بحث و مناظرے کے خوگر ہو گئے تھے۔ بانیان محفل اپنی اصلاح کے بجائے دوسروں

مسائل اشاعت

کی اصلاح کے لئے اہتمام کرتے تھے تبلیغی خطبوں اور تقریروں کی فیس مقرر ہو گئی تھی۔ تبلیغی جلسوں کی صدارت کے لئے بے دین لوگوں کا انتخاب کیا جاتا تھا۔ بد مذہبی اور بد ہمتی عروج پر تھی۔ نماز میں بجائے دلکشی کے نفرت دلانے والی حرکات کا زور و شور تھا۔ خوش اخلاقی عنقا ہو گئی تھی۔ حکمت اور موعظہ حسنہ کا فقدان تھا۔ اپنی غلطی تسلیم کرنا کسی کو گوارا نہیں تھا۔ جمود طاری تھا۔ فحاشی ختم ہو چکی تھی۔ غیروں کی قیادت و سیادت کو قابل فخر سمجھا جا رہا تھا۔ وطن پرستی، صوبہ داریت وغیرہ کے جراثیم دلوں میں داخل ہو چکے تھے۔ دین کے بجائے وطن پر فخر کیا جاتا تھا۔ فتنہ انکارِ حدیث اور فتنہ انکارِ ختم نبوت کے جراثیم آئندہ نسلوں کے قلوب میں جڑ پکڑ رہے تھے۔ اولاد کی طرف سے تعافل برتا جا رہا تھا۔ زکوٰۃ اور صدقات کا نظام انفرادی اور افادیت سے یکسر خالی تھا۔ روپیہ کو انفرادی طور پر خرچ کر کے اپنی ہلاکت کو خود دعوت دے رہے تھے۔ فرائض کو چھوڑ کر نفلی حج اور نفلی قربانیوں پر کثیر رقمیں صرف ہو رہی تھیں۔ خدمتِ خلق نمائشی اور سیاسی بن کر رہ گئی تھی۔ خدمتِ خلق کو تبلیغ کا ذریعہ نہیں سمجھا جاتا تھا۔ اسلام کے دشمنوں اور نادان دوستوں کے خود ساختہ تاریخی واقعات کو صحیح سمجھ کر صحابہ کرام اور سلف صالحین کو برا بھلا کہا جا رہا تھا۔ من گھڑت افسانوں کو تاریخی حقائق کا نام دے دیا گیا تھا۔ قرآن مجید اور احادیث صحیحہ کو نظر انداز کر کے تاریخ کے جعلی واقعات کی بنیاد پر رفض کے جراثیم پرورش پا رہے تھے۔

الغرض ان حالات میں جماعت المسلمین نے اصل اسلام کو برپا کرنے کا بیڑا اٹھایا اور ان تمام برائیوں کے سد باب کے لئے جدوجہد کا آغاز کیا۔

# جماعت المسلمین

مسجد المسلمین۔ کوثر نیازی کالونی، نار تھ ناظم آباد بلاک ۱ کراچی





کے متعلق بدظنی کا شکار ہو گئے اور پھر ان تمام زہر افشانیوں، افتراء پردازیوں کو تاریخ میں اس طرح سمودیا کہ جھوٹ سچ میں تمیز کرنا مشکل ہو گیا۔

۲۔ موجودہ زمانہ میں اسلام سے بیزار کرنے کے لئے یہ چال چلی گئی کہ جدید تعلیم یافتہ طبقہ میں ان فرضی واقعات کو تاریخی حقائق (HISTORICAL FACTS) کے نام سے متعارف کرایا گیا۔ اور یہ سازش اتنی کارگر ہوئی کہ اکثر لوگوں کے ذہن مسموم ہو گئے اور وہ بس یہی سمجھنے لگے کہ تاریخ کا تمام مواد بالکل حقیقت ہے اور اس میں سے کسی ایک واقعہ کے بھی انکار کی گنجائش نہیں۔ الغرض تاریخ پرستی عام ہو گئی۔ اس سازش کی زد میں بڑے بڑے آگے اور اپنے اکابر کے خلاف مختلف قسم کی زہر افشانی کرنے لگے۔

۳۔ اس سازش یا تاریخ پرستی نے جو قتنے پیدا کئے وہ یہ ہیں :-

① انکارِ حدیث کیلئے فضاء سازگار ہو گئی۔ اگر کوئی حدیث کسی تاریخی واقعہ سے ٹکرائی تو بجائے تاریخی واقعہ کو جھٹلانے کے حدیث کو یہ کہہ کر جھٹلایا گیا کہ یہ تاریخی حقائق کے خلاف ہے۔ حالانکہ کہاں تاریخ اور کہاں حدیث۔ چہ نسبت خاک را با عالم پاک۔ حدیث کی جانچ کے لئے بیسیوں فن استعمال کئے گئے، راویانِ حدیث کی جانچ پڑتال کی گئی۔ اُن کی ثقاہت، کردار، حفظ و اتقان کو پُرکھا گیا۔ سند کو دیکھا گیا کہ متصل ہے یا منقطع، غرض یہ کہ انتہائی حزم و احتیاط کے ساتھ حدیث کو مدون کیا گیا۔ صحیح اور غلط میں خط امتیاز کھینچا گیا۔ اس کے برخلاف تاریخ اسلام کے ابتدائی مؤلفین میں سے اکثر غیر مستند جھوٹے بلکہ دشمن اسلام تھے۔ بعد میں آنے والے متعدد مؤرخین کے لئے ان ابتدائی مؤلفین کی کتابیں مآخذ بن گئیں۔ دوسرے دور کی ان کتبِ تاریخ میں بغیر تحقیق و تنقید ہر قسم کے زطب و یابس کو بھر دیا گیا۔ واقعات کی سندیں بیان نہیں کی گئیں اگر بیان بھی کی گئیں تو اُن کی صحت یا ضعف کو بیان نہیں کیا گیا۔ یوں کہنا چاہئے کہ ان مؤرخین نے جو واقعات محققین کے لئے جمع کئے تھے وہ بغیر تحقیق کے مستند سمجھے جانے لگے۔ ہونا تو یہ چاہئے تھا کہ حدیث اور تاریخ کے تضاد کی صورت میں تاریخ کی تخریب کرتے لیکن ہوا اس کے برعکس نتیجہ یہ نکلا کہ حدیث پر سے اعتماد اٹھ گیا اور اس طرح اسلام کو نسخ کرنے کیلئے راہ ہموار ہو گئی۔

② جب حدیث پر سے اعتماد اٹھ گیا تو پھر قرآن مجید کی من مانی تاویلیں ہونے لگیں، قرآن مجید باز پچھلے اطفال بن گیا اور ایک جدید اسلام کی داغ بیل ڈال دی گئی۔

③ خلافتِ راشدہ کو دشمنانِ اسلام کی نام نہاد ملوکیت میں تبدیل کرنے کا ذمہ دار صحابہ کرامؓ اور دوسرے اکابر کو ٹھہرایا گیا۔ اسی کے ساتھ ساتھ ملوکیت کو غیر شرعی نظام حکومت ظاہر کر کے انتہائی کراہت آمیز شکل میں پیش کیا گیا، جس کے نتیجہ میں صحابہ کرامؓ اور دوسرے اکابر کو محض دنیا دار، متکار اور خوشامدی کی حیثیت سے پیش کیا گیا۔ کوئی صحابی کسی صحابی کے خلاف زہر افشانی کر رہا ہے، کوئی کسی کے خلاف نبرد آزما ہے۔ آپس

میں تلواریں چل رہی ہیں، دنیا کی دُور میں کوئی پیچھے رہنا نہیں چاہتا، مال و دولت اور اقتدار کی ہوس نے سب کو اندھا کر دیا ہے۔ غرض یہ کہ جس معاشرہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تیار کیا تھا وہ اسلام سے کوسوں دور تھا، وہ افراد جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فیض یافتہ تھے وہی صحیح معنوں میں مسلم نہیں تھے تو بعد والوں کا کیا کہنا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (نعوذ باللہ من ذلک) اپنے مقصد میں ناکام رہے اور اپنے بعد منافق اور دنیا کے پیچھے بھاگنے والے چھوڑ گئے۔ اس فتنہ نے نبوت کی عمارت کو متزلزل کر دیا اور اسلام کے متعلق بدگمانی پیدا ہونے لگی۔

۴۔ یہ ہیں وہ فتنے جو ہماری غلط تاریخ کی وجہ سے وجود میں آئے اور جنہوں نے ہزار ہا آدمیوں کے ایمان کو متزلزل کیا۔ موجودہ تاریخ کو بڑھ کر ہماری گردنیں خرم سے جھک جاتی ہیں کیونکہ اس خونی تاریخ کو ہم اپنی تاریخ سمجھتے ہیں۔ ہمیں اتنی جرات نہیں ہوتی کہ اس تاریخ کی صحت سے انکار کر دیں، ذہن مسموم ہو چکے ہیں، دماغ مرعوب ہو چکے ہیں، علم سے تہی دامن ہیں، تقلید کے جراثیم اس قدر سرایت کر گئے ہیں کہ تحقیق کی طرف طبیعت مائل نہیں ہوتی۔ مالا اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:-

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِن جَاءَكُمْ فَاسِقٌ  
بِنَبَأٍ فَتَبَيَّنُوا أَن تُصِيبُوا قَوْمًا بِجَهَالَةٍ  
فَتُصِيبُوا عَلَى مَا فَعَلْتُمْ بِنُذُرٍ مِّثْلَ  
اے ایمان والو، اگر تمہارے پاس کوئی فاسق خبر لائے  
تو اس کی تحقیق کر لیا کرو، ایسا نہ ہو کہ جہالت کے باعث  
تم کسی قوم پر جا پڑو اور پھر تمہیں نادم ہونا پڑے۔

اس عظیم الشان فرمان کے باوجود ہم نے کبھی یہ دیکھنے کی کوشش نہیں کی کہ کسی واقعہ کا بیان کرنے والا صحیح الایمان ہے یا فاسق۔ بغیر تحقیق کے ہم نے ہر واقعہ کو قبول کیا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ جہالت کے باعث ہم اپنے اکابر پر برس پڑے اسلامی اصولوں کی پامالی کا ذمہ دارا نہیں ٹھہرایا اور کبھی ہمیں یہ خیال بھی نہ آیا کہ کہیں کل میدان محشر میں ہمیں شرمسار نہ ہونا پڑے۔

۵۔ دوسرے دور کی کتب تاریخ کی بنیاد پر دوسری کتب تاریخ وجود میں آئیں۔ مختلف زبانوں میں تاریخ اسلام لکھی گئی۔ علماء نے اپنی تقریروں اور تحریروں میں ان ہی کتب تاریخ کے افسانوں کو مستند سمجھ کر پیش کیا۔ معدودے چند محققین کے علاوہ کسی نے یہ دیکھنے کی کوشش نہیں کی کہ یہ تاریخی واقعات قرآن مجید اور احادیث صحیحہ کے مطابق ہیں یا نہیں۔ حالانکہ اگر وہ ذرا سا بھی غور و تدبر کرتے تو انہیں معلوم ہو جاتا کہ جن واقعات کو وہ مستند سمجھ رہے ہیں ان کے بطلان پر قرآنی آیات اور احادیث صحیحہ شاہد ہیں۔ مثلاً جن صحابہ کرامؓ کے تقوے، اللہ کی رضا جوئی اور ان کی آپس کی محبت کی شہادت قرآن مجید دے رہا ہے ان کے متعلق تاریخ میں ایسے افسانے ملتے ہیں جن سے ان کے تقوے پر ضرب کاری پڑتی ہے۔ خلوص اور للہیت کی دمجتیاں اڑتی دکھائی دیتی ہیں۔ محبت کے بجائے نفرت و عداوت کی تیز و تند آندھیاں چلتی نظر آتی ہیں مگر وہ ہیں کہ سب کو تسلیم کرتے چلے جاتے ہیں اور بائیس ان کا ایمان بالقرآن متاثر نہیں ہوتا۔ ایں چہ بوالعجبیت۔

۶۔ قرآن مجید کے بعد صحیح بخاری اور صحیح مسلم کا جو درجہ ہے وہ کسی پر مخفی نہیں جس تحقیق و تفتیش اور سخت



شرائط کے ساتھ ان کتابوں کو مدون کیا گیا وہ اپنی نظیر آپ ہیں۔ لیکن افسوس ہے کہ تاریخ کے سلسلہ میں اکثر لوگوں نے ان کتابوں سے بے اعتنائی کا ثبوت دیا۔ تاریخ کے اُن واقعات کو بھی تسلیم کر لیا جو صحیح بخاری اور صحیح مسلم سے متصادم تھے۔ ذیل میں ہم چند مثالوں سے اس کی وضاحت کرتے ہیں:-

① صحیح بخاری میں ہے کہ واقعہ رجم میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عامر بن ثابت کو امیر بنایا، تاریخ میں ہے کہ حضرت مرثد کو امیر بنایا (بقرہ بنی، یثرب، ہشام، تاریخ ابن خلدون)

② صحیح بخاری میں ہے کہ حضرت نجیب کو عقبہ نے قتل کیا، تاریخ میں ہے کہ عقبہ کے بھائی نے قتل کیا (فتح الباری بحوالہ سیر ابن اسحاق)

③ صحیح بخاری میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر دی کہ جنگ موتہ میں حضرت خالدؓ کے ہاتھ پر مسلمین کو فتح نصیب ہوئی، تاریخ میں ہے کہ حضرت خالدؓ بڑی خوبصورتی سے اپنی فوج کو بچا کر لے آئے یعنی دوسرے لفظوں میں شکست کھا کر بھاگ آئے

خالد دشمنی کی یہ ادنیٰ مثال ہے جو ہماری تاریخ میں مذکور ہے۔ (تاریخ ابن خلدون)

④ صحیح بخاری میں ہے کہ جنگ خندق، جنگ اُمد کے ایک سال بعد ہوئی اور جنگ اُمد بالاتفاق سترہ میں ہوئی، لہذا صحیح بخاری سے یہ بات ثابت ہوگئی کہ جنگ خندق سترہ

میں ہوئی لیکن تاریخ میں ہے کہ جنگ خندق شوال سترہ میں ہوئی (بقرہ بنی، یثرب، ہشام)

⑤ صحیح بخاری میں ہے کہ حضرت سعد بن معاذؓ جنگ خندق میں شہید ہوئے صحیح بخاری میں یہ بھی ہے کہ حضرت سعد بن معاذؓ اُس وقت موجود تھے جب حضرت عائشہ صدیقہؓ بدھمت لگائی گئی۔ اس سے یہ بات بالبداهت ثابت ہوگئی کہ واقعہ تہمت جنگ خندق سے پہلے واقع

ہوا اور جنگ خندق جیسا کہ اوپر لکھا گیا سترہ میں ہوئی۔ لہذا واقعہ تہمت زیادہ سے

زیادہ سترہ میں ہونا چاہئے، اس کے بعد نہیں ہو سکتا لیکن تاریخ میں ہے کہ واقعہ تہمت

سترہ میں ہوا۔ (سیرۃ ابن اسحاق، سیرۃ ابن ہشام) اگر ہم یہ فرض کر لیں کہ واقعہ تہمت سترہ میں ہوا تو

حضرت سعد بن معاذؓ اُس وقت زندہ ہو کر کیسے آگئے جب کہ وہ جنگ خندق میں جو بقول

مؤرخین سترہ میں ہوئی تھی شہید ہو گئے تھے۔

⑥ صحیح بخاری میں ہے کہ حجاب کا حکم واقعہ تہمت سے پہلے نازل ہوا اور واقعہ تہمت

جنگ خندق سے پہلے ہوا لہذا از روئے صحیح بخاری حجاب کا حکم جنگ خندق سے پہلے

نازل ہوا۔ کیونکہ جنگ خندق ماہ شوال سترہ میں ہوئی لہذا حجاب کا حکم ہر صورت

شوال سترہ سے پہلے نازل ہونا چاہئے لیکن تاریخ واقعی میں ہے کہ حجاب کا حکم سترہ

میں نازل ہوا اور دوسری تاریخوں میں ہے کہ ذوقعدہ سترہ میں نازل ہوا یعنی ہر

مالت میں جنگ خندق کے بعد اور یہ چیز صحیح بخاری کے خلاف ہے (فتح الباری تفسیر سورہ نور)

⑦ صحیح بخاری میں ہے کہ ایک بن حضرت علیؓ حضرت فاطمہؓ سے ناراض ہو کر مسجد میں جا کر سو گئے اُن کے ہم پر خاک

لگ گئی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انکو کیکر بکایا۔ لے اتر آیا۔ طو: تاریخ میں ہے کہ جب حضرت علیؓ حضرت طلحہؓ ناراض ہوتے تو نجد میں ٹٹلی لکھ اپنے سر پڑال لیتے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے فرتے لے اتر آیا کیا ہوا؟ (سیر ابن ہشام و مصنف)

⑧ صحیح بخاری میں ہے کہ حضرت عباسؓ جنگ بدر میں کافروں کے ساتھ شریک تھے اور جنگ کے بعد قید ہو گئے تھے۔ پھر فدیہ لے کر ان کو رہا کیا گیا تھا۔ لیکن تاریخ میں ہے کہ حضرت عباسؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت سے پہلے ایمان لے آئے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت کے بموجب مکہ میں رہ گئے تھے۔ (رحمۃ اللعالمین جلد دوم)

⑨ صحیح مسلم میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت اُمّ حبیبہؓ کا نکاح فتح مکہ کے بعد ہوا لیکن تاریخ میں ہے کہ فتح مکہ سے پہلے ہوا۔ (سیرۃ ابن اسحق وغیرہ)

⑩ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلام کی دعوت کے سلسلہ میں ایک نامہ مبارک و نباشی شاہ غنیش کو بھیجا تھا، صحیح مسلم میں ہے کہ اس بادشاہ کا نام احمد نہیں تھا جس کی نماز جنازہ غائبانہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑھی تھی۔ اس کے برخلاف تاریخ میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے احمد ہی کو دعوت نامہ بھیجا تھا۔ (طبری)

⑪ صحیح بخاری میں ہے کہ حضرت ابو عاصمؓ جنگ ادطاس میں شہید ہوئے۔ صحیح بخاری ہی میں یہ بھی ہے کہ حضرت ابو عاصمؓ کے قاتل کو حضرت ابو موسیٰؓ نے اسی وقت قتل کر دیا تھا۔ تاریخ میں ہے کہ وہ قاتل بعد میں مسلم ہو گیا تھا۔ (فتح باری بحوالہ سیرۃ ابن اسحق)

⑫ صحیح مسلم میں ہے کہ آیہ کریمہ ”لَا تَرْفَعُوا أَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ“ اُس وقت نازل ہوئی جب قبیلہ بنو نمیم کا وفد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا۔ آیت کے نزول کے بعد بھی حضرت سعد بن معاذؓ زندہ تھے۔ کیونکہ حضرت سعد بن معاذؓ کی شہادت جنگ خندق میں ہوئی لہذا آیت کا نزول اور وفد بنو نمیم کی آمد سہ ماہ میں ہونی چاہئے لیکن تاریخ میں ہے کہ یہ وفد سہ ماہ میں خدمت اقدس میں حاضر ہوا تھا۔ (سیر ابن ہشام ابودھر سورینہ نسیم علی حسنی جلد دوم ۳۵۵ فتح الباری بحوالہ دائی و تفسیر ابن کثیر)

⑬ ادواج مطہرات کو ایک خاص موقع پر اختیار دیا گیا تھا کہ وہ اللہ اور رسول کو اختیار کر لیں یا دنیا کو اختیار کر لیں۔ اسے واقعہ تخییر کہتے ہیں۔ صحیح مسلم میں ہے کہ یہ واقعہ حجاب حکم نازل ہونے سے پہلے ہوا، اور یہاں کہ اُد پر ثابت کیا گیا ہے کہ حجاب کا حکم سہ ماہ میں نازل ہوا لہذا واقعہ تخییر سہ ماہ میں ہونا چاہئے لیکن تاریخ کہتی ہے کہ واقعہ تخییر سہ ماہ میں واقع ہوا۔ (فتح الباری کن البکاح بحوالہ دیلمی) اور اسی تاریخ کے بیان کو اکثر علماء و ائمہ نے تسلیم کر لیا حالانکہ واقعہ تخییر کے متعلق جو آیات نازل ہوئیں اُن کا سہ ماہ میں نازل ہونا عقلاً بھی محال ہے، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:-

وَقَرْنَ فِي بُيُوتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ ۝ لے نبی کی بیوی اپنے گھروں میں بیٹھی رہو اور



تَذَرِجَ الْجَاهِلِيَّةَ الْأُولَى {۱۳۱} ایام جاہلیت کی طرح اپنی نمائش نہ کرو۔  
 اگر یہ واقعہ حجاب کے نازل ہونے کے بعد مان لیا جائے تو اس کے یہ معنی ہوں گے  
 کہ حکم حجاب نازل ہونے کے بعد پانچ سال تک ازواج مطہرات پردہ میں نہیں بیٹھیں۔  
 اپنی نمائش کرتی تھیں اور اب ۹۰۰ میں انہیں حکم دیا جا رہا ہے کہ پردہ میں بیٹھو، اپنا  
 بناؤ سنگھار ظاہر نہ کرو، یہ قطعاً باطل ہے۔ ہاں اگر اس آیت کے نزول کو حکم حجاب سے  
 پہلے مان لیں تو پھر کوئی اشکال نہیں رہتا اس لئے کہ حجاب کے حکم سے پہلے تمام عورتیں  
 اور ازواج مطہرات بھی بے پردہ آتی جاتی تھیں۔ پہلے اس آیت کے ذریعہ انہیں غیبت  
 ضروری آمد و رفت اور اپنی نمائش سے روکا گیا اور بعد میں پردہ کرنے کا حکم دیدیا گیا  
 یہ تدریج بالکل فطرت اسلام کے مطابق ہے دوسرے احکام بھی اسی طرح بتدریج ہی  
 نازل ہوئے۔

دوسری بات جو عقلاً اس قبضہ کو ۹۰۰ میں واقع ہونے سے مانع ہے وہ یہ کہ ۹۰۰  
 تک ازواج مطہرات کی حالت نہ بدلی۔ دنیا کی طبع اُن میں بدستور موجود تھی کئی کئی سال تک  
 رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں رہنے کے بعد بھی اُن کی اصلاح نہیں ہوئی، اگر  
 ہم واقعہ تخییر کو ۳۰۰ یا ۴۰۰ کا واقعہ مان لیں تو پھر یہ بالکل قرین قیاس ہے کہ  
 ازواج مطہرات کو ۳۰۰ یا ۴۰۰ تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت سے مستفیض  
 ہونے کا بہت کم موقع ملا تھا، لہذا ابتدائی دور میں یہ ممکن ہے کہ دنیا کی خواہش اُن میں  
 موجود ہو اور اُسی وقت اُن کو اس سے روک دیا گیا ہو۔

تیسری بات یہ ہے کہ آیہ تطہیر بھی اسی موقع پر نازل ہوئی، اللہ تعالیٰ نے ارادہ  
 کر لیا تھا کہ ازواج مطہرات کو پاک کر کے چھوٹے گا لیکن اللہ کے ارادہ کی تکمیل میں  
 اتنی دیر لگ گئی کہ ۹۰۰ کا زمانہ آگیا اور طبع بدستور موجود تھی، یہ خلاف عقل ہے۔

(۱۴) صحیح بخاری کتاب النکاح میں ہے کہ عبد اللہ بن عباس واقعہ تخییر کے وقت یعنی مکہ ہجری میں مدینہ  
 منورہ میں موجود تھے لیکن تاریخ میں ہے کہ فتح مکہ ۶۱۰ء کے بعد مدینہ منورہ آئے۔

(۱۵) صحیح بخاری میں ہے کہ حضرت ابو موسیٰ اشعرنی جنگ خیبر کے بعد حبشہ سے مدینہ منورہ  
 پہنچے اور پھر غزوہ ذات الرقاع میں شریک ہوئے۔ یہ چیز بالبداهت ثابت کرتی ہے کہ  
 غزوہ ذات الرقاع، جنگ خیبر کے بعد ہوا لیکن تمام تاریخیں اس پر متفق ہیں کہ غزوہ  
 ذات الرقاع جنگ خیبر سے پہلے ہوا۔ (سیرۃ ابن اسحق، سیرۃ ابن ہشام اردو حصہ دوم ص ۲۲۲)

(۱۶) صحیح بخاری میں ہے کہ حضرت ابو موسیٰ اشعرنی کہتے ہیں کہ غزوہ ذات الرقاع میں  
 ہمارے پیر زخمی ہو گئے تھے لہذا ہم نے اپنے پیروں پر دھجیاں باندھ لیں، اگلے اس غزوہ  
 کا نام ذات الرقاع (یعنی دھجیوں والی جنگ) ہو گیا۔ لیکن تاریخوں میں اس کی مختلف



وجہ بیان کی گئی ہیں جن کی تعداد پانچ تک پہنچ گئی ہے۔ (سیرۃ ابن ہشام و تاریخ و اقدی) اور کسی تاریخ میں وہ وجہ بیان نہیں کی گئی جو صحیح بخاری میں ہے۔ صحیح بخاری کی روایت کتنی مستند ہے اور کتنے یقین سے بیان کی گئی ہے۔ برخلاف اس کے تاریخ کی روایتیں نہ مستند ہیں نہ یقین کے ساتھ بیان کی گئیں بلکہ محمول کے صیغہ میں بیان کی گئی ہیں لیکن افسوس ہے کہ پھر بھی بعض علماء نے صحیح بخاری کی حدیث کے خلاف تاریخ کی روایت کو تسلیم کیا۔

①۴ صحیح بخاری میں ہے کہ یہ آیت ”إِنَّ الدِّينَ يَشْتَرُونَ بِعَهْدِ اللَّهِ وَأَيْمَانِهِمْ ثَمَنًا قَلِيلًا“ حضرت اشعث بن قیسؓ اور ان کے چچا زاد بھائی کے مقدمہ کے سلسلہ میں نازل ہوئی، تاریخ میں ہے کہ یہ آیت یہودیوں کے متعلق نازل ہوئی جبکہ انہوں نے قسمیں کھا کر کہا کہ ”توزیت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی ذکر نہیں“ (طبری)

①۵ صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کہتے ہیں کہ مجھ سے یہ حدیث کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز فجر کے بعد جب تک سورج طلوع نہ ہو جائے اور نماز عصر کے بعد جب تک سورج غروب نہ ہو جائے نماز پڑھنے سے منع فرمایا، کئی صحابہؓ نے بیان کی۔ ان صحابہؓ میں عمرؓ بھی شامل ہیں اور وہ مجھے اُن تمام صحابہؓ میں سب سے زیادہ محبوب ہیں۔

اس کے برخلاف تاریخ میں حضرت عمرؓ اور حضرت ابن عباسؓ کا ایک مکالمہ درج ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت ابن عباسؓ کو حضرت عمرؓ سے نفی شدید تھا۔ (طبری)

①۹ صحیح بخاری میں ہے کہ امام مسروقؒ کہتے ہیں ”حضرت اُمّ رومانؓ نے مجھ سے حدیث بیان کی، یہ اس بات کا کتنا زبردست ثبوت ہے کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کی خلافت میں جب امام مسروقؒ مدینہ منورہ آئے تو حضرت اُمّ رومانؓ زندہ تھیں اور مدینہ منورہ پہنچنے کے بعد انہوں نے حضرت اُمّ رومانؓ سے حدیث سنی، لیکن تاریخ کہتی ہے کہ حضرت اُمّ رومانؓ کا انتقال عبدالرسالت میں ۳۷ یا ۳۸ یا ۳۹ میں ہو گیا تھا (واقعی) لہذا حضرت مسروقؒ کی ان سے سماعت صحیح نہیں۔

حضرت اُمّ رومانؓ حضرت ابوبکرؓ کی زوجہ اور حضرت عائشہ صدیقہؓ اور حضرت عبدالرحمن بن ابی بکرؓ کی والدہ ہیں۔ صحیح بخاری میں ہے کہ حضرت عبدالرحمن بن ابی بکرؓ کی موجودگی میں چند مہمان حضرت ابوبکرؓ کے ہاں آئے۔ اس دعوت میں حضرت اُمّ رومانؓ موجود تھیں۔ کیونکہ حضرت عبدالرحمنؓ ۳۷ یا ۳۸ یا ۳۹ میں ہجرت کر کے مدینہ منورہ آئے تھے لہذا اُمّ رومانؓ کی وفات ۳۷ یا ۳۸ یا ۳۹ میں ہونا قطعاً غلط ہے۔ امام بخاریؒ نے خود اپنی تاریخ میں اس بات کی تردید کی تھی کہ اُن کا انتقال ۳۷ یا ۳۸ یا ۳۹ میں ہوا۔ امام بخاریؒ نے لکھا تھا کہ حضرت اُمّ رومانؓ کی وفات حضرت عثمانؓ کی خلافت میں ہوئی۔ امام بخاریؒ یہ بھی فرماتے ہیں کہ مسروقؒ کی حدیث اسناد کے لحاظ سے قوی ہے اور اسس کا

اتصال بہت واضح ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بھی مسروق کا حضرت اُمّ رومان سے سننا تسلیم کیا ہے، لیکن بایں ہمہ لوگوں نے تالیخ پر اعتماد کیا حتیٰ کہ بعض علماء نے بھی تالیخ کا ہتکا کیا۔ امام خطیب بغدادی، امام مزنی، علامہ ذہبی، علائی، صاحب المشرق والمطالع سہلی، ابن سید الناس اور ان کے علاوہ بہت لوگوں نے تالیخ کی روایت پر اعتماد کیا، بالآخر ان سب کی مخالفت حضرت امام ابن قیمؒ نے کی اور حضرت اُمّ رومان سے مسروق کی سامت ثابت کی۔ کتنے افسوس کا مقام ہے کہ بعض علماء بھی صحیح بخاری پر تالیخ کو ترجیح دیتے رہے انہیں اس بات کی قطعاً پرواہ نہیں ہوئی کہ تالیخ کے بیان کو صحیح ماننے سے صحیح بخاری کی حدیث ضعیف و منقطع ہو جائے گی۔ سب کچھ گوارا کیا لیکن تالیخ کی تردید نہیں کی باوجود اس کے کہ روایات تالیخ کسی ایک تالیخ وفات پر متفق بھی نہیں، مزید برآں یہ تمام مختلف تاریخیں واقعہ نے نقل کی ہیں جو محدثین کے نزدیک کذاب ہے۔ تالیخ کی دوسری روایت جس کو زبیر بن بکار نے روایت کیا ہے کہ حضرت اُمّ رومانؓ نے ذوالحجہ ستہ میں وفات پائی منقطع اور ضعیف ہے۔ غرض یہ کہ تالیخ کی جملہ روایتیں موضوع ہیں لیکن افسوس کہ پھر بھی ہمارے اکثر علمائے کرام تالیخ کا اعتبار کرتے رہے اور صحیح بخاری کی حدیث کو ضعیف بتاتے رہے۔ **إِنَّا لِلّٰہِ وَإِلَیْہِ رَاجِعُونَ۔**

(نوٹ ۱۔ اس سلسلہ کی مزید معلومات کیلئے ضمیمہ مقدمہ ہذا ملاحظہ فرمائیں)

۷۔ مذکورہ بالا بیان سے ظاہر ہو گیا کہ تاریخی روایات متعدد مقامات پر صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی اتحاد سے ٹکراتی ہیں اور یہ چیز اس بات کا گھلا ثبوت ہے کہ تالیخ کی اکثر روایات ناقابل اعتبار ہیں۔ اسی وجہ سے امام احمد بن حنبلؒ نے فرمایا ہے کہ ”تین قسم کی کتابیں یکسر بے بنیاد ہیں۔ یعنی منغازی، تفسیر اور شورشوں کی کتابیں۔“ قاضی ابوالرید باجیؒ فرماتے ہیں: ”اہل سیر کی روایت پر محدثین اعتماد نہیں کرتے۔“ غرض یہ کہ تالیخ کی کتابیں سب غیر معتبر ہیں۔ مؤرخین نے سلسلہ اسناد کا اہتمام نہیں کیا اور اگر سند بیان بھی کی تو اس کی جانچ پڑتال نہیں کی۔

۸۔ **تالیخ کی ضرورت** | اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب موجودہ تاریخوں میں بے انتہا جھوٹ کی آمیزش ہے اور جو مطول یا مختصر تاریخیں بھی جاری ہیں ان کا ماخذ یہی کتب تالیخ ہیں تو کیا ایسی حالت میں ایک ایسی تاریخ کی ضرورت نہیں جو روایات اور درایثا صحیح ہو ہمیں تعجب ہوتا ہے کہ جو لوگ حدیث کے معاملہ میں مستند کی صحت سے زیادہ روایت پر زور دیتے ہیں وہ تالیخ کے معاملہ میں روایت کا قطعاً خیال نہیں کرتے۔ اسی طرح ہمیں ان پر بھی تعجب ہوتا ہے جو کہتے ہیں کہ وہ حدیث مانی جائے گی جو قرآن مجید کے خلاف نہ ہو لیکن تاریخی روایات کو انہیں کرتے وقت وہ اس اصول کو خیر باد کہہ دیتے ہیں۔ وہ کیسے یقین کر لیتے ہیں کہ جو لوگ مجسم تقویٰ ہوں، جن کے تقویٰ کی شہادت قرآن مجید دے رہا ہو وہ درحقیقت منکار اور دنیا دار تھے، جھوٹی قسمیں کھاتے تھے، ایک دوسرے کو کالی دیا کرتے تھے، قتل کرتے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ مسلم سے لڑنا کفر ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا تھا کہ ”میرے بعد کافر نہ ہو جائے گا ایک دوسرے کی گردنیں کاٹنے لگو“ (صحیح بخاری) تو کیا



باوجود تاریخ کے بیان کردہ جنگ جہاد، قتل و قاتل کے وہ ان احادیث کی روشنی میں مسلم ہے۔ کیا اسلامی قوانین ان پر نافذ نہ ہوں گے؟ وہ کس قانون کے تحت اس حکم سے مستثنیٰ ہیں؟ پھر مزید تعجب ان لوگوں پر ہے جو کہتے ہیں کہ تاریخ کے واقعات کی سند کی جانچ بچانے کی ضرورت ہی نہیں۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحبت یافتہ لوگوں کے کردار کو ملوث کیا جائے اور ہم یہ بھی نہ دیکھیں کہ کہنے والا کون ہے۔ بلکہ ہر جھوٹے، دشمن اسلام کی افتراء پر دازیوں کو صحیح سمجھ کر قرون اولیٰ کے مسلمان کو بدترین قسم کے مسلم تسلیم کر لیں۔

بعض لوگوں کو یہ بھی فکر ہے کہ اگر حدیث کی طرح تاریخی روایات کی جانچ بچانے کی گئی تو ہمیں تو بے فیصدی تاریخ اسلام سے ہاتھ دھونا پڑے گا۔ ہم کہتے ہیں کہ ہمیں ایسی تاریخ کی ضرورت ہی کب ہے جس کو بڑھ کر ہماری آنکھیں شرم سے چپی ہو جائیں جس کو بڑھ کر غیر مسلم ہمیں طعنہ دیں کہ ”یہ تھے آپ کے اسلاف اور آپ کے رسول کے اصحاب۔ اگر قرآن واقعی اللہ کی طرف سے نازل ہوتا تو وہ کبھی بھی ایسے متکاروں، دنیا داروں، دعوٰی باللہ من ذلک کی تعریف نہ کرتا۔ جنہیں اس تاریخ کے ضائع ہونے کا غم ہوا انہیں یہ تاریخ مبارک ہو، انہیں تو بے فیصدی تاریخ کے کالعدم ہونے کا درد ہے ہم کہتے ہیں کہ ایسی تاریخ سے تو ہم بے تاریخ ہی آتے، اگر بے فیصدی تاریخ بھی کالعدم ہو جائے تو ہمیں پرواہ نہیں۔ ہم بڑے فخر سے کہہ سکتے ہیں کہ یہ تاریخ ہماری ہے ہی نہیں۔ یہ تاریخ دشمنان اسلام کی سازش کا نتیجہ ہے۔ ہماری آنکھیں نیچی نہیں ہوں گی۔ ہم شرمسار نہیں ہوں گے۔ ہم ٹکے کی چوٹ اعلان کریں گے کہ ہمارے اسلاف تو وہ تھے جن کی تعریف قرآن نے کی ہے۔ جن کی تعریف حدیثوں میں آئی ہے۔ کتنے تعجب کی بات ہے کہ تو بے فیصدی تاریخ کے ضائع ہونے کے خوف سے ہم اس فرضی تاریخ کو سینہ سے لگائے رہیں۔

پھر لوگوں کا یہ کہنا بھی صحیح نہیں کہ تاریخ کا تو بے فیصدی حصہ ضائع ہو جائے گا۔ یہ بات مبالغہ سے خالی نہیں۔ ضعیف اور موضوع روایتیں نکالنے کے بعد بھی موجودہ تاریخ کا نصف سے زیادہ حصہ ایسا ہو گا جو اسلاف کی شان کے عین مطابق ہو گا۔

بعض لوگ یہ بھی کہتے ہیں کہ اگر حدیث کے طرز پر تاریخ کو لکھا جائے تو اوروں کی تاریخ تو کجا خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت بھی مکمل طور پر مرتب نہیں کی جاسکتی۔ ہماری یہ تاریخ جو اس وقت آپ کے ہاتھوں میں ہے اس کی تردید کے لئے ایک کھلی دلیل ہے۔ ہم نے اس میں وہ روایتیں نہیں لیں جو با رسول محدثین حسن ہیں، ہم نے وہ روایتیں بھی نہیں لیں جو صحت کے ادنیٰ درجہ پر ہیں۔ وہ روایتیں بھی نہیں لیں جو صحیح بخاری یا صحیح مسلم یا ان دونوں کی شرط پر صحیح کے درجہ پر فائز ہیں۔ ہم نے صرف وہ روایتیں لی ہیں جو صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں ہیں۔ حتیٰ کہ ان کتابوں کی تعلیقات بھی ہماری اس تاریخ میں شامل نہیں کی گئیں۔ اس کتاب کو صرف قرآن مجید اور صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی ہر سند احادیث سے تیار کیا گیا ہے۔ ان تینوں کتابوں کی صحت کا کیا کہنا۔ اتنی اعلیٰ درجہ کی صحیح ترین روایتوں سے ہم نے سیرۃ النبی اور سیرۃ الخلفاء تیار کی ہے اور ہماری اس صحیح ترین تاریخ کا وہ حصہ جو سیرۃ النبی پر مشتمل ہے وہ ان تمام کتب سیرت سے جو اب تک اردو زبان میں صرف سیرت پر لکھی گئی ہیں زیادہ ضخیم ہے۔ کیا اب بھی یہ کہا جاسکتا ہے کہ حدیث کے طرز پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت بھی مکمل طور پر نہیں لکھی جاسکتی۔ اور اگر ہم وہ کام روایتیں اس میں شامل کر دیں جن کا ذکر ہم نے اوپر کیا ہے اور جو ہم نے اپنی اس صحیح ترین تاریخ میں شامل نہیں کی ہیں تو پھر آپ

لے سیرت سے مراد سیرت کے مربوط وسیلہ واقعات ہیں۔



خود ہی امانہ لگا سکتے ہیں کہ جو سیرۃ النبی تیار ہوگی وہ کتنی ختم ہوگی۔ یہ انشاء اللہ آپ کو آئندہ معلوم ہوگا جب ہماری مطوّل تاریخ آپ کے سامنے آئے گی۔ اس وقت جو تاریخ آپ کے ہاتھوں میں ہے یہ اسلام کی ایک مختصر، جامع، شہسور اور صحیح ترین تاریخ ہے۔ یہ وقت کی ایک اہم ضرورت تھی۔ امت پر یہ ایک قرضہ تھا جو مدت سے جلا آرہا تھا۔ امت مسلمہ کو ایک ایسی تاریخ کی سخت ضرورت تھی کہ جس سے صحابہ کرامؓ اور دوسرے اکابر امت کے متعلق عوام الناس کے ذہن صاف ہوں۔ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اُس نے جماعت المسلمین کو اس اہم ضرورت کے پورا کرنے کی توفیق عطا فرمائی۔

جماعت المسلمین کے منصوبوں میں اس مختصر تاریخ کے علاوہ ایک مکمل اور مطوّل تاریخ کی ترتیب کا منصوبہ بھی شامل ہے جس میں آدم علیہ السلام سے لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور پھر خلفائے عثمانیہ تک کے صحیح حالات جمع کر دئے جائیں گے۔ اس مطوّل تاریخ میں صحیحین کے علاوہ تمام کتب احادیث کی صحیح احادیث اور تمام کتب تاریخ کی صحیح روایتیں جو محدثین کے اصول پر صحیح یا حسن ہوں شامل کر دی جائیں گی۔ کسی ضعیف روایت کو اس تاریخ میں شامل نہیں کیا جائے گا خصوصاً ایسی روایت کو جو قرآن و حدیث سے ٹکراتی ہو۔ البتہ ماضی پر اس قسم کی روایتوں کی نشاندہی کر دی جائے گی اور اُن پر عقلی و نقلی جرح بھی تحریر کر دی جائے گی تاکہ پڑھنے والوں کو دشمنان اسلام کی افتراء پڑا دیوں کا علم ہو جائے اور وہ ان روایتوں کو کالعدم سمجھیں۔ یہ منصوبہ بہت دشوار اور محنت طلب ہے لیکن اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب کچھ آسان ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ اس منصوبہ کو ہماری لئے آسان کرے اور مسلمانوں کو اپنے اسلاف کے صحیح اور قابل فخر کارناموں سے واقف ہونے کا موقع فراہم کرے۔

ایک بات ہم یہاں یہ بھی عرض کر دیں کہ تاریخ کے ان خود ساختہ افسانوں کی نشاندہی سب سے پہلے ہم نے نہیں کی ہے۔ ہمارے اکابر بھی ان افسانوں کی تردید کرتے آئے ہیں مثلاً قاضی ابوبکر ابن العربیؒ نے آج سے تقریباً نو سو سال پہلے اپنی کتاب العوام من القوام میں ان فرضی واقعات کے بخیرے اُدھیر کر رکھ دیئے۔ اسی طرح علامہ ابن تیمیہؒ نے اپنی معرکۃ الآراء کتاب "منہاج السنۃ" میں ان روایات پر سخت تنقید کی۔

۹۔ اس تاریخ کا مزید تعارف | یہ تاریخ جو آپ کے ہاتھوں میں ہے ایک مختصر تاریخ ہے اور جیسا کہ اوپر لکھا گیا ہے قرآن مجید اور صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی سند احادیث سے ماخوذ ہے۔ قرآن مجید اور صحیحین میں جو موتی مختلف مقامات پر بکھرے ہوئے تھے اُن کو ایک لڑی میں بند کر مربوط شکل میں پیش کر دیا گیا ہے۔ یہ کتاب مطوّل تاریخ اسلام کے لئے بنیادی حیثیت رکھتی ہے۔ اس بنیاد پر جو ذہن تیار ہوگا اس ذہن میں پھر کسی ایسی بات کے لئے گنجائش نہیں ہوگی جو ان شعور حقائق کے خلاف ہو۔ کاش مسلمان اس کو اپنے بچوں کے لئے حکومتی سطح پر یا خانگی سطح پر داخل نصاب کر لیں۔ کاش ہر وہ بچہ جو کسی مسلم کے ہاں پیدا ہوا ہے سن شہو تک پہنچنے سے پہلے اس کتاب کا مطالعہ کر لے۔ یہ کتاب صرف تاریخ ہی نہیں بلکہ اسلام کے متعلق مفید معلومات کا ایک بہت بڑا ذخیرہ ہے۔ اس میں توحید، رسالت، قیامت اور دیگر مسائل پر سیر حاصل مواد ہے۔

آیات اور واقعات کی ترتیب میں کافی کوشش کی گئی ہے۔ بعض مقامات پر قرآن مجید اور صحیحین ہی سے ترجمہ کو

افذ کیا گیا ہے۔ بعض مقامات پر حدیث کی دوسری کتابوں اور کتب تاریخ سے واقعات کی ترتیب میں مدد لی گئی ہے۔ ہم نے واقعات کی ترتیب میں جو کوشش کی ہے اُس کا اندازہ آپ کو مقدمہ ہذا کے پیرامیٹ کے مطالعہ سے ہو گیا ہوگا غرض یہ کہ بعض آیات اور واقعات کی ترتیب تو یقینی ہے لیکن ہمیں اعتراف ہے کہ تمام آیات اور واقعات کی ترتیب یقینی نہیں ظنی ہے۔ اتنا ضرور ہے کہ ۱۔

① آیات کے ذریعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مکی زندگی کے تیرہ سال میں توحید اور شرک میں جو کشمکش رہی آگے یا پیچھے اُس کا صحیح نقشہ آپ کے سامنے آجائے گا اور ایسا محسوس ہونے لگے گا گویا کہ آپ اس دور میں موجود ہیں اور یہ ساری واقعات آپ کے سامنے سے گزر رہے ہیں۔

② رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدنی زندگی کے دس سال کے صبح و شام اور منجانبہ کرام کے واقعات کی صحیح ترین تصویر آگے یا پیچھے آپ کے سامنے کھینچ جائے گی۔

آخر میں ہم پھر اپنے عجز کا اعتراف کرتے ہیں کہ ہم باوجود کوشش کے تمام آیات اور واقعات کی ترتیب کے متعلق یہ نہیں کہہ سکتے کہ موجودہ ترتیب قطعی القہوت ہے اور نہ یہ کہہ سکتے ہیں کہ اس کتاب کی تالیف میں ہم غلطی سے مبتلا ہیں۔ مجزا اور غلطی سے مبتلا صرف اللہ جل جلالہ کی ذات بابرکات ہے۔ والکمال للہ وحدہ

سُبْحَانَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُونَ ○ وَسَلَامٌ عَلَى الْمُرْسَلِينَ ○  
قَالَ الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ○

نقط

خادم

محمود احمد

۲۹، رجب ۱۳۹۳ھ

# بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

## ضمیمہ

## تایخ اور قرآن و حدیث کا تقابل

نمبر	تایخ	قرآن و حدیث	تبصرہ
①	واقعہ رجب (۱) چند منافقین نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی کہ کہ بتائیں کہ ہمارے وہاں کچھ دیکھئے جو ہمیں دین دکھائیں۔ (۲) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چہرہ صابا کو ان کے ساتھ کر دیا۔ (۳) ان صحابیوں میں حضرت عاصم بن حنیٹ، حضرت ابن دثنیہ اور حضرت مرثدہ شامل تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان صحابیوں پر حضرت مرثدہ کو امیر بنایا۔ ان منافقین نے قبیلہ ہذیل کو ان مبلغین کے خلاف اٹھایا۔ قبیلہ ہذیل نے ان مبلغوں کا محاصرہ کر کے چار کو شہید کر دیا اور دو کو عیسوی حضرت خبیث اور حضرت ابن دثنیہ کو کتہ میں لاکر بیچ دیا۔ اہل کتہ نے انہیں شہید کر دیا۔ کافر حضرت عاصم کی لاش کی بے حرمتی نہ کر سکے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں بھیج کر اس کی حفاظت کی۔ (صحیح بخاری کتاب النہای و کتاب الجہاد)	واقعہ رجب (۱) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چند صحابہ کو ایک دستہ کافروں کی جاسوسی کے لئے روانہ فرمایا۔ (۲) ان صحابیوں کی تعداد دس تھی۔ (۳) ان صحابیوں میں حضرت عاصم بن حنیٹ، حضرت ابن دثنیہ شامل تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پر حضرت عاصم کو امیر بنایا۔ قبیلہ ہذیل نے ان کا محاصرہ کر لیا۔ آخر کو شہید کر دیا اور دو کو عیسوی حضرت خبیث اور حضرت ابن دثنیہ کو کتہ میں لاکر بیچ دیا۔ اہل کتہ نے انہیں شہید کر دیا۔ کافر حضرت عاصم کی لاش کی بے حرمتی نہ کر سکے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں بھیج کر اس کی حفاظت کی۔ (صحیح بخاری کتاب النہای و کتاب الجہاد)	تایخ میں ہے کہ مبلغ بنا کر بھیجا، حدیث میں ہے کہ جاسوس بنا کر بھیجا۔ تایخ میں ہے کہ ان کی تعداد چھ تھی، حدیث میں ہے کہ دس تھی۔ تایخ میں ہے کہ ان کے امیر حضرت مرثدہ تھے، حدیث میں ہے کہ حضرت عاصم تھے۔
②	جنگ موتہ حضرت خالد بن ولیدؓ باقی ماندہ (اسلامی) لشکر کو بھاگروا پس لے آئے (تایخ ابن خلدون صفحہ اول ص ۴۹) جب یہ لوگ مدینہ منورہ پہنچے تو بعض لوگوں نے اس لشکر ہفاک ٹالنی شروع کی کہ کائناتم لوگ اللہ کے راہ سے بھاگ کر آئے ہو۔ (بیرونی ص ۲۸۶) اردو مترجمہ محمد اسماعیل ص ۲۸۶ موتہ کی پہلی فٹس ہزیمت (تایخ امیر علی مزہر ج ۱ صفحہ ۲۹)	جنگ موتہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بدر بعدی وحشی غری شامی لگا اللہ تعالیٰ نے خالدؓ کے ہاتھ پر لشکر اسلام کو فتح عنایت فرمائی۔ (صحیح بخاری کتاب النہای و کتاب الجہاد)	میں تدریخوں کی عبارتیں آپ کے سامنے ہیں ان کا خلاصہ یہ ہے کہ طویمین کو شکست ہوئی اور وہ بھاگ کر گئے۔ اس کے برخلاف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی کہ تمہیں قہما جائیے اب بتائیے کیا تایخ کی بات پر یقین کرنے کے بعد بھی ایمان بالرسول باقی رہے گا؟ حضرت خالدؓ کے ہلاک ہونے کا خلاصہ کارناموں سے اسلامی تایخ مملو ہے لیکن دشمنان اسلام کو یہ چیز کھٹکتی ہے۔ انہوں نے خالدؓ دشمنی میں شکست کی روایت گھر گھر پہلے تاریخ میں شامل کر دی۔



نمبر	تاریخ	قرآن و حدیث	تبصرہ
۳	حضرت امّ رومان کی وفات حضرت ابو بکر صدیقؓ کی زوجہ محترمہ حضرت امّ عبد اللہؓ کا انتقال ۳۳ھ میں ہو گیا تھا۔ (تاریخ واقدی)	حضرت امّ رومان کی وفات حضرت سرورقؓ (حضرت ابو بکر صدیقؓ) کے عہد خلافت میں مدینہ منورہ گئے، وہ لکھتے ہیں مجھ سے حضرت امّ رومانؓ نے حدیث ایک بیان کی۔ (صحیح بخاری)	صحیح بخاری کی روایت سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت امّ رومانؓ ۳۳ھ یا ۳۴ھ تک زندہ تھیں، لیکن تاریخ کہتی ہے کہ ۳۳ھ میں ان کا انتقال ہو گیا تھا۔
۴	حضرت عمرؓ اور حضرت ابن عباسؓ حضرت عمرؓ نے حضرت ابن عباسؓ سے فرمایا ”جے خبر ملی ہے کہ تم یہ کہتے ہو کہ انہوں نے لے (یعنی خلافت کو) ہم سے حسد اور ظلم کی وجہ سے الگ کر رکھا ہے۔“ حضرت ابن عباسؓ نے کہا ”آپ نے ظلم کا ذکر کیا ہے تو ہر جاہل اور عقلمند پر ظاہر ہے، جہاں تک حسد کا ذکر ہے تو حسد تو ابلیس نے حضرت آدمؑ پر بھی کیا تھا، انہی کی اولاد ہم پر زندہ کن پر حسد کیا جا رہا ہے۔“ (تاریخ طبری اردو حصہ سوم خلافت راشدہ حصہ دوم مترجم شبراہم ۲۸۲)	حضرت عمرؓ اور حضرت ابن عباسؓ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں ”مجھ سے یہ حدیث کہ نماز فجر کے بعد کوئی نماز نہ پڑھی جائے جب تک سورج طلوع نہ ہو جائے۔۔۔۔ الخ کئی صحابہؓ نے یہاں کی، ان صحابہؓ میں حضرت عمرؓ بھی شامل ہیں اور وہ مجھے ان تمام صحابہؓ میں سب سے زیادہ محبوب ہیں۔“ (صحیح مسلم کتاب الفضلۃ دیکھ ۱۰۷۱ باب ما قبل الفضلۃ)	کیا وہ شخص جو ظالم بھی ہو، حاسد بھی ہو مظلوم و محسود کا محبوب ہو سکتا ہے۔ ہرگز نہیں۔ لیکن تاریخ نے صحابہؓ کو ان کے آپس کے تعلقات ہی کو ناخوشگوار نہیں بتایا بلکہ اسلام کے مایہ ناز عادل حکمران (حضرت عمرؓ) کو ظالم بھی بنادیا۔
۵	جنگ خندق جنگ کے دوران ایک زبردست آدمی آئی جس سے لشکرِ کفار کے خیمے اکٹھے کیے، رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت مخدومؓ کو کفار کے حالات معلوم کرنے کیلئے بھیجا، انہوں نے واپس آکر خبر دی کہ کفار جاچکے ہیں۔ (تاریخ ابن خلکان حصہ اول ص ۳۵)	جنگ خندق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ سے پہلے کفار کا حال معلوم کرنے کیلئے حضرت مخدومؓ کو بھیجا۔ وہ کفار کی فوج کے پیچھے گئے۔ انہوں نے دیکھا کہ کافروں کے سپہ سالار ابو سفیانؓ آگ سے اپنی بیٹیوں کو بچا رہے ہیں۔ انہوں نے چلا کہ تیر لڑکیاں نہیں ہلاک کر دیں لیکن پھر انہیں یاد آگیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بتایا کی تھی کہ ان کو جنگ پر برا بھلا نہ کہنا، لہذا انہوں نے ہاتھ روک لیا۔ (صحیح مسلم کتاب الجہاد باب غزوہ احزاب)	تاریخ میں ہے کہ حضرت مخدومؓ کفار کے حالات معلوم کرنے کیلئے جنگ کے بعد گئے صحیح مسلم میں ہے کہ جنگ سے پہلے گئے۔
۶	کعب کا قتل (۱) بغاوت وغیرہ کے الزام میں کعبؓ بن اشرف کو قتل کرنے کیلئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلالؓ بن سہامؓ اور اور صحابیوں کو روانہ کیا۔ (۲) کعب ملاقات کیلئے قلعہ سے باہر آیا۔ (۳) اسی وہ تھوڑی دور ہی چلے گئے کہ بلالؓ نے اسے قتل کر دیا (تاریخ ابن خلکان حصہ اول ص ۳۳۲)	(۱) بغاوت وغیرہ کے الزام میں کعبؓ بن اشرف کو قتل کرنے کیلئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت محمد بن مسلمہؓ اور دو اور صحابیوں کو روانہ کیا۔ (۲) حضرت محمد بن مسلمہؓ قلعہ کے اندر گئے۔ (۳) کعبہ پر بعد کعبہ مکان سے باہر آیا۔ اس کے سر میں خوشبو لگی ہوئی تھی حضرت محمدؐ بن مسلمہؓ نے کہا ”مجھے سر سونگھنے کی اجازت دو۔“ اس نے اجازت دی حضرت محمدؐ بن مسلمہؓ نے سر سونگھنے کے بہانے سے سر کو مضبوطی سے پکڑ لیا۔ ان کے دونوں ساتھیوں نے اسے قتل کر دیا۔ (صحیح بخاری کتاب المناقب دیکھ کتاب الجہاد)	تاریخ اور حدیث کا تضاد ملاحظہ فرمائیے۔ اس واقعہ میں اور بھی بہت سے تضادات ہیں لیکن بحرف طوالت تحریر نہیں کئے گئے۔

نمبر	تاریخ	قرآن و حدیث	تبصرہ
④	ابورافع کا قتل (۱) خیمہ کے یہودیوں میں ابورافع بھی اسلامی حکومت کا بانی تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے قتل کے لئے ایک دستہ روانہ کیا اس دستہ پر آپ نے عبد بن قیس کو امیر مقرر کیا۔ (۲) دستہ کے تمام افراد ابورافع کے کرہ میں داخل ہوئے اور اسے قتل کر دیا۔ (تاریخ ابن خلدون حصہ اول ص ۲۳۲)	ابورافع کا قتل (۱) ابورافع اسلامی حکومت کا بانی تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے قتل کے لئے ایک دستہ روانہ کیا اور اس پر حضرت عبد اللہ بن عقیق کو امیر مقرر کیا۔ (۲) حضرت عبد اللہ بن عقیق ایک ابورافع کے کرہ میں گئے اور اسے قتل کر دیا۔ (صحیح بخاری کتاب الجہاد و کتاب المنازی)	اس واقعہ کے سلسلہ میں تاریخ اور حدیث میں ابورافع کی تصانیف میں ایکس بخاری طوالت انہیں تحریر نہیں کیا گیا۔
⑤	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ کا آخری دن جس دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات پائی اس کی صبح کو آپ سر پر بلی باندھے ہوئے باہر تشریف لائے، آپ نے حضرت ابوبکر کی اقتدار میں نماز ادا کی، نماز کے بعد صحابہ کرام کو وعظ و نصیحت فرمائی۔ (تاریخ ابن خلدون حصہ اول ص ۲۳۳)	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ کا آخری دن جس دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات پائی اس کی صبح کو آپ نے مجھ کا پردہ اٹھایا۔ حضرت ابوبکر نے مجھے ہٹے تاکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم امامت فرمائیں۔ لیکن آپ باہر آئے پر قادر نہ ہو سکے اور پردہ ڈال دیا۔ (صحیح بخاری کتاب الاذان و کتاب الصلوٰۃ و کتاب المنازی و صحیح مسلم کتاب الصلوٰۃ)	تاریخ میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم باہر تشریف لائے، آپ نے نماز پڑھی پھر خطاب فرمایا۔ حدیث میں ہے کہ آپ باہر تشریف نہ لائے۔
⑥	حضرت ابوبکرؓ کا انتخاب سفینہ بنو ساعدہ میں جب حضرت ابوبکرؓ کے ہاتھ پر بیعت ہو رہی تھی تو حضرت عمرؓ نے کہا "سید کو قتل کر دو" یہ لکھ حضرت عمرؓ حضرت سفینہ کے سر پر ہاتھ رکھ کر کہنے لگے "میں ہاں ہوں کہ میںیں رو نہ ڈالوں" حضرت سعد بن حبابہؓ نے حضرت عمرؓ کی ڈاوی پکڑ لی۔ حضرت عمرؓ نے کہا "اے چھوٹو، اگر اس کا ایک بال بھی ہیکا ہوا تو تمہارے منہ میں ایک دانت نہ رہے گا۔" (طبری مدوہ حصہ دوم خلافت راشدہ اول سرمد محمد لکھا ایم ص ۳۳)	حضرت ابوبکرؓ کا انتخاب قتل آن مجید میں صحابہؓ کے متعلق ہے کہ وہ آپس میں ایک دوسرے پر ہتھے رحم ہی نہ تھے۔ قرآن مجید میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے صحابہؓ کے دلوں میں محبت ڈالی اور وہ بھائی بھائی بن گئے (آل عمران ۱۰۳)	کتنا کدو نقشہ ہے جو صحابہ کرامؓ کے کڑا کا ہلدی تاریخ میں کھینچا گیا۔ کیا یہ ان ہی لوگوں کا مال ہے جن کی تعریف قرآن کرتا ہے۔ صحیح بخاری میں بھی بیعت کا واقعہ بڑی تفصیل سے مروی ہے لیکن تاریخی خرافات اس میں نہیں ہیں۔
⑩	انتخاب کا ایک اور منظر انتخاب کے موقع پر حضرت حبابہؓ نے تلوار نکالی اور کہا میں اس کا تصفیہ کئے دیتا ہوں (کہ کون خلیفہ ہو گا) حضرت عمرؓ نے ان پر حملہ کیا، ان کے ہاتھ سے تلوار گر پڑی حضرت عمرؓ نے اسے اٹھا لیا۔ پھر حضرت عمرؓ حضرت سفینہؓ پر چبھنے لگے۔ اس وقت عہد جاہلیت کا سامنظر سامنے آ گیا۔ (تاریخ طبری حصہ دوم خلافت راشدہ حصہ اول سرمد محمد لکھا ایم ص ۳۳)	انتخاب کا ایک اور منظر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "جب کافروں نے اپنے دلوں میں جاہلیت کے زمانہ جیسی محبت کو جگہ دی تو اللہ نے اپنے رسولؐ اور مومنین پر سکینہ نازل فرمائی اور تقوے کے کلمہ کو ان سے چھٹا دیا اور وہ تقوے کے سخی بھی ہیں اور اہل بھی۔" (فتح ۲۹)	کیا تاریخ نے صحابہ کرامؓ کا وہی نقشہ کھینچا ہے جو قرآن مجید میں بیان ہوا ہے۔ تاریخ نے صحابہ کرامؓ پر ایسی محبت، عصمت کا الزام لگایا ہے جو ایام جاہلیت میں گذر گئی۔ کہا جو لوگ تقوے شعلہ ہیں، آپس میں حریم ہوں وہ ایسی عصمت کی باتیں کر سکتے ہیں۔ صحابہ کرامؓ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تربیت دی تھی اگر آپ کی تربیت کے بعد بھی ان کے کردار کا یہ حال تھا تو کیا تربیت نبویؐ کے متعلق شبہ نہ ہو گا۔ کیا یہ وہ پردہ نبوت پر جوٹ نہیں ہے؟



نمبر	تاریخ	قرآن و حدیث	تبصرہ
۱۱	حضرت ابو بکرؓ کی بیعت اور حضرت سعدؓ تمام لوگوں نے حضرت ابو بکرؓ کی بیعت کر لی لیکن حضرت سعد بن جابرؓ نے بیعت نہیں کی نزدہ جماعت میں خریک ہوئے تھے نہ حضرت ابو بکرؓ کے پیچھے ناز پڑتے تھے (ابن کثیر طبری حدیث ۴۴۴) مضافاً حذو اول مترجمہ درایم (۳۳)	حضرت ابو بکرؓ کی بیعت اور حضرت سعدؓ تمام لوگوں نے حضرت ابو بکرؓ کی بیعت کر لی (صحیح بخاری کتاب المظاہرۃ بآئینہ ابوبکرؓ) استان مجید میں ہے کہ صحابہ کرامؓ اللہ کی عطا کے متلاشی رہتے ہیں۔ (بخاری ۲۹)	صحیح بخاری میں کسی کو مستثنیٰ نہیں کیا گیا، اگر حضرت سعدؓ نے بیعت نہ کی ہوتی تو ضرور اس بات کا ذکر ہو ۳۳۔ جب حضرت ابو بکرؓ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے "اگر تم قریش میں سے ہو گے" تو حضرت سعدؓ نے کہا "تم صحیح کہتے ہو" (فتح الباری بولہ مستدام) کیا اب بھی یہ کہا جاسکتا ہے کہ حضرت سعدؓ حضرت ابو بکرؓ کی بیعت سے نامن تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا "اگر تم پر کوئی جھٹی غلام بھی امیر نہ بنا جائے تو اس کی سنو اطاعت کرو" (صحیح بخاری) کیا حضرت سعدؓ نے اس حکم کی تعمیل کی؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جس نے جماعت چھوڑ دی وہ جاہلیت کی موت مرا" (صحیح بخاری، صحیح مسلم) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "جو ایسی حالت میں مرا کہ اس نے بیعت نہیں کی تو وہ جاہلیت کی موت مرا" (صحیح مسلم) اگر تاریخ کے بیان کو صحیح مان لیا جائے تو کیا حضرت سعدؓ باوجود بدری صحابی ہونے کے جاہلیت کی موت مرے۔ کیا اللہ کی رضا ہوئی جس کا قرآن شاہد ہے اسی کا نام ہے؟
۱۲	جنگ اُحد مدینہ و انصاریہ کو (یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مومنین کو) شکست ہوئی۔ (۵۱) اسلام آمد و نزول امیر علی مرتضیٰ بن موسیٰ بن جعفر	جنگ اُحد قرآن مجید میں ہے (تقدیر میدان چھوڑ کر چلے گئے) مومنین نے ان کا ناقہ کیا۔ نقاب کے بعد مسلمان اللہ کے فضل اور اس کی لہمت کے ساتھ واپس ہوئے (الفرقان ۴۲)	تاریخ میں کس قدر غلط بیانی کی گئی ہے۔ قرآن مجید سے ثابت ہوتا ہے کہ مومنین فوجیاب ہوئے۔ تاریخ کہتی ہے شکست کہاں کی شکست خوردہ فوج، خاتم لشکر کا قاتل کرتی ہے۔ دشمنان اسلام کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم و سلم کی نبوت پر یہ ایک خفیہ جھٹ ہے۔
۱۳	بلوہ جبل حضرت عائشہؓ نے جو حضرت علیؓ سے سخت نفرت رکھتی تھیں، اس شعلہ کو بھڑکایا، طلوع اور زہیر طبع اطاعت کو ایک طرف رکھ کر پہلے مکہ کی طرف پھر عراق کی طرف بھاگ گئے جہاں حضرت عائشہؓ بھی ان سے جا ملیں اور غلیظہ (یعنی حضرت علیؓ) پر حملہ آور ہوئے کی غرض سے باغیوں کی ایک بڑی فوج جمع	بلوہ جبل حضرت عائشہ صدیقہ فرماتی ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ کو بغیرہ کہا پی جاؤ اور اذکار آیت تطہیر پڑھتی (صحیح مسلم) حضرت عائشہ صدیقہؓ بصرہ روانہ ہوئیں حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ بھی ان کے ساتھ تھے۔ (صحیح بخاری کتاب الفتن)	اگر حضرت عائشہ صدیقہؓ کو حضرت علیؓ سے بغض ہوتا تو وہ کیسے ان کی فضیلت میں اس حدیث کو بیان کرتیں۔ حدیث مذکور کی روشنی میں تاریخ کا بیان حضرت عائشہ صدیقہؓ پر اتہام ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "عائشہؓ کی فضیلت تمام عورتوں پر ایسی ہے جیسی ثریہ



نمبر	تاریخ	قرآن و حدیث	تبصرہ
	ہوئی..... (بانیوں کو شکست ہوئی) حضرت عائشہؓ گرفتار ہو گئیں۔ (ایک اسلام مؤند امید علیؓ)		کی فضیلت تمام کماؤں پر (صحیح بخاری) حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ عشرہ مبشرہ صحابہ میں سے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے شہید ہونے کی خبر دی تھی کہ اس ایسی جلیل القدر زوجہ محترمہ اور ایسے صاحبِ فضل صحابیوں کے کھڑے کا کتنا سکڑا نقشہ ہے جو تاریخ میں کینچا گیا ہے۔ بنات جملہ گلیں جرم ہے اس کا ترکب ہمیں بتایا گیا ہے۔ کیا یہ لوگ اعلیٰ مذکورہ برکتی مدنی میں جاہلیت کی موت فرمے۔ اگر جاہلیت کی موت نہ تو شہید کیسے ہوئے! کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فطرتِ خبری تھی؟ نعوذ باللہ۔ "زوجہ مطہرہ کی گرفتاری کتنا عجیب منظر پیش کرتی ہے کیا یہ الفاظ کسی مسلم کی زبان اور قلم کو زیب دیتے ہیں۔
۱۴	حضرت علیؓ اور حضرت ابو موسیٰؓ ابو موسیٰ اشعریؓ در پر وہ حضرت علیؓ سے عداوت رکھتا تھا۔ (ایک اسلام مؤند امیر علیؓ)	حضرت علیؓ اور حضرت ابو موسیٰؓ قرآن مجید میں ہے "صحابہ آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ رحیم ہیں" (فتح) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "علیؓ سے منافق ہی بغض کے گا" (صحیح مسلم) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کے متعلق فرمایا تھا "وہ مجھ کو ہیں، میں ان سے ہوں" (صحیح مسلم)	صحابہ کرامؓ آپس میں ایک دوسرے سے بغض رکھنا قرآن مجید کے خلاف ہے۔ اگر تاریخ کے بیان کو ہم مان لیا ہلے تو حضرت ابو موسیٰؓ منافق ہوئے کیونکہ انہیں حضرت علیؓ سے عداوت تھی کی کسی منافق کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ فرما سکتے تھے کہ "وہ مجھ سے ہیں، میں ان سے ہوں" تاریخ کا بیان سرتاپا جھوٹ ہے۔
۱۵	حضرت عمرؓ کی جا نشینی حضرت عمرؓ جب ان کی جا نشینی کے سلاطین پر چڑھ گیا تو فرمایا (کس کو جا نشینی جاؤں) (۱) علیؓ میں تو عرافت بہت ہے۔ (۲) عثمانؓ ابویوسف کی اولاد کو لوگوں کی گواہی پر مسلط کر دیں گے، یہ لوگ اللہ کی نافرمانی کریں گے، لوگ عثمانؓ پر قوت پڑیں گے اور انہیں قتل کر دیں گے۔ (۳) طلحہؓ مفرد ہیں۔ (۴) زبیرؓ صدقہ اللہ میں لوگوں کی گواہی ماریں گے۔ (۵) سعد بن ابی وقاصؓ تو ہیں جنگ کرنا جانتے ہیں۔ (۶) عبدالرحمن بن عوفؓ کے بس کا	حضرت عمرؓ نے فرمایا "خلافت کا حق میرا لوگوں سے زیادہ کسی کو نہیں ہوتا۔ عثمانؓ، علیؓ، طلحہؓ، زبیرؓ، جب ابی سعیدؓ عوفؓ اور سعد بن ابی وقاصؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اپنی وفات تک غور نہیں کیا۔ لہذا یہ لگتا ہے کہ سعد بن ابی وقاصؓ کو غلط فہمی تھی وہی غلط ہے اس کی بات سننا اور اطاعت کرنا اگر خلافت سعد کو مل جائے تو وہ اس کے اہل ہیں۔" (صحیح بخاری کتاب الجہاد باب من ہبنا حق عثمانؓ) ایک اور موقع پر حضرت عمرؓ نے فرمایا "مشورہ کرنے کے بعد خلافت ان چھ آدمیوں میں ہے گی" (صحیح مسلم کتاب الساب)	تاریخ اور حدیث کے دلائل میں کسی سند تعداد ہے عشرہ مبشرہ صحابہؓ کے متعلق حضرت عمرؓ کے خیالات جو تاریخ نے ہوا کے بھی کس قدر افسوس ناک ہیں۔ اگر عشرہ مبشرہ صحابہؓ کا یہ حال ہے تو سچا رسول کا کیا حال ہو گا۔ اگر ناک صحابہؓ نااہل تھے تو پھر نہایت بے دالے کے متعلق کیا خیال پیدا ہو سکتا ہے۔ کیا نبی جنت کے نزیریت یافتہ لہے ہوتے ہیں۔ لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ یہ صحابہؓ کے کردار پر حیرت ہے مگر اگر وہ خود کریں تو انہیں معلوم ہو گا کہ یہ دراصل نبوت پر بالواسطہ ضرب لگائی گئی ہے۔

تہذیب	تاریخ	قرآن و حدیث	تبصرہ
۱۶	<p>یہ کام نہیں۔ (مگر یا ان میں سے خلافت کا کوئی بھی اہل نہیں) (الاستیعاب) حضرت عثمان کا کردار</p>	<p>حضرت عثمانؓ نے حضرت طلحہؓ اور حضرت ذبیحہؓ کو بلایا اور ان سے فرمایا میں تمہیں عمارت کا حوالہ نہ سناؤں، میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ ان کے اہل خانہ کے والدین کے پاس سے گزرنا، ان کو اسلام لانے کی وجہ سے تکلیف پہنچائی جا رہی تھی۔ حضرت عمارؓ کے والدین نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ ہم ہمیشہ اس تکلیف میں مبتلا رہیں گے۔ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "میرے بھائی اے اللہ! آل باقر کی مغفرت فرما اور ان کی مغفرت تو ہو ہی گئی" (مسند احمد) قرآن مجید میں ہے کہ صحابہؓ آپس میں ایک دوسرے پر برے رحیم ہیں۔ (فتح)</p>	<p>کیا قرآن مجید نے صحابہؓ کی کیفیت غلط بیان کی ہے (نصف باللہ) کیا تاریخ پر اعتماد کر کے قرآن مجید پر ایمان بالآخرہ ممکن ہے؟ کیا یہ وہی حضرت عثمانؓ ہی جن کے متعلق خیرہ موزع امیر علی لکھتے ہیں "حضرت عثمانؓ پر سارا اور ایمان دار تھے" (تاریخ اسلام ص ۱۵۰) ان کا اعلیٰ وصف ان کی رحمت ہے (تاریخ اسلام ص ۱۵۰) حضرت عثمانؓ کی رحمت کا ایک ذبیحہ کو بھی اعتراض ہے لیکن یہ کسی رحمت ہے کہ وہ ایک جلیل القدر صحابی کو اس قدر ملنے ہیں کہ ان کا بیٹ بچا جائے اور صحابی بھی وہ جن کی مدح سرائی وہ خود کرتے ہیں۔</p>
۱۷	<p>حضرت معاویہؓ اور حضرت عمر بن العاصؓ حضرت علیؓ فرماتے ہیں "معاویہ، عمر بن العاصؓ ..... نہ دیکھنے میں نہ قرآن ملنے (یعنی نہ ان کا دین ہے نہ ایمان) (تاریخ طبری ج ۱ ص ۱۰۰) حضرت معاویہؓ اور حضرت عمر بن العاصؓ</p>	<p>رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاویہؓ کو کاتب بنایا (صحیح مسلم) عمری جنگ کے سلسلہ میں بشارت دیتے ہوئے ان کا بیٹا ہو جائے گا۔ ان کے خاندان کو اپنا محبوب بنایا (صحیح بخاری) ان کیلئے دعا کی کہ "اے اللہ معاویہؓ کو ہادی۔ ہدی بنا اور ان کے ذریعہ ہدایت دے" (ترمذی) حضرت عمر بن العاصؓ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علیہ وسلم نے صحابہ کرامؓ کا ایک لشکر پر امیر بنایا (صحیح بخاری و صحیح مسلم) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "لوگ اسلام لائے اور عمر بن العاصؓ ایمان لائے" (مسند رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "ماں کے دونوں بیٹے ٹھن میں عمرو اور عثمانؓ" (مسند سنن صحیح بخاری و صحیح مسلم) واقعہ تحکیم</p>	<p>کیا بے دین اور بے ایمان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علیہ وسلم اپنا محبوب اور کاتب بنا سکتے تھے؟ کیا بے دین کے متعلق آپؐ جلتی ہونے کی بشارت دیکھتے تھے؟ کیا کسی بے دین و بے ایمان شخص کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر سارا اور بنا سکتے تھے؟ کیا کسی بے ایمان شخص کے ایمان کی گواہی آپؐ دیکھتے تھے؟</p>
۱۸	<p>واقعہ تحکیم حضرت ابو موسیٰؓ نے حضرت عمر بن العاصؓ سے فرمایا "اللہ تجھے توفیق دے گا، کہنے پر ہمدی کی اور فسق و فجور کا ارتکاب کیا تیری مثال گتے کی کی ہے کہ سالانہ دامبلے تو ہانپے اور ویسے ہی پھوڑا دیا جائے تو بھی ہانپے" حضرت عمر بن العاصؓ نے فرمایا "تیری مثال اس گدھے کی سی</p>	<p>قرآن مجید میں ہے کہ صحابہ کرامؓ کے ساتھ فسق کو چھٹا دیا گیا ہے اور وہ اس کے مستحق بھی ہیں اور اہل بھی (فتح) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو موسیٰؓ کی اشتر کیلئے دعا کی کہ "اے اللہ اس کو بھلا مقام میں داخل کر، وہ مجھ سے ہی میں اس سے</p>	<p>کیا صحابہ کرامؓ اور صحابہؓ رسولؐ کے مددگار کافی تھے ان کے اس کردار کے عین مطابق ہے جس کو قرآن و حدیث نے بیان کیا ہے؟ صحابہ کرامؓ کے کردار کو ایسے مکروہ طریقے سے پیش کرنا مقصد ہی کیا ہے کہ نبوت پر چوٹ پڑے لیکن اسلام کے نادان مدسنوں کی سمجھ میں یہ چیز نہیں آتی۔ وہ</p>



آیت	تایخ	قرآن و حدیث	تبصرہ
	ہے جس پر کتابیں کا لہجہ لہا ہوا ہو۔ پھر شریع بن ابی ہاشم نے فتح مصر حضرت عمرو بن العاص کو کڑے سائے شریع کرنے حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص نے شریع کو ملایا۔ خوب ماہیت ہوئی۔ (تایخ طبری ج ۱ ص ۱۰۸) مقتدم۔ (تایخ طبری ج ۱ ص ۱۰۸)	ہوں۔ (صحیح مسلم ابواب الغنائ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی وفات تک حضرت عمرو بن العاص سے محبت کرتے رہے۔ (مسند احمد)	تایخ کے ان خلافات کو دیکھ کر پھر رہے ہیں۔
۱۹	حضرت عثمان کی بیعت حضرت عبدالرحمن بن عوف نے حضرت عثمان کی خلافت کا اعلان کیا تو لوگ حضرت عثمان کے ہاں دل طرہ جلائے۔ بیعت بیعت کی مگر حضرت علیؑ میچے رہ گئے۔ حضرت عبدالرحمن نے کہا جو مرد شکن کرے گا اس کی شکنی اس کی ذات کے لئے نقصان دہ ہوگی۔ یہ سن کر حضرت علیؑ نے بیعت کی اور فرمایا: دھوکا ادا فریب اس قدر فریب دیا گیا ہے۔ (تایخ طبری ج ۱ ص ۱۰۸) واللہ حمزہ دوم مرتبہ و شہداء احمد ص ۱۰۸	حضرت عثمان کی بیعت جب حضرت عبدالرحمن بن عوف نے حضرت عثمان کی خلافت کا اعلان کرنے والے تھے تو حضرت علیؑ نے فرمایا کہ (اے عثمانؓ) میں تمہاری بیعت کرتا ہوں۔ پھر حضرت عبدالرحمن نے حضرت عثمان کے ہاتھ پر بیعت کی۔ ان کے بعد حضرت علیؑ نے بیعت کی، پھر تمام لوگوں نے بیعت کی (صحیح بخاری باب بیعت عثمان و کتب الاحکام)	صحیح بخاری میں ہے کہ حضرت علیؑ نے غیر کسی ہیں وہ ہیں کے زبانی بیعت سب سے پہلے کی اور اتھ پر بیعت کرنے میں ہی کا خبر دوسرا تھا۔ لیکن تایخ میں ہے کہ انہوں نے بہت دیر میں بیعت کی اور وہ بھی دھوکے کے بعد۔
۲۰	سورہ لہب کا نزول ابو لہب اکثر اوقات کہا کرتا تھا کہ محمدؐ مجھ سے بہت سی چیزوں کا وعدہ کرتا ہے، میں ان میں سے ایک کو بھی نہیں دیکھتا، محمدؐ کہتا ہے کہ وہ موت کے بعد ہوں گی، پھر اپنے ہاتھوں پر پتھر بٹا کر کہتا ہوں کہ میں تمہارے ساتھ ان میں سے ایک کو بھی نہیں دیکھتا جو محمدؐ کہتے ہیں اللہ تعالیٰ نے سورہ لہب نازل فرمائی۔ (سیرۃ ابن ہشام اردو ترجمہ مطبوعہ روضہ شیم پریس لاہور ص ۱۱۹ ملخصاً)	جب یہ بیت نازل ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کوہ صفا پر کھڑے ہو کر گفاریا کہ یہ خطاب فرمایا اوسان کا سلام کی دعوت دی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس دعوت کو سن کر ابو لہب نے کہا تم تمام دن برا دہو، کیا تم نے ہمیں یہاں اسی لئے جمع کیا تھا؟ اللہ تعالیٰ نے اسی وقت سورہ لہب نازل فرمائی۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم ملخصاً)	حدیث سے ثابت ہو گیا کہ سورہ لہب بالکل ابتدائی تبلیغ کے راوی میں نازل ہوئی، تایخ سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ابتدائی تبلیغ کے بہت جلد بعد نازل ہوئی جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کافی وعدیں اور وعیدیں سے ان کو روشناس کر چکے تھے لیکن ان وعدوں اور وعیدوں کے ظہور میں تاخیر ہو رہی تھی۔
۲۱	سراقہ کے لئے پروانہ امن سراقہ کہتے ہیں میں نے عرض کیا میں آپؐ ایک نشانی چاہتا ہوں جو میرے اسیا کے درمیان میں ہو۔ (آپؐ) ابو بکرؓ سے فرمایا اے ابو بکرؓ تم کھدو۔ ابو بکرؓ نے ایک بڑی یاغیری یا پرچہ کھد کر میری طرف ڈال دیا میں نے اُسے اٹھا کر اپنے گوشہ دان میں رکھ لیا۔ (سیرۃ ابن ہشام ص ۱۱۹)	سراقہ نے عرض کیا: میرے لئے ایک مکان امن کھدایا جائے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عامر بن لویؓ کو کہنے کا حکم دیا انہوں نے چڑے کے ایک رقبہ میں تحریر ایسی لکھی اگر سراقہ منہ کے مالہ کر دے (صحیح بخاری)	حدیث میں ہے کہ تحریر امن حضرت عامرؓ نے لکھی، تایخ میں ہے کہ حضرت ابو بکرؓ مدنی نے لکھی۔
۲۲	مرحب کا قاتل کون ہے؟ جنگ خیبر میں یہودیوں کے سپہ سالار مرحب کو حضرت محمدؐ نے قتل کیا (سیرۃ)	مرحب کا قاتل کون ہے؟ یہودیوں کے سپہ سالار مرحب کو حضرت علیؑ نے باقاعدہ مقابلہ کے بعد قتل کیا۔	دونوں میں تضاد ظاہر ہے۔ تایخ کا یہاں تبصیر علی کا منظر ہے۔



آیت	تاریخ	قرآن و حدیث	تبصرہ
	ابن ہشام (ص ۱۳۱) محمد بن سہل نے مر جبکی دونوں انگلیں کاٹ دیں، وہ زمین پر پڑا ہوا تھا کہ حضرت علیؑ اس کے پاس سے گزرے اور انہوں نے اس کا سر کاٹ دیا (واقعی بلوغ الاملا ج ۱، ص ۱۳۱)	(صحیح مسلم مختصراً) جنگ حنین اور کثرت تعداد پر فخر قرآن مجید کی آیت اِذَا عَجَلْتَ كَعَجَلِ کے تحت چمکتے ہوئے معلوم ہوتا ہے کہ لوگوں کو اپنی کثرت پر گمنڈ ہو گیا تھا۔ حدیث میں ہے کہ رسولؐ نے اپنی کثرت تعداد پر فخر کیا، رسولؐ نے صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کا کثرت تعداد پر فخر کرنا ناگوار گذرا۔ (معلہ الحاکم ومحوہ، بلوغ اللامانی ج ۱ ص ۱۶۹)	آیت ۲ بیان کسی قدر غلط اور شان نبوت کے خلاف ہے، گویا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بجائے اللہ تعالیٰ پر توکل کرنے کے وسائل پر توکل کرتے تھے جس چیز پر اللہ تعالیٰ نے غفلت کا اظہار کیا اللہ سبحانہ و تعالیٰ رسولؐ صلی اللہ علیہ وسلم نے ناپسند فرمایا اسی چیز کو آیت ۲ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کر دیا۔ اِنَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ وَ اِنَّا اِلٰهٌ رَّاحِمٌ
۲۳	جنگ حنین اور کثرت تعداد پر فخر جب آپؐ مکہ سے حنین کی طرف چلے گئے اور اپنے لشکر کی کثرت ملاحظہ کی ہے تو فرمایا تھا کہ ہم مغلوب نہ ہوں گے۔ (سیرۃ ابن ہشام ص ۱۳۱)	جنگ حنین اور کثرت تعداد پر فخر قرآن مجید کی آیت اِذَا عَجَلْتَ كَعَجَلِ کے تحت چمکتے ہوئے معلوم ہوتا ہے کہ لوگوں کو اپنی کثرت پر گمنڈ ہو گیا تھا۔ حدیث میں ہے کہ رسولؐ نے اپنی کثرت تعداد پر فخر کیا، رسولؐ نے صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کا کثرت تعداد پر فخر کرنا ناگوار گذرا۔ (معلہ الحاکم ومحوہ، بلوغ اللامانی ج ۱ ص ۱۶۹)	آیت ۲ بیان کسی قدر غلط اور شان نبوت کے خلاف ہے، گویا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بجائے اللہ تعالیٰ پر توکل کرنے کے وسائل پر توکل کرتے تھے جس چیز پر اللہ تعالیٰ نے غفلت کا اظہار کیا اللہ سبحانہ و تعالیٰ رسولؐ صلی اللہ علیہ وسلم نے ناپسند فرمایا اسی چیز کو آیت ۲ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کر دیا۔ اِنَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ وَ اِنَّا اِلٰهٌ رَّاحِمٌ
۲۴	حضرت عمار بن یاسر اور تعمیر مسجد نبوی عمار بن یاسرؓ آئے، ان کے سر پر پستیاں رکھی ہوئی تھیں، اللہ عرض کرنے لگے۔ یا رسول اللہ ان لوگوں نے مجھ کو قتل کر دیا ہے، میرے اوپر اتنا بوجھ رکھ دیتے ہیں جو مجھ سے چل نہیں سکتا۔ (آپؐ فرمایا تے ابی سبتہ یہ وہ لوگ ہیں جس جو تم کو قتل کریں گے، تم کو باغیوں کا گروہ قتل کے گا۔) (سیرۃ ابن ہشام ص ۱۶۹)	حضرت عمار بن یاسر اور تعمیر مسجد نبوی عمار بن یاسرؓ آئے، ان کے سر پر پستیاں رکھی ہوئی تھیں، اللہ عرض کرنے لگے۔ یا رسول اللہ ان لوگوں نے مجھ کو قتل کر دیا ہے، میرے اوپر اتنا بوجھ رکھ دیتے ہیں جو مجھ سے چل نہیں سکتا۔ (آپؐ فرمایا تے ابی سبتہ یہ وہ لوگ ہیں جس جو تم کو قتل کریں گے، تم کو باغیوں کا گروہ قتل کے گا۔) (سیرۃ ابن ہشام ص ۱۶۹)	آیت ۲ بیان کسی قدر غلط اور شان نبوت کے خلاف ہے، گویا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بجائے اللہ تعالیٰ پر توکل کرنے کے وسائل پر توکل کرتے تھے جس چیز پر اللہ تعالیٰ نے غفلت کا اظہار کیا اللہ سبحانہ و تعالیٰ رسولؐ صلی اللہ علیہ وسلم نے ناپسند فرمایا اسی چیز کو آیت ۲ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کر دیا۔ اِنَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ وَ اِنَّا اِلٰهٌ رَّاحِمٌ

تاریخ اور قرآن حدیث کے بیان کردہ واقعات میں جو تضاد ہے وہ اوپر کی مثالوں سے ظاہر ہے۔ ایسی صورت میں کیا  
یہ اور اسی قسم کے دوسرے فقہ قرآن و حدیث کے خلاف ہوتے ہوئے بھی تسلیم کئے جاسکتے ہیں۔ کیا ان قبضوں کو تسلیم کرنے  
کے بعد قرآن و حدیث پر ایمان رہ سکتا ہے؟

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

## تاریخ پرستی

اسلام اشاعت ۲۲

اسلام کے خلاف بہت سی سازشیں اٹھیں۔ متعدد قسم کے زہر پھیلانے لگے، دشمنان اسلام نے مختلف لبادے اوڑھے۔ اسلام سے باہر رہ کر بھی کام کیا اور اندر رہ کر منافق کی حیثیت سے بھی کام کیا۔ ان سازشوں میں سے ایک سازش یہ بھی تھی کہ اسلام کی تاریخ کو مسخ کر دیا جائے۔ وہ معاشرہ جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے فیض صحبت سے قائم فرمایا تھا، جس معاشرہ کی تیار سی اللہ تعالیٰ کی نگرانی میں ہوئی تھی، جس معاشرہ کی تعریف میں قرآنی آیتیں اُتری تھیں، اُس معاشرہ یعنی صحابہ کرام کے متعلق ایسی زہر افشانی کی گئی کہ جس کی مثال نہیں ملتی۔ قرن ثانی اور قرن ثالث کے اکابر کے متعلق بھی ایسا ہی کیا گیا اور پھر ان تمام زہر افشانیوں، افتراء پر دازیوں کو تاریخ میں اس طرح سمودیا گیا کہ جھوٹ و سچ میں تمیز کرنا مشکل ہو گیا۔ جب اس میں انہیں کامیابی ہو گئی تو یہ اندیشہ ہوا کہ ان واقعات کو کہیں جھٹلانہ دیا جائے اس لئے ایک سازش اور کی گئی وہ یہ کہ ان واقعات کو تاریخی حقائق کے نام سے موسوم کر کے ذہنوں کو متاثر نہ ہی نہیں بلکہ مرعوب کیا گیا۔ موجودہ زمانہ میں بھی اسلام سے بیزار کرنے کے لئے یہی چال چلی گئی۔ جدید تعلیم یافتہ طبقہ میں ان نام نہاد حقائق کو **HISTORICAL FACTS** کے نام سے متعارف کرایا گیا اور یہ سازش اتنی کارگر ہوئی کہ اکثر لوگوں کے ذہن مسموم ہو گئے اور وہ بس یہی سمجھنے لگے کہ تاریخ کا تمام مواد بالکل حقیقت ہے اور اس میں سے کسی ایک واقعہ کے بھی انکار کی گنجائش نہیں۔ الغرض تاریخ پرستی عام ہو گئی۔ اس سازش کی زد میں بڑے بڑے آگے اور اپنے اکابر کے خلاف مختلف قسم کی زہر افشانی کرنے لگے۔ اس سازش یا تاریخ پرستی نے جو فتنے پیدا کئے وہ یہ ہیں :-

- ۱۔ انکارِ حدیث کے لئے فضا ہموار کی گئی۔ جو حدیث کسی تاریخی واقعہ سے ٹکرائی تو بجلانے تاریخی واقعہ کو جھٹلانے کے حدیث کو یہ کہہ کر جھٹلایا گیا کہ یہ تاریخی حقائق کے خلاف ہے حالانکہ کہاں تاریخ اور کہاں حدیث۔ چہ نسبت خاک را با عالم پاک۔ حدیث کی جلیغ کے لئے بیسیوں فن استعمال کئے گئے۔ راویانِ حدیث کی جانچ پڑتال کی گئی۔ ان کی ثقاہت

کردار، حفظ و اتقان کو پرکھا گیا۔ سند کو دیکھا گیا کہ متصل ہے یا منقطع۔ غرض یہ کہ انتہائی حزم و احتیاط کے ساتھ حدیث کو جمع کیا گیا اور صحیح اور غلط میں خط امتیاز کھینچا گیا۔ برخلاف اس کے تاریخ کے لکھنے والے غیر مستند، جھوٹے بلکہ دشمن اسلام۔ پھر نہ انہوں نے کوئی سند بیان کی۔ نہ راوی کو پرکھا۔ نہ صادق و کاذب، فاسق و متقی میں فرق کیا۔ جو سنا لکھ لیا، جو چاہا گھر دیا۔ لہذا حدیث اور تاریخ کے تضاد کی صورت میں تاریخ کو جھٹلانا چاہیے تھا لیکن ہوا اس کے برعکس۔ نتیجہ یہ نکلا کہ حدیث پر سے اعتماد اٹھ گیا اور اس طرح اسلام کا معتد حصہ معطل یا مسخ ہو کر رہ گیا۔

۲۔ جب حدیث پر سے اعتماد اٹھ گیا تو پھر قرآن مجید کی من مانی تاویلیں ہونے لگیں۔ قرآن مجید بازیحۃ اطفال بن کر رہ گیا۔

۳۔ خلافت راشدہ کو ملوکیت میں تبدیل کرنے کا ذمہ دار صحابہؓ اور دوسرے اکابر کو ٹھہرایا گیا۔ اسی کے ساتھ ملوکیت کو انتہائی غیر شرعی اور کراہت آمیز شکل میں پیش کیا گیا۔ جس کے نتیجہ میں صحابہ کرامؓ اور دوسرے اکابر کو محض دنیا دار اور مکار کی حیثیت سے پیش کیا گیا۔ کوئی صحابی کسی صحابی کے خلاف زہرا گل رہا ہے۔ کوئی کسی کے خلاف نبرد آزما ہے۔ آپس میں تلواریں چل رہی ہیں۔ دنیا کی دوڑ میں کوئی پیچھے رہنا نہیں چاہتا۔ مال و دولت اور اقتدار کی ہوس نے سب کو اندھا کر دیا ہے۔ ثابت یہ کرنا تھا کہ جس معاشرہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تیار کیا تھا وہ اسلام سے کوسوں دور تھا۔ وہ افراد جو آپ کے فیض یافتہ تھے وہ ہی صحیح معنوں میں مسلم نہیں تھے تو نتیجہ ظاہر ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نعوذ باللہ من ذلک اپنے مقصد میں ناکام رہے اور اپنے بعد منافق اور دنیا کے پیچھے بھاگنے والے چھوڑ گئے اب بھی اگر کوئی شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت اور اسلام کے متعلق بدگمانی میں مبتلا نہ ہو تو آخر وہ کیا کرے۔

یہ تھے وہ فتنے جو ہماری غلط تاریخ کی وجہ سے وجود میں آئے اور جنہوں نے ہزار ہا آدمیوں کے ایمان کو متزلزل کیا۔ ہماری تاریخ دشمنوں نے لکھی اور ہم نے ہاتھوں ہاتھ لی۔ نہ تحقیق کی اور نہ تدقیق۔

جماعت المسلمین نے اس سلسلہ میں ایک کتاب تالیف کی ہے جس میں اُس نے صرف قرآن مجید، صحیح بخاری اور صحیح مسلم سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دنیا میں آمد سے لے کر خلفائے اسلام تک کے حالات و واقعات کو بڑے مربوط انداز میں جمع



کیا ہے۔ اس تاریخ کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ اس میں بیان کردہ کسی ایک واقعہ پر بھی غلط ہونے کا شبہ نہیں کیا جاسکتا۔ قرآن مجید، صحیح بخاری اور صحیح مسلم کا نام ہی اس بات کی ضمانت ہے کہ اس کتاب میں جو کچھ بیان کیا گیا ہے وہ صحت و اعتماد کے اعلیٰ ترین مرتبہ پر فائز ہے۔

اسلامی تاریخ کے سلسلے میں ہمیں تعجب ہے کہ قرآن و حدیث کے بیان کردہ سچے واقعات کو چھوڑ کر کتب تاریخ کے جھوٹے سچے واقعات کیسے مقبول عام ہوئے جب کہ کتب تاریخ میں کسی واقعہ کے ثبوت میں سند کو کوئی اہمیت نہیں دی گئی۔ اگر سند بیان بھی کی گئی تو صحت اسناد کا التزام نہیں کیا گیا۔ نہ اسناد کی جانچ پڑتال ہوئی۔ حدیث کی طرح تاریخی بیانات ناقابل قبول ہونے چاہیے تھے لیکن وائے افسوس کہ اہل علم اور عوام نے ان کو بلا تحقیق قبول کیا اور ان پر یقین بھی کرتے رہے۔ طرفہ یہ کہ قرآن و حدیث کے مقابلے میں تاریخ کی جھوٹی روایات کو بھی بڑی سادگی سے قبول کیا جاتا رہا۔ حیرت ہے کہ جو باتیں سچی تھیں وہ پس پشت ڈال دی گئیں اور ان کے مقابلہ میں ان باتوں کو قبولیت عام حاصل ہوئی جو بے سند اور جھوٹی تھیں۔ اس طرح بیشتر من گھڑت قصے تاریخ اسلام کی زینت بن کر تاریخی حقیقت بن گئے۔ سب سے زیادہ افسوسناک بات یہ ہے کہ ان تاریخوں میں مورخین نے ان روایات کو بھی جمع کر دیا جن کو دشمنان اسلام نے گھر کر صحابہ کرامؓ کو بدنام کرنے کی سازش کی تھی۔ اس طرح نہ صرف جماعت صحابہؓ نے سب و شتم بنی بلکہ اسلام کی عمارت کی بنیادیں ہل گئیں۔ صحابہ کرامؓ کے حالات اور واقعات اس طرح لکھے گئے جن کو پڑھ کر بعد میں آنے والی نسلیں ان کے بارے میں طرح طرح کے شکوک میں مبتلا ہو گئیں۔ آہ ! اس جماعت صحابہؓ کو جس کو رسول مقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے تربیت دی تھی اور جس کو ساری امت کے لئے رہنا بنایا تھا آج نام نہاد مدعیان اسلام دھوکہ باز اور دنیا دار سمجھ رہے ہیں۔ افسوس صحابہ کرامؓ کی جماعت جس نے اپنے خون سے باغ اسلام کو سیریا تھا آج وہ بدنام ہے۔

صحابہ کرامؓ کی زندگیاں بڑی سادہ، پر خلوص اور پاکیزہ تھیں جن کو دشمنان اسلام نے اپنی مخصوص طرز کی رنگ آمیزی سے کچھ کا کچھ بنا دیا۔ ان کی مدافعت کرنا ہر دردمند مسلم کا فریضہ ہے۔

مذکورہ بالا تاریخ اسلام کی ترتیب میں جماعت المسلمین کے پیش نظر یہ بھی ایک اہم مقصد تھا کہ لوگوں کو بتایا جائے کہ قرآن و حدیث صحابہ کرامؓ کے بارے میں کیا کہتے

ہیں۔ ان کے صحیح حالات و واقعات کیا ہیں اور یہ کہ صحابہ کرامؓ کی جماعت کو ان باتوں سے دور کا بھی واسطہ نہیں جن سے تاریخ کے اکثر اوراق سیاہ ہیں۔ ایسی کتاب کی اس دور پر فتن میں بے حد ضرورت تھی جس کو جماعت المسلمین نے اپنا فریضہ سمجھتے ہوئے پورا کیا۔ یہ تاریخ ایک ہزار صفحات سے زیادہ پر مشتمل ہے۔ اگرچہ یہ ایک مختصر تاریخ ہے لیکن بڑی جامع اور ٹھوس ہے۔

جماعت المسلمین کے مقاصد میں ایک مطول تاریخ کے مرتب کرنے کا بھی منصوبہ ہے۔ یہ تاریخ بہت ضخیم ہوگی اس تاریخ میں قرآن مجید اور صحیحین کے علاوہ تمام کتب احادیث اور تمام کتب تاریخ سے ایسی روایتیں شامل کر دی جائیں گی جو سنداً صحیح ہوں گی اور قرآن مجید اور صحیح احادیث کے مطابق ہوں گی۔ اسی کے ساتھ ساتھ اس مطول تاریخ میں ان تمام روایتوں کو مع جرح و تنقید کے نقل کر دیا جائے گا جو اسلامی تاریخ پر کلنگ کاٹیکہ ہیں تاکہ تاریخ کا طالب علم ہی نہیں بلکہ ہر شخص ان مختصر واقعات سے واقف ہو جائے اور اپنے اسلاف کے متعلق بدگمانی کا شکار نہ ہو۔ یہ کام بہت اہم بھی ہے اور بہت مشکل بھی۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ اس کام کے تکمیل کی ہمیں توفیق عطا فرمائے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

## فیشن پرستی

**بال** | بالوں کا رکنا سنت، اُن کی اصلاح اور اُن کا اکرام ضروری (ابوداؤد) قطعاً ممنوع ہے کہ بالوں کو پرانگندہ رکھا جائے (احمد) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”بے شک اللہ خوبصورت ہے اور خوبصورتی کو پسند کرتا ہے (صحیح مسلم) لہذا اس اصول کی روشنی میں بال خوبصورتی سے سجے ہوئے ہونے چاہئیں نہ کہ کبھرے ہوئے۔ بالوں میں لنگھی کی جائے پہلے سیدھی طرف پھر الٹی طرف (صحیح بخاری) سر کے پیچ میں مانگ نکالی جائے (ابوداؤد) بالوں میں کثرت سے تیل ڈالا جائے جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا کرتے تھے (شرح السنۃ مشکوٰۃ) بالوں میں خوشبو لگائی جائے (صحیح بخاری) سفید بال چنے نہ جائیں (ابوداؤد) اگر بال سفید ہو جائیں تو اُن کو رنگ لیا جائے تاکہ اہل کتاب سے مشابہت نہ ہو۔ لیکن سیاہ خضاب نہ لگائیں (صحیح مسلم) غرض یہ کہ بالوں کی اصلاح کی کوشش کریں۔ لیکن اسکا یہ مطلب بھی نہیں کہ ہر وقت بناؤ سنگھار ہی ہوتا ہے۔ یہ جذبہ آرائش و نمائش ایک حد تک تو مسنون ہے لیکن اس کی زیادتی ممنوع ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس جذبہ آرائش کو بال

سنة اثنا عشر



آزاد نہیں چھوڑا بلکہ پابندی عائد کر دی کہ روزانہ کنگھی نہ کی جائے بلکہ ایک دن بیچ کی جائے (ابوداؤد)  
 ہاں اگر بال بہت گھنے ہوں تو روزانہ کنگھی کی جاسکتی ہے (نسائی) گویا اسلام ایک معتدل دین ہے  
 جس میں نہ افراط ہے نہ تفریط۔ بالوں کی لمبائی کی بھی حد بندی کر دی (ابوداؤد) رسول اللہ صلی اللہ  
 علیہ وسلم کے بال کم سے کم نصف کانوں تک اور زیادہ سے زیادہ کندھوں تک ہوا کرتے تھے،  
 (صحیح مسلم) مردوں کو عورتوں کی مشابہت سے منع فرمایا اور عورتوں کو مردوں کی مشابہت سے  
 منع فرمایا (صحیح بخاری) یعنی عورتیں اتنے چھوٹے بال نہ کریں کہ مردوں کے مشابہ ہو جائیں، اور نہ مرد  
 اتنے لمبے بال کریں کہ عورتوں کے مشابہ ہو جائیں۔ غیر مسلمین کی نقالی سے منع فرمایا (ابوداؤد) عورتوں  
 کو مصنوعی بال جوڑ کر لمبے کرنے سے منع فرمایا (صحیح بخاری) (نوٹ: مندرجہ بالا احادیث صحیح  
 یاحسن ہیں)

سر کے بالوں کے متعلق احکام کا مختصر خاکہ آپ کے سامنے پیش کیا گیا۔ اس کا مقصد یہ  
 بھی ہے کہ آپ کو ان احکام کا علم ہو جائے لیکن اصل مقصد جو اس وقت ہمارے پیش نظر ہے  
 وہ یہ ہے کہ ہم اپنے ایمان و عمل کا جائزہ لیں۔ دیکھنا یہ ہے کہ ہمارا ایمان اللہ اور رسول پر ہے یا  
 فیشن پر۔ ہم اللہ پرستی کرتے ہیں یا فیشن پرستی۔ غور کیجئے، اللہ تو یہ چاہتا ہے کہ ہم بالوں میں تیل  
 ڈالیں۔ اگر اللہ یہ حکم دیتا کہ سر میں تیل نہ ڈالا جائے یا بالوں کو خشک رکھا جائے تو یہ حکم ہم پر بڑا  
 بارگذاڑتا۔ یا تو ہم اسلام کو خیر باد کہہ دیتے، او واکر نہیں تو مٹلا کو ضرور بڑا بھلا کہہ کر دل کی بھڑاس  
 نکالتے لیکن انہی بالوں کا خشک رکھنا فیشن بن کر جب ہمارے سامنے آیا تو ہم نے خندہ پیشانی  
 سے اُسے خوش آمدید کہا۔ بتائیے یہ اللہ پر ایمان ہے یا فیشن پر۔  
 حکم تھا کہ نصف کان سے کندھے تک بال رکھے جائیں لیکن ہم نے اس کی بھی خلاف ورزی  
 کی۔ جدید طریقہ کے بال رکھے جن کو عرف عام میں انگریزی بال کہا جاتا ہے۔ کیا یہ اللہ پر ایمان  
 ہے یا مغربی تہذیب پر۔

سنت ہے کہ سر کے بیچ میں مانگ نکالی جائے۔ ہم نے اس سنت کو بھی چھوڑا۔ یا تو مانگ  
 نکالی ہی نہیں، سارے بال پیچھے موڑ دیئے۔ اور اگر نکالی بھی تو سر کے ایک جانب بالوں میں جو توازن  
 شریعت کو مد نظر تھا اس کو ہم نے پسند نہیں کیا۔ سیدھی مانگ کے بجائے ٹیڑھی مانگ نکالی اور  
 اسی پر کیا بس ہے، ہمارا ہر کام ٹیڑھا ہو گیا۔ دل بھی گج ہو گئے۔ اب ہم فیشن کی تو پرواہ کرتے  
 ہیں، شریعت کی پرواہ نہیں کرتے۔

عورتوں نے سر پر گویا ہان نما بال رکھنے شروع کر دیئے۔ فیشن پرستی نے حسن و دلکشی کا باغ  
 اجاڑ دیا۔ لیکن ان کو احساس تک نہ ہوا۔ نقالی کا جذبہ دل و دماغ پر اس قدر مستولی ہوا کہ  
 جذبہ تزین و تحسین فیشن پرستی کی نذر ہو گیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صد ہا سال پہلے



ایسی عورتوں کی پیشین گوئی کر دی تھی جن میں منجملہ اور صفات کے یہ صفت بھی بیان کی تھی اور پھر فرمایا تھا کہ ایسی عورتوں کو جنت کی خوشبو بھی میسر نہ ہوگی (صحیح مسلم) غرض یہ کہ ہم نے وہ کام کیا جس کی ممانعت تھی۔ کیا اسی کا نام ایمان بالشرع ہے۔

مزید سنئے۔ فیشن پرستی اور مغربی تہذیب کی نقالی ہمیں کہاں سے کہاں لے گئی۔ لیجئے اب گڈی پر بھی بال بڑھنے شروع ہو گئے۔ بد بھیتی اور بدنمائی کی یہ ایسی زندہ مثال ہے کہ اس کے متعلق کچھ نہ کہا جائے تو بھی کافی ہے۔ اگر اس طرح بال رکھنا اسلامی طریقہ ہوتا تو کیا یہ ایمان کا دعویٰ کرنے والے اس طرح کے بال رکھتے؟ کیا ایسا کرنے والوں کو وحشی اور جنگلی نہ کہا جاتا۔ کیا اسلام کو غیر مذہب دور کا مذہب نہ کہا جاتا۔ لیکن افسوس نقالی اور فیشن پرستی نے خوبسورتی کے فطری رجحان کو ملیا میٹ کر دیا۔ یہ ہے ایمان بالفیشن۔ کاش یہ بات اللہ اور رسول کے احکام کے ساتھ ہوتی تو پھر ایمان اپنی بہاریں دکھاتا اور نقالی نے جو احساس کمتری پیدا کر کے ہمیں ذلیل کر دیا یہ نوبت نہ آتی۔ ہماری تہذیب زندہ ہوتی، ہمارا وقار بلند ہوتا اور ہم دنیا کی سب سے زیادہ طاقت ور اور متمددن قوم ہوتے۔

اب بھی وقت ہے سنبھل جائیے۔ ایمان باللہ کو استوار کیجئے۔ اُس دن کو یاد کیجئے جس دن آپ کو اللہ کے سامنے حساب دینا ہے۔ اُس دن اللہ کے عذاب سے بچانے والا کون ہوگا۔ یہ نیا چند روزہ ہے۔ یہ وہاں کام نہ آئے گی۔ نہ فیشن پرستی فلاح کا باعث بنے گی۔ بلکہ غضبِ الہی کا موجب ہوگی۔ جن کی نقالی پر آپ کو ناز ہے یہ وہاں آپ کے کچھ کام نہ آسکیں گے۔ وہاں احکامِ الہی کی تعمیل میں محض اللہ کی رضا کیلئے جو کام کئے ہوں گے وہی کام آئیں گے۔ اگر آپ لا الہ الا اللہ پڑھتے ہیں تو اللہ کی حاکمیت تسلیم کیوں نہیں کرتے۔ اگر اشهدان محمد رسول اللہ آپ پڑھتے ہیں تو محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی اتباع کر کے اللہ کی حاکمیت کا عملی ثبوت کیوں پیش نہیں کرتے۔ جب تک اللہ کی پسند ہماری پسند نہ بن جائے اللہ کی حاکمیت کا دعویٰ صرف زبان پر ہے دل کی گہرائیوں میں اس کیلئے کوئی جگہ نہیں۔

**ڈاڑھی** رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”خَالِفُوا الْمُشْرِكِينَ وَاقْرَءُوا اللَّحْیَ وَاخْفُوا الشَّوَارِبَ۔ مشرکین کی مخالفت کرو، ڈاڑھیاں بڑھاؤ، مونچھوں کو پست کرو (صحیح بخاری) آپ نے فرمایا اِنْهَکُمُ الشَّوَارِبَ وَانْفُوا اللَّحْیَ۔ مونچھوں کو اچھی طرح پست کرو اور ڈاڑھیاں بڑھاؤ (صحیح بخاری) آپ نے حکم دیا اخْفُوا الشَّوَارِبَ وَادْفُوا اللَّحْیَ۔ مونچھوں کو پست کرو اور ڈاڑھیاں پوری رکھو (صحیح مسلم) حکم دیا جَزُوا الشَّوَارِبَ وَارْحُوا اللَّحْیَ خَالِفُوا الْمُجُوسَ۔ مونچھوں کو کتر دو اور ڈاڑھیاں لٹکنے دو مجوس کی

مخالفت کرو (صحیح مسلم)

فرمایا مونچھیں کترنا اور ڈاڑھی بڑھانا فطرت میں سے ہے (صحیح مسلم) یعنی اسلام کی فطرت میں داخل ہے اور انبیاء علیہم السلام کی سنت ہے۔ آپ نے فرمایا یہود و نصاریٰ بالوں کو رنگتے نہیں تم ان کی مخالفت کرو (صحیح بخاری و صحیح مسلم) یعنی اگر بال سفید ہو جائیں تو ہندی سے رنگ لیں ہندی اور دسمہ اس سے بہتر ہے اور زرد رنگ اس سے بھی بہتر ہے (ابوداؤد) فرمایا لیکن سیاہ خضابے بچو (صحیح مسلم) سفید بال چھننے کی ممانعت کی (ابوداؤد) لعنت کی اُن مردوں پر جو عورتوں کی مشابہت کریں۔ (صحیح بخاری) یعنی ڈاڑھی مونچھیں مونڈ کر عورتوں سے مشابہت نہ کرے۔ ڈاڑھی میں خوشبو لگاتا ہے (صحیح بخاری) ڈاڑھی میں کثرت سے کنگھی کرتا رہے (شرح السنہ) فرمایا جو مونچھیں نہیں کترنا وہ ہم میں سے نہیں (احمد، نسائی) [نوٹ: مندرجہ بالا تمام احادیث صحیح یا حسن ہیں]۔

ڈاڑھی، مونچھ کے متعلق احکام شرعیہ اوپر بیان کئے گئے ہیں۔ ان احکام کی روشنی میں اپنے افعال کا جائزہ لیجئے کہ آپ کیا کر رہے ہیں۔ حکم دیا گیا تھا کہ مشرکین کی مخالفت کرو۔ آپ نے مشرکین کی موافقت کی حکم تھا کہ مجوس کے طرز سے دور رہو آپ نے مجوس کے طرز کو گلے سے لگایا۔ کیا یہی ایک مسلم کی شان ہے کہ جو کما جائے اُس کے خلاف کیا جائے کیا اللہ اور اس کے رسول کی محبت کا یہی تقاضا ہے۔ کیا یہی ایمان باللہ اور ایمان بالرسول ہے۔

حکم یہ دیا گیا تھا کہ مونچھوں کو کترو، آپ نے مونچھوں کو بڑھایا اور اتنا بڑھایا کہ شکل و حشtnاک ہو گئی۔ حکم تھا کہ مونچھوں کو نپت کرو۔ آپ نے بالکل ہی مونڈ ڈالا۔ شریعت نے خوبصورتی کے پہلو کو مد نظر رکھتے ہوئے صرف کترنے کا حکم دیا تھا۔ آپ نے مونڈ کر خوبصورتی کو ختم کر دیا۔ کبھی مونچھیں مونڈنا شرف و عزت کے منافی سمجھا جاتا تھا لیکن آپ نے شرف و عزت کو بھی خیر باد کہہ دیا۔ فیشن کو اختیار کیا۔ بد صورتی آپ کی پسند بن گئی، ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ اللہ کی پسند آپ کی پسند ہوتی اور یہی ایمان کی شان بھی ہے لیکن ہوا اس کے برعکس اگر اسلام یہ حکم دیتا مونچھیں منڈا دو تو شاید آپ اسلام کو عزت و شرف حسن و جمال کا مخالف سمجھ کر طرح طرح کے اعتراض کرتے۔ لیکن یہی چیز جب دوسری قوم سے تھیں ملی تو ہم نے اُسے سر آنکھوں پر رکھا۔ کیا یہ اللہ پرستی ہے یا فیشن پرستی۔ غور کیجئے۔ اس فیشن پرستی نے آپ کو کہاں کہاں اٹھا کر پھینکا۔ دو منکھیوں کے برابر مونچھوں کا فیشن آیا تو



آپ نے اُسے خوش آمدید کہا۔ ایک لکیر مونچھ کا فیشن آیا تو آپ نے اس کی پیروی کی غرض یہ کہ آپ ہر ہر مرحلہ پر نقالی کرتے چلے گئے۔ کہیں استقامت نہیں دکھائی کہ اپنی وضع، اپنی شریعت پر جھبے رہتے۔

حکم دیا گیا تھا کہ ڈاڑھیاں ٹکنے دو لیکن آپ نے اس کے بھی خلاف کیا۔ ٹھاکریں اور سکھوں کی نقالی میں ڈاڑھیاں بھی چڑھائیں۔

حکم دیا گیا تھا کہ ڈاڑھیوں کو پورا رکھو، آپ نے اوپر نیچے خط بنا کر ڈاڑھی کو ناقص کر دیا پھر طرہ یہ کہ اسی کو سنت سمجھنے لگے۔ چہرے کی نزاکت کو اُسترے سے ملیا میٹ کر دیا۔ اپنی ہیئت آپ بگاڑ لی اور سمجھے یہ کہ اصلاح ہے حکم دیا گیا تھا کہ ڈاڑھیاں بڑھاؤ۔ آپ نے خستخاشی ڈاڑھیاں رکھنی شروع کر دیں اور پھر مونڈ ہی ڈالیں۔ یہاں بھی آپ نے مشرکین اور مجوس کی موافقت کی۔ حاکم قوم کے طرز کو اچھا سمجھا۔ اسلامی طرز کو گھٹیا سمجھا۔ احساس کمتری کا شکار ہو گئے۔ وقار کھو بیٹھے۔ وضع داری ختم کر دی چھپوین اختیار کیا۔ ڈاڑھی اور مونچھیں مونڈ کر عورتوں سے مشابہت کی اور اس لعنت کے مستحق بن گئے جس کا ذکر حدیث میں آیا ہے۔ غرض یہ کہ آپ نے احکام الہی کو پس پشت ڈال دیا فیشن کو اختیار کیا فیشن آپکا دین بن گیا۔ ایمان باللہ کے بجائے ایمان بالفیشن رگڑے میں سرایت کر گیا۔

حکم دیا گیا تھا کہ ڈاڑھی کو بڑھاؤ۔ توفیر و کثیر شریعت کو محبوب تھی، پھر ساتھ ہی حسن و دلکشی اور مردانگی شائع کو ملحوظ تھی لیکن آپ نے کسی چیز کا لحاظ نہیں کیا۔ افسوس ڈاڑھی رکھی بھی تو کبھی فریج کٹ، کبھی قادیانی کٹ، کبھی رخساروں پر ڈاڑھی رکھی ٹھوڑی پر سے مونڈ دی کبھی ٹھوڑی پر رکھی رخساروں پر سے منڈوا دی کبھی رخساروں پر رکھی اور ٹھوڑی پر بھی لیکن دونوں کو ملا نہیں بلکہ درمیان میں دونوں طرف دھاریاں چھوڑ دیں غرض یہ کہ فیشن نے جدہ ہر موٹا اُدھر آپ مڑ گئے فیشن نے جوکر (JOKER) بنا دیا جو کر بن گئے لیکن جذبہ وقار کو ٹھیس تک نہ لگی ڈاڑھی سنت سمجھ کر رکھی بھی تو طرز دوسروں کا اختیار کیا۔ سنت سے محروم ہی ہے۔ اللہ کو خوش نہیں کیا اپنی ذات کو خوش کرتے ہے۔ بدعتی اختیار کرتے ہے اور اس کو خوبصورتی سمجھتے ہے۔ ڈاڑھی کھڑ بھی اللہ تعالیٰ کو راضی نہ کیا۔ کیا یہی ایمان باللہ کی شان ہے۔ کیا اسی کو اتباع رسول کہتے ہیں۔ کیا آپ نے کبھی اپنے ایمان و عمل کا جائزہ لیا۔ ایمان کا کیا تقاضہ ہے اور آپ کیا کر رہے ہیں۔ کیا اس قسم کی ڈاڑھی کا حکم اگر اسلام دیتا تو آپ مان لیتے۔ ہرگز نہیں بلکہ اسلام کو دورِ حاضر کیلئے ناقابلِ عمل سمجھتے۔ لیکن فیشن کو آپ نے وہ جواب نہیں دیا فیشن سے محبت اور احکام الہی سے نفرت کیا یہ ایمان باللہ ہے یا ایمان بالفیشن۔



ایک وقت آنیوالا ہے آپ کو اللہ تعالیٰ کے سامنے کھڑے ہو کر حساب کتاب دینا ہوگا۔ کیا اس پر آپ کا ایمان نہیں ہے۔ اگر ہے تو کیا آپ کو کچھ خوفِ آخرت ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ قیامت پر براے نام ایمان ہے یا سرے سے ہے ہی نہیں۔ قیامت کی ہولناکیوں اور عذابِ الہی کے تصور سے آپ کی حالت کیوں نہیں بدلتی۔ اب بھی وقت ہے۔ ہوش میں آئیے۔ اسلام کو چھوڑ کر بہت کچھ ذلیل و خوار ہو چکے۔ اگر اسی طرح اسلام سے روگردانی کرتے رہے، اخوۃ اسلامی کے بجائے قوم پرستی، صوبہ پرستی، وطن پرستی، ملک پرستی اور مسلک پرستی کو اختیار کئے رہے تو پھر بربادی یقینی ہے۔ دنیا میں بھی ذلت اور آخرت میں بھی ذلت نصیب ہوگی۔

**لباس** | یہ تو صحیح ہے کہ اسلام نے اپنے ماننے والوں کے لئے کوئی خاص لباس مقرر نہیں کیا لیکن اس کے یہ معنی بھی نہیں کہ اسلام نے مسلمانوں کو بالکل آزاد چھوڑ دیا کہ وہ جس طرح کا لباس چاہیں پہنیں۔ اسلام نے لباس کے کچھ اصول مقرر کئے لہذا جو لباس ان اصولوں کے مطابق ہے، وہ اسلام کے نزدیک جائز ہے اور جو ان اصولوں کے خلاف ہے وہ ناجائز ہے۔ یہ اصول مختصر ادرج ذیل ہیں :-

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کفار کا مخصوص لباس پہننے سے منع فرمایا (صحیح مسلم) کفار کی مشابہت سے منع فرمایا (ابوداؤد) مردوں کو عورتوں کی مشابہت سے منع فرمایا، (صحیح بخاری) مردوں کو پاجامہ وغیرہ ٹخنوں سے نیچا کرنے سے منع فرمایا (صحیح بخاری) - عورتوں کو پاجامہ وغیرہ اتنا نیچے رکھنے کا حکم دیا کہ ان کے قدم ڈھک جائیں (نسائی) مردوں کو خالص ریشمی کپڑا پہننے سے منع فرمایا (صحیح بخاری) میلے کپڑے پہننے سے منع فرمایا (احمد) بدبودار کپڑے کو ناپسند فرمایا (ابوداؤد) استطاعت کے باوجود اپنی حیثیت سے کم درجہ کا لباس ناپسند فرمایا (احمد) عورتوں کو باریک کپڑے پہننے سے منع فرمایا (صحیح مسلم) اسراف اور تکبر والے لباس سے منع فرمایا (نسائی) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آستین پہنچوں تک ہوتی تھیں (ابوداؤد) آپ اکثر سر پر کپڑا باندھے رہتے تھے (شرح السنۃ) یا عمامہ باندھے رہتے تھے (صحیح مسلم) عورتوں کو دوپٹہ اوڑھنے اور اس کا بالکل مار کے سینہ ڈھانکنے کا حکم دیا (قرآن مجید)۔

نوٹ :- مندرجہ بالا تمام احادیث صحیح یا حسن ہیں۔

یہ چند اصول ہیں جن کو ملحوظ رکھ کر لباس پہنا جائے تو وہ لباس جائز ہوگا۔ اگر ان اصولوں کی خلاف ورزی ہوئی تو وہ لباس ناجائز ہوگا، لیکن افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ وہ کونسا اصول ہے جسے آپ نے نہیں توڑا مگر آپ کو احساس تک نہیں۔

اسلام نے کہا پاجامہ وغیرہ ٹخنوں سے اونچا رکھو، آپ نے پتلونیں اور پاچا اتنے نیچے رکھے کہ زمین پر گھٹسنے لگے لیکن جب دوسری قوم کی طرف سے گھٹنوں تک کھلا رکھنے کا فیشن آیا تو آپ نے اسے مرجھا کر نیکر پہننے شروع کر دیے۔ جب مغربی تہذیب نے شورٹس (SHORTS) کا تحفہ دیا تو آپ نے رانیں بھی کھول دیں۔ شرم و حیا کو بالکل طاق رکھ دیا۔ کیا آپ بتا سکتے ہیں کہ اگر اسلام ایسا لباس پہننے کا حکم دیتا تو آپ اسے اختیار کرتے۔ نہیں بلکہ طرح طرح کے اعتراض کرتے لیکن واللہ تعالیٰ کھنے کھولنے تو کجا آپ نے رانیں تک کھول دیں۔ ٹخنوں سے نیچے پاجامہ لٹکایا تو آپ نے اسلامی اصول کو توڑا اور جب رانیں کھولیں تو اسلامی اصول کو توڑا اور محض توڑا ہی نہیں بلکہ دوسری قوم کے طرز کی برتری کے قائل ہو گئے۔ اسلامی طرز کے مقابلے میں اسے ترجیح دی۔ کیا یہ ایمان کی علامت ہے یا کفر کی؟

اسلام نے کہا پاجامہ وغیرہ ٹخنوں سے اوپر رہنا چاہئے لیکن آپ نہیں ملنے لیکن جب ٹیڈی پتلون کا فیشن آیا تو پھر جس کو دیکھو ٹخنوں سے اونچی پتلین پہنے ہوئے ہے۔ اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل آپ سے نہ ہو سکی لیکن فیشن کا کنا آپ نے مان لیا۔ کیا آپ اسلام کے دعوے میں سچے ہیں؟

رانیں کھولیں فیشن کی خاطر، رانیں ڈھانکیں فیشن کی خاطر لیکن پتلون کو اتنا چست کر دیا کہ رانوں کی پوری ساخت نظر آنے لگی۔ شرافت خاک میں مل گئی۔ کیا اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھنے والوں کی یہی شان ہوتی ہے کہ جو کام کریں اللہ تعالیٰ کی منشاء کے خلاف۔ ایک وہ زمانہ تھا کہ قمیص یا کرتے کے دامن لمبے ہو کر تہ تھے۔ آگے یا پیچھے سے اگر دامن اونچا ہو جاتا تھا تو اسے بُرا سمجھتے تھے۔ حیا کا دامن ہاتھ سے نہ پھوڑا تھا لہذا فوراً دامن کو نیچا کر لیا کرتے تھے لیکن آہ فیشن نے وہ احساس بھی معدوم کر دیا۔ مستقل طور پر دامنوں کو خیر باد کہہ دیا، وہ دامن جو کبھی باہر رہا کرتے تھے پتلون کے اندر رہنے لگے۔ بے حیائی کی طرف یہ پہلا قدم تھا اس کے بعد قدم آگے بڑھتے چلے گئے بالآخر بے دامن کی قمیصیں نکل آئیں۔ پھر قمیص ڈھیلی ہوئی تو اتنی کہ اس میں دو آدمی سما جائیں اور تنگ ہوئی تو اتنی کہ اس نے بنیان کی شکل اختیار کر لی۔ بے آستین کا بنیان اور چست پتلون، دامن غائب، اعضاء کا نشیب و فراز آشکار۔ الغرض اسلامی تہذیب کو فنا کر کے آپ خوش ہوتے رہے اور پھر بھی اپنے کو مسلم کہتے رہے۔

بازاروں میں ننگے سر پھیرنا اسلامی تہذیب نہیں تھی۔ ایک وہ وقت تھا کہ دستار بندی اور تاج پوشی کو باعث اعزاز سمجھا جاتا تھا۔ ٹوپی یا عمامہ زینت میں شمار ہوتا تھا اور نہ



صرف زینت بلکہ باعث وقار سمجھا جاتا تھا لیکن افسوس اسلامی تہذیب کو یہاں بھی آپ نے خیر باد کہہ دیا البتہ کچھ عرصہ تک نمازیں یہ احساس باقی رہا لیکن آخر یہ بھی فیشن کی نذر ہو گیا۔ ننگے سر نمازیں ہونے لگیں۔ دوسری قوموں کی نقالی میں آپ ننگے سر رہنے لگے۔ جذبہ زینت فیشن کی نذر ہو گیا۔

غرض یہ کہ آپ اپنی تہذیب کو دوسروں کی تہذیب پر قربان کرتے رہے اور کر رہے ہیں۔ کیا یہی تعاضلے ایمان ہے۔ اے ایمان والو، ہوش میں آئیے۔ بہت وقت گزر گیا اب توفیشن پرستی چھوڑیے۔ اللہ پرستی اختیار کر لیجئے۔ اللہ تعالیٰ کی ہر بات میں خوبصورتی ہے لیکن مشکل تو یہ ہے کہ آپ کا زادیہ فکر ہی بدل گیا۔ بتائیے آپ میدانِ محشر میں کیا جواب دیں گے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

## وطن پرستی

سلسلہ اشاعت ۱۴۲

عام طور پر لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ حُبُّ الْوَطَنِ مِنَ الْإِيمَانِ حدیث ہے اور اس کی بنیاد پر وطن سے محبت کرنے اور پھر اس محبت میں غلو کرنے کو جائز ہی نہیں بلکہ ایمان کی نشانی سمجھتے ہیں حالانکہ یہ حدیث نہیں ہے اور نہ اس کی کوئی سند ہے۔ (موضوعات کبیر ص ۳۵)۔ کتنے افسوس کا مقام ہے کہ ایک چیز جو اسلام کے قطعاً منافی ہے اس کو ایمان کی نشانی سمجھا جائے اور بغیر تحقیق ایک غلط بات کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کیا جائے۔ لوگوں کی بھی عجیب حالت ہے کہ کسی چیز کی تحقیق نہیں کرتے۔ ہر سنی سنائی بات پر اعتماد کر لیتے ہیں خواہ وہ بات اسلام کے کتنے ہی مخالف کیوں نہ ہو۔ وہ اسلام جو عالمگیر اخوت کا درس دیتا ہو اس میں ملکی حدود قائم کرنا اسلام کو خیر باد کہنے کے مترادف ہے۔ ملکی حدود کی محبت کو ایمان قرار دینا یقیناً شریعت سازی ہے۔ اس سے اسلام کی بنیادیں ہل جاتی ہیں۔ اتفاق و اتحاد اور وحدت امت کا زریں اصول یکسر ختم ہو کر رہ جاتا ہے۔ امت مسلمہ مختلف ملکی حدود میں تقسیم ہو کر عصبیت کا شکار ہو جاتی ہے۔ جتنے ملک اتنی قومیں بن جاتی ہیں۔ ایک قوم پر مصیبت آتی ہے تو دوسری قومیں تماشہ دیکھتی ہیں۔ ایک قوم پر دشمن یلغار کرتا ہے تو دوسری قومیں چین کی بنسری بجاتی ہیں بلکہ بعض اوقات دشمن سے ساز باز



کر لیتی ہیں۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ایک ایک کر کے وہ قومیں سیاسی اعتبار سے تو کلیتہً فنا ہو جاتی ہیں البتہ دینی اعتبار سے اگر کلیتہً فنا نہیں ہوتیں تو فنا کے قریب ضرور پہنچ جاتی ہیں۔ تاریخ میں ایسی مثالیں بھی ملتی ہیں کہ بعض ملکوں سے سیاسی اور دینی دونوں اعتبار سے متعدد قومیں کلیتہً نیست و نابود ہو گئیں۔ اسے کاش ہم اب بھی سنبھل جائیں اور اسلام کی زریں اصول پر عمل کر کے سب ایک مسلم قوم بن جائیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:-  
**اِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ اِخْوَةٌ (الحجرات)** تمام مومن بھائی بھائی ہیں۔

یہ ہے وہ عالمگیر اخوت اور وحدت جو دنیا بھر کے مسلمین کو ایک رشتہ میں منسلک کر دیتی ہے۔ ایک مسلم کا نقصان پوری قوم کا نقصان سمجھا جاتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:-

تَرَى الْمُؤْمِنِينَ فِي تَرَاخُمِهِمْ وَ تَوَادِّهِمْ وَ تَعَاظُمِهِمْ كَمَثَلِ الْجَسَدِ اِذَا اشْتَكَى عَضْوٌ تَدَاعَى لَهُ سَائِرُ الْجَسَدِ بِالشَّهْرِ وَالْمِحْيِ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

تم دیکھو گے کہ مومنین آپس کے ترحم، محبت و مہربانی میں ایک جسم کے مانند ہیں۔ اگر ایک عضو کو تکلیف پہنچتی ہے تو باقی تمام اعضاء بے غرابی اور بخار کے ساتھ ایک دوسرے کو بلا تے ہیں۔

یعنی تمام اعضاء اس ایک عضو کی تکلیف کو اپنی تکلیف سمجھتے ہیں اور اس کی مدد کے لئے تیار ہو جاتے ہیں۔ ہر عضو اس تکلیف کو دور کرنے کے لئے اپنا اپنا کردار ادا کرتا ہے۔ یہی حال مسلمین کا بھی ہونا چاہیے تھا۔ ایک مسلم کی تکلیف سے تمام عالم کے مسلمین کو تکلیف ہونی چاہیے تھی۔ سب کا انفرادی و اجتماعی فرض تھا کہ اس کی مدد کو دوڑتے لیکن جو کچھ ہو رہا ہے وہ بالکل اس کے برعکس ہے۔ تکلیف کو دور کرنا تو کجا خود تکلیف پہنچا رہے ہیں۔ بھائی بھائی کا گلا گھونٹ رہا ہے۔ ایک دوسرے پر ظلم کر رہا ہے اور ایسی ایسی اذیتیں پہنچا رہا ہے کہ جس کو سن کر رونگٹے کھڑے ہوتے ہیں۔ ایمان تو ایمان انسانیت سرپیٹ لیتی ہے۔ یہ سب کچھ کیوں ہو رہا ہے، ملکی و صوبائی حدود کی خاطر ملکی و صوبائی حدود کی محبت نے اس قدر مدھوش کر دیا ہے کہ ایک ہم وطن کافر کو مسلم پر ترجیح دی جا رہی ہے۔ کیا یہی اسلام ہے؟ کیا یہی اللہ پرستی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:-

اَلْمُؤْمِنُ مِنَ الْمُؤْمِنِ كَالْبُنْيَانِ يَشُدُّ بَعْضُهُ بَعْضًا (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

ایک مومن دوسرے مومن کے لئے ایک عمارت کے مانند ہے کہ اس کا ایک حصہ دوسرے

حصہ کو مضبوط رکھتا ہے۔

مسلم

اس حدیث کا تقاضا یہ تھا کہ ہم ایک دوسرے کی قوت میں اضافہ کرنے۔ سب مل کر ایک عمارت بن جاتے کسی مسلم ملک کی حفاظت صرف اس ملک کے مسلمان ہی پر ضروری نہیں بلکہ دنیا کے ہر مسلم پر لازمی ہے لیکن ہمارا طرز عمل اس کے برخلاف ہے اور پھر بھی ہمیں دعویٰ ایمان ہے۔ پھر بھی ہم مؤمن ہیں! اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :-

وَاَعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللَّهِ جَمِيعًا وَلَا تَفَرَّقُوا (آل عمران) سب مل کر اللہ کی رستی کو مضبوطی سے پکڑ لو اور فرقے فرقے نہ بنو۔

لیکن وائے افسوس کہ اب تک ہم دینی فرقوں کو ہی رو رہے تھے کہ اب ہمیں ملکی و صوبائی فرقوں میں تقسیم کر دیا گیا ہے۔ دشمن کی چال کامیاب ہو گئی۔ ہمیں وطن کی محبت میں الجھا کر اسلام سے دور کر دیا۔ ملکی اور وطنی رشتہ کو اسلامی رشتہ پر ترجیح دی جلنے لگی۔ ہم پہلے ملکی اور بعد میں مسلم بننے پر فخر کرنے لگے بلکہ مسلم بننا تو محض رسمی یا سیاسی حربہ کے طور پر باقی رہ گیا۔ کافر قوموں کی نقالی میں ہمارے ہاں بھی مادر وطن نے جنم لیا۔ وطن کو دیوتا سمجھنے لگے۔ وطن کی خاطر مرنے اور جینے کا رجحان پیدا ہوا۔ اللہ تعالیٰ کا رشتہ کالعدم ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ کی محبت کی جگہ وطن کی محبت آگئی۔ شرک کی دادیوں میں ہم ٹامک ٹوئیاں مارنے لگے۔ وطن کا بت دل و دماغ پر چھپا گیا۔ اسلام اور ایمان کا نام محض رسمی رہ گیا۔

اے ایمان کا دعویٰ کرنے والو، ہوش میں آئیے۔ اگر آپ واقعی اللہ تعالیٰ اور آخرت پر ایمان رکھتے ہیں تو بتائیے اس وطن پرستی کا آپ اللہ تعالیٰ کو کیا جواب دیں گے۔ وطن کی خاطر مسلم کشی کا آپ کے پاس کیا عذر ہوگا، کیوں آپ وطن کی طرف نسبت کرتے ہیں؟ کیوں نہیں کہتے :-

مسلم ہیں ہم وطن ہے سارا جہاں ہمارا

حجۃ الوداع میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا تاریخی اعلان تمام مسلمانوں کے لئے روشنی کا مینار ہے۔ آپ نے فرمایا تھا: اے لوگو، تمہارا رب ایک ہے اور تمہارا باپ بھی ایک ہے۔ عربی کو عجمی پر اور عجمی کو عربی پر کوئی فضیلت نہیں اور گورے کو کالے پر اور کالے کو گورے پر کوئی فضیلت نہیں مگر تقوے کی بنیاد پر (مسند امام احمد۔ بلوغ ۱۲۶ و سندہ صحیح)۔ عالمگیر اخوت کا یہ اعلان تمام مسلمانوں کو ایک خاندان

کی حیثیت عطا کرتا ہے۔ ان کو الگ نہیں کیا جاسکتا، ان کو ملکی و وطنی طبقات میں تقسیم نہیں کیا جاسکتا۔ ملت اسلامیہ ایک وحدت ہے۔ اس کے ٹکڑے ٹکڑے نہیں کئے جاسکتے۔ اے ایمان والو، اپنے دشمن سے ہوشیار رہیے۔ یہ تم کو وطن پرستی کا سبق دے کر بالواسطہ تمہارے دین کو ختم کرنا چاہتے ہیں، اے ایمان والو، عصبیت کو اٹھا کر پھینک دیجئے۔ ایک اللہ تعالیٰ کو ماکم مانیے۔ اُسی کے لئے محبت کیجئے۔ اسی کے لئے بغض رکھیے۔ ایک امام یعنی اللہ تعالیٰ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے جھنڈے کے نیچے جمع ہو جائیے۔ بس انہی کی پیروی کیجئے۔ اپنے کو صرف مسلم کہیے اور بس۔ نہ اس سے پہلے کچھ کہیے اور نہ اس کے بعد کچھ کہیے۔ فرقہ وارانہ ناموں کو ختم کر دیجئے۔ اپنا دین صرف اسلام کو قرار دیجئے۔ فرقہ وارانہ مذاہب، مسالک اور مکاتب فکر کو ختم کر دیجئے۔ فرقہ بندی کو نیست و نابود کر دیجئے۔ وطن پرستی، زبان پرستی، صوبہ پرستی، خاندان پرستی، ملک پرستی، مذہب پرستی، کے بتوں کو توڑ کر پھینک دیجئے۔ قرآن مجید اور حدیث نبوی کی پیروی کیجئے اور سب مل کر ایک ہو جائیے۔

جامعۃ المدین



بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

# فتنے اور ان کا سدِ باب

سلسلہ اشاعت ۱۹

## ① فتنے

### قادیانیت۔ ایک عظیم خطرہ

اے ایمان والو! کچھ خبر بھی ہے کہ آپکے گرد و پیش کیسے کیسے فتنے پھیلے ہوئے ہیں؟ آپ کو اپنی اولاد اور آئندہ نسلوں کے ایمان کی بھی کچھ فکر ہے؟ آپ کی اولاد کس ماحول میں گھری ہوئی ہے؟ نوجوان طبقہ کس طرح ذہریلے براہِ شیم اپنے ذہن میں پیوست کرتا چلا جا رہا ہے؟ منکرینِ ختمِ نبوت کی ریشہ دوانیوں کا بھی آپ کو کچھ علم ہے؟ کیا آپ کو معلوم ہے کہ زہر کی گولیاں مالی اعانت، طبی امداد اور ذاتی خدمات کی شکر میں پیٹ کر ہمارے حلق میں اتاری جا رہی ہیں؟ طبی امداد کے بہانہ کس طرح ہمارے عوام و خواص میں روحانی بیماری پیدا کی جا رہی ہے؟

ایمان کے ڈاکو چھپ کر آتے ہیں، وہ کچھ دے کر بہت کچھ چھین لیتے ہیں۔ چھینی ہوئی چیز ایمان ہوتی ہے۔ ان کے متعدد اسکول اور مدارس قائم ہیں جہاں لوگ دین و ایمان کے لئے خطرہ محسوس کرتے ہوئے بھی اپنے بچوں کو تعلیم دلا رہے ہیں۔ یہ کیوں ہو رہا ہے، اس لئے کہ لوگوں کا زاویہٴ نظر

بل گیا ہے۔ لوگوں کو مادیت مطلوب ہے اور یہی وہ چیز ہے جو قادیانی اسکولوں اور مدارس میں بآسانی مل جاتی ہے۔

ان کے مبلغ پہلے تو کھلم کھلا تبلیغ کرتے پھرتے تھے اور اب خفیہ تبلیغ میں مصروف ہیں۔ براہ راست تبلیغ کرنے کے بجائے اب انہوں نے تبلیغ کا نیا طرز اختیار کیا ہے۔ اب وہ ہمارے ہی ببادے میں ہمارے پاس آتے ہیں۔ ہماری اور ہمارے نوجوان طبقہ کی خیر خواہی کے بہانے وہ ہمارے سامنے منکرینِ ختم نبوت کے اعتراضات پیش کرتے ہیں۔ وہ یہ ظاہر کرتے ہیں کہ ان اعتراضات کے جوابات معلوم کر کے وہ اپنے کو مطمئن کرنا چاہتے ہیں اور اپنے ایمان کو بچانا چاہتے ہیں۔ وہ اپنے کو عالم ظاہر نہیں کرتے لیکن وہ آیات و احادیث جو بظاہر ان کے نظریہ کی تائید کرتی ہیں ان کی نوک زبان ہوتی ہیں۔ وہ ان آیات و احادیث کو سنا کر ان کا جواب ہم سے طلب کرتے ہیں۔ اگر جواب دیا جائے تو جواب الجواب بھی ان کے پاس ہوتا ہے۔ اگر وہ لا جواب ہو جاتے ہیں تو کوشش کرتے ہیں کہ اپنے کسی بڑے مبلغ کے پاس ہمیں لے جائیں۔ ان کے چھوٹے اور بڑے مبلغ تحریری بحث پر راضی نہیں ہوتے۔ ان کے مبلغ دن و رات اسی کام میں لگے رہتے ہیں کہ مخالف کے ہر اعتراض کا جواب پہلے سے تیار کر لیں تاکہ مخالف اگر حاضر جواب اور مشتاق نہ ہو تو لا جواب ہو جائے اور وہ اس کو اپنی فتح شمار کریں۔ اگر وہ لا جواب ہو جاتے ہیں تو دھوکا دے کر دوسرا مضمون شروع کر دیتے ہیں اور شکست فاش سے بچ کر نکل جاتے ہیں۔

قادیانیوں نے اپنی تبلیغ کے لئے ایک علیحدہ فنڈ قائم کر رکھا ہے جس کے ذریعہ ہزاروں مبلغ تیار کئے جاتے ہیں اور ان کو ہر قریب اور ہر گاہ میں متعین کیا جا رہا ہے۔ ہر مبلغ تبلیغ کے لئے مادی وسائل بھی استعمال

۱۔ سرکاری طور پر قادیانیوں کو کافر قرار دیا جا چکا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ اس فیصلہ سے ان کا تبلیغی منصوبہ متاثر ہوا ہو۔

کرتا ہے۔ نادار اور بے علم افراد ان کے جال میں پھنس جاتے ہیں۔ غرضکہ یہ فتنہ پوری طرح سے پھیل چکا ہے لیکن ہماری غفلت کا وہی حال ہے۔ اے لوگو، ہوش میں آئیے۔ آخرت کی فکر کیجئے۔ اولاد کے ایمان کو محفوظ رکھنے کا بندوبست کیجئے۔ آئندہ نسلوں کو اس فتنہ سے بچائیے۔ اپنے رویہ کو دین کی حفاظت کے لئے خرچ کیجئے۔ ایسے اسکول اور کالج کھولئے جن میں آپ کی مطلوبہ مادیت بھی ہو اور ایمان بھی سلامت رہے۔ نادار افراد کی مالی پریشانیوں کا سد باب کیجئے تاکہ ایمان کے ڈاکو ان کی بد حالی سے فائدہ نہ اٹھا سکیں۔ آپ بھی تعلیمی فنڈ قائم کیجئے۔ ذہین طلباء کو وظیفے دیجئے تاکہ وہ قرآن مجید اور احادیث نبوی کی تعلیم سے آراستہ ہو کر گمراہی سے بچ سکیں۔ اگر آپ کی آئندہ نسل گمراہ ہو گئی تو اس کی ذمہ داری آپ پر ہوگی۔ میدانِ محشر میں آپ کیا جواب دیں گے۔

## سوشلزم۔ ایک دل فریب دھوکا

عام طور پر کہا جاتا ہے کہ سوشلزم کا مقصد انسانوں میں معاشی ابتری کو ختم کرنا ہے لہذا سوشلزم اسلام کے بہت قریب ہے، لیکن یہ بات صحیح نہیں۔ سوشلزم کو اسلام سے کوئی نسبت نہیں۔ جو لوگ یہ بات کہتے ہیں وہ اسلامی نظریہ معیشت سے قطعاً نا بلند ہیں ورنہ ایسی غلط بات کبھی نہیں کہتے۔

اسلامی نظریہ معیشت خالق کائنات کا دیا ہوا ہے۔ آفاق و انفس کے احوال و کوائف سے کسی انسان کو اتنی واقفیت نہیں ہو سکتی جتنی کہ آفاق و انفس کے خالق کو ہو سکتی ہے۔ خالق کائنات کا علم زمان و مکان کے نشیب و فراز اور احوال و افکار کی تبدیلیوں پر حاوی ہے۔ برخلاف اس کے انسان کی بے بسی کا یہ عالم ہے کہ وہ اپنے ہی سود و زیاں سے آگاہ نہیں، اُسے یہ ہی نہیں معلوم کہ کل وہ کیا کرے گا اور کل اُسے کس چیز کی



ضرورت ہوگی ایسی صورت میں اُس کا بنایا ہوا نظام معیشت تمام انسانوں کی فلاح و بہبود کا ضامن کیسے ہو سکتا ہے۔

اسلامی نظام کے تمام اجزاء باہم مربوط ہیں۔ ضابطہ اخلاق ہو یا دستور تمدن، معیشت ہو یا سیاست، عبادت ہو یا خدمت خلق سب میں ایک ہی روح کارفرما ہے جو ان تمام اجزاء میں ہم آہنگی اور انضباط پیدا کرتی ہے اور یہ روح اللہ تعالیٰ کی رضا رچوتی ہے۔ اگر کسی نظام میں یہ روح نہ ہو تو وہ نظام خواہ کتنا ہی شاندار کیوں نہ ہو اُس کو اسلام کے قریب کہنا سراسر غلط فہمی ہے۔

سوشلزم کے عوامل | اب ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ سوشلزم کے عوامل کیا ہیں۔ وہ کون سے تصورات ہیں جو سوشلزم کو جنم دیتے ہیں۔ سوشلزم کی اصل روح کیا ہے۔ اگر ہم غور کریں تو ہم اس نتیجہ پر پہنچیں گے کہ جس نظام کو سوشلزم قائم کرنا چاہتا ہے اس کی روح دنیوی خوش حالی اور حرص و ہوس کے سوا اور کچھ نہیں۔

سوشلزم نظام کا اجمالی خاکہ یہ ہے :-

۱۔ سوشلزم کلی طور پر ملکیت کے معاملہ میں فرد کی انفرادی حیثیت کو ختم کر دینا چاہتا ہے۔ انفرادی جدوجہد اور ذاتی محنت سے حاصل کردہ سرمایہ یا جائداد کو اسٹیٹ کے قبضہ میں دینا چاہتا ہے۔

۲۔ دین کے تصور کو بتدریج مٹا کر سوسائٹی کی بنیاد معاشی اور مادی نظریوں پر قائم کرنا چاہتا ہے۔ سوشلزم کی ابتدا خوشنما دھوکے سے شروع ہوتی ہے اور کمیونزم کے خوفناک دیو پر منتہی ہوتی ہے۔

برخلاف اس کے :-

۱۔ اسلام افراد کی ملکیت کو برقرار رکھتا ہے۔ اسلام فرد کو جماعت سے الگ ہونے کی اجازت نہیں دیتا بلکہ فرد اور جماعت کے حقوق، حدود اور اختیارات کو متعین کرتا ہے۔ اسلام بتاتا ہے کہ فرد کس حد تک اپنی انفرادیت

برقرار رکھ سکتا ہے اور کس مقام پر اسکی انفرادیت جماعت کے وجود میں گم ہو جاتی ہے۔  
 فرد کی ذاتی صلاحیتیں اسی وقت ابھر سکتی ہیں جبکہ اُسے کام کرنے کی  
 کھلی آزادی دی جائے۔ اُس کے دل میں اس کام کے لئے جسے وہ کرنا چاہتا  
 ہے کشش ہو اور یہ کما حقہ اسی صورت میں ممکن ہے کہ اُسے اپنی جدوجہد  
 کے نتائج سے فائدہ اٹھانے کا حق حاصل ہو۔

۲۔ اسلام میں خالق کائنات اور روز قیامت پر ایمان ایک بنیادی  
 عقیدہ ہے۔ یہی عقیدہ ہے جو انسان کی زندگی میں بے راہ روی پیدا نہیں  
 ہونے دیتا ہے، یہی عقیدہ ہے جو انسان کو ظلم و ستم اور حق تلفی سے باز  
 رکھتا ہے، یہ عقیدہ اگر نہ ہو تو انسان خستہ بے ہمار بن جاتا ہے۔ یہی عقیدہ ہے  
 جو ایک انسان کو دوسرے انسان پر رحم و کرم کرنے کا جذبہ پیدا کرتا ہے،  
 یہی عقیدہ ہے جو ایک انسان کو دوسرے انسان کے ساتھ ہمدردی پیدا کرنے  
 کا محرک ہے، یہی عقیدہ ہے جو ایک انسان کو دوسرے انسان کی مصیبت  
 میں کام آنے پر ابھارتا ہے، یہی عقیدہ ہے جو ایک انسان کو دوسرے انسان  
 کی مفلسی دور کرنے اور فاقہ کش کو اس کی بنیادی ضروریات مہیا کرنے پر  
 براہِ گنجشہ کرتا ہے۔

کیونکہ ہم میں نہ خالق کائنات کا تصور ہے اور نہ عقیدہ آخرت اور  
 حساب و کتاب کا لہذا کیونکہ ہم میں ایسے عوامل کا فقدان ہے جو انسان کو ظلم  
 و ستم اور حق تلفی جیسے جرائم سے باز رکھ سکیں۔ سوشلزم اور کمیونزم کی بنیاد  
 پر جو حکومتیں قائم ہوئیں وہ اس بات کی گواہ ہیں کہ افراد کو جو خوشحالی کے  
 سرسبز خواب دکھائے گئے تھے وہ شرمندہ تعبیر نہیں ہوئے۔

الغرض اسلام اور سوشلزم ایک دوسرے سے بہت دور ہیں۔ ان  
 کو ایک دوسرے کے قریب سمجھنا قریب نفس یا فریب شیطانی ہے۔

اٹھیے۔ دنیا کو سوشلزم سے نجات دلانے کے لئے مشترکہ جدوجہد  
 کیجئے۔ پوری دنیا میں اللہ تعالیٰ کا حکم بلند کرنے اور اس کے احکام و قوانین

کو نافذ کرنے کے لئے بھرپور اور کماحقہ کوشش کیجئے۔ اسلام سے مراد وہ اسلام ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں تھا۔ فرقہ وارانہ مذاہب اسلام نہیں لہذا انہیں مسترد کرنے کے اس اسلام کو نافذ کرنے کی جدوجہد کیجئے جو صرف قرآن مجید اور احادیث نبوی میں محفوظ ہے۔ یہی وہ مشترک سرمایہ ہے جس پر تمام فرقے متحد ہو سکتے ہیں۔ اس مشترک سرمایہ پر متحد ہونے کے لئے اپنے فرقہ وارانہ مذاہب کی قربانی دینی ہوگی۔ اسلام ہر قسم کی قربانی چاہتا ہے لہذا ہر قسم کی قربانی کے لئے تیار ہو کر آئیے۔ اپنے کو صرف مسلم کہیے اور اپنے دین کو صرف اسلام کہیے۔

## احادیث کی مخالفت

اسلام اشاعت ۱۷

کیا آپ کو معلوم ہے کہ احادیث نبویہ کے خلاف کیسا زہرا گلا جا رہا ہے۔ کوئی کہتا ہے ”صحیح بخاری میں بھی ضعیف حدیثیں ہیں“، کہیں سے آواز آتی ہے کہ ”صحیح بخاری اور دارقطنی کا درجہ برابر ہے“، کوئی الزام لگاتا ہے کہ ”امام بخاری متعصب تھے“، کوئی اس طرح اظہار خیال کرتا ہے : ”کوئی شریف آدمی صحیح بخاری کی تمام احادیث کو صحیح نہیں مانتا“، کوئی امام بخاری کے خلاف اپنا زور قلم صرف کرتا ہے اور پھر لوگوں کو اس طرح تسلی دیتا ہے : ”اس کا یہ مطلب نہیں کہ صحیح بخاری کا کوئی مقام نہیں، صحیح بخاری اپنا مقام حاصل کر چکی ہے“۔ یہ عجیب منطق ہے کہ مصنف پر کلام کیا جائے اور اس کی تصنیف صحیح و سالم رہے لیکن بات یہ ہے کہ ابھی صاف کہنے کی جرات نہیں ہوتی۔

کوئی فن حدیث کی تحقیق کرتا ہے اور یہ یقین دلانے کی کوشش کرتا ہے کہ ”محدثین کی تصحیح و تصنیف کا کوئی اعتبار نہیں“، کوئی کہتا ہے ”محدثین بھی آخر انسان تھے، ان سے بھی غلطی ہو سکتی ہے“، کوئی کہتا ہے : ”حدیث



ظنی ہے، کوئی کہتا ہے ”خبر واحد قابل حجت نہیں“، کسی کا عقیدہ ہے کہ ”مشہور حدیث کا منکر بھی کافر نہیں“، وغیرہ وغیرہ۔  
 ان سب سے بڑھ کر وہ ہے جو کہتا ہے: ”حدیث حجت شرعیہ اور ماخذ دین ہی نہیں“، صحیح احادیث کا مذاق اڑاتا ہے، گھڑی ہوئی احادیث کو صحیح ظاہر کر کے ہمیں الزام دیتا ہے، حدیثوں کے غلط ترجمے کر کے ان کے ساتھ استہزاء کرتا ہے، عوام کو دھوکا دیتا ہے کہ ”احادیث ڈھائی سو سال بعد لکھی گئیں“، کبھی کہتا ہے کہ ”خلفاء راشدین حدیث کے نوشتے جلا دیا کرتے تھے“، ثبوت میں جعلی قصے بیان کرتا ہے اور احادیث کا ترجمہ بگاڑتے افسانوں کے احادیث نبوی کرتا ہے، کبھی کہتا ہے کہ فلاں حدیث قرآن مجید کے خلاف ہے حالانکہ وہ صرف فریب ہوتا ہے، حدیث اس کے خود ساختہ ترجمہ کے تو خلاف ہوتی ہے، قرآن مجید کے خلاف نہیں ہوتی، کبھی کہتا ہے: احادیث میں تعارض ہے، بجائے تطبیق کے وہ ظاہری اختلاف کو ہوا بنا کر پیش کرتا ہے۔

یہ اور اسی طرح کے دوسرے الزامات اور غلط بیانیوں کر کے منکرین حدیث ہی نہیں بلکہ مذہب پرست اور بزم خود مصلحانِ امت غافل اور علم سے نا آشنا لوگوں کو گمراہی کی طرف لے جا رہے ہیں۔ یہ وہ اتنی پھیل چکی ہے کہ لوگوں کی ایک بڑی تعداد میں انکار حدیث کے جراثیم سرایت کرنے جا رہے ہیں اور شاید ہی معدودے چند افراد ہوں جن کے ذہن حدیث کی طرف سے بالکل صاف ہوں۔

ہماری نئی نسل خصوصیت کے ساتھ منکرین حدیث اور دیگر ملحدین کی پرفریب تصانیف سے بے حد متاثر ہے اور اندیشہ ہے کہ ہماری آئندہ نسلوں میں شاید ہی کوئی حدیث کا ماننے والا ملے۔

یہ صورت حال بے حد خطرناک ہے اور دردمندانِ اسلام کے لئے ایک کھلا چیلنج ہے۔ افسوس کہ دردمندانِ اسلام کے کانوں پر جوں تک

نہیں رہتی، جبیں پر شکن تک نہیں آتی، ان کی اکثریت اسلاف کا طریقہ چھوڑ کر تن آسانی میں مبتلا ہے۔ ان کی حیثیت ایک خاموش تماشا کی سی ہو کر رہ گئی ہے۔

اے قارئین کرام اور اے دردمندان اسلام، خواب غفلت سے بیدار ہو جائیے۔ اس فتنہ کے سد باب کے لئے علمی، عملی اور اجتماعی جدوجہد کیجئے۔ آئندہ نسلوں کو اس فتنہ سے بچانے کے لئے مدارس قائم کیجئے جہاں ٹھوس تعلیم و تربیت اور معقول اور منقول دلائل کے ذریعہ منکرینِ حدیث اور محدین کی ریشہ دوانیوں کا قلع قمع کیا جائے۔

اٹھیے اور اس فتنہ کے مقابلہ کے لئے میدان میں کود پڑیے۔ اگر آپ اب بھی ہوشیار نہیں ہوئے تو نہ حدیث ہوگی اور نہ حدیث کے ملنے والے اور اس کی پوری ذمہ داری آپ پر ہوگی۔ بتلیئے آپ میدانِ محشر میں اللہ تعالیٰ کو کیا جواب دیں گے۔

## احادیث کے متعلق غلط فہمیاں

موجودہ دور میں احادیث کے متعلق بہت سی غلط فہمیاں پائی جاتی ہیں اور ان غلط فہمیوں کی اشاعت بھی ہوتی رہتی ہے۔ غلط فہمیوں کی بنیاد پر احادیث پر طرح طرح کے اعتراض کئے جاتے ہیں اور ان اعتراضات کی بناء پر موجودہ ذخیرہ احادیث کو ناقابل اعتماد بتایا جاتا ہے۔ ان اعتراضات میں سے بعض اعتراض حدیث کے متن پر ہوتے ہیں۔ کیونکہ بعض احادیث کا متن عام لوگوں کی سمجھ میں نہیں آتا لہذا فطری طور پر وہ اس حدیث پر اعتراض کرنا شروع کر دیتے ہیں حالانکہ اگر غور سے دیکھا جائے تو وہ اعتراض حدیث پر نہیں ہوتا بلکہ اس غلط مفہوم پر ہوتا ہے جو کسی خاص شخص کے ذہن میں آتا ہے، یہ ضرور ہے کہ اس غلط فہمی کی وجہ سے اعتراض کی زد حدیث ہی پر پڑتی ہے نہ کہ اس شخص کی فہم پر اور عام لوگ اس اعتراض کو سکر احادیث کے

متعلق غلط فہمیوں میں مبتلا ہو جاتے ہیں نوبت یہاں تک پہنچتی ہے کہ حدیث کے حجت شرعیہ ہونے سے انکار کر دیتے ہیں۔

مثال کے طور پر ذیل میں ہم ایک حدیث نقل کر رہے ہیں جس کا صحیح مفہوم لوگوں نے نہیں سمجھا اور بلاوجہ اس پر اعتراض شروع کر دئے۔  
حدیث یہ ہے :-

ابو سلمہؓ کہتے ہیں: "دخلت انا واخو عائشة على عائشة فسألها اخوها عن غسل النبي صلى الله عليه وسلم فذعت باناء نحو من صاع فاغتسلت وافاضت على رأسها، بينا وبينها حجاب"۔  
ایک صاحب نے اس کا ترجمہ اس طرح کیا ہے :-

"میں اور حضرت عائشہؓ کا بھائی حضرت عائشہؓ کے پاس گئے۔ ان کے بھائی نے ان سے دریافت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کس طرح غسل فرمایا کرتے تھے۔ حضرت عائشہؓ نے پانی سے بھرا ہوا ایک برتن منگوا یا جس سے آپ نے غسل کیا اور سر پر بھی پانی ڈالا، درمیان میں ایک پردہ لٹکا ہوا تھا۔"

حدیث مذکور پر اعتراض | معترض صاحب غلط فہمی سے فرماتے ہیں :-

① دو غیر مرد حضرت عائشہؓ کے پاس گئے،

② پردہ اتنا باریک تھا کہ حضرت عائشہؓ کا بدن نظر آ رہا تھا۔ اگر

پردہ کو باریک نہ مانا جائے تو پھر حضرت عائشہؓ نے غسل کا طریقہ کیسے بتایا۔

اس کے معنی یہ ہوتے کہ دو غیر محرم مردوں نے حضرت عائشہؓ کو برہنہ دیکھا۔

غلط فہمی کا نتیجہ | معترض صاحب غلط فہمی سے یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ حضرت

عائشہؓ نہ صرف دو غیر محرم مردوں کے سامنے آئیں بلکہ ان غیر محرم مردوں نے

انہیں برہنہ بھی دیکھا۔ کیا کوئی مسلم اس بات پر یقین کر سکتا ہے کہ رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ مطہرہ دو مردوں کے سامنے برہنہ ہو جائیں۔ لہذا

یہ حدیث گھڑی ہوئی ہے اور جن کتابوں میں یہ حدیث منقول ہے وہ کتابیں



نا قابل اعتماد ہیں۔

غلط فہمی کا ازالہ | اعتراض کی بنیاد لفظ ”غسل“ کے غلط ترجمہ پر ہے۔ غسل کے معنی آب غسل کے بھی ہوتے ہیں (منتہی الارب فی مجموعۃ لغات العرب) لہذا ”غسل“ کا صحیح ترجمہ اس حدیث میں نہانا نہیں ہے بلکہ نہانے کے پانی کے ہیں اور یہ لفظ پانی کے معنوں میں متعدد جگہ کتب احادیث میں استعمال ہوا ہے مثلاً حضرت میمونہؓ فرماتی ہیں :-

وَضَعْتُ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ غُسْلًا (صحیح بخاری) لئے پانی رکھا۔

امام بخاریؒ نے اس حدیث پر یہ باب باندھا ہے :- باب الغسل بالصلع ونحوہ یعنی ایک صلع یا اس کے مثل (پانی سے) غسل کرنے کا باب۔ الغرض لغت، امام بخاری کا باب پھر پانی کے معنوں میں اس کا کتب احادیث میں استعمال اس بات کی شہادت کے لئے کافی ہے کہ اس حدیث میں غسل کے معنی ”نہانا“ نہیں ہیں بلکہ ”پانی“ ہیں۔ حدیث کا متن بھی اس کی تائید کرتا ہے۔ حدیث کا صحیح ترجمہ یہ ہے :-

ابوسلمہؒ کہتے ہیں: میں اور حضرت عائشہؓ کا بھائی حضرت عائشہؓ کے پاس گئے۔ حضرت عائشہؓ کے بھائی نے حضرت عائشہؓ سے دریافت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کتنے پانی سے نہلتے تھے۔ (اس سوال پر) انہوں نے تقریباً ایک صاع کے برابر ایک برتن منگایا (اور بتایا کہ اتنے پانی سے نہایا کرتے تھے) پھر (ہمارے تعجب کو دور کرنے کے لئے) اتنے ہی پانی سے (وہ نہایتیں حتیٰ کہ سر بھی دھویا) (اور جب وہ نہا رہی تھیں تو) ہمارے ادران کے درمیان پردہ پڑا ہوا تھا۔

حدیث کا مطلب اب صاف ہو گیا کہ حضرت عائشہؓ پانی کی اس مقدار کو غسل کے لئے کافی ثابت کرنے کے لئے نہایتیں نہ کہ غسل کا طریقہ بتانے کے لئے لہذا پردہ کے باریک ہونے اور برہنہ دیکھنے کا سوال ہی پیدا نہیں

ہوتا۔

وہ دو شخص جن کو نامحرم سمجھا گیا ہے محرم تھے۔ ایک (یعنی ابو سلمہؓ)

حضرت عائشہؓ کے رضاعی بھانجے تھے اور دوسرے رضاعی بھائی تھے  
(فتح الباری)

الغرض اس قسم کی متعدد احادیث ہیں جن کا غلط فہمی سے کچھ کچھ مطلب لیا گیا ہے۔ بعض لوگ بدیہی سے احادیث کو غلط معنی پہنا کر عوام کو دھوکا دے رہے ہیں اور موجودہ نسل اور آئندہ آنے والی نسلوں کو حدیث کی طرف سے بدظن کرنے کا سامان کر رہے ہیں۔ یہ ایک منظم فتنہ ہے لیکن افسوس کہ اسلام کے خیر خواہ خاموش تماشاخی بنے ہوئے ہیں، اگر منظم طریقہ پر ان غلط فہمیوں کو دور کرنے کی کوشش کی جائے تو کوئی وجہ نہیں کہ احادیث کی طرف سے عوام الناس کے ذہن صاف نہ ہوں اور فتنہ مذکورہ کا خاتمہ نہ ہو۔ اس سلسلہ میں جماعت المسلمین حتی الامکان کوشش کر رہی ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ اس کی کوششوں کو قبول فرمائے اور اس کو کامیابی سے ہمکنار فرمائے۔

جماعت المسلمین تمام فرقوں سے درخواست کرتی ہے کہ وہ سب قرآن مجید اور حدیث نبویؐ پر جو مشترک قدریں جمع ہو جائیں، اپنے کو صرف مسلم کہیں اور دین اسلام کے دفاع میں جماعت کے ساتھ ہر قسم کا تعاون فرمائیں۔

# ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے تین توریے

سلسلہ افادات ۱

اشاعت ۳۱ میں ہم نے عرض کیا تھا کہ بعض احادیث پر غلط فہمی کی وجہ سے طرح طرح کے اعتراض کئے جاتے ہیں اور ان اعتراضات کی بنیاد پر پورے ذخیرہ احادیث کو مشکوک سمجھا جاتا ہے حالانکہ وہ اعتراضات احادیث کا صحیح مطلب نہ سمجھنے کی وجہ سے ہوتے ہیں۔ اشاعت ۱۱۱ میں ہم نے ایک حدیث بیان کر کے اس پر جو اعتراض تھا اس کا جواب دیا تھا۔ اس اشاعت میں ہم ایک اور حدیث بیان کر کے اس پر جو اعتراض ہے اس کو رفع کرتے ہیں۔

اعتراض | حدیث میں ہے کہ ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کبھی جھوٹ نہیں بولے سوائے تین مرتبہ کے۔ یہ حدیث کبھی صحیح نہیں ہو سکتی اس لئے کہ نبی کبھی جھوٹ نہیں بولتا قرآن مجید میں ہے کہ ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام صدیق تھے لہذا یہ حدیث قرآن مجید کے بھی خلاف ہے لہذا اس کے جعلی ہونے میں کوئی شبہ نہیں۔

اعتراض کا ازالہ | اعتراض کی اصل وجہ یہ ہے کہ لفظ ”کذب“ کا صحیح ترجمہ نہیں کیا گیا۔ کذب عربی میں جھوٹ کو بھی کہتے ہیں، دہم، غلطی اور خطا کو بھی کہتے ہیں، توریہ اور تعریف کو بھی کہتے ہیں۔ واجب ہونے کو بھی کہتے ہیں اور اونٹنی کے عاجز ہونے کو بھی کہتے ہیں۔

توریہ کسے کہتے ہیں | توریہ یہ ہے کہ کہنے والا بات تو سچ کہے لیکن کہے اس انداز سے کہ سننے والا اس کا کچھ اور مطلب سمجھے۔

کذب کے معنی توریہ اور تعریف تو خود اس حدیث میں موجود ہیں جس



حدیث پر اعتراض کیا گیا ہے۔ ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی بیوی کے متعلق فرمایا کہ یہ میری بہن ہیں اور پھر اپنی بیوی سے فرمایا کہ روئے زمین پر میرے اور تمہارے علاوہ کوئی مؤمن نہیں ہے (صحیح بخاری کتاب بدر الخلق جز ۴ ص ۱۷۱) یعنی میں نے تمہیں بہن اس نیت سے کہا ہے کہ تم میری دینی بہن ہو۔

حضرت سارہؑ یقیناً حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی دینی بہن تھیں۔ انہی معنوں میں حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے انہیں بہن کہا تھا لہذا وہ جھوٹ نہیں تھا بلکہ تو یہ تھا لہذا حدیث اعتراض سے بالکل پاک ہے۔

حدیث کا صحیح ترجمہ | مندرجہ بالا وضاحت کے بعد حدیث کا صحیح ترجمہ یہ ہوا:  
 ”ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کبھی تو یہ نہیں کیا سوائے تین توریوں کے“  
 بتائیے اس ترجمہ پر کیا اعتراض ہے؟ یہ ترجمہ حدیث کے ان الفاظ ہی سے ماخوذ ہے جن الفاظ میں ہے کہ ”ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی بیوی کو دینی بہن ہونے کی نیت سے بہن کہا“

فلسفہ اخلاق اور جھوٹ | قتل انسانی بہت ہی مذموم فعل ہے لیکن سی قتل  
 جہاد اور قصاص میں محمود ہی نہیں بلکہ فرض ہو جاتا ہے لہذا قتل کی دو قسمیں ہوئیں: قتل محمود اور قتل مذموم۔ بالکل اسی طرح جھوٹ کی بھی دو قسمیں: کذب محمود اور کذب مذموم۔ ایسا جھوٹ جو فتنہ و فساد اور خونریزی کا خاتمہ کرے اس سچ سے یقیناً بہتر ہے جس کے نتیجے میں فتنہ و فساد پھیل جائے اور ہزاروں انسانوں کی جانیں ضائع ہو جائیں۔ وہ کونسا فلسفہ اخلاق ہے جو اس جھوٹ کو بُرا کہے۔ جب حقیقی جھوٹ بھی بعض حالات میں محمود ہو سکتا ہے تو پھر تو یہ ایسے حالات میں بدرجہ اولیٰ محمود ہو گا اور ایسے محمود فعل پر جو ابطال شرک، انسداد فساد اور حفاظتِ نفس کے لئے کیا جائے اعتراض لایعنی ہے لہذا حدیث اعتراض سے بالکل پاک ہے۔

قرآن مجید اور ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے توریے | ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دو توریوں کا ذکر تو قرآن مجید میں بھی موجود ہے۔ مثلاً قرآن مجید میں ہے :-

فَجَعَلَهُمْ جُذَاذًا إِلَّا كَبِيرًا ابراہیم (علیہ الصلوٰۃ والسلام) نے  
لَهُمْ (الانبیاء - ۵۸) تمام بت توڑ ڈالے سوائے بڑے بت کے۔

قوم نے پوچھا : اے ابراہیم کیا یہ کام تم نے کیا ہے؟ ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا :-

بَلْ فَعَلَهُ كَبِيرُهُمْ هَذَا نہیں بلکہ یہ کام اس بڑے بت نے کیا  
(الانبیاء - ۶۳) ہے۔

آیت بالاسے جو نتیجہ نکلتا ہے وہ بظاہر یہی ہے کہ ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام جھوٹ بولے لہذا جو اعتراض حدیث پر کیا جاتا ہے وہ اعتراض قرآن مجید پر بھی ہوگا۔ اگر حدیث سے یہ ثابت نہ ہوتا کہ وہ حقیقی جھوٹ نہیں تھے تو قرآن مجید پر سے اعتراض دور کرنا بڑا مشکل ہوتا۔ حقیقت یہ ہے کہ جنہوں نے حدیث کو نظر انداز کیا ان کو قرآن مجید کی آیات کی عجیب و غریب تاویلیں کرنی پڑیں اور وہ بڑی مشکل میں پھنس گئے۔ اس مثال سے واضح ہو گیا کہ حدیث زیر بحث قرآن مجید کے موافق ہے نہ کہ مخالف بلکہ قرآن مجید پر سے اعتراض کو دور کرتی ہے۔

بتوں کو توڑنے کے سلسلہ میں ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جو توریہ کیا اس میں معلوم نہیں ان کی کیا نیت تھی۔ قرآن مجید اور حدیث دونوں خاموش ہیں۔ حدیث سے بس اتنا ثابت ہوتا ہے کہ وہ توریہ تھا، حقیقی جھوٹ نہیں تھا۔ ہو سکتا ہے کہ ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بتوں کے توڑنے کے فعل کو بڑے بت کی طرف اس لئے منسوب کیا ہو کہ ان کی شکست و ریخت کا سبب وہی تھا۔ نہ اس کی پوجا ہوتی اور نہ ابراہیم علیہ

الصلوة والسلام اس کی پوجا کی تردید میں یہ کام انجام دیتے۔ بتوں کا توڑنا بھی شرک توڑ تھا اور بڑے بت کو ثابت چھوڑ کر توڑنے کے فعل کو اس کی طرف منسوب کرنا بھی شرک توڑ تھا۔

دوسرا تو یہ مندرجہ ذیل آیت میں بیان ہوا ہے۔

فَقَالَ إِنِّي سَقِيمٌ (الشَّعْت - ۸۹) ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کہا: میں بیمار ہوں۔

بیمار ہوتے ہوئے مندرجہ کار بتوں کا توڑنا قرین قیاس نہیں۔ ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ وہ روحانی طور پر بیمار ہوں۔ اپنی قوم کے غم میں گھلے جا رہے ہوں اور اسی روحانی رنج و غم کو انہوں نے اپنی بیماری قرار دیا ہو اور اس بیماری کو ذہن میں رکھ کر تو یہ کیا ہو۔ بہر حال قرآن مجید اس سلسلے میں خاموش ہے کہ تو یہ کرتے وقت ان کی کیا نیت تھی بلکہ قرآن مجید تو یہ بھی نہیں بتاتا کہ وہ تو یہ تھا یا حقیقی جھوٹ۔

الغرض دو تو یہی اللہ تعالیٰ کی توحید کے لئے تھے اور ایک تو یہ شوہر ہونے کی وجہ سے رقابت کے خطرات سے بچنے کے لئے تھا اور یہ تینوں تو یہی محمود تھے۔

معتز ضنین سے ایک سوال | اب ہم ان لوگوں سے دریافت کرتے ہیں کہ جو دیدہ و دانستہ حدیث پر اعتراض کرتے ہیں آخر وہ قرآن مجید پر اعتراض کیوں نہیں کرتے۔ کیا صرف اس لئے کہ پھر وہ غیر مسلمین میں شمار ہوں گے اور بھولے بھالے عوام کو دھوکا نہ دے سکیں گے۔ قرآن مجید کو ملنے کا دعویٰ اور اس کی ستائش صرف اس لئے تو نہیں کہ عوام انہیں اسلام کا خیر خواہ سمجھیں اور دھوکا کھا جائیں حالانکہ جو اعتراض وہ حدیث پر کرتے ہیں ویسا ہی اعتراض قرآن مجید پر بھی ہو سکتا ہے۔ اگر وہ دیانتداری سے حدیث پر اعتراض کرتے ہیں تو یہ سخت نا انصافی ہے کہ وہ حدیث پر تو اعتراض کریں اور اگر قرآن مجید پر ویسا ہی اعتراض ہو تو اسے چھپا جائیں۔



انتباہ | نہ قرآن مجید پر کوئی اعتراض ہو سکتا ہے اور نہ حدیثِ صحیحہ پر کوئی اعتراض ہو سکتا ہے اگرچہ بظاہر اس کے معنی قابل اعتراض ہی کیوں نہ نظر آتے ہوں۔ قرآن مجید یا صحیح حدیث پر جو اعتراض ہو گا وہ غلط فہمی کی وجہ سے ہو گا۔

اللہ تعالیٰ سب کو صحیح فہم عطا فرمائے۔

## قرآن مجید کے ساتھ استہزام

سلسلہ اشاعت ۱۲

یہ حقیقت ہے کہ عرصہ دراز سے اللہ تعالیٰ کی کتاب میں معنوی تحریف ہو رہی ہے لیکن موجودہ دور میں معنوی تحریف اپنے عروج پر ہے۔ سُرخ سامراج کے ایجنٹوں کا قرآن مجید کو الہامی کتاب تسلیم نہ کرنا کوئی خلاف توقع بات نہیں لیکن اسلام کا نام لینے والوں نے اسلام کی خیر خواہی کے لبادہ میں قرآن عزیز کو جس طرح بازیچہ اطفال بنا رکھا ہے وہ اپنی مثال آپ ہے۔ اسلام کے یہ دشمن مختلف بھیس بدل کر ہمارے سامنے آتے ہیں۔ کہیں منکرین ختم نبوت ہیں جو اجرائے نبوت کا ثبوت قرآن مجید سے پیش کر کے لوگوں کے ایمان پر ڈاکہ ڈال رہے ہیں، کہیں منکرین حدیث ہیں جو حدیث کے حجت شرعیہ نہ ہونے کا ثبوت قرآن مجید سے پیش کر رہے ہیں، کہیں علماء سورہیں جو قرآن مجید کی آیات سے بدعات اور شرکیہ عقائد و اعمال کو جائز ہی نہیں مستحسن ثابت کر رہے ہیں لیکن ان تمام فتنوں میں سب سے زیادہ خطرناک فتنہ پرویزی فتنہ ہے۔ یہ لوگ قرآن مجید کے ان معنوں کو تسلیم نہیں کرتے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بتائے تھے اور جن پر امت مسلمہ آج تک عمل پیرا ہے۔ ان کی تحریفات کے چند نمونے اگلے صفحہ پر درج کئے جا رہے ہیں :-

آیت	صحیح ترجمہ	پرویزی ترجمہ
① اَقَامُوا الصَّلَاةَ ۚ وَآتُوا الزَّكَاةَ ۚ	جنہوں نے نماز قائم کی اور زکوٰۃ ادا کی۔	قانون خداوندی سے ہم آہنگی کے ذریعہ نفسیاتی تغیر اور ذہنیست عامہ (انسانیت کے نشوونما) کے اسباب و ذرائع کی فہم (ضربِ حدیث ص ۹۵ بحوالہ سلیم کے نام ص ۲۱۳)

② فَإِذَا نُقِرَ فِي النَّاقُورِ ۚ جب صور پھونکا جائیگا۔ جب لڑائی کا بگل بجایا جائے گا (ضربِ حدیث ص ۹۸)

③ كُنَّا نَكْذِبُ بِیَوْمِ الدِّینِ (دوزخی کہیں گے) ہم بعد ہم سے باور ہی نہیں کرتے جزا کو جھٹلایا کرتے تھے۔ تھے کہ اس غلط معاشرہ کا انجام

جس میں مسکین کی روٹی کا انتظام نہیں ہوتا ہلاکت و بربادی کے سوا کچھ نہیں ہوتا، ہمیں اس پر بالکل ایمان نہیں تھا (ضربِ حدیث ص ۹۸ بحوالہ سلیم کے نام ص ۲۱۳)

قرآن عزیز جو اللہ تعالیٰ کا کلام ہے اور ہمارے لئے دنیوی اور اخروی نجات کا ذریعہ ہے اس کی جتنی بھی عزت ہمارے قلوب میں ہو کم ہے لیکن افسوس کا مقام ہے کہ آیاتِ ربانی کا توہین آمیز استعمال ہمارے ہاں روزمرہ کا معمول ہے۔ سودی کاروبار کے دفاتر اور ناجائز اشیاء کی دکانوں کے افتتاح کے موقع پر بھی قرآن مجید کی تلاوت کی جاتی ہے، ایصالِ ثواب کے لئے قرآن خوانی ہوتی ہے، تعویذ و گندے کے طور پر اس کا استعمال عام ہے، ہفتہ وار کسی ایک خاص گھر میں جمع ہو کر ایک ایک سیپارہ

پڑھنے کا رواج بڑھتا جا رہا ہے، علاوہ ازیں ایسی محافل منعقد کی جاتی ہیں جن میں بڑے بڑے ممتاز قاری سنت کے خلاف قرأت کر کے دادِ تحسین حاصل کرتے ہیں اور اس پر فخر کرتے ہیں۔

افسوس کہ یہ سب کچھ ہو رہا ہے اور ہم خواب غفلت میں ہیں۔ کیا ہم میں اتنی بھی حمیت نہیں کہ ان فتنوں کا مقابلہ کر کے کتابِ عزیز کو اس کا صحیح مقام دیں۔ اگر ہم اپنی آئندہ نسلوں کو ان فتنوں سے محفوظ رکھنا چاہتے ہیں تو ہمارے لئے ضروری ہے کہ وقت کے تقاضوں کو پہچانیں۔ اپنی جماعت کو مستحکم اور منظم کریں اور جراتِ مومنانہ کے ساتھ ان فتنوں کے خلاف جدوجہد کریں۔ یہ آزمائش کا وقت ہے! اگر ہم نے کوتاہی کی تو روزِ قیامت میدانِ محشر میں ہم اللہ تعالیٰ کو کیا جواب دیں گے۔ اٹھیے اور تمام فتنوں کا مردِ وار مقابلہ کیجئے۔

## عیسائی مشنری

ہمارے ملک میں عیسائیت کی تبلیغ عام ہے۔ بڑی کثرت سے لوگ عیسائیت قبول کر رہے ہیں۔ جاہل اور نادار افراد عموماً عیسائیت کا شکار ہو رہے ہیں۔ عیسائی مشنریوں کے پاس روپیہ کی فراوانی ہے اور اس روپیہ سے وہ جاہل اور مفلس لوگوں کا ایمان خرید رہے ہیں۔ عیسائی مبلغین ایسے لوگوں کی ہر طرح سے امداد کرتے ہیں۔ بیماروں کا علاج اور ان کی تیمارداری کرتے ہیں، ناداروں کو مالی امداد دیتے ہیں، طلباء کو وظیفے دیتے ہیں۔ ان کے اثر و رسوخ کا یہ عالم ہے کہ وہ ہسپتالوں میں جا کر اپنا لٹریچر تقسیم کرتے ہیں۔ بہیاء کیونکہ بے کار ہوتے ہیں لہذا دل بہلانے کے لئے اس کا مطالعہ کرتے ہیں اور عیسائیت سے متاثر ہو جاتے ہیں۔ اس کے علاوہ ان کے اپنے مدارس اور اسپتال ہیں جو ان کی تبلیغ کے اصل مراکز ہیں۔ ان کی تبلیغ کی کامیابی ان کی مردم شماری سے ہوتی ہے۔ مثلاً ۱۹۶۱ء کی مردم شماری کے مطابق دس سال میں



ان کی تعداد میں بعض جگہ دو گنا اور بعض جگہ اس سے بھی زیادہ اضافہ ہوا ایک علاقہ میں اگر ۱۹۵۱ء میں وہ نوائے تھے تو ۱۹۶۱ء میں وہ ۴۳۷ ہو گئے۔ کیا یہ صورت حال تشویشناک نہیں ہے؟ ہے اور ضرور ہے تو سوچئے اس کے سدباب کے لئے آپ کیا کر رہے ہیں۔ لادینی، عیسائی، قادیانی اور پرویزی فتنے آپ کے معاشرہ کی دینی فضا کو مسموم کر رہے ہیں لیکن آپ فاموشش تماشا بنے بیٹھے ہیں۔ آپ میں کوئی خاطر خواہ تبلیغی حرکت نظر نہیں آتی۔ آپ کی اجتماعیت نہ ہونے کے برابر ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کے دینی امور جمود اور تعطل کا شکار ہیں۔ اس صورت حال سے جو نقصان پہنچ رہا ہے کیا آپ خود اس کے ذمہ دار نہیں ہیں؟ اگر آپ ان فتنوں کا مقابلہ نہیں کرنا چاہتے اور اپنی نئی نسل کی دینی تعلیم و تربیت کے بندوبست سے قاصر ہیں تو پھر اس کی تباہی میں کیا شک ہو سکتا ہے۔ کیا آپ روز محشر اللہ تعالیٰ کے سامنے اس قصور کا کوئی عذر پیش کر سکیں گے؟

اے اسلام کے خیر خواہو، اٹھیے، غفلت دور کر کے کچھ دین کی فکر کیجئے۔ دین کی خدمت فرض ہے اور آپ ہیں کہ دین کی خدمت سے غفلت برت رہے ہیں۔ آپ میں اکثر ایسے لوگ ہیں جو نوافل کو اہمیت دیتے ہیں اور اس فریضہ سے غافل ہیں۔ فرض عبادت ہو یا نفلی عبادت یہ آپ اپنے لئے کر رہے ہیں لیکن یہ بتائیے کہ آپ اللہ تعالیٰ کے دین کے لئے کیا کر رہے ہیں۔ کیا آپ اس بات کو پسند کریں گے کہ صوم و صلوٰۃ کا یہ سلسلہ آپ کے بعد ختم ہو جائے۔ اگر آپ ایسا نہیں چاہتے تو پھر دین کی حفاظت کے لئے سینہ سپر ہو جائیے۔ اپنا مال عیش و طرب کے لئے استعمال نہ کیجئے بلکہ اس کو دین کے تحفظ اور ترقی کے لئے خرچ کیجئے۔ تبلیغی مراکز قائم کیجئے۔ بیت المال قائم کیجئے اور کثیر تعداد میں تبلیغی لٹریچر طبع کر کے اسپتالوں، اسکولوں اور کالجوں میں تقسیم کیجئے۔ ایسے مدارس قائم کیجئے جہاں دنیوی تعلیم کے ساتھ دینی تعلیم و تربیت کا انتظام ہو۔ قرآن مجید اور حدیث نبوی کی ٹیموں میں تعلیم کا بندوبست کیجئے۔ اگر آپ

نے اب بھی اپنا نظریہ نہ بدلا، اگر اب بھی آپ خواب غفلت سے بیدار نہ ہوئے تو ڈر ہے کہ تھوڑا بہت جو دین باقی ہے کہیں یہ بھی فتنوں کی نذر نہ ہو جائے۔

## ② فتنوں کا سدباب

### لمحہ فکر یہ

سلسلہ اشاعت ۱۵

کیا آپ نے کبھی سوچا کہ دین پر کیسی کیسی آفتیں منڈلا رہی ہیں، کون کون سی قوتیں اور کیسے کیسے فتنے اس کو تباہ کرنے پر تلے ہوئے ہیں، اسلام کو فنا کرنے کے لئے کس کس قسم کی سازشیں کی جا رہی ہیں، کس کس طرح سے اسلام کی جڑیں کھوکھلی کی جا رہی ہیں، نئی نسل کس طرح الٹے پاؤں ضلالت کی طرف واپس جا رہی ہے، وہ کونسی جماعتیں ہیں جو اسلام کا نام لے کر اندرونی طور پر اسلام کے خلاف نبرد آزما ہیں۔ گزشتہ صفحات میں ہم چند فتنوں کا ذکر کر چکے ہیں، کیا آپ نے کبھی ان فتنوں کی سرکوبی کے متعلق کچھ سوچا ہے۔

کیا آپ نے کبھی غور کیا کہ ہمارے ہاں صف اول کے علماء کیوں نہیں پیدا ہو رہے، کیوں ہمارے دینی مدارس بے رونق ہیں، ہم گمراہی اور مدعا کی طرف کیوں کشاں کشاں چلے جا رہے ہیں، کیا وجہ ہے کہ شر کے جراثیم ہم میں سرایت کرتے جا رہے ہیں، سنت کے موقف پر ہمارے قدم کیوں ڈلگ رہے ہیں، کیا وجہ ہے کہ ہم غیر شعوری طور پر سنت کی تحقیر کے مرتکب ہو رہے، کس طرح قرآن مجید اور احادیث مبارکہ پر حاشیہ آرائی کر کے شریعت میں تحریف کی جا رہی ہے اور ہم خاموش ہیں۔

کیا آپ نے ان اسباب کی طرف اپنی توجہ مبذول کی جن کی وجہ سے موجودہ معاشرے میں ہم بے ادب اور غیر مہذب سمجھے جا رہے ہیں، کیا یہ

سوال بھی کبھی آپ کے ذہن میں ابھر آئے ہم ایک دین کے پیرو ہونے کے باوجود کیوں آپس میں دست بگریباں ہیں، کیوں ہم اپنی صفوں کو چھوڑ کر دوسری غیر اسلامی تحریکوں کے علمبردار بننے میں فخر محسوس کرتے ہیں، دوسروں کی پُر فریب تحریکیں آخر کیوں ہم کو اور ہمارے نوجوان طبقے کو اپنی طرف کھینچنے میں کامیاب ہو رہی ہیں، آخر وہ وقت کب آئے گا کہ ہم خواب غفلت سے بیدار ہوں گے کب ہماری ہر خموشی ٹوٹے گی، کب ہم کو احساس کمتری سے نجات ملے گی، جو حق ہمارے پاس ہے کب اس کی شمع فروزاں ہوگی۔

اللہ اپنے مقام کو پہچانیے۔ آپ حق کے علمبردار ہیں، قیادت اور امامت آپ ہی کا حق ہے۔ اس مقام کو حاصل کیجئے اور دین کا پرچم بلند کیجئے۔ اگر آپ کو اپنا کھویا ہوا مقام حاصل کرنا ہے تو آپ کو بہت کچھ کرنا ہوگا۔ پہلے اپنی اصلاح کرنی ہوگی، پھر دوسروں کی رہنمائی کرنی ہوگی، نئی نسل کو کافرانہ اور ملحدانہ عقائد و افکار سے بچانا ہوگا۔ یاد رکھیے اب بھی وقت ہے، اپنا فرض پہنانتے ہوئے میدان عمل میں نکل آئیے ورنہ مستقبل کے شب و روز بڑے مایوس کن نظر آتے ہیں۔ اس وقت عملی قدم نہیں اٹھایا گیا تو پھر اس کے نتیجے میں جو زبردست دینی نقصان ہوگا اس کے ذمہ دار آپ ہوں گے۔ سوچئیے کہیں ایسا نہ ہو کہ روزِ محشر اللہ تعالیٰ کے دربار میں آپ کا کوئی عذر قبول نہ ہو۔

اٹھیے، فرقہ بندی ختم کیجئے، فرقہ دارانہ نام اور فرقہ دارانہ مذاہب ختم کیجئے، ایک مرکز پر جمع ہو جائیے، صرف قرآن مجید اور احادیث نبوی پر عمل کیجئے۔ اسلام انہی دو چیزوں میں مکمل ہوا تھا اور انہی دو چیزوں میں ملے گا۔ تیسری چیز کی جستجو نہ کیجئے، فتوے، قیاسات اور اجتہادات اسلام نہیں ہیں، اللہ تعالیٰ کے بندے ہو کر انسانوں کے بندے نہ بنیے، ہر کام میں توحید کے دامن کو مضبوطی سے پکڑ لیجئے اور اسے کسی حالت میں نہ چھوڑیئے۔



## خدمتِ خلق

مسلمہ انشا علیہ السلام

موجودہ دور میں مختلف نظامہائے معیشت کو آزما کر اس بات کی کوشش کی جا رہی ہے کہ انسانیت کی دنیوی فلاح و بہبود کے لئے کوئی بہتر سے بہتر نظام دریافت کیا جائے۔ اسلام نے اپنے ماننے والوں کو جو معاشی نظام دیا ہے وہ حقیقتاً انسان کے لئے دنیوی اور اخروی فلاح و بہبود کا ضامن ہے کیونکہ جس شفقت، رحم و کرم، دردمندی اور غمگساری کی تعلیم اسلام دیتا ہے کوئی دوسرا مذہب یا نظریہ نہیں دیتا۔ ہر مسلم کا فرض ہے کہ وہ اپنے معاشرہ کے بے کس اور لاچار افراد کا سہارا بنے، بھوکوں کو کھانا کھلائے، ناداروں کو کپڑے پہنائے اور ان کی دوسری ضروریات کو پورا کرنے کی حتی الوسع کوشش کرے۔ کوئی مسلم اپنے بھائی کو قرض کے بارگراں کے نیچے دبا ہوا نہیں دیکھ سکتا، وہ کسی مریض، بیوہ اور یتیم کو مصائب و آلام کے حوالہ نہیں ہونے دیتا، وہ انسانی جذبہ سے سرشار ہو کر اپنی جان و مال معاشرہ کے ضرورت مند افراد پر قربان کر دیتا ہے یہی وہ جذبہ ایمانی ہے جو ایک مسلم کے قلب میں موجزن ہوتا ہے اور جو معاشرہ کو راحت و چین کا گہوارہ بنا دیتا ہے لیکن جو چیز اس جذبہ کی محرک ہے وہ ہے رضائے الہی کی تلاش و جستجو۔ ایک مسلم اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کے لئے سب کچھ قربان کر دیتا ہے اور یہی وہ محرک ہے جو مسلم کو خدمتِ خلق کے لئے ابھارتا ہے۔ کتنا حسین ہے یہ محرک جو مسلم کو بے لوث خدمتِ خلق کے لئے براہِ نیحتہ کرتا ہے۔

اب ذرا اپنے گرد و پیش نظر ڈالئے۔ دیکھئے آپ کے معاشرہ کی کیا کیفیت ہے۔ کیا اس معاشرہ میں مفلس و نادار لوگوں کی فراوانی نہیں ہے، کیا آپ کے درمیان ایسے لوگ نہیں ہیں جو آدھا پیٹ بھر کر رات بسر کرتے ہیں، کیا ایسے لوگ نہیں ہیں جو سردی کا موسم ٹھہرتے ہوئے گزارتے

ہیں، کیا ایسے مریض نہیں ہیں جو علاج کی سہولت نہ ہونے کی بناء پر دائمی تکلیف میں مبتلا ہیں، کیا ایسی بیوائیں اور یتیم نہیں ہیں جن کا کوئی سہارا نہیں ہے، کیا ایسے لوگوں کی کمی ہے جن کی جوان لڑکیاں صرف اس لئے شادی سے محروم ہیں کہ ان کے والدین کے ہاتھ خالی ہیں۔

ایسا کیوں ہے؟ معاشرہ کی اس ابتری کی ذمہ داری کس پر عائد ہوتی ہے۔ اگر آپ اپنے ضمیر سے فیصلہ طلب کریں تو بلاشبہ اس تمام خرابی کی فردِ جرم خود آپ پر عائد ہوگی۔ آپ نے اسوۂ محمدی کو بالائے طاق رکھ دیا، صحابہ کرام کی ہمدردی، سخاوت اور اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی جیسے اعلیٰ صفات آپ میں باقی نہیں رہے۔ آپ دنیوی لذتوں، عیش و طرب اور لہو و لعب کے خوگر ہو گئے۔ آپ نے اپنا روپیہ سامانِ عیش و نشاط، کھیل کود اور غیر ضروری تفریحات پر بہانا شروع کر دیا اور ”أَهْلَكْتُ مَا لَا ثَبَدًا“ کا مصداق بن گئے، آپ نے مندرجہ ذیل آیتوں کو بھلا دیا:-

فَلَا اقْتَحَمَ الْعَقَبَةَ ۝ وَمَا أَدْرَاكَ مَا الْعَقَبَةُ ۝ فَكُ رَقَبَةً ۝ أَوْ اطْعَمْتُ يَوْمَ ذِي مَسْجَبَةٍ ۝ يَتِيمًا ذَا مَقْرَبَةٍ ۝ أَوْ مِسْكِينًا ذَا مَشْرَبَةٍ ۝ ثُمَّ كَانَ مِنَ الَّذِينَ آمَنُوا وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ وَتَوَاصَوْا بِالْمَرْحَةِ ۝ أُولَئِكَ أَصْحَابُ الْمَيْمَنَةِ ۝ (الاقسم - ۱۱ تا ۱۸)

(افسوس انسان) گھاٹی کو پار نہ کر سکا اور تمہیں معلوم ہے کہ گھاٹی کیا ہے۔ (گھاٹی یہ ہے) : گردن کا آزاد کرانا (یعنی غلام کا آزاد کرانا یا مقروض کا قرض ادا کرنا)، فادہ کے دن رشتہ دار یتیم یا مسکین خاک نشین کو کھانا کھلانا، پھر اس کا ایمان دلوانے میں سے ہونا، ایک دوسرے کو صبر کی تلقین کرنا اور (خلق پر) رحم و کرم کرنے کی ترغیب دینا، (جو لوگ ان صفات کے حامل ہوں)

یہی توبہ کے ہاتھ والے (یعنی جنتی) ہیں۔

لے ترجمہ :- (انسان فخریہ کتاب ہے) میں نے خوب مال اڑایا (لا اقسام - ۶)

ان آیات سے معلوم ہوا کہ جنتی ہونے کے لئے ان دشوار کاموں کا کرنا ضروری ہے یعنی قرض دار کو قرضہ سے یا غلام کو غلامی سے آزاد کرانا، بھوکے رشتہ دار یتیموں اور خاک نشین مسکینوں کو کھانا کھلانا، ایمان لانا اور ایک دوسرے کو صبر و استقامت اور خلق الہی پر شفقت و مہربانی کرنے کی وصیت کرنا۔

آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وہ ارشادات بھی بھلائے جن میں آپؐ نے فرمایا تھا ”جو شخص اپنے بھائی کی حاجت روائی کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی حاجت روائی کرتا ہے، جو شخص کسی مسلم سے کسی مصیبت کو دور کرتا ہے اللہ اس سے قیامت کے دن ایک مصیبت کو دور کر دیگا (صحیح بخاری و صحیح مسلم) قرآن عظیم اور احادیث مقدسہ میں خدمت خلق کی فضیلت بار بار بیان کی گئی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ جو شخص خود کو اپنے بھائی کی خدمت میں لگا دے اللہ تعالیٰ اس کا کفیل بن جاتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں :-

وَاللَّهُ فِي عَوْنِ الْعَبْدِ مَا كَانَ الْعَبْدُ فِي عَوْنِ أَخِيهِ (صحیح مسلم) بندہ اپنے بھائی کی مدد کرتا رہتا ہے جو عموماً نادار اور مفلس لوگ ہی فتنوں کا شکار ہوتے ہیں۔ روٹی اور کپڑے کی خاطر وہ اپنا ایمان بیچ دیتے ہیں۔ وہ اُس جماعت کی طرف رخ کرتے ہیں جہاں انہیں رحم و کرم ہمدردی اور غمگساری نظر آتی ہے۔ اگر آپ اپنے بھائیوں کو فتنوں اور ایمان فروشی سے بچانا چاہتے ہیں تو آپ کو ان کی معاشی خبر گیری کا حقہ کرنی ہوگی، خود کو خدمت خلق کے جذبہ سے سرشار کرنا ہوگا اور عملاً ایسا نقشہ پیش کرنا ہوگا کہ آپ کے بھائی دوسرے دلفریب نظاموں، باطل مذہبوں اور فرقہ وارانہ مسلکوں سے بچ سکیں۔ اگر آپ کے بھائی آپ سے شفقت، محبت اور ہمدردی پائیں گے تو وہ آپ کو چھوڑ کر دوسری طرف کا رخ بھی نہیں کریں گے۔ آپ کی جماعت مستحکم رہے



گی، دوسری جماعتوں کا نظام درہم برہم ہو جائے گا، فتنے دم توڑ دیں گے اور آپ کا معاشرہ اتنا دلکش بن جائے گا کہ اپنے تو اپنے دوسرے بھی اس طرف کھینچے آئیں گے۔ آپ کمزوروں و ناداروں پر رحم کریں گے، اللہ تعالیٰ آپ پر رحم فرمائے گا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں :-  
 الرَّاحِمُونَ يَرْحَمُهُمُ الرَّحْمَنُ، رحم کرنے والوں پر ہی رحمن رحم کرتا ہے۔  
 اِرْحَمُوا مَنْ فِي الْاَرْضِ يَرْحَمْكُمْ (اے لوگو! تم اہل زمین پر رحم کرو، آسمان  
 مَنْ فِي السَّمَاءِ (رعاه الرہمدی وسندہ صحیح) والا تم پر رحم فرمائے گا۔  
 رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں :-

مَنْ لَا يَرْحَمُ لَا يُرْحَمُ (صحیح بخاری کتاب الادب جز ۸ ص ۹)  
 جو (لوگوں پر) رحم نہیں کرتا اس پر رحم نہیں کیا جاتا۔

مسلمہ اشاعت

## وقت کا اہم تقاضا

اسلامی معاشرہ کے انحطاط نے جو نقصانات ہماری قوم کو پہنچائے ہیں ان کی فہرست بڑی طویل ہے لیکن یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ سب سے بڑا نقصان دینی اور دنیوی تعلیم کے مدارس کی علیحدگی سے پہنچا ہے۔ دینی تعلیم مدارس دینیہ میں اور دنیوی تعلیم اسکولوں اور کالجوں میں علیحدہ علیحدہ دی جا رہی ہے۔ دینی مدارس کے طلباء دنیوی علوم اور مسائل حاضرہ سے ناواقف رہتے ہیں اور عملی دنیا میں عموماً ناکام ہو جاتے ہیں۔ اسکولوں اور کالجوں کے طلباء دینی علم سے نااہل اور اسلام سے دور ہو کر الحاد اور لہجہ دینی کا شکار ہو جاتے ہیں۔

دینی مدارس سے فارغ ہونے والے طلباء کو باوقار اور معقول ذریعہ معاش حاصل کرنے میں دشواریاں پیش آتی ہیں۔ مزید برآں وہ مادی ترقی سے متاثر اور جدید دور کے مسائل میں گرفتار انسانوں کو اسلام کی برتری کا قائل نہیں کر سکتے۔

اسکول اور کالج دین کو بگاڑنے اور غلط عقائد پھیلانے کا مرکز بننے چلے جا رہے ہیں۔ اول تو نصاب ہی ایسا ہے کہ اس سے طلباء صحیح اسلامی عقائد و افکار حاصل نہیں کر سکتے، دوسرے یہ کہ اکثر اساتذہ اسلام کے خلاف نظریات مثلاً پرویزیت، قادیانیت، اشتراکیت اور الحاد کی طرف مائل ہوتے ہیں اور طلباء کے ذہنوں پر اپنے نظریات کا گہرا اثر ڈالتے ہیں، تیسرے یہ کہ ان مدارس کے دارالمطالعے ایسی کتابیں مہیا کرتے ہیں جو طلباء کے ذہنوں میں دین سے نفرت کا جذبہ پیدا کرتی ہیں۔ ان کے مطالعہ میں اسلام کی وہ تاریخ آتی ہے جو دشمنان اسلام نے لکھی ہے۔ وہ تاریخی حقائق کے پر فریب نعروں سے دھوکا کھا جاتے ہیں اور ان کتب تاریخ کے مندرجات کو صحیح سمجھنے لگتے ہیں۔ صحابہ کرام کے متعلق جو مذموم مواد ان کتب تاریخ میں ہوتا ہے اس کو بڑھ کر وہ صحابہ کے متعلق بدگمانی میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ انہیں یہ کہنے کی جرأت نہیں ہوتی کہ قرآن مجید اور احادیث نبوی صحابہ کرام کی تعریف سے مملو ہیں لہذا یہ تاریخی واقعات سراسر جعلی اور فرضی ہیں اور انہیں یہ جرأت ہو بھی کیسے جبکہ وہ قرآن مجید اور احادیث نبوی سے قطعاً ناواقف ہوتے ہیں۔

مختصر یہ کہ موجودہ تعلیمی نظام ہر اعتبار سے ناقص اور نقصان دہ ہے۔ الحاد پھیلتا چلا جا رہا ہے۔ تبلیغی سرگرمیاں نہ ہونے کے برابر ہیں۔ ایسے حالات میں کیا امید کی جاسکتی ہے کہ آئندہ نسلوں میں اسلام باقی رہے گا۔ اٹھئیے۔ ایسی درس گاہیں قائم کیجئے جہاں فرقہ واریت سے دور رہتے ہوئے خالص اسلامی فضا میں دینی اور دنیوی دونوں علوم پڑھائے جائیں۔ دینی تربیت اور اسلامی اخلاق و آداب سکھانے پر پورا زور دیا جائے۔ طلباء کو نہ صرف قرآن مجید اور احادیث صحیحہ کی تعلیم دی جائے بلکہ اسلام کے خلاف جو فتنے اٹھ رہے ہیں یا پہلے سے موجود ہیں ان کے خلاف ٹھوس دلائل بھی ذہن نشین کئے جائیں تاکہ وہ خود بھی گمراہی سے بچ سکیں اور دوسروں کو

کو بھی گمراہی سے بچا سکیں۔ ایسے مدارس کا قیام وقت کا اہم ترین تقاضا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے بھروسے پر اٹھیے، ایسے مدارس کے قیام کے لئے پر خلوص جدوجہد کیجئے اور اپنی اولاد کو بے دینی سے بچانے کا سامان کیجئے۔ اگر اللہ نخواستہ آپ نے بے اعتنائی کی اور اس منصوبہ کو عملی جامہ نہ پہناسکے تو آئندہ نسلوں کے الحاد، کفر و شرک کی ذمہ داری کس پر ہوگی، کیا آپ میدانِ محشر میں صحیح جواب دے کر سرخرو ہو سکیں گے۔

## دینی اور دنیوی تعلیم کا امتزاج

سلسلہ اشاعت ۱۲

قوموں کی زندگی میں تعلیم کی حیرت انگیز انقلابی قوت و اہمیت کسی شرح کی محتاج نہیں اور یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ کسی ملک و ملت کا تعلیمی نظام اُس ملک و ملت کے نظامِ حیات کا عکس و پر تو ہوتا ہے۔ اگر ہم نظامِ زندگی کو صحیح اسلامی قدر کے مطابق قائم کرنا چاہتے ہیں تو سب سے پہلے ہمیں نظامِ تعلیم کو اسلامی نظریات کی روشنی میں از سر نو مرتب کرنا ہوگا۔ یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ قوموں کے عروج و زوال میں نظامِ تعلیم و تربیت سب سے زیادہ اہمیت کا حامل ہوتا ہے۔ وہی قومیں مائل بہ عروج ہوتی ہیں جن کا نظامِ تعلیم و تربیت ان اقوام کے نظریہ حیات کا مکمل پر تو ہوتا ہے اور وہ قومیں مائل بہ زوال ہوتی ہیں جن کا نظامِ تعلیم و تربیت غلامانہ ذہنیت کا حامل، اُن کے نظریہ حیات کے خلاف اور دوسری قوموں کی کورانہ تقلید اور نقالی پر مبنی ہوتا ہے۔

تاریخ شاہد ہے کہ جب تک ہم نے اپنا نظامِ تعلیم و تربیت اسلامی نظریہ حیات کے مطابق رکھا اُس وقت تک ہم دنیا کی سب سے اعلیٰ اور برتر قوم تھے۔ ہم نے ہر قسم کی ترقی کی، مادی بھی، فنی بھی اور سائنسی بھی مگر جب ہمارے نظامِ تعلیم و تربیت میں قرآن مجید اور احادیث نبوی کی جگہ



علوم عقلیہ اور غیر اقوام کی کورانہ نقالی نے لے لی تو ہم پر ظلمت و ادبار کی گھٹائیں چھا گئیں اور ہم مائل بہ زوال ہو گئے۔

موجودہ نظام تعلیم و تربیت کا مقصد محض فوکر شاہی ذہنیت کو کو پیدا کرنا ہے۔ اب تعلیم کا مقصد عموماً ملازمت کے سوا اور کچھ نہیں رہا۔ دین اور دنیا کے درمیان ایک عظیم دیوار عائل کر دی گئی ہے۔ دینی تعلیم صرف رسمی رہ گئی اور دنیوی تعلیم محض دنیا پرستی رہ گئی۔ دنیوی مدارس میں ایسا نظام تعلیم رائج کیا گیا جس نے طلباء کو دین سے دور کر دیا، طلباء دین سے بے بہرہ ہو گئے اور دین کی مخالفت کر لے گئے۔ دینی مدارس کے طلباء میں احساس کمتری پیدا ہو گیا اور وہ اپنا وقار قائم نہ رکھ سکے۔ الحاد پھیلتا چلا گیا اور نئی نسلیں اسلام سے دور ہوتی چلی گئیں۔

اس فتنہ کے انسداد کے لئے ہونا یہ چاہیے کہ ایسی درسگاہیں قائم ہوں جن میں دینی اور دنیوی علوم کو ایک جگہ کیا جائے۔ بچوں کو ابتداء ہی سے دینی و دنیوی تعلیم پورے احساس و شعور کے ساتھ اس طرح دی جائے کہ ان کو ایک طرف اپنے دین اسلام اور اس کے تقاضوں سے پوری طرح واقفیت ہو اور وہ عملی مسلم بنیں تو دوسری طرف وہ دور جدید کے علوم و فنون سے کما حقہ واقف ہو کر دنیا کے ہر میدان میں تمام اقوام عالم پر برتری حاصل کریں۔

# مکمل اسلامی معاشرہ کا قیام

مکمل اسلامی معاشرہ کے قیام کے سلسلہ میں بہت سی رکاوٹیں ہیں مثلاً عوام الناس کا دنیا اور دنیوی ساز و سامان کی طرف رجحان، دنیا کو آخرت پر ترجیح، فکر آخرت کا فقدان، فتنوں کی فراوانی۔ الامن شاء اللہ سب ایک ہی رنگ میں رنگے ہوئے ہیں، دنیا مکمل کرنے کی ہوس نے ان کو ایسا غافل کر دیا ہے کہ انہیں دین کے لئے کچھ کرنے کا ہوش ہی نہیں اور جن کو تھوڑا بہت ہوش ہے بھی تو وہ وقت نہیں دے سکتے۔ وقت دیتے بھی ہیں تو نوافل اور فضائل میں، مسائل اور فرائض کی کوئی پرواہ نہیں۔ فرائض سے صرف نظر کر کے انہوں نے نوافل اور فضائل میں اپنی تمام صلاحیتوں کو صرف کر دیا ہے اور اپنی اس غفلت سے یہ لوگ اسلام کو سخت نقصان پہنچا رہے ہیں۔ موجودہ معاشرہ ہی نہیں بگڑ رہا بلکہ آئندہ آنے والا معاشرہ بھی اسی بگڑی ہوئی حالت پر استوار ہوگا۔ اُس کے ذمہ دار یہی لوگ ہوں گے جو اس وقت معاشرہ میں موجود ہیں۔ یہ لوگ اپنے فرائض کو نہیں پہچانتے۔ آئندہ آنے والی نسل کی نشوونما کے لئے اسلامی ماحول پیدا کرنا ان پر فرض ہے۔ قرآن مجید کی معنوی تحریف اور احادیث نبویہ کے انکار سے جو الحاد پھیل رہا ہے اس کی سرکوبی کے لئے جدوجہد کرنا ان کا فرض ہے۔ احادیث نبویہ پر جو اعتراضات کئے جاتے ہیں ان کا ازالہ ان کا فرض ہے لیکن یہ اپنے فرائض سے بالکل غافل ہیں اور جب انہیں اس خطرناک فتنہ کا احساس دلا یا جائے تو اس کو کوئی اہمیت دینے کے لئے تیار نہیں۔ نتیجہ ظاہر ہے کہ اس وقت جو تھوڑی بہت ایمان کی چنگاری نظر آرہی ہے اندیشہ ہے کہیں یہ بھی نہ بجھ جائے۔

جماعت المسلمین نے عوام الناس کو ہوشیار کرنے اور معاشرہ کی اصلاح کے لئے جدوجہد شروع کی، پمفلٹ شائع کئے، ہفتہ وار، ماہانہ و سہ ماہی یک روزہ و دو روزہ اجتماعات کئے لیکن عوام الناس نے ان سے کوئی سبق حاصل نہیں کیا۔ اجتماعات تقریباً سونے رہے۔ یہ صورتحال دیکھ کر جماعت المسلمین نے فیصلہ کیا کہ موجودہ معاشرہ کی اصلاح کے ساتھ ساتھ کوئی ایسی ٹھوس تدبیر کرنی چاہیے جس سے کم از کم مستقبل میں تو معاشرہ اسلامی خطوط پر تشکیل پاسکے۔ یہ ٹھوس کام ایسے مدارس کا قیام ہے جہاں تو نہالان قوم کو خالص اسلامی ماحول میں تعلیم دی جائے۔ ان کی تربیت اس طرح کی جائے کہ وہ آئندہ صحیح معنوں میں مسلم بن کر اسلام کی صحیح خدمت انجام دے سکیں۔

جماعت المسلمین جب اس فیصلہ پر پہنچی تو اس کے سامنے دو قسم کے مدارس تھے۔ دینی اور دنیوی۔ دینی مدارس کی طرف رغبت بہت کم ان مدارس کے حصہ میں عموماً کند ذہن اور وقت گزارنے والے طلباء آتے ہیں۔ وہ نہ صحیح معنی میں عالم بنتے ہیں اور نہ محقق۔ جب وہ سندے کر نکلتے ہیں تو ان کے پاس روزی کمانے کا کوئی ذریعہ نہیں ہوتا۔ دنیوی علوم سے قطعاً بے بہرہ۔ موجودہ معاشرہ میں نہ ان کا کوئی وقار ہوتا ہے اور نہ عزت۔ دنیوی مدارس کا حال کس سے پوشیدہ ہے۔ غیر اسلامی ماحول، غیر اسلامی تربیت، ثقافت اور فنون لطیفہ کے نام سے ہر غیر اسلامی چیز کو اسلامی بتا کر ان کے ذہنوں کو مسموم کیا جاتا ہے۔ الحاد اور الکاحدیت کے جراثیم ان کے ذہنوں میں داخل کئے جاتے ہیں۔ اسلامی علوم سے قطعاً نا آشنا، اسلامی اخلاق اور عمل سے قطعاً بے بہرہ، احساس کمتری کا شکار، کیا ایسے طلباء آگے چل کر اسلام کے کام آسکتے ہیں۔

غرض یہ کہ دونوں قسم کے مدارس میں اسلامی جذبہ کا تقریباً فقدان ہے۔ محض رسمی تقاریب اور محافل و مجالس بس ان کا دین ہے۔ جلوس



اور جلسے بس ان کا عمل ہے۔ اسلام پر عمل کرنے کا عزم نہ بنایا محفل میں پایا جاتا ہے اور نہ حاضرین محفل میں۔

الغرض دونوں قسم کے مدارس میں اسلام کی حقانیت کا سکہ نہیں بٹھایا جاتا۔ دینی مدارس میں فرقہ واریت نے جڑ پکڑ رکھی ہے اور دنیوی مدارس میں الحاد کے جراثیم کی ایسی زبردست یورش ہے کہ الامان الحفیظ۔ اسلامی معاشرہ قائم کرنے میں وہ رکاوٹیں جن کا ہم نے شروع میں ذکر کیا ہے اہم ضرور ہیں لیکن سب سے بڑی رکاوٹ ہمارا ناقص و فرسودہ نظام تعلیم ہے۔ جماعت المسلمین نے فیصلہ کیا کہ اس ناقص اور فرسودہ نظام تعلیم کی جگہ ایسا نظام تعلیم نافذ کرے جس میں دین و دنیا کا حسین امتزاج ہو۔ جماعت المسلمین اس سلسلہ میں جدوجہد کر رہی ہے۔

مسئلہ اشاعت ۳۶۹

## اسلامی معاشرہ کا قیام اور جماعت المسلمین کا تعلیمی منصوبہ

”مکمل اسلامی معاشرہ کیسے قائم ہو؟“ یہ ایک سوال ہے جو ہر مسلم کے ذہن میں پیدا ہوتا ہے خصوصاً ایسے ناسازگار حالات میں کہ خود اسلام پر ایمان رکھنے والے اسلامی ضابطہ حیات کی بندشوں کو برداشت کرنے کے لئے تیار نہیں۔ شرابی شراب چھوڑنے کے لئے تیار نہیں، سرمایہ دار سودی کاروبار چھوڑنے کے لئے تیار نہیں۔ نیم عریاں رقص و سرود کی محفلوں سے لطف اٹھانے والے کب چاہتے ہیں کہ ان کی لطف اندوزیوں پر پابندی لگائی جائے۔ عیاشی، فحاشی، استحصال اور ذخیرہ اندوزی کرنے والے کب چاہتے ہیں کہ ان چیزوں کو ختم کیا جائے۔ علماء کی اکثریت کا حال بھی عوام سے مختلف نہیں۔ دنیا کی دوڑ میں وہ بھی اب کسی سے پیچھے رہنا نہیں

چاہتے۔ اتباع قرآن مجید اور سنت نبوی پر دھواں دھار تقریر کرنے والے خود عمل بالقرآن المجید اور اتباع سنت سے عاری ہیں۔ ان کا حال ان کے قال سے یکسر مختلف ہے۔ ان کے ظاہر پر اسلام کا ملمع تو ضرور ہے لیکن باطن اسلام کی روح سے خالی ہے، آپس میں ایک دوسرے سے دست بگریباں اور ہم جنس دیگرے نیست کا مصداق ہیں۔ ان کے اہل و عیال، ان کی خانگی زندگی، ان کا گھر بار، ان کے زیر دست اسلام کے عقائد و اعمال سے بے خبر ہی نہیں بلکہ غیر اسلامی معاشرہ کی تشکیل و ترقی میں ممد و معاون ہیں۔ بد اخلاقی اُن کا شیوہ، خدمت خلق سے انہیں گریز، اپنی آمدنی اور عقیدہ تمندوں کی عقیدت کو برقرار رکھنے کے لئے غیر اسلامی اور شرک آمیز فتوے دینا ان کا روزمرہ کا معمول۔ ان حالات میں معاشرہ کی اصلاح کون کرے۔ کیا ایسے مبلغ جو ایک ایک تقریر کے پانچ پانچ سو، ایک ایک ہزار روپیہ لیتے ہوں، جن کی خواہش یہ ہو کہ عمدہ کھانے اور جملہ راحت کے سامان انہیں پیش کئے جائیں تب مبلغ کا حق ادا کر سکتے ہیں؟ کیا ایسے علماء جو کسی سرمایہ دار کے دست نگر ہوں حق گوئی اور بے باکی کے زیور سے آراستہ ہو سکتے ہیں۔ نہیں، ہرگز نہیں تو پھر ظاہر ہے کہ اسلامی معاشرہ کا برپا کرنا تقریباً ناممکن ہے۔ جن بچوں کی گھٹی میں غیر اسلامی دستور حیات کی آمیزش ہو کیا وہ بڑے ہو کر اسلام کے سپاہی بن سکتے ہیں۔ الغرض نہ موجودہ نسل اسلام کو نافذ کرنا چاہتی ہے اور نہ آئندہ آنے والی نسل سے اس قسم کی توقع رکھی جاسکتی ہے۔ ان حالات میں کسی وقت اور کسی زمانہ میں بھی مکمل اسلامی معاشرہ کے قیام کی توقع رکھنا خوش فہمی سے زیادہ نہیں۔ اگر حکومت وقت ڈنڈے کے زور سے یہ کام کرنا بھی چاہے تو اس کی مثال اس قلعہ جیسی ہوگی جو ریت پر بنایا گیا ہو، کچھ نہیں کہا جاسکتا کہ غیر اسلامی انقلاب کی آندھی کسی وقت بھی اس قلعہ کو نیست و نابود کر دے۔

پابندار اسلامی معاشرہ کا قیام اسی وقت ممکن ہے کہ معاشرہ کے ہر فرد کا نہیں تو کم از کم اکثریت کا ذہن بدلا جائے، اللہ تعالیٰ کا خوف پیدا کیا جائے اور محشر کا خوفناک منظر پیش نظر رکھ کر فکر آخرت کا بیج بویا جائے لیکن آخر یہ کام کرے کون؟ کسی خفقتہ قوم کو جگانا نہیں ہے بلکہ مردہ قوم کو زندہ کرنا ہے۔ یہ کام اتنا مشکل ہے کہ کامیابی دور دور تک نظر نہیں آتی۔ ایسی صورت میں ہم اگر کچھ کر سکتے ہیں تو یہ کر سکتے ہیں کہ آئندہ آنے والی نسل کو سنبھالیں اور ان میں صحیح اسلامی ذہن اور جذبہ ایثار و قربانی پیدا کریں۔ یہ کام مدارس ہی سے ہو سکتا ہے لیکن موجودہ مدارس سے یہ توقع نہیں کی جاسکتی۔ دینی مدارس بے رونق ہیں اور صحیح اسلامی جذبہ سے عاری ہیں، دنیوی مدارس بارونق ہیں لیکن اسلام سے کوسوں دور۔

جماعت المسلمین نے اس خرابی کو دور کرنے کا عزم کیا ہے۔ دینی اور دنیوی علوم کو یکجا پڑھانے کا منصوبہ بنایا ہے۔ جماعت المسلمین کے تعلیمی منصوبہ کا خاکہ مختصراً درج ذیل ہے :-

① دینی و دنیوی علوم کا امتزاج یعنی اس طرح تعلیم دینا کہ ہر بچہ بیک وقت عالم دین بھی بنے، دین پر عمل بھی کرتا ہو اور دنیوی علوم و فنون میں بھی یونیورسٹیوں کی کسی نہ کسی ڈگری کا حامل ہو،

② دوران تعلیم بچوں میں اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بے پناہ محبت پیدا کرنا، بار بار قیامت کا تصور پیدا کرنا، اسلامی نظام کی برتری کا مدلل و محقول ثبوت دینا، قرآن مجید اور احادیث نبویہ پر ہونے والے تمام اعتراضات کا جواب ان کے ذہن نشین کرنا،

③ اسلامی آداب کی عملی تربیت دینا،

④ فرقہ وارانہ مذاہب سے ہوشیار کرنا اور دلائل سے ثابت کرنا

کہ یہ مذاہب دین اسلام نہیں ہیں،

⑤ دوران تعلیم ذہن کو تیز کرنے کے لئے مختلف قسم کے سوال کرنا۔



امتحانات میں پہلی جماعت سے لے کر آخری جماعت (مثلاً ایم اے، پی ایچ ڈی

وغیرہ) تک زبانی امتحان لینا اور ذہنی سوال کرنا،

⑥ ایسے جسمانی اور ورزشی کھیلوں کا اہتمام کرنا جن میں تضرع اذنا

نہ ہو اور

⑦ فنون جنگ سے واقفیت پیدا کرنا۔

## جماعت المسلمین کا تعلیمی منصوبہ

سلسلہ اشاعت

جب کسی قوم پر جمود طاری ہوتا ہے اور تقلید اور نقالی کی جڑیں مضبوط ہوتی چلی جاتی ہیں تو پھر وہ قوم دن بدن پستی کی طرف جاتی ہے۔

جمود کیوں طاری ہوتا ہے؟ تقلید اور نقالی کیوں آتی ہے؟ اگر اس

مسئلہ کا جائزہ لیا جائے تو معلوم ہوگا کہ اس کا اصلی سبب ناقص نظام تعلیم ہے۔ موجودہ مدارس میں تعلیم حاصل کرنے کی وجہ سے ہماری آئندہ آنے والی

نسل دین، اسلامی اخلاق اور احساس برتری سے بے بہرہ ہوتی چلی جا رہی

ہے۔ تجدد، الحاد اور انکارِ حدیث کے فتنے پوری قوت اور خوشنما فریب

کے ساتھ اس کمزور نسل پر حملہ آور ہو رہے ہیں جس کا نتیجہ سوائے دین سے

نفرت کے اور کیا ہو سکتا ہے۔ دینی مدارس اس لئے خالی ہیں کہ وہاں مادی

کشش نہیں ہے اور جو بھولے بھٹکے ان مدارس میں داخلہ لیتے ہیں ان کے

ذہن کی جلا رکی کوئی تدبیر اختیار نہیں کی جاتی اور نہ ان کو جدید علوم و تحقیقات

سے روشناس کرایا جاتا ہے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ جب یہ طبقہ ان دینی مدارس

سے فارغ ہو کر نکلتا ہے تو جدید تعلیم یافتہ طبقہ میں اس کا کوئی مقام نہیں

ہوتا۔ یہ طبقہ نہ تو دورِ حاضر کے مسائل حل کرنے میں کامیاب ثابت ہوتا ہے

اور نہ ان اعتراضات کو دفع کر سکتا ہے جو آئے دن اسلام پر ہوتے رہتے

ہیں۔ ان تمام حقائق کو پیش نظر رکھتے ہوئے جماعت المسلمین نے اپنا تعلیمی منصوبہ مرتب کیا۔ اس منصوبہ کا مختصر خاکہ یہ ہے کہ دینی علوم کے ساتھ دنیوی علوم کی تعلیم بھی دی جائے۔ تعلیم بہت ٹھوس اور معیاری ہو۔ جو طالب علم اس مجوزہ تعلیمی نصاب کی تکمیل کے بعد مدرسہ سے نکلے تو وہ بہ یک وقت باطل صحیح العقیدہ اور بالغ نظر عالم دین بھی ہو اور یونیورسٹی کی ڈگری کا حامل بھی ہو۔ وہ خود اپنے پیروں پر کھڑا ہونے کی قابلیت رکھتا ہو۔ کسی کا محتاج اور دست نگر نہ ہوتا کہ بے باکی کے ساتھ حق بیان کر سکے۔

## جماعت المسلمین کا ابتدائی تربیتی منصوبہ

جماعت المسلمین کے تعلیمی منصوبہ کا ذکر پہلے ہو چکا ہے۔ مختصر اہم پر اس کا تذکرہ کرتے ہیں۔

جماعت المسلمین کا تعلیمی منصوبہ یہ ہے کہ ایسے اسکول اور کالج قائم کئے جائیں جن میں دینی اور دنیوی علوم کا حسین و دلکش امتزاج ہو، جن میں اسلامی تہذیب کی ٹھوس عملی تربیت دی جائے، طلباء کے مزاج کو خالص اسلامی سانچے میں ڈھالا جائے اور ان کے ذہنوں میں اسلام کی برتری کا ایسا سنگہ بٹھایا جائے کہ جب وہ ایسے مدارس سے فارغ ہو کر نکلیں تو اسلام کی روشنی میں معاشرہ کی بہترین طریقہ سے اصلاح کر سکیں اور صحیح معنی میں اسلام کی تبلیغ کا حق ادا کر سکیں۔ الحمد للہ جماعت المسلمین برابر اس کوشش میں ہے کہ آئندہ آنے والی نسل کے ذہنوں کو موجودہ دور کے فتنوں سے محفوظ رکھ کر انہیں صحیح معنی میں مسلم بنائے اور نہ صرف مسلم بنائے بلکہ اس قابل بنائے کہ وہ ان فتنوں کا مردانہ وار مقابلہ اور ان کا مکمل استیصال کر سکیں۔

جماعت المسلمین کا یہ منصوبہ کب پورا ہوگا اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے۔ بہر حال اس درمیانی عرصہ میں ہم مسجدوں سے کسی حد تک اس منصوبہ کے

مقصد کو پورا کر سکتے ہیں۔ مسجدوں میں بچے اچھی خاصی تعداد میں ناظرہ قرآن مجید پڑھتے ہیں مگر قرآن مجید کے پڑھنے کا جو مقصد ہے وہ حاصل نہیں ہوتا۔ بچے نہ قرآن مجید سمجھتے ہیں اور نہ اس پر عمل کرتے ہیں، نہ ان کا ذہن و فکر اسلامی بنتا ہے اور نہ خدمت دین کا جذبہ پیدا ہوتا ہے، جو دکاشکار ہوتے ہیں، فعالیت مقصود ہوتی ہے، مسجد کے باہر غیر اسلامی فضائیں وہ نشوونما پاتے ہیں اور اس طرح غیر اسلامی تہذیب کے سانچے میں ڈھلتے چلے جاتے ہیں۔ بتائیے کیا ایسے بچے جو ان ہو کر دین کی حفاظت کرنے کے قابل ہو سکیں گے۔

اگر ان بچوں کو جو اپنا کافی وقت مسجدوں میں محض ناظرہ قرآن مجید کی تعلیم میں گزارتے ہیں اسلامی آداب کی عملی تربیت دی جائے، ان سے مسلسل عملی مشق کرائی جائے، ان کے ذہنوں کو ان کی استطاعت کے مطابق اسلامی سانچہ میں ڈھالا جائے، قرآن مجید کا ترجمہ سکھایا جائے، توحید اور رستہ پر ایمان لانے کے تقاضے بتائے جائیں اور آسان طریقہ سے کچھ عربی زبان بھی سکھائی جائے تو امید ہے کہ اچھے نتائج نکلیں گے۔

## جماعت المسلمین کے اجتماعات

اور

## ان کی افادیت

اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے متعدد احکام سے اکثر لوگ ناواقف ہیں۔ جو لوگ واقف ہیں اور ان پر عمل کرتے ہیں تو ان میں سے اکثر کو ان احکام پر عمل کرنے کا طریقہ نہیں آتا۔ اس کی وجہ صرف



یہی ہے کہ صحیح قسم کی تعلیم و تربیت کا فقدان ہے۔ نہ احکام ہی کو خاطر خواہ اہمیت دی جاتی ہے اور نہ ان کے طریقہ ادا ایگی کو۔ مثلاً وضو ہی کو لیجئے۔ وضو دن میں کئی بار کرنا پڑتا ہے اس کے باوجود اکثر لوگ اس کے صحیح طریقہ سے ناواقف ہیں اور اگر کچھ لوگ واقف بھی ہیں تو عمل نہیں کرتے۔ مثال کے طور پر ہم آپ کو کُلی کرنے اور ناک میں پانی ڈالنے کے طریقہ کی طرف توجہ دلاتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک ہی چلو سے کُلی کرتے اور ناک میں پانی ڈالتے اور اس طرح تین دفعہ کرتے (صحیح بخاری) ایک حدیث میں یہ لفظ ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کُلی کرتے، ناک میں پانی ڈالتے اور ناک سنکتے۔ تین چلوؤں سے تین مرتبہ ایسا کرتے (صحیح بخاری عن عبد اللہ بن زید) ایک حدیث میں یہ الفاظ ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک چلو پانی لیتے اور اس سے کُلی بھی کرتے اور ناک میں پانی بھی ڈالتے (صحیح بخاری عن ابن عباس)۔ الغرض اس قسم کی تمام احادیث کا خلاصہ یہ ہے کہ ایک چلو پانی لے کر اس میں کچھ پانی سے کُلی کرے، کُلی کرنے کے بعد چلو میں بچے ہوئے پانی کو ناک میں ڈالے پھر ناک سنکے۔ اس طرح تین مرتبہ کرے۔ اب بتائیے کیا عام طور پر لوگ ایسا ہی کرتے ہیں۔ اگر نہیں کرتے تو اس کی کیا وجہ ہے؟

واضح ہو کہ تین چلوؤں سے کُلی کرنا اور پھر تین چلوؤں سے ناک میں پانی ڈالنا کسی حدیث سے ثابت نہیں۔

الغرض اس قسم کے اور بھی بہت سے مسائل ہیں جن سے عوام قطعاً بے خبر ہیں۔ جماعت المسلمین اپنے اجتماعات میں ان چیزوں کی تعلیم اور عملی تربیت کا اہتمام کرتی ہے۔ جو لوگ ان اجتماعات میں شریک ہوتے ہیں انہیں ان اجتماعات کی افادیت کا علم ہے۔ بعض لوگ اپنی طول عمری کے باوجود ان مسائل سے ناواقف ہونے پر افسوس کا اظہار کرتے ہیں۔ قارئین کرام غور فرمائیے کہ آخر لوگوں کو ان چیزوں کی تعلیم و تربیت

کی ضرورت ہے یا نہیں۔ اگر ہے تو اس کو پورا کرنے کا کیا انتظام ہے۔  
 مختلف فتنوں کا ذکر ہم اپنے مختلف مضامین میں کر چکے ہیں۔ ان  
 فتنوں کے سد باب کے ذرائع کا بھی ہم ذکر کر چکے ہیں۔ ان فتنوں کے سد باب  
 کا ایک ذریعہ اجتماعات بھی ہیں جن میں فتنوں سے روشناس کرایا جائے،  
 ان کا مدلل ابطال کیا جائے اور فتنہ انگیز لوگوں اور جماعتوں کے دجل اور  
 فریب سے آگاہ کیا جائے۔ ایسے اجتماعات کا نہ ہونا اور اگر ہوں تو ان  
 میں شریک نہ ہونا ہی کم علم لوگوں کی گمراہی کا سبب ہوتا ہے۔ کاش  
 عوام الناس قرآن مجید اور احادیث صحیحہ کا ٹھوس علم حاصل کریں، ان  
 میں جو احکام صادر ہوئے ہیں ان پر پورے ذوق و شوق سے عمل کرنے کا  
 طریقہ سیکھیں، فتنوں سے واقف ہوں اور ان کے قلع قمع کرنے کے لئے  
 دلائل کی تعلیم حاصل کریں۔ ہو سکتا ہے کہ اس طرح وہ اپنے آپ کو فتنوں  
 سے بچا سکیں۔

جماعت المسلمین کے اجتماعات کا مقصد احکام الہی کی تعلیم و تربیت  
 ہے۔ حاضرین کو کچھ عرصہ کے لئے فاصلہ اسلامی ماحول مہیا کرنا، دن و رات  
 اللہ تعالیٰ کا ذکر، اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام  
 کا چرچا، آپس میں ایک دوسرے سے محبت اور میل جول، ایک دوسرے  
 کو نصیحت، غلطیوں کا ازالہ، فتنوں کی سرکوبی کے لئے دلائل و براہین کے  
 ہتھیار فراہم کرنا، یہ تمام باتیں جماعت المسلمین کے اجتماعات کی جان  
 ہیں۔ مزید برآں یہ اجتماعات وقت و راحت کی قربانی کی تربیت بھی دیتے  
 ہیں اور اس قربانی کا عادی بھی بناتے ہیں۔

قارئین کرام، اگر آپ سمجھتے ہیں کہ علم حاصل کرنا فرض ہے اور یہ  
 حقیقت بھی ہے تو پھر آئیے اور جماعت المسلمین کے اجتماعات کو قریب سے  
 آکر دیکھئے۔ اپنی اصلاح کیجئے اور دوسروں کی اصلاح کیجئے۔

## اتمامِ محبت

ہم نے مختلف عنوانات پر یکے بعد دیگرے کئی مضمون آپ کی حد میں پیش کئے۔ اسلام کو جن فتنوں کا سامنا ہے ہم نے اجمالاً ان کا ذکر کیا، ہم نے بتایا کہ ان فتنوں کے سلسلہ میں آپ کس قدر غفلت برت رہے ہیں، ہم نے انکارِ حدیث کے عظیم فتنے سے آپ کو خبردار کیا، منکرینِ ختمِ نبوت کے خطرہ سے ہم نے آپ کو آگاہ کیا، ملک میں عیسائی مشنریوں کی سرگرمیاں آپ کو بتائیں، سوشلزم کے ہمہ گیر اور پُر فریب فتنہ کی طرف آپ کو توجہ دلائی، سرمایہ داری کی لعنت اور اس کے بے جا مصارف سے آپ کو متنبہ کیا، ہم نے بتایا کہ آپ کی نئی نسل کس طرح ان فتنوں سے متاثر ہو رہی ہے اور ان کے دین و ایمان، اخلاق و کردار کا مستقبل کتنا تاریک ہے۔

ہم نے آپ کو بتایا کہ آپ کے گھروں کا کیا حال ہے، اخبار کس نہج پر چل رہے ہیں، آپ کی تہذیب کے آخری قلعہ کو کس طرح مسمار کر دیا گیا ہے اور اس کے نتائج کیا ہوں گے، فتنے کس شوخی کے ساتھ ہمارے گھروں اور ہمارے ذہنوں میں داخل ہو رہے ہیں اور کس دیدہ دلیری کے ساتھ ہمارے مدارس پر بلغا کر رہے ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ اس وقت اہل اسلام کو زبردست خطرہ کا سامنا ہے۔ قرآن مجید اور احادیث نبوی میں معنوی تحریف تو ایک عرصہ سے جاری ہے، اب لفظی تحریف کا بھی خطرہ پیدا ہو گیا ہے۔ سوشلسٹ ممالک کا حال کس سے پوشیدہ ہے۔ الغرض بڑی کثیر تعداد میں فتنے منڈلا رہے ہیں۔ کیا ہمیں احساس ہے؟ کیا ہم نے ان فتنوں کے سدباب کے متعلق کبھی سوچا؟



اس سلسلہ میں جماعت المسلمین اپنا تعلیمی منصوبہ جو وقت کا اہم تقاضا ہے پیش کر چکی ہے۔ جماعت المسلمین تبلیغی میدان میں بھی کود پڑی ہے اور ایسے اجتماعات منعقد کر رہی ہے جن میں عوام الناس کو تربیت دی جاتی ہے۔ جماعت المسلمین کھوس علمی دلائل سے فتنوں کا مقابلہ کرنے کے لئے تحریر و تقریر کا اہتمام کر رہی ہے۔ جماعت المسلمین خالص اسلامی معاشرہ کے قیام کا بھی فیصلہ کر چکی ہے۔

غرض کہ جماعت المسلمین اسلام کو مضبوط بنیادوں پر قائم کرنے کی جدوجہد کر رہی ہے۔ اگر آپ چاہتے ہیں کہ آپ خالص اسلامی معاشرہ میں زندگی بسر کریں جس کی بنیاد فرقہ وارانہ مذاہب پر نہ ہو بلکہ صرف قرآن مجید اور احادیث نبوی پر ہو، اگر آپ اپنی اولاد کا دینی اور دنیوی مستقبل تباہناک دیکھنا چاہتے ہیں اور اگر آپ چاہتے ہیں کہ دین اسلام دنیا کے دور دراز گوشوں تک پہنچے اور چپہ چپہ پر عملاً نافذ ہو تو جماعت المسلمین کے ساتھ تعاون فرمائیں۔

یہ اشاعت بطور اتمام حجت پیش کی جا رہی ہے۔ ہمیں امید ہے کہ ہماری گزارشات صدا بصر اثبات نہیں ہوں گی اور اب آپ مستعدی سے خدمتِ دین انجام دینی شروع کر دیں گے۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

## متفرق مضامین

### جمعہ کا خطبہ اور فرقوں کا طرزِ عمل

خطبہ کا مقصد | خطبہ خطاب سے مشتق ہے۔ خطبہ میں حاضرین سے خطاب کیا جاتا ہے لہذا ضروری ہے کہ خطبہ اس زبان میں ہو جس زبان کو مخاطبین سمجھ سکیں۔ اگر مخاطبین خطبہ کو نہ سمجھ سکیں تو ظاہر ہے کہ خطاب کا مقصد حاصل نہیں ہوگا۔

حضرت جابر بن سمرہؓ فرماتے ہیں :-

كَانَتْ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خُطْبَتَانِ يَجْلِسُ بَيْنَهُمَا يَقْرَأُ الْقُرْآنَ وَيَذْكُرُ النَّاسَ (صحیح مسلم کتاب الجمعة باب ذکر الخطبتین قبل الصلوة جزا اول ص ۲۱)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم دو خطبہ دیا کرتے تھے۔ ان دونوں کے درمیان آپ بیٹھتے تھے (اور ان خطبوں میں) آپ قرآن پڑھتے تھے اور لوگوں کو نصیحت فرماتے تھے۔

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ خطبے نصیحت کے لئے ہیں اور نصیحت سمجھنے کے لئے ہوتی ہے لہذا خطبہ سامعین کی زبان میں ہونا ضروری ہے بعض لوگوں نے اس مقصد کو حاصل کرنے کے لئے تیسرا خطبہ ایجاد کر لیا جو مسنون خطبوں سے پہلے حاضرین کی زبان میں دیا جاتا ہے۔ یہ تیسرا خطبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں لہذا خطیب حضرات کا تیسرا خطبہ دینا بدعت ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سامعین کی زبان میں خطبہ دیا کرتے تھے  
یعنی سامعین کی زبان میں خطبہ دینا سنت ہے۔ جو لوگ سامعین کی زبان  
میں خطبہ نہیں دیتے وہ سنت کی خلاف ورزی کرتے ہیں اور خطبہ کے مقصد کو  
معدوم کرتے ہیں۔

خطبہ کا طویل ہونا | طویل خطبہ دینا بھی سنت کی خلاف ورزی ہے۔  
خلاف سنت ہے | حضرت جابر بن سمرہؓ فرماتے ہیں :-

كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يُطِيلُ الْمَوْعِظَةَ  
يَوْمَ الْجُمُعَةِ إِنَّمَا هُنَّ كَلِمَاتٌ  
يَسِيرَاتٌ (رواهُ ابوداؤد في كتاب  
الجمعة باب اقصار الخطب ۱۶۵۔ رجاله  
ثقات۔ سكت عنه ابوداؤد والمنذرى۔  
عون المعبود۔ سندہ صحیح)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کے  
دن نصیحت کو لمبا نہیں کرتے تھے۔ آپ  
کے ارشادات (چند) ہلکے پھلکے جملے ہوا  
کرتے تھے۔

حضرت عمار بن یاسرؓ فرماتے ہیں :-

أَمَرَنَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ  
بِإِقْصَارِ الْخُطْبِ  
(رواهُ ابوداؤد في كتاب الجمعة باب  
اقصار الخطب ۱۶۵۔ سندہ حسن)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں :-

إِنَّ طُولَ صَلَاةِ الرَّجُلِ وَقَصْرَ  
خُطْبَتِهِ مِثْلُهُ مَنُ فَقِهِهِ  
فَاطِيلُوا الصَّلَاةَ وَاقْصُرُوا  
الْخُطْبَةَ وَإِنَّ مِنَ الْبَيَانِ  
سِحْرًا (صحیح مسلم کتاب الجمعة باب

آدمی کا نماز کو طول دینا اور خطبہ کو مختصر  
کرنا اس کی دانائی کی علامت ہے لہذا  
نماز لمبی پڑھا کرو اور خطبہ مختصر دیا کرو  
اور بے شک بعض بیان جادو ہوتا ہے۔



تخفيف الصلاة والخطبة جزر اول (۲۲۲)

اسلام کا نظام عدل | حضرت جابر بن سمرہ فرماتے ہیں :-

كُنْتُ أَصَلِّي مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى  
اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الصَّلَوَاتِ  
فَكَانَتْ صَلَاتُهُ قَصْدًا وَ  
خُطْبَتُهُ قَصْدًا (صحیح مسلم کتاب  
الجمعة باب تخفيف الصلاة والخطبة

میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے  
ساتھ نمازیں پڑھا کرتا تھا۔ آپ کی نماز  
بھی درمیانہ ہوتی تھی اور خطبہ بھی درمیانہ  
ہوتا تھا۔

جزر اول ص ۲۲۲)

خلاصہ | مندرجہ بالا احادیث کا خلاصہ یہ ہے کہ خطبہ مختصر ہونا چاہیے  
لیکن اتنا مختصر بھی نہ ہو کہ اعتدال باقی نہ رہے۔ دونوں خطبوں میں قرآن  
مجید پڑھا جائے اور نصیحت کی جائے۔ یہ صحیح نہیں کہ پہلے خطبہ میں نصیحت  
کی جائے اور دوسرے خطبہ میں صرف دعائیں پڑھی جائیں۔

دونوں خطبوں کا متوسط ہونا ضروری ہے۔ یہ صحیح نہیں کہ پہلا خطبہ  
ایک گھنٹہ کا ہو اور دوسرا خطبہ پانچ منٹ کا۔

ایک شبہ اور اس کا ازالہ | زوائد مستدام احمد میں ایک حدیث میں ہے  
کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ میں سورۃ توبہ کی تلاوت کی (بلوغ  
۹۹) لہذا ثابت ہوا کہ لمبا خطبہ دینا جائز ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ اسی  
سند سے اور اسی سیاق و سباق کے ساتھ یہ حدیث ابن ماجہ میں بھی ہے لیکن  
اس میں سورۃ ملک کی تلاوت کا ذکر ہے (ابن ماجہ ۴۴۴۴ سندہ صحیح)  
مستدام احمد میں اسی حدیث کی دوسری سند میں صرف ایک آیت پڑھنے کا  
ذکر ہے (بلوغ ۱۱) الغرض کسی سند میں سورۃ توبہ کا ذکر ہے، کسی میں سورۃ  
ملک کا اور کسی میں صرف ایک آیت پڑھنے کا ذکر ہے لہذا سورۃ توبہ کا  
پڑھنا یقینی نہیں۔ غیر یقینی چیز سے مسئلہ ثابت نہیں ہوتا۔

ہر جمعہ کو خطبہ میں سورۃ ق کا پڑھنا ثابت ہے (صحیح مسلم) لیکن

اس کو پڑھنے میں پانچ یا چھ منٹ سے زیادہ صرف نہیں ہوتے لہذا یہ بھی خطبہ لمبا کرنے کی دلیل نہیں ہو سکتی۔

## اتحاد

پاکستان کی بنیاد لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ پر رکھی گئی تھی لیکن اس بنیاد پر اسلام کی تعمیر ایک طویل عرصہ گزر جانے کے باوجود ابھی تک نہیں ہوئی۔ جس اتحاد و اتفاق کا مظاہرہ اس کے مطالبہ کے وقت کیا گیا تھا وہ ختم ہو گیا۔ لوگ مذہبی جھگڑوں میں الجھ کر رہ گئے۔ ہر گروہ اپنے مسلک کی ترقی، اشاعت و تبلیغ میں تو مصروف رہا لیکن کسی نے بھی اسلام کی طرف توجہ نہیں دی۔ دشمنان اسلام نے ان حالات سے فائدہ اٹھایا، نتیجہ ہماری معیشت، معاشرت، زراعت، صنعت و حرفت اور تعلیم غرض کہ زندگی کا ہر شعبہ غیر اسلامی افکار و نظریات کے سانچوں میں ڈھلنا رہا اور اس مدت میں جو عمارت تعمیر ہوئی وہ عوام الناس کے لئے قیام و رہائش تو کجا ایک اچھی پناہ گاہ بھی ثابت نہیں ہوئی۔ اگرچہ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ کی بنیاد ابھی باقی ہے لیکن ایک گروہ اس پر مار کس، لینن اور ماؤزے تنگ کی پُر فریب عمارت تعمیر کرنا چاہتا ہے، دوسری جانب شیعہ ایمان اسلام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اکمل، حسین و جمیل قصر کی تعمیر کے خواہاں ہیں۔ کمیونزم کے حامی متحد ہیں اور تعداد میں کم ہونے کے باوجود اپنے اتحاد کی وجہ سے غالب نظر آتے ہیں۔ اسلام کے حامی ان کا مقابلہ کرنے کے بجائے اپنے اپنے فرقہ کے مسلک کے مورچوں میں مقید ہو کر آپس میں ایک دوسرے پر گولہ باری کر رہے ہیں۔ کمیونزم کو کھلی چھٹی دے رکھی ہے۔ نتیجہ ظاہر ہے۔ اگر آپ واقعی کمیونزم کے آہنی بھوت سے مقابلہ کرنا چاہتے ہیں تو ان مورچوں کو توڑنا ہوگا، اتفاق و اتحاد کی ایک آہنی فصیل بنانی ہوگی اور پھر متفقہ

طور پر کیونکہ ہم کے قلعہ پر گولہ باری کرنی ہوگی۔ اگر ایسا نہ کیا گیا تو پھر ہمارا طرز عمل گویا مخالفین کو کامیابی سے ہمکنار کرنے کے مترادف ہوگا اور اسلام کی تباہی کے ذمہ دار ہم ہوں گے۔

اگر ہم واقعی خلوص نیت سے یہ چاہتے ہیں کہ اسلام کا بول بالا ہو تو ہم کو اپنے اختلافات ختم کرنے ہوں گے، فرقہ واریت کو چھوڑنا ہوگا۔ مختلف مذاہب و مسالک کی یگڈنڈیوں کو چھوڑ کر شاہراہ مستقیم پر آنا ہوگا۔ اگر اس نازک مرحلہ پر بھی ہم ایک نہ ہوئے اور اپنے اختلافات اور فرقہ وارانہ مذاہب کو ختم نہ کیا تو اندیشہ ہے کہ ہمارا وجود ہی صفحہ ہستی سے مٹ جائے۔ پھر نہ ہم ہوں گے اور نہ ہمارے فرقہ وارانہ مورچے ہوں گے۔

اس وقت سب سے زیادہ ذمہ داری علماء کی ہے۔ انہیں چاہیے کہ اختلاف و افتراق کا سلسلہ جو عرصہ دراز سے چلا آرہا ہے اس کو ختم کر کے متحد و متفق ہو جائیں۔

یہ یقین ہے کہ اگر علماء چاہیں تو انشاء اللہ پھر قرون اولیٰ کی جھلک دکھائی دے سکتی ہے۔ پھر زندگی کے ہر شعبہ میں اسلام کی بہار آ سکتی ہے۔ امن و سکون، عدل و انصاف قائم ہو سکتا ہے۔ مزدور، سرمایہ دار کا تنازعہ ختم ہو سکتا ہے۔ زمیندار، جاگیر دار اور کسان کے معاملات پر سدھر سکتے ہیں۔

علماء سے گزارش ہے کہ وہ اس مسئلہ پر خلوص کے ساتھ غور کریں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وصیت کے مطابق قرآن و حدیث پر جمع ہو جائیں اور جماعت المسلمین سے چمٹ جائیں اور اس اسلام کو قائم کریں جو فرقوں کے بننے سے پہلے موجود تھا۔ یہی ایک صورت ہے جس سے ہمارے اختلافات، ہمارے فرقے، ہمارے مذاہب و مسالک ختم ہو سکتے ہیں اور ہم ملت واحدہ بن سکتے ہیں۔ پھر ہماری قوت بے پناہ بڑھ جائیگی اور ہم انشاء اللہ اپنے دشمن پر غالب آجائیں گے۔



## ہماری اولاد

کیا ہم نے کبھی غور کیا کہ ہماری اولاد کہاں جا رہی ہے، اس کے عقائد کو غیر اسلامی ماحول کس طرح متاثر کر رہا ہے، کیسے کیسے فتنے اُسے دعوت دے رہے ہیں، کون کون سے باطل عقیدے اُس کے ذہن میں پروش پارہے ہیں اور اب وہ اسلام پر کیسے کیسے اعتراض کرنے لگی ہے۔ اگر اعتراض نہیں کرتی تو کم از کم احساس کمتری میں تو مبتلا ہے، اس کو اسلام کی ہر چیز پس ماندہ اور فروتر نظر آتی ہے اور اب وہ اسلام کو ایک قصہ پارینہ سے زیادہ وقعت دینے کے لئے تیار نہیں ہے۔

دیکھئے ہماری اولاد کے لباس کا کیا حال ہے۔ وہ تشبہ بالغیر اور نقالی میں فخر محسوس کرتی ہے۔ اسلامی تعلیمات سے قطعاً بے بہرہ ہے۔ اُسے اسلامی نظام حیات کی برتری کا علم نہیں۔

سوچیے کیا یہ ہی ہماری اولاد ہے؟ کیا جو اعمال ہمارے ہیں وہی اعمال اس کے بھی ہیں؟ جس تہذیب کو ہم پسند کرتے ہیں کیا وہ بھی اسی تہذیب کو پسند کرتی ہے؟ اگر ہم دیندار ہیں تو کیا ہماری اولاد بھی دیندار ہے؟ اگر جواب نفی میں ہے تو غور کیجئے کہ ہم کہاں تک اس صورت حال کے ذمہ دار ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ شریعت، عقل اور اخلاق کے اصول اس سنگین صورت حال کا ذمہ دار بڑی حد تک ہمیں اور صرف ہمیں ٹھہراتے ہیں۔ یاد رکھیے ہم اللہ تعالیٰ کے فرمان: قُواْ اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِيكُمْ نَارًا (اپنی جانوں کو اور اپنے اہل و عیال کو دوزخ سے بچاؤ) کی خلاف ورزی کے مرتکب ہیں۔ کیا ہمیں اس فرمان کی خلاف ورزی کے نتائج کا خوف ہے؟ اگر ہے تو یہ غفلت کیوں ہے؟ کیا ہمارا اسلام پر عمل کر لینا ہماری نجات کے

لئے کافی ہے؟ کیا یہ اولاد میدان محشر میں ہماری رسوائی اور عذاب کا سبب نہیں بنے گی؟

کیا ہم نے کبھی اس صورت حال پر غور کیا؟ اگر غور نہیں کیا تو اب کرنا چاہیئے۔ اگر ہم اسلام پر عمل کرتے ہیں تو اپنی اولاد سے بھی اسلام پر عمل کرائیں۔ ایسے ماحول، ایسی صحبت اور ایسے مدارس سے اُسے بچائیں جو اس کے ایمان کو خراب کر دیں۔ مدارس کی ظاہری شان و شوکت سے دھوکا نہ کھائیں۔ مادیت کی خاطر روحانیت کو برباد نہ کریں۔ یہ دنیا چند روزہ ہے۔ یہ مادی نعمتیں ایک دن ختم ہو جائیں گی۔ اچانک موت کا فرشتہ ہماری روح قبض کر لے گا، پھر ایک دن ہم اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش کئے جائیں گے۔ بتائیے اُس وقت جب ہماری رعیت کی بے راہ روی کے متعلق ہم سے سوال ہوگا تو ہم کیا جواب دیں گے؟

آئیے ہم سب عہد کریں کہ ہم اسلام کی روشنی میں اپنی اولاد کی تعلیم و تربیت کا خاطر خواہ اہتمام کریں گے اور اس کو صحیح معنوں میں مسلم بنانے کی پوری کوشش کریں گے۔

## ہماری خواتین

خواتین کے لئے عموماً مستورات کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔ مستورات ستر سے مشتق ہے۔ ستر کے معنی ”چھپانا“ ہیں لہذا مستورات کے معنی ہوئے: ”وہ ہستیاں جو چھپائی گئی ہوں“ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے: **الْمَرْءَةُ عَوْرَةٌ** (رواہ الترمذی عورت عورت ہے (یعنی چھپانے کی وسندہ صحیح۔ التعلیقات للالبانی علی چیز ہے)۔  
المشکوۃ ۳/۹۳)۔

عورت کو عورت اسی لئے کہا جاتا ہے کہ وہ چھپائی جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :-

وَقَرْنَ فِي بُيُوتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْأُولَى (الاحزاب - ۳۳)

اپنے گھروں میں قرار پکڑو اور جس طرح (زمانہ جاہلیت میں) عورتیں اپنے محاسن اور بناؤ سنگھار کو ظاہر کرتی تھیں تم اس طرح اپنے محاسن اور زیب و زینت کو ظاہر نہ کرو۔

گھروں میں قرار پکڑنے کا حکم بھی ”عورت چھپانے کی چیز ہے“ کے تقاضہ کو پورا کرتا ہے اور اگر عورت کو ضرورتاً گھر سے نکلنا ہی پڑے تو حکم ہے کہ اپنی زینت کی چیزوں کو چھپا کر اور چہرہ پر نقاب ڈال کر نکلے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :-

وَلَا يُبْدِينَ زِينَتَهُنَّ عورتیں اپنی زینت کو ظاہر نہ کریں۔ (النور - ۳۱)

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :-

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّزَوَّاجِكَ وَبَنَاتِكَ وَنِسَاءِ الْمُؤْمِنِينَ يُدْنِينَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيبِهِنَّ (الاحزاب - ۵۹)

اے نبی، اپنی بیویوں سے، اپنی بیٹیوں سے اور مؤمنین کی عورتوں سے کدھجئے کہ (جب وہ باہر نکلیں) تو اپنے (چہروں) پر اپنی چادروں میں سے کچھ حصہ لٹکالیا کریں۔

یہ ہیں گھر کے باہر پردہ کے اسلامی احکام۔ کیا ہماری خواتین ان احکام کی پابند ہیں۔ کیا ان کے لباس اور ان کی زینت کی چیزیں غیر محرموں کے سامنے ظاہر تو نہیں ہوتیں؟ کیا ان کا سینہ اور پشت دکھائی تو نہیں دیتی؟ کیا ان کے کپڑے اتنے چست یا مہین تو نہیں ہوتے کہ وہ اعضائے جسم اور ان کے نشیب و فراز کی غمازی کریں۔

کیا یہ سب کچھ نہیں ہو رہا؟ کیا خواتین کے طرز عمل سے قرآن مجید اور حدیث نبوی کی خلاف ورزی نہیں ہو رہی؟ کیا مرد اس خلاف ورزی میں ان



کے شریک نہیں ہیں؟ کیا مردوں کی حوصلہ افزائی اور چشم پوشی ان کی بے پردگی کا سبب نہیں ہے؟ کیا بے پردگی اور عریانیت جاہلیت ثانیہ نہیں ہے؟ کیا اس قسم کے مظاہرہ کو قرآن مجید نے جاہلیت اولیٰ کا نام نہیں دیا؟ غالباً ہم جاہلیت اولیٰ سے تو متنفر ہوں گے لیکن جاہلیت ثانیہ سے متنفر نہیں! آخر کیوں؟ کیا خواتین کی یہ بے راہ روی ہم سکون سے برداشت نہیں کر رہے؟ کیا کبھی ہماری جبین پر شکن آتا ہے؟ نہیں آتا تو کیوں؟ کیا ایمان کا دامن ہم نے چھوڑ دیا؟ کیا اسلام سے ہمارا کوئی تعلق باقی نہیں رہا؟ آہ! جن عورتوں کی کبھی گھر کے باہر کسی نے انگلی تک نہ دیکھی تھی آج وہ سر بازار نیم عریاں چلی جا رہی ہیں۔ اب مستورات کا پاکیزہ لقب ان کے لئے صحیح نہیں۔

اے اسلام کا دعویٰ کرنے والو، ہوش میں آئیے۔ کسی قوم کی تہذیب کا آخری قلعہ اس قوم کی خواتین ہوا کرتی ہیں۔ ہم نے اسلامی تہذیب کا یہ آخری قلعہ بھی مسمار کر دیا۔ بتائیے اب اسلام اور اسلامی تہذیب کہاں رہے گی؟ آئندہ آنے والی نسلیں کہاں سے اسلامی آداب سیکھیں گی؟ کن کی گودوں میں اب مسلم بچے پرورش پائیں گے؟ کیا اب بھی ہمیں امید ہے کہ آئندہ آنے والی نسلیں مسلم ہوں گی؟ اگر یہی صورت حال رہی تو کیا ہم میدانِ محشر میں سرخرو ہو سکیں گے؟ آخر ہم نے سوچا کیا ہے؟

افسوس جن لوگوں سے چین اسلام کی آبیاری کی امید تھی وہی اس چین کو اجاڑ رہے ہیں۔ اگر ہم نے ان حالات کو بدلنے کی کوشش نہیں کی اور اسلامی قدریں اسی طرح پامال ہوتی رہیں تو بربادی لازمی ہے۔ اٹھیے اور فوری طور پر اپنی خواتین کی اصلاح کیجئے اور انہیں اسلامی حدود کا پابند بنائیے۔

# ہمارے گھر

سلسلہ اشاعت ۲۳

کیا ہم نے کبھی دیکھا کہ ہمارے گھر کیا نقشہ پیش کرتے ہیں؟ جن چیزوں کو ہم اپنے گھر کی زینت بناتے ہوئے ہیں کیا وہ ایک مسلم کی شایانِ شان ہیں؟ دیواروں پر آویزاں یہ تصاویر، الماریوں میں سجے ہوئے یہ محسمے، عریاں تصاویر سے مزین کیلنڈر کیا اسلام کی خلاف ورزی نہیں؟

کیا ہم نے کبھی غور کیا کہ جن رسائل کی ہمارے گھر میں بھر مار ہے ان کی مخرب اخلاق تصاویر اور افسانے ہمارے خاندان کی دینی فضا کو کس قدر مکرر کر رہے ہیں؟ ایسی صورت میں کیا خیر کے فرشتے ہمارے گھر میں داخل ہوں گے؟ ہماری بدنصیبی اس سے زیادہ اور کیا ہوگی کہ ہم خود خیر کو اپنے ہاں آنے سے مانع ہیں۔ ہم نے اپنے گھر کی غیر اسلامی حالت پر کبھی غور کیا؟ کہیں ریڈیو سے فلمی گانے سنے جا رہے ہیں۔ کہیں ٹیلیوژن پر وقت عزیز صرف ہو رہا ہے اور آنکھوں کو نقصان پہنچا جا رہا ہے۔ جن خاندانوں نے کبھی سینما کی شکل نہیں دیکھی تھی اور جنہیں اپنی پرہیزگارانہ زندگی پر فخر ہو سکتا تھا آج وہی خاندان ہیں جو گھر بیٹھے سینما دیکھ رہے ہیں۔ بڑے اور چھوٹے، مرد و عورت، لڑکے اور لڑکیاں سب ایک ہی دُھن میں نظر آتے ہیں۔ سب ایک ساتھ بیٹھے ہوئے اس گھر یو سینما سے لطف اندوز ہو رہے ہیں۔ مرد غیر محرم عورتوں کی تصاویر دیکھ رہے ہیں اور عورتیں غیر محرم مردوں کی تصاویر دیکھ رہی ہیں۔ یہ سب کچھ ہو رہا ہے لیکن ہمیں احساس تک نہیں ہوتا کہ جس چیز سے ہم کل تک بیزار تھے آج وہی چیز ہمارے گھر کے اندر داخل ہو کر ہماری محفلوں کی رونق بنی ہوئی ہے۔ شیطان کے حربے بڑے زیر دست ہوتے ہیں۔ اُس نے ذہن کو اتنا بے حس کر دیا کہ ہمیں شعور ہی نہیں ہوتا کہ یہ سینما نہیں تو اور کیا ہے۔ کسی کے دل میں یہ خوشنما و سوسہ ڈال دیا کہ تعلیمی فلمیں تعلیم کے لئے بہت ضروری ہیں، گویا ان کے بغیر تعلیم غیر مکمل

رہ جائے گی تعلیمی فلموں نے دوسری فلموں کے لئے راستہ ہموار کر دیا۔ غرض یہ کہ شیطان نے برائی کی طرف لے جانے کے لئے خوشنما بہانے ہمارے ذہن میں ڈال دئے اور ہم اس کے فریب میں آ گئے۔

اے اسلام کا دعویٰ کرنے والو، کیا مدعیان اسلام کے گھر ایسے ہی ہونے چاہئیں۔ کیا ہم ایسے ہی ماحول میں آئندہ نسل کو مسلم بنائیں گے؟ کیا دین اسی طرح پھیلے گا؟ اگر ہمارے گھروں کی یہی حالت رہی تو کیا ہمارے گھروں میں اسلام باقی رہے گا؟

اے اسلام کا نام لینے والو، ہوش میں آئیے۔ اپنے گھر کو ایک چھوٹی سی اسلامی ریاست بنائیے۔ پھر اس عملی دعوت کو آگے بڑھائیے۔ اس طرح محلہ، پھر شہر اور پھر پورا ملک اسلامی ریاست بن جائے گا۔

اب بھی سنبھل جائیے۔ اپنے گھروں کی اصلاح کیجئے۔ اپنے گھر کو اسلامی رنگ میں رنگ کر یہ ثابت کر دیجئے کہ آپ اس ملک میں اسلامی نظام نافذ کرنا چاہتے ہیں اور نافذ کرنے کی اہلیت رکھتے ہیں۔ اگر آپ نے ایسا نہیں کیا تو پھر کہا جاسکتا ہے کہ اسلامی نظام کا مطالبہ محض فریب ہے۔ آپ انسانوں کو دھوکا دے سکتے ہیں لیکن مالک الملک کو دھوکا نہیں دے سکتے۔ بتائیے آپ میدانِ محشر میں اللہ تعالیٰ کو کیا جواب دیں گے؟

## ہمارے اخبار

کیا ہم نے کبھی سوچا کہ ہمارے ملک کے اخبار کس نہج پر چل رہے ہیں؟ ان میں کس قسم کے مضامین اور کیسی خبریں شائع ہو رہی ہیں؟ کیا یہ اخبار اسلام کی صحیح ترجمانی کر رہے ہیں؟ کیا یہ اخبار اسلامی اقدار کی حفاظت کر رہے ہیں یا اسلامی اقدار کی رہی پونجی بھی برباد کر رہے ہیں؟ کیا یہ تصویریں جو ان میں شائع ہو رہی ہیں ایک مسلم گھر میں ہونی چاہئیں؟ کیا تصویروں کے یہ انبار ہمارے



گھروں کو تصویر خانہ نہیں بنتے؟

کیا ہمارے یہ اخبار قوم کے کردار کو بلند کرنے اور معاشرہ کی اصلاح کرنے کے بجائے دولت کمانے کی خاطر مبالغہ آمیز خبریں، عریاں تصاویر، فحش مضامین شائع کر کے دینی اور اخلاقی پستی کی طرف نہیں لے جا رہے؟ کیا فلمی اشتہارات سے ان کے صفحات پر نظر نہیں آتے؟ کیا ان اخباروں سے یہ ظاہر نہیں ہوتا کہ وہ فلم انڈسٹری کے ترجمان ہیں؟

بنا بیٹے کیا کسی شریف آدمی کے گھر میں عریاں اور حیا سوز تصویریں آنی چاہئیں؟ کیا ان تصویروں کو دیکھ کر کسی شریف آدمی کی گردن شرم سے جھک نہیں جانی چاہئیں؟ کیا یہ تصویریں لڑکے اور لڑکیوں کے لئے بگاڑ کا باعث نہیں ہیں؟ آخر ہماری غیرت اسلامی کو کیا ہو گیا؟ آخر ہم اس کا کوئی حل کیوں نہیں سوچتے؟ کیا جھوٹی سچی خبروں کا معلوم کرنا اتنا ضروری ہے کہ اگر دین بگڑتا ہے تو بگڑے؟ کیا یہی فکر آخرت ہے؟

اے علمبرداران اسلام آخر کیا سوچا ہے؟ ہم کس طرح اللہ تعالیٰ کے سامنے کھڑے ہوں گے۔ کیا شرم و ندامت سے ہماری گردنیں جھک نہیں جائیں گی لیکن اُس وقت سوائے حسرت کے اور کیا ہوگا۔ ہمیں اُس وقت کے بجائے اس وقت شرم سے کام لینا چاہیئے۔ حیا، ایمان کی ایک شاخ ہے۔ ہمیں اس شاخ کو تروتازہ رکھنا چاہیئے۔ ہمیں حقیقتاً مسلم بننا چاہیئے۔ محشر کی ندامت سے بچنے کے لئے ہمیں اس وقت اپنے فعل پر نادم ہونا چاہیئے۔ اب کبھی وقت ہے۔ ہمیں سنبھل جانا چاہیئے۔ اس خرابی کو دور کرنے کی کوشش کرنی چاہیئے۔

# ہماری کمائی

سلاخات ۲۵

کیا ہم نے کبھی سوچا کہ ہمارا ذریعہ آمدنی حلال ہے یا حرام؟ کیا ہمیں کبھی خیال آیا کہ میدان محشر میں ہمیں اللہ تعالیٰ کے سامنے کھڑے ہو کر اپنی آمدنی کے متعلق جوابدہی کرنی ہوگی؟ کیا ہمیں احساس ہے کہ ہم اس وقت کیا جواب دیں گے؟

دیکھئے کہاں کہاں ہماری آمدنی میں حرام کی آمیزش ہے۔ آخر حرام ذرائع آمدنی استعمال کرنے کی ہمیں کیوں ضرورت پیش آئی؟ کیا اس لئے تو نہیں کہ ہم کم آمدنی پر قناعت نہیں کر سکتے؟ دولت کی ہوس اور عیش و نشاط کی خواہش تو کہیں ہمیں ناجائز ذرائع استعمال کرنے پر نہیں ابھارتی؟ دولت مند بننے کا جذبہ تو ہم کو رشوت لینے اور دینے پر نہیں اکساتا؟ کیا بینک سے سود کا پیسہ حاصل کرنا اس لئے تو نہیں کہ ہمارے ایک مکان کی جگہ دو مکان ہو جائیں؟ کیا ایسا تو نہیں کہ ایک کارخانے کے بجائے دو کارخانوں کی ہوس ہمیں شرعی حدود میں نہیں رہنے دیتی؟

کیا یہ حقیقت نہیں ہے کہ ہم کاروبار میں جھوٹ، فریب، ملاوٹ و جعل سازی سب کچھ جائز سمجھتے ہیں؟ کیا یہ صحیح نہیں کہ ہم پورا حق محنت لے کر فرائض کی ادائیگی میں غفلت اور کوتاہی سے کام لیتے ہیں؟ کیا ہم روپیہ کے عوض روپیہ کا کمی بیشی کے ساتھ لین دین نہیں کرتے؟ کیا کمپنیوں کے حصص کی خرید و فروخت اس کی واضح مثال نہیں ہے؟ کیا رفاہ عامہ کے لئے ایک روپیہ یا دو روپیہ دے کر ہم اس پر اعلان شدہ انعام حاصل کرنے کے متمنی نہیں ہوتے؟ کیا یہ جوا نہیں ہے؟

کیا ہم نے کبھی سوچا کہ ہم ملازمت کی صورت میں ان اداروں کی تو اعانت نہیں کر رہے جو ناجائز کاروبار میں مصروف ہیں؟ کیا ہم ہم جنس اشیاء کے تبادلہ کی

صورت میں درست بدست اور ہم وزنی کے شرعی اصولوں پر عمل پیرا ہیں؟  
 اب بھی وقت ہے۔ ہمیں ہوش میں آ جانا چاہیے۔ آخرت کی فکر کرنا چاہیے۔  
 اسلام اور ایمان کے زبانی دعوے اللہ تعالیٰ کے کام نہیں آئیں گے۔ کوئی نہیں کہہ  
 سکتا کہ اس کی کتنی عمر باقی ہے۔ یہ ناجائز دولت جو ہم کمارہے ہیں کیا ایسا نہیں  
 ہو سکتا کہ اس سے متمتع ہونے سے قبل ہمارا سفر آخرت شروع ہو جائے۔ ایسی  
 صورت میں ہمارا حشر کیا ہوگا؟ عارضی عیش کی خاطر سخت اور طویل المیعاد عذاب  
 مول لینا دانشمندی نہیں ہے؟ کیا مسلم ہونے کی یہی نشانی ہے؟ ہرگز نہیں، تو  
 اب ہمیں مسلم بن جانا چاہیے۔

## ہمارا روپیہ کہاں خرچ ہو رہا ہے

مسئلہ اخراجات

کبھی ہم نے غور کیا کہ ہمارا روپیہ کہاں خرچ ہو رہا ہے؟ ہم جو کچھ  
 خرچ کر رہے ہیں اس سے کس قسم کے فوائد حاصل ہو رہے ہیں؟ عارضی یادائی؟  
 اہم یا غیر اہم؟ کیا ہم اس بات کو بھول گئے ہیں کہ میدان محشر میں ہم سے سوال  
 ہوگا کہ مال کہاں خرچ کیا تھا؟ اس وقت ہم کیا جواب دیں گے؟

ہمیں اپنے اخراجات پر نظر ڈالنی چاہیے۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ لغویات  
 پر ہمارا روپیہ صرف ہو رہا ہو کہیں ایسا تو نہیں کہ مالی مشکلات اور وسائل کی کمی  
 کی وجہ سے حق کی تبلیغ میں رکاوٹ پیدا ہو رہی ہو اور ہم فضولیات میں روپیہ خرچ  
 کر رہے ہوں۔ ہوٹلوں، کلبوں اور سگریٹ نوشی میں ہمارا روپیہ ضائع ہو رہا ہو۔  
 کہیں ایسا تو نہیں کہ ہمارے ارد گرد مفلس اور نادار افراد زندہ رہنے کے لئے ہاتھ  
 پیر مار رہے ہوں اور ہم اپنا مال فیشن پرستی، سنیما بینی میں خرچ کر رہے ہوں۔  
 اگر واقعی یہ بات ہے تو ہمارا یہ طرز عمل اللہ تعالیٰ کے نزدیک ہم کو بدترین مجرم ثابت  
 کرنے کے لئے کافی ہے۔



## زکوٰۃ اور صدقات

زکوٰۃ اور صدقات کی صورت میں جو روپیہ ہم نکال رہے ہیں کبھی ہم نے اس کے مصرف پر بھی توجہ دی؟ کیا یہ روپیہ مستحق ہاتھوں میں پہنچ رہا ہے؟ کہیں ایسا تو نہیں کہ ہم اپنی زکوٰۃ اور اپنے صدقات کو چھوٹی چھوٹی رقموں کی صورت میں غیر منظم طریقہ پر تقسیم کر کے ناداروں کو ہمیشہ کے لئے نادار رہنے پر مجبور کر رہے ہوں۔ کسی ایک کو بھی اپنے پیروں پر کھڑا ہونے کے قابل نہ بنا کر ان کو ہمیشہ کے لئے معاشرہ پر بوجھ بنا رہے ہوں؟ کبھی ہم نے سوچا کہ ہمارا روپیہ غیر شعوری طور پر ایسے اداروں اور مدارس کی اعانت کا سبب تو نہیں بن رہا جہاں قرآن مجید اور حدیث شریف کے خلاف مبلغ تیار کئے جاتے ہوں۔ جہاں حدیث اور فن حدیث کی اہمیت گھٹانے اور اپنے فرقہ دارانہ مذہب کو فروغ دینے کے لئے ہر حربہ استعمال کیا جاتا ہو جس کا نتیجہ انکار حدیث کی صورت میں رونما ہوتا ہو۔ ان مدارس کی حقیقت کا ہمیں صحیح علم نہیں، ظاہری نمائش سے ہم دھوکا کھا جاتے ہیں۔ یہ کتنی بڑی بد نصیبی کی بات ہے کہ خود ہمارے وسائل ہمارے دین کی ترویج کئی کے لئے استعمال ہو رہے ہیں اور ہمیں احساس تک نہیں۔ اگر ہماری غفلت سے اس سرزمین پر اسلام کا پرچم سرنگوں ہو گیا (اللہ کرے کہ ایسا نہ ہو) تو پھر صحیح اسلام ڈھونڈنے سے بھی ملنا دشوار ہوگا۔ کیا ایسی صورت میں آئندہ آنے والی نسلوں کی گمراہی کا سبب ہم نہیں ہوں گے۔ میدان محشر میں اس کا کیا نتیجہ نکلے گا۔ صحیح فہم کے دینی مدارس اور اسکول ناپید ہیں۔ کیا ان کے قیام کے لئے ہمیں کچھ کرنا چاہیے یا نہیں۔ اگر کرنا چاہیے تو پھر ہمیں بیدار ہو جانا چاہیے اور اپنے وسائل کو بروئے کار لا کر طلباء کو صحیح تعلیم پانے کا موقع دینے کے لئے سر توڑ کوشش کرنی چاہیے۔

# چلن ہمارے ہیں سب وحشیانہ

سلسلہ اشاعت ۲۷

شائستگی اور آداب کی پاسداری ایک مسلم کے کردار کا لازمی جزو ہوتی ہے۔ ماضی میں مسلمین کی اسی خصوصیت غیروں کو اسلام کا گردیدہ بنایا تھا۔ کیا آج بھی یہ خصوصیات ہم میں موجود ہیں؟ ہم قرآن مجید اور حدیث پر عمل کرنے کا دعویٰ کرتے ہیں تو کیا ہم وہ سب آداب بجالاتے ہیں جن کا حکم ہمیں قرآن مجید اور حدیث میں دیا گیا ہے۔

آج ہمارے چھوٹے بڑوں کا ادب نہیں کرتے بلکہ اُسے اپنے لئے کسرِ شان سمجھتے ہیں۔ بڑے چھوٹوں پر شفقت نہیں کرتے۔ علماء اور اساتذہ سے احترام کے ساتھ پیش آنا ان کا دینی و اخلاقی حق ہے لیکن جس طرح ہم ان کے اس حق کو پامال کر رہے ہیں وہ کوئی چھپی ہوئی چیز نہیں ہے۔ ہماری جسارت تو اس حد تک بڑھ چکی ہے کہ سلف صالحین بھی ہماری زبان درازیوں سے محفوظ نہیں ہیں۔ دینی بحث و مباحثہ میں افہام و تفہیم کے بجائے اشتعال انگیزی اور مناظرانہ طرز ہمارا معمول بن چکا ہے۔ دوسرے کے علم کی تحقیر میں ہمیں لطف آتا ہے۔ ہمارے تبلیغی کارنامے دل آزاری کا بدترین نمونہ ہیں۔ صرف قرآن مجید اور حدیث کو ماخذِ دین مانتے ہوئے کتنی ہی بدعات ہیں جن کو ہم نے فتوؤں کے ذریعہ جائز قرار دے لیا ہے۔ کیا یہ چیز انتہائی تکلیف دہ نہیں۔ ہماری سب سے بڑی بد نصیبی یہ ہے کہ ہم شعائر اللہ کا ادب و احترام ملحوظ نہیں رکھتے۔

قرآن مجید اور کتب احادیث کا احترام کرنے کے سلسلہ میں ہم بہت بخل سے کام لیتے ہیں بلکہ بعض اوقات ہمارا رویہ بے ادبی تک جا پہنچتا ہے اور ہمیں اس بے ادبی کا احساس تک نہیں ہوتا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے لَا تُحَلِّوْا شَعَائِرَ اللَّهِ (المائدہ - ۲) اللہ کے شعائر کی بے حرمتی نہ کرو لیکن اس حکم

کے باوجود بے ادبی ہمارا شعار بن گیا ہے۔ قرآن مجید جو تمام شعائر اللہ میں سب سے زیادہ محترم و مکرم ہے، اس کا بھی ہم خاطر خواہ احترام نہیں کرتے۔ سجدہ کا ادب و احترام تو بالکل عنقا ہو گیا ہے۔

مستوں کا استخفاف ہمارا مزاج بننا چلا جا رہا ہے۔ کسی مہمان کے استقبال و ملاقات کے لئے کھڑا ہونا ہمارے ہاں اسلامی اخلاق میں شمار نہیں ہوتا۔ خلق محمدی (صلی اللہ علیہ وسلم) سے تو ہم کافی دور ہو چکے ہیں، ایسی وجہ ہے کہ ہماری تبلیغی جدوجہد نتیجہ خیز نہیں ہوتی حتیٰ کہ تبلیغ کے بے اثر ہونے کو محسوس کر کے ہم تبلیغ ہی چھوڑ بیٹھے ہیں۔

اے اسلام کے علمبردارو، اٹھیے پھر تبلیغ میں سرگرم ہو جائیے۔ دوسرے کس خوش اخلاقی اور جوش کے ساتھ تبلیغ میں سرگرم ہیں حالانکہ ان کے پاس حق نہیں، انہی سے عبرت حاصل کیجئے۔ اگر ہماری بے حسی کا یہی عالم رہا تو تاریخ کے صفحات پر تو ہمارا نام رہ جائیگا لیکن صفحہ ہستی پر کہیں نام و نشان نظر نہیں آئے گا پھر محشر میں سوائے حسرت اور ندامت کے کچھ حاصل نہ ہوگا۔

## مالی قربانی

سلسلہ اشاعت ۲۹

اسلام میں مال کی قربانی کو زبردست اہمیت حاصل ہے۔ قرآن کریم میں نماز کے بعد زکوٰۃ ہی کا حکم ہے۔ لیکن جس طرح اسلام کے دوسرے احکام پر عمل کرنے کے معاملہ میں ہم تساہل کرتے ہیں اسی طرح انفاق فی سبیل اللہ کے معاملہ میں بھی تساہل سے کام لیتے ہیں بلکہ نخل کرتے ہیں لیکن دنیا کے ہر کام کے لئے خرچ کرنے میں بڑی فراخ دلی کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ غور فرمائیے وہ کوئی دنیوی کام یا دنیوی رسم ہے جس کے لئے ہم دل کھول کر خرچ نہ کرتے ہوں۔ اس معاملہ میں امیر و غریب کی کوئی تخصیص نہیں۔ سینما بینی اور دیگر تفریحات میں غریب بھی امیروں کے برابر کے شریک ہیں۔



دین کے لئے خرچ کرنے کے سلسلہ میں امیر اور غریب دونوں کا طرز عمل یکساں ہے۔ امراء دولت کے نشہ میں دین سے غافل ہیں لہذا وہ ادھر توجہ ہی نہیں کرتے اور غریب اپنی غربت کی آڑ میں پناہ لیتے ہیں اور خود کو محذور سمجھتے ہیں۔ غریبوں کی نظر میں اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنا صرف دولت مندوں کا کام ہے لیکن تقریبات و تفریحات وغیرہ میں حصہ لیتے ہوئے انہیں کبھی یہ خیال نہیں آتا کہ یہ بھی صرف دولت مندوں کا حق ہے۔ سب سے زیادہ ہوس کا مقام یہ ہے کہ جو دولت مند کچھ دین سے تعلق بھی رکھتے ہیں وہ اپنا روپیہ نفلی عبادات میں خرچ کرتے ہیں اور ضروری اخراجات کو نظر انداز کر دیتے ہیں مثلاً یہ لوگ نفلی حج اور چار چار، پانچ پانچ قربانیاں کرنے میں اپنا مال صرف کرتے ہیں حالانکہ ان کے رشتہ دار اور بڑوسیوں کی یہ حالت ہوتی ہے کہ وہ ضروریات زندگی سے محروم ہوتے ہیں۔ کوئی مقروض ہے، کسی کی لڑکی پیسہ نہ ہونے کی وجہ سے شادی سے محروم ہے، کسی کے پاس علاج کے لئے پیسہ نہیں لیکن بایں ہمہ وہ غیر ضروری کاموں میں روپیہ صرف کرنا باعث فخر سمجھتے ہیں حقوق و فرائض کو نظر انداز کر کے نفلی کاموں میں روپیہ صرف کرنا کہاں تک درست ہے۔ آخر یہ الٹی گنگا کیوں بہ رہی ہے۔ کیا اسلامی مواسات اور ہمدردی کا یہی تقاضا ہے۔

آج دین پر ہر سمت سے حملے ہو رہے ہیں اور اس بات کی سخت ضرورت ہے کہ ان حملوں کو روکا جائے۔ ان کا منہ توڑ جواب دیا جائے لیکن ہم اس سے غافل ہیں۔ دین کا دفاع ہم پر فرض ہے لیکن یا تو ہم انفاق فی سبیل اللہ کی طرف متوجہ ہی نہیں ہوتے اور اگر ہوتے ہیں تو دفاع دین کے فریضہ کو چھوڑ کر نفل کاموں میں روپیہ صرف کرتے ہیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

اے اسلام کا نام لینے والو، اٹھیے اور اپنا قرض سچائیے۔ دین کی خدمت اور محتاجوں پر اپنا مال خرچ کیجئے۔ بغیر سود کے قرضے دیجئے اور غریبوں کو سود سے بچائیے۔ اسلام کی صحیح ترجمانی کرنے والے اخبار و رسائل نکالئے۔

اسلام کی دفاع کے لئے کتابیں شائع کیجئے اور انہیں مفت تقسیم کرنے کا انتظام کیجئے۔ ایسے مدارس قائم کیجئے جن میں دینی اور دنیوی تعلیم کا حسین امتزاج ہو، جن میں بچوں کے ذہنوں کو اسلام کے سانچہ میں ڈھالنے کا اہتمام ہو تاکہ نئی نسل الحاد سے دور رہ سکے۔ دیکھئے اب بھی وقت ہے کچھ کیجئے ورنہ قیامت کے دن حسرت و ندامت کے سوا کیا حاصل ہوگا۔

## ہماری شادیاں

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں :-

تُشْكَمُ الْمَرْأَةُ لِأَرْبَعٍ: لِمَالِهَا عَدَّتْ سَے چار باتوں کی وجہ سے نکاح  
وَلِحَسَنِهَا وَلِجَمَالِهَا وَلِدِينِهَا کیا جاتا ہے: اس کے مال کی وجہ سے  
فَاطْفَرِ بَنَاتِ الدِّينِ تَرَبَّتْ اس کے حسب کی وجہ سے، اس کے جمال  
يَذَاكُ (صحیح بخاری و صحیح مسلم) کی وجہ سے اور اس کے دین کی وجہ سے  
(تو، اے مسلم) تو دیندار عورت سے  
نکاح کر، تیرے ہاتھ خاک آلودہ ہوں۔

کیا ہم نے اس حکم کی طرف کبھی توجہ دی؟ کیا ہم نے اس حکم پر عمل کرنے کے لئے کبھی سوچا؟ کیا اس حکم کی خلاف ورزی کرنے پر ہم کبھی اللہ تعالیٰ سے ڈرے؟ کیا ہم نے کبھی سوچا کہ ہمارے لڑکے کے لئے کیسی بیوی ہونی چاہیئے یا ہماری لڑکی کے لئے کیسے شوہر کی ضرورت ہے؟ کیا شادی کے بعد ہم نے ایک کی وجہ سے دوسرے کو بگڑتے نہیں دیکھا؟ ضرور دیکھا ہوگا لیکن کیا کبھی ہمیں افسوس ہوا کہ اس رشتہ کی وجہ سے ہمارا لڑکا بے دین ہو گیا یا لڑکی بے دین ہو گئی؟

ہماری نگاہ میں برادری کی وقعت ہے، ہماری نگاہ میں جمال کو اہمیت ہے، ہماری نگاہ میں مال کو ترجیح ہے لیکن ہماری نظر میں اگر کوئی چیز بے وقعت ہے تو وہ دین ہے۔ کیا یہی شیوہ ایمانی ہے؟ کیا یہی اسلام کا تقاضا ہے؟ کیا

یہی فکر آخرت ہے؟ آخر ہم اپنی اولاد سے کیوں غافل ہیں؟ کیا ہماری ذاتی نیکیاں ہماری نجات کے لئے کافی ہیں؟ کیا ہم سے ہماری اولاد کے متعلق باز پرس نہیں ہوگی؟ کیا مستحق اور پرہیزگار لڑکیوں کا دین اور تقویٰ والدین کی غفلت سے برباد نہیں ہوتا؟ کیا لڑکی شادی کے بعد شوہر کے رنگ میں نہیں رنگ جاتی؟ شوہر کے گھر میں اگر مشرکانہ رسمیں اور بدعات پر عمل ہوتا ہے تو کیا لڑکیاں وہاں پہنچ کر شروع میں مجبوراً اور بعد میں برضاء و رغبت انہی رسموں اور بدعتوں کو اختیار نہیں کرتیں؟ کیا لڑکیاں شوہر کو خوش کرنے کے لئے برقع نہیں اتار پھینکتیں؟

## شوہر کی اطاعت اور ترک سنت | بہت سی لڑکیاں شوہر کے کہنے سے سنتوں کو

چھوڑ دیتی ہیں اور علماء یہ فتویٰ دے کر ان کی تسلی کر دیتے ہیں کہ شوہر کی اطاعت فرض ہے لہذا فرض کے مقابلہ میں سنت ترک کی جاسکتی ہے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ افسوس ان علماء پر اور صد افسوس ان والدین اور عورتوں پر جو اس فتوے کی قدر کرتی ہیں۔ سنت کا تعلق دین سے ہے شوہر کی اطاعت دنیوی کاموں میں ہے۔ شوہر کی اطاعت محدود و مشروط ہے۔ دین میں اس کا دخل نہیں۔ دین میں اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بات مانی جائے گی۔ ترک سنت بموجب حدیث لعنت اللہ علیہ کا موجب ہے۔ ترک سنت گناہ ہے اور گناہ کے کام میں کسی کی اطاعت جائز نہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں :-

إِنَّمَا الطَّاعَةُ فِي الْمَعْرُوفِ اطاعت تو نیک کاموں میں ہے۔

صحیح بخاری کتاب الاحکام و صحیح مسلم

(کتاب الامارۃ)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں :-

لَا طَاعَةَ فِي مَعْصِيَةِ اللَّهِ - اللہ کی نافرمانی میں کسی کی اطاعت جائز



(صحیح مسلم کتاب الامارۃ) نہیں۔

حضرت علیؓ نے امیر المؤمنین حضرت عثمانؓ کے ایک حکم کے متعلق جو ان سے غلطی سے صادر ہو گیا تھا فرمایا :-

مَا كُنْتُ لِأَدْعَ سُنَّةَ النَّبِيِّ  
صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِقَوْلٍ  
أَحَدٍ (صحیح بخاری کتاب المناسک)

امیر کی اطاعت فرض ہے لیکن حضرت علیؓ نے سنت کو ترک نہیں کیا، امیر کی اطاعت کو خیر باد کہہ دیا۔ کیوں؟ اس لئے کہ دین کے معاملہ میں صرف اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی بات سند ہے۔ اگر کوئی شخص دینی معاملات میں کسی دوسرے کی بات کو سند سمجھتا ہے تو وہ شرک فی التشريع کا مرتکب ہے۔

{ نوٹ :- بعد میں حضرت عثمانؓ نے اپنے حکم سے رجوع کر لیا تھا اور اپنی غلطی تسلیم کر لی تھی (رواہ التسانی لمخصاً) }

بعض برادریوں میں یہ دستور طے شدہ ہے کہ جو مذہب لڑکے کا ہوگا وہی لڑکی بھی اختیار کر لے گی اور ایسا ہوتا ہے۔ یہ سمجھوتہ نہیں، دین فروش ہے۔ یہ رواداری نہیں ایمان فروش ہے۔ لڑکا شرک کا مرتکب اور لڑکی موحد یا اس کے برعکس، کیا ایسا نکاح از روئے قرآن مجید جائز ہے؟ لڑکی مسلمہ، لڑکا فرقہ پرست یا اس کے برعکس، کیا ایسا نکاح جائز ہے؟ کیا ایسا نکاح ہماری غیرت دینی اور حمیت ملی کے لئے کھلا چیلنج نہیں ہے؟ کیا ایسی صورت میں شرک فی التشريع کی کوئی اہمیت باقی رہ جاتی ہے؟ کیا اس فعل سے فرقہ پرستی کی ہمت افزائی نہیں ہوتی؟ کیا فرقہ بندی کے شرک کو فروغ حاصل نہیں ہوتا؟

اللہ کے لئے ہوش میں آئیے۔ اپنی اولاد کے دین کو بچائیے۔ ان کو آخرت میں سرخرو کرنے کی کوشش کیجئے۔ پہلے لڑکے یا لڑکی کا عقیدہ اور عمل

دیکھتے پھر اس سے اپنی لڑکی یا لڑکے کی شادی کیجئے تاکہ عند اللہ بھی نکاح ہو اور آپ میدانِ محشر میں سرخرو ہوں۔

سلسلہ اشاعت ۲۷

## ہماری نماز

کیا ہم نے کبھی غور کیا کہ ہماری نماز ویسی ہی ہے جیسی نماز کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پڑھا کرتے تھے۔ کیا ہم نے کبھی سوچا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کس طرح نماز ادا کرتے تھے۔ کس طرح آپ کا رفع یدین تھا؟ کس طرح رکوع تھا؟ کس طرح سجدہ تھا اور کس طرح قعدہ؟ کیا ہماری نماز میں وہی سکون ہے جس کا حکم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان الفاظ میں دیا تھا:-

اُسْكُنُوا فِي الصَّلَاةِ (صحیح مسلم) نماز میں ساکن رہو۔

کیا ہماری نظریں نیچے رہتی ہیں؟ کیا ہمیں اس وعید کا خیال رہتا ہے جو مندرجہ ذیل حدیث میں ہے:-

لَيَنْتَهَنَّ عَنْ ذَلِكَ أَوْ لَتُخْطَفَنَّ (صحیح بخاری) نمازی نظریں اونچی کرنے سے باز آجائیں ورنہ ان کی آنکھیں اچک لی جائیں گی۔

آہ! لوگوں نے نماز کو ضائع کر دیا۔ ارکانِ نماز کے حصے کر ڈالے۔ کچھ فرائض بنادے، کچھ کو واجبات کی فرست میں ڈال دیا، کچھ کو سنن کے خانے میں رکھ دیا اور کچھ کو مستحبات کے۔ عہد رسالت اور دورِ صحابہ میں اس تقسیم کا نام و نشان نہیں تھا۔ نماز فرض ہے اور اس کا طریقہ بھی فرض ہے۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ نماز تو فرض ہو اور اس کا طریقہ فرض نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:-

فَاذْكُرُوا اللَّهَ كَمَا عَلَّمَكُمُ (البقرة - ۲۳۹) نماز اس طریقہ سے پڑھو جس طریقہ سے تمہیں اللہ نے سکھائی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا حکم فرض ہوتا ہے لہذا اس کا سکھایا ہوا طریقہ نماز جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے توسط سے ہمیں ملا ہے فرض ہوا۔ مزید برآں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی فرمایا ہے :-

صَلُّوا كَمَا رَأَيْتُمُوْنِيْ اُصَلِّيْ نماز اس طریقہ سے پڑھو جس طریقہ سے تم نے مجھے پڑھتے ہوئے دیکھا ہے۔ (صحیح بخاری)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت بھی فرض ہے، لہذا نماز کا مسنون طریقہ فرض ہوا یعنی نماز اسی طریقہ سے پڑھنی چاہیئے جس طریقہ سے پڑھنا سنت ہے اور یہ طریقہ لازمی ہے۔ اس میں فرض، واجب، سنت اور استحباب کی تقسیم فرضی ہے۔ پورا طریقہ فرض ہے لہذا نہ رفع یدین چھوڑنا جائز ہے، نہ تسبیحات رکوع و سجود اور نہ قومہ و قعود۔

افسوس ہے کہ سنت کا نام چپنے والوں نے ترک سنت جائز کہہ کر سنت کی اہمیت گھٹا دی۔ سنتیں آہستہ آہستہ مٹتی جا رہی ہیں اور کسی کی جبین پر شکن تک نہیں آتی۔ نماز کی سنتوں پر ذرا غور کیجئے۔ کیا سے کیا ہو گیا۔ سیدھے ہاتھ کو الٹے ہاتھ کی ذراع پر رکھنے کا حکم تھا (صحیح بخاری) لیکن ہو یہ رہا ہے کہ سیدھے ہاتھ کو الٹے ہاتھ کی کہنی یا بازو یا پشت کف پر رکھا جاتا ہے۔ حکم تھا: اَلَا تَحْسِبُوْنَ صَلَاتَكُمْ (صحیح مسلم) تم اپنی نماز کو حسین کیوں نہیں بناتے لیکن ہو یہ رہا ہے کہ نماز بد تہذیبی اور بد ثنائی کا مرقع بن گئی ہے۔ ہاتھ اس طرح اٹھائے جاتے ہیں گویا مکھیاں اڑائی جا رہی ہیں۔ ہاتھ باندھ کر کندھوں کو کانوں سے ملا لیا جاتا ہے اور حسن کے بجائے انتہائی بد ہستی کا نمونہ پیش کیا جاتا ہے۔ پیروں کے درمیان اس قدر فاصلہ رکھا جاتا ہے کہ نماز کا حسن برباد ہو جاتا ہے۔

علماء کے یہ الفاظ: ”اس طرح کرو تو بہتر ہے اور نہ کرو تو کوئی حرج نہیں“ کیا صحابہ کرام کی زبان سے بھی ادا ہوئے تھے؟ کیا از روئے قرآن مجید



اتباع رسول فرض نہیں؟ کیا اتباع رسول پر فوز و فلاح موقوف نہیں؟ اگر ہے تو پھر یہ کیسا اتباع رسول ہے کہ ہر سنت کو یہ کہہ کر چھوڑ دیا جائے کہ اس کے چھوڑنے میں کوئی حرج نہیں۔ آخر یہ عقیدہ کونسی آیت یا حدیث سے ماخوذ ہے؟

غور کیجئے، اب بھی وقت ہے، اپنی اصلاح کیجئے۔ سنت کو دستور العمل بنائیے۔ اسی میں نجات ہے۔

حساب و کتاب کا وقت قریب ہے۔ موت آنے والی ہے اور اس سے زیادہ یقینی چیز کوئی نہیں لیکن اس کا وقت معلوم نہیں کب آجائے۔ موت کے اچانک آجانے سے پہلے ہوشیار ہو جائیے۔ آخر آپ نے کیا سوچا ہے؟ اپنے زمانہ میں اور آئندہ نسلوں میں سنت کو باقی رکھنے کے لئے آپ کیا کر رہے ہیں؟ اگر اب تک کچھ نہیں کیا ہے تو اللہ کے لئے اب کیجئے۔

## اکل حلال اور ہماری غفلت

اسلام ایک مکمل ضابطہ حیات ہے جو زندگی کے ہر شعبہ میں ہماری رہنمائی کرتا ہے۔ اس ضابطہ میں تمام انسانوں کی فلاح و بہبود کے وہ ذرین اصول ہیں کہ اگر انسان اس پر عمل کریں تو یہ دنیا جنت کا نمونہ پیش کر سکتی ہے۔ امن و امان، صلح و آشتی، ہمدردی و ایثار، نظم و ضبط، محبت و مواسات کی روح افزا ہوائیں معاشرہ کو وہ رونق بخشیں کہ دنیا حیرت زدہ ہو جائے۔ اسلام کے اولین ادوار میں ان ذرین اصولوں پر عمل کیا گیا تو معاشرہ کا یہ عالم ہو گیا کہ ایک عورت تن تنہا حیرہ سے حج کر لے کے لئے مکہ معظمہ روانہ ہوتی تھی اور اُسے سوائے اللہ تعالیٰ کے کسی کا خوف نہیں ہوتا تھا (صحیح بخاری) یعنی وہ ڈاکو جنہوں نے شہروں میں تباہی مچا رکھی تھی، رہزنی، قتل و غارت گری جن کی عادت ثانیہ بن چکی تھی یکسر معدوم ہو گئے۔

نہ مال کے لوٹنے والے باقی رہے اور نہ عصمت پر ڈاکہ ڈالنے والے۔ غنی کا یہ عالم ہو گیا کہ مالدار کو اپنے مال کے رکھنے یا خرچ کرنے کے لئے جگہ نہیں ملتی تھی سوائے مٹی کے (صحیح بخاری کتاب الرقاق) یہ سب کچھ اسلامی ضابطہ کی برکات تھیں۔ افسوس ہم نے اس ضابطہ کو چھوڑا، اللہ تعالیٰ نے ہمیں چھوڑ دیا۔ کبھی ہماری شوکت و حشمت کے تقارے بجتے تھے، فتح ہمارے قدم چومتی تھی، عزت و تمکنت ہمارے لئے مقدر تھی لیکن والے افسوس اب ذلت کے سوا کیا رہ گیا ہے۔ کبھی ہم نے سوچا کہ اس کا سبب کیا ہے۔ کیا کبھی ہم نے خیال کیا کہ ہمیں ایک دن مرنا اور پھر قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے سامنے کھڑے ہو کر اپنے اعمال کا حساب دینا ہے۔ یہ دنیا چند روزہ ہے۔ یہ مال ہیں رہ جائے گا۔ حرام طریقہ سے کمایا ہوا مال ہمارے لئے عذاب کا سبب بن جائے گا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :-

الَّذِي جَمَعَ مَالًا وَعَدَّدَهُ ۖ  
يَحْسَبُ أَنَّ مَالَهُ أَخْلَدَهُ ۖ  
كَلَّا لَيُنْبَذَنَّ فِي الْحُطَمَةِ ۖ  
(دلیل لکل حمزہ - ۲ تا ۴)

جس نے مال جمع کیا اور اُسے گنتا رہا، وہ سمجھتا ہے کہ یہ مال اُسے حیات جاوداں بخشنے گا، نہیں، ہرگز نہیں بلکہ (قیامت کے دن) وہ (اس مال کی وجہ سے) دوزخ میں ڈال دیا جائے گا۔

کیا ہم نے کبھی سوچا کہ دوزخ کیا ہے۔ اس کے عذابات کیسے ہیں، وہاں کھانے کو کیا ملے گا، زقوم کیا ہے جس کا ایک قطرہ اگر دنیا میں پٹکا دیا جائے تو دنیا والوں کی ساری معیشت تباہ ہو جائے، تو اس کا کیا حال ہوگا جو اُسے کھائے گا (سواء الترمذی و صحیح)

افسوس دنیا کی حرص ہماری آخرت کو تباہ کر رہی ہے اور ہمیں ہوش نہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں :-

مَا ذُنْبَانِ جَائِعَانِ أُرْسِلَانِي ۖ  
فَنَمَّ بِأَفْسَدَ لَهَا مِنْ حِرْصِ ۖ  
دو بھوکے بھیڑیے اگر بکریوں میں چھوڑ دئے جائیں تو وہ ان کو اتنا

النَّارُ عَلَى الْمَالِ وَالشَّرَفِ نقصان نہیں پہنچائیں گے جتنا نقصان  
لِإِيَابِهِم (رواہ الترمذی وسندہ صحیح۔ کہ کسی آدمی کے دین کو مال و جاہ کی  
التعلیقات للابانی علی مشکوٰۃ ۳/۱۴۳) حرص پہنچاتی ہے۔

کیا ہماری حالت اس حدیث کی مصداق نہیں ہے؟ کیا مال کی حرص نے  
ہمیں آخرت سے غافل نہیں کر دیا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :-

أَنهَکُمُ التَّکَاثُرُ ○ حَتَّىٰ زُرْتُمُ (اے انسانو) مال و دولت کے زیادہ ہونے  
الْمَقَابِرَ ○ (الحکم التکاثر - ۲) کی خواہش نے تمہیں غافل کر دیا یہاں تک  
کہ تم قبرستان میں پہنچ گئے۔

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے ہمارے معاشرہ کا کتنا صحیح نقشہ کھینچا  
ہے۔ مال کی حرص ہمیں تمام عمر آخرت سے غافل کر دیتی ہے اور جب قبر میں پہنچتے  
ہیں تو آنکھیں کھلتی ہیں۔ مگر اس وقت پچھلنے سے کیا ہوتا ہے۔ ایسی زندگی کا  
نتیجہ پھر وہی نکلتا ہے جو اسی سورت میں اللہ تعالیٰ نے آگے بتایا ہے۔ اللہ  
تعالیٰ فرماتا ہے :-

لَسْرُورًا الْجَحِيمِ ○ بے شک تمہیں دوزخ (کامند) دیکھنا  
(الحکم التکاثر - ۶) ہو گا (یعنی تم ضرور دوزخ میں جاؤ گے)۔

دوزخ کے عذابات کا حال سن کر ہمارے رونگٹے کھڑے ہو جانے  
چاہئیں مگر ہم ہیں کہ ٹس سے مس نہیں ہوتے۔ کاش ہم اب بھی سنبھل جائیں  
اور اس دنیا کی بے ثباتی اور آئے دن لوگوں کے مرنے کی خبروں سے عبرت  
حاصل کریں۔ حلال کھائیں، حرام سے پرہیز کریں ورنہ روزِ محشر سوائے کف  
افسوس ملنے کے اور کچھ نہیں ہو سکے گا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :-

وَأَنذِرْهُمْ يَوْمَ الْحَسْرَةِ (اے رسول) انہیں حسرت کے دن سے  
ڈرائیے (یعنی اس دن سے ڈرائیے جس دن  
(مریم - ۳۹) سوائے حسرت کے اور کچھ نہیں ہو سکے گا)



## توحید فرمائیے

اسلام میں فرقے نہیں اور فرقوں میں اسلام نہیں، فرقہ بندی اللہ تعالیٰ کے حکم سے بغاوت ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔  
 وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللَّهِ جَمِيعًا وَلَا تَفَرَّقُوا (آل عمران ۱۰۳)  
 سب مل کر اللہ کی رسی کو مضبوطی سے پکڑ لو اور فرقے فرقے نہ بنو  
 فرقوں سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی تعلق نہیں!

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:  
 إِنَّ الَّذِينَ فَرَّقُوا دِينَهُمْ وَكَانُوا شِيعًا أَنتَ  
 مِنْهُمْ فِي شَيْءٍ

جن لوگوں نے اپنے دین کو ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا اور  
 فرقے فرقے بن گئے (اے رسول) آپ کا ان سے کوئی تعلق نہیں۔

جب فرقہ بندی اللہ تعالیٰ کے حکم سے بغاوت ہو اور فرقوں کا  
 رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی تعلق نہ ہو تو — سوچیے  
 ہم سب کیوں فرقہ بندی کو اپنے گلے سے لگائے ہوئے ہیں —  
 آئیے — فرقہ بندی سے علیحدگی اختیار کریں اور ”مسلم“ بن  
 جائیں اور دنیا و آخرت کی کامرانیاں حاصل کریں۔

## جامعۃ المسلمین

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

## تحفہ عیدین

## تحفہ عید الفطر

سلسلہ اشاعت ۵

دنیا کی ہر قوم کی طرح مسلمین بھی سالانہ تہوار مناتے ہیں۔ یہ تہوار صرف دو ہیں : ایک عید الفطر اور دوسرا عید الاضحیٰ۔ دوسری قوموں کے تہواروں کا مقصد محض لہو و لعب، عیش و طرب حاصل کرنا یا کچھ مذہبی رسوم ادا کرنا ہوتا ہے، برخلاف اس کے اسلامی تہواروں کا مقصد اللہ تعالیٰ کی بڑائی بیان کرنے کے ساتھ اپنے اندر ایک انقلاب برپا کرنا ہوتا ہے۔

عید الفطر کا مقصد محض لہو و لعب، عیش و طرب، یا مذہبی رسوم ادا کرنا نہیں ہے۔ یہ تہوار رمضان المبارک کے اختتام پر آتا ہے۔ رمضان المبارک برکتوں، رحمتوں اور مغفرتوں کا مہینہ ہے۔ اسی مہینہ میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک مکمل ضابطہ حیات: قرآن مجید نازل ہوا۔ تمام دنیا کے مسلم اسی ضابطہ حیات کے مطابق اس مہینہ کو گزارتے ہیں۔ بڑے سے لے کر چھوٹے تک گناہوں سے پرہیز کرتے ہیں۔ پورا مہینہ نیکیوں کے حصول، عبادت کے شغل، نفس کے محاسبہ، صبر و ضبط، محبت و الفت، ایثار و قربانی میں گزارتے ہیں۔ اس مہینہ میں گناہوں سے اجتناب اور نیکیوں کی طرف سبقت کی مسلسل مشق سے دل میں تقویٰ پیدا ہوتا ہے۔ اسلامی معاشرہ تقویٰ کی فضا سے معمور ہو جاتا ہے اور فسق و فجور، ظلم و ستم، لہو و لعب، غرور و تکبر، نام و نمود غرض یہ کہ ہر قسم کی برائیاں دور ہو جاتی ہیں۔

رمضان کا مہینہ گویا مسلمین کی سالانہ تربیت کا مہینہ ہے تاکہ اللہ تعالیٰ نے جو ضابطہ حیات اس مہینہ میں بھیجا ہے اس کی علمی اور عملی طور پر یاد دہانی ہو جائے اور وہ زندگی جو گیارہ مہینوں میں دل پر چڑھ گیا ہے وہ دور ہو جائے۔ دل پھر از سر نو مجلیٰ اور مصفیٰ ہو جائے۔

عید الفطر کا دن دراصل ایک انقلاب کا دن ہے۔ تکمیل تربیت کے بعد یہ دن گویا

بندوں کے امتحان کا پہلا دن ہے۔ رمضان کے مہینہ میں جو تربیت بندوں نے حاصل کی اور اپنے اندر ایک خاص تبدیلی پیدا کی، اس تبدیلی کے مظاہرہ کا یہ روزِ اولیٰ ہے۔ یہی وہ دن ہے جس دن دیکھا جاتا ہے کہ بندوں نے جو تقویٰ حاصل کیا وہ عارضی ہے یا دائمی۔ وہ عید کے دن گناہوں سے بچتے ہیں یا نہیں۔ غریبوں کے ساتھ ہمدردی اور خلوص و ایثار موجود ہے یا نہیں۔ اگر بندے اپنی بے پناہ مسترتوں میں اللہ تعالیٰ کو نہ بھولے اور اس کے بندوں کے حقوق سے غافل نہ رہے تو پھر یہ سمجھا جائے گا کہ باقی گیارہ مہینوں میں انہیں اپنے اس کردار کو باقی رکھنا زیادہ آسان ہوگا۔ اگر عید کے دن ہی بندوں نے تقویٰ کا دامن چھوڑ دیا اور ہمدردی و ایثار کے جذبات کو خیر باد کہہ دیا تو یہ سمجھا جائے گا کہ وہ رمضان کے مہینہ میں محبوس تھے۔ رمضان کے ختم ہوتے ہی وہ پھر آزاد ہو گئے اور انہوں نے رمضان سے کچھ حاصل نہیں کیا۔

عید کا دن خیر و برکت، طہارت و مغفرت کا دن ہے۔ مغفرت کے بعد دوزخ کا خطرہ ٹل جاتا ہے لیکن کتنی عجیب بات ہوگی کہ ادھر آپ دوزخ کے خطرہ سے محفوظ ہوئے اور ادھر عید گاہ سے واپس ہوتے ہی پھر دوبارہ اُس میں کود پڑنے کی تیاریاں شروع کر دیں۔ اے ایمان والو! ایسا ہرگز نہ کیجئے۔

عید کے دن ہر مرد و عورت پر عید گاہ میں حاضر ہونا ضروری ہے۔ احادیث میں عورتوں کو بھی عید گاہ میں حاضر ہونے کی بڑی سخت تاکید کی گئی ہے۔

آئیے ہم سب مل کر ان احادیث پر عمل کریں۔ اپنے خود ساختہ مذہب، رسم و رواج اور اپنی خواہشات کو ان احادیث کے مقابلہ میں مسترد کر دیں۔ دین صرف اسلام ہے اور اسلام نام ہے قرآن اور حدیث کو ماننے اور ان پر عمل کرنے کا۔ قرآن مجید اور احادیث رسول سلمہ اصول اور حجت شرعیہ ہیں۔ آئیے ہم سب مل کر ان مشترک قدروں پر جمع ہو جائیں اور تمام فرقہ بندیوں کو ختم کر دیں۔ فرقہ بندیوں سے نجات ہی دراصل دوزخ سے نجات ہے۔ فرقہ بندی ایک لعنت ہے اور اس سے کسی کو انکار نہیں تو آئیے فرقہ بندی سے بیزار ہو کر صرف اسلام کو اپنا دین سمجھیں، اپنے کو صرف مسلم کہیں۔ مسلم بنیں اور دنیا سے اس حالت میں رخصت ہوں کہ ہم مسلم ہوں۔



# پیام عید الفطر

ایام مسرت انسانوں کے لئے فطری تقاضے کی حیثیت رکھتے ہیں تاکہ وہ سال بھر کی گوناگوں مصروفیات، محنت و مشقت کے بجائے راحت و مسرت میں اپنا وقت گزاریں۔ ایسا نہ ہو کہ ان کی زندگی بالکل خشک اور بے لطف بن کر رہ جائے۔ یہ ایام مسرت انسان کی زندگی میں ایک قسم کی نئی لہر پیدا کر دیتے ہیں۔ دماغی بوجھ ہلکا ہو جاتا ہے اور وہ پھر تروتازہ ہو کر اپنے فرائض ادا کرنے لگتا ہے۔ غرض یہ کہ کیفیات میں تبدیلی ایک فطری ضرورت ہے جس کے بغیر انسان کی زندگی مشینی زندگی کے سوا کچھ نہیں۔

اسلام ایک فطری دین ہے لہذا وہ اس فطری تقاضے سے کس طرح صرف نظر کر سکتا تھا۔ اللہ تعالیٰ جو اس دین فطرت کا صانع ہے اُس نے اس فطری تقاضے کو پورا کرنے کے لئے سال میں دو تہوار ہمارے لئے مقرر فرما دیئے۔ تہواروں کے تقرر کو انسانوں کے اختیار میں نہیں دیا بلکہ خود فاطر فطرت نے ان ایام کا تعین فرمایا۔ حضرت انسؓ فرماتے ہیں :-

قَدِمَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمَدِينَةَ وَلَهُمْ يَوْمَانِ يَلْعَبُونَ فِيهِمَا فِي الْجَاهِلِيَّةِ فَقَالَ إِنَّ اللَّهَ تَبَارَكَ وَتَعَالَى قَدْ أَبَدَ لَكُمْ بِهِمَا خَيْرًا مِنْهُمَا يَوْمَ الْفِطْرِ وَيَوْمَ النَّحْرِ (مسند امام احمد - بلوغ الاماني جزء ۶ ص ۱۱۱ و رواه الحاكم وسنده صحيح - المستدرک جزء اول ص ۱۹۲)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ تشریف لائے تو (آپ کو معلوم ہوا کہ) وہاں کے لوگ ایام جاہلیت میں دو دن کھیلا کرتے تھے۔ آپ نے فرمایا : اللہ تبارک و تعالیٰ نے ان دونوں دنوں کے بدلہ میں تمہیں ان سے بہتر دن عطا فرما دیئے ہیں : یوم الفطر (یعنی عید الفطر) اور یوم النحر (یعنی عید الاضحی)۔

اس فرمان سے ایام جاہلیت کے تہوار منسوخ ہو گئے اور ان کی جگہ دو عیدوں کو مقرر کیا گیا۔

اللہ تعالیٰ کی طرف سے صرف یہی دو عیدیں مقرر کی گئی ہیں۔ باقی عیدیں خود ساختہ اور اللہ تعالیٰ کے دین فطرت میں اضافہ ہیں اور یہ اضافہ شرک فی الشریعت ہے۔

جس طرح اسلام ہر اعتبار سے دوسرے ادیان میں ممتاز حیثیت کا مالک ہے اسی طرح اس کے تہوار بھی ممتاز شان و شوکت کے حامل ہیں۔ یہ تہوار جس سنجیدگی و متانت، اللہ تعالیٰ کی کبریائی، انسانی ہمدردی اور اجتماعیت کا مظاہرہ کرتے ہیں دوسرے مذاہب اس سے بڑی حد تک محروم ہیں۔

عید الفطر نفیاتی اور فطری اعتبار سے پورے سال میں سب سے زیادہ خوشی کا دن ہوتا ہے۔ رمضان کی مسلسل ریاضت اور تربیت کے بعد یہ پہلا دن ہوتا ہے کہ جس میں ایک مسلم ریاضت کے بعد راحت اور تربیت کے بعد اس کے علی مظاہرہ کا لطف حاصل کرتا ہے۔ اس دن ہر مسلم قرآن مجید کے نزول کی خوشی کے ساتھ ساتھ اپنی تکمیل تربیت اور پھر اللہ تعالیٰ کی برتری اور انسانی ہمدردی کے امتحان میں اپنی کامیابی پر مسرور و شاداں ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی بڑائی اور زکوۃ الفطر کی صورت میں مساکین کی اعانت سے ہی اس کی خوشی کا آغاز ہوتا ہے اور ان ہی دو جذبوں کے ساتھ اس کی خوشی باقی رہتی ہے۔

جس طرح رمضان ہماری تربیت کرتا ہے عید بھی ہماری تربیت کرتی ہے اور یہ تربیت رمضان کی تربیت میں ایک قسم کی جلا پیداکرتی ہے۔

عید کا پہلا سبق | عید کے روز سب سے زیادہ خوشی کا موقع وہ ہوتا ہے جب مسلمان عید گاہ میں نماز عید ادا کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی کبریائی کے نعروں سے فضلے آسانی کو معمور کر دیتے ہیں۔ اس سے ہمیں یہ سبق ملتا ہے کہ ہم اپنی زندگی کو اس طرح ڈھالیں کہ زندگی کے ہر لمحہ میں ہم اللہ تعالیٰ کے ذکر سے سرشار ہوں اور ذکر الہی میں ہی ہمیں سب سے زیادہ خوشی، چین اور راحت نصیب ہو۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :-

أَلَا بِذِكْرِ اللَّهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوبُ خبردار ہو جاؤ اللہ کے ذکر سے قلوب تسلی پاتے ہیں۔ (الزمر ۲۸)

مقام حیرت | یہ ایک سلمہ حقیقت ہے کہ عید کی سب سے زیادہ خوشی عید گاہ میں ہوتی ہے

اور فطرت انسانی کا تقاضا یہ ہے کہ سترت کی گھردیاں طویل ہوں بلکہ کبھی ختم ہی نہ ہوں لیکن مقام حیرت ہے کہ ننانوے فیصد لوگ نماز عید سے اس قدر جلد فراغت حاصل کرنا چاہتے ہیں گویا کہ ان کے نزدیک یہ خوشی بھی ایک بوجھ ہے کہ اس کو جس قدر جلد اتار کر پھینک دیا جائے اچھا ہے۔ خوشی کی بقاء انسان کی فطری خواہش ہے اور اس سے بیزاری انسانی فطرت کی ضد ہے۔ اجتماع ضدین اگرچہ باطل ہے لیکن عید کی خوشی میں شاید یہ دونوں ضدیں بھی مجتمع ہو جاتی ہیں۔ کاش لوگ اس پر غور کریں اور نماز عید کو بوجھ نہ سمجھتے ہوئے اسے اطمینان سے ادا کریں۔

عید کا دوسرا سبق | عید سے دوسرا سبق ہمیں یہ ملتا ہے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ کے بلائے پر ہم خوشی خوشی اپنے گھر کو چھوڑ کر ایک میدان میں جمع ہو جاتے ہیں اسی طرح جب اور جس موقع پر اللہ تعالیٰ کے دین کی خدمت کے لئے ہمیں بلایا جائے تو ہم سب مال و متاع کو چھوڑ کر دین کی خدمت کے لئے نکل کھڑے ہوں اور اس خدمت میں اس طرح خوشی محسوس کریں جس طرح عید گاہ جانے میں خوشی محسوس کرتے ہیں مگر افسوس کہ ہم اس سبق کو فوراً بھول جاتے ہیں یا درازا وقت بھی دین کی خدمت کے لئے نکالنا گوارا نہیں کرتے۔

عید کا تیسرا سبق | ہم عید کی نماز کے لئے بہترین لباس پہن کر جاتے ہیں اور یہ ایسا لباس ہوتا ہے کہ عموماً پورے سال اس سے اچھا لباس ہم نہیں پہنتے۔ اس سے ہمیں یہ سبق ملتا ہے کہ ہر نماز کے موقع پر اچھا لباس پہنیں اور خوب زینت کریں اور اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی تعمیل کریں :-

حُذُوا زِينَتَكُمْ عِندَ كُلِّ مَسْجِدٍ ہر نماز کے وقت اپنی زینت (کی چیزیں) پہن (الاعراف - ۳۱) لیا کرو۔

کتنے افسوس کا مقام ہے کہ لوگ عید کے پیغام کو نظر انداز کر کے آیت مذکورہ بالا کی منشاء کے خلاف عمل کرتے ہیں۔ ہر موقع پر زینت کرتے ہیں لیکن نماز کے وقت زینت کو اتار پھینکتے ہیں۔ ننگے سر اور بد ہیئت لباس میں نماز ادا کرتے ہیں۔ ٹوپی اگر اڑھتے بھی ہیں تو تنکوں کی اور وہ بھی ناقص اور بوسیدہ۔ کیا وہ اس قسم کی ٹوپی اور خراب لباس کے ساتھ بازار یا دفتر جاسکتے ہیں۔ نہیں اور ہرگز نہیں تو پھر اللہ تعالیٰ کا جو حق ہے وہ کیوں نہیں ادا کرتے۔ عید کا چوتھا سبق | عید کے دن عید گاہ جانے سے پہلے فطرہ کی ادائیگی ضروری ہے تاکہ مساکین بھی عید کی خوشیوں میں شریک ہو سکیں لہذا عید کا چوتھا سبق یہ ہے کہ ہم ہر خوشی کے موقع پر اپنے غریب بھائیوں کو نہ بھولیں۔ ان کی خوشی اور ضروریات کا خیال رکھیں۔ قارئین کرام، سوچیے فطرہ کی صورت میں جو ہمدردی اور مواسات کا عملی نمونہ ہم پیش کرتے ہیں کیا یہی جذبہ ہمیشہ باقی رہتا ہے؟ کیا اسی طرح ہم مساکین کی مدد کرتے رہتے ہیں؟ اگر نہیں تو عید سے ہم نے کیا سبق لیا؟

عید کا پانچواں سبق | عید کے دن ہم ایک حکم الہی کی تعمیل کر کے اظہار شادمانی کرتے ہیں لہذا عید کا پانچواں سبق یہ ہے کہ ہم ہر حکم الہی کی تعمیل کے بعد خوش ہوا کریں۔



بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

# عید الفطر کا اثر

## اخلاق و کردار، معاش اور معیشت پر

سلسلہ اشاعت ۲۲

**عید الفطر اور معیشت** | صدقہ فطر ہر مرد و عورت، چھوٹے و بڑے پر فرض ہے۔ اس صدقہ کی مقدار فی کس  $\frac{1}{2}$  کلوگرام طعام یعنی غلہ وغیرہ ہے۔ کسی ملک کی پوری مسلم آبادی اگر اس صدقہ کو ادا کرے اور حکومت اسلامیہ اس کو مناسب طور پر تقسیم کرے تو چند سال میں انشاء اللہ خاطر خواہ خوشحالی کا امکان ہے۔ ہو سکتا ہے کہ چند سال میں صدقہ فطر کا لینے والا مشکل سے ملے۔

یہ تو صرف صدقہ فطر کی برکات ہیں اگر اسلامی آمدنی کی تمام تدوین شلّا زکوٰۃ، عشر وغیرہ سے حاصل شدہ رقم جمع کی جائے تو اس کی تعداد اربوں روپے ہوگی۔ اس روپے سے جو فارغ البالی ہوگی اُس کا اندازہ لگانا مشکل ہے۔ جنت ارضی جس کا لوگ خواب دیکھتے ہیں وہ درحقیقت اسلامی نظام ہی سے حاصل ہو سکتی ہے۔

**عید اور شوکت اسلام** | عید گاہ میں روح پرور اور ایمان افروز اجتماع نہ صرف شوکت اسلام کا مظہر ہے بلکہ کشش اور دلفریبی کی ایک حسین تصویر ہے۔ یہی وہ دلکش منظر ہے جو غیر مسلمین کو بھی متاثر کئے بغیر نہیں رہ سکتا اور ہماری تبلیغ دین کا ایک موثر ذریعہ بن سکتا ہے مگر ہم خود عید کی دلکشی کے دشمن ہیں، ہم نے ایکسہی شہر میں مختلف مقامات پر عید گاہیں قائم کر کے اس کی دلفریبی کو سخت نقصان پہنچایا ہے۔ ہم ہی میں وہ بھی ہیں جنہوں نے امت مسلمہ کے نصف حصہ یعنی خواتین کو اس اجتماع میں شرکت کرنے سے محروم کر رکھا ہے حالانکہ اس اجتماع میں جس طرح مردوں کی شرکت فرض ہے اسی طرح عورتوں کی شرکت بھی فرض ہے۔

**تبلیغ** | عید کیونکہ تبلیغ دین کا ایک اہم ذریعہ ہے لہذا ہم اس پر مسترت موقع پر آپ کا فرض تبلیغ آپ کو یاد دلاتے ہیں۔ وقت کی سب سے بڑی ضرورت تبلیغ ہے۔ عوام صحیح اسلام سے ناواقف ہیں۔ اسلام پر جو اعتراضات کئے جاتے ہیں ان کا جواب اُن کے پاس نہیں ہوتا۔ غلط فہمیاں پھیل رہی ہیں مگر ای بڑھ رہی ہے آئندہ نسلوں میں جذبہ دینی کی امید ہو ہو رہی ہے۔

**آئندہ نسلوں میں تبلیغ** | آئندہ نسلوں کو اسلام پر قائم رکھنے کے لئے صرف یہی کافی نہیں کہ موجودہ دور کے لوگوں میں تبلیغ کی جائے بلکہ اس کے لئے بڑے ٹھوس اقدامات کی ضرورت ہے مثلاً ایسے مدارس قائم کرنا جہاں قرآن و حدیث کی ٹھوس تعلیم کے ساتھ حکومت کا مقرر کردہ نصاب پڑھایا جائے۔ ان مدارس کو ایسے اساتذہ، ماحول و تصانیف سے بچانا جو بچوں کے ذہن میں بے دینی پیدا کریں۔ رشد اٹھینے اور ایسے اسکول اور کالج قائم کیجئے، وقت کے تقاضہ کو بچانے۔ اُمید ہے کہ آپ عید کی مسترقوں میں ایسے مدارس کے قیام کو نہ بھولیں گے تاکہ صحیح اسلامی معاشرے میں عیدیں آئیں تو ان کی بہاریں پہلے سے زیادہ خوشگوار ہوں۔

**لمحہ فکریہ** | آج یوم عید ہے، کل یوم وعید آنے والا ہے۔ آج آپ عید گاہ کے میدان میں جمع ہیں کل آپ محشر کے میدان میں جمع ہوں گے۔ آج آپ خوش ہیں، کیا کل بھی آپ اسی طرح خوش ہوں گے؟ کیا آپ آخرت کی عید کے لئے بھی کچھ کر رہے ہیں؟ ماہ عید کی سلسل تربیت کے بعد بھی اگر حرام نفعہ آپ کے منہ میں جا رہا ہے تو پھر اس تربیت کا فائدہ؟ کیا آپ رمضان میں اللہ کے حکم کی تعمیل میں حلال چیزیں چھوڑ سکتے ہیں لیکن رمضان گزرنے کے بعد حرام چیزیں نہیں چھوڑ سکتے؟ غور کیجئے!

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

## عید اور ماہ عید

سلسلہ اشاعت

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ماہ رمضان کو ماہ عید کا لقب دیا ہے (صحیح بخاری) اور یہ حقیقت بھی ہے اس لئے کہ ماہ رمضان ہی عید الفطر کا پیش خیمہ ہے۔ ماہ رمضان کی صبح و شام مسترقوں سے بریز۔ سحری کے وقت بیداری، شام کی چیل پہل اور قیام اللیل کی گہما گہمی عید کا سا سماں پیش کرتی ہیں۔ پورا مہینہ اسی طرح گزرتا ہے اور پھر اس کو ایک بڑی عید کے ساتھ ختم کر دیا جاتا ہے۔ یہ بڑی عید، عید الفطر کے نام سے موسوم ہے عید اور ماہ عید لازم و ملزوم ہیں۔ عید الفطر ماہ عید کا تتمہ ہے۔ ماہ عید مزدوری کے دن ہیں اور عید اجرت ملنے کا دن۔ ماہ عید تربیتی مہینہ ہے اور عید الفطر یوم امتحان ہے۔ ماہ عید میں حکم الہی کی تعمیل ہوتی ہے اور عید اس کی تکمیل پر انبساط اور شکر یہ کا دن ہے۔ یہی وہ دن ہے کہ جس دن کی خیر و برکت بے پایاں ہے اور اس خیر و برکت کے حصول میں سب



یکساں حقدار ہیں۔ کسی کو اس خیر و برکت سے محروم نہیں کیا جاسکتا۔ یہی وجہ ہے کہ عید گاہ کی حاضری نہ صرف مردوں پر لازمی ہے بلکہ خواتین پر بھی یکساں طور پر لازمی ہے بلکہ اس حاضری سے کسی قسم کی خواتین بھی مستثنیٰ نہیں حتیٰ کہ کنواری پردہ نشین لڑکی کو بھی عید گاہ لے جانا ضروری ہے۔

ماہِ عید ایک سالانہ تربیتی نظام اور رضا جوئی مولیٰ کی مسلسل مشق و یاد دہانی ہے۔ جتنے بھی نیک کام کئے جاتے ہیں ان کا مقصد وحید تقویٰ ہے۔ روزہ بھی اسی مقصد کے حصول کے لئے فرض کیا گیا ہے۔ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ میں اسی طرف اشارہ ہے۔

روزہ میں آپ حلال و طیب چیزیں کھانے و پینے سے قطعاً اجتناب کرتے ہیں۔ وہی چیزیں جن کو چند گھنٹے یا چند لمحے پہلے آپ استعمال کر رہے تھے یا استعمال کر سکتے تھے اب روزہ میں آپ ان کو اپنے اوپر حرام سمجھتے ہیں۔ ان کا استعمال تو کجا، استعمال کے تصور سے

آپ کے رونگٹے کھڑے ہوتے ہیں۔ آپ نے کبھی سوچا کجا آخر آپ ایسا کیوں کر رہے ہیں۔ آپ صرف اس لئے کر رہے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا یہی حکم ہے۔ آپ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کر رہے ہیں اور یہ جذبہ اطاعت آپ کے رگ و پے میں سرایت کئے ہوئے ہے اور دل و دماغ اسی جذبہ

اطاعت سے سرشار ہیں لیکن کتنی حیرت کا مقام ہے کہ جس اللہ تعالیٰ کے حکم سے آپ نے حلال و پاکیزہ چیزیں اپنے اوپر حرام سمجھ لیں اسی اللہ تعالیٰ کے حکم سے آپ ناپاک چیزیں اپنے اوپر حرام نہیں کرتے۔ روزہ صرف چند حلال چیزوں پر ہی پابندی عائد نہیں کرتا بلکہ حرام

چیزوں پر اس سے زیادہ سختی سے پابندی عائد کرتا ہے۔ اگر ایسا نہ ہو تو روزہ روزہ ہی نہیں رہتا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ ”جو شخص غلط گوئی اور غلط کاری نہیں چھوڑتا اللہ کو حاجت نہیں کہ وہ اپنا کھانا اور پینا چھوڑ دے“ (صحیح بخاری)

اس حدیث سے صاف ظاہر ہوا کہ روزہ کا اصل مقصد تمام برائیوں سے بچنا ہے اور عام ایام کے بہ نسبت زیادہ سختی سے بچنا ہے۔ اگر برائیاں، حرام کمانی، جھوٹ و فریب، غیبت و جھلی، بدکلامی و تند خوئی، لڑائی اور جھگڑا جیسی چیزیں جاری رہیں تو پھر روزہ بیکار

ہے۔ قارئین کرام سوچیے کہ آپ کہاں چلے جا رہے ہیں اور ماہِ عید کی تربیت سے آپ کہاں تک فائدہ اٹھا رہے ہیں۔ اگر روزہ میں بعض حلال چیزوں کے ساتھ آپ نے تمام حرام چیزوں سے سختی کے ساتھ اجتناب کیا تو پھر ماہِ عید گزرنے کے بعد یہی تربیت کا فرما ہوگی

اور پورے سال آپ حرام چیزوں سے بچتے رہیں گے۔ لیکن کتنے افسوس کا مقام ہے کہ دوسرے ایام تو کجا خاص ماہِ عید یعنی ماہِ رمضان میں بھی حرام کھانے اور حرام طریقہ سے



کلمے سے بچا نہیں جاتا۔ وہی رشوت، وہی سود، وہی دغا، وہی فریب۔ رشوت عام ہے، سود کاروبار کی جان ہے۔ کارخانے سود ہی پر چل رہے ہیں اور سود ہی سے ترقی پا رہے ہیں۔ یہ سب کچھ کیوں ہو رہا ہے؟ روپیہ کی ہوس اور روزہ کے مقصد سے غفلت کے باعث۔ سوچیے یہ ساز و سامان یہیں رہ جائے گا اور ایک دن آپ کو اللہ تعالیٰ کے سامنے کھڑا کر دیا جائے گا۔ بتائیے اس وقت آپ کیا جواب دیں گے۔ یہاں جس طرح آپ عید کے دن میدان عید گاہ میں شاداں اور فرحاں ہونے میں کیا اسی طرح آپ وعید کے دن میدان محشر میں شاداں و فرحاں ہوں گے؟ ہوش میں آئیے۔ سچے دل سے تو بہ کیجئے۔ تمام برائیوں سے بچئیے اور اپنی اولاد کو بھی بچائیے۔ کچھ وقت دین کی خدمت کے لئے بھی وقف کیجئے۔ یہ دین جس پر ہر طرف سے حملے ہو رہے ہیں کیا اس کی حفاظت آپ پر فرض نہیں کیا آپ نے سوچا کہ آئندہ نسلوں میں اسلام باقی رہے گا یا آپ کے ساتھ ہی رخصت ہو جائے گا۔ اگر ابھی تک نہیں سوچا تو بُدبابت سوچیے، پھر دین کی حفاظت کے لئے کوشش کیجئے۔ منصوبے بنائیے۔ لادینی عناصر پر تا بڑ توڑ حملے کر کے انہیں نیست و نابود کر دیجئے۔ صرف دفاع پر قناعت نہ کیجئے۔ دفاع تو کمزوری کی علامت ہے بلکہ اس سے آگے بڑھ کر اپنے کو اس قابل بنائیے کہ ان فتنوں پر حملہ کر کے ان کی قوتوں کو پامال کر دیں۔ اسی میں آپ کی فلاح ہے۔ اگر آئندہ نسلوں سے اسلام رخصت ہو گیا جیسا کہ بعض ممالک میں ہو چکا ہے تو پھر اس کی ذمہ داری آپ پر ہوگی۔

اٹھیے اور عید الفطر کے پرست موقع پر اللہ تعالیٰ سے عہد کیجئے کہ اب آپ اسلام کی حفاظت اور خلافت اسلام فتنوں کی سرکوبی کے لئے تن من دھن کی بازی لگا دیں گے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو توفیق دے۔ آپ کی مدد فرمائے اور آپ کو عید کی برکتوں سے مالا مال کرے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

# عید الفطر کی اہمیت

سلسلہ اشاعت

غزۃ شوال اے نورِ نگاہِ روزہ دار  
اک تھے تیرے لئے مسلم سراپا انتظار

تیری پیشانی پہ تحریرِ پیامِ عید ہے  
شام تیری کیا ہے صبح عیش کی تمہید ہے

اللہ تعالیٰ کی طرف سے ملتِ اسلامیہ کی اجتماعی خوشی کے لئے سال میں صرف دو ہی دن ہیں۔ ان دو کے علاوہ قرآن و حدیث سے ایسا نہ کوئی دن ثابت ہے نہ کوئی رات کہ جس میں پوری مسلم قوم اجتماعی خوشی منائے۔ لیکن دوائے افسوس لوگ، اللہ اور رسولؐ کے عطا کردہ تہواروں پر قناعت نہ کر کے کئی اور تہوار نکال لئے اور ان میں بھی عید جیسی خوشی کا اظہار کرنے لگے۔

یکم شوالؒ کو اسلامی تاریخ کی سب سے پہلی عید تھی جو مدینہ منورہ کے مسلمانوں نے منائی۔ عید کو مسلمین کا قومی جشن قرار دیا گیا اور عید گاہ کی حاضری ہر مرد و عورت پر فرض قرار دی گئی۔

لوگو، سوچو، دو عیدیں تھیں، تم نے کئی بنا ڈالیں، یہاں تم نے دین میں اضافہ کیا۔ خواتین پر عید گاہ کی حاضری لازمی تھی، تم نے یہ حاضری غیر ضروری کر دی یا مکروہ قرار دیدی، یہاں تم نے دین میں کمی کر دی بغرض یہ کہمی و بیشی کا اختیار اللہ کے بجائے تم نے اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ دین کا کوئی شعبہ تمہاری اس کمی بیشی سے محفوظ نہیں رہا۔ چند خود ساختہ رسموں، تہواروں، جلسوں اور جلوسوں کو دین سمجھ لیا گیا۔ نہ توحید سے کوئی مطلب رہا نہ سنت سے کوئی واسطہ۔

عید الفطر کیا ہے، عید انقلاب ہے۔ ایک ماہ کے روزوں کے بعد ہر مسلم کی ذہنیت میں ایک انقلاب برپا ہوتا ہے۔ روزہ میں جس نظم و ضبط کی تربیت اس نے پائی اُس تربیت نے اسے زندگی کے نئے موڑ پر لا کر کھڑا کر دیا۔ روزہ میں اس نے حکم الہی کی تعمیل میں چند جائز چیزوں کے استعمال پر پابندی

عائد کردی۔ ہر نیکی کی طرف سبقت کی اور بُرائی سے بچنے کے لئے شدت کے ساتھ کوشش کی۔ ہلالِ عید نمودار ہوتے ہی وہ اس تربیتی دور سے فاسخ ہوا۔ عید کی صبح اس کی نئی زندگی کا آغاز ہوا۔ اب اس نئی تربیت کے مطابق گیارہ مہینے تک اس کو زندگی گزارنی ہے اور پھر از سر نو تربیت کو تازہ کرنا، عید الفطر تربیت حاصل کرنے کے بعد میدانِ عمل میں قدم رکھنے کا روزِ اولیٰ ہے، اگر ہم نے پہلے ہی دن تقویٰ کا دامن ہاتھ سے چھوڑ دیا تو پھر غور کر دو کہ جس تقوٰے کے حصول پر ہم خوشی منا رہے ہیں وہ کس درجہ مفید ہے۔ عید الفطر دراصل تربیت کی تکمیل کے بعد روزِ امتحان ہے۔ اگر عید کی خوشی میں ہم احکامِ الہی کی تعمیل سے غفلت نہیں برتتے تو پھر امید کی جاسکتی ہے کہ آئندہ بھی ہم غفلت نہیں برتیں گے۔

ایمان والو! یہ تمہاری قوی عید ہے۔ تم ایک قوم ہو۔ ایک جسم ہو۔ تم سب کا ایک راستہ ہے۔ ایک منزل ہے۔ حاکمِ اعلیٰ ایک ہے۔ امامِ ایک ہے۔ تو پھر تم نے علیحدہ علیحدہ قومیں کیوں بنا رکھی ہیں۔ علیحدہ علیحدہ مذہب کیوں بنائے ہیں۔ کیوں علیحدہ علیحدہ نام رکھ چھوڑے ہیں۔ تم سب مل کر بیٹھو اور متحد ہو جاؤ۔ اپنے کو صرف مسلم کہو۔ مقصد میں یکسانیت، طرزِ فکر میں ہم آہنگی پیدا کرو۔ میدانِ عمل میں اشتراک اور تعاون سے کام لو۔ آپس میں دست و گریبان ہونا چھوڑ دو۔ اپنی قوت کو تخریب کی بجائے تعمیر میں صرف کرو۔ عید الفطر عیدِ تطہیر ہے۔ اس دن تم اپنی رنجشیں بھلا دو۔ قلب کو بغض سے پاک کرو۔ دوسری چیزوں پر مرنے کی بجائے اسلام پر مرنے کو، اور نہ صرف مرنے کو بلکہ جینا سیکھو اور یہی مقصدِ حیات ہے جس کو تم بھلا بیٹھے ہو۔ عید کے دن عہد کرو کہ تم ہر کام اللہ کی خوشنودی کے لئے کرو گے اور ایک ماہ کی مشق و تمرین سے جو تقویٰ پیدا ہو چکا ہے اسے ضائع نہیں ہونے دو گے۔

اللَّهُ أَكْبَرُ اللَّهُ أَكْبَرُ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَاللَّهُ أَكْبَرُ اللَّهُ أَكْبَرُ  
وَلِلَّهِ الْحَمْدُ



## ہلالِ عید

سلاطینِ امت ۵۵

غزۂ شوال لے نورِ نگاہِ روزہ دار  
اگر تھے تیرے لئے مسلم سراپا انتظار  
تیری پیشانی پہ تحریرِ پیامِ عید ہے  
شامِ تیری کیا ہی صبحِ عیش کی تہید ہے

یہ عید الفطر کا جشنِ ملی! یہ وردِ ذکر و رحمت کی یادگار، یہ سرِ بلندی وافتخار کی  
بخشش کا یاد آور!

یہ یومِ کامرانی و فیروزی و شادمانی اُس وقت تک کیلئے عیش و سرور کا دن تھا جب تک  
ہم اے سر تاجِ خلافت کیلئے بلند ہونے کیلئے تھے اور جسمِ خلعتِ نبابت سے مفتخر ہونے کے لئے۔  
مرزت و عظمت جب ہم اے ساتھ تھی اور اقبال و کامرانی ہم اے آگے دوڑتی تھی۔ اللہ کی نعمتوں کا  
ہم پر سایہ تھا اور اللہ کی بخشش ہوئی خلافت کے تختِ جلال پر ہم متمکن تھے۔ لیکن اب ہم اے اقبال  
و کامرانی کا تذکرہ صفحاتِ تاریخ کا ایک افسانہ ماضی رہ گیا ہے۔

دنیا کی اور قومیں ہم اے لئے وسیلہٴ عبرت تھیں لیکن اب ہم اے اقبال و ادب کی حکایت  
اوروں کے لئے مثالِ عبرت ہے۔ ہم نے اللہ کی دی ہوئی نعمت کو مذلت سے بدل لیا۔ اس کے  
عطا کئے ہوئے منصبِ خلافت کی قدر نہ پہچانی۔ اور زمین کی خلافت و نبابت کا خلعت ہم کو  
راس نہ آیا۔ اب ہماری عید کی خوشیوں کے دن گئے۔ عیش و طرب کا دور ختم ہو گیا۔ اب عید کے  
عیش و طرب کی صحبتیں اُن قوموں کو مبارک ہوں جن کی عبرت و تنبیہ کے لئے اب تک ہمارا  
وجود بابرِ زمین ہے۔ ان کو خوش نصیب سمجھو جو اپنے دورِ اقبال کے ساتھ خود بھی مٹ گئے، ہمارا  
اقبال جاچکا ہے لیکن ہم خود اب تک دنیا میں باقی ہیں، شاید اس لئے کہ غیروں کے طعنے  
مُنیں اداہنی ذلت و خواری پر آنسو بہا کر دوسری قوموں کیلئے وجودِ عبرت ہوں۔

اس دن کی یادگار ہم اے لئے جشنِ و طرب کا پیغام لاتی تھی کیونکہ یہی ہم اے صحیفۂ اقبال کا

صفوہ اولین تھا اور اسی تاریخ سے ہمارے ہاتھوں قرآنی حکومت کا دورِ جدیدِ قلوبِ اجسام کی زمین پر شروع ہوا تھا۔ اس دن کا طلوع ہم کو یاد دلاتا تھا کہ بد اعمالیوں نے کیونکر بنی اسرائیل کو دو ہزار سالہ عظمت سے محروم کیا اور اعمالِ حسنہ کے شرفِ افتخار نے کیونکر ہمیں برکاتِ الہی کا مضبوط و موردِ بنایا۔ اس دن کا آفتاب جب نکلتا تھا تو ہمیں خبر دیتا تھا کہ کس طرح اللہ کی زمین نافرمانیوں کی ظلمت سے تاریک ہو گئی تھی اور پھر کس طرح ہمارے اعمال کی روشنی اُن فی عالم پر مہرِ درخشاں بن کر نمودار ہوئی تھی۔

اب یہ روزِ یادگار ہے تو عیش و شادمانی کیلئے نہیں بلکہ حسرت و نامرادی کیلئے۔ اگر کچھ اور واقعات ہیں تو عطا و بخشش کی فیروزمندی کیلئے نہیں بلکہ ناقدری و کفرِ نعمت کی مایوسی و حسرتِ سخی کیلئے۔ پہلے اُس کامرانی کی یاد تھا کہ ہم دولتِ قبولیت سے سرفراز ہوئے۔ مگر اب اس نامرادی کی حسرت کو تازہ کرتا ہے کہ ہم نے اس کی قدر نہ کی اور ذلت و عقوبت سے دوچار ہیں۔ پہلے اس وقتِ سعادت کی یاد تازہ کرتا تھا جو ہماری دولت و اقبال کا آغاز تھا اور اب دورِ مسکنت و ذلت کا زخم تازہ کرتا ہے۔۔۔۔۔۔ پہلے یکسر جشن و نشاط تھا اور اب یکسر ماتم و حسرت ہے۔ جشن تھا تو نزولِ قرآن کی یادگار جس نے پہلے ہی دن اعلان کر دیا تھا اے ایمان والو، اگر تم اللہ سے ڈرتے رہے اور اس کے احکام سے سربازی نہ کی تو وہ تمام عالم میں تمہارے لئے ایک امتیاز پیدا کر دے گا۔

اور اب ماتم ہے تو اسی قرآن کی اس پیشین گوئی کے طور کا ”اور جس نے ہمارے ذکر سے رُوگردانی کی اُس کی زندگی دنیا میں تنگ ہو جائے گی“ پہلے اُس بشارت کو یاد کر کے جشن مناتے تھے اور اب وہ وقت ہے کہ اس کے نتائج کو گردِ پیش دیکھ کر عبرت پکڑیں۔ اب عید کا دن ہمارے لئے عیش و نشاط کا دن نہیں رہا البتہ عبرت و موعظت کی ایک یادگار ضرور ہے (ماخوذ از کلام ابوالکلام)

ایمان والو، کیا ابھی وہ وقت نہیں آیا کہ ہم بیدار ہو جائیں اور اُس عیدِ گمشدہ عیش و طرب کو حاصل کرنے کی کوشش کریں۔ ہماری عید پھر حقیقی معنوں میں عید بن جائے۔ ہمارے سروں پر پھر تاجِ خلافت سجایا جائے۔ پھر ہماری قوت و شوکت کے آگے دنیا سرنگوں ہو جائے اور جس طرح آج اللہ کی عظمت و کبریا کی عطربیز نعموں سے فضائے عالم گونج اٹھی ہے اسی طرح ہمارے اعمال و جواج سے اقصائے عالم میں اللہ تعالیٰ کی حاکمیت کا ڈنکا بجنے لگے۔ نعماتِ توحید و رسالت سے دنیا کا گوشہ گوشہ معمور ہو جائے۔ کیا ابھی وہ وقت نہیں آیا کہ ہم اللہ کے دین کی سرپندی کیلئے جہاد کریں اور اللہ ہمیں سر بلند کر دے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بالکل سچ فرمایا تھا کہ ”اللہ اس کتاب کے ذریعہ بہت سی قوموں کو عروج و اقبال عطا فرمائے گا اور



بہت سی قوموں کو قعر مذلت میں ڈال دیا۔ (صحیح مسلم) کیا دونوں دور ہم نے نہیں دیکھے؟ دوسرا دور تو پورے آٹھ سو سال کے ساتھ اب بھی موجود ہے۔ اس قعر مذلت میں آخر کب تک آپ پڑے رہیں گے۔ اگر ذرا اقبال و عروج دوبارہ لانے کیلئے آپ بے چین ہیں تو اٹھیے۔ پہلے اپنے نفس سے جہاد کیجئے۔ قرآن و حدیث پر خود بھی عمل کیجئے، اپنے اہل و عیال سے عمل کرائیے اور پورے معاشرہ سے عمل کرائیے۔

جماعت المسلمین کا مقصد وحید یہی ہونا چاہیے کہ وہ اقصاد عالم میں اللہ تعالیٰ کا کلمہ بلند کرے، مگر یہ جب ہی ہو سکتا ہے کہ جب ہم ہر قسم کی قربانی کے لئے تیار ہو جائیں، پھر اللہ تعالیٰ بھی اپنا وعدہ پورا کرے گا۔ ہم اقتدار کی ہوس چھوڑ کر پہلے اپنے جسم پر اللہ کی حاکمیت قائم کریں۔ جو شخص اللہ کی حکومت کے لئے جدوجہد کرے اور جہاں اس کا اقتدار ہو وہاں اللہ کی حکومت قائم نہ کرے اُس سے مشکل ہی توقع کی جاسکتی ہے کہ وہ تخت حکومت پر متمکن ہونے کے بعد اللہ کی حکومت قائم کرے گا۔ ہم انسانوں کو دھوکہ دے سکتے ہیں اللہ کو نہیں۔ اللہ کا وعدہ ہے کہ وہ "اُن لوگوں کو جو ایمان لاکر نیک عمل کرتے ہیں زمین کی خلافت عطا فرمائے گا" (القرآن)

آئیے ہم سب مل کر حقیقی ایمان کے ساتھ نیک عمل کریں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

## ہدیہ عید الفطر

ہم کئی دفعہ عرض کر چکے ہیں کہ دشمنان اسلام نے ہماری تاریخ کو مسخ کر کے اسکو ایسا رنگ دیدیا کہ پڑھنے والا یہ سمجھنے پر مجبور ہوتا ہے کہ یہ تاریخ دنیا داروں اور متکاروں کی تاریخ ہے۔ بالکل اسی طرح اختلاف و افتراق نے دین کو ایسا مسخ کر ڈالا کہ اصل دین اجنبی ہو گیا۔ ایک اسلام کے کئی اسلام بن گئے، ایک جماعت کی کئی جماعتیں اور فرقے بن گئے، حق پرستوں کی ایک قلیل جماعت کو چھوڑ کر تقلید اور جمود نے تمام جماعتوں کا احاطہ کر لیا، پھر اس جمود اور افتراق کی حمایت میں انہیں ایک گھڑی ہوئی حدیث بھی مل گئی کہ "میری امت کا اختلاف رحمت ہے"۔ بس پھر کیا تھا، اختلاف اور افتراق کو رحمت سمجھا جانے لگا، اب کسی کو کیا ضرورت تھی کہ اختلاف کو ختم کر کے رحمت کے بجائے مذمت کو دعوت دیتا۔ قرآن مجید کی آیت پکار پکار کر



کہہ رہی تھی کہ

وَلَا يَزَالُونَ مُخْتَلِفِينَ ۝ إِلَّا لَوْكَ هِمَّةٌ مِمَّنْ رَدَّ وَجْهَ رَبِّكَ ۖ [۱۱۰:۱۱۱] اختلاف نک جائیں گے جن پر تمہارے رب کی رحمت ہوگی  
لیکن کون سنتا تھا، لوگ اپنے اسی عقیدہ پر قائم رہے جو قرآن مجید کے خلاف تھا۔ قرآن مجید نے کہا تھا کہ اختلاف سے بچنے والوں پر اللہ کی رحمت ہوگی۔ انہوں نے اس کے بالکل برعکس اختلاف کو رحمت سمجھ لیا۔ افسوس! جب اصول ہی بدل دیا گیا تو پھر جو کچھ بھی ہو کم ہے۔ اسی بنیاد پر دین میں کثیر اختلاف واقع ہوا اور یہ اختلاف ابھی تک چلا آرہا ہے۔ عید الفطر مسلمین کا قومی و ملی جشن ہے، اہل اسلام کیلئے یہ بہت ہی مسرت کا دن ہے۔ عید کے دن اللہ تعالیٰ کی طرف سے خیر و برکت اور مغفرت کا نزول ہوتا ہے۔ اس خیر و برکت اور مغفرت کے حصول کیلئے عید گاہ جانا اور نماز وغیرہ میں شریک ہونا بہت ضروری ہے۔ عید الفطر کے مسائل جن کا ماخذ براہ راست احادیث صحیحہ ہیں مندرجہ ذیل ہیں۔  
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر مسلم پر زکوٰۃ الفطر کو فرض کر دیا (صحیح بخاری و صحیح مسلم)  
فطرہ امیر و غریب ہر شخص پر فرض ہے، صاحب نصاب ہونے کی شرط صحیح نہیں —  
فطرہ کی مقدار ایک صاع طعام ہے، یعنی ایک صاع اُس غلہ وغیرہ میں سے دیا جائے جو سینے والے کی اصلی غذا ہو (نار) صاع ایک پیمانہ ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں مدینہ منورہ میں رائج تھا اس میں تقریباً پونے تین سیرگیہوں آتے ہیں (عراقی صاع سے صدقہ فطر ادا کرنا صحیح نہیں) (بیہقی و دارقطنی) ہر مرد مسلم کو چاہیے کہ اپنے اہل و عیال کی طرف سے صدقہ فطر ادا کرے (صحیح مسلم) صدقہ فطر عید گاہ جانے سے پہلے دینا فرض ہے (صحیح بخاری و صحیح مسلم)  
یہ صدقہ عید سے دو چار روز پہلے بھی ادا کیا جاسکتا ہے (صحیح بخاری و نسائی)  
جمعہ اور سفر کی طرح عید کی بھی دو رکعتیں فرض ہیں (احمد و بیہقی من عر) یہ نماز صرف مردوں پر فرض نہیں ہے بلکہ عورتوں پر بھی فرض ہے۔ جو عورتیں اذیت ماہانہ کی وجہ سے نماز نہ پڑھ سکیں ان پر بھی عید گاہ میں حاضر ہونا ضروری ہے۔ وہ نماز کے مقام سے علیحدہ ہو کر بیٹھ جائیں اور مسلمین کی تکبیروں کے ساتھ تکبیریں کہیں اور دُعا کے ساتھ دُعا مانگیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہی حکم دیا ہے۔ جو لوگ عید گاہ میں خواتین کی حاضری کو مکروہ مکتے ہیں ان کا قول صحیح نہیں (صحیح بخاری و صحیح مسلم) عید کی نماز میں ۱۲ تکبیریں زائد ہیں۔ یہ تکبیریں قرأت سے پہلے کہی جائیں، سات پہلی رکعت میں اور پانچ دوسری رکعت میں (ابوداؤد)

عید گاہ جانے سے قبل طاق عدد کھجوریں کھائے (صحیح بخاری) عید گاہ جانے سے قبل کچھ کھانا ضروری ہے (مسند امام احمد) اچھی طرح نہا دھو کر، اچھے کپڑے پہن کر، خوشبو لگا کر عید گاہ



روانہ ہو۔ راستہ میں بلند آواز سے یہ تکبیریں پڑھتا ہوا جائے اللہ اکبر اللہ اکبر لا الہ الا اللہ واللہ اکبر اللہ اکبر واللہ الحمد یا اللہ اکبر اللہ اکبر  
اللہ اکبر کبیراً۔ مؤرخ الذکر تکبیر کے بعد واللہ الحمد للہ کثیراً سبحان اللہ بکثرة  
وآصیلاً حدیث سے ثابت نہیں (طبرانی مصنف عبدالرزاق وہبیتی وغیرہ) نماز کے بعد خطبہ نے  
اور دوسرے ماحلتہ سے واپس آئے (مجمع بخاری) عید کی مبارکباد اس طرح دے تَقَبَّلَ اللہُ  
مِنَّا وَمِنْکَ (طبرانی کبیر ابن عقیل) عید کے دن معاف کرنا بدعت ہے۔

مندرجہ بالا مسائل میں بعض مسائل ایسے بھی ہیں جو فرقہ بندی کی نذر ہو گئے ہیں۔ غلط کو صحیح  
اور صحیح کو غلط سمجھ لیا گیا۔ اس فرقہ بندی نے ہمیں اصل دین سے دور کر دیا۔ کیا یہ فرقہ بندی  
قائم رہنی چاہیے؟ اگر قائم نہیں رہنی چاہیے تو جماعت المسلمین کے ساتھ تعاون فرمائیے  
جس کا تعلق کسی فرقہ سے نہیں ہے۔

## بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ عید المسلمین

ایام جاہلیت میں گنہار دو تہوار منلاتے تھے (مسند احمد من انس) ایک نوروز دوسرا ہرجان۔  
جس دن سورج بروج حمل کی طرف ٹوٹ کر تاپے آئے وہ نوروز کہتے تھے، یہی دن اُن کے سال کا پہلا  
دن ہوتا تھا اور جس دن سورج بروج میزان کی طرف ٹوٹ کر تاپے آئے وہ ہرجان کہتے تھے۔ حرارت و  
برودت کے اعتبار سے یہ دن معتدل ہوتے ہیں۔ انہی دنوں میں دن و رات برابر ہوتے ہیں۔ انقض  
گنہار کے تہوار موسم کے اعتبار سے منائے جاتے تھے، کیونکہ اللہ تعالیٰ ملت اسلامیہ میں ایک ممتاز اور  
علیحدہ قومی تصور پیدا کرنا چاہتا تھا اس لئے اس نے ان کافرانہ موسمی تہواروں کو یکسر موقوف کر دیا  
اور ان کی جگہ دو نئے مگر خالص للہیت میں ڈوبے ہوئے تہوار مقرر فرمائے۔ رسول اللہ صلی اللہ  
علیہ وسلم فرماتے ہیں (لے ایمان والو!)

إِنَّ اللّٰهَ تَبَارَكَ وَتَعَالٰی قَدْ أَبَدَ لَکُمْ بے شک اللہ تبارک و تعالیٰ نے تمہیں ان دونوں  
بہما خیراً مِنْهُمَا یَوْمَ الْفِطْرِ وَیَوْمَ النَّحْرِ (تہواروں کے بدلہ میں ان سے بہتر دو تہوار  
(احمد، ابوداؤد، نسائی وغیرہ من انس و سنن صحیح) دیدئے ہیں، عید الفطر اور عید الاضحی۔

عید الفطر اور عید الاضحی کافروں کے تہوار کے بدلہ میں مسلمانوں کو دیئے گئے اور یہ قاعدہ کلیہ ہے کہ جب  
کوئی نئی چیز کسی پرانی چیز کے بدلہ میں دی جاتی ہے تو پھر اس پرانی چیز سے کوئی تعلق باقی نہیں رہتا، اور

اگر اُس پرانی چیز سے بھی تعلق باقی ہے تو پھر نئی چیز کو بدلہ کننا صحیح نہیں ہوگا۔ لہذا اس حدیث سے ثابت ہوا کہ کافروں کے ان تہواروں سے مسلمین کو اب کسی قسم کا تعلق رکھنا نہیں چاہیے۔ اور اگر کوئی اب بھی ان کے کسی قسم کا تعلق باقی رکھتا ہے تو پھر یہ تعلق اس کے لئے بہت مضر ثابت ہوگا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:-

مَنْ تَشَبَّهَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ جس شخص نے کسی (دوسری) قوم کی مشابہت کی تو وہ اُنہی میں شمار ہوگا۔  
(احمد، ابوداؤد، صحیح اعرابی)  
مسلمین کو ان احادیث کی روشنی میں کرسمس اور نوروز وغیرہ تہواروں میں کسی قسم کی شرکت نہیں کرنی چاہیے۔

مسلمین کی عید تو درحقیقت وہی ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے مقرر فرمایا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:-

إِنَّ لِكُلِّ قَوْمٍ عِيدًا وَهَذَا عِيدُنَا۔ بے شک ہر قوم کی ایک عید ہوتی ہے اور یہ (صحیح بخاری کتاب العیدین) ہماری عید ہے۔

اس حدیث سے بھی ثابت ہوا کہ مسلمین کو اپنی ہی عید کو عید سمجھنا چاہئے اور یہ بھی ثابت ہوا کہ مسلمین کو اپنی عید کا کافی اہتمام کرنا چاہئے۔

مسلمین کی عید کے دن موسمی اور دنیوی اہمیت کے حامل نہیں بلکہ یہ دن اُخروی فلاح و بہبود اور خیر و برکت کے دن ہیں۔ ان کا تعلق نہ کسی شخص کی پیدائش سے ہے نہ کسی کی ذات سے بلکہ یہ خالص للہیت پر مبنی ہیں۔ ایک عید کا تعلق نزولِ قرآن اور روزوں سے ہے تو دوسری کا تعلق تکمیلِ دن اور قربانی سے، گویا اسلام کے دواہم ارکان کی ادائیگی کی خوشی اور دواہم دنوں کی یاد میں یہ دن منائے جاتے ہیں، ان میں شادمانی اور اظہارِ انبساط کے ساتھ للہیت کو پوری طرح سمودیا گیا ہے۔

عید الفطر کی ابتداء للہیت سے ہوتی ہے مسلمین محض اللہ کی خاطر پہلے اپنے سلم بھائیوں کی عید کیلئے صدقہ فطر ادا کرتے ہیں، پھر اللہ کے دربار میں حاضری کیلئے نہادھو کر بہترین لباس میں طبوس ہو کر شاداں و فرحاں مع اہل و عیال اللہ تعالیٰ کی کبریائی کے نغمے بلند کرتے ہوئے علی الصبح گھر سے نکلتے ہیں، اللہ اکبر اللہ اکبر لا الہ الا اللہ واللہ اکبر اللہ اکبر واللہ اکبر، الحمد للہ کے نغموں سے بستی کی سڑکیں، گلی اور کوچے اہل بستی کی باہر کی فضا میں معمور ہو جاتی ہیں، اس طرح اللہ کی حاکمیت کے اعلان اور اُس کی تکبیر و تحمید کے ساتھ مسلمین عید گاہ پہنچ جاتے ہیں اور وہاں اُس غیر معمولی جگہ میں، غیر معمولی وقت پر اور غیر معمولی طریقہ سے اللہ تعالیٰ کے سامنے نمازِ عید



ادا کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ کی عظمت و کبریائی کے نعمات سردی میں وہ اس طرح کھو جاتے ہیں کہ عید کے پورے دن وہ اس پر کیفیت لذت کا مزہ اچھوتے ہیں، نماز عید کا وہ پر کیف سماں اگر وہ اپنی پوری زندگی میں تلاش کریں تو انہیں کہیں نظر نہیں آئے گا۔ نماز عید اور خچلہ کے بعد مسلمان کے بڑے بڑے اہم کاموں کا خاکہ یہیں تیار ہوتا ہے، یہیں عید کے دن کی خیر و برکت اور طہارت و مغفرت کی بارشیں ہوتی ہیں۔ خوش نصیب ہیں وہ مرد و عورت جو اس موقع پر عید گاہ میں موجود ہوں کیونکہ مسلمان کی عید کی اصل اساس اہلیت پر ہے لہذا مسلمان کی حقیقی عید تو وہ بار الہی کی حاضری ہی میں ہوتی ہے اور جب وہ عید گاہ سے واپس جاتے ہیں تو بس اس خوشی کے آثار ہی رہ جاتے ہیں جن کی بنیاد پر وہ عید کے باقی دن خوشیاں مناتے ہیں۔

مدۃ فطر عید گاہ روادہ پہنچنے سے پہلے ادا کرنا ضروری ہے بلکہ عید سے چند روز پہلے ادا کر دینا چاہیے۔ مدۃ فطر کی مقدار فی کس ایک صاع (یعنی پونے تین سیر) طعام ہے، طعام سے مراد وہ غلہ وغیرہ ہے جو عام طور پر کھایا جاتا ہے۔ عید گاہ روادہ پہنچنے سے پہلے طاق کھجوریں کھانا سنت ہے۔ عید گاہ کی حاضری سب کیلئے ضروری ہے، حتیٰ کہ وہ خواتین جو شرعی عذر کی بنا پر نماز نہ پڑھ سکیں ان کو بھی عید گاہ میں حاضر ہونا فرض ہے۔ ایسی خواتین مسلمان کی تکبیرات کے ساتھ تکبیریں کہیں اور ان کی دعاؤں کے ساتھ دعائیں مانگیں (صحیح بخاری) نماز عید دو رکعت فرض ہے (اتحاد عن عمر) پہلی رکعت میں تکبیر تحریمہ کے بعد سات تکبیریں اور دوسری رکعت میں قرأت سے پہلے پانچ تکبیریں کہنا سنت ہے (ابوداؤد)۔





نہیں ہوتی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”اُس کے ساتھ والی کو چاہیے کہ وہ اپنی چادر میں اُسے بھی چھپالے۔“

حَتَّى تَخْرِجَ الْيَكْرَمِينَ خَدَّيْهَا (صحیح بخاری کتاب العیدین)  
حضرت آمنہ عقیقہ کہتی ہیں ”حٹی کر کناری لڑکی کو بھی اُس کے پردہ سے نکال کر عید گاہ لانے کا ہمیں حکم دیا گیا تھا۔“

فَلَيْشْهَدَنَّ الْخَيْرَ (صحیح بخاری کتاب العیدین)  
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مندرمایا ”عورتیں بھی خیر میں حاضر ہوں۔“

يَرْجُونَ بَرَكَةَ ذَلِكَ الْيَوْمِ وَ طَهْرَتَهُ (صحیح بخاری کتاب العیدین)  
”جو عورتیں اذیت و اذہ میں ہوں وہ بھی (عید گاہ میں حاضر ہو کر) عید کے دن کی برکت اور مغفرت کی اُمید دار رہیں۔“

یہ ہے اللہ تعالیٰ کی شریعت۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حکم کو منسوخ نہیں فرمایا، آپ کے بعد اب کون اس حکم کو منسوخ کر سکتا ہے۔ کون صاحبِ حجی ہے جو اس حکم کو منسوخ کرے۔ افسوس ہے کہ فرقہ دارانہ مذاہب نے اس حکم کو بالمال کیا اور وہ اس معاملہ میں اللہ اور رسول سے آگے بڑھ گئے، نعوذ باللہ من ذلک۔

تعب ہے کہ عورتوں کو ہر جگہ جانے کی اجازت ہے۔ وہ نمائش میں جائیں کوئی مضائقہ نہیں، وہ سینما دیکھنے جائیں کوئی حرج نہیں، وہ بازار میں بے پردہ خرید و فروخت کرتی پھریں کوئی اعتراض نہیں، لیکن اعتراض ہے تو وہاں جانے پر جہاں جانے کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا۔

عورتیں جمعہ کی نماز میں آئیں تو جائز ہے۔ وہ رات کی تاریکی میں تراویح اور شب قدر کے جلسوں اور دوسری تقاریب میں شرکت کریں تو گوارا ہے، لیکن اگر گوارا نہیں ہے تو اللہ کی شریعت پر عمل کیے عید گاہ جانا گوارا نہیں۔ افسوس ہے کہ اسلام کو منسوخ کر دیا گیا۔ ناجائز اور مباح چیزوں پر رکاوٹ نہیں اور فرض و سنت کی ادائیگی پر رکاوٹیں ہیں۔ اسلام کے نام پر اسلام کو بگاڑنے کیلئے جو تحریکیں چلتی رہی ہیں یہ اُسی کا شاخسانہ ہے۔ کاش اب بھی لوگ ہوش میں آجائیں، تمام فرقہ دارانہ مذاہب کو چھوڑ کر صرف قرآن و حدیث کا دامن پکڑ لیں۔ اسی کا نام اسلام ہے اور بس۔



# بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

## حقیقت قربانی

آج سے کئی ہزار سال پہلے کا یہ عظیم الشان واقعہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ رسول حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے اپنے فرزند دلبند حضرت اسماعیل علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ذبح کرنے کے لئے پیشانی کے بل لٹا دیا۔ اللہ تعالیٰ کو صرف امتحان مقصود تھا حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام اس امتحان میں کامیاب ہوئے۔ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یہ واقعہ تمام دنیا کے لئے درس عبرت ہے۔ اللہ تعالیٰ سے محبت کرنے والے اپنی عزیز ترین چیز کو بھی اللہ تعالیٰ کی راہ میں قربانی کر لے سے دریغ نہیں کرتے۔ ان کا توبہ قول ہوتا ہے اِنَّ صَلَاتِيْ وَنُسُكِيْ وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِيْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ : میری نماز، میری قربانی، میری زندگی اور میری موت سب اللہ رب العالمین کے لئے ہے۔

اس عظیم الشان واقعہ کی یاد تازہ رکھنے اور اس سے درس قربانی حاصل کرنے کے لئے اس وقت سے اب تک امت مسلمہ کے افراد حسب استطاعت و توفیق اللہ تعالیٰ کی راہ میں عید الاضحیٰ کے موقع پر اپنی قربانیاں پیش کرتے ہیں۔

**قربانی کا مقصد** قربانی کے مقصد کو اللہ تعالیٰ نے اس طرح بیان کیا ہے :-  
لَنْ يَنَالَ اِلَٰهَ لُحُوْمُهَا وَلَا دِمَآءُهَا اللّٰهُ كُفَىٰ مَا نَحْنُ بِمَبْعُوْثِيْنَ اَنْ يَّزِنَ اِلَٰهَ لُحُوْمُهَا وَلَا دِمَآءُهَا وَلَٰكِنْ يَّنَالُ اِلَٰهَ التَّقْوٰى مِنْكُمْ (الحج) نہ اس کا خون پہنچتا ہے، اس کے ہاں تو تمہارا تقویٰ پہنچتا ہے۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ اللہ تعالیٰ کو نہ گوشت کی ضرورت ہے اور نہ خون کی اُسے تو بندوں کی تسلیم و رضا پسند ہے۔ وہ توبہ دیکھنا چاہتا ہے کہ بندے اس کے حکم کے آگے سر تسلیم خم کرتے ہیں یا نہیں اور خلوص و لگنیت کے ساتھ محض اللہ تعالیٰ کو خوش کرنے کے لئے قربانی کرتے ہیں یا نہیں۔ یہی چیزیں ہیں جو اللہ تعالیٰ کو مطلوب ہیں اور یہی چیزیں ہیں جو تقویٰ میں شمار ہوتی ہیں۔ اسی خلوص و لگنیت اور تسلیم و رضا کا عملی مظاہرہ عید الاضحیٰ پر نظر آتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے بندے صرف حکم الہی کی تعمیل میں کروڑوں کی تعداد میں جانور قربان

کر دیتے ہیں۔ ان کے سامنے صرف ان کے مالک کا حکم ہوتا ہے۔ وہ یہ نہیں سوچتے کہ قربانی کرنے سے کروڑوں روپیہ ضائع ہو جاتا ہے، گندگی پھیلتی ہے، جانوروں کی نسل تباہ ہوتی ہے۔ وہ یہ نہیں سوچتے کہ یہ رسم ایام جاہلیت کی پیداوار ہے۔ اس قسم کے گمراہ کن خیالات ان کے ذہنوں میں ہرگز نہیں آتے۔ ان کے ذہن میں تو بس رضائے مولیٰ کا تصور ہوتا ہے اور اسی کو وہ سب سے بڑی دولت سمجھتے ہیں۔

**قربانی پر اعتراضات** | ملحدین اور مادہ پرست لوگوں کی طرف سے قربانی پر مندرجہ ذیل اعتراضات کئے جاتے ہیں :-

① پہلا اعتراض یہ ہے کہ اگر اسی طرح جانور ذبح کئے جاتے رہے تو ایک وقت ایسا آئیگا کہ جانور ختم ہو جائیں گے۔

② دوسرا اعتراض یہ ہے کہ جو روپیہ قربانی میں صرف ہوتا ہے وہ کسی تعمیری کام میں صرف نہیں ہوتا لہذا ضائع ہو جاتا ہے۔

پہلے اعتراض کا جواب یہ ہے کہ یہ خیال ہی غلط ہے کہ اگر اسی طرح قربانی ہوتی رہی تو جانور ختم ہو جائیں گے اس لئے کہ جو جانور لاکھوں کی تعداد میں روزانہ ذبح کئے جاتے ہیں وہ عید کے دن ذبح نہیں ہوتے اس طرح کچھ معمولی سا فرق پڑتا ہے۔ مزید برآں ہر روز لاکھوں کی تعداد میں جانور ذبح ہوتے ہیں، اس طرح سال بھر میں ان کی تعداد کروڑوں تک پہنچ جاتی ہے اور جب ہر سال کروڑوں جانور ذبح ہوتے ہیں پھر بھی وہ ختم نہیں ہوتے تو پھر سالانہ عید الاضحیٰ کے موقع پر صرف لاکھوں کی تعداد میں ذبح ہونے سے وہ کیسے ختم ہو جائیں گے۔

دوسرے اعتراض کا جواب یہ ہے کہ جانوروں کی قیمت پر جو روپیہ صرف ہوتا ہے وہ ان غریبوں کو پہنچ جاتا ہے جن کا ذریعہ معاش مویشی پالنا ہے۔ غرض یہ کہ روپیہ ضائع نہیں ہوتا بلکہ غریبوں کے لئے ذریعہ معاش بنتا ہے۔

مقام غور ہے کہ غیر اسلامی کاموں اور فضول رسموں پر روپیہ خرچ کرنا تو باعشِ عزت و افتخار سمجھا جاتا ہے لیکن اسلامی کاموں پر روپیہ خرچ کرنا معاشی بد حالی کا باعث اور قابلِ اعتراض سمجھا جاتا ہے۔ بات یہ ہے کہ لوگوں کا مزاج ہی اسلامی نہیں رہا اسی لئے اس قسم کے خیالات ان کے دل میں پیدا ہوتے ہیں۔ آج ضرورت اس بات کی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں زیادہ سے زیادہ قربانی کی جائے اور اپنا وقت، اپنی جان، اپنا آرام اور اپنا مال اسلام کے خلاف اٹھنے والے فتنوں کو مٹانے پر صرف کیا جائے اور یہی قربانی کا حقیقی مقصد ہے۔



بسم اللہ الرحمن الرحیم

# فلسفہ قربانی

فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ (الکوثر - ۲)

(اپنے رب کے لئے نماز پڑھو اور قربانی کرو)

سورہ کوثر اگرچہ قرآن مجید کی سب سے چھوٹی سورت ہے لیکن اپنے مضمون کے اعتبار سے بہت ہی اہم ہے۔ اس سورت میں اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے فرمایا ”ہم نے آپ کو کوثر عطا کیا“ کوثر سے مراد حوض کوثر بھی ہے اور خیر کثیر بھی۔ خیر کثیر میں دنیا اور آخرت کی تمام بھلائیاں، انعام و اکرام، عزت و منزلت شامل ہیں۔

دوسری آیت میں یہ حکم دیا گیا کہ ”آپ اپنے رب کے لئے نماز پڑھیے اور قربانی کیجئے“ پہلی آیت میں اپنے احسان کا ذکر کر کے جذبہ شکر کو ابھارا ہے۔ دوسری آیت میں شکر کی ادائیگی کا طریقہ بتایا ہے۔ یہ مسئلہ اخلاقی اصول ہے کہ جب کوئی کسی پر احسان کرے تو جس پر احسان کیا گیا ہے اُس کو محسن کا شکر ادا کرنا چاہیئے۔ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ اُس کی عبادت کی جائے اور عبادت میں سب سے بہتر عبادت نماز ہے لہذا ادا کرنے شکر کے لئے نماز کا حکم دیا گیا۔ نماز درحقیقت اُس العبادت ہے یہی وجہ ہے کہ اس کا قصد ترک کرنا کفر ہے۔ نماز اگر پورے اہتمام سے باجماعت، پابندی وقت کے ساتھ پڑھی جائے تو وہ نہ صرف یہ کہ فرد کی اصلاح کرتی ہے بلکہ معاشرہ کے مجموعی کردار کی بھی اصلاح کرتی ہے۔ ہر انسان پر کچھ حقوق اللہ تعالیٰ کے ہیں اور کچھ حقوق اللہ تعالیٰ کے بندوں کے۔ اللہ تعالیٰ کے حقوق کی ادائیگی کے سلسلہ میں نماز کو سب سے مقدم رکھا گیا ہے۔ نماز اگرچہ صرف اللہ تعالیٰ کے حقوق کی ادائیگی کے لئے پڑھی جاتی ہے لیکن اس کا فائدہ بندوں کو بھی پہنچتا ہے۔ نماز سیرت و کردار کی تعمیر کرتی ہے۔ نماز باجماعت سے محبت و الفت، ہمدردی اور مواسات کے جذبات پیدا ہوتے ہیں۔

شکر ادا کرنے کے طریقہ کا دوسرا جزو قربانی ہے۔ قربانی بھی اگرچہ خالص اللہ تعالیٰ کے لئے اور اللہ تعالیٰ کے دین کی سربلندی کے لئے کی جاتی ہے لیکن اس میں بندوں کے حقوق کی ادائیگی کا راز بھی مضمر ہے۔ لفظ قربانی نے اللہ تعالیٰ کے دین اور اللہ تعالیٰ



کے بندوں کے تمام حقوق کو اپنے اندر سمولیل ہے۔ قربانی سے مراد وہ قربانی بھی ہے جو عید الاضحیٰ کے موقع پر کی جاتی ہے اور اس کے وسیع معنی یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی چیزوں میں سے اللہ تعالیٰ کے بتائے ہوئے طریقہ کے مطابق اللہ تعالیٰ کے دین کے لئے اور اللہ تعالیٰ کے بندوں کے لئے ضرورت کے مطابق ہر چیز کو قربان کر دیا جائے خواہ یہ ضرورت تقریر سے پوری ہو یا تحریر سے، زبان سے پوری ہو یا قلم سے، علم سے پوری ہو یا عمل سے، طاقت سے پوری ہو یا دولت سے، جہاد سے پوری ہو یا جنگ سے، وقت کی قربانی سے پوری ہو یا راحت کی قربانی سے حتیٰ کہ اگر جان کی بھی ضرورت پیش آجائے تو اُسے بھی قربان کر دیا جائے۔ اگر قربانی کے وسیع معنی نہ بھی لئے جائیں تب بھی عید الاضحیٰ کی قربانی کا فلسفہ یہی ہے جو اوپر بیان کیا گیا ہے۔ یہی اس قربانی کا مقصد ہے جو آج سے کئی ہزار سال پہلے حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے پیش کی تھی۔ افسوس آج ہم قربانی کہتے ہیں اور کئی نئی جانور قربان کر دیتے ہیں مگر رستہ یا نام و نمود کے لئے۔ ہماری قربانیاں عموماً اس مقصد سے عاری ہوتی ہیں جو ان کا حقیقی مقصد ہے۔ ہم قربانی تو کہتے ہیں لیکن اس کے مقصد کو نظر انداز کر دیتے ہیں۔ عید الاضحیٰ پر جو قربانی کی جاتی ہے وہ دراصل اس حقیقی مقصد کے لئے ایک یاد دہانی ہے۔ یہ نہیں ہونا چاہیے کہ قربانی کر کے ہم خاموش بیٹھ جائیں بلکہ جس طرح ہم عید الاضحیٰ کے موقع پر قربانی کرتے ہیں یہی بات پورے سال جاری رہنی چاہیے۔ جب بھی ضرورت پیش آئے ہمیں اللہ تعالیٰ کی راہ میں قربانی کے لئے تیار رہنا چاہیے۔ ایشارہ قربانی کا یہ جذبہ جب تک ہم میں قائم رہا ہم عروج پر رہے۔ یہی تھا فلسفہ قربانی اور یہی تھا مقصد قربانی۔ اگر اس مقصد کو پورا کر دیا جائے تو قربانی کی روح حاصل ہو جائے گی۔ اگر اللہ تعالیٰ کے، اللہ تعالیٰ کے دین کے اور اللہ تعالیٰ کے بندوں کے تمام حقوق خلوص کے ساتھ پورے کر دئے جائیں تو پھر اللہ تعالیٰ یقیناً راضی ہو گا اور جب اللہ تعالیٰ راضی ہو جائے تو پھر دنیا کی کونسی طاقت ہے جو مسلمان کو نقصان پہنچا سکے۔ یہی بات ہے جس کی طرف سورہ کوثر کی آخری آیت میں اشارہ کیا گیا ہے یعنی "إِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْأَبْتَرُ" (بے شک تمہارا دشمن ابتر ہو جائے گا) یعنی صفحہ ہستی سے مٹا دیا جائے گا۔

قارئین کرام، سورہ کوثر کی یہ مختصر تفسیر جو اوپر تحریر کی گئی اس سے آپ سمجھ گئے ہوں گے کہ یہ ایشارہ قربانی کی سورت ہے۔ اس سورت میں مسلمان کو ایشارہ قربانی کا حکم دیا گیا ہے۔



## جماعت المسلمین اور اُس کی دعوت | قارئین کرام، جماعت المسلمین جس

مقصد کی طرف آپ کو بلا رہی ہے وہ یہی مقصد ہے۔ جماعت المسلمین آپ سے درخواست کرتی ہے کہ قربانی کی روح کو سمجھئے۔ قربانی کے مقصد کے لئے کوشش کیجئے۔ قربانی کے فلسفہ کو پورا کیجئے۔ اس وقت اسلام کے خلاف دشمن ہر قسم کے فتنے اٹھا رہا ہے۔ ان تمام فتنوں سے مقابلہ کی صرف یہی صورت ہے کہ آپ سورہ کوثر پر عمل کیجئے۔ ایسا قربانی کا جذبہ پیدا کیجئے۔ اسلام کی سربلندی کے لئے متحد و متفق ہو جائیے۔ اتفاق و اتحاد کے لئے اپنی خواہشات کو قربان کیجئے۔ اپنے فرقہ وارانہ مذاہب قربان کیجئے اور سب ایک ہو جائیے۔ صرف اسلام پر عمل کیجئے یعنی صرف قرآن مجید اور حدیث نبوی پر عمل کیجئے۔ ان دونوں چیزوں کو مضبوطی سے پکڑ لیجئے۔ ان پر عمل کر کے ہی مسلمین نے ترقی کی تھی اور انہی کو چھوڑ کر مائل بہ زوال ہو گئے، مختلف فرقوں میں بٹ گئے اور اسلام سے دور جا پڑے۔ آئیے پھر ان دونوں چیزوں کو مضبوطی سے پکڑ لیجئے اور اسی طریقہ سے پکڑ لیجئے جس طرح قرون اولیٰ کے مسلمین نے پکڑا تھا۔ اگر آپ نے ان دونوں چیزوں کو مضبوطی سے پکڑ لیا تو انشاء اللہ تمام فتنے مٹ جائیں گے۔ ذلت و ادبار کے دن ختم ہو جائیں گے۔ اسلام پر پھر بہار آئے گی اور آپ اقوام عالم کے مقتدا اور پیشوا بن جائیں گے۔ آپ اعدائے دین پر غالب اور قاهر ہوں گے۔ دنیا کے تمام قومیں آپ کے سامنے سرنگوں ہوں گی۔

اٹھیے، اپنی اصلاح کیجئے، اپنے ماتحتوں کی اصلاح کیجئے، اپنے گھر کو اسلامی ریاست بنائیے اور اس طرح بتدریج پورے ملک کو اسلامی ریاست میں تبدیل کیجئے۔ اٹھیے، جماعت المسلمین کو قریب سے دیکھیے، اس کو سمجھنے کی کوشش کیجئے۔ اس کی دعوت کو پرکھیے، اس کی کتابوں اور رسائل کا مطالعہ کیجئے۔ اگر آپ اس نتیجہ پر پہنچیں کہ اس کی باتیں صحیح ہیں، قرآن و حدیث کے مطابق ہیں تو پھر دیر نہ کیجئے، اس کے ساتھ تعاون کیجئے، جماعت میں شامل ہو کر جماعت کی قوت بڑھا لیے۔ فرقہ بندی سے بہت کافی نقصان اٹھا چکے اب تو اسے خیر باد کیجئے۔ فرقہ وارانہ مذہب کو ختم کر دیجئے۔ اور صرف اسلام پر عمل کیجئے جو صرف قرآن و حدیث میں محفوظ و مکمل ہے فلسفہ قربانی کو سمجھیے اور اللہ تعالیٰ کے دین کی خدمت میں جماعت کا ہاتھ بٹائیے۔



# عید الاضحیٰ اور منکرین حدیث

سلسلہ اشاعت ۲۲

عید الاضحیٰ تکمیل دین کا عظیم الشان تہوار اور حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسمعیل علیہ السلام کی فقیہ المثال قربانی کی یادگار ہے۔ مسلمین صرف نظریاتی طور پر ہی اس یادگار کو نہیں مناتے بلکہ عملی طور پر بھی اپنی قربانیاں پیش کر کے جذبہ قربانی کو فروغ دیتے ہیں۔ گویا عید الاضحیٰ قربانی کی ایک عملی مشق ہے۔ یہ عملی مشق اور پھر اس بات کا اقرار کہ تَحْيَايَ وَمَمَاتِي رَبِّ الْعَالَمِينَ، یعنی ہماری زندگی اور موت سب اللہ کے لئے ہے اس بات کا سبق ہے کہ درحقیقت ہماری کوئی چیز ہماری نہیں بلکہ ہر چیز حتیٰ کہ پوری زندگی اللہ تعالیٰ کے لئے ہے۔ لیکن افسوس کتنی جلدی ہم اس عہد و پیمان کو بھول جاتے ہیں اور اللہ کے دین کی خدمت کے لئے نہ کوئی وقت نکالتے ہیں نہ مال و دولت خرچ کرتے ہیں۔

عید الاضحیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے سے برابر ہر سال منائی جا رہی ہے اور ہر سال قربانیاں بھی متواتر و مسلسل ہوتی رہی ہیں۔ یہ ایک ایسی چیز ہے کہ اس کا انکار حقائق کا انکار ہے لیکن وائے افسوس! ہمارے زمانے میں کچھ لوگ ایسے بھی موجود ہیں جو اس قربانی کا انکار کرتے ہیں اور اس کو مال کا ضیاع تصور کرتے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ قوی دولت کا کروڑوں روپیہ ہر سال برباد ہو جاتا ہے، اگر یہ روپیہ اس طرح ضائع نہ ہو تو اس سے قوم کی معیشت کو کافی حد تک بہتر بنایا جاسکتا ہے۔ مزید برآں یہ لوگ یہ بھی دعویٰ کرتے ہیں کہ قرآن مجید میں اس قربانی کا کوئی ثبوت نہیں لہذا اس کی کوئی اہمیت نہیں، گویا قربانی پر دو قسم کا اعتراض ہے۔ (۱) قرآن مجید میں اس کا حکم نہ ہونا۔ (۲) مادی نقصانات اب ہم ان دونوں باتوں کا جائزہ لیتے ہیں۔

قرآن مجید سے بھی اس قربانی کا ثبوت دیا جاسکتا ہے لیکن ہم اس کی ضرورت نہیں سمجھتے، اس لئے کہ نہ ہم خود اس بات کے قائل ہیں کہ جب تک کسی چیز کا ثبوت قرآن مجید میں نہ ہو وہ چیز ثابت نہیں ہوتی، اور نہ اس عقیدہ کو دوسروں کے ذہنوں میں جگہ دینا چاہتے ہیں۔ اگر کسی چیز کا ثبوت حدیث سے مل جاتا ہے تو بس وہ کافی ہے مزید ثبوت کی ضرورت نہیں۔ قربانی ابتداءً آفرینش سے جاری ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام کے دو بیٹوں کی قربانی کا ذکر قرآن مجید میں موجود ہے۔ ارشاد باری ہے اِذْ قَرَّبَا قُرْبَانًا فَتُقُبِّلَ



مِنْ أَحَدِهِمَا (مائدہ) جب دونوں نے قربانی پیش کی تو ان دونوں میں سے ایک کی قربانی قبول ہوئی۔ ایک اور جگہ ارشاد باری ہے :-

الَّذِينَ قَالُوا إِنَّ اللَّهَ عٰهَدَ إِلَيْنَا  
أَنْ لَا نُؤْمِنَ لِرَسُولٍ حَتَّىٰ يَأْتِينَا  
بِقُرْبَانٍ تَأْكُلُهُ النَّارُ قُلْ قَدْ جَاءَكُمْ  
رُسُلٌ مِّن قَبْلِي بِالْبَيِّنَاتِ وَبِالَّذِي  
قُلْتُمْ فَلِمَ قَتَلْتُمُوهُمْ إِنَّ كُنْتُمْ  
صٰدِقِينَ ○

ان لوگوں نے کہا کہ اللہ نے ہم سے عہد لیا ہے کہ ہم کسی رسول پر ایمان نہ لائیں جب تک وہ ایسی قربانی پیش نہ کرے جس کو آگ کھا جائے کہ بتجئے کہ مجھ سے پہلے رسول، معجزات کے ساتھ تمہارے پاس آئے اور وہ قربانی بھی پیش کی جس کا تم مطالبہ کرتے ہو تو پھر تم نے ان کو کیوں قتل کیا اگر تم سچے ہو۔

یعنی گزشتہ انبیاء کے زمانہ میں ایسی قربانی کا دستور تھا کہ قربانی کی اشیاء کو ایک جگہ رکھ دیا کرتے تھے، آگ آتی تھی اور ان اشیاء کو جلادیا کرتی تھی۔ یہ قربانی کے قبول ہونے کی علامت تھی۔

یعنی قرآن مجید سے تو ایسی قربانی کا ثبوت ملتا ہے جس کا مادی فائدہ کچھ نہیں بلکہ کلیۃً مال کی بربادی ہے اور کچھ نہیں۔ اب ہماری موجودہ قربانی کا جائزہ لیجئے کہ اس میں کتنے مادی فوائد ہیں۔

(۱) دولت کی گردش یعنی موجودہ معیشت کا اہم تقاضہ (۲) دولت کا سرمایہ داروں کی جیب سے نکل کر غرباء کے ہاتھوں میں منتقل ہونا اور غرباء کا ذریعہ معاش بننا (۳) مویشی کی افزائش نسل کی حوصلہ افزائی اور اس کے ضمن میں دودھ، دہی، گھی وغیرہ کی پیداوار میں اضافہ (۴) چرم سازی کے کارخانوں کے لئے خام مال کی فراہمی (۵) جوتے اور دوسرے چرمی صنعتوں کا فروغ (۶) چرمی اشیاء کی برآمد اور زرمبادلہ کا حصول (۷) کھالوں کی برآمد اور کثیر زرمبادلہ کا حصول (۸) اُون کی پیداوار میں اضافہ اور اس کی برآمد سے زرمبادلہ کا حصول (۹) مندرجہ بالا صنعتوں اور برآمدی کاروبار میں ہزار ہا افراد کو روزگار مہیا ہونا (۱۰) گوشت کی بہت بڑی مقدار غرباء کے حصہ میں آنا اور ان کی عید کی خوشی کا دوبالا ہونا تِلْكَ عَشْرَةٌ كَآهِلَةٌ غرض یہ کہ قربانی سے فائدہ ہی فائدہ ہے۔ اگر کسی کو یہ فوائد نظر نہ آئیں تو اس کا کیا علاج ہے۔

مادی بینک سے ہر چیز کو دیکھنے والوں کے لئے ہم نے مادی فوائد کا ذکر کیا تاکہ دنیا والوں کو معلوم ہو جائے کہ اسلام کے ہر حکم میں متعدد مصالح مضمر ہیں اور اسلام ہی وہ نظام



معیشت پیش کرتا ہے جس میں بے پایاں خیر و برکت ہے ورنہ اگر قربانی میں یہ مادی فوائد بھی ہوتے تب بھی ہم اسے اسی دلولہ سے انجام دیتے جس طرح گزشتہ انبیاء علیہم السلام قرآن مجید کی بیان کردہ قربانی دیا کرتے تھے اور ان کو قطعاً اس کے مادی نقصان کی پرواہ نہیں ہوا کرتی تھی۔ حقیقت بھی یہی ہے کہ رضوان الہی اور روحانی فائدہ جہاں مقصود ہو وہاں مادی نقصان تو کیا جانی نقصان کی بھی پرواہ نہیں کی جاتی اور ہم قربانی روحانی فوائد کے لئے ہی کرتے ہیں نہ کہ مادی فوائد کے لئے۔

**منکرین حدیث کے لئے درسِ عبرت** | منکرین حدیث ذرا ٹھنڈے دل سے سوچیں کہ قرآن تو اس قربانی کا ثبوت پیش کرتا ہے جو کلیۃً ضائع ہو جاتی ہے۔ حدیث میں اس قربانی کا ثبوت ہے جو مادی فوائد سے مالا مال ہے اگر حدیث پر اعتراض ہے حالانکہ وہ غلط اعتراض ہے تو کیا اس طرح کا اعتراض قرآن پر نہیں ہو سکتا معلوم نہیں یہ لوگ قرآن پر اعتراض کیوں نہیں کرتے تاکہ ان کی حقیقت کھل کر سامنے آجائے اور اہل عوام دھوکا نہ کھائیں۔ یہ لوگ قرآن کو ماننے کا دعویٰ کرتے ہیں تاکہ عوام ان کو مسلم اور قرآن کا وفادار سمجھیں حالانکہ حقیقت بالکل اس کے برعکس ہے۔ قرآن مجید کے ساتھ جو کھیل یہ کھیل رہے ہیں وہ اپنی مثال آپ ہے۔ بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ تحریف معنوی کی بڑی ہی مکروہ مثال ہے جس نے پورے اسلام کو بیخ و بن سے اکھاڑ کر پھینک دیا ہے اور قریب خود وہ لوگوں کو ڈارون اور مارکس کی گود میں ڈال کر الحاد اور سوشلزم کیلئے راہ ہموار کر دی ہے۔ اُسے علمبردارانِ قرآن و حدیث! سوچیے یہ فتنہ کس قدر خطرناک ہے لیکن آپ کی حیثیت محض خاموش تماشائی کی ہو کر رہ گئی ہے۔ رشد اٹھیے اور تمام فتنوں کے مقابلے کیلئے سینہ سپر ہو جائیے۔ اگر اب بھی آپ ہوشیار نہیں ہوئے تو آئندہ نسل اس فتنہ انکارِ حدیث کا بری طرح سے شکار ہو جائے گی اور ان کی گمراہی کی پوری ذمہ داری آپ پر عائد ہوگی۔ بتائیے میدانِ محشر میں آپ کیا جواب دیں گے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

## مقصدِ قربانی

عبداللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر سال آتی ہے اور چلی جاتی ہے۔ ہر سال لوگ قربانیاں کرتے ہیں لیکن قربانی کے مقصد کو یا تو سمجھتے ہی نہیں یا سمجھتے ہیں تو بہت جلد اس کو بھول جاتے ہیں۔ قربانی کی دعا، اس مقصد کی صراحتاً نشاندہی کرتی ہے، لیکن ہم غیر شعوری طور پر اس کو پڑھتے ہیں اور اس سے کچھ اثر نہیں لیتے۔ قربانی سے جو سبق ہمیں ملنا چاہیے تھا وہ ہمیں نہیں ملتا۔ بلکہ یہ یا دُنئے کی قربانی جذبہٴ قربانی کے اظہار کا ایک طریقہ ہے، اور مَحْیَاۤیَ وَ مَمَاتَاۤیَ لِلّٰہِ رَبِّہِ



الْعَالَمِينَ (میری زندگی اور موت سب اللہ رب العالمین کے لئے ہے) کا پڑھنا اس قربانی کے مقصد کا اقرار اور اظہار ہے۔ یعنی یہ ہنگامی قربانی ہی نہیں بلکہ ہماری زندگی اور زندگی کا ہر لمحہ اللہ کے راستہ میں قربان ہے۔ مگر کیا ہم نے کبھی سوچا کہ ہماری زندگی اللہ کے راستہ میں صرف ہو رہی ہے۔ کیا ہماری موت اس حالت میں واقع ہوگی کہ ہم اللہ کے راستے میں جدوجہد کر رہے ہوں گے۔ پھر قربانی کی دعا میں ہم یہ بھی اقرار کرتے ہیں کہ ہم مسلم ہیں، لیکن کیا یہ حقیقت ہے کہ ہم واقعی مسلم ہیں۔ کیا ہم نے اپنی خواہشات کو شریعت الہی کا تابع بنا دیا ہے۔ اگر نہیں بنایا تو پھر قربانی سے ہم نے کیا فائدہ اٹھایا۔ اصل قربانی تو یہی ہے کہ اپنی خواہشات کو شریعت کا تابع بنا دے۔ لیکن ہم قطعاً اس سے غافل رہتے ہیں۔ یہ قربانی اور یہ دعا ہر سال ہمیں جھنجھوڑتی ہے لیکن ہم ٹس سے مس نہیں ہوتے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :-

وَأَقَامَنَّ خَافَ مَقَامَ رَبِّهِ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوَىٰ ۝ فَإِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَأْوَىٰ ۝  
جو شخص اللہ کے سامنے کھڑا ہونے سے ڈرا اور اپنے نفس کو خواہشات نفسانی سے باز رکھا تو پھر ایسے ہی شخص کا ٹھکانہ جنت ہے۔

گویا خواہشات کی قربانی ہی اصل قربانی ہے۔ اب بھی وقت ہے کہ ہم سنبھل جائیں۔ سچے دل سے توبہ کر کے اپنی خواہشات کو اللہ کی شریعت کا تابع بنا دیں۔ یہی صورت اللہ کے عذاب سے بچنے کی ہے۔ محض زبان سے توبہ کرنا اور عملاً وہی کرتے رہنا بیکار ہے۔ ہم زبان سے کتنا ہی کہتے رہیں کہ اللہ معاف کر دے، اللہ معاف کر دے تو کیا اللہ معاف کر دے گا اور اپنا عذاب ٹال دے گا۔ عذاب جب ہی ٹل سکتا ہے کہ جب ہم معافی کی درخواست کے ساتھ یہ بھی عمل کریں کہ اب ہم نیک عمل کریں گے اور کسی قسم کی نافرمانی نہیں کریں گے۔ سچی توبہ کا درحقیقت یہی طریقہ ہے اور اسی چیز کو اس آیت میں بیان کیا گیا ہے :-

وَمَنْ تَابَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَإِنَّهُ يَتُوبُ إِلَى اللَّهِ مَتَابًا (الفرقان)  
جو شخص توبہ کرے اور پھر نیک عمل کرتا رہے تو درحقیقت ایسا ہی شخص صیح معنوں میں اللہ سے توبہ کرتا ہے۔

اگر واقعی ہم چاہتے ہیں کہ اللہ اپنے دنیوی اور اخروی عذابوں سے ہمیں نجات دے تو ہمیں سچے دل سے توبہ کر کے اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرنی ہوگی ورنہ اللہ سے رحم و کرم کی درخواست بے معنی ہو کر رہ جائے گی۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :-

وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ  
وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ  
نماز قائم کرو، زکوٰۃ دیا کرو اور رسول کی اطاعت کرو تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔



گو یا رحمت اللہی کے نزول کے لئے اطاعتِ رسولؐ شرط ہے یہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحیح معنوں میں اطاعت کرنی چاہیے، جب ہی ہم توقع رکھ سکتے ہیں کہ اللہ ہم پر رحم و کرم کی بارشیں برمائے گا۔

اللہ کے لئے ہوش میں آئیے، اپنی اصلاح کیجئے، اپنی اولاد کی اصلاح کیجئے۔ موجودہ تعلیمی نظام سے الحاد پھیلتا جا رہا ہے۔ نئی نسل تباہی کی طرف تیزی سے پیش قدمی کر رہی ہے۔ مشرقی پاکستان کی تباہی آپ کے سامنے ہے۔ اسلام کے خلاف تیز و تند آندھیاں اُٹھ رہی ہیں۔ اگر آئندہ نسل کو آپ مسلم رکھنا چاہتے ہیں اور اپنی اولاد کو مسلم دیکھنا چاہتے ہیں تو ایسے مدارس کے قیام کا اہتمام کیجئے جن میں اسلام کی حقانیت کا سکہ بٹھایا جائے۔ بچوں کو دنیوی علوم کے ساتھ دینی علوم بھی پڑھائے جائیں۔ دینی آداب کی عملی تربیت بھی دی جائے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

## ہدیہ عید الاضحیٰ

سلاطین و شہزادے

عید الاضحیٰ، اہل اسلام کا دوسرا قومی و ملی جشن ہے۔ عید الفطر کی طرح عید الاضحیٰ کی بھی دو رکعتیں فرض ہیں (مسند احمد دہیتی عن عمرؓ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (نہ صرف مردوں بلکہ) عورتوں کو بھی حکم دیا ہے کہ وہ عید گاہ جائیں، اگر اذیت ماہانہ کی وجہ سے نماز نہ پڑھ سکیں تو لوگوں کی تکبیر کے ساتھ تکبیر کہتی رہیں اور ان کی دعا کے ساتھ دعا مانگیں (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

عید الاضحیٰ کے دن نہادھوکرا اچھے کپڑے پہن کر، خوشبو لگا کر بغیر کچھ کھائے عید گاہ روانہ ہوں، راستہ میں تکبیریں پڑھتے رہیں۔ عید گاہ سے جب واپس آئیں تو راستہ بدل دیں گھر پہنچ کر قربانی کریں۔

قربانی کا جانور موٹا تازہ اور بالکل بے عیب ہو۔ اس کا کوئی عضو ناقص نہ ہو، اس کے نیچے کی طرف دو بڑے دانت نکل چکے ہوں۔

قربانی کے لئے نصاب کی شرط صحیح نہیں، قربانی ہر اس شخص پر ضروری ہے جس کو دست ہو۔ خواہ وہ شہری ہو یا دیہاتی۔ یہ صحیح نہیں کہ قربانی صرف شہری پر لازمی ہے۔

جو شخص قربانی کا ارادہ کرے وہ ذوالحجہ کا چاند دیکھنے کے بعد نہ بال کرتے، نہ بال مونڈے اور نہ ناخن کترے جب تک قربانی ذبح نہ ہو جائے۔ اگر کسی کو قربانی کی قدرت

نہ ہوتا اگر وہ (نماز عید کے بعد) سر اور مونچھ کے بال کترے، ناخن کترے اور زیر ناف بال مونڈے تو اس کو بھی قربانی جیسا ثواب مل جائے گا۔

یکم ذوالحجہ سے ۱۲ ذوالحجہ تک کثرت سے اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتا رہے یعنی تکبیر وغیرہ پڑھتا رہے۔ عید الاضحیٰ کے مسائل مختصراً اوپر بیان کئے گئے۔ یہ سب احادیث سے ماخوذ ہیں لیکن اختلاف یہاں بھی اسی طرح موجود ہے جس طرح عید الفطر کے مسائل میں پایا جاتا ہے۔ ”ہدیہ عید الفطر“ میں ہم بتا چکے ہیں کہ اختلاف ہی کو لوگوں نے رحمت سمجھ لیا ہے تو پھر اختلاف کو ختم کرنے کی کوشش تو کجا اس کے متعلق وہ سوچ بھی نہیں سکتے۔ نتیجہ ظاہر ہے کہ ایسی حالت میں فرقہ بندی ختم نہیں ہو سکتی اور جب تک فرقہ بندی ختم نہ ہو شیرازہ بندی نہیں ہو سکتی۔ اللہ تعالیٰ نے تو فرمایا تھا

وَاَعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللَّهِ جَمِيعًا (آل عمرانؑ) ”سب مل کر اللہ کی رسی کو مضبوطی سے پکڑ لو“  
یہ تو تعنی اتفاق و اتحاد کی ہدایت۔ اس کے آگے فرمایا تھا  
وَلَا تَفَرَّقُوا (آل عمرانؑ) ”فرقہ فرقہ نہ بنو“  
اگرچہ اتفاق و اتحاد کی ہدایت ہی کافی تھی لیکن مزید وضاحت اور تاکید کے لئے صراحۃً افتراق کی ممانعت کی، کیا اب بھی یہ کہا جاسکتا ہے کہ اختلاف اللہ کی رحمت ہے۔  
رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فرماتے ہیں:-

إِقْرُوا الْقُرْآنَ مَا أُمِّلَ عَلَيْكُمْ (لہ ایمان والو) قرآن پڑھو جب تک تم اس پر مجتمع  
قُلُوبُكُمْ فَإِذَا اختلفتم فقوموا عنه رہو جب اختلاف ہو تو اٹھ جاؤ۔  
(صحیح بخاری کتاب فضائل القرآن)

دیکھا آپ نے؟ اختلاف کو کس شدت سے روکا جا رہا ہے۔ قرآن مجید کی تدریس بند کرنے کا حکم دیا جا رہا ہے، کہیں ایسا نہ ہو کہ اختلاف شدت اختیار کر کے ذہنوں میں پیوست ہو جائے، پھر ضد و ہٹ دھرمی سے جڑ پکڑ جائے اور اس کا دور کرنا مشکل ہو جائے۔ اگر اس وقت اختلاف کو وہیں چھوڑ کر اٹھ کھڑے ہوں تو اختلاف کی نوعیت سرسری ہوگی، ایسا اختلاف مزید غور و فکر سے خود بخود دور ہو سکتا ہے۔

قارئین کرام! نے دیکھا کہ قرآن و حدیث کس طرح اختلاف کی ممانعت و مذمت کرتے ہیں اور ہم کس طرح اختلاف کو رحمت سمجھ کر سینہ سے لگائے بیٹھے ہیں۔ اُٹھیے اور اس اختلاف کو ختم کر کے تمام فرقوں کو ایک مرکز اور ایک راستہ پر جمع کرنے کی کوشش کیجیے، جماعت المسلمین اسی کوشش میں لگی ہوئی ہے لہذا جماعت المسلمین کے ساتھ تعاون فرمائیے۔



بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

# پیام عید الاضحی

سلا شاعت ۸۲

اللہ تعالیٰ نے انسان کی فطرت کو ملحوظ رکھتے ہوئے مسلم قوم کو کبھی سال میں دو تہواروں میں اجتماعی خوشی منانے کا حکم دیا ہے عید الاضحیٰ مسلمین کا دوسرا ملی جشن ہے۔ عید الاضحیٰ قومی خوشیوں کے علاوہ مسلم قوم میں اجتماعی قربانی دینے کا جذبہ پیدا کرتی ہے۔ عید الاضحیٰ اُس اولوالعزم امام یعنی حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ذبح عظیم کی یاد دلاتی ہے جو پوری زندگی اللہ تعالیٰ کیلئے قربانیاں دیتے رہے اور کبھی کسی ہل نظریہ کے آگے اُنہوں نے اپنا سر نہ جھکایا، اور اپنے بعد آئیوالوں کو اپنی زندگی سے سبق دے گئے کہ اللہ کی راہ میں اپنا سب کچھ قربان کر دینا ہی ایک مسلم کی حقیقی خوشی ہے اور یہی عید الاضحیٰ کا پیغام ہے۔

افسوس! ہم انبیاء علیہم السلام کی قربانیوں کو اور اُن کے پیغام کو تو بھول گئے اور قربانی کو کبھی ایک سم اور باہمی افتخار کا ذریعہ بنالیا، جانوروں کی گردن پر چھری پھیرنا تو آسان ہے لیکن کیا کبھی ہم نے اپنی خواہشات کو بھی اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر قربان کر نیکار عزم کیا تاکہ ہمیں وہ دائمی خوشی حاصل ہو سکے جس کا اللہ تعالیٰ نے اپنے نیک بندوں سے وعدہ کیا ہے۔ عارضی خوشیوں کو پسند کرنا دانشمندی نہیں، اس کے باوجود انسان دائمی مسرتوں کے حصول سے غافل ہو گیا ہے۔ اُس کو اس بات کا تو یقین ہے کہ اگر وہ زہر کھائے گا تو یقیناً ہلاک ہو جائیگا۔ مگر یقین نہیں تو قبروں سے اُٹھنے کا یقین نہیں، اگر یقین ہوتا تو کچھ یہ کہہ رہا ہے وہ کام ہرگز نہ کرتا، اس کی زندگی کا نقشہ کچھ اور ہی ہوتا۔ حقیقت تو یہ ہے کہ یہ جلد حاصل ہونیوالی خوشی کا متلاشی ہے ورنہ اس کا فکر عمل عشرت، جاودانی کے حصول کا یقیناً مظہر ہوتا۔ **كَلَّا بَلْ تُحِبُّونَ الْعَاجِلَةَ ۚ وَتَسْتَكْبِرُونَ**

الْآخِرَةَ ۝ {القیمة ۲۰-۲۱}

اے مسلم! تو اُس آنے والے ہیبت ناک دن سے کیوں غافل ہو گیا ہے جس دن تیری پوری زندگی اٹھا کر تجھ سے لیا جائیگا۔ کیا یہ تیری غفلت اور اللہ تعالیٰ سے بغاوت تجھ کو جہنم کے عذاب پہنچا سکے گی۔ کیا تیرا عمل ایسا ہے جو اُس دن کی ہولناکیوں سے تجھ کو محفوظ کر سکیگا۔ اُس دن تیرا کیا حال ہوگا جب تو اپنا حساب چکانے کیلئے سب سے بڑے حاکم کی عدالت میں حاضر کیا جائے گا جن پر تو نے ظلم اور زیادتیاں کی ہوں گی وہ اپنا حق لینے کیلئے حاضر ہو جائیں گے، وہ اپنے گواہ بھی پیش کر دیں گے۔ سب سے بڑے گواہ تو تیرے ہاتھ پاؤں ہی ہونگے جو تیرے خلاف گواہی دینے کو تیار کھڑے ہوں گے۔ اے مسلم! اُس وقت سوائے حسرت اور مذمت کے اور کیا ہوگا۔ اس سے نجات کی کوئی تدبیر بھی سوچی۔ موت کے بعد یہ تیرا جمود اور نشہ ٹوٹا تو تجھے کیا حاصل۔ کیا اللہ تعالیٰ سے بغاوت، اُس کے رسول کی نافرمانی تیرے ورثہ میں آئی ہے، اگر حقیقت



۱۔ عید الاضحیٰ کے دن نہادھو کر اچھے کپڑے پہن کر، خوشبو لگا کر، بغیر کچھ کھائے عید گاہ روانہ ہوں۔  
راستہ میں تکبیریں پڑھتے رہیں۔ عید گاہ سے جب واپس آئیں تو راستہ بدل دیں۔ گھر پہنچ کر تشریف بانی  
کریں۔

۳۔ قربانی کیلئے نصاب کی شرط صحیح نہیں، قربانی ہر اس شخص پر لازم ہے جس کو وسعت ہو خواہ وہ شہری ہو یا دیہاتی۔

۵۔ ذوالحجہ کا چاند دیکھنے کے بعد ۱۳ ذوالحجہ تک کثرت سے اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتا ہے اور تکیہ میں پڑھتا ہے۔  
 اللَّهُ أَكْبَرُ اللَّهُ أَكْبَرُ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَاللَّهُ أَكْبَرُ اللَّهُ أَكْبَرُ وَاللَّهُ أَكْبَرُ اللَّهُ أَكْبَرُ  
 اللَّهُ أَكْبَرُ اللَّهُ أَكْبَرُ اللَّهُ أَكْبَرُ اللَّهُ أَكْبَرُ

۹۔ کھال کو استعمال کر سکتے ہیں، مزدوری کے بدلہ میں کھال نہ دی جائے (بخاری)

۱۰۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جانور کو خضتی بنانے کی سختی کے ساتھ ممانعت کی ہے (مسند بزار و سندہ صحیح)

۱۱۔ قربانی کی دُعا :- اِنِّیْ وَجَّهْتُ وَجْهَیْ لِلْذِیْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ

وَالْأَرْضُ حَنِيفًا مِّمَّا دَنَا مِنَّا مِنَ الْمُشْرِكِينَ ۝ إِنَّ صَلَاتِي  
وَتُسْبُحِي وَمَعْبَايَ وَمَمَاتِي لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ۝ لَا شَرِيكَ  
لَهُ وَبِذَلِكَ أُمِرْتُ وَأَنَا مِنَ الْمُسْلِمِينَ ۝ اللَّهُمَّ مِنْكَ وَلَكَ  
عَنْ (میں نے قربانی کرنے والے کا نام ہے) بِسْمِ اللَّهِ وَاللَّهُ أَكْبَرُ۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

سلسلہ اشاعت

## جانور کو خضی بنانا منع ہے

عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ  
وَسَلَّمَ نَهَى عَنْ صَبْرِ ذِي الرُّوحِ وَعَنْ إِخْسَاءِ الْبَهَائِمِ  
نَهْيًا شَدِيدًا۔

ترجمہ :- حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم  
نے کسی ذی روح کو باندھ کر تیر اندازی کرنے اور جانوروں کو خضی بنانے سے  
بڑی سختی سے منع فرمایا ہے (اس حدیث کو بزار نے روایت کیا ہے اور اس کے  
تمام راوی صحیح بخاری یا صحیح مسلم کے راوی ہیں۔ مجمع الزوائد جز ۵ ص ۲۶۵۔  
اس حدیث کی سند صحیح ہے۔ نیل الاوطار جزء ۸ ص ۷۳)۔

**گزارش** | قارئین کرام سے گزارش ہے کہ وہ اس حدیث کی خوب اشاعت  
کریں خصوصاً ان لوگوں تک پہنچائیں جو جانوروں کو خضی بناتے ہیں، انہیں  
تکلیف پہنچاتے ہیں اور پھر بڑے فخر سے انہیں فروخت کرتے ہیں۔

مسعود احمد

امیر جماعت المسلمین

مسجد المسلمین، کوثر نیازی کالونی،

نارتھ ناظم آباد، بلاک جی، کراچی ۲۳



# اسلامی نظام معیشت کے برکات

اسلامی نظام معیشت اسلام کا جزو لا ینفک ہے۔ اسلام کے دوسرے نظاموں کے ساتھ اس کا گہرا تعلق ہے۔

قبل اس کے کہ ہم یہ بتائیں کہ اسلامی نظام معیشت کے اصول کیا ہیں اور ان پر کس طرح عمل ہوتا ہے ہم یہ بتانا چاہتے ہیں کہ اسلامی نظام معیشت کے برکات کیا ہیں۔ برکات کے علم سے اس نظام کی طرف رغبت ہوگی اور یہ دلی خواہش پیدا ہوگی کہ یہ نظام جلد از جلد نافذ ہو جائے تاکہ اس کے برکات سے عوام و خواص سب مستفیض ہوں۔

اسلامی نظام معیشت کے لئے سب سے بہترین نمونہ محمد رسالت اور عہد صحابہ کا نظام معیشت ہے، یہی وہ زمانے ہیں جن میں اسلامی نظام معیشت اپنی پوری آب و تاب اور کمال کے ساتھ نافذ ہوا تھا۔ ان زمانوں میں اسلامی نظام معیشت کے برکات کا ذکر کرنے سے پہلے یہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اسلامی نظام معیشت کے نفاذ سے پہلے جو معاشی حالت تھی اس کا بھی ایک خاکہ پیش کر دیا جائے تاکہ اسلامی نظام معیشت کے برکات کا صحیح اندازہ ہو سکے

اسلامی نظام معیشت کے نفاذ سے پہلے معاشی حالت | اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

۱۱) وَلَا عَلَى الَّذِينَ إِذَا مَا أَتَوْكَ  
لِتَحْلِلَهُمْ قُلْتَ لَا أُجِدُّ مَا  
أَحْبِلُكُمْ عَلَيْهِ تَوَلَّوْا وَ  
اعْيُنُهُمْ تَفِيضُ مِنَ الدَّمْعِ  
حَزَنًا أَلَّا يَجِدُوا مَا يَنْفِقُونَ  
(توبہ ۹۲)

جہاد میں نہ جانے کا ان لوگوں پر کوئی گناہ نہیں جو آپ کے پاس آتے ہیں کہ آپ ان کو سواری دیں آپ کہہ دیتے ہیں کہ میرے پاس تو کوئی سواری نہیں جس پر تمہیں سوار کر سکوں، یہ سنکر وہ لوگ واپس چلے جاتے ہیں اور اس غم سے کہ ان کے پاس خرچ کرنے کے لئے کچھ نہیں ان کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو جاتے ہیں۔



(۲) كَانَ النَّاسُ يُصَلُّونَ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُمْ عَاقِدُونَ وَأَزْرِهِمْ مِنَ الصَّغِيرِ عَلَى رِقَابِهِمْ فَقِيلَ لِلنِّسَاءِ لَا تَرْفَعْنَ رُؤُوسَكُنَّ حَتَّى يَسْتَوِيَ الرِّجَالُ جُلُوسًا

(صحیح بخاری)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ لوگ اس حال میں نماز پڑھتے تھے کہ اپنے تہ بندوں کو چھوٹا ہونے کی وجہ سے گردنوں سے باندھ لیا کرتے تھے، عورتوں سے کہہ دیا گیا تھا کہ سجدے سے اپنا سر نہ اٹھائیں جب تک مرد سیدھے نہ بیٹھ جائیں (ایسا نہ ہو کہ تہ بندوں کے چھوٹا ہونے کی وجہ سے عورتوں کی نظر مردوں کے سر پر پڑ جائے)

مندرجہ بالا آیت اور حدیث سے ثابت ہوا کہ اسلامی نظام معیشت کے قیام سے پہلے نہایت عسرت و تنگی کا زمانہ تھا۔

اسلامی نظام معیشت کے قیام کے بعد لوگوں کی معاشی حالت  
اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

فَسَوْفَ يُغْنِيكُمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ  
إِنْ شَاءَ ۖ (توبہ ۲۸) اللہ اگر چاہے گا تو عنقریب تمہیں مالدار کر دے گا۔

اللہ تعالیٰ کی مشیت یہی تھی کہ مومنین کو مالدار کر دیا جائے، اللہ تعالیٰ نے جو خوشخبری سنائی تھی وہ واقع ہو کر رہی، قرونِ اولیٰ کے مسلمان کی معاشی حالت بدلی، تنگی کا زمانہ ختم ہو گیا، خوشحالی اور نازع البالی کا دور دورہ ہوا، اس خوشحالی کے زمانہ کی ایک جھلک مندرجہ ذیل واقعات میں ملاحظہ فرمائیے۔

۱۔ حضرت ابو مسعود فرماتے ہیں:-

كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَأْمُرُنَا بِالصَّدَقَةِ فَيُعْتَمَلُ أَحَدُنَا حَتَّى يَجِيئَ بِالْمَدِّ وَإِنْ لَاحَدِهِمْ الْيَوْمَ مِائَةُ أَلْفٍ (صحیح بخاری، کتاب التفسیر تفسیر سورۃ البراق)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم کو صدقہ کا حکم دیا کرتے تھے تو ہم میں سے ہر ایک آدمی کوئی حیلہ و تدبیر کرتا یہاں تک کہ ایک مد (یعنی نصف کلو گرام سے کچھ زیادہ جو وغیرہ) لے کر آتا اور آج یہ حال ہے کہ ان میں سے ہر ایک، ایک لاکھ کا مالک ہے۔

۲۔ حضرت خبابؓ فرماتے ہیں۔

إِنَّ أَصْحَابَ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللَّهُ  
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَضُوا وَلَمْ تَنْقُصْهُمْ  
الدُّنْيَا شَيْئًا وَلَا نَا أَصْبَنًا مِنَ الدُّنْيَا  
مَا لَا يَجِدُ لَهُ مَوْضِعًا إِلَّا التُّرَابُ  
(صحیح بخاری کتاب الرقاق  
باب ما یحذر من زهدة الدنیا)

بے شک محمدؐ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب اس حالت  
میں دنیا سے رخصت ہو گئے کہ دنیا نے ان کی کوئی چیز  
کم نہیں کی (یعنی انہیں آخرت میں پورا اجر ملیگا۔ دنیا  
میں انہیں اپنے اعمال کا کوئی صلہ نہیں ملا) اور ہم کو  
دنیا (یعنی دولت) اتنی مل گئی ہے کہ اس کے خرچ  
کرنے کیلئے یا اسے رکھنے کے لئے ہمیں کوئی جگہ نظر نہیں  
آتی سوائے مٹی کے (یعنی سوائے مکان بنانے کے یا  
زمین میں دفن کرنے کے)

۳۔ حضرت نoman بن بشرؓ فرماتے ہیں۔  
أَلَسْتُمْ فِي طَعَامٍ وَشَرَابٍ مَا  
لَسْتُمْ بِقَدْرَ أَيْتِ نَبِيِّكُمْ  
صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَمَا  
يَجِدُ مِنَ الدَّقْلِ مَا يُمْلَأُ بِهِ  
بَطْنُهُ (صحیح مسلم کتاب الزهد)  
(باقی)

اے لوگو! کیا تم اب اس حالت میں نہیں  
ہو کہ جو کچھ تم چاہتے ہو کھاتے ہو اور پیتے  
ہو، یقیناً میں نے تمہارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم  
کو دیکھا ہے کہ ان کو خراب کھجور بھی میسر نہیں تھی  
کہ اس سے اپنا پیٹ بھر سکیں۔

نوٹ :- تفصیل کے لئے دیکھئے،

ہماری کتاب

”اسلام کا معاشی نظام“

از مسعود احمد صاحب

قیمت :- ۳۰/- روپے



بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

# نماز کی اہمیت

سلسلہ اشاعت ۸۳

دن و رات میں کل پانچ نمازیں فرض ہیں اور ہر نماز اپنے اپنے وقت پر فرض ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ: **اِنَّ الصَّلٰوةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِمَامًا مُّقِيْمًا** [نساء: ۱۰۳] ادا کرنا فرض ہے۔

مسافر ظہر اور عصر، مغرب اور عشاء کو کسی ایک نماز کے وقت جمع کر کے پڑھ سکتا ہے لیکن مقیم کیلئے یہ جائز نہیں۔ بعض لوگ مقیم کیلئے بھی ظہر کی نماز عصر کے وقت یا عصر کی نماز ظہر کے وقت۔ مغرب کی نماز عشاء کے وقت یا عشاء کی نماز مغرب کے وقت ملا کر پڑھنا جائز سمجھتے ہیں لیکن یہ صحیح نہیں مقیم کیلئے ملا کر پڑھنے کی صرف ایک صورت ہے وہ یہ کہ ظہر کی نماز کو آخری وقت اور عصر کی نماز کو اول وقت ادا کیا جائے۔ اسی طرح مغرب کو آخری وقت اور عشاء کو اول وقت ادا کیا جائے لیکن دونوں نمازیں اپنے اپنے وقت پر پڑھی جائیں، ایک نماز دوسری نماز کے وقت میں ادا نہ کی جائے۔ اگر مقیم کے لئے بھی ایک نماز کا دوسری نماز کے وقت میں پڑھنا جائز مان لیا جائے تو پھر پانچ وقت کی نمازیں کس پر فرض ہوں گی، پھر تو عملاً صرف تین وقت کی نمازیں رہ جائیں گی اور یہ قطعاً غلط ہے۔ مزید برآں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا پانچ اوقات کا تعین اور یہ فرمانا کہ ظہر کا وقت اُس وقت تک ہے جب تک عصر کا وقت نہ آئے بے معنی ہو جائیگا، نعوذ باللہ من ذلک۔ علاوہ عشاء کے تمام نمازوں کا اول وقت پڑھنا بہتر ہے۔ ترک نماز کفر ہے [تمام اعمال صالحہ میں نماز کی سب سے زیادہ اہمیت ہے نماز، ایمان و کفر میں حدیفاً ہے جو شخص نماز پڑھتا ہے وہ مؤمن ہے، جو نہیں پڑھتا وہ کفر کے حدود میں داخل ہو گیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:-

**اِنَّ بَيْنَ الرَّجُلِ وَبَيْنَ الشِّرْكِ اَدَى اَوْ شَرَكْ** آدمی اور شرک و کفر کے درمیان صرف **وَالْكَفْرِ تَرْكُ الصَّلٰوةِ** [صحیح مسلم کتاب النکاح] ترک نماز (کافری) ہے۔  
یعنی جو شخص نماز ترک کرتا ہے وہ کفر و شرک کا ارتکاب کرتا ہے، ایسا شخص مؤمن تو کیا آدمی کہلانے کا بھی مستحق نہیں رہتا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:-

**اَلْعَهْدُ الَّذِیْ بَيْنَنَا وَبَيْنَهُمْ** ہمارے اور ان (کفار) کے درمیان نماز کا فرق



الصَّلَاةُ فَمَنْ تَرَكَهَا فَقَدْ كَفَرَ (ترمذی) ہے لہذا جس شخص نے نماز چھوڑ دی اُس نے کتابِ الایمان، صحیح الترمذی والنسائی والعراقی یقیناً کفر کیا۔

تارک الصلوة سے جہاد فرض ہے | اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :-

فَإِنْ تَابُوا وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ فَخَلُّوا سَبِيلَهُمْ (نہ) اگر کافر (کفر سے) توبہ کر لیں، نماز پڑھنے لگیں اور زکوٰۃ دینے لگیں تو پھر ان کا راستہ چھوڑ دو (یعنی اُن سے جنگ نہ کرو)

فَإِنْ تَابُوا وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ فَخَلُّوا سَبِيلَهُمْ (نہ) اگر کافر توبہ کر لیں، نماز پڑھیں اور زکوٰۃ دیں تو اُن کو زکوٰۃ فاختوا انکم فی الدین (نہ) پھر وہ تمہارے دینی بھائی ہیں۔ آیات بالا سے ثابت ہوا کہ دینی بھائی بننے کیلئے نماز کی ادائیگی شرط ہے جو نماز نہیں پڑھتا وہ دینی بھائی نہیں یعنی غیر مسلم ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں :-

أُمِرْتُ أَنْ أَقَاتِلَ النَّاسَ حَتَّى يَشْهَدُوا أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللَّهِ وَيُقِيمُوا الصَّلَاةَ وَيُؤْتُوا الزَّكَاةَ فَإِذَا فَعَلُوا ذَلِكَ عَصَمُوا مِنِّي دَمَاءَهُمْ وَأَمْوَالَهُمْ إِلَّا بِحَقِّ الْإِسْلَامِ وَحِسَابُهُمْ عَلَى اللَّهِ (صحیح بخاری کتاب الایمان) مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں لوگوں سے اُس وقت تک لڑتا رہوں جب تک وہ اس بات کی گواہی نہ دیں کہ اللہ کے علاوہ کوئی الہ نہیں، اور یہ کہ محمد اللہ کے رسول ہیں، اور نماز پڑھیں اور زکوٰۃ دیں پھر جب وہ ایسا کرنے لگیں تو انہوں نے اپنے خون اور مال کو مجھ سے بچا لیا، مگر ہاں اسلام کا حق اُن سے لیا جائیگا اور اُن کا حساب اللہ (عزوجل) کے ذمہ ہوگا۔

مندرجہ بالا آیات و حدیث سے ثابت ہوا کہ جب تک کوئی شخص نماز نہیں پڑھتا یا زکوٰۃ نہیں دیتا اس کی حیثیت وہی ہوگی جو ایک غیر مسلم کی ہوتی ہے۔ اُس سے اُسی طرح جہاد کیا جائے گا جس طرح غیر مسلم سے کیا جاتے۔ تارک الصلوة قابل قتل ہے | ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ مال تقسیم کیا۔ ایک (مناقی) شخص نے اس تقسیم پر اعتراض کیا حضرت خالد بن ولیدؓ نے عرض کیا "اے اللہ کے رسول، میں اسے قتل کر دوں۔" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :-

لَا، لَعَلَّهُ أَنْ يَكُونَ يُصَلِّي بِهِ "نہیں، شاید وہ نماز پڑھتا ہو۔"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں :-

خِيَارُ أَيْمَتِكُمُ الَّذِينَ تُحِبُّونَهُمْ "تمہارے بہترین بھائی وہ ہیں جن سے تم محبت کرو اور وہ وَ يُحِبُّونَكُمْ وَ تَصَلُّونَ عَلَيْهِمْ وَيُصَلُّونَ تَمَّ مِنْ حُبِّكُمْ "تم اُن کیلئے دعا کرو اور وہ تمہارے



عَلَيْكُمْ وَشِرَارُ أَيْمَتِكُمُ الَّذِينَ  
تُبْغِضُونَهُمْ وَيُبْغِضُوكُمْ وَتَلْعَنُونَهُمْ  
وَيَلْعَنُونَكُمْ قُلْنَا يَا رَسُولَ اللَّهِ أَفَلَا  
تُنَابِذُهُمْ بِالسَّيْفِ عِنْدَ ذَلِكَ قَالَ  
لَا نَأْتِيهِمْ إِلَّا بِكُفْرِهِمْ لَأَمَّا أَقَامُوا  
فِيكُمْ الصَّلَاةَ (صحیح مسلم کتاب الامارۃ)  
لئے دعا کریں۔ اور تمہارے بدترین حکمران وہ ہیں  
کہ جن سے تم بغض رکھو اور وہ تم سے بغض رکھیں  
تم ان پر لعنت کرو اور وہ تم پر لعنت کریں۔ صحابہؓ  
نے عرض کیا "لے اللہ کے رسول! کیا ہم ایسی حالت  
میں انہیں تلوار سے نہ ہٹا دیں۔" رسول اللہ صلی  
اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "نہیں، جب تک وہ تمہارے  
درمیان نماز کو قائم رکھیں، نہیں، جب تک وہ تمہارے درمیان نماز کو قائم رکھیں۔"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں :-

إِنَّهُ يَسْتَعْمَلُ عَلَيْكُمْ أَمْرًا  
فَتَعْرِفُونَ وَتُنْكِرُونَ فَمَنْ كَرِهَ فَقَدْ  
بَرِيءٌ وَمَنْ أَنْكَرَ فَقَدْ سَلِمَ وَلَكِنْ  
مَنْ رَضِيَ وَتَابَعَ فَقُلْنَا يَا رَسُولَ  
اللَّهِ أَلَا نُنْقَاتِلَهُمْ قَالَ لَا مَا صَلَّوْا  
(صحیح مسلم کتاب الامارۃ)  
"تم پر بعض ایسے امیر مقرر کئے جائیں گے جن کی بعض  
باتوں کو تم اچھا سمجھو گے اور بعض باتوں کو بُرا سمجھو گے  
تو جس شخص نے ان کی (بُری) باتوں سے کراہت کی  
وہ بُری ہو گیا اور جس شخص نے انکار کیا وہ سلامت  
رہا لیکن جو شخص ان سے راضی ہو گیا اور ان کی پیروی کی۔"  
(وہ ہلاک ہو گیا) صحابہؓ نے پوچھا "کیا ہم ان سے جنگ  
نہ کریں؟" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "نہیں جب تک وہ نماز پڑھتے رہیں۔"  
حضرت عبادہؓ فرماتے ہیں :-

دَعَانَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ  
وَسَلَّمَ فَبَايَعَنَا فَمَا آخَذَ عَلَيْنَا  
أَنْ بَايَعْنَا عَلَى السَّمْعِ وَالطَّاعَةِ فِي  
مَنْشُطِنَا وَمَكْرَهِنَا وَعُسْرِنَا وَيُسْرِنَا  
وَأَثَرَةٍ عَلَيْنَا وَأَنْ لَا نُنَازِعَهُ الْأَمْرَ  
أَهْلَهُ قَالَ إِنْ أَنْتُمْ تَرَوْا كُفْرًا بَوَاحًا  
عِنْدَكُمْ مِنَ اللَّهِ فِيهِ بُرْهَانٌ (صحیح مسلم  
کتاب الامارۃ و صحیح بخاری کتاب الفتن)  
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں بلایا، ہم نے آپ  
کے ہاتھ پر بیعت کی۔ پھر جن باتوں کی آپ نے ہم سے  
بیعت لی ان میں یہ چیز بھی شامل تھی کہ ہم سُنیوں اور  
اطاعت کریں خوشی میں بھی اور ناخوشی میں بھی۔ تنگی  
میں بھی اور آسانی میں بھی اور اس حالت میں بھی  
کہ ہم پر دوسروں کو ترجیح دیجائے اور بیعت میں  
یہ چیز بھی شامل تھی کہ حکام سے حکومت کے معاملہ  
میں جھگڑا نہ کریں۔ پھر آپ نے فرمایا سوائے اس صورت

کے کہ تم ان کو ایسا کفر صریح کرتے دیکھو جس کو کفر قرار دینے کیلئے تمہارے پاس اللہ کی طرف سے کوئی دلیل موجود ہو۔  
اس حدیث سے ثابت ہوا کہ حاکم وقت سے صرف اُس وقت جنگ کی جا سکتی ہے جب وہ کفر صریح  
کا مرتکب ہو، دوسری احادیث جو اوپر نقل کی گئیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ حاکم وقت سے اُس وقت



جنگ کی بجائے جب وہ نماز چھوڑ دے۔ گویا ترک نماز بھی کفر مرتکب ہے۔  
نماز کی محافظت کا حکم | اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:-

حَافِظُوا عَلَى الصَّلَوَاتِ {۱۰۰} نمازوں کی محافظت کرو۔

”حَافِظُوا“ کا تعلق باب مفاعلہ سے ہے۔ اس باب میں مستقل طور پر اور یکے بعد دیگرے کام کرنا کا مفہوم پایا جاتا ہے۔ لہذا ”حَافِظُوا“ کا مطلب یہ ہوا کہ تمام نمازوں کی مستقل طور پر یکے بعد دیگرے حفاظت کرو۔ اگر بجائے ”حَافِظُوا“ کے ”احفظوا“ ہوتا تو یہ معنی نہیں نکلتے۔ اسی باب میں مندرجہ ذیل آیتیں بھی نازل ہوئیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:-

وَالَّذِينَ هُمْ عَلَى صَلَاتِهِمْ  
يَحَافِظُونَ ۝ أُولَٰئِكَ هُمُ الْوَارِثُونَ ۝  
الَّذِينَ يَرِثُونَ الْفِرَّةَ ۖ وَسَ هُمْ فِيهَا  
خَالِدُونَ ۝ {مؤمنون}

وہ مومن فلاح پائیں گے جو اپنی نمازوں کی مستقل طور پر یکے بعد دیگرے حفاظت کرتے ہیں۔ یہی لوگ جنت الفردوس کے وارث ہوں گے اور اس میں ہمیشہ رہیں گے۔

دوسری جگہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:-

وَالَّذِينَ هُمْ عَلَى صَلَاتِهِمْ  
يَحَافِظُونَ ۝ أُولَٰئِكَ فِي جَنَّاتٍ  
مُكْرَمُونَ ۝ {معاذ}

نمازی تو درحقیقت وہ ہیں جو اپنی نماز کی مستقل طور پر یکے بعد دیگرے حفاظت کرتے ہیں۔ ایسے ہی لوگ جنت میں عزت کے ساتھ رہیں گے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:-

مَنْ حَافِظًا عَلَيْهَا كَانَتْ لَهُ  
نُورًا اَوْ بُرْهَانًا وَنَجَاةً يَوْمَ الْقِيَمَةِ  
وَمَنْ لَمْ يَحَافِظْ عَلَيْهَا لَمْ يَكُنْ لَهُ  
نُورٌ وَلَا بُرْهَانٌ وَلَا نَجَاةٌ وَكَانَ  
يَوْمَ الْقِيَمَةِ مَعَ قَارُونَ وَفِرْعَوْنَ  
وَهَامَانَ وَآبِي بَنِي خَلْفٍ (مسند احمد)

جس شخص نے نمازوں کی مستقل اور مسلسل طور پر یکے بعد دیگرے حفاظت کی اس کیلئے قیامت کے دن نور، برہان اور نجات ہوگی اور جس نے نمازوں کی مستقل اور مسلسل طور پر یکے بعد دیگرے حفاظت نہ کی تو اس کیلئے قیامت کے دن نہ نور ہوگا، نہ برہان اور نہ نجات وہ قیامت کے دن قارون، فرعون اور ہامان اور آبی بن خلف کے ساتھ ہوگا۔

مندرجہ بالا آیات و حدیث سے ثابت ہوا کہ نمازوں کی مستقل طور پر یکے بعد دیگرے حفاظت کرنا فرض ہے اور دخول جنت کیلئے شرط ہے۔

گنڈے دار نمازی | مندرجہ بالا آیات و احادیث میں جن میں نمازوں کی حفاظت کا حکم باب ”مفاعلہ“ میں دیا گیا ہے اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ کبھی نماز پڑھنا اور کبھی چھوڑ دینا



فَخَلَفَ مِنْ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ  
أَصَابُوا الصَّلَاةَ وَاتَّبَعُوا الشَّهْوَاتِ  
فَسَوْفَ يَلْقَوْنَ غَيًّا إِلَّا مَنْ تَابَ  
وَأَمَّنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلِلَّهِ  
يَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ وَلَا يُظْلَمُونَ  
شَيْئًا (۱۰۴:۱۰۶)

ان (نیک) لوگوں کے بعد ایسے ناخلف لوگ پیدا  
ہوئے جنہوں نے نمازوں کو ضائع کر دیا اور (اپنی)  
خواہشات کی پیروی کرنے لگے، ایسے لوگ عنقریب  
دوزخ میں داخل ہوں گے، مگر جن لوگوں نے  
توبہ کی، ایمان لائے اور نیک عمل کئے تو ایسے لوگ  
جنت میں داخل ہوں گے اور ان پر کچھ بھی ظلم نہ ہوگا۔

آیت بالا سے بھی معلوم ہوا کہ ترک نماز کفر ہے، ورنہ اس کے کہنے کی کیا ضرورت تھی کہ ”جو لوگ  
ایمان لائے۔“

بعض نمازی دوزخ میں | اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:-

قَوْلُ الْمُصَلِّينَ ۝ الَّذِينَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُونَ ۝ الَّذِينَ هُمْ يُأْوُونَ ۝ وَمَنْعُونَ الْمَاعُونَ ۝

ایسے نمازیوں کیلئے دوزخ ہے جو اپنی نمازوں کا غافل  
ہوتے ہیں، جو ریاکاری کرتے ہیں اور جو برتنے کی  
چیز عاریتہ دینے سے انکار کر دیتے ہیں۔

آیات بالا کا تقاضہ یہ ہے کہ نمازیوں کو ارکانِ نماز کی صحیح ادائیگی اور اوقاتِ نماز سے غافل نہیں رہنا چاہئے، خلوص کے ساتھ نماز پڑھنی چاہئے، اور اگر ان سے کوئی چیز عاریۃ مانگی جائے تو انکار نہیں کرنا چاہئے۔ کسی برتنے کی چیز کو عاریۃ لینے سے انکار کرنا بد اخلاقی ہے، نمازی کو بد اخلاق نہیں ہونا چاہئے۔

نماز برائیوں سے بچاتی ہے | اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :-

إِنَّ الصَّلَاةَ تَنْفَعُ عَنِ الْفَحْشَاءِ  
وَالْمُنْكَرِ (عَنْهُ)

بے شک نماز بے حیائی اور بُرائی سے  
بچاتی ہے۔

اگر کسی نمازی کی برائیاں باوجود نماز پڑھنے کے کم نہیں ہو رہیں تو اسے سمجھنا چاہئے کہ



نماز میں ضرور کوئی ایسی خامی ہے جس کی وجہ سے نماز کے صحیح نتائج برآمد نہیں ہو رہے، اس کو اپنی نماز کی اصلاح کرنی چاہئے۔

**نماز اور اوصاف حمیدہ** | نمازی میں اوصاف حمیدہ پیدا ہونا بہت ضروری ہے۔ ان

میں سے اہم اوصاف حمیدہ کا ذکر اللہ تعالیٰ نے خود فرمادیا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:-

إِلَّا الْمُصَلِّينَ ۝ الَّذِينَ هُمْ  
عَلَى صَلَاتِهِمْ دَائِمُونَ ۝ وَالَّذِينَ  
فِي أَمْوَالِهِمْ حَقٌّ مِّمَّا لِلنَّاسِ  
وَالْمَحْرُومِ ۝ وَالَّذِينَ يُصَدِّقُونَ  
بِیَوْمِ الدِّينِ ۝ وَالَّذِينَ هُمْ عَنْ  
عَذَابِ رَبِّهِمْ خَشِفُونَ ۝ إِنَّ  
عَذَابَ رَبِّهِمْ غَيْرُ مَأْمُونٍ ۝ وَالَّذِينَ  
هُمْ لِفُرُوجِهِمْ حَافِظُونَ ۝ إِلَّا عَلَى  
أَزْوَاجِهِمْ أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُهُمْ  
فَإِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُومِينَ ۝ فَمَنِ ابْتَغَى  
وَرَاءَ ذَلِكَ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْعَادُونَ ۝  
وَالَّذِينَ هُمْ لِأَمْتِنِهِمْ وَعَهْدِهِمْ  
رَاعُونَ ۝ وَالَّذِينَ هُمْ لِشَهَادَاتِهِمْ  
قَائِمُونَ ۝ وَالَّذِينَ هُمْ عَلَى صَلَاتِهِمْ  
يَحَافِظُونَ ۝ أُولَٰئِكَ فِي جَنَّاتٍ  
مَّكْرُمُونَ ۝ (سورہ صافات: ۱-۲۵)

سوائے ان نمازیوں کے جو ہمیشہ پابندی سے نماز ادا کرتے ہیں، جن کے مال میں سائل اور محروم کیلئے ایک حصہ مقرر ہو رہا ہے جو روز جزاء کی تصدیق کرتے ہیں، جو اپنے رب کے عذاب سے ڈرتے رہتے ہیں۔ بیشک ان کے رب کا عذاب ڈرنے ہی کی چیز ہے۔ اور جو (تمام عورتوں سے) اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرتے ہیں بولے اپنی بیویوں اور اپنی لونڈیوں کے، ان کے پاس جانے میں ان پر کوئی ملامت نہیں۔ ان کے علاوہ اگر وہ کسی اور عورت کے متلاشی ہوں تو پھر وہ حد سے بیکار جانے والے ہیں۔ اور وہ جو اپنی امانتوں اور اپنے عہد کی نگرانی کرتے ہیں، جو اپنی گواہیوں پر قائم رہتے ہیں اور جو اپنی نماز کی پابندی کے ساتھ حفاظت کرتے ہیں۔ یہی لوگ ہیں جو باغات میں عزت کے ساتھ رہیں گے۔

اگر کسی نمازی میں یہ اوصاف حمیدہ پائے جاتے ہیں تو اسے اُمید رکھنی چاہئے کہ اس کی نماز قبول ہو رہی ہے اور اگر یہ اوصاف پیدا نہیں ہوئے ہیں تو پھر اسے اپنی نماز کا جائزہ لینا چاہئے۔ نماز صبر استقامت اور ضبط نفس کی تربیت دیتی ہے | اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:-

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اسْتَعِينُوا  
بِالصَّبْرِ وَالصَّلَاةِ (بقرہ: ۱۵۳)  
مدد طلب کرو۔

نمازی جب تکبیر تحریمہ کہتا ہے تو جب تک وہ سلام نہ پھیرے کوئی کام نہیں کر سکتا، تمام حلال و جائز کام جو وہ نماز شروع کرنے سے پہلے کر سکتا تھا نماز میں حرام ہو جاتے ہیں۔ نہ



وہ کھا سکتا ہے، نہ پی سکتا ہے، نہ نظر اٹھا سکتا ہے، گویا وہ صبر اور ضبط نفس کی مشق کر رہا ہے۔  
 اُسے تربیت مل رہی ہے کہ جس اللہ کے حکم سے نماز کے اندر اُس نے تمام حلال چیزوں اور کاموں  
 کو اپنے اوپر حرام کر لیا تھا نماز کے بعد وہ اُسی اللہ کی اطاعت میں تمام حرام کاموں سے بچے۔  
نماز کے مزید فوائد | نماز ایک ایسی قسم کی ورزش ہے، دن و رات میں پانچ نمازیں  
 سستی اور کاہلی دور کرنے اور چستی و مستعدی پیدا کر نیکا عجیب و غریب ذریعہ ہیں۔ نماز صفائی  
 و پاکیزگی کی بھی تربیت دیتی ہے۔

نماز جماعت کے پڑھنا ضروری ہے | رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:-  
 وَالَّذِي لَفِشْنِي بِبَيْدَةٍ لَقَدْ  
 هَمَمْتُ أَنْ أَمُرَّ بِحَطَبٍ بِحَضَبٍ  
 ثُمَّ أَمُرَّ بِالصَّلَاةِ فَيُؤَذَّنُ لَهَا ثُمَّ  
 أَمُرَّ رَجُلًا فَيُؤَمِّمَ النَّاسَ ثُمَّ أَخَالَفَ  
 إِلَى رِجَالٍ فَأُحْرِقَ عَلَيْهِمْ نِيُونَهُمْ  
 وَفِي رِوَايَةٍ مُسْلِمٍ رِجَالٌ يَتَخَلَّفُونَ  
 عَنْهَا (صحیح بخاری کتاب الصلوة و صحیح مسلم کتاب الصلوة) جلا دوں۔  
 قسم اُس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری  
 جان ہے میں نے ارادہ کیا تھا کہ لکڑیاں جمع  
 کرنے کا حکم دوں، پھر اذان کا حکم دوں اور  
 کسی شخص کو نماز پڑھانے کا حکم دوں، پھر  
 ان مردوں کی طرف جاؤں جو نماز میں نہیں  
 آتے اور اُن کے گھروں کو مع اُن کے

نماز اور نظم و ضبط | رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:-  
 إِنَّمَا جُعِلَ الْإِمَامُ لِيُؤْتِمَّ بِهِ  
 فَإِذَا كَبَّرَ فَكَبِّرُوا وَإِذَا رَكَعَ فَارْكَعُوا  
 وَإِذَا رَفَعَ فَارْفَعُوا وَإِذَا قَالَ سَمِعَ  
 اللَّهُ بِمَنْ حَمِدَهُ فَقُولُوا اللَّهُمَّ  
 رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ وَإِذَا صَلَّى قَائِمًا  
 فَصَلُّوا قِيَامًا وَإِذَا صَلَّى قَاعِدًا فَصَلُّوا  
 قُعُودًا (صحیح بخاری و صحیح مسلم کتاب الصلوة)  
 امام اسی لئے بنایا جاتا ہے کہ اس کی پیروی کی جائے  
 لہذا جب وہ اللہ اکبر کہے تو تم بھی اللہ اکبر  
 کہو، جب وہ رکوع کرے تو تم بھی رکوع  
 کرو، جب وہ سر اٹھائے تو تم بھی سر اٹھاؤ  
 جب وہ سمع اللہ من حمدہ کہے تو تم اللہم ربنا  
 لک الحمد کہو، جب وہ کھڑے ہو کر نماز پڑھے تو  
 تم بھی کھڑے ہو کر نماز پڑھو اور جب وہ بیٹھ کر  
 نماز پڑھے تو تم سب بھی بیٹھ کر نماز پڑھو۔

اسی حکم کی تعمیل میں تمام مقتدی امام کی آواز پر نقل و حرکت کرتے ہیں۔ وہ کسی معاملہ  
 میں نہ اُس سے پیش قدمی کرتے ہیں نہ اُس کی پیروی سے انحراف کرتے ہیں، اگر امام غلطی  
 کرتا ہے تو وہ سبحان اللہ کہہ کر اُسے غلطی پر متنبہ کرتے ہیں، براہ راست اس سے یہ نہیں کہتے  
 کہ تم نے غلطی کی، بلکہ یہ کہہ کر کہ ”اللہ ہی غلطیوں سے پاک ہے“ اُسے ہوشیار کر دیتے ہیں۔ اپنے امام



کو غلطی بتانے کا کتنا پیارا انداز ہے۔ اگر امام پھر بھی غلطی سے رجوع نہیں کرتا تو مقتدی اُس کا ساتھ نہیں چھوڑتے بلکہ پورے نظم و ضبط کے ساتھ اُس کی آواز پر اپنی نقل و حرکت کو جاری رکھتے ہیں۔ یہی وہ نظم و ضبط کی تربیت ہے جو سیاست کے وسیع میدان میں مسلمین کی رہنمائی کرتی ہے۔ وہ اپنے امیر کی اطاعت کرتے ہیں، اُس کے حکم سے سرتابی نہیں کرتے بڑے خیر خواہانہ انداز میں ادب کے ساتھ اُس کی غلطی کی نشاندہی کرتے ہیں۔ اگر وہ اپنی غلطی تسلیم نہ کرے پھر بھی معروف کاموں میں اُس کی اطاعت سے منہ نہیں موڑتے، اُسے چھوڑ کر انتشار و اختلاف کو ہوا نہیں دیتے۔

نماز کا طریقہ فرض ہے | اللہ تعالیٰ نے نماز فرض کی تو اس کے ادا کرنے کے طریقہ کو مسلمین کے صوابدید پر نہیں چھوڑا بلکہ اس کے طریقہ کو بھی فرض کر دیا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :-

فَإِنْ خِفْتُمْ فِرْجَآلًا أَوْ ذُرْیَاً فَاصْبِرُوا ۚ إِنَّ اللَّهَ مَعَ الصَّابِرِينَ  
وَإِذَا أَمِنْتُمْ فَأَذْكُرُوا اللَّهَ ۚ كَمَا تَوَاصَوْا بِهِ ۚ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الرَّاغِبُونَ  
عَلَّمَكُمْ مَا لَمْ تَكُونُوا تَعْلَمُونَ ﴿۱۰۲﴾  
طریقہ سے اللہ نے تم کو سکھائی ہے اور جس طریقہ سے تم (پہلے) ناواقف تھے۔

نماز کا طریقہ کہاں ملیگا | جس طریقہ سے اللہ تعالیٰ نے نماز فرض کی ہے وہ طریقت قرآن مجید میں تو نہیں ملتا، ظاہر ہے کہ پھر وہ طریقہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث میں ملیگا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں :-

صَلُّوا كَمَا رَأَيْتُمُوْنِي أُصَلِّي (صحیح بخاری) نماز اُسی طریقہ سے پڑھو جس طریقہ سے تم نے مجھے پڑھتے دیکھا ہے۔

مذکورہ بالا آیت و حدیث کا خلاصہ یہ ہوا کہ جس طریقہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز ادا کی ہے وہ طریقہ فرض ہے، اس طریقہ میں فرض، واجب، سنت اور استحباب کی تقسیم فرضی ہے۔ تمام ایمان والوں کو صرف اُسی طریقہ سے نماز پڑھنا چاہئے جس طریقہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پڑھتے تھے۔

بعض لوگوں کا یہ کہنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کئی طریقے سے نماز پڑھتے تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر بہتان ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ہی طریقہ سے نماز پڑھی ہے اور وہی طریقہ فرض ہے۔ صحیح احادیث سے اس طریقہ کو تلاش کر کے اس طریقہ کے مطابق نماز پڑھنا چاہئے۔ نماز کے فرقہ دارانہ طریقوں سے کلیتہاً اجتناب کرنا چاہئے۔  
اولاد کو نماز کا حکم | رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں :-

مُرَدًا صَبِيًّا تَكْرًا بِالصَّلَاةِ إِذَا ۝ اپنے بچوں کو نماز کا حکم دو جبکہ وہ ست  
بَلَغُوا سَبْعًا وَاضْرِبُوا هُمْ عَلَيْهَا ۝ سال کے ہو جائیں۔ اور جب وہ  
إِذَا بَلَغُوا عَشْرًا ۝ آمد من بعد اشد ہڑت ۝ دس سال کے ہو جائیں تو انہیں  
درداۃ ابو داؤد و نحوه صحیح الحاکم و اقترہ الذہبی ۝ مار کر نماز پڑھاؤ۔

نماز کے فضائل ۝ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:-

الصَّلَاةُ الْخَمْسُ وَالْجُمُعَةُ ۝ پانچوں نمازیں، ایک جمعہ سے دوسرا جمعہ  
إِلَى الْجُمُعَةِ وَرَمَضَانَ إِلَى رَمَضَانَ ۝ ایک رمضان سے دوسرا رمضان درمیانی  
مَكْفِرَاتٌ مَا بَيْنَهُنَّ إِذَا اجْتَنَبَ ۝ زمانہ کے تمام گناہوں کو مٹا دیتے ہیں بشرطیکہ  
الْكِبَائِرُ ۝ صحیح مسلم کتاب الطہارۃ ۝ گناہ کبیرہ نہ کئے ہوں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:-

أَرَأَيْتُمْ لَوْ أَنَّ نَهْرًا يَبَاقُ ۝ بتاؤ اگر تم میں سے کسی شخص کے دروازہ پر نہر ہو  
أَحَدِكُمْ يَغْتَسِلُ فِيهِ كُلَّ يَوْمٍ خَمْسًا ۝ اور وہ اُس میں ہر روز پانچ بار نہاتا ہو تو کیا  
مَا تَقُولُ ذَلِكَ يُبْقِي مِنْ دَرْنِهِ قَالُوا ۝ اُس کے میل میں سے کچھ باقی رہے گا؟ صحابہؓ نے  
لَا يُبْقِي مِنْ دَرْنِهِ شَيْئًا قَالَ فَذَلِكَ ۝ عرض کیا میل میں سے کچھ بھی باقی نہیں رہے گا۔  
مَثَلُ الصَّلَاةِ الْخَمْسِ يَنْحَوِلُ اللَّهُ ۝ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہی مثال پانچوں  
بِهِ الْخَطَايَا ۝ صحیح بخاری و صحیح مسلم ۝ نمازوں کی ہے، اللہ اس کے ذریعہ گناہوں کو مٹا دیتا ہے۔

ایک مرتبہ حضرت ابن مسعودؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا:-

آيَ الْعَمَلِ أَحَبُّ إِلَى اللَّهِ قَالَ ۝ اللہ تعالیٰ کو کونسا عمل سب سے زیادہ محبوب ہے؟  
الصَّلَاةُ عَلَى وَفَّيْهَا ۝ صحیح بخاری کتاب الصلوة ۝ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نماز (جو ملنے  
و صحیح مسلم کتاب الایمان ۝ وقت پر) پڑھی جائے۔

آداب نماز ۝ ۱۔ نماز میں خشوع و خضوع ہونا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:-

قَدْ أَفْلَحَ الْمُؤْمِنُونَ ۝ الَّذِينَ ۝ یَقِينُوا أَنَّهُمْ يُفْلِحُونَ ۝ نصیب کی جو اپنی نماز  
هُمْ فِي صَلَاتِهِمْ خَاشِعُونَ ۝ {المؤمنون} ۝ خشوع و خضوع سے ادا کرتے ہیں۔

۲۔ نماز میں ادب سے کھڑا رہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:-

قَوْمُوا لِلَّهِ قَانِتِينَ ۝ {الممتہ} ۝ اللہ کے سامنے ادب سے کھڑے رہو۔

۳۔ نماز میں کسی قسم کی حرکت نہیں ہونی چاہیے۔ کامل سکون ہونا چاہیے۔ رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم فرماتے ہیں:-



- اُسْكُنُوا فِي الصَّلَاةِ (صحیح مسلم) نماز میں ساکن رہو۔
- ۴۔ نماز میں حسن و دلکشی ہونی چاہئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:-  
 اَلَا تُحْسِنُ صَلَاتَكَ (صحیح مسلم) تم اپنی نماز کو حسین کیوں نہیں بناتے۔
- ۵۔ نماز میں آستین نہ چڑھائے، کپڑے اور بال نہ سیٹھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:-  
 اَمْرُنَا اَنْ..... لَا تَكُفَّ ثَوْبًا وَلَا سَمِشِينَ نَهَال (صحیح بخاری و صحیح مسلم) ہمیں حکم دیا گیا ہے کہ ہم (نماز میں) نہ کپڑا سمیشیں نہ ہال۔
- ۶۔ جا نماز اور نمازی کے کپڑوں وغیرہ پر نقش و نگار نہیں ہونے چاہئیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نقش چادر کو نماز میں اڑھنا پسند نہیں فرمایا اور منقش پردہ کو اتر وادیا تھا (صحیح بخاری)۔
- ۷۔ نماز میں نگاہیں نیچی رکھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:-  
 لَيُنْتَهَيْنَ عَنْ ذَلِكَ اَوْ لَتُخْطَفَنَّ نَظَرُهَا اَوْ يَرْكَبَنَّ نَظَرُهَا (صحیح بخاری و صحیح مسلم نوہ) آنکھیں اچک لی جائیں گی۔
- ۸۔ ننگے سر اور براباس پہن کر نماز نہ پڑھے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:-  
 خُذُوا زِينَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ (ایمان) ہر نماز کے وقت اپنی زینت کی چیزیں پہن لیا کرو۔

## نماز اور زینت

ہر کام کو انجام دینے کے دو طریقے ہوتے ہیں:-

- (۱) ایک عمدہ اور دلفریب ،
- (۲) دوسرا ناپسندیدہ اور مکروہ۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:-

لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ مَنْ كَانَ فِي قَلْبِهِ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ مِنْ كِبَرٍ  
 وہ شخص جنت میں داخل نہیں ہوگا جس کے دل میں ذرہ برابر بھی تکبر ہوگا۔

ایک شخص نے عرض کیا:-

اِنَّ الرَّجُلَ يُحِبُّ اَنْ يَكُوْنَ  
 بے شک آدمی اس بات کو پسند کرتا ہے



تَوْبُهُ حَسَنًا وَ نَعْلُهُ حَسَنَةً کہ اس کا کپڑا اچھا ہوا اور اس کی جوتی اچھی ہو (کیا یہ بھی تکبر ہے)۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :-

إِنَّ اللَّهَ جَمِيلٌ يُحِبُّ الْجَمَالَ اللَّهُ خُوبُصُورَتِي، خُوبُصُورَتِي كُوبُنْدُ كُرْتَا  
الْكِبْرُ بَطْرُ الْحَقِّ وَ غَمَطُ النَّاسِ ہے۔ تکبر تو حق کو تسلیم نہ کرنا اور لوگوں  
در صحیح مسلم کتاب الايمان باب تحريم الكبر جزء کو حقیر سمجھنا ہے۔  
اول ص ۵ و ص ۵

مندرجہ بالا حدیث سے ثابت ہوا کہ اچھا کپڑا اور خوبصورتی میں شمار ہوتا ہے اور خوبصورتی اللہ تعالیٰ کو پسند ہے لہذا جو چیز اللہ تعالیٰ کو پسند ہے ہمیں بھی وہی چیز پسند ہونی چاہیے یعنی ہمارے کپڑے خوبصورت ہونے چاہئیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں :-

مَنْ أُنْعِمَ اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ عَلَيْهِ حَسَنٌ شَخْصٌ كَوَاللَّهِ عَزَّ وَجَلَّ نِعْمَةٌ فَإِنَّ اللَّهَ عَزَّ وَجَلَّ سِرْفَرِاز فرماتے تو اللہ عزوجل اس بات کو پسند کرنا ہے کہ اپنی اس نعمت کا اثر اپنے  
عَلَى عَبْدِهِ ۴۔ (رواہ احمد۔ بلوغ الاہل بندے پر دیکھے۔

جزء ۱۷ ص ۲۳۵ و سندہ صحیح۔ التعلیقات

للالبانی علی مشکوٰۃ جزء ۲ ص ۱۲۵

مندرجہ بالا احادیث سے ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ کو خوبصورتی پسند ہے اور یہ کہ جب اللہ عزوجل کسی کو کوئی نعمت دیتا ہے تو وہ چاہتا ہے کہ اس نعمت کا اثر اُس بندے پر ظاہر ہو یعنی اگر اللہ تعالیٰ نے کسی بندے

کو مال دیا ہے تو اللہ تعالیٰ یہ چاہتا ہے کہ اس مال کا اثر اس بندے کے لباس سے ظاہر ہو۔ نتیجہ یہ نکلا کہ کیونکہ اللہ تعالیٰ کو خوبصورتی پسند ہے لہذا اسے خوبصورت لباس پسند ہے اور جس کو اللہ تعالیٰ فراخی دے اُسے چاہیئے کہ خوبصورت لباس پہنے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :-

قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِينَةَ اللَّهِ  
الَّتِي أَخْرَجَ لِعِبَادِهِ  
وَالطَّيِّبَاتِ مِنَ الرِّزْقِ قُلْ  
هِيَ لِلذَّيْتِ الْمُسْلِمِ فِي  
الْحَيَاةِ الدُّنْيَا خَالِصَةً  
يَوْمَ الْقِيَمَةِ كَذَلِكَ  
نُفَصِّلُ الْآيَاتِ لِقَوْمٍ  
يَعْلَمُونَ ○ (الاعراف ۳۲)

(اے رسول، ان سے) پوچھیے (بتاؤ)  
اللہ کی زینت کو جس کو اللہ نے اپنے  
بندوں کے لئے پیدا کیا ہے اور کھانے  
کی پاکیزہ چیزوں کو کس نے حرام کیا؟  
(اے رسول، آپ) کہہ دیجئے یہ (چیزیں)  
دنیا کی زندگی میں مومنین کے لئے ہیں  
(اور) آخرت میں خالص انہی کا حصہ ہو  
گی۔ جاننے والوں (سمجھنے والوں) کے  
لئے ہم اس طرح آیات کو کھول کھول کر  
بیان کر رہے ہیں۔

اس آیت سے ثابت ہوا کہ

(۱) جو لوگ اللہ تعالیٰ کی زینت بخش چیزوں کو حرام کر لیتے ہیں  
اللہ تعالیٰ ان سے خوش نہیں۔ اللہ عزوجل کو یہ بات پسند نہیں کہ جس  
چیز کو اللہ تعالیٰ زینت کے طور پر اپنے بندوں کے لئے پیدا کرے،  
بندے اس کو اپنے اوپر حرام کر لیں اور ترک زینت کو نیکی سمجھنے لگیں۔  
(۲) اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ جن زینت دینے والی چیزوں کو اس نے



بندوں کے لئے پیدا کیا ہے، بندے انہیں استعمال کریں اور اِنَّ اللّٰهَ جَمِيْلٌ يُحِبُّ الْجَمَالَ کی تصویر بن جائیں۔

(۳) یہ نعمت کی چیزیں اللہ ذوالجلال والاکرام نے ایمان والوں کے لئے پیدا کی ہیں اگرچہ دنیا کی زندگی میں کافر بھی ان سے فائدہ اٹھالیتے ہیں۔  
(۴) آخرت میں یہ زینت کی چیزیں صرف ایمان والوں کو ملیں گی، کافران سے محروم رہیں گے۔

(۵) اس آیت کا تقاضا یہ ہے کہ مؤمنین اچھے سے اچھا لباس پہنیں اور اللہ تعالیٰ کی رضا اور اس کی پسند کے رنگ میں رنگ جائیں اور جو نعمت اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے پیدا کی ہے اُس سے اعراض نہ کریں۔  
اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :-

يٰۤاَيُّهَا اٰدَمُ قَدْ اَنْزَلْنَا عَلٰیكَمۡ لِبَاسًا یَّوۡاَرِیۡ سَوَآءِکُمۡ وَرِیۡسًا  
اے بنی آدم، ہم نے تم پر لباس نازل فرمایا ہے کہ تمہاری ستر پوشی کرے  
(الاعراف - ۲۶) اور (تمہارے لئے) زینت (بخش) ہو۔

اس آیت سے ثابت ہوا کہ لباس کا مقصد صرف ستر پوشی ہی نہیں بلکہ زینت بھی ہے۔ جو لباس زینت بخش نہ ہو وہ درحقیقت اپنے مقصد تخلیق کے لحاظ سے ناقص ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں لباس کے نزول کو اپنی ایک نعمت کے طور پر پیش کیا اور اپنے بندوں پر اپنے احسان کو بتایا ہے۔ آیت سے ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کا منشاء یہ ہے کہ لباس ایسا ہونا چاہیے جو انسان کو زینت دے۔ اگر لباس ایسا ہو جو صرف ستر پوشی کے مقصد کو پورا کرتا ہو لیکن زینت بخش نہ ہو تو یہ اللہ تعالیٰ کی منشاء کے خلاف ہے۔



مندرجہ بالا آیات و احادیث کا خلاصہ یہ ہوا کہ

(۱) اللہ تعالیٰ کو خوبصورتی پسند ہے۔

(۲) مؤمنین کو خوبصورت لباس پہننا چاہیئے اور زینت کی چیزیں

استعمال کرنی چاہئیں۔

جب اللہ تعالیٰ ہر حال میں خوبصورتی اور خوبصورت لباس کو پسند کرتا ہے تو یہ کیسے ممکن ہے کہ وہ خاص اس حالت میں جبکہ بندے اس کے دربار میں حاضری دیں خوبصورت لباس کو پسند نہ کرے یعنی یہ نہیں ہو سکتا کہ اللہ تعالیٰ تمام حالات میں تو خوبصورت لباس پسند کرے لیکن نماز کی حالت میں خوبصورت لباس کو پسند نہ کرے۔ اللہ تعالیٰ کی پسند کا تقاضا یہ ہے کہ نماز میں جبکہ بندہ اللہ تعالیٰ کے دربار میں حاضر ہوتا ہے اس کا لباس کچھ اور زیادہ ہی اچھا ہونا چاہیئے اور یہ چیز قرآن مجید سے ثابت ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :-

يٰۤاِبْنِیَّ اٰدَمَ خُذْ وَاَزِیْنَتَکُمْ اے بنی آدم، ہر نماز کے وقت اپنی زینت عِنْدَ کُلِّ مَسْجِدٍ (الاعراف ۳۱) (کی چیزیں) پہن لیا کرو۔

اگرچہ عام حالات میں بھی اللہ تعالیٰ کی پسند اور زینت کی تخلیق کی غرض و غایت کا تقاضا یہ ہے کہ زینت کی چیزیں استعمال کی جائیں لیکن نماز کی حالت میں تو اللہ تعالیٰ نے صاف اور صریح الفاظ میں زینت کی چیزیں پہننے کو فرض کر دیا۔ اب جو شخص نماز کی حالت میں زینت کی چیزیں نہیں پہنتا وہ اللہ تعالیٰ کے حکم کی خلاف ورزی کرتا ہے اور وہ کام کرتا ہے جو اللہ تعالیٰ کو ناپسند ہے۔

اس آیت کا منشاء یہ ہے کہ نماز کی حالت میں لباس کامل اور زینت بخش ہو۔

جوتی اور ٹوپی یا عمامہ وغیرہ یہ سب لباس کامل کے اجزاء اور زینت کی چیزیں ہیں لہذا ان سب کو پہن کر نماز پڑھنا ضروری معلوم ہوتا ہے۔ اب اگر کسی حدیث سے یہ ثابت ہو جائے کہ جوتی اور ٹوپی یا عمامہ زینت کے لیے ضروری اجزاء نہیں ہیں کہ ان کے بغیر نماز پڑھنا ناجائز ہو تو پھر یہ چیزیں آیت کے حکم سے مستثنیٰ ہو جائیں گی۔

جوتی کیونکہ عموماً فرش فروش، بستروں اور جانمازوں پر زینت شمار نہیں ہوتی لہذا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو زینت کی ضروری اشیاء سے مستثنیٰ کر دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں :-

إِذَا صَلَّى أَحَدُكُمْ فَخَلَعَ نَعْلَيْهِ جَبْتُمْ مِّنْ سَعَىٰ نَمَازٍ پڑھے اور جوتیاں اتار  
فَلَا يُؤْذِيهِمَا أَحَدًا، لِيَجْعَلُهَا تَوَانِ كَ ذَرِيعَةٍ كَوَايِذَانِ پَنچلے، یا تو  
بَيْنَ رِجْلَيْهِ أَوْ لِيُصَلَّ فِيهِمَا اُنْ كُو دُونُوں پِیروں كَ درمیان رَکھلے یا  
(ابوداؤد کتاب الصلوٰۃ باب المصلی اذا خلع نعلیه ان کو پہن کر نماز پڑھے۔

ابن یضہما جزء اول ص ۱۳۰ سندہ صحیح۔

مرعاة جزء ۲ ص ۲۱۵۔ المستدرک ۱/۳۶)

ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں :-

إِذَا صَلَّى أَحَدُكُمْ فَلْيَلْبَسْ نَعْلَيْهِ جَبْتُمْ مِّنْ سَعَىٰ نَمَازٍ پڑھے تو اپنی  
أَوْ لِيَخْلَعَهُمَا بَيْنَ رِجْلَيْهِ وَلَا جوتیاں پہن لے یا ان دونوں کو اتار کر اپنے  
يُؤْذِي بِهِمَا غَيْرُهُ (رواہ الحاکم دونوں پِیروں كَ درمیان رَکھلے اور  
دستہ صحیح۔ المستدرک ۱/۲۵۹ ان كَ ذَرِيعَةٍ كَوَايِذَانِ



پہنچائے۔

الغرض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جوتی کو نماز میں زینت کے  
ضروری اجزاء سے مستثنیٰ کر دیا۔ ٹوپی یا عمامہ کو مستثنیٰ نہیں کیا گیا اور کسی  
حدیث سے یہ ثابت نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی ننگے  
سر نماز پڑھی ہو خصوصاً ایسی صورت میں کہ آپ کے پاس ٹوپی یا عمامہ موجود  
ہو۔ لہذا عمامہ یا ٹوپی پہن کر نماز پڑھنا آیت مذکورہ بالا کے لحاظ سے  
ضروری ہے۔

اشکال | کہا جاتا ہے کہ حضرت جابرؓ نے ننگے سر نماز پڑھی۔  
جواب | کسی حدیث میں یہ نہیں ہے کہ حضرت جابرؓ نے ننگے سر نماز پڑھی۔  
دوسرے یہ کہ صحابی کا قول یا فعل حجت شرعیہ نہیں ہے خصوصاً ایسی  
صورت میں کہ وہ کسی صحیح حدیث کے خلاف ہو اور جب حدیث کے خلاف  
صحابی کا قول و فعل حجت نہیں تو قرآن مجید کی آیت کے خلاف ہونے کی  
صورت میں تو وہ اور بھی زیادہ ناقابل حجت ہے۔

اعتراض | کہا جاتا ہے کہ سورہ اعراف کی مذکورہ بالا آیت طواف کے متعلق  
ہے نہ کہ نماز کے متعلق۔ مزید برآں طواف ننگے سر کیا جاتا ہے لہذا سر کا  
ڈھانکنا اس آیت کا منشاء نہیں بلکہ نہ ڈھانکنا آیت کا منشاء ہے۔  
جواب | یہ تو صحیح ہے کہ آیت مذکورہ کا شان نزول طواف سے تعلق رکھتا  
ہے لیکن یہ اصول سب کو مسلم ہے کہ کسی آیت کے شان نزول سے اس  
آیت کے مفہوم کو مفید نہیں کیا جاتا بلکہ اس کے حکم کو عام سمجھا جاتا ہے۔  
یہی صورت یہاں بھی ہے یعنی سبب نزول تو طواف ہے لیکن حکم میں طواف  
اور نماز دونوں شامل ہیں خصوصاً ایسی صورت میں کہ اللہ تعالیٰ نے بجائے



”طواف“ کے ”مسجد“ کا لفظ استعمال کیا ہوا اور پھر اس کے ساتھ لفظ ”کُلّ“ بھی لگا دیا ہوتا کہ مسجد حرام کی خصوصیت نہ رہے۔ اب ہر مسجد میں یا ہر نماز کے وقت زینت کرنا ضروری ہو گیا۔

{ نوٹ :- مسجد اسم ظرف ہے۔ اس کے معنی ہیں: (۱) نماز کی جگہ (۲) نماز کا وقت }  
یہ بھی صحیح نہیں کہ طواف ننگے سر کیا جاتا ہے۔ عمرہ کا طواف حالت احرام میں ہوتا ہے اور حالت احرام میں مرد کو سر ڈھانکنا منع ہے لہذا صرف عمرہ کا طواف ننگے سر ہوتا ہے باقی حج کے طواف اور روزمرہ ہر وقت اور ہر آن چوبیس گھنٹے جو لاتعداد طواف ہوتے ہیں وہ حالت احرام میں نہیں کئے جاتے لہذا ان میں سر کو ننگا رکھنا مشروع نہیں ہے۔ لاتعداد طوافوں کے منشاء کو نظر انداز کر کے صرف ایک طواف کے منشاء پر زور دینا عجیب ہے۔ شان نزول میں طواف کا ذکر ہے نہ کہ عمرہ کے طواف کا لہذا ننگے سر کا سا خانہ بالکل لغو اور خود ساختہ ہے۔

## نماز میں زینت کرنے کے مزید دلائل

(۱) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں :-

إِنْ كَانَ وَاسِعًا فَالْتَحِفْ بِهِ      اگر (کپڑا) کشادہ ہو تو اُسے (پود جسم)  
وَإِنْ كَانَ ضَيِّقًا فَاتَّزِرْ بِهِ      پرپیٹ لو اور اگر تنگ ہو تو تہ بند باندھ  
صحیح بخاری کتاب الصلوٰۃ باب اذا كان

الثوب ضيقاً جزء ۱ ص ۱۱۱

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اوپر کا بدن بھی ڈھانکنا ضروری ہے۔

(۲) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں :-

إِذَا صَلَّى أَحَدُكُمْ فَلْيَلْبَسْ ثَوْبَيْهِ جَبْتُمْ فِي سَعْيِكُمْ نَزَارَ بَرْهَةً تَوَافِي دَوْدُونَ  
فَإِنَّ اللَّهَ أَحَقُّ أَنْ يُزَيَّنَ لَهُ كِرْطُ بِنَةِ اسْمِ كِهْ اللَّهُ زِيَادَةً حَقْدَارِ  
(طبرانی کبیر۔ سندہ حسن۔ مرعاة المفاتیح ہے کہ اس کے لئے زینت کی جلے۔  
شرح مشکوٰۃ المصابیح جلد ۲ ص ۲۱۸)

اس حدیث سے بھی معلوم ہوا کہ اوپر کا بدن بھی ڈھانکنا ضروری ہے۔ مزید برآں یہ بھی ثابت ہوا کہ جتنی زینت دوسروں کے لئے کی جاتی ہے اللہ تعالیٰ ان سے زیادہ اُس زینت کا حقدار ہے لہذا نماز میں اللہ تعالیٰ کے لئے زینت کا اہتمام ہونا چاہیے۔

(۳) حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں :-

أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَمَعَ عَلَيْهِ ثِيَابَهُ ثُمَّ كِرْطُ زِيْبْتَنِ فَرَمَلْ، پھر نماز (پڑھانے) خَرَجَ إِلَى الصَّلَاةِ رَهِجَ مَسْمُومَ كَلْ لَ بَاہِرْ تَشْرِيفِ لَکَ۔  
کتاب الصلوٰۃ باب نَسْخِ الْوُضُوءِ مِمَّا مَسَّتْ

(النار ۱/۵۱)

"ثياب" جمع کا صیغہ ہے اور جمع کا صیغہ کم از کم تین کے لئے استعمال ہوتا ہے، لہذا اس حدیث سے ثابت ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز کے لئے لباس کا خاص اہتمام فرمایا کرتے تھے۔

نماز میں کامل اور زینت بخش لباس پہنیے



# تحفہ رمضان

سلسلہ اشاعت ۸۱

رمضان ۱۳۹۵ھ

نفسِ امارہ ہر لحظہ اللہ تعالیٰ کی بغاوت کی طرف اگسا رہتا ہے لیکن جو حضرات اپنے نفس کو اللہ تعالیٰ کے تربیتی پروگرام کے مطابق تربیت دیتے ہیں ان کا نفس رضائے الہی کیلئے ہر وقت تیار رہتا ہے۔ یہ تربیتی پروگرام نماز، روزہ، حج و زکوٰۃ اور جہاد پر مشتمل ہے۔ نماز کے ذریعہ دن رات میں پانچ بار ہم تربیت حاصل کرتے ہیں، اپنے قلب کو اس بات پر آمادہ کرتے ہیں کہ وہ حدود اللہ سے تجاوز کرنے کی جرأت نہ کر سکے۔ روزہ بھی اسی تربیتی پروگرام کی ایک عظیم کردی ہے جس کے ذریعہ ایک مسلم کو ایک ماہ کے ایسے تربیتی پروگرام سے گزارا جاتا ہے جس کے ذریعہ دل و دماغ، کان، زبان، آنکھ، ہاتھ اور پاؤں کو بڑے نظم و ضبط اور پابندی و شعور کے ساتھ تمام ناجائز کاموں سے بچنے کی تربیت حاصل ہوتی رہتی ہے۔ ماہ رمضان میں وہ پورا قرآن پڑھنا یا سننا ہے۔ اس طرح اللہ تعالیٰ کے تمام شرعی ضابطے اُس کو از سر نو معلوم ہو جاتے ہیں اور جن احکامات کو وہ زندگی کی گھاگھیوں میں بھول چکا تھا اُسے ان سب کی یاد تازہ کرا دی جاتی ہے۔ اب اُس کیلئے میدانِ محشر میں عذر کا کوئی موقع باقی نہیں رہتا۔ سو چنایہ ہے کہ کیا واقعی ہم اخلاص میں نیت اور شعور کے ساتھ اس پروگرام پر عمل کرتے ہیں۔ ہمارے معاشرہ کی کیفیت جو عید کے دن اور اس کے بعد نظر آتی ہے اُس سے تو یہ اندازہ ہوتا ہے کہ ہم نے پورا ماہ صیام غیر شعوری طور پر اور رٹا گذاڑا ہے درنہ ہماری پوری زندگی کا نقشہ ہی بدل جاتا۔ اگر ہم ماہ صیام میں اپنی مصروفیات کا جائزہ لیں تو کچھ ایسا نظر آتا ہے کہ ہماری دنیوی مصروفیات میں بہت اضافہ ہو جاتا ہے جس کو دیکھو دنیا کلمنہ میں لگا ہوا ہے۔ زندگی کے ہر شعبہ میں عام دنوں سے زیادہ گھاگھی بڑھ جاتی ہے۔ کارخانوں میں عید کی ضروریات پوری کرنے کیلئے زیادہ تہہ ہی سے کام ہوتا ہے۔ کانڈ فروخت کے اوقات بڑھ جاتے ہیں، بازاروں میں رات گئے تک گھاگھی نظر آتی ہے۔ عورتیں کھانا پکالنے یعنی سحری و افطاری کے انتظامات میں کچھ اس طرح مصروف ہو جاتی ہیں کہ بس انہیں اس ماہ میں یہی ایک خاص کام ہے۔ جو وقت بچتا ہے تو وہ بھی عید کی تیاری کی نذر ہو جاتا ہے۔ غرض کہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ مہینہ ماہِ عبادت نہیں بلکہ ”زیادہ بناؤ زیادہ کاؤ۔ خوب پکاؤ اور خوب کھاؤ کا زمانہ ہے۔ ہونا یہ چاہئے تھا کہ ماہ شعبان میں رمضان و عید کی تمام تیاریاں مکمل ہو جاتیں اور ماہ صیام کو خالصتہ



عبادت کیلئے مخصوص کر دیا جاتا۔ ہمہ اوقات اللہ کا ذکر زبان پر ہوتا، دل کی نوا اللہ کی طرف لگی ہوتی بہت کی فکر دامن گیر ہوتی، ہر فرد اس بات کی کوشش کرتا کہ وہ تمام فرقوں سے علیحدگی اختیار کر کے صرف مسلم بن جائے۔ ہر کام سنتِ ثابتہ کے مطابق کرے، اللہ کیلئے کو اپنا حاکم اور حاجت روا تصور کرے، جو کچھ منزل من اللہ ہو اسی کو دین سمجھے، اپنا امام صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سمجھے (امام سے مراد وہ امام ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے منصبِ امامت پر سرفراز فرمایا ہو، جس کا ہر حکم واجب الاتباع ہو، جس کا ہر فقرہ ضابطہ حیات ہو، جس کا ہر فعل مشعل ہدایت ہو، جس کی اطاعت اللہ کی اطاعت ہو، جس کی امامت عارضی نہ ہو بلکہ قیامت تک کیلئے دائمی ہو، جو معصوم ہو جس سے دینی بات میں غلطی کا صدور ناممکن ہو، جس کی ہر دینی بات وحی ہے) اس کا دین صرف اسلام ہو، اس کا باہم صرف مسلم ہو، اس کی محبتیں اور رقابتیں صرف اللہ کیلئے ہوں، وطن، زبان، قوم، برادری پر فخر نہ کرے۔

جو معاشرہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تیار کیا تھا اس میں ہمیں ماہِ رمضان کی پیمائشی گمانی نظر نہیں آتی۔ اس کے علاوہ دینی معاملات میں بھی بہت سی ایسی باتیں ہمارے ہاں رائج ہو چکی ہیں جن کا دور صحابہؓ میں کہیں وجود نہیں ملتا۔ مثلاً چودھویں اور ستائیسویں روزہ کی اہمیت، رمضان کے آخری جمعہ کی اہمیت، صحابہؓ کے معاشرہ میں بھی بچوں کو پہلا روزہ رکھوایا جاتا تھا لیکن کبھی اس کو رسم نہیں بنایا گیا، لیکن ہمارے معاشرہ میں یہ ایک رسم بن گئی ہے۔ چھوٹے چھوٹے بچوں کو جن پر ابھی نماز بھی فرض نہیں ہوئی انہیں روزہ رکھوایا جاتا ہے اور طرفہ تماشہ یہ کہ ان کی تصاویر اخبارات میں شائع ہوتی ہیں اور یہ نمود نمائش کے سوا اور کچھ نہیں۔ آج کل روزہ رکھوائی، روزہ کشائی اور افطار پارٹیاں محض ایک تفریحی پروگرام کا سماں پیش کرتی ہیں۔ اس کے علاوہ ہمارے ہاں جلسوں کے ذریعہ اجتماعی شہد بیداری کا رواج بھی بڑھتا جا رہا ہے حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں اس کا وجود نہ تھا یہ بالکل نئی چیز ہے۔

دین کے معاملہ میں بڑی احتیاط کی ضرورت ہے صرف اتنا الاعمال بالنیات کہہ کر ہر ایک کام کر لینا درست نہیں کیونکہ نیت کا سوال ان اعمال میں ہے جو شرعاً جائز اور سنتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہوں، اور جو کام سنتِ صحیحہ سے ثابت نہ ہوں ان سے احتراز کرنا چاہیے۔

# ارکانِ جماعت کے لئے ہدایات

سلسلہ اشاعت ۳۸

اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے:- وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَ  
آمَنُوا بِمَا نُزِّلَ عَلَىٰ مُحَمَّدٍ وَهُوَ الْحَقُّ مِنْ رَبِّهِمْ كَفَّرَ عَنْهُمْ  
سَيِّئَاتِهِمْ وَأَصْلَحَ بَالَهُمْ ۝ (محمد)

(ترجمہ) اور جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے اور ایمان لائے اُس چیز پر  
جو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پر نازل کی گئی ہے اور وہ چیز ان کے رب کی طرف سے حق ہے اللہ  
تعالیٰ ایسے لوگوں کے گناہوں کو معاف کر دے گا اور ان کے حالات کی اصلاح فرمائے گا۔

آیت بالا سے ثابت ہوا کہ حق وہ ہے جسے اللہ تعالیٰ نے اپنے آخری نبی حضرت  
احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل فرمایا۔ یہ حق ہمارے پاس قرآن و حدیث  
کی صورت میں محفوظ ہے۔ جو لوگ قرآن و حدیث کو مضبوطی سے پکڑے ہوئے ہیں  
اس پر عمل کرتے ہیں اور اسی کی طرف دعوت دیتے ہیں وہی اہل حق ہیں اور جو لوگ  
قرآن و حدیث کو چھوڑ کر کسی اور چیز کی پیروی کرتے ہیں یا قرآن و حدیث کے ساتھ  
کسی اور چیز کو بھی حق سمجھتے ہیں وہ اہل باطل ہیں اور باطل کی پیروی وہی کرتے ہیں جو  
کافر ہوتے ہیں۔ چنانکہ اللہ تعالیٰ عزوجل کا ارشاد گرامی ہے:-

ذَٰلِكَ بِأَنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا اتَّبَعُوا الْبَاطِلَ وَأَنَّ الَّذِينَ  
آمَنُوا اتَّبَعُوا الْحَقَّ مِنْ رَبِّهِمْ ۚ كَذَٰلِكَ يَضْرِبُ اللَّهُ لِلنَّاسِ  
أَمْثَالَهُمْ ۝ (محمد)

ترجمہ:- (کافروں کے اعمال کی بربادی اور مومنین کے گناہوں کی معافی اور مثال  
کی اصلاح یہ) اس لئے ہے کہ کافروں نے باطل کی پیروی کی اور ایمان والوں نے اُس حق کی  
پیروی کی جو اُن کے رب کی طرف سے نازل ہوا۔ اس طرح اللہ تعالیٰ لوگوں کے لئے ان کے  
حالات بیان فرماتا ہے (تاکہ ان حالات و کیفیات کے ذریعہ اہل کفر اور اہل ایمان میں امتیاز ہو جائے)



کیونکہ نازل شدہ چیز صرف قرآن و حدیث ہے لہذا یہی وہ حق ہے جس کا اتباع ایمان والے کرتے ہیں۔ اسی کی پیروی کا ہمیں حکم دیا گیا ہے اور اس کے علاوہ اور چیزوں کی پیروی کو حرام کر دیا گیا ہے جیسا کہ اللہ عزوجل تبارک تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے:-

اَتَّبِعُوا مَا اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِنْ رَبِّكُمْ وَلَا تَتَّبِعُوا مِنْ دُونِهِ اُولٰٓئِكَ هُمُ قَلِيْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ ۝ (اعراف)

ترجمہ :- اُس چیز کی پیروی کرو جو تمہارے رب کی طرف سے تم پر نازل کی گئی ہے اور اس کے علاوہ اولیاء کی پیروی نہ کرو مگر تم نصیحت کم ہی حاصل کرتے ہو۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ ذوالجلال والاکرام نے منزل من اللہ یعنی قرآن و حدیث کی پیروی کو فرض قرار دیا اور اس کے علاوہ ہر چیز کی پیروی کو حرام قرار دیا۔ اب بھی جو لوگ قرآن و حدیث کے ساتھ یا اس کو چھوڑ کر کسی اور چیز کی پیروی کر رہے ہیں وہ گویا اللہ تعالیٰ کے حرام کو حلال کر رہے ہیں اور یہ فعل کفر سے کسی طرح بھی کم نہیں بلکہ اس کو شرک فی الشریع بھی کہا جاسکتا ہے جیسا کہ اللہ جل جلالہ کا ارشاد ہے:-

اَمْ لَهُمْ شُرَكَاءُ اَشْرَعُوْا لَهُمْ مِنَ الدِّیْنِ مَالٌ یَّادُوْنَ  
بِہِ اللّٰہُ ۝ (شوری)

ترجمہ :- کیا انہوں نے شریک بنا رکھے ہیں جو ان کے لئے دینی شریعت بنتے ہیں جس کی اللہ نے اجازت نہیں دی۔

اپنی اصلاح ضروری ہے | اپنی اصلاح میں یہ چیزیں شامل ہیں: حُسنِ اخلاق، حُسنِ گفتار، حُسنِ لباس، حُسنِ اعمال، خصوصاً حُسنِ صلوٰۃ، سُنّتِ مطہرہ کا کامل اتباع، دل کی طہارت و پاکیزگی، تقویٰ و تزکیہ نفس، پھر حُسنِ تبلیغ، وقار و متانت، محبت و انفت کا پیدا کرنا، جذبہ قربانی کو برانگیختہ کرنا، وطنیت و صوبائیت کے بتوں کو مسمار کرنا، اُلُہیت اور صرفہ للہیت پر ارکانِ جماعت کے تعلقات کو استوار کرنا اس طرح کہ جماعت میں نہ ایرانی ہے باقی نہ تورانی ہم صرف مسلم ہوں، اول مسلم، آخر مسلم، پہلے بھی مسلم، بعد میں بھی مسلم، المحب فی اللہ و اللہ فیہ فی اللہ ہماری اساس ہے، اسلامی رشتہ ہی اصل رشتہ ہے اور بس۔

اصلاح میں یہ چیزیں بھی شامل ہیں۔ عقیدہ میں یحیٰ کی پیدا کرنا، حق کو صرف قرآن و حدیث میں محصور سمجھنا، قرآن و حدیث پر چلنے والوں کو اہل حق سمجھنا اور اس سے انحراف کرنے والوں کو اہل باطل، گمراہ لوگوں سے دینی رشتوں کا انقطاع، شخصیت پرستی کا قلع قمع کرنا تقلید جامد کا استیصال اور فرط عقیدت کے بُت کو توڑنا، وہ فرط عقیدت جو کسی انسان



کو الہیت کے درجہ تک پہنچا دے۔ وہ تقلید جو کسی انسان کی کورانہ پیروی پر مجبور کرے۔ وہ تقلید جو کسی غیر نبی کے اقوال کو آخری سند قرار دے۔ وہ تقلید اور عقیدت جو قرآن و حدیث کو کسی بزرگ کے اقوال کا تابع کر دے۔ وہ تقلید و عقیدت جو کسی بزرگ کو شریعت سے بے نیاز و ماوراء سمجھنے پر مجبور کرے۔ وہ تقلید جو طریقت، معرفت، حقیقت کی راہیں کھولے اور ان خود ساختہ اصطلاحوں کے ذریعہ بزرگوں کی خلاف شرع باتوں اور کاموں کو راہ و رسم منزل سمجھ کر مجبور کرے۔ وہ تقلید جو خاندانی اور آبائی روایات کی اندھا دھند پیروی کی ترغیب دے۔ وہ تقلید جو فرقہ بندی کی بنا ڈالے۔ یعنی وہ تقلید جو تمام برائیوں کا سرچشمہ ہے، بلکہ تمام گمراہیوں کی ماں ہے۔ کسی نے سچ کہا ہے "لو کان للضلال ام فالتقلید ام" یعنی اگر گمراہی کی کوئی ماں ہے تو وہ تقلید ہی ہے۔

اصلاح میں یہ چیزیں بھی شامل ہیں۔ جماعت میں علمی و عملی رجحان پیدا کرنا۔ تفقہ اور استنباط مسائل کی مشق کرانا۔ محقق بننے کی ترغیب دینا۔ تحریر اور تقریر کے قابل بنانا۔ علوم نقلیہ اور عقلیہ سے آراستہ کرنا۔ گمراہ فرقوں کے عقائد و اعمال کی مدلل تردید کرنے کے قابل بنانا۔ اشتعال انگیزی سے اجتناب جس بحث کا اختیار کرنا۔ فتنوں کا مقابلہ کرنا اور فعالیت جماعت المسلمین کا نصب العین ہے۔ جمود کو توڑنا اس کا مقصد۔ احساس برتری پیدا کرنا اس کی غرض۔ اسلام یعنی قرآن و حدیث کی حفاظت اس کا اولین مقصد نئی نسلوں کو صحیح معنوں میں مسلم بنانا جماعت کا اہم منصوبہ ہے۔ اور ایضاً اللہ کے تعلیمی منصوبہ کے تحت عملی حمارہ پھنایا جائے گا۔ افراد کو ایک خاص نظم و ضبط اور اطاعت امیر کا پابند بنانا مقصود ہے جو تقریباً بالکل مفقود ہے۔ جماعت کی ترقی کا راز اسی میں ہے اور یہی ہمارے یہاں عنقا ہے۔ حقوق العباد کی ادائیگی اور جذبہ خدمتِ خلق کو خاص اہمیت دینا ہمارے نزدیک ایک فریضہ ہے جس سے افسوس ہے کہ ہم عہدہ برائے نہیں ہوئے

### جماعت کی دعوت | جماعت کی دعوت یہ ہے کہ سب بل کر ایک اللہ کو حاکم

مائیں۔ اس کی عبادت اور اطاعت میں کسی کو ذرا سا بھی شریک نہ کریں۔ اس کی عبادت اور اطاعت اس طرح کریں جس طرح حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بتائی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو دین ہم کو دیا وہ قرآن و حدیث میں محفوظ ہے۔ لہذا ہم سب قرآن و حدیث ہی کی براہ راست اتباع کریں۔ دوسرے مراکز سے گزر کر آگے بڑھ جائیں اور مرکزِ اصلی یعنی اللہ کے مقدس رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر اپنی نظروں کو مرکوز کر دیں۔ فرقہ بندی سے ہمیز

کریں۔ اپنے کو صرف مسلم کہیں اور بس۔

**شعار جماعت** | جماعت کا جو شعار ہے اس کی اساس صحیح مسلم کی یہ حدیث ہے: "إِنَّ اللَّهَ جَمِيلٌ يُحِبُّ الْجَمَالَ" (ترجمہ :- بے شک اللہ خوبصورت ہے خوبصورتی کو پسند کرتا ہے) حدیث مذکور کے منشار کو پورا کرنے کے لئے جماعت نے جو خاص خاص چیزیں اختیار کی ہیں وہ یہ ہیں :- لباس اچھا اور صاف ستھرا ہو۔ باوقار اور قومی و ملی معاشرت کا آئینہ دار ہونہ کہ دوسروں کی نقالی کا غماز۔ آستینیں پوری ہوں۔ سر پر عمامہ یا ٹوپی وغیرہ ہو۔ ننگے سر بازار میں پھرنا جماعت کے شعار کے خلاف ہے۔ حدیث مذکور اور آیہ کریمہ خُذُوا زِينَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ (ہر مسجد میں جاتے وقت اپنی زینت کی چیزیں پہن لیا کرو) کی روشنی میں ہمارا شعار یہ بھی ہے کہ نماز کا بل لباس میں ادا کی جائے۔ لباس ایسا ہو جسے زینت کہہ سکیں۔ نہ سرگھلا ہونہ پیٹ۔ نماز عبودیت الہی کا حسین مرقع اور دلاویزی کا جمیل پیکر ہو۔ جماعت کا شعار یہ بھی ہے کہ ارکان کی گفتگو بھی حسین ہو، دلکش ہو، ہرزبانی۔ زبان درازی اور فحش سے قطعاً پرہیز کیا جائے۔ لڑائی جھگڑا سے دور رہا جائے۔ صبر اور درگزر سے کام لیا جائے۔ چال میں وقار ہو۔ بازار اور دیگر لغو مشاغل کے پاس سے باوقار طریقہ سے گزر جائے۔ گھبراہٹ نہ ہو۔ ہر کام سکون اطمینان سے کیا جائے۔ ہر سنی سنائی بات کو بے تحقیق بیان نہ کیا جائے۔

## ہدایات

جماعت کے منشار و مزاج۔ مقاصد و اغراض۔ شعار و خصوصیات بتلنے کے بعد ارکان جماعت کو ہدایت کی جاتی ہے کہ وہ جماعت کے منشار و مزاج کو اچھی طرح سمجھ لیں اغراض و مقاصد۔ شعار و خصوصیات کا گہرا مطالعہ کریں۔ جماعت کی تشکیل کے پس منظر کو ذہن میں رکھیں۔ اپنے عمل صالح اور سعی پسیم سے ایسے معاشرہ کی تشکیل کریں جو خالص اسلامی اقدار کا حامل ہو۔ آپس میں اختلاف پیدا نہ کریں۔ انتشار اور اشتعال انگیزی سے یکسر اجتناب کریں۔ تنقید کریں لیکن خیر خواہانہ اور محبت آمیز لہجہ میں۔ تنقید کا مقصد اصلاح ہونہ کہ بگاڑ۔ دین کی خدمت ہونہ کہ خدمت دین میں رکاوٹ۔ امیر یا مجلس شوریٰ کے فیصلہ سے پہلے تو اختلاف رائے کا اظہار کریں لیکن جب امیر کسی بات کا فیصلہ کر دے بشرطیکہ فیصلہ معروف ہو تو پھر تمام اختلافات کو ختم کر دیں۔ اپنی رائے کو امیر کے فیصلہ



کا تابع کر دیں۔ امیر کے فیصلہ کے بعد بھی اگر اختلاف باقی رہتا ہے تو یہ نیک فال نہیں ہے نہ جماعت کو پھر دینی جماعت کہا جاسکتا ہے۔ پھر تو اسے موجودہ زمانہ کی خالص سیاسی جماعتوں کے مثل سمجھنا چاہیے۔ جماعت مکمل ہم آہنگی کے لئے بنائی گئی ہے اور الحمد للہ یہ چیز اس وقت موجود ہے۔ شد اس کی حفاظت کیجئے۔ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ جماعت میں ایسی جزدی جماعتوں کا وجود نہیں ہے جو ایک دوسرے کی ضد و مخالفت کے درپے ہوں۔ آپ کو شیش کریں کہ یہ نعمت عظمیٰ باقی ہے۔ اگر آپ سب میں ٹہیت اور تقویٰ ہوگا تو یہ نعمت باقی رہے گی ورنہ اللہ نہ کرے ہم سے حنین لی جائے گی۔ تمام خرابیاں یکے بعد دیگرے تقویٰ کی کمی یا فقدان سے وجود میں آتی ہیں۔ اجتماعی مفاد بلکہ دین کی ہمہ گیر تحریکے منہمال اور انتشار سے بچانے کی خاطر اپنی انفرادی رائے کو قربان کر دیجئے۔ ماحول کی خاطر قرآن و حدیث کو نہ چھوڑیئے۔ ماحول کے سامنے اپنے آپ کو مجبور نہ سمجھئے۔ بلکہ قرآن و حدیث کے سامنے اپنے کو مجبور محض سمجھئے اور اس مجبوری کی وجہ سے بلکہ یوں کہنا چاہئے کہ برضاد رغبت قرآن و حدیث کی حرمت کی خاطر ماحول و معاشرہ کو موڑنے کی کوشش کیجئے۔ کچھ تکلیف بھی اٹھالیجئے۔ کچھ قربانی بھی دیجئے لیکن قرآن و حدیث کو نہ چھوڑیئے۔ بغیر تکلیف اور قربانی کے قرآن و حدیث پر عمل کرنا اور جہاں تکلیف اٹھانے اور قربانی دینے کا موقع آئے تو قرآن و حدیث کی تعمیل چھوڑ دینا پتھن آسانی تو ہے اسلام نہیں۔ عذر شرعی کو معلوم کرنے کے لئے اپنے دل کو ٹٹولئے۔ اگر ضمیر گواہی دے کہ واقعی آپ مجبور ہیں تو پھر قرآن و حدیث کے مطابق عمل نہ ہونے پر آپ انشا اللہ معذور ہوں گے۔ مزید ہدایت یہ ہے کہ لوگوں کو خوش کرنے کے لئے قرآن و حدیث کو خیر باد نہ کہیئے۔ قرآن و حدیث کو چھوڑنے کیلئے مسلماتیں اور حیلے نہ تلاش کیجئے۔ سختی سے اتباع قرآن و حدیث کیجئے۔

امیر کو مدد ہمت کی ترغیب نہ دیجئے بلکہ اُسے سختی سے قرآن و حدیث پر عمل کرنے دیجئے اس کام میں اس کی ہمت افزائی کیجئے نہ کہ ہمت شکنی۔ جماعت کی ترقی کے خوشنما اور دلفریب بہانے کے فریب میں آکر ترقی کی راہ میں آنے والی رکاوٹوں کو دور کرنے کے لئے قرآن و حدیث کو نہ چھوڑیئے۔ نہ امیر کو اس طرف راغب کیجئے۔ اگر امیر خود راغب ہو تو اس کی اصلاح کی کوشش کیجئے۔ آپ کا کام امیر کی خیر خواہانہ اصلاح ہے نہ کہ بگاڑ۔ یہی کام امیر کا بھی ہے



امیر اور مامور تحریک اسلامی کے دو پیسے ہیں۔ دونوں کو ایک دوسرے سے تعاون کرنا چاہیے۔  
تلون مزاحی چھوڑیے۔ گھبراہٹ پیدا نہ کیجئے۔ دہشت انگیزی نہ پھیلایے۔ ہتھکڑیاں  
کا دامن ہاتھ سے چھوڑنے نہ پائے۔ پائے استقامت میں لغزش نہ آئے۔ سنگکلاخ ساحل  
کی طرح حوادث کی طوفانی موجوں کا مقابلہ کیجئے۔ آگے بڑھیے۔ قیادت کیجئے۔ لوگوں کو اپنے  
پیچھے چلائیے۔

دیکھئے آپ کی تبلیغی تحریک میں کمزوری پیدا نہ ہو۔ تحریک کو بے جان ہونے سے بچائیے۔  
پوری لگن اور دلسوزی کے ساتھ اپنی اور اپنے اہل وعیال کی اصلاح کیجئے اور بھر  
معاشرہ کی اصلاح کے لئے میدان میں نکل آئیے۔ لوگ آپ کا عمل اور کردار دیکھیں گے  
نہ کہ آپ کا قول اور بیان۔ عمل اور کردار ہی اثر انداز ہوتے ہیں نہ کہ محض باتیں۔ اگر آپ  
واقعی اسلام کی صحیح معنوں میں تبلیغ کرنا چاہتے ہیں تو مجسم تبلیغ بن جائیے۔ لوگ آپ کو  
دیکھ کر اپنی اصلاح کریں گے۔

خدمتِ خلق ایک اہم فریضہ ہے۔ اس کی ادائیگی بھی ضروری ہے۔ تمام صدقات  
و زکوٰۃ کو ایک جگہ جمع کر کے مناسب طریقہ پر ضرورت مند اصحاب پر خرچ کیجئے۔ بیروزگاروں  
کی اس طرح امداد کیجئے کہ وہ اپنے پیروں پر کھڑے ہو جائیں۔ اگر آپ کے پاس خدمتِ  
خلق کے لئے مالی وسائل نہ ہوں تو یہ نہ سمجھئے کہ بس اب آپ خدمتِ خلق سے محذور ہیں  
خدمتِ خلق کے بہت سے شعبے ہیں۔ بغیر روپیہ کے بھی خدمتِ خلق ہو سکتی ہے۔ مثلاً بیماروں  
کی تیمارداری۔ اگر آپ زیادہ دور نہیں جاسکتے تو کم از کم اتنا تو کیجئے کہ اپنے محلہ میں جب  
کوئی بیمار پڑے تو اس کی مزاج پرسی کیجئے۔ دوا لانے اور تیمارداری کی خدمات پیش کیجئے۔  
اسی طرح شادی اور غم کے موقع پر بھی اپنی خدمات پیش کیجئے لیکن شادی میں صرف  
اس صورت میں کہ آپ کو بلایا گیا ہو ورنہ آپ کی خدمت یا خدمت کی پیشکش شادی والوں  
پر اخلاقی بار ہو سکتی ہے اور بھروسہ آپ کو بھی دعوت دینے پر بسنے آپ کو مجبور سمجھ سکتے ہیں  
ان کے دل میں یہ بھی خیال ہو سکتا ہے کہ اپنی خدمات کی پیشکش کسی طرح کی وجہ سے تو نہیں،  
لہذا بذلتی پیدا نہ ہونے دیجئے۔ جو لوگ صرف مالی خدمت کو ہی خدمتِ خلق سمجھتے ہیں وہ  
دھوکے میں ہیں۔ جسمانی خدمات بہت زیادہ اہم ہیں۔ ان سے جی چڑانا تو آسانی سے قربانی  
نہیں۔ غرض یہ کہ خدمتِ خلق کو اپنا شعار بنائیے۔ اس کے فوائد تبلیغی اعتبار سے بھی بہت

وقع ہوتے ہیں۔ لہذا یہ کام تبلیغ اور رضائے الہی کے لئے کرتے رہئے۔ دنیوی حبابہ، تعریف اور شہرت کے لئے نہیں۔

جماعت کی ترقی میں بہت بڑی رکاوٹ قربانی وقت کا فقدان ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جماعت میں کارکن حضرات اور رضا کاروں کی بے حد کمی ہے۔ دین کی تبلیغ اور اشاعت کیلئے اپنی رضا کارانہ خدمات کو زیادہ سے زیادہ پیش کیجئے۔ بلکہ بہتر تو یہ ہے کہ رضا کاروں کا ایک باقاعدہ دستہ تیار کیا جائے جو ہر دینی کام کے موقع پر جماعت کا اہم ٹولہ لیکن یہ اسی وقت ہو سکتا ہے جب آپ دینی کاموں کو اہمیت دیں اور ان کے لئے وقت کی قربانی دیں۔ جس ذات نے یہ زندگی بخشی ہے۔ یہ لیل و نہار دئے ہیں اُس کے دین کے لئے بھی اس زندگی کے کچھ اوقات وقف کیجئے۔ معلوم نہیں موت کا فرشتہ کس وقت آہلئے اور ہمالے سب اوقات و مسافات کا خاتمہ کر دے۔ اُس نازک وقت میں وہی چیز کام آئے گی جو ہم نے دین کی خدمت کے لئے خرچ کی ہوگی۔ لہذا ضرور کچھ وقت دین کے لئے نکال لیجئے۔

مختلف اوقات میں پڑھی جانے والی مسنون دعائیں یاد کیجئے اور ان کو اوقات مقررہ پر سمجھ کر پڑھیے۔ کسی خاص موقع اور وقت کے لئے کوئی خاص دعا خود مقرر نہ کیجئے۔ جماعت کے تعلیمی منصوبہ کو عملی جامہ پہنانے کے لئے کوئی دقیقہ فرو گذاشت نہ کیجئے۔ ایسے مدارس جن میں دین و دنیا کا امتزاج ہو کھولنے کے لئے تَن مَن دھن کی بازی لگا دیجئے تاکہ آئندہ آنے والی نسلیں مسلم ہوں اور اسلام کو نافذ کر سکیں۔ جماعت المسلمین کا یہ سب سے زیادہ اہم اور ٹھوس منصوبہ ہے لہذا اس منصوبہ کی طرف سب سے زیادہ التفات کیجئے۔

**اجتماعات** اپنی اصلاح اور دوسرے ارکان کی اصلاح کے لئے ہفتہ وار مہمانہ اور سہ ماہی اجتماعات میں شرکت کا اہتمام کیجئے۔ آپس میں ایک دوسرے کو غلطی بتاتے رہئے۔ نصیحت کرتے رہئے۔ اگر کوئی آپ کو نصیحت کرے تو بُرا نہ مانیئے بلکہ اُس کا احسان مانیئے کہ اُس نے آپ کی خیر خواہی کی۔

جماعت کے تمام اجتماعات میں ہر رکن کا شریک ہونا لازمی ہے۔ سوائے اس کے کہ کوئی عذر شرعی ہو۔ اگر کوئی رکن اجتماعات میں بغیر اجازت یا بغیر عذر شرعی شریک نہیں ہوتا وہ اطاعتِ امیر سے انحراف کرتا ہے۔ جماعت کے ضابطہ کی خلاف ورزی کرتا ہے۔ مرکز کے ہفتہ وار اجتماع میں اگر کوئی رکن شریک نہیں ہوتا بلکہ اپنے محلہ کے ہفتہ وار



اجتماع میں شریک ہوتا ہے تو یہ بھی کافی ہے۔ لیکن مالم نہ وسالانہ مرکزی اجتماع میں سب کا شریک ہونا ضروری ہے۔

تمام اجتماعات میں کھانا بہت سادہ ہونا چاہیے۔ ہر رکن اپنا سفر خرچ اور دیگر اخراجات خود برداشت کرے کسی پر اپنا بوجھ نہ ڈالے۔

**اجتماعات کا مقصد** | جماعت کے اجتماعات وقت کی قربانی کا سبق دیتے ہیں۔ وقت کی قربانی کی مستقل اور مسلسل تربیت دیتے ہیں۔ گویا وقت کی قربانی کا عادی بناتے ہیں۔ یہ اجتماعات اسلامی ماحول فراہم کرتے ہیں۔ غیر اسلامی معاشرہ سے بچا کر خالص دینی فضا میں سانس لینے کا موقع مہیا کرتے ہیں۔ نیک صحبتیں اور آپس کے رشد و ہدایت نصیحت و خیر خواہی۔ محبت و الفت کے مواقع ان اجتماعات کی جان ہیں۔ جماعت کی رکنیت کے شرائط فی الفور کسی پر نافذ نہیں کئے جاتے۔ لیکن ان صحبتوں اور اجتماعوں کے ذریعہ ارکان کی بتدریج اصلاح کی جاتی ہے۔ اگر کوئی رکن اجتماعات میں شریک نہیں ہوتا تو پھر کس طرح امید کی جاسکتی ہے کہ وہ کسی خاص قسم کی تربیت اور اصلاح حاصل کر سکے گا۔ اجتماعات دلچسپی کے لئے نہیں ہوتے لہذا اجتماعات کے دوران ہمہ اوقات دل چسپ تقاریر اور دروس وغیرہ کا ہونا ضروری نہیں۔ جن اوقات میں ایسی تقاریر و دروس وغیرہ نہ ہوں وہ اگرچہ بار تو گزرتے ہیں لیکن اس بار کو ختم کرنا ہی تو اجتماع کا اصل مقصد ہے وقت کی قربانی کے لئے یہی تو اصل تربیت ہے۔ لہذا کسی صاحب کو اس بات پر اصرار نہ کرنا چاہیے کہ اجتماع کا پروگرام ہمہ اوقات دلچسپ ہونا چاہیے۔ ویسے نفسیاتی احسان کا لحاظ کرتے ہوئے اور اعتدال پر عمل کرتے ہوئے اجتماعات کو بالکل خشک بھی نہیں بنایا جائے۔

**شعبہ خواتین** | جماعت السامین کا شعبہ خواتین بھی الحمد للہ کافی عرصہ

سے قائم ہے۔ اس سلسلہ میں تمام ارکان اور خیر خواہان کے تعاون کی ضرورت ہے۔ آپ جماعت کو ایسی خواتین کی نشاندہی فرمائیں جو دینی و دنیوی علوم سے آراستہ ہوں۔ باحیا اور باشرع ہوں۔ خوش مزاج اور خوش اخلاق ہوں۔ تقریر اور تحریر کر سکتی ہوں شعبہ خواتین کے لئے ایک ناظمہ کا تقرر ہو چکا ہے۔ ناظمہ شعبہ خواتین کا یہ فرض ہے کہ وہ خواتین میں تبلیغ کا انتظام کرے۔ خواتین کے اجتماعات کا اہتمام کرے۔

**تفقیہ فی الدین اور نصاب جماعت** | علم اور تفقیہ فی الدین پیدا کرنے کیلئے



کُتب کا مطالعہ کیجیے۔ چند کتابوں کو بطور نصاب کے پڑھنا اور ان پر عبور حاصل کرنا ہر رکن پر لازم کر دیا گیا ہے۔ مقرر کردہ کُتب نصاب درج ذیل ہیں:-

(۱) علوم النبیؐ :- قرآن مجید۔ صحیح بخاری۔ تفسیر قرآن عزیز۔  
ایک آیت اور ایک حدیث کا روزانہ گہرا مطالعہ کرنا۔

(۲) تفتلید :- التحقیق فی جواب التقلید۔ تلاش حق۔

(۳) فتنۃ انکارِ حدیث۔ تفہیم اسلام۔ برہان المسلمین۔

(۴) قادیانیت :- ذہن پرستی۔

(۵) شیعیت :- ذہن پرستی۔

(۶) جماعت المسلمین کے تمام پمفلٹ اور مطبوعات۔

## تعلیمی منصوبہ

ہماری زمانہ میں بعض ایسے مدارس ہیں جہاں صرف دینی تعلیم دی جاتی ہے۔ بعض ایسے مدارس ہیں جہاں صرف دنیوی تعلیم دی جاتی ہے۔ دینی مدارس بے رونی ہیں بعد از چند طلباء ہوتے ہیں جو ان مدارس میں داخلہ لیتے ہیں اور ان میں بھی کثیر تعداد گنڈہن اور وقت گزارنے والے طلباء کی ہوتی ہے۔ یہاں سے فارغ شدہ علماء دنیوی علوم سے نا آشنا ہوتے ہیں۔ برخلاف اس کے دنیوی مدارس بارونی اور بھرپور نظر آتے ہیں حتیٰ کہ ان مدارس میں داخلہ بھی مشکل سے ملتا ہے۔ ان مدارس سے فارغ شدہ طلباء علوم دینیہ سے نا آشنا ہوتے ہیں، بلکہ اکثر الحاد کی طرف مائل ہوتے ہیں یا کسی گمراہ فرقہ سے متاثر ہوتے ہیں۔

جماعت المسلمین نے اس صورت حال کا جائزہ لیا اور ایسا منصوبہ بنایا جس میں دینی و دنیوی تعلیم کا حسین امتزاج ہو۔ اس منصوبہ کے تحت انشاء اللہ ایسے اسکول اور کالج کھولے جائیں گے جن سے فارغ ہونے والے طلباء نہ صرف ایم اے۔ ایم ایس کی ہوں گے بلکہ با عمل عالم دین بھی ہوں گے۔ وہ اسلام کے ایسے مبلغ ہوں گے جن پر گنڈہن ملا کی پھبتی نہ لگائی جاسکے گی۔

## منصوبہ برائے قیام معاشرۃ اسلامیہ

موجودہ معاشرہ اس قدر بگڑ چکا ہے کہ اس کی اصلاح اگر ناممکن نہیں تو دشوار ضرور ہے اور دشوار بھی بے حد و حساب۔ ہر چہ ہر طرف سے فتنے یلغار کر رہے ہیں اور ہم جیسے کمزور ایمان والوں کے ایمان کو چیلنج کر رہے ہیں۔ ایسی حالت میں اپنے ایمان کا دفاع کرنا بھی ہمارے لئے مشکل ہو گیا ہے۔ چہ جائیکہ ہم معاشرہ کی اصلاح کر سکیں۔ فرقہ بندی عام ہے اور ہر فرقہ جو کچھ اس کے پاس ہے اس پر مگن ہے۔ کسی کو تلاش حق کی فکر نہیں۔ ایسے فتنوں اور فرقہ بندی کے زمانہ میں احادیث مبارکہ سے جو ہمیں ہدایت ملتی ہے وہ یہ ہے کہ ہم ایسے معاشرہ سے علیحدہ ہو کر کسی جنگل میں اپنا گھر بسائیں لہذا جماعت نے یہ فیصلہ کیا کہ احادیث

مبارکہ کی اس ہدایت پر عمل کرے۔ اور شہری آبادی سے دور کہیں ایسی بستی بسائے جس میں صرف وہی لوگ آباد ہوں جو اس معاشرہ سے تنگ آچکے ہوں اور خالص اسلامی ہدایت کے مطابق اپنی زندگی گزارنے کا عزم کر چکے ہوں۔ اس بستی میں خالص اسلامی معاشرہ قائم کیا جائے اور وہاں کسی کو خلاف شرع کام کرنے کی قطعاً اجازت نہ دی جائے۔ جماعت کا یہ منصوبہ بہت اہم ہے لیکن اس پر عمل بہت دشوار ہے تاہم جماعت اس منصوبہ پر عمل کرنے کے سلسلہ میں بہت تیزی کے ساتھ غور کر رہی ہے اور ہمیں امید ہے کہ انشاء اللہ جماعت بہت جلد اس سلسلہ میں عملی قدم اٹھائے گی۔ اللہ تعالیٰ جماعت کی مدد فرمائے آمین

فقط

وَالْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ

نوٹ ① جماعت المسلمین کا ڈاکٹر مسعود الدین عثمانی کی ماری والے سے کوئی تعلق نہیں۔ جماعت المسلمین ان کے بعض عقائد سے سخت بیزار ہے۔ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف بحران کو منسوب کر کے سخت گستاخی کی ہے۔ جماعت المسلمین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جناب میں ذرا سی گستاخی کو بھی کفر سمجھتی ہے۔

نوٹ ② کراچی میں جماعت المسلمین کا مرکز ہے۔ کراچی میں جماعت المسلمین کی کوئی شاخ کسی بھی علاقہ یا محلہ میں نہیں ہے۔

مسعود احمد

امیر جماعت المسلمین



بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

سلسلہ اشاعت ۱۱۲ صفر ۱۴۱۱ھ  
**حدیث "تَلْزَمُ جَمَاعَةُ الْمُسْلِمِينَ وَإِمَامُهُمْ"**

### اعتراض اور جواب

**اعتراض** | ان الحدیث یفسر بعضہ بعضاً۔ ایک حدیث دوسری حدیث کی تفسیر کرتی ہے۔ اس اصول پر حدیث "تَلْزَمُ جَمَاعَةُ الْمُسْلِمِينَ وَإِمَامُهُمْ" کی تفسیر بھی دوسری حدیث سے کرنی ہوگی۔ ابوداؤد میں ایک حدیث ہے "ان کان للہ تعالیٰ خلیفۃ فی الارض فضرِب ظہرک واخذ مالک فاطعہ" اگر زمین میں اللہ تعالیٰ کا خلیفہ موجود ہو تو نیری پیٹھ پر کوڑے مارے اور تیرا مال چھین لے پھر بھی تو اس کی اطاعت کر۔ یہ حدیث تشریح کرتی ہے کہ "تَلْزَمُ جَمَاعَةُ الْمُسْلِمِينَ وَإِمَامُهُمْ" سے مراد خلیفہ ہے نہ کہ ہر امیر۔

**جواب** | (۱) ابوداؤد کی حدیث صحیح نہیں۔ اس حدیث کا ایک راوی سبیع بن خالد ہے۔ اس راوی کے نام ہی کا فیصلہ نہیں ہو سکا۔ کوئی کتاب ہے سبیع بن خالد، کوئی کتاب ہے خالد بن خالد، کوئی کتاب ہے خالد بن سبیع، کوئی کچھ اور کتاب ہے (تہذیب التہذیب) نام کے اس اختلاف کے باوجود ابن حبان اور عجلی جو متساہلین میں سے ہیں انہوں نے اس کو ثقہ کہہ دیا لیکن حافظ ابن حجر جو متشددین میں سے ہیں اور متساہلین میں سے انہوں نے ابن حبان اور عجلی کی توثیق پر اعتماد نہیں کیا بلکہ اس کو صرف مقبول لکھا ہے (تقریب)۔

اس حدیث کی سند میں قتادہ کا عنعنہ بھی ہے جو اس حدیث کو مشکوک بنا دیتا ہے۔ الغرض یہ حدیث سنداً ضعیف ہے۔

جب یہ حدیث ہی ضعیف ہے تو یہ کسی دوسری حدیث کی تفسیر کی صلاحیت

ہی نہیں رکھتی۔

(۲) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مندرجہ ذیل دو جملہ روایت کئے گئے ہیں :-

① تلزم جماعة المسلمين وامامهم (صحیح بخاری و صحیح مسلم)  
 ② ان كان الله تعالى خليفة في الارض ..... فاطعه (ابوداؤد)  
 ان دونوں جملوں میں سخت اختلاف ہے۔ اعتراض کرنے والے ہمیں بتائیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کون سے الفاظ ارشاد فرمائے تھے۔ ظاہر ہے کہ ان دونوں میں سے ایک ہی جملہ صحیح ہو سکتا ہے اور وہ وہی ہو سکتا ہے جو صحیح حدیث میں ہے۔

اگر یہ کہا جائے کہ دونوں جملے ارشاد فرمائے تھے تو یہ قطعاً بے ثبوت ہے۔ جب تک دونوں جملوں کے بہ یک وقت ارشاد فرمانے کا ثبوت نہ ملے ایک جملہ دوسرے کی تفسیر نہیں کر سکتا۔

(۳) ایک حدیث دوسری حدیث کی تفسیر اس صورت میں کر سکتی ہے جب  
 ① مختلف صحابیوں نے حدیث کو روایت کیا ہو،

یا  
 ② ایک ہی صحابی نے مختلف اوقات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سن کر حدیث کو روایت کیا ہو،

③ حدیث کی کسی خاص سند میں کوئی لفظ یا کچھ الفاظ زائد ہوں جو کسی مختصر حدیث کی تشریح کرتے ہوں۔

جب حدیث ایک ہی ہو، واقعہ ایک ہی ہو، روایت کرنے والا صحابی بھی ایک ہی ہو لیکن الفاظ میں اختلاف ہو تو ایک حدیث دوسری حدیث کی تفسیر کیسے کرے گی؟

(۴) اگر ابوداؤد کی حدیث کو صحیح مان لیا جائے اور احادیث کے مختلف الفاظ کو بھی صحیح مان لیا جائے تو حدیث مضطرب المتن ہوگی یعنی متناً ضعیف ہوگی۔

(۵) باعتبار صحت احادیث کے ساتھ درجے ہیں۔ اول درجہ کی وہ حدیث



ہوتی ہے جو صحیح بخاری اور صحیح مسلم دونوں میں ہو۔ ابوداؤد کی حدیث کو کسی نے صحیح نہیں کہا لہذا وہ ساتویں درجہ کی بھی صحیح حدیث نہیں۔ اس کا متن صحیحین کی حدیث کے خلاف ہونے کی وجہ سے معلول ہے اور ساقط الاعتبار ہے۔

(۶) صحیحین کی حدیث میں چاروں زمانوں کا ذکر بڑی وضاحت کے ساتھ ہے۔ صحیح بخاری اور صحیح مسلم دونوں میں یہ حدیث بڑی خوش اسلوبی کے ساتھ یکساں الفاظ میں مروی ہے۔ اس حدیث میں چوتھے زمانے کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان عالیشان ہے:- تلزم جماعة المسلمين وامامهم۔

ابوداؤد کی حدیث جس سے یہ الفاظ "ان کان اللہ تعالیٰ خلیفۃ فی الارض" لئے گئے ہیں اس میں چاروں زمانوں کا ذکر وضاحت کے ساتھ نہیں ہے۔ ابوداؤد سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ الفاظ تیسرے زمانے کے متعلق ہیں۔ اگر ان کو چوتھے زمانے کے متعلق مان لیا جائے تو پھر تیسرے زمانے کے ذکر سے حدیث خالی ہے۔ ابوداؤد کی جس روایت میں چاروں زمانوں کا ذکر ہے اس میں "ان کان اللہ تعالیٰ خلیفۃ فی الارض" کے الفاظ ہی نہیں۔ یہ چیز ان الفاظ کو مزید مشکوک بنا دیتی ہے۔

خلاصہ ابوداؤد کی حدیث جس کو بطور تفسیر پیش کیا گیا ہے کئی لحاظ سے متنا معلول ہے اور سنداً مشکوک ہے لہذا وہ تفسیر کرنے کے قابل نہیں۔

(۷) ذیل میں ہم صحیحین اور ابوداؤد کی احادیث کے متون کا موازنہ کرتے

ہیں :-

ابوداؤد کی حدیث کا متن	صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی حدیث کا متن
اِنْ كَانَ لِلّٰهِ تَعَالٰی خَلِیْفَةٌ فِی الْاَرْضِ فَضَرَبَ ظَهْرَكَ وَ اَخَذَ مَالَكَ فَاطِطْعُهُ وَاِلَّا فَمُتْ وَاَنْتَ عَاضٌ یَّجْذُلُ	قُلْتُ فَاِنْ لَمْ تُكُنْ لَهُمْ جَمَاعَةً وَلَا اِمَامًا قَالَ فَاعْتَزِلْ تِلْكَ الْفِرَقَ كُلَّهَا وَتَوَّانَ تَعْصُ بِاَصْلِ شَجَرَةٍ حَتّٰی یُدْرِكَكَ



الْمَوْتُ وَأَنْتَ عَلَى ذَلِكَ - شَجَرَةٌ -

ترجمہ

(حضرت خلیفہ کہتے ہیں) : میں نے کہا اگر نہ مسلمین کی جماعت ہو اور نہ امام ہو (تو میں کیا کروں)۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : ان تمام فرقوں سے علیحدہ ہو جانا اگرچہ تمہیں درخت کی جڑ چبانی پڑے پھر تم اسی حالت میں رہنا یہاں تک کہ تمہیں موت آئے۔

ترجمہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : اگر زمین میں اللہ تعالیٰ کا کوئی خلیفہ ہو جو تمہاری پیٹھ پر مارے اور تمہارا مال چھین لے تو تم اس کی اطاعت کرنا اور نہ درخت کا تنہ چبا چبا کر مر جانا۔

صحیحین کی حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ جب حالات اتنے خراب ہو جائیں کہ کھانے کو کچھ نہ ملے سوائے درخت کی جڑوں کے تو درخت کی جڑیں چبا چبا کر مر جانا چاہیے لیکن فرقوں کا ساتھ نہیں دینا چاہیے۔

ابوداؤد کی حدیث کا تقاضا یہ ہے کہ حالات اچھے ہوں یا برے اگر خلیفہ نہ ہو تو درخت کا تنہ چبا چبا کر مر جانا چاہیے۔

مستتر ضمیمہ کو ابوداؤد کی حدیث پر بڑا ناز ہے تو آخر وہ اس حدیث پر عمل کیوں نہیں کرتے۔ خلیفہ ہے نہیں تو وہ تنہ چبا چبا کر مرنے کیوں نہیں۔ فوراً جنگل میں چلے جائیں اور وہیں تنہ چبا چبا کر زندگی کے بقیہ دن گزار دیں۔ رہے ہم تو ہم تو صحیحین کی حدیث کو حجت سمجھتے ہیں اور ابوداؤد کی حدیث کو سند ضعیف اور متناہل سمجھتے ہیں۔ ہم صحیحین کی حدیث پر عمل کر رہے ہیں اور اگر ضرورت ہوئی تو انشاء اللہ تعالیٰ درختوں کی جڑیں چبا چبا کر بھی اپنی زندگی گزار دیں گے اور مر جائیں گے۔ صحیحین کی حدیث میں جڑیں چبا چبا کر فوراً مر جانے کا حکم نہیں ہے۔

فقط

وَالْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ

## اعتراضات اور ان کے جوابات (قسط ۱)

**اعتراض** بیعت تو صرف با اقتدار حکمران لیتا ہے یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ میں کسی شخص سے بیعت نہیں لی۔

**جواب** رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ضحاک سے مکہ معظمہ میں بیعت لی۔ حضرت ضحاک نے عرض کیا ہاتھ تیرے اُٹھائے اُبّا یُعطُکَ عَلٰی الْاِسْلَامِ قَالَ فَبَايَعَهُ (صحیح مسلم کتاب الجمعۃ) آپ اپنا ہاتھ لائیے میں آپ سے اسلام پر بیعت کرتا ہوں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے بیعت لی۔

**اعتراض** اسلام پر بیعت لی۔ سننے اور اطاعت کرنے پر بیعت نہیں لی۔

**جواب** اسلام پر بیعت سننے اور اطاعت کرنے ہی پر بیعت ہوتی ہے۔ انبیاء علیہم السلام اپنی قوم سے فرمایا کرتے تھے فَاتَّقُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا (الشراء) اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو۔ وہ اس وقت حکمران نہیں ہوتے تھے۔

بیعت عقبہ اولیٰ اور ثانیہ بھی سب اطاعت کی بیعتیں تھیں اور یہی بیعتیں ہمارے لئے مشعلِ راہ ہیں۔

موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جب اپنی قوم سے فرمایا تھا "وَأَجْعَلُوا بُيُوتَكُمْ قِبْلَةً وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ" (اپنے گھروں کو قبلہ بناؤ اور نماز قائم کرو) کیا موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام اس وقت حکمران تھے۔ ان کے اس حکم کی اطاعت فرض تھی یا نہیں؟ اگر تھی تو اطاعت کے لئے حکمران ہونے کی شرط لگوا ہے۔

**اعتراض** احادیث صحیحہ سے یہ بات بالکل واضح ہے کہ جماعت المسلمین کبھی ہوگی اور کبھی نہیں یعنی۔ اقتدار خلیفہ کبھی ہوگا اور کبھی نہیں لیکن طائفہ منصورہ ہمیشہ ہوگا۔

**جواب** طائفہ منصورہ کی خصوصیات درج ذیل ہیں :

(۱) ہمیشہ جنگ کرتے رہیں گے ، (۲) لوگوں پر غالب ہوں گے ،



(۳) اپنے دشمن پر قاهر ہوں گے، جو ان کی مخالفت کرے گا وہ ان کو نقصان نہیں پہنچا سکے گا۔ (صحیح مسلم)

معترض صاحب بتائیں کہ یہ طائفہ منصورہ مندرجہ بالا صفات کے ساتھ اس دور میں کہاں ہے؟

معترض صاحب نے کہا کہ طائفہ منصورہ کو جماعت المسلمین و اماہم یعنی بااقتدار خلیفہ شمار نہیں کیا۔ طائفہ منصورہ جنگ بھی کر رہا ہے، غالب بھی ہے، دشمن مغلوب و مقہور ہے لیکن باہنہ وہ حکمراں یا خلیفہ نہیں ہے۔ کیا بغیر خلیفہ کے جنگ ہو سکتی ہے؟

اعتراض | حدیث میں نجات یافتہ گروہ کو بھی فرقہ کہا ہے تو فرقہ کا لفظ ایسا نہیں ہے کہ آدمی اس سے نفرت کرے۔

جواب | معترض صاحب ذرا وہ حدیث تو نقل کر دیں جس میں اُسے فرقہ کہا گیا ہے۔ حدیث میں تو اسے جماعت کہا گیا ہے (ابوداؤد)

اگر فرقہ کا لفظ قابل نفرت نہیں ہے تو پھر فرقوں سے علیحدہ رہنے کا حکم کیوں دیا گیا ہے؟

اگر مان لیا جائے کہ ناجی جماعت کو فرقہ کہا گیا ہے تو یہ بتائیے کہ لغوی اعتبار سے کہا گیا ہے یا شرعی اعتبار سے۔ کیا شرعی اعتبار سے جو فرقہ ہوگا اس سے بھی آپ نفرت نہیں کریں گے۔ معترض صاحب بات اصطلاح شرع کی ہو رہی ہے نہ کہ لغوی معنی کی، کیوں آپ خلط ملط کرتے ہیں؟

کیا ہم آپ کے گروہ کو فرقہ کہہ سکتے ہیں۔ آپ براؤ نہیں مایں گے؟

اگر فرقہ کا لفظ نفرت کے قابل نہیں ہے تو پھر تو خوب فرقے بنالینے چاہئیں۔ کیا اس طرح قرآن مجید کے احکام کی خلاف ورزی نہیں ہوگی؟

اعتراض | یہ ضروری نہیں ہے کہ خلیفہ کے زمانہ میں فتنے موجود نہ ہوں۔ فتنے ہو سکتے ہیں اور وہ شر کا زمانہ ہو سکتا ہے مثلاً حضرت عثمانؓ کے زمانہ میں فتنے تھے۔

جواب | ہم تو نہیں سمجھتے کہ حضرت عثمانؓ کا زمانہ شر کا زمانہ تھا۔ ہم تو اسے خیر کا



زمانہ سمجھتے ہیں۔ ہم اُسے تلزم جماعت المسلمین و امامہم کے زمانہ سے تشبیہ نہیں دے سکتے۔ تلزم جماعت المسلمین و امامہم کے زمانہ میں تو لوگ دوزخ کے دروازے پر کھڑے ہو کر بلا رہے ہوں گے جو ان کا کنا مان لے گا اُسے دوزخ میں دھکیل دیں گے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے "تلزم جماعت المسلمین و امامہم" کے زمانہ کو شر کا زمانہ کہا ہے، کیا آپ واقعی حضرت عثمانؓ کے دود کو شر کا زمانہ سمجھتے ہیں؟ حضرت عثمانؓ کے زمانہ کا فتنہ انتظامی نوعیت کا تھا۔ دینی نوعیت کا نہیں تھا یہی وجہ ہے کہ حضرت عثمانؓ نے اس فتنہ کو کچلنے کی طرف توجہ نہیں دی ورنہ ہر خلیفہ کا فرض ہے کہ وہ دین کی حفاظت کرے اور دین کے خلاف جتنے بھی فتنے اٹھیں ان کا قلع قمع کرے۔ اس انتظامی اختلاف کے فتنے نے حضرت علیؓ کے زمانہ میں دینی فتنہ کی صورت اختیار کر لی تو دیکھئے حضرت علیؓ نے کس طرح اس کا قلع قمع کر دیا۔

حضرت ابو بکر صدیقؓ کے زمانہ میں دینی فتنے اٹھے۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ نے ان کو کچل کر رکھ دیا۔

دینی فتنوں کا اکٹھا اور بات ہے اور ان کا کسی خلیفہ کے زمانہ میں باقی رہنا اور بات ہے۔ خلیفہ کے زمانہ میں فتنے باقی نہیں رہ سکتے۔  
اعتراض | حدیث میں ہے کہ آخر زمانہ میں مسلمانوں کی بہتات ہوگی اور بقول آپ کے اب صرف ڈیڑھ دو ہزار مسلم رہ گئے ہیں۔  
جواب | معترض صاحب آخر زمانہ کا تعین آپ کر دیجئے پھر اس اعتراض کا جواب طلب کیجئے۔

معترض صاحب اس زمانہ میں طائفہ منصورہ ہوگا یا نہیں۔ اگر ہوگا تو وہ حدیث کی رو سے مغلوب نہیں ہوگا لیکن آخر زمانہ کی حدیث سے ایمان والوں کا مغلوب ہونا ثابت ہوتا ہے۔ کوئی بات صحیح ہے غالب ہونا یا مغلوب ہونا؟  
اعتراض | رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا میری امت میں دو فرقے ہو جائیں گے اور ان میں ایک فرقہ پیدا ہوگا اور اس فرقہ کو وہ جماعت قتل کریگی

جوان دد میں سے حق سے زیادہ قریب ہوگی لہذا فرقہ ہونا کوئی بری بات نہیں ہے۔  
**جواب** | حدیث سے ثابت ہوا کہ وہ دونوں حق پر ہوں گے تو کیا آپ کے یہ  
 ۷۲ فرقے بھی حق پر ہیں۔ اگر ہیں تو جہنمی کیوں ہیں؟

کیونکہ یہ ۷۲ فرقے حق پر نہیں لہذا ان دو فرقوں اور ان ۷۲ فرقوں میں  
 یکسانیت نہیں اور جب یکسانیت نہیں تو حدیث مذکور کا پیش کرنا صحیح نہیں۔  
 ایک فرقہ حضرت علیؓ کے ساتھ تھا اور ایک حضرت معاویہؓ کے ساتھ تھا۔  
 معترض صاحب یہ بتائیے کہ کیا انہوں نے علیحدہ علیحدہ مذہب بنائے تھے،  
 کیا ان میں دینی اختلاف تھا، کیا انہوں نے دین میں تفریق کر دی تھی؟ اگر نہیں  
 تو پھر وہ اصطلاح شرع میں فرقے نہیں ہوئے۔ وہ تو صرف لغوی اور انتظامی  
 اعتبار سے فرقے ہوئے، ان کو آپ کے ۷۲ فرقوں سے کیا نسبت ہے۔  
**اعتراض** | کیا طائفہ منصورہ میں بھی انقطاع ہو سکتا ہے۔

**جواب** | ہاں ہو سکتا ہے۔ تسلسل دو قسم کا ہوتا ہے۔ تسلسل بالانقطاع اور  
 تسلسل بلا انقطاع۔ حدیث میں تسلسل بالانقطاع مراد ہے۔ اگر تسلسل بلا انقطاع  
 مانا جائے تو حدیث مذکور کی پیشین گوئی صحیح ثابت نہیں ہوگی۔  
 تسلسل بالانقطاع کا تاریخی ثبوت موجودہ زمانہ بھی ہے اس لئے کہیں بھی کوئی  
 طائفہ ایسا موجود نہیں جو اپنے دشمن پر غالب اور قاهر ہو۔

**اعتراض** | پوری اسلامی تاریخ میں "جماعۃ المسلمین" نام کی کوئی جماعت  
 نہیں۔

**جواب** | ہماری روشن ترین تاریخ عہد رسالت کی تاریخ ہے اور وہی ہمارے لئے  
 نمونہ بھی ہے، اُس عہد مبارک میں یہ نام موجود تھا اور اس نام سے جماعت موجود  
 تھی، صحیح بخاری کتاب العہدین ملاحظہ فرمائیں۔

**اعتراض** | امیر کے بجائے ایک حدیث میں لفظ سلطان آیا ہے جو کہ سیاسی اقتدار  
 کے ہم معنی ہے، یعنی سیاسی اقتدار والی جماعت کو چھوڑنا جاہلیت کی موت کو دعوت  
 دینا ہے۔



**جواب** | سلطان کے معنی سیاسی اقتدار کس لغت میں ہے، سلطان کے معنی حجت اور قوت کے ہیں اور امیر اپنی مرکزی حیثیت کی وجہ سے یقیناً ایک قوت ہوتا ہے۔ لوگ اس کے فیصلہ کو حجت مانتے ہیں، اس کے اشارے پر حرکت کرتے ہیں، اس کی سزاؤں اور نادہی کارروائیوں کو برداشت کرتے ہیں (تفصیل کے لئے ہمارا پمفلٹ "امیر کی اطاعت" ملاحظہ فرمائیں)۔

**اعتراض** | حدیث میں ہے کہ تم مسلمین کو ان ناموں سے پکارو جو نام اللہ عزوجل نے رکھے ہیں یعنی مسلمین، مؤمنین، عباد اللہ۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مسلمین کے علاوہ اور بھی نام ہیں لہذا صرف مسلمین نام پر اصرار کرنا لغو ہے۔

**جواب** | حدیث مذکور سے ثابت ہوا کہ مسلمین کو انہی ناموں سے پکارنا چاہیے جو اللہ تعالیٰ نے ان کے رکھے ہیں لیکن معترض صاحب آپ کا نام اہل حدیث تو اللہ عزوجل نے نہیں رکھا پھر آپ اس نام سے اپنے کو کیوں پکارتے ہیں۔ مزید برآں صفاتی ناموں سے ہمیں کب انکار ہے ہم تو کہتے ہیں کہ ذاتی نام صرف مسلم ہے اور اس سے آپ کو بھی انکار نہیں تو پھر جھگڑا کیسا؟

ہم صفاتی ناموں کا انکار نہیں کرتے ہم تو فرقہ وارانہ امتیازی ناموں کا انکار کرنے میں اور اس کی تائید میں آپ کوئی حدیث پیش نہیں کرتے اور جو حدیث پیش کرتے ہیں وہ آپ کے خلاف ہوتی ہے۔

اہل حدیث نام اللہ تعالیٰ نے نہیں رکھا تو پھر حدیث مذکور کی روشنی میں اسے معدوم کر دیجئے۔

**اعتراض** | امام البانی پر حدیث کی تصحیح و تضعیف میں مسعود صاحب نے بہت زیادہ اعتماد کیا ہے حالانکہ وہ مسعود صاحب کے نزدیک گمراہ ہیں۔

**جواب** | البانی صاحب یا کسی دوسرے کی تصحیح و تضعیف تو آپ لوگوں کے لئے نقل کی جاتی ہے تاکہ آپ ان کی تصحیح و تضعیف پر اعتماد کریں اور ہماری بات کی تائید کریں۔ اگر ہم اپنی تصحیح یا تضعیف نقل کریں تو شاید آپ تسلیم نہ کریں۔



ہمارے نزدیک البانی صاحب یا کسی دوسرے کی تصبیح یا تضعیف حتمی نہیں ہوتی۔ ہم بعض احادیث کی تصبیح یا تضعیف کے سلسلہ میں ان سے اختلاف بھی کرتے ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

رجب ۱۴۰۶ھ

سلسلہ اشاعت ۱۰۵

## سلیمان صاحب اور ان کا علم ان کی اپنی تحریرات کے آئینہ میں

سلیمان صاحب خطیب جامع مسجد الہمدیث سکھرنے جماعت المسلمین کے خلاف چند پمفلٹ شائع کئے ہیں۔ ان پمفلٹوں کا لفظ بہ لفظ جواب دینا تو ہمارا مقصد نہیں اور نہ ہمارے پاس اتنا فاضل وقت ہے کہ ہم تفصیل سے ان کا جواب دیں تاہم اجمالی طور پر ہم ان کی چند تحریرات پیش کر کے قارئین کرام کو بتانا چاہتے ہیں کہ وہ علم و دیانت کے کس مقام پر کھڑے ہیں۔

① سلیمان صاحب لکھتے ہیں :-

جماعت المسلمین کا کوئی مذہب نہیں۔

اس سرخی کے بعد وہ ہمارے پمفلٹ ”تبلیغی نصاب اور شرک“ کے ص ۲۲ کے حوالے سے لکھتے ہیں :-

”جو شخص بھی جماعت المسلمین میں شامل ہوتا ہے وہ صرف مسلم

ہوتا ہے۔ نہ اس کا کوئی مسلک ہوتا ہے، نہ کوئی مذہب، نہ

کوئی مکتب فکر ہوتا ہے اور نہ کوئی فرقہ وارانہ فقہ“

(جماعت المسلمین کی کمافی مصنفہ سلیمان صاحب ص ۷)

**جواب** | سلیمان صاحب نے ہمارے پمفلٹ کی مندرجہ بالا عبارت کے آگے دالی عبارت چھوڑ دی جو درج ذیل ہے :-

”اُس کا تو بس دین ہو تمہارے اور وہ دین اسلام ہوتا ہے۔ وہ صرف قرآن مجید اور احادیث صحیحہ کے احکام کا پابند اور توحید اور سنت پر گامزن ہوتا ہے۔“ (تبلیغی نصاب اور شرک ص ۲۲)

قارئین کرام خود ہی فیصلہ فرمائیں کہ سلیمان صاحب نے مذکورہ بالا عبارت کیوں نقل نہیں فرمائی۔

(۲) سلیمان صاحب اپنے ایک اشتہار میں لکھتے ہیں :-

۱۳۔ ”تَنَزُّم کا معنی کیا ہے۔ لازم پکڑو (اسٹیکر جماعت المسلمین) حالانکہ تنظم واحد مذکر حاضر ہے جس کے معنی ہیں لازم پکڑ تو ایک مرد۔

۱۴۔ ”فَاعْتَزَل کا معنی کیا ہے کہ علیحدہ رہو (اسٹیکر جماعت المسلمین) حالانکہ عربی کا ادنیٰ طالب علم بھی جانتا ہے فَاعْتَزَل واحد مذکر حاضر ہے جس کے معنی ہیں علیحدہ رہ۔

حدیث نبوی کے ان دونوں لفظوں کا ترجمہ صحیح کر لیا جاتا تو فرد واحد بنتا اور یہ حدیث جماعت پر چسپاں نہ ہوتی اس لئے ارشاد نبوی کے الفاظ کا ترجمہ بدل دیا گیا۔

(ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں تحریفات و تصرفات مصنفہ سلیمان صاحب)

**جواب** | معمولی اردو جاننے والا بھی اس بات کو جانتا ہے کہ اردو میں ”عموماً واحد مخاطب کے لئے ”تم“ ہی استعمال ہوتا ہے نہ کہ تو۔ افسوس ہے کہ سلیمان صاحب اس بات سے ناواقف ہیں اور تحریف کا الزام لگا رہے ہیں۔

**سلیمان صاحب سے چند سوال** | اگر ہزاروں مسلم فرد افراد فرقوں سے علیحدہ ہو جائیں تو وہ جماعت بنا کر رہیں یا علیحدہ علیحدہ؟ اگر جماعت بنانے ہیں تو بقول اُن کے حدیث کی خلاف ورزی ہوگی اور اگر نہیں بناتے تو



فرقے قیامت تک دندناتے رہیں گے۔ کیا سلیمان صاحب کو یہ چیز پسند ہے؟  
 کیا سلیمان صاحب کو اعلائے کلمۃ الحق پسند نہیں؟ کیا اسلام اجتماعی زندگی  
 کا تقاضا کرتا ہے یا بھیر بکری کی طرح انفرادی زندگی کا؟  
 (۳) سلیمان صاحب لکھتے ہیں :-

مسعود صاحب بوالہ نساء اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَ  
 رَسُوْلُهُ کے بعد لکھتے ہیں : اَحْسَنُ الْكَلَامِ كَلَامُ اللّٰهِ وَ  
 اَحْسَنُ الْهُدٰی هُدٰی مُحَمَّدٍ (دعوات المسلمین)  
 حالانکہ نساء میں یہ دعاء اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَ  
 رَسُوْلُهُ کے بعد نہیں بلکہ الصلوٰۃ علی النبی (درود شریف) کے بعد ہے۔  
 نساء شریف صفحہ ۱۹۳ جلد ۱ مشکوٰۃ صفحہ ۸۸ جلد ۱ یعنی محدثین کے  
 ہاں تشہد پڑھنے کا مطلب یہ ہے کہ تشہد میں درود شریف کے بعد یہ  
 دعاء پڑھی جائے، جس جگہ مسعود صاحب نے یہ دعاء لکھی ہے اس  
 جگہ اس دعاء کو پڑھنے کا محدثین میں سے کوئی بھی قائل نہیں۔ یہ مسعود  
 صاحب کی حدیث نبویؐ میں کھلی تحریف ہے۔ (تحریف احادیث نبوی  
 صلی اللہ علیہ وسلم مصنف سلیمان صاحب ص ۸)

**جواب** ہم اس حدیث کو مع باب کے ذیل میں نقل کر رہے ہیں :-

نوع اخر من الذکر بعد التشہد - اخبرنا عمرو  
 بن علی قال حدثنا یحییٰ عن جعفر بن محمد عن ابیہ عن جابر  
 ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان یقول فی صلوٰۃ بعد التشہد:  
 احسن الکلام کلام اللہ واحسن الہدی ہدی محمد صلی اللہ علیہ  
 وسلم (نساء مطبوعہ مکتبہ رحیمیہ دہلی ۱۳۵۷ھ جلد اول ص ۱۲)

قارئین کرام باب میں بھی ”بعد التشہد“ کے الفاظ اور حدیث کے  
 کے متن میں بھی ”بعد التشہد“ کے خط کشیدہ الفاظ پر غور فرمائیں اور فیصلہ  
 فرمائیں کہ یہ دعاء تشہد کے بعد ہے یا درود شریف کے بعد۔ امام نسائی



جیسے محدث نے باب میں نقل کیا کہ یہ دعاء تشہد کے بعد ہے لیکن سلیمان صاحب فرماتے ہیں کہ ”محدثین میں سے کوئی بھی اس کا قائل نہیں“ اگر بالفرض یہ مان بھی لیا جائے کہ محدثین میں سے کوئی بھی اس کا قائل نہیں تو حدیث کے متن میں تو یہ چیز موجود ہے اور وہی حقیقت میں دلیل ہے۔  
قارئین کرام فیصلہ فرمائیں کہ اس دعاء کو درود شریف کے بعد لکھ کر تحریف کس نے کی؟

سلیمان صاحب نے اسأل اللہ الجنة واعوذ باللہ من النار کی طرف اشارہ کیا ہے لیکن اس حدیث کے متعلق امام نسائیؒ کا فیصلہ ہے: ”والحدیث خطأ“ (نسائی جلد اول ص ۱۴۳) کیونکہ بقول امام نسائیؒ یہ حدیث خطا ہے لہذا ہم نے اس حدیث کو نقل نہیں کیا۔ اگر یہ حدیث صحیح ہوتی تو ہم اس کو بھی اپنی دعاء میں شامل کرتے اور ضرور کرتے۔

(۴) سلیمان صاحب لکھتے ہیں کہ ہم نے بعض آیات کا ترجمہ غلط کیا ہے۔ مثال کے طور پر ہم نے ”وَاللّٰهُ عَلٰی كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدٌ“ کا ترجمہ ”اللہ ہر چیز پر حاضر و ناظر ہے“ کیا ہے۔ سلیمان صاحب کہتے ہیں: یہ ترجمہ غلط ہے (قرآن مجید کی توہین مصنفہ سلیمان صاحب ص ۳)

**جواب** | اہل حدیث کے مسلمہ بزرگ شاہ رفیع الدین صاحب محدث دہلوی اس آیت کا ترجمہ اس طرح کرتے ہیں :-  
”اور اللہ اوپر ہر چیز کے حاضر ہے“

(ترجمہ سورہ بروج آیت ۵۔ قرآن مجید مترجم، پانچ ترجمہ والا مطبوعہ)

اقبال پرٹنگ ورکس دہلی ص ۹۷

اب معلوم نہیں سلیمان صاحب شاہ رفیع الدین صاحب کے متعلق کیا کہیں گے۔

شاہ ولی اللہ صاحب کا ترجمہ | اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :-

وَاللّٰهُ شَهِيدٌ عَلٰی مَا تَعْمَلُوْنَ ۝ و خدا حاضر است بر آنچه کنید

(ال عمران - ۹۸)

سلیمان صاحب بتائیں کیا شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی نے بھی تحریف کی؟

سلیمان صاحب کا کہنا ہے کہ ”شہید“ کا ترجمہ گواہ ہے نہ کہ حاضر ناظر۔ وہ ذرا غور کرتے تو انہیں معلوم ہوتا کہ کسی واقعہ کا گواہ صرف اُسی حالت میں گواہ ہو سکتا ہے جبکہ وہ اس واقعہ کی جائے وقوع پر حاضر ہو اور اُسے دیکھ رہا ہو یعنی اس واقعہ کا ناظر ہو۔

المنجد میں ہے ”(الشہید والشہید) الشاہد“ (المنجد ص ۴۱۷) المنجد ہی میں یہ بھی ہے کہ ”الشاہد“ شہد یشہد شہوداً سے اسم فاعل ہے۔ ”شہدۃ“ کے معنی ”حضرہ“ (اس پر حاضر ہوا) ”شہد الشیء“ کے معنی ہیں ”عاینہ“ (اس کو دیکھا) (المنجد ملخصاً)

المنجد سے ثابت ہوا کہ ”شاہد“ کے معنی ”حاضر ناظر“ ہیں اور کیونکہ ”شاہد“ اور ”شہید“ ہم معنی ہیں لہذا ”شہید“ کے معنی بھی ”حاضر ناظر“ ہوئے۔ لغت کی دوسری مشہور کتاب محیط المحيط میں ہے :-

شہد المجلس یشہد شہوداً حضرہ واطلع علیہ وعاینہ وشہد الجمعة اور کھا فہو شاہد (ص ۴۸۵) یعنی ”شہود“ کے معنی حاضر ہونا، مطلع ہونا اور دیکھنا ہیں لہذا ”شاہد“ کے معنی حاضر ناظر ہوئے۔

اسی کتاب میں ہے ”الشہید والشہید الشاہد والاین فی شہادۃ (ص ۴۸۶) یعنی ”شہید“ کے معنی شاہد اور شہادت میں امانت دار کے ہیں اور شاہد کے معنی صاحب محیط نے پہلے ہی بتا دیے ہیں یعنی حاضر ناظر (اوپر بیان کردہ عبارت ملاحظہ فرمائیں)۔ صاحب محیط آگے لکھتے ہیں : الشہید فی الاصل من الشہود ای الحضور او من الشہادۃ ای الحضور مع المشاہدۃ بالبصر او البصیرۃ (محیط المحيط ص ۴۸۶) یعنی ”شہید“ اصل میں ”شہود“ سے (نکلا) ہے یعنی حاضر ہونا (سے نکلا ہے) یا ”شہادۃ“ سے۔ (ماخوذ) ہے یعنی آنکھ کے مشاہدہ یا بصیرۃ کے ساتھ حاضر ہونا (سے ماخوذ ہے)۔



قرآن مجید سے ”شہید“ کے معنی ”حاضر“ ہونے کا ثبوت |

① اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :-

وَإِنْ مِنْكُمْ لَمَنْ يَبْطِئُ  
فَإِنْ أَصَابَتْكُمْ مُصِيبَةٌ  
قَالَ قَدْ أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيَّ إِذْ لَمْ  
أَكُنْ مَعَهُمْ شَهِيدًا

(النساء - ۷۲)

اور تم میں کوئی (کوئی) ایسا (منافق) بھی ہے  
(جس نے قسم کھالی ہے) کہ (وہ جہاد میں جانے  
سے) ضرور پیچھے ہٹ رہے گا پھر اگر تم پر  
(کوئی) مصیبت آپڑے تو کہنے لگے کہ خدا  
نے مجھ پر (بڑا ہی) احسان کیا کہ میں ان (مسلمانوں)  
کے ساتھ موجود نہ تھا۔

(مشہور الحدیث عالم ڈپٹی نذیر احمد دہلوی  
کا ترجمہ)

آیت مذکورہ کی خط کشیدہ عبارت کے مزید ترجمے :-

- ۱۔ کہ نبودم باینہا حاضر (ترجمہ شیخ سعدی)
- ۲۔ چوں نبودم حاضر بایشان (ترجمہ شاہ ولی اللہ صاحب)
- ۳۔ نہ ہوا میں ساتھ ان کے حاضر (ترجمہ شاہ رفیع الدین صاحب)
- ۴۔ میں ان لوگوں کے ساتھ حاضر نہ ہوا (ترجمہ اشرف علی تھانوی)

② اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :-

أَمْ كُنْتُمْ شُهَدَاءَ إِذْ حَضَرَ  
يَعْقُوبَ الْمَوْتُ (البقرة - ۱۳۳)

بھلا کیا تم اُس وقت موجود تھے جب یعقوب  
کے سامنے موت آکھڑی ہوئی (ترجمہ ڈپٹی  
نذیر احمد)

آیت مذکورہ کے مزید ترجمے :-

- ۱۔ آیا شاہ حاضر ہو دید آں ہنگام کہ آمد یعقوب را مرگ او  
(ترجمہ شیخ سعدی)
- ۲۔ آیا حاضر ہو دید آنگاہ کہ پیش آمد یعقوب را موت  
(ترجمہ شاہ ولی اللہ)



۳۔ کیا تھے تم حاضر جس وقت آئی یعقوب کو موت

(ترجمہ شاہ رفیع الدین صاحب)

۴۔ کیا تم (اس وقت) موجود تھے جس وقت یعقوب علیہ السلام کا آخری وقت آیا (ترجمہ اشرف علی تھانوی)

الغرض قرآن مجید، شاہ ولی اللہ صاحب اور شاہ رفیع الدین صاحب وغیرہ کے تراجم اور لغت کی کتابوں سے ثابت ہو گیا کہ ”شہید“ کے معنی ”حاضر“ ہیں۔ سلیمان صاحب کو اس ترجمہ پر غالباً اس لئے اعتراض ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کو حاضر نہیں مانتے، غائب مانتے ہیں۔

واضح رہے کہ ہم نے بعض مقامات پر قرآن مجید کی آیات کو استشہاداً پیش کیا ہے۔ ترجمہ نہیں کیا۔ سلیمان صاحب یہ تاثر دے رہے ہیں کہ ہم نے ترجمہ غلط کیا ہے۔ (۵) ہماری کسی پرانی تحریر سے سلیمان صاحب نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ ہم نے اہلحدیث کو جماعت حقہ تسلیم کی ہے (جماعت اہلحدیث کا ثبوت مصنفہ سلیمان صاحب)

**جواب** اس سلسلہ میں عرض ہے کہ ہم پہلے قبر پرست تھے، قبروں کا طواف کرتے تھے اور اس کو حق سمجھتے تھے۔ اب اگر قبر پرست حضرات ہماری پرانی تحریر یا تقریر سے قبر پرست فرقہ کی حقانیت ثابت کریں تو کیا ہم اس فرقہ کی حقانیت کو اب بھی تسلیم کر لیں؟ اگر نہیں تو فرق کی کیا وجہ ہے؟

قارئین کرام تو اس اصول سے بخوبی واقف ہوں گے کہ جب کوئی شخص کسی چیز سے تائب ہو جاتا ہے تو اس چیز کی موافقت میں اس شخص کی تمام تحریریں اور تقریریں کالعدم ہو جاتی ہیں۔ کاش سلیمان صاحب بھی اس اصول کو تسلیم کر لیتے۔ جب ہم اہلحدیث فرقہ سے تائب ہو گئے اور اُسے ناحق سمجھنے لگے تو اب ہماری پرانی تقریریں اور تحریریں جو فرقہ اہلحدیث کی حمایت و برتری کے سلسلہ میں تھیں کالعدم ہوں گی۔

نمونہ کے طور پر ہم نے سلیمان صاحب کے چند اعتراضات کا جواب

دے دیا ہے۔ نتیجہ اخذ کرنے کے لئے یہی کافی ہے۔

سلیمان صاحب غالباً یہ سمجھتے ہیں کہ جماعت المسلمین پر چند غلط اعتراض کر کے وہ جماعت المسلمین کو ناحق پر اور جماعت اہل حدیث کو حق پر ثابت کرنے میں کامیاب ہو جائیں گے لیکن آخر کب تک؟ وہ جماعت المسلمین کو کچھ عرصہ کے لئے بدنام تو کر دیں گے لیکن وہ جماعت اہل حدیث کو فرقہ واریت کی چھاپ سے نہیں بچا سکتے۔ قرآن مجید اور حدیث نبوی کا نام تو زبان پر ہے لیکن قرآن مجید اور حدیث نبوی سے وہ آج تک اپنے نام کا ثبوت پیش نہیں کر سکے اور نہ متعدد مسائل کا جو اس فرقہ کی کتابوں میں درج ہیں قرآن مجید اور حدیث نبوی سے ثبوت دے سکے اور انشاء اللہ العزیز آئندہ بھی نہ دے سکیں گے فلشہ الحمد۔

## انتباہ

- ۱۔ جماعت المسلمین کا ڈاکٹر مسعود الدین عثمانی سے کوئی تعلق نہیں ہے۔
- ۲۔ کراچی میں جماعت المسلمین کا مرکز ہے۔ کراچی کے کسی علاقہ یا محلہ میں جماعت المسلمین کی کوئی شاخ نہیں ہے۔

مسعود احمد  
امیر جماعت المسلمین



بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

## الجماعة القديمة بجواب الفرقة الجديدة

### تہذیب

جب کتاب ”الفرقة الجديدة“ مصنفہ عبداللہ دامانوی صاحب نظر سے گزری تو میں نے اس کے مندرجات پر اپنے دروس میں تبصرہ کیا۔ میں نے اپنے تبصروں میں بتایا کہ یہ کتاب درحقیقت ہمارے خلاف نہیں بلکہ ہمارے موافق ہے۔ یہ ہمارا علمی محاسبہ نہیں بلکہ اس کے مصنف کا خود اپنا علمی محاسبہ ہے۔ قارئین کرام پڑھ کر خود فیصلہ کر لیں گے کہ اس کتاب میں لفاظی، دشنام طرازی اور الزام تراشی کے سوا کچھ نہیں۔ حقائق کو مسخ کیا گیا ہے۔ اقوال الرجال کو دلائل کی حیثیت سے پیش کر کے اس کو نام نہاد علمی محاسبہ کا نام دیا گیا ہے، جگہ جگہ جماعت المسلمین کی تائید کی گئی ہے لہذا میں نے فیصلہ کیا کہ اس کتاب کا تحریری جواب دینے کی ضرورت نہیں، دوسرے یہ کہ ایسے لایعنی محاسبوں کے جواب دینے کی فرصت کسے ہے۔ یہ کام تو دہی کر سکتا ہے جس کے پاس فاضل وقت ہو اور وہ اس وقت کو کام میں لانے کے لئے کوئی مفید کام نہ کر سکے تو غیر مفید کام ہی سے اپنے وقت کو کام میں لا کر اپنا دل بہلائے اور شہرت حاصل کرے۔

چند دن ہوئے کہ عبدالملک صاحب نے مجھ سے بیان کیا کہ پروفیسر محمد یامین صاحب نے ان سے ”الفرقة الجديدة“ کا نام لے کر یہ تاثر دیا کہ اس کتاب نے جماعت المسلمین کی کمر توڑ دی ہے۔ جماعت المسلمین اس کتاب کا جواب دینے سے عاجز ہے اور یہ کتاب اب تک لا جواب چلی آرہی ہے۔



یابین صاحب کے ان تاثرات نے مجھے چونکا دیا اور میں سمجھ گیا کہ ایسے لوگوں کی کمی نہیں جو ہر چیز کو ایک خاص رنگ کی عینک سے دیکھنے کے عادی ہیں یا اگر عادی نہیں ہیں تو جان بوجھ کر دوسرے کو نیچا دکھانے یا بدنام کرنے کے لئے غیر اہم چیز کو اہم چیز قرار دیتے ہیں اور شکست کو فتح ظاہر کرنے میں مہارت رکھتے ہیں۔ الغرض میں نے فیصلہ کیا کہ اس کا مختصر جواب دے ہی دوں۔ ”الجماعة القدیمة“ عبداللہ دامالوی صاحب کی کتاب کا مختصر اور جامع جواب ہے۔

الحمد للہ جماعت المسلمین ترقی کر رہی ہے اور انشاء اللہ العزیز ترقی کرتی رہے گی۔ البتہ جماعت المسلمین کی ترقی سے جو مخالفین بوکھلا گئے ہیں وہ اس کی ترقی کو الزامات لگا کر روکنے کی کوشش میں مصروف ہیں لیکن انشاء اللہ العزیز وہ دن دور نہیں جس دن وہ اپنی مخالفانہ سرگریہوں پر نادم ہوں گے۔  
نوٹ :- کتاب الفرقۃ الجدیدۃ کا مقدمہ محمد زبیر علی صاحب نے لکھا ہے۔

خادم الاسلام والمسلمین  
مسعود احمد

سال طباعت ۱۴۱۳ھ مطابق ۱۹۹۱ء

## الجماعة القديمة بجواب الفرقة الجديدة

غلط فہمی | مقدمہ کتاب میں محمد زبیر علی صاحب لکھتے ہیں :-  
 ”یہ نوزائیدہ فرقہ اپنے علاوہ تمام مسلمین کو گمراہ سمجھتا ہے“ (الفرقة الجديدة

(ص ۶)

ازالہ | ہم مسلمین کو گمراہ نہیں سمجھتے۔ یہ بہتان ہے۔

غلط فہمی | زبیر صاحب لکھتے ہیں :-

یہ فرقہ محدثین (اہل الحدیث) کا سخت دشمن ہے۔ (الفرقة الجديدة ص ۶)  
ازالہ | هَذَا بُهْتَانٌ عَظِيمٌ۔ ہم محدثین سے بے حد محبت کرتے ہیں  
 اور ان کا بہت احترام کرتے ہیں۔

غلط فہمی | محمد زبیر علی صاحب لکھتے ہیں :-

کراچی کے ایک نوزائیدہ فرقہ نے کافی عرصہ سے اہل الحدیث والآخر کے  
 خلاف تکفیر و تبذیل اور طعن و تشنیع کا بازار گرم کر رکھا ہے۔ (الفرقة الجديدة  
 ص ۷)

ازالہ | ہم نے کسی کو کافر نہیں کہا۔ یہ ہم پر بہتان ہے۔ زبیر صاحب ہماری  
 تحریر پیش کریں۔

قولہ | زبیر صاحب لکھتے ہیں :-

محدثین کی جماعت کو اہل حدیث کہا جاتا ہے (ص ۷)

جواب | ہم بھی محدثین کو اہل الحدیث کہتے ہیں۔ زبیر صاحب کا مذکورہ بالا  
 قول ہماری تائید ہے نہ کہ تردید۔  
قولہ | زبیر صاحب لکھتے ہیں :-

آج تک کسی مسلم عالم نے اس بات کا انکار نہیں کیا کہ ”اہل الحدیث سے  
 مراد محدثین کی جماعت ہے۔“ (ص ۷)

جواب | یہ بھی ہماری تائید ہے۔ ہم بھی اہل الحدیث سے محدثین ہی مراد لیتے ہیں۔  
غلط فہمی | زبیر صاحب لکھتے ہیں :-

ایک روایت میں ہے کہ : میری امت کا ایک طائفہ یعنی گروہ ہمیشہ حق پر غالب رہے گا۔ (ص ۱)

آگے لکھتے ہیں : ”یہ برتری دلائل کے ساتھ ہوگی“ (ص ۱)

ازالہ زبیر صاحب ، حدیث میں تو دلائل کا لفظ نہیں ہے۔ حدیث میں تو یہ الفاظ ہیں :-

① يُقَاتِلُ عَلَيْهِ عَصَابَةٌ مِنَ الْمُسْلِمِينَ (صحیح مسلم عن جابر بن سمرہ) مسلمانوں کی ایک جماعت دین کے لئے لڑتی رہے گی۔

② يُقَاتِلُونَ عَلَى الْحَقِّ ظَاهِرِينَ عَلَى مَنْ نَاوَاهُمْ إِلَى يَوْمِ الْقِيَمَةِ (صحیح مسلم عن معاویہ) قیامت تک حق کے لئے لڑتے رہیں گے (اللہ اپنے دشمن پر غالب رہیں گے۔)

③ يُقَاتِلُونَ عَلَى الْحَقِّ (صحیح مسلم عن جابر بن عبد اللہ) حق کے لئے جنگ کرتے رہیں گے۔

④ يُقَاتِلُونَ عَلَى أَمْرِ اللَّهِ قَاهِرِينَ لِعَدُوِّهِمْ (صحیح مسلم عن عقبہ) اللہ کے دین کے لئے لڑتے رہیں گے، اپنے دشمن پر قاہر رہیں گے۔  
زبیر صاحب جنگ و جدال کو آپ نے دلائل میں تبدیل کر دیا۔ ہماری مخالفت سے اگر آپ کو ڈر نہیں لگتا تو تحریف معنوی کے انجام سے تو ڈریئے۔  
زبیر صاحب ہمیں آپ کی مجبوری کا بھی علم ہے، آپ تحریف معنوی نہ کریں  
تو آخر آپ کیا کریں۔ حدیث کی زد سے اپنے آپ کو بچانے کی آپ کے پاس یہ ایک صورت ہے۔

قولہ زبیر صاحب لکھتے ہیں :-

امام مسلم نے بھی محدثین کو اہل حدیث کہا (ص ۱)

جواب ہم بھی یہی کہتے ہیں۔ یہ ہماری تائید ہے۔ بلاشبہ محدثین ہی اہل حدیث تھے۔

قولہ زبیر صاحب لکھتے ہیں :-



طائفہ منصورہ والی حدیث کا مصداق اصحاب الحدیث، اہل العلم،  
الحدیث ہیں (یعنی محدثین ہیں) (ص ۸)

جواب | زبیر صاحب یہ آپ کیا لکھ رہے ہیں۔ محدثین مثلاً امام بخاری، امام  
مسلم، امام ابوداؤد وغیرہ نے کہاں اور کب جنگ کی؟  
قولہ | زبیر صاحب لکھتے ہیں :-

مسعود صاحب کے نزدیک حافظ ابن حجر رحمہ اللہ دین اسلام سے خارج  
ہیں (ص ۹)

جواب | یہ ہم پر الزام ہے۔ کتاب کا حوالہ دینے سے یہ لازم نہیں آتا کہ کتاب  
کا مصنف بھی کسی خاص فرقہ سے تعلق رکھتا ہے۔  
قولہ | زبیر صاحب لکھتے ہیں :-

اس بات سے کوئی بھی انکار نہیں کر سکتا کہ ہمارا ذاتی نام مسلم ہی ہے۔  
(ص ۱۰)

جواب | یہ ہماری تائید ہے۔ ہم بھی یہی کہتے ہیں۔ فلاح الحمد۔  
قولہ | زبیر صاحب لکھتے ہیں :-

ان دلائل سے معلوم ہوا کہ مسلمین کے اور بھی بہت سے (صفاتی) نام ہیں۔  
(ص ۱۱)

جواب | ہماری بحث صفاتی نام سے نہیں۔ صفاتی نام ذاتی نام نہیں بن سکتے۔  
ہمارا دعویٰ اچھی طرح سن لیجئے اور وہ یہ ہے :- کسی صفاتی نام کو فرقہ دارانہ  
امتیازی نام کی حیثیت دینا نئے فرقے کو جہنم دینا ہے، ہم تو فرقہ دارانہ امتیازی  
نام کی مخالفت کرتے ہیں۔ عالم کو عالم کہا جاسکتا ہے لیکن وہ اس کا ذاتی و امتیازی  
نام نہیں بن سکتا۔

قولہ | فرقہ مسعودیہ والے انتہائی دیدہ دلیری کے ساتھ محدثین کی تکفیر کر  
رہے ہیں (ص ۱۲)

جواب | یہ بہتان عظیم ہے۔

قولہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا فَاذْعُوْا بِدَعْوَى اللّٰهِ  
الَّذِیْ سَمَّاکُمْ الْمُسْلِمِیْنَ الْمُؤْمِنِیْنَ عِبَادَ اللّٰهِ (ص ۱۵)  
ترجمہ :- پس پکارو اس اللہ کی پکار کے ساتھ جس نے تمہارا نام مسلمان  
مؤمنین - عباد اللہ رکھا ہے (ص ۱۵)

جواب | یہ ترجمہ کس طرح صحیح ہو سکتا ہے جبکہ قرآن مجید میں صرف "هُوَ سَمَّاکُمْ  
الْمُسْلِمِیْنَ (الحج - ۷۸) ہے۔ قرآن مجید میں کہیں بھی "هُوَ سَمَّاکُمْ  
الْمُؤْمِنِیْنَ" یا "هُوَ سَمَّاکُمْ عِبَادَ اللّٰهِ" نہیں ہے۔ اگر یہ  
کہا جائے کہ ان ناموں سے اللہ تعالیٰ نے پکارا ہے، یہ مسلمان کے صفاتی  
نام ہیں تو بحث صفاتی نام کی نہیں ہے۔ ذاتی نام کی بحث ہے۔ معاملہ کو الجھا  
کیوں رہے ہیں۔ مزید برآں اس حدیث سے معلوم ہوا کہ صفاتی نام یا القاب  
بھی وہی ہونے چاہئیں جو اللہ تعالیٰ نے رکھے ہیں۔ الغرض آپ کا نام اس لحاظ سے  
بھی غلط ہوا کیونکہ یہ نام اللہ تعالیٰ نے رکھا اور نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و  
سلم نے۔ آپ کو چاہیے کہ اس حدیث کی روشنی میں اپنے مذہبی نام کو کالعدم  
کردیں۔ یہ حدیث تو ہماری تائید کرتی ہے نہ کہ آپ کی۔  
قولہ | زبیر صاحب لکھتے ہیں :-

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ..... میری امت دو فرقے ہو جائے  
گی اور ان کے درمیان ایک نکلنے والی جماعت نکلے گی (یعنی مارقتہ) اس  
مارقتہ کو (دونوں فرقوں میں سے) جو حق سے زیادہ فریب ہوگا قتل کرے گا۔  
(ص ۱۶)

جواب | اس حدیث کو بلاوجہ پیش کیا گیا ہے۔ ان دو فرقوں کو تو رسول اللہ  
صلی اللہ علیہ وسلم نے حق کے قریب فرمایا تھا لہذا وہ حق پر تھے۔ کیا وہ  
۷۲ فرقے بھی حق پر ہیں جن کے متعلق فرمایا تھا "سب دوزخی ہیں" اگر نہیں تو  
مذکورہ بالا حدیث کو پیش کرنا لایعنی ہے۔ ان دونوں احادیث میں کیا مناسبت  
ہے۔



اچھا یہ بتائیے لغوی اعتبار سے ”فرقہ“ اور شرعی اعتبار سے ”فرقہ“ میں فرق ہے یا نہیں۔ آپ کی پیش کردہ حدیث میں فرقہ کا لفظ اپنے لغوی معنوں میں استعمال ہوا ہے، شرعی معنی میں استعمال نہیں ہوا۔ آپ کی پیش کردہ حدیث میں جن دو فرقوں کا ذکر ہے کیا ان کے علیحدہ علیحدہ مذاہب اور مسالک تھے۔ اگر نہیں تھے تو وہ دینی فرقے نہیں تھے۔ انتظامی امور میں اختلاف سے دو گروہ عارضی طور پر وجود میں آگئے تھے اور وہ بالآخر ختم ہو گئے۔ کیا آپ بھی اپنے فرقوں کو اس حدیث کی روشنی میں ختم کرنے کے لئے تیار ہیں۔ اگر نہیں تو یہ حدیث آپ کے خلاف ہے اور ہمارے موافق۔

قولہ زبیر صاحب لکھتے ہیں :-

امت کا ایک طائفہ (یعنی اہل حق کی جماعت) قیامت تک ہمیشہ بخیر انقطاع باقی رہے گا (ص ۱۶)

جواب | اس طائفہ کی خصوصیات ص پر بیان ہو چکی ہیں یعنی وہ طائفہ حق کے لئے لڑتا رہے گا، لوگوں پر غالب ہوگا، دشمن پر قاهر ہوگا۔ زبیر صاحب مہربانی کر کے بتائیے کہ وہ طائفہ آج کل کہاں لڑ رہا ہے اور کون سے دشمن پر غالب اور قاهر ہے۔

قولہ زبیر صاحب تحریر فرماتے ہیں :-

حذیفہ رضی اللہ عنہ سے ایک مرفوع روایت ہے کہ اگر اس وقت زمین میں کوئی اللہ کا خلیفہ ہو تو ”فالزمہ“ اس کو لازم پکڑو (ص ۱۷)

جواب | صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں اس حدیث کے الفاظ یہ ہیں :-

تَلْزَمُ جَمَاعَةُ الْمُسْلِمِينَ وَإِمَامَهُمْ

تو اب یہ بتائیے کہ آپ نے مسند امام احمد کے حوالہ سے جو الفاظ لکھے ہیں وہ صحیح ہیں یا وہ الفاظ صحیح ہیں جو متفق علیہ روایت میں ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کون سے الفاظ فرمائے تھے۔ حدیث تو ایک ہی ہے تو پھر الفاظ بھی ایک ہی ہونے چاہیے تھے۔ کیا جو حدیث ساتوں درجوں میں



سے کسی درجہ میں بھی صحیح نہ ہو اس کے ذریعہ آپ محض اپنے مطلب کی خاطر صحیحین کی حدیث کو مضطرب المتن بنا رہے ہیں۔  
قولہ | زبیر صاحب لکھتے ہیں :-

اہل الحدیث کا نام ان کے نزدیک بدعت ہوا لہذا بخاری وغیرہ بدعتی ٹھہرے  
 (ص ۱۸)

جواب | امام بخاریؒ نے اہل الحدیث کا لفظ محدثین کے لئے استعمال کیا ہے، کسی فرقہ وارانہ گروہ کے لئے استعمال نہیں کیا لہذا امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ بدعتی نہیں ہوئے۔

قولہ | عبداللہ صاحب لکھتے ہیں :-

اس جماعت کا لٹریچر اس لحاظ سے قابل تعریف ہے کہ اس میں عموماً احادیث صحیحہ کا التزام کیا گیا ہے اور یہ لٹریچر حقیقتاً علوم الناس کے لئے بہت مفید ہے (ص ۲۲)

جواب | یہ ہماری تائید ہے۔

قولہ | عبداللہ صاحب لکھتے ہیں :-

موصوف خود بھی جماعت المسلمین سے اسلامی حکومت ہی مراد لیتے ہیں چنانچہ انہوں نے منہاج المسلمین میں خلافت کے ضمن میں ایک عنوان جماعت المسلمین کا بھی قائم کیا ہے (ص ۲۶)

جواب | ہماری منشاء کے خلاف ہماری تحریر کے معنی کم از زیادتی ہے ہمارے مضمون کا پورا عنوان یہ ہے :-

خلافت اور اس کے متعلقات

جماعت المسلمین کا قیام یقیناً خلافت کے متعلقات میں سے ہے کیونکہ جماعت المسلمین ہی خلافت کا پیش خیمہ ہوتی ہے۔

قولہ | عبداللہ صاحب لکھتے ہیں :-

امام بنانا صرف اللہ تعالیٰ کا کام ہے اب یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ موصوف

کو جماعت المسلمین کا امام کس نے بنایا (ص ۲۹)  
**جواب** | عبداللہ صاحب آپ کیوں قارئین کو دھوکا دے رہے ہیں۔ جہاں  
 ہم نے یہ لکھا ہے کہ امام بنانا اللہ تعالیٰ کا کام ہے وہاں یہ بھی لکھ دیا ہے  
 کہ امام سے مراد وہ امام نہیں جو امیر یا حکمران ہو بلکہ  
 امام سے مراد وہ امام ہے جسے اللہ تعالیٰ نے منصب امامت پر مرفراز  
 فرمایا ہو، جس کا ہر حکم واجب الاتباع ہو، جس کا ہر فقرہ ضابطہ حیات ہو، جس  
 کا ہر فعل مشعل ہدایت ہو وغیرہ وغیرہ۔

**قولہ** | عبداللہ صاحب تحریر فرماتے ہیں :-  
 ابراہیمؑ اور اسمعیلؑ نے دعا مانگی تھی کہ اے اللہ تو ہمیں اپنا مسلم  
 (اطاعت گزار) بنادے (ص ۳۰)

**جواب** | ترجمہ صحیح نہیں ہے۔ اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ دعاء کرتے وقت وہ  
 مسلم نہیں تھے اور یہ سراسر باطل ہے۔  
 صحیح ترجمہ یہ ہے کہ ”اے ہمارے رب، ہمیں اپنا مسلم بنائے رکھ یعنی  
 ہمیں توفیق دے کہ ہم آئندہ بھی تیرے مسلم رہیں۔“  
 قرآن مجید اور احادیث نبوی کا صحیح ترجمہ معلوم کرنے کے لئے جماعت  
 المسلمین کی طرف رجوع کیا کیجئے۔ یہ ہماری چیزیں ہیں اور ہم ہی ان کا صحیح  
 مطلب جانتے ہیں۔

**قولہ** | عبداللہ صاحب تحریر فرماتے ہیں :-  
 ایک طرف تو موصوف کسی کو مسلم ماننے کے لئے تیار نہیں اور دوسری طرف  
 ایک غیر اسلامی حکومت سے اپنے آپ کو رجسٹرڈ بھی کر والیا (ص ۳۱)  
**جواب** | عبداللہ صاحب کیا آپ ثابت کر سکتے ہیں کہ غیر اسلامی حکومت سے  
 رجسٹرڈ کرنا حلال ہے۔ حکومت نے اعلان کیا کہ رجسٹرڈ جماعتوں کو زمین دی جائے  
 گی۔ ہم نے ان کے رجسٹر میں اپنا نام درج کر دیا اور زمین خرید لی۔ اس میں  
 کوئی قباحت نہیں۔



اچھا عبداللہ صاحب یہ بتائیے نبی کا کسی غیر مسلم حکومت کا وزیر بننا کیسا ہے  
یا کسی عالم کا سکھ حکومت کا جج بننا کیسا ہے؟  
قولہ عبداللہ صاحب لکھتے ہیں :-

موصوف کی جماعت کا نام جماعت المسالین عربی قواعد کے لحاظ سے بھی غلط  
ہے کیونکہ عربی میں جماعت چھوٹی تاء، تاء مدورہ یا تاء مدورہ کے ساتھ استعمال  
ہوتی ہے (ص ۳)

جواب عبداللہ صاحب بڑی تار دو زبان میں تو استعمال ہوتی ہے لہذا اردو  
زبان میں ہم نے اپنا نام صحیح لکھا ہے۔ آپ بتائیے اگر انگریزی زبان میں جماعت  
لکھا جائے تو آپ T استعمال کریں گے یا ؤ استعمال کریں گے۔ اگر انگریزی  
میں T سے لکھنا صحیح ہے تو اردو میں ت سے لکھنا صحیح ہے۔ ہم جب عربی  
زبان میں جماعت لکھتے ہیں تو جماعت ہی لکھتے ہیں۔ فرمائیے کیا اعتراض ہے؟  
عربی زبان میں ؤ کی جگہ ت بھی استعمال ہوتی ہے۔ قرآن مجید میں جگہ جگہ  
ؤ کی جگہ ت استعمال ہوتی ہے۔ ہم ذیل میں ان مقامات کی نشاندہی کرتے  
ہیں جہاں ؤ کی جگہ ت استعمال ہوتی ہے۔

- ۱۔ شَجَرَتِ الزَّقْنَمِ (دخان - ۴۲) ۲۔ امْرَأَتِ الْعَزِيزِ (یوسف - ۵۱)
- ۳۔ امْرَأَتِ فِرْعَوْنَ (قصص - ۹) ۴۔ امْرَأَاتِ نُوحٍ (تحریم - ۱۰)
- ۵۔ امْرَأَاتِ لُوطٍ (تحریم - ۱۰) ۶۔ امْرَأَاتِ فِرْعَوْنَ (تحریم - ۱۱)
- ۷۔ رَحِمْتَ اللّٰہِ (اعراف - ۵۶) ۸۔ رَحِمْتَ اللّٰہِ (ہود - ۷۳)
- ۹۔ رَحِمْتَ اللّٰہِ (روم - ۵۰) ۱۰۔ رَحِمْتَ رَبِّکَ (ذخرف - ۲۲)
- ۱۱۔ رَحِمْتَ رَبِّکَ (ذخرف - ۲۲) ۱۲۔ رَحِمْتَ اللّٰہِ (بقرہ - ۲۱۸)
- ۱۳۔ رَحِمْتَ رَبِّکَ (مریم - ۲) ۱۴۔ لَعْنَتَ اللّٰہِ (نور - ۷)
- ۱۵۔ بِنِعْمَتِ رَبِّکَ (طور - ۲۹) ۱۶۔ بِنِعْمَتِ اللّٰہِ (لقمن - ۳۱)
- ۱۷۔ لَعْنَتَ اللّٰہِ (فاطر - ۳) ۱۸۔ نِعْمَتَ اللّٰہِ (ابراہیم - ۲۸)
- ۱۹۔ نِعْمَتَ اللّٰہِ (ابراہیم - ۲۴) ۲۰۔ نِعْمَتَ اللّٰہِ (آل عمران - ۱۰۳)
- ۲۱۔ نِعْمَتَ اللّٰہِ (بقرہ - ۲۳۱) ۲۲۔ بِنِعْمَتِ اللّٰہِ (نحل - ۷۲)



- ۲۲۔ نَعُمْتَ اللّٰهَ (نحل - ۱۱۴) ۲۳۔ نَعُمْتَ اللّٰهَ (نحل - ۸۳)  
 ۲۵۔ نَعُمْتَ اللّٰهَ (مائدة - ۱۱) ۲۶۔ فِطَرَتَ اللّٰهَ (روم - ۳۰)  
 ۲۷۔ مَعْصِيَتِ الرَّسُولِ (بکادۃ - ۸) ۲۸۔ کَلِمَتُ رَبِّكَ (انعام - ۱۱۶)  
 ۲۹۔ کَلِمَتُ رَبِّكَ (اعراف - ۱۳۷) ۳۰۔ کَلِمَتُ رَبِّكَ (یونس - ۹۶)  
 ۳۱۔ کَلِمَتُ رَبِّكَ (مومن - ۶) ۳۲۔ مَرْضَاتِ اللّٰهَ (نساء - ۱۱۴)  
 ۳۳۔ مَرْضَاتِ اللّٰهَ (بقرہ - ۲۶۵) ۳۴۔ بَيِّنَاتٍ (فاطر - ۲۰)  
 قولہ | عبداللہ صاحب تحریر فرماتے ہیں :-

عربی زبان کا مرکب (مرکب اضافی) استعمال کرتے ہوئے اگر کوئی اس چھوٹی ثناء کی جگہ بڑی ثناء لکھ دے تو اس طرح یہ نام عربی قواعد کے لحاظ سے غلط ہوگا (ص ۳)

جواب | مندرجہ بالا فرست میں ۳۳ جگہ مرکب اضافی استعمال ہوا ہے تو اب عبداللہ صاحب بتائیں کہ مرکب اضافی کا قاعدہ جو انہوں نے تحریر فرمایا ہے کس حد تک صحیح ہے۔

قولہ | عبداللہ صاحب تحریر فرماتے ہیں :-  
 اس بات سے کوئی بھی انکار نہیں کر سکتا کہ ہمارا ذاتی نام مسلم ہی ہے۔  
 (ص ۳)

جواب | یہ ہماری تائید ہے۔  
 قولہ | عبداللہ صاحب ایک حدیث کا ترجمہ لکھتے ہیں :-  
 پس تم مسلمین کو ان کے ان ناموں کے ساتھ پکارو کہ جو نام اللہ عزوجل نے ان کے رکھے ہیں (ص ۴)

جواب | یہ ہماری تائید ہے۔ اہل حدیث نام تو اللہ تعالیٰ نے نہیں رکھا پھر آپ اس حدیث کی خلاف ورزی کیوں کرتے ہیں؟

قولہ | ص ۴ پر انہوں نے ایک حدیث کے مختلف اسناد سے آئے ہوئے مختلف الفاظ نقل کئے ہیں اور مختلف ناموں کے جواز پر استدلال کیا ہے۔

جواب | عبداللہ صاحب یہ بتائیے اگر ایک ہی حدیث مختلف الفاظ سے مروی ہو تو وہ مضطرب المتن ہوگی یا نہیں اور کیا مضطرب المتن حدیث متناضعیف نہیں ہوتی؟

عبداللہ صاحب یہ بتائیے کہ یہ مختلف الفاظ جو مختلف سندوں سے مروی ہیں ان میں سے کس سند کے الفاظ حقیقتاً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ ہیں۔ عبداللہ صاحب آپ ہرگز نہیں بتا سکیں گے تو پھر اسی حدیث پیش کرنے سے کیا فائدہ؟

قولہ | عبداللہ صاحب نے ص ۴۶ سے ص ۸۲ تک صفاتی نام تحریر کئے ہیں۔

جواب | عبداللہ صاحب ہمیں صفاتی ناموں سے بحث نہیں۔ ہماری بحث تو ذاتی نام سے ہے اور وہ آپ تسلیم کر چکے ہیں کہ مسلم ہے۔

ہمارا اعتراض تو فرقہ دارانہ امتیازی نام پر ہے۔ عبداللہ صاحب نے بلاوجہ صفاتی ناموں کی بحث چھیڑ کر قارئین کو دھوکے میں مبتلا کیا ہے۔ ہم صفاتی ناموں کا انکار نہیں کرتے۔ ہم تو فرقہ دارانہ ناموں کا انکار کرتے ہیں۔ عبداللہ صاحب کیوں آپ ہمارے سلسلہ میں لوگوں کو دھوکے میں رکھ رہے ہیں۔

قولہ | عبداللہ صاحب لکھتے ہیں :-

جو شخص اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر سچے دل سے ایمان لائے گا اور اس کے عقائد اور اعمال کتاب و سنت کے مطابق ہوں گے تو وہ سچا اور حقیقی مسلم ہوگا ورنہ بصورت دیگر وہ صرف نام ہی کا مسلم ہوگا اور مسلمین کی مردم شماری میں اگرچہ اس کا شمار ہو سکتا ہے لیکن عند اللہ وہ مسلم نہیں ہو سکتا (ص ۴۷)

جواب | یہ ہماری تائید ہے۔

قولہ | عبداللہ صاحب لکھتے ہیں :-



اس حدیث سے واضح ہوا کہ اس میں جس امام اور جماعت المسلمین کا ذکر ہے اس سے مسلمین کا سلطان یا بادشاہ مراد ہے کیونکہ اس روایت میں ائمہ (حکام) کے الفاظ آئے ہیں۔

جواب ائمہ کا لفظ تو بے شک ایسا ہے لیکن اس کا ترجمہ حکام آپ نے کیا ہے۔ امیر کے معنی ہیں امر والا یعنی حکم والا لہذا حکام سے بھی امیر بے حکومت مراد ہو سکتا ہے۔ عبد اللہ صاحب کوئی ٹھوس دلیل جس سے ثابت ہو کہ امام یا امیر سے مراد خلیفہ ہے پیش کیجئے۔

آپ کا خلیفہ کے بجائے بادشاہ کا لفظ پیش کرنا بھی عجیب ہے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے نزدیک بادشاہت بھی اسلامی چیز ہے۔

قول پہلی حدیث کے الفاظ یہ ہیں کہ جو جماعت سے ایک بالشت بھی علیحدہ ہوا تو اس کی موت جاہلیت کی موت ہوگی۔ دوسری حدیث میں جماعت کے بجائے یہ الفاظ ہیں کہ جو شخص سلطان کی اطاعت سے ایک بالشت بھی نکلا تو وہ جاہلیت کی موت مرے گا کیا ان دونوں احادیث کو ملا کر پڑھنے سے یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ جماعت سے مراد مسلمین کی امارت و حکومت ہے اور امیر سے مراد مسلمین کا سلطان یا بادشاہ ہے (ص ۸۶)

جواب سلطان سے مراد آپ کی بادشاہت سے ہے۔ بہت خوب! سلطان کے معنی ہیں قوت، حجت۔ امیر ہر حال میں اپنی مرکزی حیثیت کی وجہ سے ایک قوت ہوتا ہے۔ اس کا حکم اور فیصلہ جماعت کے افراد پر حجت ہوتا ہے۔ امیر تادیبی کارروائی بھی کرتا ہے، سزا بھی دیتا ہے اور یہ سب کچھ اس کے عہدہ امارت کا نتیجہ ہوتا ہے کیونکہ آپ کے ہاں امیر کٹ پتلی یا مٹی کی مورت ہوتا ہے لہذا آپ اپنی اصطلاح میں امیر کے معنی سوچتے ہیں اور سمجھتے ہیں۔

عبد اللہ صاحب کیا آپ اس خیال میں ہیں کہ مسلمین کی حکومت ہمیشہ قائم رہے گی۔ اگر مسلمین کی حکومت نہیں ہوگی تو کیا اس زمانہ کے لئے



شریعت نے کوئی نسخہ تجویز کیا ہے۔ اگر کیا ہے تو بتائیے۔

قولہ | عبداللہ صاحب لکھتے ہیں :-

فَاعْتَزِلْ تِلْكَ الْفِرْقَ كُلَّهَا سے مراد دینی فرقے اور  
جماعتیں نہیں بلکہ سیاسی جماعتیں اور باغی مراد ہیں (ص ۱)

جواب | عبداللہ صاحب ! یہ کس دلیل سے؟ کیا اسلام میں بھی سیاسی  
جماعتوں کا وجود ہے؟ اگر ہے تو کیا کوئی سیاسی جماعت ہی حکومت پر قابض  
ہوگی یا وہ سیاسی جماعت نہیں ہوگی۔ اگر وہ سیاسی جماعت ہوگی تو کیا  
اس سے چھٹنا اس لئے ضروری ہے کہ وہ برسر حکومت آگئی ہے۔ اگر  
برسر حکومت نہ آتی تو اس سے چھٹنا دوزخ میں جانے کے مترادف  
تھا۔ حدیث میں تو یہ ہے کہ وہ دوزخ کے دروازے پر کھڑے ہو کر  
لوگوں کو بلائیں گے جو ان کی بات مان لے گا وہ اسے دوزخ میں چل  
دیں گے۔ عبداللہ صاحب یہ بتائیے کہ سیاسی جماعتیں سیاسی اختلاف  
کی بنیاد پر وجود میں آتی ہیں یا دینی اختلاف کی بنیاد پر۔ اگر صرف سیاسی  
اختلاف کی بنیاد پر وجود میں آتی ہیں تو پھر جب کوئی حکومت نہ ہو تو ان سے  
چھٹ جانے میں کیا حرج ہے۔ سیاسی اختلاف دینی اختلاف نہیں ہوتا  
تو پھر دوزخ میں جانے کا باعث کیا ہے۔

قولہ | منافقین نے جس طرح صحابہ کرام میں غلط فہمیاں پھیلانیں اور  
ان کو آپس میں لڑایا (ص ۱)

جواب | کیا صحابہ کرام آپس میں لڑتے تھے، افسوس ہے کہ آپ ایسا عقیدہ  
رکھتے ہیں! سَبَابُ الْمُسْلِمِ فُسُوقٌ وَقِتَالُهُ كُفْرٌ (مسلم کو  
برا کہنا گناہ ہے اور اس سے لڑنا کفر ہے) (صحیح بخاری) کیا صحابہ کرام کو آپ  
اس حدیث کی زد سے بچا سکتے ہیں؟

قولہ | عبداللہ صاحب لکھتے ہیں :-

حذیفہ بن یمانؓ کی حدیث تلزم جماعۃ المسلمین

وامام مہر جسے امام بخاری اور امام مسلم نے روایت کیا ہے اس روایت کے صرف ایک ہی طریقہ سے موصوف نے اپنی امامت اور اپنی جماعت کے لئے استدلال کیا ہے اور دوسرے تمام طرق کو نظر انداز کر دیا ہے (ص ۱۰۶)

**جواب** کیا ان طرق کے الفاظ یکساں ہیں یا مختلف؟ اگر مختلف ہیں تو یہ ثابت کیجئے کہ یہ تمام الفاظ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زبان مبارک سے ادا فرمائے تھے اور اگر آپ ثابت نہ کر سکیں اور آپ ہرگز ثابت نہیں کر سکیں گے تو پھر حدیث کا متن مختلف ہونے کی وجہ سے مضطرب ہو جائے گا اور حدیث متنازعہ ہو جائے گی۔

صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں لفظ ”امام“ ہے اور ابوداؤد میں لفظ خلیفہ ہے تو یہ بتائیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کون سا لفظ اپنی زبان اقدس سے ادا فرمایا تھا۔ یقیناً وہی لفظ ادا فرمایا ہوگا جس لفظ پر صحیح بخاری اور صحیح مسلم متفق ہیں۔ ابوداؤد میں یہ حدیث کئی طرق سے مروی ہے لیکن ہر طریق کا متن مختلف ہے۔ جن طرق میں خلیفہ کا نام آیا ہے ان میں چاروں زمانوں کا تعین مفقود ہے اور جس طریق میں چاروں زمانوں کا علیحدہ علیحدہ ذکر ہے اس میں خلیفہ کا لفظ نہیں ہے۔ الغرض ابوداؤد کی حدیث صحیحین کی حدیث کے خلاف ہونے کی وجہ سے معلول ہے اور مختلف المتن ہونے کی وجہ سے مضطرب ہے۔ کیا ایسے طرق کی طرف آپ ہمیں دعوت دے رہے ہیں جن کا متن ہی محفوظ نہیں۔

**قولہ** (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے) فرمایا: میرے بعد وہ لوگ حاکم ہوں گے جو میری راہ پر نہ چلیں گے (ص ۱۰۶)

**جواب** عبداللہ صاحب اس حدیث میں ”ائمۃ“ کا لفظ ہے جس کے معنی آپ نے ”حاکم“ کئے ہیں۔ حالانکہ صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں اس کے بجائے ”قوم“ ہے۔ بتائیے کون سا لفظ صحیح ہے۔ مزید برآں یہ الفاظ صحیح بخاری



و صحیح مسلم کی روایت کے مطابق خیر کے زمانہ سے تعلق رکھتے ہیں اور آپ اس کو تلزم جماعۃ المسلمین و امامہ پر منطبق کر رہے ہیں جو کہ چوتھے زمانے یعنی شر کے زمانہ کے لئے آئے ہیں۔

حدیث کے الفاظ زیر بحث تیسرے زمانہ یعنی خیر کے زمانہ کے لئے ہیں لہذا ”قوم“ کا لفظ اس لحاظ سے بھی صحیح ہے۔ اگر خلفاء بھی بقول آپ کے سنت کے خلاف چلیں گے تو وہ خیر کا زمانہ کیسے ہو گا۔ کیا ترک سنت خیر ہے؟

قولہ | عبد اللہ صاحب لکھتے ہیں :-

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ حکم بھی دیا ہے کہ اسے حذیفہ تم پر اس امیر کی اطاعت لازم ہے چاہے وہ تمہاری کمر پر مارے اور تیرا مال بھی چھین لے۔ بتائیے اس سے مسلمان کے سلطان کے علاوہ اور کون مراد ہو سکتا ہے (ص ۱۰)۔

جواب | عبد اللہ صاحب آپ کی پیش کردہ حدیث میں ابہام ہے معلوم نہیں ہوتا کہ کس زمانہ کے لئے ہیں۔ اوپر میں لکھ چکا ہوں کہ یہ الفاظ تیسرے زمانہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ متفق علیہ حدیث کے متن سے ذرا اس کو ملا کر دیکھئے تو صاف ثابت ہو گا کہ یہ الفاظ تیسرے زمانہ یعنی خیر کے زمانہ کے متعلق ہیں۔ اگر یہ الفاظ چوتھے زمانہ کے لئے بھی مان لئے جائیں تب بھی کوئی اشکال نہیں۔ غالباً عبد اللہ صاحب کو کمر پر مارنے کے الفاظ سے دھوکا ہو رہا ہے۔ وہ یہ سمجھتے ہیں کہ یہ کام تو خلیفہ ہی کر سکتا ہے۔ یہ عبد اللہ صاحب کی غلط فہمی ہے۔ کیا انہیں حزب اللہ میں مانا نہیں گیا، کیا خاکسار جماعت کے ارکان کی کمر پران کی کسی غلطی کی وجہ سے کوڑے نہیں مارے جاتے تھے، عبد اللہ صاحب یہ چیز اگر آپ کو عملاً دیکھنی ہو تو جماعت المسلمین میں بھی آکر آپ دیکھ سکتے ہیں۔

قولہ | عبد اللہ صاحب لکھتے ہیں :-



اِنْ كَانَ لِلّٰهِ تَعَالٰی خَلِیْفَةٌ  
فِی الْاَرْضِ فَقَضٰی رَبُّكَ  
وَ اَخَذَ مَا لَكَ فَاَطَعُوْا  
اِلَّا خَشِیْتُ وَاَنْتَ عَاثُ  
یَجْذُلُ شَجَرَةً

اور اگر اس وقت زمین میں کوئی اللہ  
تعالیٰ کا خلیفہ ہو اور وہ تیری کمر پر  
مارے اور تیرا مال چھینے تب بھی اس  
کی اطاعت کر اور اگر (کوئی خلیفہ) نہ  
ہو تو کسی درخت کی جڑ میں بیٹھ جا اور

وہیں مرجا (ص ۱۰۸)

**جواب** | عبداللہ صاحب آپ اس حدیث پر عمل کیوں نہیں کرتے خلیفہ تو ہے  
نہیں پھر آپ مر کیوں نہیں جاتے۔ کسی درخت کے نیچے بیٹھ جائیں اور مرجائیں۔  
نوٹ: حدیث بالا کا ترجمہ ہم نے وہی نقل کیا ہے جو عبداللہ صاحب  
نے لکھا ہے۔ اگرچہ ہمیں اس ترجمہ سے بھی اختلاف ہے۔

عبداللہ صاحب ہم تو اس پر عمل نہیں کر سکتے اس لئے کہ اس کا متن صحیح  
بخاری اور صحیح مسلم کی متفق علیہ حدیث کے خلاف ہونے کی وجہ سے معلول  
ہے۔ ابو داؤد نے اس کو کئی سندوں سے نقل کیا ہے لیکن ہر سند کے الفاظ  
مختلف ہیں ان تمام سندوں میں ایک راوی سبیح مشترک ہے جو کبھی باپ بن  
جاتا ہے اور کبھی بیٹا۔ ایسا راوی جو اپنا نام اور اپنی ابنیت بدلتا رہے بہت  
خطرناک ہوتا ہے۔ ہم ایسی معلول اور مضطرب المتن حدیث پر عمل نہیں  
کر سکتے۔ ہم تو صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی متفق علیہ حدیث پر عمل کرتے ہیں۔  
**قولہ** | عبداللہ صاحب لکھتے ہیں :-

فَاِنْ لَمْ تَجِدْ یَوْمَئِذٍ  
خَلِیْفَةً فَاهْرُبْ حَتّٰی  
تَمُوتَ فَاِنْ تَمُتَ وَاَنْتَ  
عَاثُ

پس اگر تو ان دنوں میں کوئی خلیفہ  
نہ پائے تو (تمام فرقوں سے) بھاگ  
کھڑے ہونا (ص ۱۰۸)

**جواب** | عبداللہ صاحب نے پوری حدیث کا ترجمہ نہیں کیا اور جس حصہ کا  
ترجمہ کیا وہ صحیح نہیں کیا۔ صحیح ترجمہ درج ذیل ہے :-

”اگر تو اس زمانہ میں کسی خلیفہ کو نہ پائے تو بھاگ جانا یہاں تک کہ تجھے موت آئے، اگرچہ موت اس حال میں آئے کہ تو (جرٹیں) چبانے والا ہو۔“  
 عبداللہ صاحب، آپ نے پورا ترجمہ کیوں نہیں کیا؟  
 عبداللہ صاحب، (تمام فرقوں سے بھاگ کھڑے ہونا) یہ ترجمہ کن الفاظ کا ہے۔

عبداللہ صاحب یہ دو حدیثیں جو آپ نے نقل کی ہیں ان احادیث کی روشنی میں آپ کو اب تک مرجانا چاہیے تھا یا اگر مرتے نہیں تو درخت کی جرٹیں تو چبانے رہتے، اسی حالت میں کبھی موت آہی جاتی۔  
قولہ عبداللہ صاحب لکھتے ہیں :-

اس لئے یہ انتہائی ضروری تھا کہ اہل حق کا نام ان کے کام کی مناسبت سے اہل السنۃ والجماعۃ اور اہل الحدیث ہو جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھیوں اور جاں نثاروں کو صحابی یا صحابہ کہا جاتا تھا (ص ۱۱۹)  
جواب اس میں کونسا علمی پہلو ہے۔ کیا صحابہ فرقہ دارانہ نام تھا۔ کیا صحابہ کا نام اہل حدیث بھی تھا؟

قولہ مسلمان کا ایک گروہ اگر دشمنوں سے برسرِ پیکار ہے تو انہیں مجاہدین کا نام دے دیا جاتا ہے (ص ۱۱۹)

جواب کیا خوب مثال ہے! کیا مجاہدین کسی فرقہ کا نام ہوتا ہے؟ کیا مجاہدین کا کوئی خاص مسلک یا مذہب ہوتا ہے یا ان کی کوئی خاص فقہ ہوتی ہے؟  
قولہ عبداللہ صاحب لکھتے ہیں :-

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا میری امت میں دو فرقے ہو جائیں گے اور ان میں ایک (تیسرا) فرقہ پیدا ہوگا اور اس فرقہ کو وہ جہاں قتل کرے گی جو ان میں حق سے زیادہ قریب ہوگی (ص ۱۲۱)

جواب ایک فرقہ حضرت علیؓ کے ساتھ تھا اور ایک حضرت معاویہؓ کے۔ حدیث کے مطابق یہ دونوں فرقے حق پر تھے۔ عبداللہ صاحب کیا آپ کے یہ



۲، فرقے بھی حق پر ہیں۔ اگر نہیں تو پھر اس حدیث سے آپ کے فرقوں کو کیا نسبت؟

عبداللہ صاحب، کیا یہ دینی فرقے تھے، کیا ان کے مذاہب و مسالک الگ الگ تھے، کیا ان کی فقہیں علیحدہ علیحدہ تھیں؟ اگر نہیں تو پھر اصطلاح شرع میں یہ فرقے نہیں ہوئے۔ ان کا اختلاف تاخیر اور عجلت کا اختلاف تھا۔ وہ محض لغوی اعتبار سے فرقے تھے نہ کہ شرعی اعتبار سے۔

عبداللہ صاحب یہ کہنا چاہتے ہیں کہ فرقہ کا لفظ برا نہیں ہے۔ اگر ہم فرقہ ہیں تو کیا ہوا۔ عبداللہ صاحب آپ مانیں یا نہ مانیں اصطلاح شرع میں تو ”فرقہ“ کا لفظ برا ہی سمجھا جاتا ہے۔ اگر آپ اچھا سمجھتے ہیں تو اور فرقے بنالیں مگر یاد رکھئے یہ قرآن مجید کی مخالفت ہوگی۔  
قولہ عبداللہ صاحب لکھتے ہیں :-

اور مسابین کا ایک گروہ بابر حق پر لڑتا رہے گا اور اپنے مخالفوں پر قیامت تک غالب رہے گا (ص ۱۲۹)

جواب عبداللہ صاحب یہ کہنا چاہتے ہیں کہ کیونکہ جماعت المسابین ہمیشہ نہیں رہی لہذا وہ حق پر نہیں۔ ہم عبداللہ صاحب سے پوچھنا چاہتے ہیں کہ اس جہت کی نشاندہی کریں جو اپنے امتیازی نام کے ساتھ ہمیشہ موجود رہی ہو، حق پر جنگ کرتی رہی ہو اور اپنے مخالفین پر غالب رہی ہو۔

عبداللہ صاحب آپ نے استمرار اور تسلسل کو تسلیم تو کیا ہے (ص ۱۲۷) اور ہم بھی تسلیم کرتے ہیں۔ فرقہ تو یہ کہ ہم تسلسل بلا انقطاع تسلیم کرتے ہیں اور آپ تسلسل بلا انقطاع تسلیم کرتے ہیں۔ آپ کے تسلیم کردہ معنی کے لحاظ سے حدیث کی پیشین گوئی معاذ اللہ صحیح ثابت نہیں ہوتی۔ کیا آپ کو یہ منظور ہے۔  
قولہ طائفہ من امتی قیامت تک برابر دنیا میں رہیں گے جبکہ جماعت المسابین (مسابین کی حکومت و امارت) کبھی قائم ہوگی اور کبھی نہ ہوگی (ص ۱۲۹)

جواب عبداللہ صاحب طائفہ من امتی تو ہمیشہ لڑتا رہے گا، ہمیشہ اپنے



دشمنوں پر غالب اور قاہر رہے گا (صحیح مسلم) تو پھر وہ حکمران کیوں نہیں ہوگا، وہ جماعت المسلمین کیوں نہیں ہوگا۔ اس علمی نکتہ کو تو عبداللہ صاحب ہی سمجھ سکتے ہیں۔

قولہ ص ۱۳ سے ص ۱۴۲ تک عبداللہ صاحب نے اقوال الرجال نقل کئے ہیں اور اہل حدیث کی مدح و ثنا کی ہے۔

جواب ہم بھی اہل حدیث کی مدح و ثنا کے قائل ہیں لیکن ہم اہل حدیث سے محدثین مراد لیتے ہیں، فرقہ اہل حدیث مراد نہیں لیتے۔ مزید برآں عبداللہ صاحب جب آپ اقوال الرجال کو حجت نہیں مانتے (ملاحظہ ہو آپ کی کتاب کا ص ۱۸) تو ہمارے سامنے اقوال الرجال کو کیوں پیش کرتے ہیں۔ ہم بھی اقوال الرجال کو حجت نہیں مانتے۔

قولہ عبداللہ صاحب سوال کرتے ہیں: کیا ہر مسلم اہل حدیث ہو سکتا ہے (ص ۱۴۲)

جواب جی نہیں۔ ہر مسلم اہل حدیث یعنی محدث یا اہل علم نہیں ہو سکتا۔ محدث ہونے کے لئے حدیث کا وسیع علم ضروری ہے۔ جاہل کو عالم کیسے کہہ سکتے ہیں؟ قولہ عبداللہ صاحب لکھتے ہیں:-

جو اللہ اور رسول کی اطاعت کر لگا وہ ان لوگوں کے ساتھ ہوگا جن پر اللہ نے انعام فرمایا یعنی انبیاء و صدیقین اور شہداء و صالحین۔ کیسے اچھے ہیں یہ رفیق جو کسی کو مبسر آجائیں (بحوالہ سودہ نساء - ۷۰) (ص ۱۴۲)

جواب عبداللہ صاحب آیت مذکورہ بالا سے یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ اگر کوئی شخص اہل علم کا رفیق ہے تو وہ بھی اہل علم ہے۔ عبداللہ صاحب ذرا بتائیے کہ جو شخص آیت مذکورہ بالا کے مطابق انبیاء کا رفیق ہوگا وہ خود بھی نبی ہوگا۔ چہ خوب! یہ تو وہی استدلال ہے کہ جو قادیانی اس آیت کے ذریعہ پیش کرتے ہیں۔ کاش عبداللہ صاحب آپ اس علمی نکتہ سے توبہ کریں۔ آپ تو قادیانیوں کے ہاتھ میں ہتھیار دے رہے ہیں۔

**قولہ** جاہل کے اہلحدیث ہونے کے سلسلہ میں ایک دلیل دیتے ہوئے فرماتے ہیں :- آدمی اس شخص کے ساتھ ہوگا کہ جس سے اس نے محبت کی (بحوالہ صحیح بخاری و صحیح مسلم)

**جواب** عبداللہ صاحب کا مطلب یہ ہے کہ جو اہلحدیث سے محبت کرے گا وہ اہلحدیث (محدث) ہی ہوگا۔ بہت خوب! عبداللہ صاحب تو ہر شخص کو محدث کی سند دے رہے ہیں۔ یہ سند تو بڑی سستی ہے، بس محبت کرو اور سند علم لے لو۔

عبداللہ صاحب ذرا بتائیے کہ جو شخص انبیاء سے محبت کرے وہ آپ کے اصول کے مطابق نبی ہوگا یا نہیں؟ اگر نہیں تو کیوں؟  
عبداللہ صاحب نے قادیانیوں کے ہاتھ میں ایک اور ہتھیار دے دیا۔ آخر قادیانیوں پر اتنا لطف و کرم کس لئے؟

**قولہ** ان تمام حوالوں سے یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ اہل حق کے لئے اہل السنۃ والجماعۃ کی اصطلاح اور نام صحابہ کرام کے دور ہی سے مشہور ہو گیا تھا (صفحہ ۱۶)

**جواب** یہ سب اقوال الرجال ہیں۔ آپ کی طرح ہم بھی اقوال الرجال کو نہیں مانتے۔ آپ قرآن مجید اور احادیث نبوی پیش کریں اور اپنے نام کو انہی دو دلیلوں سے ثابت کریں اور یہ آپ ہرگز نہیں کر سکیں گے تو پھر توبہ کر لیجئے۔

آج کل تو بریلوی اپنے کو اہل السنۃ والجماعۃ کہتے ہیں۔ کیسے کیا خیال ہے؟ بریلوی ہو جانے میں کوئی حرج تو نہیں؟

**قولہ** ان احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ طائفہ منصورہ ملک شام اور بیت المقدس کے اطراف غالباً شام اور بیت المقدس کے درمیانی علاقہ میں ہے لہذا ان احادیث کی موجودگی میں موصوف کا یہ بے بنیاد دعویٰ بھی بے وقعت ہو کر رہ گیا کہ وہ اور ان کی جماعت ہی حقیقی مسلم اور جماعت المسالین ہیں (صفحہ ۱۷)



**جواب** | حدیث کی رو سے اور عبد اللہ صاحب کی تحریر سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ طائفہ منصورہ ہمیشہ رہے گا بلکہ عبد اللہ صاحب تو طائفہ منصورہ کو بلا انقطاع مانتے ہیں تو اب ان کی مندرجہ بالا تحریر سے یہ نتیجہ نکلا کہ اس وقت طائفہ منصورہ شام میں ہے یا بیت المقدس کے اطراف میں ہے۔ شام میں آج کل بعث پارٹی کی حکومت ہے جو کیونٹ ہے اور بیت المقدس اسرائیل کے قبضہ میں ہے۔ عبد اللہ صاحب کی تحریر سے نتیجہ یہ نکلا کہ بعث پارٹی یا اسرائیل طائفہ منصورہ ہے کیونکہ طائفہ منصورہ کا حدیث کی رو سے غالب ہونا ضروری ہے۔  
**قولہ** | اس حدیث سے ایک بہت بڑی حقیقت یہ بھی معلوم ہوئی کہ آخری زمانہ میں مسلمان بہت زیادہ تعداد میں ہوں گے جبکہ امام فتنہ کا اعلان ہے کہ دنیا میں ان کے ادران کی جماعت کے علاوہ کوئی مسلم نہیں (ص ۱۶)

**جواب** | عبد اللہ صاحب آخری زمانہ کا تعین کر دیں پھر ہم سے جواب لیں۔  
**قولہ** | موصوف نے حذیفہ کی روایت کے الفاظ فَاَعْتَزِلْ تِلْكَ الْفِرْقَ كُلَّهَا (تمام فرقوں سے علیحدہ ہو جانا) سے دانستہ طور پر دینی فرقے مراد لئے ہیں جب کہ ہم نے گزشتہ اوراق میں ثابت کیا ہے کہ اس سے سیاسی فرقے یا حکومت کے باغی مراد ہیں (ص ۱۶)

**جواب** | عبد اللہ صاحب کا منشاء یہ ہے کہ صرف اس سیاسی پارٹی سے جپٹ رہو جو اقتدار میں ہو اور دوسری سیاسی پارٹیوں یا احزاب اختلاف سے دور رہو۔ اس کا نتیجہ یہ بھی نکلتا ہے کہ اگر دوسری پارٹی اقتدار میں آجائے تو پھر اس کا ساتھ دینا چاہیے مگر یہ تو وہی پارٹی ہوگی جو پہلے دوزخ میں دھکیل رہی تھی، تو کیا اب اقتدار میں آتے ہی وہ جنت میں داخل کر دے گی یا عبد اللہ صاحب کا منشاء یہ ہے کہ کسی سیاسی پارٹی کی حکومت قائم ہونے ہی دوسری سیاسی پارٹیاں ختم ہو جانی چاہئیں تو عبد اللہ صاحب پھر اس اسلامی سیاسی اصول سے آپ لوگوں کو باخبر کیوں نہیں کرتے۔ آج کل تو جمعیت احمدیہ بھی سیاسی پارٹی ہے اور وہ برسر اقتدار نہیں ہے



تو کیا وہ لوگوں کو دوزخ میں دھکیل رہی ہے۔ اگر یہ صحیح ہے تو عبد اللہ صاحب پھر تو آپ کو مسلک اہل حدیث سے توبہ کر لینی چاہیے۔

عبد اللہ صاحب نے یہ بھی لکھا ہے کہ فرقوں سے حکومت کے باغی مراد ہیں۔ عبد اللہ صاحب باغی تو جب ہوں گے جب کوئی حکومت ہوگی یعنی بقول آپ کے جب جماعت المسلمین مع اپنے امام کے ہوگی۔ آپ تو جماعت المسلمین سے حکومت مراد لیتے ہیں اور حکم یہ ہے کہ جب جماعت المسلمین یعنی بقول آپ کے حکومت نہ ہو تو فرقوں سے یعنی بقول آپ کے باغیوں سے علیحدہ رہو تو اب یہ بتلیتے کہ جب حکومت ہی نہیں ہوگی تو حکومت کے باغی کہاں سے آئیں گے۔ تعجب ہے آپ فرقوں سے حکومت کے باغی مراد لیتے ہیں حالانکہ اس زمانہ میں حکومت ہوگی ہی نہیں۔ عبد اللہ صاحب غور کیجئے آپ نے ہمارا علمی محاسبہ کیا ہے اب آپ دیکھیں یہ ہمارا علمی محاسبہ ہے یا آپ کا اپنا علمی محاسبہ ہے۔ ہم تو کہتے ہیں آپ کی کتاب کی اشاعت ہونی چاہیے تاکہ لوگ ہماری تائید کریں اور آپ کا علمی محاسبہ کر سکیں۔

قولہ جماعت المسلمین کے ذیلی عنوان کو خلافت اور اس کے متعلقات میں نقل کہ کے موصوف نے خود ہی اس بات کو تسلیم کر لیا ہے کہ وہ جماعت المسلمین سے حکومت یا خلافت ہی مراد لیتے ہیں (ص ۱۴۸)

جواب عبد اللہ صاحب آپ نے ہماری مراد کو صحیح نہیں سمجھا۔ جماعت المسلمین و امام ہم سے ہماری مراد حکومت نہیں ہے ہماری مراد یہ ہے کہ جماعت المسلمین ہی خلافت کا پیش خیمہ ہوتی ہے لہذا اس کا ذکر خلافت اور اس کے متعلقات ہی کے ضمن میں آنا چاہیے۔

قولہ اس حدیث میں جماعت کے بجائے بادشاہ کے الفاظ اس بات کو غیر مبہم الفاظ کے ساتھ ثابت کرتے ہیں کہ اس حدیث میں جماعت سے حکومت و امارت ہی مراد ہے (ص ۱۴۹)

جواب کسی حدیث میں بادشاہ یا ملک کا لفظ نہیں ہے۔ عبد اللہ صاحب

نے اپنی کتاب میں جگہ جگہ خلیفہ کی جگہ یا اس کے ساتھ ساتھ بادشاہ کا لفظ استعمال کیا ہے گویا ان کے نزدیک بادشاہت بھی اسلامی چیز ہے۔  
قولہ امام محمد ناصر الدین الالبانی موجودہ دور کے عظیم محدث اور فن اسماء الرجال کے ماہر ہیں (ص ۱۸)

جواب عبداللہ صاحب البانی صاحب کو کتنی حدیثیں مع سند اور احوال رجال کے زبانی یاد ہیں۔ کیوں آپ مبالغہ آمیز تعریف کرتے ہیں۔ محدثین تو گزر گئے اب تو وہ لوگ رہ گئے ہیں جو ان کی کتابوں سے نقل کرتے ہیں۔  
قولہ عبداللہ صاحب تحریر فرماتے ہیں :-

ایک شخص نے کہا کہ ان (کراچی کی جماعت المسلمین والوں) سے گفتگو کی گئی تو انہوں نے بحث کے دوران کہا کہ علامہ البانی کے علاوہ اس دنیا میں جس قدر علماء ہیں وہ سب کافر ہیں (ص ۱۸۹)

جواب ”ایک شخص نے کہا“ یہ کون شخص ہے؟ ذرا اس کا نام بتائیے کراچی کی جماعت المسلمین والوں سے گفتگو ہوئی۔ عبداللہ صاحب یہ کون لوگ ہیں۔ ان کا نام بتائیے۔

وہ شخص بھی مجھول اور یہ لوگ بھی مجھول بتائیے ایسی روایت کو کون مانے گا؟ یہ ہم پر اتہام ہے ہم کسی کو کافر نہیں کہتے۔ عبداللہ صاحب الزام لگا لگا کر آپ جماعت المسلمین کو بدنام کرنا چاہتے ہیں۔ ہم بہت محتاط انداز میں بات کرتے ہیں۔ ہم تو حدیث سنا دیتے ہیں نتیجہ آپ خود نکال لیتے ہیں تو اب آپ جانیں اور حدیث جانے۔

قولہ عبداللہ صاحب فرماتے ہیں :-

افتراق امت والی حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ فرقہ ناجیہ کا نام الجماعۃ ہے (ص ۱۹۱)

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں ہمارا نام مسلمین رکھا ہے (ص ۱۹۲)  
جواب یہ ہماری تائید ہے۔ فرقہ ناجیہ کو اگر لغوی اعتبار سے کوئی فرقہ کہے



تو کھے لیکن حدیث کی رو سے اس کا نام الجماعۃ ہے۔  
 عبداللہ صاحب یہ بتائیے کہ ۷۲ جہنمی فرقوں کے متعلق آپ کا کیا خیال  
 ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو الجماعۃ یعنی جماعۃ المسلمین میں شامل  
 کیوں نہیں کیا؟ کیا وہ ۷۲ فرقے مسلم نہیں ہوں گے؟

## عبداللہ داماد نوی صاحب کی کتاب کا خلاصہ

### ① تائیدی عبارات

- ۱۔ محدثین کی جماعت کو اہل الحدیث کہا جاتا ہے (ص ۷)
- ۲۔ آج تک کسی مسلم عالم نے اس بات کا انکار نہیں کیا کہ ”اہل الحدیث“  
 سے مراد محدثین کی جماعت ہے (ص ۷)
- ۳۔ امام مسلم نے بھی محدثین کو اہل الحدیث کہا (ص ۷ حاشیہ)
- ۴۔ اس بات سے کوئی بھی انکار نہیں کر سکتا کہ ہمارا ذاتی نام مسلم ہے  
 (ص ۷)
- ۵۔ اہل الحدیث کے نزدیک معیارِ حق اور حجت صرف دو چیزیں ہیں :-  
 (۱) قرآن مجید  
 (۲) صحیح احادیث (ص ۱۸)
- ۶۔ اس آیت سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارا نام مسلم رکھا  
 ہے (ص ۳۴)
- ۷۔ اس بات سے کوئی بھی انکار نہیں کر سکتا کہ ہمارا ذاتی نام مسلم  
 ہی ہے (ص ۳۴)
- ۸۔ افتراقِ امت والی حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ فرقہ ناجیہ کا  
 نام الجماعۃ ہے (ص ۱۹۴)



۹۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں ہمارا نام مسلمین رکھا ہے (ص ۱۹۴)  
مندرجہ بالا تمام عبارتیں ہماری تائید میں ہیں۔

**ایک سوال** | اوپر نمبر ۵ میں کہا گیا ہے کہ معیار حق صرف قرآن مجید اور صحیح احادیث ہیں۔ آپ کا نام اہلحدیث ان دونوں حق کے معیاروں میں نہیں ہے تو اب آپ کے نام کو کیا کہا جائے حق یا نا حق۔

## ② الزامات

- ۱۔ یہ فرقہ محدثین (اہل الحدیث) کا سخت دشمن ہے (ص ۶)
  - ۲۔ فرقہ مسعودیہ والے انتہائی دیدہ دلیری کے ساتھ محدثین کی تکفیر کر رہے ہیں (ص ۱۴)
  - ۳۔ انہوں نے بھی سلف صالحین پر بھی ہاتھ صاف کرنا شروع کر دیا ہے (ص ۲۵)
- مندرجہ بالا سب بہتان ہیں۔

## ③ طنز

- ۱۔ اب وہ صرف اپنے چلہنے والوں ہی کے بے تاج بادشاہ ہوں (ص ۸۳)
- ۲۔ کیا موصوف کے وہی تیور نہیں ہیں جو خوارج کے تھے (ص ۳۲)
- ۳۔ اس طرح کا دعویٰ تو وہی کر سکتا ہے جس کے ذہن میں نبی ہونے کا خیال سما گیا ہو (ص ۲۳)
- ۴۔ اگر موصوف کا ارادہ دعویٰ نبوت کا ہے تو وہ کھل کر سامنے کیوں

نہیں آجاتے (ص ۲۸)

۵۔ معلوم ہوتا ہے کہ موصوف کو دنیاوی شہرت حاصل کرنے کے جنون نے اس حد تک اندھا کر دیا ہے کہ وہ عذاب جہنم سے بھی غافل ہو گئے ہیں۔

۶۔ ممکن ہے کہ کل موصوف اپنے نام مسعود احمد کا بھی انکار نہ کریں اور کہنے لگیں کہ ”میرا نام اب صرف مسلم ہے لہذا اب مجھے مسعود احمد نہ کہا جائے۔“ (ص ۸۳)

۷۔ موصوف نے بھی ضرور سوچا ہو گا کہ وہ بھی امام مہدی ہونے کا دعویٰ کر دیں (ص ۹۱)

۸۔ موصوف نے آؤ دیکھا نہ تاؤ دیکھا اپنی امامت اور جماعت المسلمین کا نعرہ مستانہ بلند کر دیا (ص ۹۱)

۹۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ موصوف نے ان تمام اہل علم محدثین کو بھی دارو اسلام سے یا کم از کم اپنی جماعت المسلمین سے خارج کر دیا ہو، موصوف کو چاہیے کہ وہ ہمت سے کام لیں اور ڈاکٹر عثمانی علیہ ما علیہ کے نقش قدم پر چلتے ہوئے ان تمام محدثین پر کفر کا فتوے داغ دیں کیونکہ محدثین نے یہ نام رکھ کر موصوف کے نزدیک کھلے کفر کا ارتکاب کیا ہے (ص ۱۳۴)

۱۰۔ اگر انہیں امام یا بادشاہ ہی بننا تھا تو کم از کم تمام اخبارات میں یہ اشتہار دے دیتے ”تھا جس کا انتظار وہ امام آگیا۔“ (ص ۱۰۹)

**تبصرہ** | مندرجہ بالا عبارات میں کتنا طنز ہے !! قارئین کرام غور فرمائیں۔

**④ تحریف**

میری امت کا ایک گروہ ہمیشہ غالب رہے گا یہاں تک کہ ان کے

پاس اللہ کا فیصلہ آجائے گا اور وہ غالب ہوں گے (ایک روایت میں ہے کہ میری امت کا ایک طائفہ یعنی گروہ ہمیشہ حق پر غالب رہے گا، صحیح الجامع الصغیر للالبانی ۷۲۸۹ بحوالہ صحیح مسلم وغیرہ وقال صحیح) یہ برتری دلائل کے ساتھ ہوگی (ص ۱)

**تبصرہ** | حدیث میں تو یُقَاتِلُونَ ہے جس کے معنی ہیں کہ وہ جنگ کرتے رہیں گے۔ میدان جنگ میں غالب ہوں گے، قَاهِرِیْنَ لَعْدُوْهُمْ وہ اپنے دشمن پر قاہر ہوں گے۔ قارنین کرام، خط کشیدہ الفاظ پر غور فرمائیے یہ تحریف معنوی ہے کہ جنگ کو دلائل میں تبدیل کر دیا۔

## ⑤ مضحکہ خیز اور عجیب و غریب

۱۔ مختصر عرض ہے کہ اہل علم کا اس پر اتفاق ہے کہ اس "جماعت" سے مراد مسعود صاحب کی جماعت نہیں ہے بلکہ یا تو امارت و حکومت والی سیاسی جماعت ہے یا پھر صحابہ اوداہل حق (یعنی اہل الحدیث) کی جماعت (ص ۱۶)

ہمارا دعویٰ ہے کہ اس حدیث میں جماعت سے مراد مسلمان کی امارت و حکومت ہے اور امام سے مراد مسلمان کا خلیفہ ہے (ص ۸۵)

**تبصرہ** | معلوم نہیں ان دونوں عبارتوں میں سے کونسی عبارت صحیح ہے۔ اگر جماعت سے مراد اہل حدیث کی جماعت ہو سکتی ہے حالانکہ وہ حکمران کبھی نہیں ہوئے تو پھر ہماری جماعت المسلمان مراد کیوں نہیں ہو سکتی۔ فرق کی آخر کیا وجہ ہے؟

مزید برآں یہ چیز انہیں بھی تسلیم ہے کہ اہل حدیث کو سیاسی غلبہ



حاصل نہیں۔ لکھتے ہیں :- اللہ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں ان بہکانے والے شیاطین سے اپنی پناہ میں رکھے اور اہل الحدیث (یعنی محدثین) کو اس دنیا میں سیاسی غلبہ دے کر ان کی جماعت المسلمین اور ان کا امام یعنی خلیفہ قائم کر دے (ص ۱۹)

اس عبارت سے ظاہر ہوتا ہے کہ ”جماعت المسلمین و امامہم“ سے مراد اہل حدیث نہیں ہو سکتے اس لئے کہ وہ تو دعا کر رہے ہیں کہ انکی جماعت المسلمین قائم ہو جائے اور اوپر لکھا ہے کہ ”جماعت المسلمین و امامہم“ سے مراد اہل حق (یعنی اہل الحدیث) کی جماعت (ہے)۔ معلوم نہیں کونسی عبارت صحیح ہے۔  
حق کی مخالفت ایسے ہی گُل کھلاتی ہے۔

## ⑥ قبج القاب

- ۱۔ مایخولیا (کارمیں) (ص ۳)
- ۲۔ ڈاکٹر عثمانی کار و معانی بھائی (و ملخصاً) (ص ۲۴) (ص ۱۰۶)
- ۳۔ احمق (ص ۲۹)
- ۴۔ آشفته سر (ص ۸۳)
- ۵۔ امام فتنہ (ص ۱۶۴)

## ⑤ صفاتی نام

صفاتی ناموں پر بڑی طویل بحث کی گئی ہے۔ کتاب کے صفحے کے صفحے سیاہ کر دئے ہیں دیکھنے والا یہ سمجھنے پر مجبور ہوتا ہے کہ دلائل کی بھرمار کر دی گئی ہے حالانکہ صفاتی ناموں کا ہم انکار ہی نہیں کرتے۔ ہم تو کسی صفاتی

نام کو فرقہ دارانہ امتیازی نام قرار دینے پر اعتراض کرتے ہیں۔  
 صفاتی ناموں کا انبار خلط بحث کے سوا کچھ نہیں۔ عبداللہ صاحب  
 فرقہ دارانہ نام کی دلیل چاہیے نہ کہ صفاتی نام کی۔ ہم تو یہ پوچھتے ہیں کہ اہل  
 ایمان کا اصلی اور ذاتی نام کیا ہے۔ آپ جواب دیتے ہیں مسلم (ص ۲۴) تو پھر  
 اختلاف کیا ہے؟

## ⑤ اقوال الرجال

اقوال الرجال پر صفحے کے صفحے سیاہ کر دئے ہیں۔ ہم نے ان اقوال کا  
 کوئی جواب نہیں دیا اس لئے کہ ہم ان اقوال کو حجت ہی نہیں سمجھتے اور ہم  
 ہی کیا حجت نہیں سمجھتے عبداللہ صاحب بھی حجت نہیں سمجھتے (ص ۱۸)  
 عبداللہ صاحب نے صفاتی نام اور اقوال الرجال کو اس کثرت سے نقل  
 کیا ہے کہ کتاب کی ضخامت بہت بڑھ گئی ہے۔ اتنی ضخیم کتاب کو دیکھ کر کم  
 علم لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ جماعت المسلمین کی کمرٹ گئی اور وہ لا جواب ہو گئے  
 حالانکہ حقیقت اس کے خلاف ہے۔

سلسلہ اشاعت ۱۲۳  
بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ  
ذوالحجہ ۱۴۱۵ھ

## عبداللہ صاحب دامانوی کی علمی تنگ دامانی

اہل حدیث نام کیس نے رکھا؟ اور کب رکھا؟  
یہ وہ چبھتے ہوئے سوال تھے جن کا جواب علمائے اہل حدیث نے آج تک نہیں دیا۔ ہاں البتہ اللہ تعالیٰ کے رکھے ہوئے نام ”مسلم“ کو اپنانے کے خلاف اہل حدیث حضرات نے وہ طوفان سر پر چڑھایا ہوا ہے کہ ”الامان المحفیظ“  
معاملہ جب علم و عرفان اور اخلاقی اقدار سے ہٹ کر بغض و شنان اور ہٹ دھرمی ہی تک محدود ہو جائے تو آخر کس کس بات کا جواب دیا جائے؟  
عبداللہ صاحب دامانوی کو بھی لفظ امیر، مسلم اور مرتب جماعت المسلمین سے جڑے لہذا وہ آئے دن پرانے بغض کونت نے انداز میں عوام الناس کے سامنے پیش کرتے رہتے ہیں جن کے جوابات بار بار دئے جا چکے ہیں لیکن مطمئن ہو جانے کے بعد پھر سے ”بیا جال لائے پرانے شکاری“  
کے مصداق کسی بات کو ”ISSUE“ بنا کر پھر وہی ناگ الاپنے شروع کر دیتے ہیں جن سے جہلامرغوب ہو جاتے ہیں۔

عبداللہ صاحب دامانوی نے ایک نئے عنوان کے تحت پرانے اعتراضات کو ایک بار پھر ایک پمفلٹ کی شکل میں بعنوان: ”مسعود احمد بی ایس سی کی حقانیت سے چشم پوشی“ شائع کیا ہے حالانکہ ان کے اعتراضات کے جوابات دئے جا چکے ہیں لیکن لوگوں کو یہ تاثر دیتے ہیں کہ ان کے اٹھائے گئے اعتراضات اتنے علمی ہیں کہ جماعت المسلمین نے ان کے جوابات نہیں دئے۔

بہر حال ایک بار پھر ان اعتراضات کے جوابات ذیل میں پیش کئے جاتے ہیں۔  
عبداللہ صاحب لکھتے ہیں:

**اعتراض** | موصوف نے اپنے ہر لٹریچر میں یہ لکھا ہے اللہ نے ہمارا صرف ایک ہی نام رکھا ہے یعنی مسلم اور اس دعوے پر انہوں نے اس قدر شدت اختیار کی کہ مسلم کے علاوہ دوسرے تمام ناموں ہی کا انکار کر دیا۔

موصوف کے دعوے کی سب سے بڑی دلیل یہ آیت ہے۔ هُوَ سَمُّكُمْ



الْمُسْلِمِينَ مِنْ قَبْلُ وَفِي هَذَا (ج - ۷۸) اللہ تعالیٰ نے نزول قرآن سے پہلے بھی اور اس قرآن میں بھی تمہارا نام مسلم رکھا ہے (ہمارا نام صرف ایک یعنی مسلم ص ۲)

اس آیت سے یہ ثابت ہوا کہ اللہ نے ہمارا نام مسلم بھی رکھا ہے (مسود احمد بی ایس سی کی حقائق سے چشم پوشی ص ۲)

جواب | بہتر تو یہ تھا کہ موصوف قرآن مجید کی کوئی ایسی آیت پیش کرتے جو ہو مَنَّكُمْ الْمُسْلِمِينَ کی ضد ہو یا نعم البدل ہو جب ایسی کوئی آیت نہیں ہے اور ہرگز نہیں ہے تو ان کا اعتراض بیکار اور لغو ہونے کی وجہ سے کالعدم ہے لہذا بقول موصوف کے مذکورہ آیت ہمارے دعوے کی سب سے بڑی دلیل ہے فلنہ الحمد۔

المحمدیوں پر حیرت ہے کہ مذکورہ آیت کو صرف ہمارے لئے ہی سب سے بڑی دلیل سمجھتے ہیں اپنے لئے نہیں یہی وجہ ہے کہ وہ اپنے خود ساختہ نام کو اللہ تعالیٰ کے رکھے ہوئے نام پر فوقیت دیتے ہیں اسے چھوڑنے پر قطعی آمادہ نہیں، بتلیئے اس طرز عمل کو کیا کجا جلئے؟

موصوف کی خط کشیدہ عبارت کہ

”اس آیت سے یہ ثابت ہوا کہ اللہ نے ہمارا نام مسلم بھی رکھا ہے“ معنی خیز ہی نہیں بلکہ انتہا درجہ کی ہٹ دھرمی ہے۔ معلوم نہیں انہوں نے لفظ ”بھی“ کا اضافہ کس لئے کیا ہے؟

بہر حال اس آیت سے صرف مسلم نام ”ہی“ کا ثبوت ملتا ہے ”بھی“ کا نہیں اعتراض | لیکن اس آیت میں اس بات کا کہیں ذکر نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارا نام صرف مسلم رکھا ہے یا بالفاظ دیگر مسلم نام کے علاوہ دوسرے نام ممنوع ہیں (حوالہ مذکور ص ۲) جواب | جو نام اللہ تعالیٰ نے رکھا ہے وہی نام اسم علم ہے اور وہی نام ہم نے لکھا ہے۔ رہے صفاتی نام تو اس کا کس نے انکار کیا ہے؟ موصوف کا الزام قطعی جھوٹ ہے۔

اعتراض | عبد اللہ دامانوی لکھتے ہیں :-

اس بات سے کوئی بھی انکار نہیں کر سکتا کہ ہمارا نام مسلم ہی ہے اور دنیا میں ہم اسی نام سے متعارف ہیں (حوالہ مذکور ص ۳) جواب | یہ ہماری تائید ہے فلنہ الحمد۔

اعتراف | یہ کوئی دور کی کوڑی نہیں جسے موصوف لے کر آئے ہوں البتہ موصوف جو دور کی کوڑی لائے ہیں وہ یہ ہے کہ ہمارا صرف ایک ہی نام مسلم ہے اور موصوف کی یہ فکر قرآن و حدیث کے سراسر منافی ہے (حوالہ مذکور ص ۳)

جواب | ذاتی نام تو صرف مسلم ہے اور یہ بات تو عبد اللہ صاحب بھی تسلیم کرتے ہیں کہ ہمارا "ذاتی نام مسلم ہے" (الفترۃ الجدیدہ ص ۳)

مسلم نام قرآن و حدیث کے عین مطابق ہے البتہ اہل حدیث نام قرآن و حدیث کے سراسر منافی ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کے رکھے ہوئے نام سے انحراف ہے۔

دور کی کوڑی تو اہل حدیث لائے ہیں جنہوں نے مسلم نام کو چھوڑ کر خود ساختہ نام رکھا ہے اور اسی پر اڑے ہوئے ہیں۔

عبد اللہ صاحب کا اعتراض لفظ "صرف" پر ہے لیکن عبد اللہ صاحب خود لکھتے ہیں: ہمارا نام مسلم ہی ہے (حوالہ مذکور ص ۳) "صرف" اور "ہی" میں کیا فرق ہے جو ہم نے لکھا آپ نے بھی لکھا۔ فلہ الحمد۔ مزید برآں ہم "صرف" ذاتی نام کہہ لیتے ہیں۔ صفاتی ناموں سے ہمیں انکار نہیں۔ عبد اللہ صاحب صفاتی ناموں کی بحث بغیر ضرورت و حوکہ دینے کے لئے آئے اور دلیل میں ترمذی اور مسند احمد کی حدیثیں پیش کرتے ہیں کہ دیکھو اللہ تعالیٰ نے مسلمین، کے علاوہ مؤمنین، عباد اللہ نام بھی رکھے ہیں۔

اہل حدیث حضرات کی مذکورہ دلیل محض اپنے نام کے دفاع کا شاخسانہ ہے ورنہ ترمذی اور مسند احمد کی حدیثیں جس طرح دوسروں کے لئے بطور حجت پیش کرتے ہیں وہ خود ان پر عمل کرنے کے لئے تیار نہیں اگر وہ ان حدیثوں کو اپنے لئے حجت سمجھتے تو اپنے نام کی قربانی دے کر مؤمنین یا عباد اللہ ہوتے یا کہلاتے۔

حیرت ہے اس قول و فعل کے تضاد کے باوصف اور اپنی ہی پیش کردہ حدیثوں کے باوجود یہ حضرات مصر ہیں کہ وہ اہل حدیث ہیں۔ اس حدیث میں تو ہے کہ صرف اللہ کے رکھے ہوئے ناموں یا القاب سے پکارو تو کیا اہل حدیث نام یا لقب اللہ کا رکھا ہوا ہے۔

اعتراف | فَاذْعُوْا بِدَعْوَى اللّٰهِ الَّذِیْ سَمَّاکُمُ الْمُسْلِمِیْنَ الْمُسْلِمِیْنَ عِبَادَ اللّٰهِ (رواہ الترمذی کتاب الاشارة و صحیح)

یہ حدیث اگر صرف انہی الفاظ کے ساتھ مروی ہوتی تو ممکن تھا کہ موصوف لوگوں کو دھوکا



دینے میں کامیاب ہو جاتے لیکن الحمد للہ یہ حدیث مختلف الفاظ کے ساتھ کتب احادیث میں موجود ہے۔ چنانچہ مسند احمد میں یہ حدیث ان الفاظ کے ساتھ آئی ہے۔ **فَاذْعُرُوا الْمُسْلِمِينَ بِأَسْمَائِهِمْ بِمَا شَاءَ اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ الْمُسْلِمِينَ الْمُؤْمِنِينَ عِبَادَ اللَّهِ عَزَّ وَجَلَّ** (مسند احمد جلد ۱۳ ص ۱۳۲ اسناد صحیح) (حوالہ مذکور ص ۵) **جواب** یہاں بھی معترض کی علمی تنگ دامانی واضح ہے۔ حدیث تو بہر حال ایک ہی ہے مختلف الفاظ سے مروی ہونے کی وجہ سے موصوف و موصو کا کھا گئے۔

اب موصوف بتائیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعویٰ فرمایا تھا یا اسماء؟ کیا موصوف اس کا جواب دے سکتے ہیں؟

بہر حال ہم نے صحاح ستہ کی کتاب ترمذی پر بھروسہ کیا اور اسماء کو کسی راوی کی غلطی شمار کیا لہذا موصوف کا اعتراض ہی بچکانہ ہے۔

مزید برآں موصوف کا بغیر علم کے مسند احمد کی مذکورہ حدیث کو بطور دلیل پیش کرنا ان کے لئے بھی مفید نہیں چہ جائیکہ وہ دوسروں کے لئے اسے حجت قرار دیں۔

**اعتراض** موصوف نے اپنے مسلم رسالہ میں سب سے پہلے مسند احمد ہی کی حدیث کو نقل کیا اور اس کا ترجمہ بھی درست کیا البتہ اس حدیث میں انہوں نے لفظ اسماء نقل نہیں کیا تھا یا لکھنے سے رہ گیا تھا (حوالہ مذکور ص ۶)

**جواب** یہ اعتراض بھی صحیح نہیں ہے ہم نے ترمذی کا حوالہ بھی دیا تھا اور ترمذی ہی کے صحیح متن کو نقل کیا تھا۔ لفظ اسماء کو کیوں نقل نہیں کیا اس کا جواب اوپر دیا جا چکا ہے۔

**اعتراض** اس سلسلہ کی ایک اور حدیث بھی ملاحظہ فرمائیں: **وَلَكِنْ تَسْمُوا بِأَسْمِ اللَّهِ الَّذِي مَتَّاهُمْ عِبَادَ اللَّهِ الْمُسْلِمِينَ الْمُؤْمِنِينَ** (مسند احمد جلد ۵ ص ۳۲۲) وقال الابانی واسناد صحیح (حوالہ مذکور ص ۵)

**جواب** پہلے یہ تو بتائیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کون سا لفظ فرمایا تھا۔ یہی سوال ان سے پہلے بھی کر چکے ہیں لیکن جواب نہیں دیتے اعتراض بدستور موجود ہے۔ ہم پھر سوال کرتے ہیں کہ کیا اہل حدیث نام اللہ تعالیٰ نے رکھا ہے۔ اگر نہیں رکھا تو اس حدیث کی رو سے اس نام کا رکھنا ناجائز ہے۔

**اعتراض** جناب حذیفہ رضی اللہ عنہ کی روایت تلزم جماعة المسلمين وانا معهم میں موصوف



بتائیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ان وصیتوں پر کس طرح عمل کیا جائے؟ اگر جماعت المسلمین ہے تو اس میں شامل ہو جائیے نہیں ہے تو بنائیے، نہیں بنا سکے تو پھر تنہا فرقوں سے کنارہ کش ہو جائیے اور اسی حالت میں مرجلیے۔

جب موصوف کی گرفت ہوئی تو انہوں نے "نہیں ہے تو بنائیے، نہیں بنا سکتے" کے الفاظ خاموشی سے غائب کر دئے اور ان الفاظ کی جگہ ایک لائن چھوڑ دی اور جب موصوف کو بعد میں احساس ہوا..... تو انہوں نے بعد میں خاموشی سے یہ خالی جگہ بھی ختم کر دی۔  
(حوالہ مذکور ص ۸)

جواب یہ اعتراض بالکل بیکار ہے اس اعتراض میں بھی کوئی صداقت نہیں ہے۔  
مذکورہ الفاظ محض وقت کی بچت اور مسودہ کاتب کے پاس نہ لے جانے کی وجہ سے کاٹ دئے تھے اور اس لئے کاٹ دئے تھے کہ اس وقت جماعت المسلمین بن چکی تھی۔  
جب ایک چیز وجود میں آجائے تو "نہیں ہے تو بنائیے" کی تکرار کا کیا جواز باقی رہ جاتا ہے۔  
لہذا موصوف کا یہ اعتراض محض پردہ پگند ہے کہ ہم نے مذکورہ الفاظ کسی کی گرفت کی وجہ سے کاٹ دئے۔

موصوف اس الزام کا ثبوت پیش کریں ورنہ اپنی غلط بیانی سے رجوع کریں۔  
حیرت ہے موصوف کو اتنی معمولی بات بھی سمجھ میں نہیں آتی اور مسلسل اعتراض کرتے رہتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ اس لئے کاٹے گئے یہ اس لئے پر کیا یہ اس لئے کیا وہ اس لئے کیا۔  
کیا ان کو ہماری نیت کی خبر ہے یہ تو اللہ عالم الغیب ہی جانتا ہے۔  
موصوف کو شاید علم نہیں کہ بعض گمان گناہ ہوتے ہیں۔  
مزید برآں کم از کم موصوف کو یہ اعتراض زیب نہیں دیتا کہ وہ جماعت المسلمین کے بارے میں یہ اعتراض کریں کہ نہیں تھی تو بنائیے کیوں؟

ہم پوچھتے ہیں کہ انہوں نے جماعت المسلمین تھی تو حزب المسلمین، جماعت المسلمین اور پھر چھوٹی تا دالی جماعت من المسلمین (حقیقی) آخر کس دلیل کی بنیاد پر بنائی؟

اعتراض موصوف نے حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں جو اضافہ کیا تھا اس کا بھی کوئی جواب موصوف نے اب تک نہیں دیا اور نہ ہی اس جھوٹ اور افتراء پر دازی کا جواب ان کے پاس موجود ہے (حوالہ مذکور ص ۹)

**جواب** | اعتراض کیا ہے شاہکار ہے۔ موصوف نے یہ نہیں بتایا کہ کیا اضافہ کیا ؟

موصوف نے اپنے کتابچہ کے ص ۲ پر یہ لکھا ہے کہ

اس آیت سے ثابت ہوا کہ اللہ نے ہمارا نام مسلم بھی رکھا ہے۔

کیا وہ بتا سکتے ہیں کہ لفظ ”بھی“ محض اضافہ ہے تحریف معنوی بھی ہے ؟

**اعتراض** | موصوف کے مطابق دنیا میں کہیں بھی جماعت المسلمین موجود نہ تھی تو ایسی صورت میں انہیں مجبوراً دوسرے حکم پر عمل کرنا چاہیے تھا۔

اس حدیث میں دوسرا حکم یہ ہے کہ اگر جماعت المسلمین اور اس کا امام موجود نہ ہو تو پھر تمام فرقوں سے علیحدہ ہو جانا چاہیے خواہ درخت کی جڑیں ہی کیوں نہ چبانی پڑیں۔ (حوالہ مذکور ص ۲)

**جواب** | الحمد للہ ہم نے قرآن مجید و حدیث کی روشنی میں پورا پورا عمل کیا۔ یعنی فاعزل تلك الفرق كلها (صحیحین) کے مطابق پہلے فرقوں سے علیحدہ ہوئے اور پھر آیت کریمہ واعتصموا بحبل اللہ جمیعاً (آل عمران) کے مطابق اکٹھے ہوئے گویا ہم نے قرآن و حدیث کے تقاضوں کے عین مطابق عمل کیا۔

اب اہلحدیثوں کے بھی خواہ جواب دیں کہ انہوں نے کس آیت یا کس حدیث کو دلیل بنا کر جھوٹی تناوالی جماعت بنائی ؟

اہلحدیث حضرات اکثر یہ اعتراض کرتے ہیں کہ جماعت المسلمین نہیں تھی تو بنائی کیوں اور جماعت المسلمین نے ابوداؤد اور مسند احمد میں وارد حذیفہ بن یمانؓ والی حدیث کے مطابق جنگل میں جا کر درختوں کی جڑیں چبانے پر عمل کیوں نہیں کیا ؟

حذیفہ بن یمانؓ کی وہ حدیث جس میں چاروں زمانوں کا ذکر ہے صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں موجود ہے۔ اس پر ہم نے عمل کیا۔

**اعتراض** | عبداللہ صاحب نے کتابچہ کے آخر میں ہمیں مناظرہ کا چیلنج ان سطور کے ذریعہ دیا ہے۔ گویا ایک قسم کی دھمکی دی گئی ہے وہ لکھتے ہیں :

”گذشتہ سطور میں جو حقائق میں نے بیان کئے ہیں اگر موصوف ان کو تسلیم کرنے کے لئے تیار نہیں تو میری طرف سے انہیں چیلنج ہے کہ وہ ان نکات پر جہاں اور جس جگہ

چاہیں علماء کرام کی موجودگی میں مجھ سے گفتگو کر لیں۔“ (حوالہ مذکور ص ۲)

**جواب** | موصوف نے کہیں بھی حقائق بیان نہیں کئے ان کی اپنی کوئی تحقیق نہیں وہ صرف



ان ہی اعتراضات کو دہرا رہے ہیں جو اہلحدیث حضرات کی جانب سے اکثر حضرات  
برپاء کرتے رہے ہیں لہذا ان کا یہ دعویٰ صحیح نہیں کہ انہوں نے حقائق بیان کئے ہیں بہر حال  
حقائق کے نام پر جو کچھ انہوں نے بیان کیا وہ قارئین کے سامنے آچکا وہ خود فیصلہ کر لیں۔  
اس کے باوجود موصوف مناظرہ کرنے پر بضد ہیں (تو یہ جانتے ہوئے کہ مناظرہ  
کے نتائج کبھی فیصلہ کن نہیں ہوتے اور ہمیشہ شکست خوردہ ہی فتح کے بگل وڈنکے بجاتے  
ہیں) تو ہم ان کی اس بچکانہ خواہش کو بھی پورا کرنے کے لئے تیار ہیں بشرطیکہ مناظرہ کھلے  
میدان میں ہو، ثالث کا تقرر مشترکہ رضامندی سے ہو، حکومت سے اجازت لی جائے،  
تحفظ کا خصوصی اور یقینی انتظام کرایا جائے۔

مناظرہ کا چیلنج بچکانہ ہے، یہ عموماً کم علم لوگوں کی طرف سے ہی دیا جاتا ہے تاکہ ان  
کی شہرت ہو اور انہیں یہ کہنے کا موقع ملے کہ ”بھاگ گئے“، ”بھاگ گئے“۔  
الغرض دلائل تو تحریری صورت میں موجود ہیں وہی اصل چیز ہوتے ہیں باقی زبانی منظر  
کا چیلنج محض دفع الوقتی ہے۔

عبد اللہ دامانوی صاحب نے کتابچہ میں لوگوں کو چونکانے اور جماعت المسلمین کو  
بدنام کرنے کی غرض سے دو خطوط بھی شائع کئے ہیں ان میں سے ایک خط کسی عرفان بیگ  
صاحب کا ہے وہ جماعت میں کب آئے اور کب چلے گئے یہ تحقیق طلب ہے۔ دوسرا  
خط وقار علی صاحب کا ہے ان کو ہم نے ان کے سوالات کا تحریری جواب دے دیا تھا انہوں  
نے ان کا کوئی جواب نہیں دیا بلکہ رجوع کر لیا پھر مزید تحقیق انہوں نے یہ کی کہ ہمارے متعلق  
ہمارے مخالف علماء سے سوال کیا جنہوں نے ہمیں خارجی قرار دے دیا (إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا  
إِلَيْهِ رَاٰجِعُونَ)۔

کیا خوب تحقیق ہے!

محمد یوسف

جماعت المسلمین



بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

ذوالحجہ ۱۴۱۲ھ

## وقار علی صاحب کا خرّوج

سلسلہ انشاء

سری لنکا کے تبلیغی دورے سے قبل وقار علی صاحب چودہ سال کے طویل عرصہ تک جماعت المسلمین کے مخلص اور فعال رکن تھے اور اچھی شہرت کے حامل تھے اور مستقبل کے لئے ان سے اچھی توقعات وابستہ تھیں لیکن افسوس کہ سری لنکا کے دورے ہی کے دوران انہیں شیطان نے بہکایا اور وہاں وہ اپنے اجتہادات و عقائد کا پرچار کرنے لگے۔

واپسی کے بعد مقامی شاخ کے امیر سے مسلسل اختلاف کرتے رہے اور بحث و مباحثہ کرتے رہے اور ارکان جماعت کو زک پہنچاتے رہے۔

ان کی سرگرمیوں کی اطلاعات مرکز کو پہنچیں تو ان سے بذریعہ ایک مکتوب جواب طلبی کی گئی انہیں جو مکتوب لکھا گیا اس کے مندرجات ذیل میں پیش کئے جاتے ہیں۔

”اما بعد۔ آپ نے میری بیماری کے زمانہ میں جب کہ میں نار تھ ناظم آباد میں تھا تو ایک پرچہ مجھے دیا تھا جس میں آپ کے غلط عقائد تحریر تھے۔

ان عقائد کا چرچا آپ نے سری لنکا میں بھی کیا اور جماعت کو بدنام کیا اور اب سنا ہے کہ یہاں بھی (پشاور میں بھی) کر رہے ہیں۔

آپ نے وہ پرچہ مجھے دیا تھا کہ میں صحیح عقائد اور ان کے دلائل لکھوں۔ آپ کو میرے جواب کا انتظار کرنا چاہیے تھا لیکن آپ بغیر انتظار کئے ان غلط عقائد کا پرچار کر رہے ہیں۔

ایسا کیوں ہوا؟ آپ فوری طور پر جواب دیں۔“

بہر حال تیرکمان سے نکل چکا تھا بعد کے خطوط سے اندازہ ہو گیا کہ وہ رفتہ رفتہ صراطِ مستقیم سے دور ہوتے چلے گئے۔ ان کے پاس قرآن مجید اور احادیث مبارکہ سے دلائل ہرگز نہیں تھے اور نہ ہیں۔

اس صورتحال کی سنگینی کو مد نظر رکھتے ہوئے انہیں فوری طور پر کراچی طلب کیا گیا ان کے سوالات کے جوابات دئے گئے (ان سوالوں کے جوابات کی تفصیل اگلے صفحات پر انشاء اللہ پیش کی جائے گی) اور ان سے زبانی بات چیت بھی ہوئی جس

میں وہ لا جواب ہو گئے۔ مطمئن ہو جانے کے بعد انہوں نے وعدہ کیا کہ اگر کوئی مسئلہ سمجھ میں نہیں آیا تو بذریعہ خط و کتابت تسلی کروں گا۔

بظاہر وہ اپنے باطل نظریات سے تائب ہو چکے تھے لہذا حسن ظن رکھتے ہوئے انہیں معاف کر دیا گیا۔

صوبائی امراء اور امیر جماعت المسلمین سری لنکا کو درج ذیل سطور کے ذریعہ مطلع کر دیا گیا کہ

”الحمد للہ وقار علی صاحب نے اپنے غلط عقائد سے رجوع فرمایا ہے اور اپنی غلطی تسلیم کر لی ہے۔ لہذا انہیں جماعت میں واپس لیا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ انہیں ثابت قدم رکھے۔“

یہ امر قابل ذکر ہے کہ وقار علی صاحب نے مکتوب ہذا پر اپنے دستخط کر کے خط وصول کیا۔

بعد ازاں واپس پشاور پہنچ کر امیر صوبہ سرحد کو رجوع کا خط لکھا لیکن کچھ ہی دنوں بعد مقامی علماء کے فتویٰ ”یہ جماعت خارجیوں کی جماعت ہے“ کو بنیاد بنا کر جماعت سے خروج کا فیصلہ کر لیا، اسی پر اکتفا نہیں کی بلکہ پہلے سے طے شدہ پروگرام کے تحت بغاوت کی باقاعدہ فہم شروع کر دی۔

اس باغیانہ فہم میں انہوں نے خصوصی طور پر امیر جماعت المسلمین کے خلاف ہتھان تراشیاں، طنز آمیز جملے، بدگمانیاں اور اچھے ہتھکنڈوں سے انہیں بدنام کرنے اور اہل کان جماعت کو توڑنے کی کوششیں شروع کر رکھی ہیں۔

حتیٰ کہ جماعت المسلمین کے مخالفین کو چھ صفحات پر مشتمل خط کی نقول بھی بھیجی شروع کر دی ہیں۔

اس سلسلہ میں ان کے ارسال کردہ خط کو عبد اللہ صاحب دامانوی نے نعمت غیر مترقبہ سمجھ کر شائع بھی کر دیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک عرصہ سے جماعت المسلمین کے خلاف جہلائی کام کر رہی ہے (جن کی نشاندہی ہم اکثر کرتے رہتے ہیں) اس نے بالآخر وقار علی صاحب کو بھی اس لابی نے اپنی خدمات کے لئے چن لیا ہے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ اب ملاحظہ فرمائیے وقار علی صاحب کے ان غلط عقائد و نظریات کے جوابات جن کو بنیاد بنا کر انہوں نے جماعت سے خروج کیا اور ارکان جماعت کو توڑنے اور انہیں



گمراہ کرنے کی تحریک چلانی شروع کی۔

یہ وہ ٹھوس جوابات ہیں جس کی وجہ سے انہوں نے رجوع بھی کر لیا تھا اور تائب ہو گئے تھے لیکن بعد میں پھر گمراہ ہو گئے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

## وقار علی صاحب کی غلط فہمیاں اور ان کا ازالہ

غلط فہمی | جماعت المسلمین اور تمام فرقے امت مسلمہ میں شامل ہیں۔

ازالہ | امت میں تو بے شک شامل ہیں لیکن امت مسلمہ میں شامل نہیں۔

امت مسلمہ اور جماعت المسلمین ایک ہی چیز ہے۔ امت مسلمہ جماعت المسلمین ہے اور جماعت المسلمین امت مسلمہ ہے۔ یہ دو چیزیں نہیں ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف ایک جماعت کو جماعت المسلمین کہا اور باقی سب کو فرقے کہا۔ اگر فرقے بھی جماعت المسلمین یا امت مسلمہ ہوں تو پھر ایک جماعت کو جماعت المسلمین کیوں کہا؟ اگر فرقے بھی جماعت المسلمین ہوں تو پھر متعدد جماعت المسلمین ہو جائیں گی۔ پھر کونسی جماعت المسلمین سے چٹا جائے گا؟

غلط فہمی | ہر مشرک کافر نہیں اور ہر کافر مشرک کافر نہیں۔ فرقہ پرست کفار مکہ و مشرکین مکہ جیسے کافر یا مشرک نہیں ہیں۔

ازالہ | لفظی بحث کو نظر انداز کرتے ہوئے میں یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ کیا کافر اور مشرک کا انجام یکساں ہے۔ اگر انجام یکساں ہے تو لفظی بحث فضول ہے۔

بے شک فرقہ پرست کفار مکہ اور مشرکین مکہ جیسے کافر یا مشرک نہیں۔ یہ کلمہ پڑھتے ہیں، وہ کلمہ نہیں پڑھتے تھے۔ یہ ایمان کا دعویٰ کرتے ہیں، وہ ایمان کا انکار کرتے تھے۔ میں پوچھنا چاہتا ہوں کہ اگر کوئی شخص کلمہ پڑھتا ہو لیکن حدیث یا سنت کا انکار کرتا ہو تو وہ کافر ہو گا یا نہیں؟

میں پوچھنا چاہتا ہوں کہ اگر کوئی شخص ایمان کا دعویٰ کرتا ہو لیکن غیر اللہ کو عالم الغیب ماننا، وہ کافر ہو گا یا نہیں؟ اگر ہو گا تو یہ کفار مکہ جیسا کافر تو یقیناً نہیں ہو گا۔ فرقہ پرستی مشرک ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: وَلَا تَكُونُوا مِنَ



المشركين من الذين فرقوا دينهم - اب اگر فرقہ پرست کافر نہ بھی ہو فرقہ نہیں پڑتا اس لئے کہ کافر اور مشرک کا انجام یکساں ہے۔

اگر یہ کہا جائے کہ کلمہ گو مشرک ہوتا ہی نہیں تو یہ بھی صحیح نہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :- وما يؤمن اكثرهم بالله الا وهو مشركون - ایمان لانے والوں کی اکثریت مشرک ہوتی ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے : لقد كفر الذين قالوا ان الله ثالث ثلاثة۔ اللہ تعالیٰ کو تین میں سے ایک ماننا شرک ہے۔ اس آیت میں شرک کو کفر کہا گیا ہے۔ (یقیناً ان لوگوں نے کفر کیا جنہوں نے کہا کہ اللہ تین میں سے ایک ہے)۔

فرقہ پرستوں سے کہا جائے گا : اکفرتم بعد ایمانکم (کیا تم نے ایمان لانے کے بعد کفر کیا) گو یا فرقہ پرستی کفر ہوئی (آل عمران - ۱۰۶) نتیجہ یہ نکلا کہ فرقہ پرستی شرک بھی ہے اور کفر بھی۔

غلط فہمی ۲ | جو شخص جماعت المسلمین کے امیر کے ہاتھ پر بیعت نہیں کرتا وہ کافر نہیں ہے کیونکہ بیعت شرائط ایمان میں شامل نہیں ہے؟

ازالہ | کیا جو چیز شرائط ایمان میں شامل نہیں اس کا انکار کفر نہیں؟ کلمہ شہادت پڑھ کر کافر مسلم ہوتا ہے۔ کیا اس کو شرائط ایمان بتائے جائے ہیں یا صرف کلمہ شہادت کافی ہوتا ہے۔

من قال لا اله الا الله کے تحت جو شخص لا اله الا الله پڑھ لے جنت میں جائے گا۔ ایمان کے شرائط کہاں غائب ہو گئے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں : من مات وليس في عنقه بيعة مات ميتة جاهلية (صحیح مسلم) اس حدیث کی رو سے بیعت شرائط ایمان میں سے ہے ورنہ جاہلیت کی موت مرگیا یعنی کفر کی موت مرگیا۔ کفر کی موت سے بچنے کے لئے بیعت شرط ہے۔ ہمارا حدیث پر ایمان ہے اور بغیر تادیل کے ایمان ہے۔

غلط فہمی ۳ | جو شخص تمام فرقوں سے علیحدہ ہو کر صرف قرآن و حدیث پر عمل کرے وہ مشرک نہیں۔ میں اسے مسلم سمجھتا ہوں۔

ازالہ | ایسا شخص نہ قرآن مجید پر عمل کرتا ہے اور نہ حدیث پر۔ قرآن مجید میں ہے : واعتصموا بحبل الله جميعاً ولا تفرقوا۔ اس کا عمل اس آیت پر نہیں۔ حدیث

میں ہے تلزم جماعة المسلمين۔ اس کا عمل اس حدیث پر نہیں تو پھر یہ کتنا کہ وہ قرآن و حدیث پر عمل کرتا ہے صحیح نہیں۔

غلط فہمی ۵ | جو شخص جماعت المسلمین چھوڑ دے وہ مرتد نہیں ہے۔

ازالہ | رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: من فارق الجماعة قيد شبر فقد خلع ربة الاسلام من عنقه الا ان يراجع (ترمذی، صحیح الترمذی) من خرج من الجماعة قيد شبر فقد خلع ربة الاسلام من عنقه حتى يراجعہ (رواہ الحاکم، سندہ صحیح)

جماعت چھوڑنے والے نے (پوری طرح نہیں صرف ایک بالشت) جماعت کو چھوڑ دیا تو اس نے اسلام کی رستی کو اتار دیا۔ اب وہ کیا ہوا؟ اسلام کو چھوڑنے والا کیا ہوتا ہے؟

غلط فہمی ۶ | بدعتی گناہ گار ہے۔ سزا کا مستحق ہے لیکن مرتد نہیں۔

ازالہ | بدعت دین میں اضافہ کا نام ہے۔ دین میں اضافہ کوئی نہیں کر سکتا۔ یہ شرک فی الدین ہے۔

غلط فہمی ۷ | ابن حجر، سیوطی مسلم تھے۔ البانی اور ابن باز وغیرہ مسلم ہیں۔

ازالہ | ہم کسی کو کافر نہیں کہتے لیکن کفر کو کفر کہہ سکتے ہیں۔ ہم وہی کہتے ہیں جو موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جواب دیا تھا۔ علمہا عند ربی فی کتاب۔ یا یہ کہتے ہیں: تلك امة قد خلت لهما ما كسبت۔

غلط فہمی ۸ | فرقہ پرست کو لڑکی دینا یا فرقہ پرست لڑکی لینا دینی طور پر حرام نہیں۔

ازالہ | فرقہ پرستی شرک ہے تو پھر فرقہ پرست کو لڑکی دینا یا فرقہ پرست لڑکی لینا کس طرح جائز ہو سکتا ہے؟

غلط فہمی ۹ | فرقوں اور طاغوتی حکومت کے مدارس میں بچوں کو پڑھانا جائز نہیں۔

ازالہ | شرک اور کفر کے کاموں سے بچا کر پڑھایا جاسکتا ہے ورنہ نہیں۔

غلط فہمی ۱۰ | اجماع صحابہ اور تواتر عملی حدیث کی ایک قسم نہیں۔

ازالہ | قبر میں میت کو کس طرح لٹایا جائے یہ حدیث میں نہیں۔ تو اتر عملی ہے۔ رسول

اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی اسی طرح لٹایا گیا اور اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں لٹایا گیا لہذا یہ حجت کیسے نہیں ہوگا۔ نماز میں درود شریف پڑھنے کا محل حدیث



میں مقرر نہیں۔ عملی توازن ہے کہ التیات کے بعد پڑھا جائے۔ کیا یہ حجت نہیں ہوگا۔ کیا رکوع میں درود شریف پڑھ کر درود شریف پڑھنے کے حکم پر عمل کیا جاسکتا ہے؟ کسی دینی فعل پر اجماع صحابہ بھی حجت ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوگا کہ صحابہ کے فعل کا سرچشمہ ایک ہے اور وہ سرچشمہ سنت ہی ہو سکتی ہے۔

والذین اتبعوه باحسان اور جنہوں نے مہاجرین اور انصار کی خوبصورتی یا خلوص کے ساتھ پیروی کی۔ (توبہ) اس سے اجماع صحابہ پر استدلال ہو سکتا ہے۔

و یتبع غیر سبیل المؤمنین نولہ ما توفی و نصلہ جہنم۔ اور جو شخص مؤمنین کے راستہ کے علاوہ کسی اور راستہ کی پیروی کرتا ہے ہم اس کو ادھر ہی جانے جانے دیں گے جہرہ جارہا ہے اور اس کو دوزخ میں داخل کریں گے۔

اجماع صحابہ کو یا مؤمنین کا راستہ ہے۔ آیت کے نزول کے وقت مؤمنین صحابہ ہی تھے۔ ان کی پیروی میں نجات ہے گویا اجماع صحابہ حدیث کی ایک قسم ہے ورنہ ان کی پیروی سے نجات کیسے ملتی۔

غلط فہمی ۱۱ | اگر جماعت المسلمین سے نکلنا اسلام سے نکلنا ہے تو اس صورت میں کسی شخص کو جماعت سے خارج نہیں کیا جاسکتا۔

ازالہ | یہ تو صحیح ہے کہ جماعت المسلمین سے نکلنا اسلام سے نکلنا ہے اور یہ آپ کو بھی تسلیم ہے۔ فلنہ الحمد۔

دین اور جماعت کے مفاد میں خارج کیا جاسکتا ہے۔ خارج اسی کو کیا جاتا ہے جو بغاوت یا نافرمانی کر کے نکل چکا ہوتا ہے۔ ”او ینفوا من الارض“ جب باغی کو ملک سے نکالا جاتا ہے تو وہ جماعت میں رہتا ہے؟ نہیں۔

جماعت سے خارج کرنے کی کوئی ممانعت نہیں لہذا دین اور جماعت کے مفاد میں جماعت سے خارج کر دینے میں کوئی خرابی نہیں۔ بالکل جائز ہے۔ یہ ایسا ہی ہے جیسے ایک زہر دار عضو کو پورے جسم کے بچانے کی خاطر کاٹا جاسکتا ہے۔ ایسے شخص کو جس کی وجہ سے عمت تباہ و برباد ہو جائے کس طرح برداشت کیا جاسکتا ہے۔ یہ انتظامی امور ہیں سہ اور انتظامی امور میں امیر کو اختیار ہے۔

غلط فہمی ۱۲ | کسی کا فہم واجب الاتباع نہیں۔

ازالہ | یہ صحیح ہے کہ کسی کا فہم واجب الاتباع نہیں لیکن امیر کی اطاعت ضروری ہے۔ اجتماعی



امور میں اختلاف کو مٹانے کے لئے امیر کا حکم ماننا ہوگا ورنہ جماعت میں انتشار پیدا ہوگا۔  
غلط فہمی ۱۳ | تلزم جماعت المسلمین واما ہم سے مراد خلیفہ ہے۔  
ازالہ | دلیل دیکھئے۔

شر کے زمانہ میں وہ خلیفہ بنا بیٹھا ہے اور شر کو مٹا نہیں سکتا تو وہ بے حکومت  
 امام کے مثل ہی ہوا۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

## جماعت المسلمین کی دعوت

ہمارا حکم	صرف ایک یعنی : اللہ تبارک و تعالیٰ .. اللہ کے سوا کوئی نہیں
ہمارا امام	صرف ایک یعنی : محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم .. فرقہ وارانہ امام نہیں
ہمارا دین	صرف ایک یعنی : اللہ کا پسند کردہ دین اسلام .. فرقہ وارانہ مذہب نہیں
ہمارا نام	صرف ایک یعنی : اللہ کا نکھا ہوا نام : مسلم .. فرقہ وارانہ نام نہیں
بنیادِ محبت	صرف ایک یعنی : اللہ تعالیٰ سے تعلق .. دنیوی تعلقات نہیں
وجہ افتخار	صرف ایک یعنی : ایمان باللہ العظیم .. وطن اور زبان نہیں

اگر آپ اس دعوت سے متفق ہیں تو ہمارے ساتھ تعاون فرمائیں۔  
 پمفلٹ مفت طلب فرمائیں۔

**جماعت المسلمین**  
 مسجد المسلمین - کوثر نیازی کالونی -  
 نارتھ ناظم آباد بلاک جی کراچی ۷۴

# جماعت المسلمین

بسم اللہ الرحمن الرحیم

# جماعت المسلمین اور الحدیث میں بنیادی فرق

ماہ شعبان ۱۴۹۹ھ

سلسلہ اشاعت ۹۵

عموماً لوگ ہم سے سوال کرتے ہیں کہ جب جماعت المسلمین اور الحدیث میں کوئی فرق نہیں، دونوں کا اصول ایک ہے، مسلک ایک ہے، تو پھر کیا وجہ ہے کہ آپ مل کر کام نہیں کرتے؟

اس سوال کا مختصر جواب یہ ہے کہ دونوں کا اصول ایک نہیں، دوسرے یہ کہ الحدیث کسی خاص مسلک کے پابند ہیں، جماعت المسلمین کسی خاص مسلک کی پابند نہیں۔ جماعت المسلمین کا دین تو ہے، مسلک کوئی نہیں، معلوم نہیں کہ دین کی جگہ مسلک نے کب لی اور یہ لفظ کس کی ایجاد ہے۔

اصول | جماعت المسلمین کے نزدیک اصل دین وہی ہے جو اس آیت میں بیان کیا گیا ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :

اتَّبِعُوا مَا أُنْزِلَ إِلَيْكُمْ مِنْ رَبِّكُمْ وَلَا تَتَّبِعُوا مِنْ دُونِهِ أَوْلِيَاءَ۔

اُس چیز کی پیروی کرو جو تمہارے رب کی طرف سے تم پر نازل کی گئی ہے اور اس کے علاوہ ولیوں کی پیروی نہ کرو۔

(الاعراف - ۳)

منزل من اللہ صرف قرآن و حدیث ہے لہذا صرف قرآن و حدیث ہی

اصل دین ہے کسی شخص کا اجتہاد و قیاس نہ منزل من اللہ ہے اور نہ وہ اصل دین ہے۔

برخلاف اس کے جماعت اہلحدیث کے ہاں اصل دین چار ہیں (۱) قرآن مجید (۲) حدیث (۳) اجماع صحابہ و تابعین اور (۴) قیاس۔ اس کے ثبوت کے لئے ہم مرکزی جمعیت اہلحدیث کے امیر جناب معین الدین صاحب لکھوی کے خطبہ صدارت کے چند اقتباسات پیش کرتے ہیں جو انہوں نے کل پاکستان اہلحدیث کانفرنس لاہور منعقدہ ۱۲، ۱۳، ۱۴، ۱۵، ۱۶، ۱۷، ۱۸، ۱۹، ۲۰، ۲۱، ۲۲، ۲۳، ۲۴، ۲۵، ۲۶، ۲۷، ۲۸، ۲۹، ۳۰، ۳۱ اپریل ۱۹۷۹ء میں دیا تھا۔ موصوف فرماتے ہیں :

”مسلب اہلحدیث کی بنیاد بھی انہی اصولوں پر ہے جن کو تمام ائمہ نے اسلام کی بنیاد قرار دیا ہے یعنی اللہ کی کتاب، اللہ کے رسول کی سنت، صلی اللہ علیہ وسلم، بعد اس کے اجماع صحابہ و تابعین اور اس کے بعد ائمہ مجتہدین کے اجتہادات اور فقہی فیوض جسے کتب اصول میں قیاس کے لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے۔“ (الاعتصام لاہور ص ۲۰ مورخہ ۲۰، ۲۱، ۲۲، ۲۳، ۲۴، ۲۵، ۲۶، ۲۷، ۲۸، ۲۹، ۳۰ اپریل ۱۹۷۹ء)

امیر موصوف اس کے آگے فرماتے ہیں :

”اپنے بزرگوں سے ہم نے اپنا مسلک ان الفاظ میں پایا۔

اصل دیں آمد مسلمان را قرآن پس حدیث سرور پیغمبراں

بعد ازاں اقوال اہل اجتہاد از صحابہ سید خیر العباد

پس ازان اقوال جملہ تابعین رحمۃ اللہ علیہم اجمعین

زاں پس اقوال قیاسیہ ہاں شد مقدم بر مقال دیگران

(ہفت روزہ الاعتصام لاہور ص ۲۰ مورخہ ۲۰، ۲۱، ۲۲، ۲۳، ۲۴، ۲۵، ۲۶، ۲۷، ۲۸، ۲۹، ۳۰ اپریل ۱۹۷۹ء)

مندرجہ بالا اقتباسات میں سے پہلے اقتباس سے ظاہر ہے کہ اہلحدیث



کے نزدیک مجتہدین کا اجتہاد اور قیاس بھی اسلام کی بنیاد ہے گویا اہلحدیث کے نزدیک مجتہدین کا وہ قیاس جس کا صحیح ہونا بھی یقینی نہیں اور جو زیادہ سے زیادہ ایک وقتی ضرورت پورا کرنے کے لئے واقع ہوا تھا مستقل اور دائمی قانون بلکہ ماخذ قانون سمجھا جاتا ہے۔ جماعت المسلمین کے نزدیک قانون ساز صرف اللہ تعالیٰ ہے، اللہ تعالیٰ کا دین کامل ہے، اس میں اضافہ ناممکن ہے مجتہدین کا اجتہاد و قیاس حجت نہیں۔

دوسرا اقتباس جو چند اشعار پر مشتمل ہے اس میں بھی امیر جمعیت نے اصل دین میں اقوال قیاسیہ کو شامل کیا ہے، قارئین کرام غور فرمائیں کہ ان اشعار کا مضمون وہی تو ہے جو اہل تقلید پیش کیا کرتے ہیں، لہذا اہل حدیث اور اہل تقلید میں فرق ہی کیا ہے۔

مسلك اور فرقہ واریت | شاید قارئین کرام یہ خیال فرمائیں کہ مسلك کا لفظ ہم نے خود جماعت اہلحدیث کے ذمہ لگا دیا ہے تو اس کے متعلق عرض ہے کہ مندرجہ بالا اقتباسات کو پھر سے ملاحظہ فرمائیں تاکہ ان کی غلط فہمی دور ہو جائے اس سلسلہ میں ہم امیر موصوف کا ایک اور اقتباس پیش کرتے ہیں، امیر موصوف فرماتے ہیں :

”اس اجتماع کا مقصد ہرگز یہ نہیں کہ کسی فرقہ دارانہ تعصب کو ہوا دی جائے اور پھر اس سے کوئی سیاسی مفاد حاصل کیا جائے بلکہ اس سے مقصد یہ ہے کہ مسلك اہلحدیث سے اپنے ہم وطنوں کو روشناس کرایا جائے تاکہ مختلف مکاتب فکر کی مسلك کے متعلق غلط فہمیاں دور ہو جائیں۔ (حوالہ مذکور ص ۷۷)

مندرجہ بالا اقتباس سے تین باتیں ثابت ہوئیں۔

(۱) امیر جمعیت نے ”فرقہ دارانہ تعصب“ کے الفاظ استعمال کر کے اپنے

فرقہ ہونے پر مہر ثبت کر دی۔

(۲) ”دینِ اسلام“ کے بجائے ”مسکبِ اہلحدیث“ کے الفاظ استعمال کئے۔

(۳) ”مسکبِ اہلحدیث“ کے متعلق غلط فہمیاں دور کرنا اجتماع کا اصل مقصد تھا،

اسلام کی دعوت دینا مقصد نہیں تھا۔

برخلاف اس کے جماعت المسلمین کوئی فرقہ نہیں، جماعت المسلمین کا دین

اسلام ہے اور اس کے اجتماعات کا مقصد تبلیغ اسلام ہے۔

فرقوں کے ساتھ اختلاط | امیر جمعیت صاحب آگے فرماتے ہیں:

”اس طریقہ سے فرقہ دارانہ تعصب ختم کیا جا سکے اور ملک و ملت کی خدمت

کے لئے ایک ساتھ مل کر کام کرنے کی راہ ہموار ہو سکے۔“ (حوالہ مذکور)

اسی خطبہ میں امیر جمعیت صاحب ایک اور جگہ فرماتے ہیں:

”اسلام میں فرقہ بندی ایک لعنت ہے۔“ (حوالہ مذکور)

مندرجہ بالا اقتباسات سے ثابت ہوا کہ فرقہ بندی کو لعنت ماننے کے

باوجود جماعت اہلحدیث کو تمام فرقوں کے ساتھ مل کر کام کرنے کی خواہش ہے، قارئین

غور فرمائیں کہ فرقوں کے ساتھ یہ مفاہمت کس حد تک مناسب ہے، جماعت المسلمین

اس مفاہمت کی قائل نہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا:

فَاعْتَزِلْ بِلْكَ الْفِرْقَ كُلِّهَا  
ان تمام فرقوں سے علیحدہ رہنا۔

(صحیح بخاری و صحیح مسلم)

جماعت المسلمین اس حکم کی تعمیل میں تمام فرقوں سے علیحدہ ہے، جماعت المسلمین

میں فرقوں کے ساتھ مل کر کام کرنے کا تصور بھی کسی کے ذہن میں نہیں پایا جاتا۔

ائمہ حدیث اور فقہاء | اسی خطبہ میں امیر جمعیت صاحب آگے فرماتے ہیں:

”ہمارے نزدیک تمام ائمہ حدیث اور فقہاء قابل احترام ہیں۔“ (حوالہ مذکور ص ۹)



ائمہ حدیث اور فقہاء عموماً خاص اصطلاحوں میں استعمال ہوتے ہیں (ملاحظہ ہو "سیرۃ النعمان"، "حسن البیان" وغیرہ) مندرجہ بالا اقتباس کا نتیجہ وہی نکلتا ہے جو اہل تقلید کے ہاں مانا جاتا ہے یعنی ائمہ حدیث فقیہ نہیں ہوتے، ائمہ حدیث عطار ہوتے ہیں اور فقہاء حکیم، لہذا فقہاء کا درجہ ائمہ حدیث سے زیادہ ہے۔ اس سلسلہ میں جماعت المسلمین کا عقیدہ یہ ہے کہ ائمہ حدیث ہی فقیہ ہوتے ہیں جو ائمہ حدیث نہیں وہ فقیہ بھی نہیں۔

ہم جملہ اہل حدیث حضرات سے پوچھتے ہیں کہ کیا وہ فقہاء بھی آپ کے نزدیک قابل احترام ہیں جنہوں نے متعدد موضوع حدیثیں اپنی کتابوں میں بطور احتجاج پیش کیں، جنہوں نے ایسے ایسے ناممکن الوقوع مسائل گھڑے کہ حیات امام ابو حنیفہ کے مصنف علامہ ابو زہرہ بھی چیخ اٹھے۔ جنہوں نے ایسے ایسے حیا سوز اور خلاف اسلام مسائل تخریج کئے کہ سوائے اناللہ وانا الیہ راجعون پڑھنے کے ہم اور کیا کہہ سکتے ہیں، ان مسائل کی اگر ایک جھلک دیکھنی ہو تو مولوی محمد صاحب جو ناگڑھی کی کتاب "سیف محمدی" ملاحظہ فرمائیں۔ کیا فقہاء کے یہی وہ اجتہادات ہیں جن کے متعلق امیر جمیعت صاحب فرماتے ہیں:

"انکے اجتہادات اور فقی کاوشوں کو قدر کی نگاہ سے دیکھتے ہیں: (حوالہ مذکور) جماعت المسلمین ایسی رواداری کی قائل نہیں۔

نہاں ہم میں اور جماعت اہل حدیث میں ایک بہت بڑا فرق یہ بھی ہے کہ ہمارا نام المسلمین ہے جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے رکھا تھا (سورۃ الحج ۷۸، صحیح بخاری کتاب العیدین و کتاب الفتن و صحیح مسلم کتاب الامارۃ) برخلاف اس کے جماعت اہل حدیث کا یہ نام نہ اللہ تعالیٰ نے رکھا اور نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے، اہل حدیث حضرات کوشش کرتے ہیں کہ اپنے نام کی وجہ تسمیہ بیان کریں، ہم ان سے



وجہ تسمیہ نہیں پوچھتے، ہم تو یہ پوچھتے ہیں کہ آپ کا یہ نام کس نے رکھا اور کب رکھا؟ اہل حدیث حضرات کہا کرتے ہیں کہ ہم نے پہلے امتیاز کے لئے اہل سنت نام رکھا تھا لیکن جب ان میں برائی آئی تو امتیاز کے لئے ہم نے اہل حدیث نام رکھ لیا، ہم سوال کرتے ہیں کہ اب اہل حدیث میں بھی برائیاں آگئیں تو کیا اسی وجہ تسمیہ کی بنیاد پر امتیاز کے لئے کسی نئے نام کی ضرورت ہے یا نہیں؟ اگر نہیں تو پھر مسلم نام کی موجودگی میں بھی کسی اور نام کی ضرورت نہیں۔

تقلید | اہل حدیث میں تقلید موجود ہے، وہ بھی دلیل کے طور پر اپنے علماء کے قول و فعل کو پیش کرتے ہیں، مثلاً جب ان سے کہا جاتا ہے کہ ”ثُمَّ إِنَّ عَلَيْنَا حِسَابَهُمْ“ کے جواب میں ”اللَّهُمَّ حَاسِبْنِي حِسَابًا يَسِيرًا“ کیوں پڑھتے ہو اس کا حدیث میں کوئی ثبوت نہیں تو جواب یہی ملتا ہے کہ بڑے بڑے علماء پڑھتے آئے ہیں۔

جماعت المسلمین، اہل حدیث تقلید سے بالکل متبرک ہے، ہم وہی کام کرتے ہیں جو سنت سے ثابت ہیں، ہمارے ہاں قیاس و رائے سے مسئلے نہیں بنتے لہذا انشاء اللہ تقلید کا گزر نہیں ہو سکتا۔

فتوے | علمائے اہل حدیث بعض مواقع پر بالکل بے دلیل فتوے دیتے ہیں، بعض مواقع پر اپنے فتوے کی تائید میں ضعیف حدیث پیش کرتے ہیں اور یہ تک نہیں بتاتے کہ یہ حدیث ضعیف ہے اور بعض مواقع پر اپنی تائید میں کتب فقہ کی عبارتیں پیش کرتے ہیں گویا انہیں بھی حجت سمجھتے ہیں (ملاحظہ ہو کتب فتاویٰ اہل حدیث) برخلاف اس کے جماعت المسلمین میں ایسا کوئی نہیں کرتا۔ ہم ضعیف حدیث سے استدلال نہیں کرتے، نہ ہمارا فرقہ دارانہ فقہ سے کوئی تعلق ہے، بلکہ فرقہ دارانہ فقہ کو حجت شرعیہ سمجھنا ہمارا نزدیک شرک ہے۔ ہمارا کام قرآن و حدیث کو من وعن پہنچانا ہے نہ کہ اپنے اجتہاد کی اشاعت۔

جماعت المسلمین کی بعض خصوصیات | مندرجہ ذیل باتیں جماعت المسلمین کی خصوصیات میں سے ہیں :

(۱) ہمارے نزدیک ترک سنت گناہ اور موجب لعنت ہے۔  
 (۲) ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قول و فعل میں تضاد تسلیم نہیں کرتے۔ یہ کتنی بڑی بات ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق ہم یہ عقیدہ رکھیں کہ آپ کسی کام کا حکم دیکر خود اس کے خلاف کام کرنے رہتے تھے یا جس کام سے دوسروں کو منع کرتے تھے خود وہی کام کرتے رہتے تھے۔ یہ عقیدہ نبوت پر کھلی چوڑی ہے۔ کسی شریف آدمی کے قول و فعل میں تضاد نہیں ہوتا چہ جائیکہ نبی کے قول و فعل میں تضاد ہو، اگر آپ کا کوئی فعل آپ کے کسی قول کے خلاف ہوگا تو وہ فعل آپ کے لئے مخصوص ہوگا یا اس قول کے پہلے واقع ہوا ہوگا نہ کہ بعد میں۔

(۳) ہمارے نزدیک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر حکم واجب التعمیل ہے، ہم آپ کے حکم کو انتخاب یا زیادہ سے زیادہ وجوب استنباطی کے خانہ میں نہیں ڈالتے۔  
گزارش | ہم اپنے سوال کرنے والوں اور قارئین کرام سے درخواست کرتے ہیں کہ وہ اپنے علمائے پوچھیں کہ کیا انکے بھی سی عقائد ہیں، اگر نہیں تو پھر جماعت المسلمین اور ان فرقوں میں جو فرق ہے وہ ظاہر ہے۔



# مذہب الحدیث کی حقیقت

ماہ ربیع الاول ۱۴۱۰ھ

سلسلہ اشاعت ۹۸

ہمارے ایک پمفلٹ بعنوان ”جماعت المسلمین اور الحدیث میں بنیادی فرق“ کے جواب میں ہفت روزہ الاعتصام میں ایڈیٹر صاحب الاعتصام کا ایک مضمون نظر سے گذرا۔ اس کا جواب لکھنے کا کوئی ارادہ تو نہیں تھا اس لئے کہ اس میں عموماً ہماری تائید ہے، لیکن غلط فہمی سے بعض اہل حدیث حضرات یہ کہہ رہے ہیں کہ جماعت المسلمین کو مسکت جواب دیا گیا ہے، لہذا ان حضرات کی غلط فہمی دور کرنے کے لئے کچھ معروضات پیش کی جاتی ہیں۔

(نوٹ: ہم نے اپنی معروضات ایڈیٹر صاحب الاعتصام کو بغرض اشاعت بھیجی تھیں انہوں نے اسے الاعتصام میں شائع کرنے سے انکار کر دیا۔ مجبوراً ہم اپنے جواب کو ضروری ترمیم اور اختصار کے ساتھ اس پمفلٹ میں شائع کر رہے ہیں، قارئین اس جواب کو پڑھتے وقت محولہ بالا الاعتصام سلئے رکھیں)۔

(۱) جناب ایڈیٹر صاحب الاعتصام تحریر فرماتے ہیں: ”ابتدائی ساتھیوں میں سے بیشتر علیحدہ ہو چکے ہیں“ (الاعتصام مورفہ ۱۷، رمضان ۱۴۱۰ھ ص ۵)

جواب :- (الف) ابتدائی ساتھیوں میں سے صرف تین ساتھی علیحدہ ہوئے تھے جن کے عقائد یہ تھے :-

۱۔ درس قرآن مجید گناہ ہے۔ تیرہ سو سال سے یہ گناہ ہو رہا ہے۔



- ۲۔ نبی کسی خاص شعبے میں نااہل ہو سکتا ہے۔  
 ۳۔ نبی کی اطاعت اس وقت تک فرض نہیں جب تک وہ حکمراں نہ ہو۔

مزید برآں وہ امام ابو حنیفہؒ، امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کو  
 THE THREE DEVILS کہتے تھے۔

کیا کوئی صاحب ایسے ساتھیوں کو اپنی جماعت میں برداشت کر سکتے ہیں۔  
 ہمارے نزدیک تو تین نہیں ایسے تین کروڑ ساتھی بھی ساتھ چھوڑ جائیں  
 تو ہمیں کوئی افسوس نہیں ہوگا بلکہ مسرت ہوگی۔

(ب) بعد کے ساتھیوں میں سے ایک ساتھی جماعت کے سخت شرائط  
 کی وجہ سے عملاً جماعت کا ساتھ نہ دے سکے لیکن ہماری جماعت کے حق میں  
 وہ اب بھی مخلص اور خیر خواہ ہیں۔

(۲) ایڈیٹر صاحب تحریر فرماتے ہیں: ”ایک مفہوم کو ادا کرنے کے لئے ہر  
 زبان کا ایک خاص اسلوب ہے..... کسی زبان کی اصطلاحات بھی مفہوم کی  
 ادائیگی میں اہم کردار ادا کرتی ہیں“ (حوالہ مذکور ص ۷)

جواب: اس کا مطلب یہ ہوا کہ آپ نے دینی اصطلاح ”دین اسلام“  
 کی جگہ سانی اصطلاح ”مسک الہدیت“ کو اختیار کیا! بہت خوب!

الہدیت کیونکہ امتیازی فرقہ وارانہ نام ہے لہذا ”مسک الہدیت“ سے  
 فرقہ واریت عیاں ہے۔ برخلاف اس کے ”دین اسلام“ کے الفاظ میں فرقہ واریت  
 کا نام و نشان نہیں۔ اس فرقہ کو انصاف کے ساتھ سمجھنے کی کوشش فرمائیں۔

(۳) ایڈیٹر صاحب تحریر فرماتے ہیں ”ان ہی اہل تقلید سے اپنے کو تمیز

کے لئے اہلحدیث کا وہ لقب اختیار کرنا پڑا جو اہل اسلام کے لئے بعض صحابہ کرام نے بھی استعمال کیا ہے۔ (الاعتصام مؤرخہ ۱۸، رمضان سنہ ۱۳۷۷ھ ص ۶)

جواب :- یہ ہماری تائید ہے، ہم بھی یہی کہتے ہیں کہ ”اہلحدیث نام بعد میں اختیار کیا گیا، یہ اللہ تعالیٰ کا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا رکھا ہوا نام نہیں ہے۔“

”اہلحدیث“ نام کے سلسلے میں تین سوال کئے جاسکتے ہیں۔

(۱) اہلحدیث نام کس نے رکھا؟

(۲) کب رکھا؟ اور

(۳) کیوں رکھا؟

ہم ہمیشہ پہلے دو سوال کرتے ہیں لیکن ہمارے سوالات کو بدل کر ہمیں اپنی طرف سے وضع کردہ تیسرے سوال کا جواب دیا جاتا ہے گویا پہلے دو سوالوں کا اہلحدیث کے پاس کوئی جواب نہیں۔

ڈاکٹر صاحب کا یہ تحریر فرماتا کہ بعض صحابہ کرام نے بھی اہلحدیث کا لقب استعمال کیا ہے تو ایڈیٹر صاحب سے جواباً گزارش ہے کہ براہ کرم یہ چیز صحیح سند سے ثابت کرنے کی زحمت گوارا فرمائیں۔ جو دو ایک حدیثیں پیش کی جاتی ہیں وہ جعلی و بناوٹی ہیں، مزید برآں ان میں اہلحدیث کو محدث کے معنی میں استعمال کیا گیا ہے۔ کیا ہر اہلحدیث محدث ہوتا ہے؟

(۴) ایڈیٹر صاحب تحریر فرماتے ہیں ”باطل فرقوں سے امتیاز کے لئے

صحیح العقیدہ مسلمانوں کے لئے اہل سنت والجماعت کی اصطلاح استعمال

ہونی شروع ہوئی۔“ (حوالہ مذکور ص ۶)



ایڈیٹر صاحب مزید تحریر فرماتے ہیں ”پھر جب آگے چل کر ”اہل سنت“ کھلانے والوں میں تقلیدی سلسلے قائم ہوئے..... تو..... اہلحدیث میدان میں آئے“ (حوالہ مذکور ص ۷)

**جواب :-** اگر یہ سلسلہ اسی طرح آگے بڑھتا رہا تو کہاں جا کر رکے گا؟ کہاں تک امتیازی نام رکھے جائیں گے؟ بتائیے اگر اہل حدیث کا اسلام جو بقول ایڈیٹر صاحب ابھی تک خالص ہے آئندہ کسی زمانہ میں ملاوٹی ہو گیا تو سچے اہلحدیث اس وقت کیا کریں گے؟ بلکہ ہم تو کہتے ہیں کہ اہل حدیث کا اسلام ملاوٹی ہو چکا ہے۔ اس میں تصوف و پیری مریدی اچھکی ہے، علماء کی تقلید آچھکی ہے، بدعات آچھکی ہیں، بدعتیوں میں شادی بیاہ جاری ہے، بدعتیوں کے پیچھے نمازیں پڑھی جاتی ہیں تو اب بتائیے کوئی اور امتیازی نام رکھ لیا جائے یا نہیں؟ ہماری دعوت یہ ہے کہ اب آپ امتیازی نام ”مسلم“ رکھ لیجئے اور پھر اسے قیامت تک نہ بدلیئے، اس لئے کہ یہ اللہ تعالیٰ کا رکھا ہوا نام ہے۔

(۵) ایڈیٹر صاحب تحریر فرماتے ہیں ”یہ مسلک کا لفظ اچھا نہیں لگتا تو اسے منہاج کہیں“ (حوالہ مذکور ص ۷)

**جواب :-** کتنی بے بسی کا عالم ہے، خود ساختہ چیزوں کا یہی حشر ہوتا ہے۔ ایڈیٹر صاحب ہمیں مشورہ دیتے ہیں کہ ”منہاج“ کہیں، جو اباً عرض ہے کہ ہمیں کیا ضرورت اور ہمیں کیا اختیار ہے کہ ”دین اسلام“ کی جگہ ”مسلک اہلحدیث“ یا ”منہاج اہلحدیث“ کی اصطلاحیں اختیار کریں اور جب کوئی اعتراض کرے تو کہیں ”اچھا نہیں تو یہ نام رکھ لیجئے“۔

(۶) ایڈیٹر صاحب تحریر فرماتے ہیں ”موصوف نے جماعت المسلمین کا جو اصول بطور بالا میں بیان فرمایا ہے یہی اصول اہلحدیث کا ہے“ (حوالہ مذکور ص ۷)



**جواب :-** ایڈیٹر صاحب کی اس تحریر سے ثابت ہوا کہ لکھوی صاحب کا قول صحیح نہیں اور یہ ہماری تائید ہے۔

(۷) ایڈیٹر صاحب فرماتے ہیں ”لکھوی صاحب ایک تنظیم کے سربراہ ہیں، پوری جماعت اہلحدیث کے غیر مشروط امیر و مطلع نہیں، اولاً ایک تنظیم کے سربراہ کے بیان کو پوری جماعت کے مسلک کی نمائندگی قرار دینا صحیح نہیں۔“ (حوالہ مذکور ص ۸)

**جواب :-** یہ ہماری تائید ہے، ایڈیٹر صاحب نے تسلیم کر لیا کہ لکھوی صاحب کا بیان صحیح نہیں۔ اچھا یہ بتائیے کہ جب امیر، جماعت کی نمائندگی نہیں کر سکتا تو وہ کون شخص ہے جو جماعت اہلحدیث کی ترجمانی کا اہل ہے، اس کا نام ہمیں معلوم ہونا چاہیے تاکہ ہم آئندہ اس سے رجوع کریں۔

اس کے بعد ایڈیٹر صاحب نے لکھوی صاحب کی صفائی میں ایک طویل عبارت تحریر فرمائی ہے۔

ایڈیٹر صاحب ہمیں اس صفائی کی ضرورت نہیں۔ آپ تو لکھوی صاحب کے بجائے بس جماعت اہلحدیث کی وکالت کیجئے اور اس کے لئے آپ کی مندرجہ بالا عبارت ہی کافی ہے۔

(۸) ایڈیٹر صاحب لکھتے ہیں ”خالص اور بے آمیز اسلام کی نشاندہی کرنے کے لئے اگر مسلک اہلحدیث کی اصطلاح استعمال کر لی جائے جو ٹھیکہ اسلام کے ہم معنی ہے تو اس میں حرج کی کیا بات ہے؟“ (حوالہ مذکور ص ۸)

**جواب :-** حرج یہی ہے کہ اس اصطلاح کا قرآن و حدیث میں کوئی ثبوت نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے تو دین کا نام اسلام رکھا تھا۔ آپ نے اللہ تعالیٰ کے رکھے ہوئے نام کو بدل کر خود ساختہ نام رکھ لیا، مزید برآں بقول آپ کے کسی زمانہ میں مسلک اہل سنت

بھی تو ٹھیٹھ اسلام کے مترادف سمجھا جاتا تھا تو کیا جو حشر اس کا ہوا اس اصطلاح کا نہیں ہو سکتا۔ ہر فرقہ اپنے مسلک کو ٹھیٹھ اسلام کہتا ہے تو پھر مسلک اہل حدیث کی اصطلاح میں کونسی خصوصیت باقی رہی

(۹) ایڈیٹر صاحب لکھتے ہیں "خود اللہ تعالیٰ نے اپنے فرماں بردار و اطاعت شعار بندوں کو کہیں اولیاء اللہ کہا، کہیں حزب اللہ" (حوالہ مذکور ص ۷۱)

جواب :- لیکن افسوس ہے تو یہ کہ کہیں اہل حدیث نہیں کہا، مزید برآں اولیاء اللہ، حزب اللہ، محسنین یا صابرین یہ سب مسلمان کے صفاتی القاب ہیں، کسی فرقہ کے فرقہ دارانہ امتیازی نام نہیں ہیں۔ ایڈیٹر صاحب نے بھی اسے تسلیم کیا ہے۔

ایڈیٹر صاحب لکھتے ہیں "یہ سب وہ امتیازی نام ہیں جو اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے ان اوصافِ خصوصی کی بناء پر قرآن میں ذکر کئے ہیں" (حوالہ مذکور ص ۷۱) ایڈیٹر صاحب کی یہ عبارت ہماری تائید میں ہے یعنی یہ مسلمان کے اوصاف ہیں نہ کہ فرقہ دارانہ نام۔ (۱۰) ایڈیٹر صاحب تحریر فرماتے ہیں "جب نظریات میں بعد المشرقین ہو تو ظاہر ہے کہ وہاں اتحاد و اشتراک عمل ممکن ہی کیونکر ہے؟" (حوالہ مذکور ص ۷۱)

جواب :- ایڈیٹر صاحب کی یہ عبارت بھی ہماری تائید میں ہے؟ لیکن سوال یہ ہے کہ کیا عمل بھی اسی کے موافق ہے؟ کیا دیوبندیوں اور بریلویوں کے بچے نماز پڑھنا اور ان میں شادی بیاہ کرنا اس کی تائید کرتا ہے؟

(۱۱) لکھوی صاحب نے لکھا تھا "ہمارے نزدیک تمام ائمہ حدیث اور فقہاء قابل احترام ہیں" اس قول پر ہم نے تنقید کی تو ایڈیٹر صاحب نے جواباً لکھا کہ "..... لکھوی اور..... مسعود صاحب دونوں اپنی اپنی جگہ درست ہیں اور دونوں ہی باتیں صحیح ہیں۔" (الاغتصام شمارہ عید الفطر، مورخہ ۲۲ شوال ۱۴۱۷ھ ص ۷۱)



جواب :- یہ بھی ہماری تائید ہے اگرچہ ایڈیٹر صاحب نے بلاوجہ لکھوی صاحب کی صفائی کی ہے۔

(۱۲) اہلحدیث نام کی وکالت کرتے ہوئے ایڈیٹر صاحب تحریر فرماتے ہیں: "یہ ایک امتیازی اور وصفی نام ہے جس کی گنجائش قرآن و حدیث ہی سے نکلتی ہے۔"  
(حوالہ مذکور ص ۱۲)

جواب :- یہ بھی ہماری تائید ہے یعنی اہلحدیث نام قرآن و حدیث میں نہیں ہے، صرف گنجائش نکلتی ہے۔

مزید برآں یہ گنجائش بھی ایڈیٹر صاحب کے نزدیک نکلتی ہے، ہمارے نزدیک تو گنجائش بھی نہیں نکلتی، البتہ قرآن و حدیث کی رو سے یہ نام مزید تفریق و فرقہ بندی کا ذمہ دار ہے۔

(۱۳) ایڈیٹر صاحب لکھتے ہیں: "مسعود صاحب نے قیاس و رائے کے مقابلے میں قرآن و حدیث کے ماہرین و عالین کو "ائمہ حدیث" کے لقب سے کیوں یاد کیا؟ انہیں ائمہ مسلمین کیوں نہیں کہا؟ ماہر جواب کم فہم جواب لنا: (الاعتصام شمارہ عید الفطر ۱۴۰۷ھ ص ۱۲)

جواب :- پورے مضمون میں ایڈیٹر صاحب نے صرف یہی ایک دلیل دی ہے لیکن یہ دلیل بھی حقیقی نہیں الزامی ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ ہم نے "ائمہ حدیث" کو فرقہ وارانہ نام کی حیثیت سے استعمال نہیں کیا، ہمارے نزدیک پوری امت مسلمہ کا نام ائمہ حدیث نہیں ہے، یہ صرف علماء کا لقب ہے، برخلاف اس کے اہلحدیث حضرات اہلحدیث نام کو فرقہ وارانہ نام کی حیثیت سے استعمال کرتے ہیں ان کے نزدیک اہلحدیث صرف علماء کے لئے مخصوص نہیں بلکہ پوری امت مسلمہ کا نام ہے۔ ایڈیٹر صاحب بتائیں کیا یہی جواب ان کا بھی ہے جو ہم نے دیا ہے، اگر نہیں تو ان کا یہ جملہ



”ماہو جو ابکم فہو جواب لنا“ کس حد تک صحیح ہے ؟

(۱۴) ایڈیٹر صاحب لکھتے ہیں: ”الحمد للہ الحمد للہ“ کا دامن تقلید سے بالکل پاک ہے، وہ کسی عالم کی تقلید نہیں کرتے، اگر ان کے ہاں تقلید ہوتی تو اہل حدیثوں میں کئی گروہ ہوتے۔ تنظیمی حیثیت سے مختلف طریق کار اختیار کرنا بالکل ہی دوسری چیز ہے۔“ (الاعتصام شماره عبید الفطر سنہ ۱۴۰۵ھ ص ۱۲)

جواب :- ایڈیٹر صاحب کا تقلید سے انکار کرنا غالباً لاعلمی پر مبنی ہے، ہم اپنے علم اور تجربہ کی بنیاد پر کہتے ہیں کہ اہل حدیث میں تقلید موجود ہے۔ کئی گروہ بھی اہل حدیثوں میں موجود ہیں جن کے مابین عقائد میں بھی اختلاف ہے، کوئی تعویذ گندے کو جائز نہیں بلکہ اس کا کاروبار کرتا ہے اور کوئی اسے شرک کہتا ہے، کوئی پیری مریدی کرتا ہے اور کوئی اسے بدعت کہتا ہے، کوئی تصوف کے ساتھ مسنون کا لفظ لگا کر تصوف کو مسنون قرار دیتا ہے اور کوئی اسے خلاف شرع سمجھتا ہے، کوئی امامت کا داعی اور کوئی امامت کا منکر، کسی کے ہاں ذکر کے طقے اور کوئی اس کا منکر۔ غزنویہ، ثنائیہ، روپڑیہ، غرباء یہ تنظیمی نام نہیں ہیں بلکہ مکتب فکر کے خاندانی نام ہیں۔ جیسے قادریہ، چشتیہ، سہروردیہ، نقشبندیہ، مجددیہ یا حنفیہ، شافعیہ وغیرہ۔

(۱۵) ہم نے لکھا تھا کہ اہل حدیث ”ثُمَّ إِنَّ عَلَيْنَا حِسَابَهُمْ“ کے جواب میں ”اللَّهُمَّ حَاسِبْنِي حِسَابًا يَسِيرًا“ پڑھتے ہیں اور دلیل کے طور پر یہ کہتے ہیں کہ ”بڑے بڑے علماء پڑھتے آئے ہیں۔ اس کے جواب میں ایڈیٹر صاحب لکھتے ہیں: ”لیکن ہمارے خیال میں یہ جواب کوئی اہل حدیث نہیں دیتا، بلکہ اہل حدیث تسلیم کرتے ہیں کہ اس جواب کی مراحت حدیث میں نہیں ہے۔“ (حوالہ مذکور ص ۱۲)

جواب :- ایڈیٹر صاحب کا خیال ہے اور ہمارا علم اور مشاہدہ ہے ”إِنَّ الظَّنَّ لَا يَغْنِي مِنَ الْحَقِّ شَيْئًا“

(۱۶) ایڈیٹر صاحب لکھتے ہیں: ”یہ دعائیہ کلمات بطور خاص اس آیت پر پڑھنا

کسی حدیث سے ثابت نہیں ہیں؟“

جواب :- یہ ہماری تائید ہے۔

(۱۷) ہم نے لکھا تھا کہ ”علمائے اہلحدیث بعض مواقع پر بالکل بے بنیاد فتوے

دیتے ہیں؟“ اس کا جواب دیتے ہوئے ایڈیٹر صاحب تحریر فرماتے ہیں: ”بالکل بے بنیاد

فتویٰ دینے کا الزام بالکل غلط ہے“ (حوالہ مذکور ص ۱۳)

جواب :- وقت میں گنجائش نہیں ورنہ ہم اس کی مثالیں دیتے۔

(۱۸) ایڈیٹر صاحب لکھتے ہیں: ”جب کسی مسئلے میں کوئی صحیح حدیث نہ ہو، البتہ

ضعیف حدیث موجود ہو تو ایسے موقع پر ضعیف حدیث پر عمل کرنا اور اس کے مطابق

فتویٰ دینا کوئی جرم نہیں ہے یہ اصول محدثین میں مسلم چلا آرہا ہے“ (حوالہ مذکور ص ۱۳)

جواب :- ضعیف حدیث شکوک ہوتی ہے، اللہ تعالیٰ کا دین شکوک نہیں،

محفوظ ہے، لہذا ضعیف حدیث اللہ تعالیٰ کے دین کا جز نہیں بن سکتی۔ محدثین کی طرف

اس اصول کو منسوب کرنے کے خلاف خود الاعتصام میں ایک مضمون شائع ہو چکا ہے۔

(۱۹) ایڈیٹر صاحب لکھتے ہیں: ”یہی خصوصیات اہلحدیث کی بھی ہیں وہ بھی ان

باتوں کے قائل ہیں۔ وہ بھی ترک سنت کو گناہ سمجھتے ہیں اور قول و فعل رسولؐ میں

تضاد کے قائل نہیں؟“ (شمارہ عید الفطر ۱۴۲۷ھ ص ۱۳)

جواب :- اگر واقعی ایڈیٹر صاحب کے یہ عقائد ہیں تو ایڈیٹر صاحب

جماعت المسلمین کے بہت قریب آگئے ہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ ایڈیٹر صاحب کے

ذاتی عقائد ہیں، جماعت اہلحدیث کے عقائد نہیں۔ اگر ایڈیٹر صاحب کا بیان صحیح ہے

تو براہ کرم اہل حدیث کے تمام فرقے غزنویہ، ثنائیہ، رد پڑیہ اور صدریہ (غزبارہ) کے بڑے

بڑے علماء اور مشائخ سے اس پر دستخط کرا دیں ورنہ اگر ہمیں وقت ملا تو انشاء اللہ علمائے



المحدث کے تحریری بیانات سے ثابت کریں گے کہ المحدث کے نزدیک ترک سنت گناہ نہیں اور یہ کہ اہل حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قول و فعل میں تضاد تسلیم کرتے ہیں۔ (۲۰) ایڈیٹر صاحب لکھتے ہیں: "ان کے نزدیک بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر حکم واجب التعمیل ہے۔ الا یہ کہ آپ کے کسی حکم کو وجوب پر محمول کرنا متعذر ہو..... غالباً..... مسعود صاحب کے ذہن میں کوئی صورت ایسی نہیں بنتی جہاں وجوب متعذر ہو۔" (الاختصاص شماره عید الفطر ۱۳۸۷ ص ۱۳ و ص ۱۴)

جواب :- یہ ہماری تائید ہے تاہم ہم یہ کہے بغیر نہیں رہ سکتے کہ یہ ایڈیٹر صاحب کا ذاتی عقیدہ ہے، اگر دقت ملا تو انشاء اللہ پھر بھی ہم ایسی مثالیں پیش کریں گے جن میں قرائن صارفہ کی عدم موجودگی اور قرائن موجبہ کے پائے جانے کے باوجود المحدث نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کو نفل مانا ہے۔ قرینہ صارفہ کی عدم موجودگی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کو فرض نہ ماننا بے دینی ہے۔ اسے علمی اختلاف کہہ کر بالناقطعاً صحیح نہیں۔ ترک سنت کو جائز سمجھنا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قول و فعل میں تضاد تسلیم کرنا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کو بغیر کسی قرینہ صارفہ کے استحباب پر محمول کرنا (اگرچہ ذاتی طور پر ایڈیٹر صاحب اس کے قائل نہ ہوں) اور فرقہ دارانہ نام رکھنا یہ ایسی چیزیں ہیں کہ ہم المحدث سے علیحدہ ہونے پر مجبور ہیں۔

(۲۱) اس سلسلے میں ہم ایڈیٹر صاحب کو ماہنامہ محدث کے دو اقتباسات کی طرف

توجہ دلاتے ہیں :-

جناب عزیز زبیدی صاحب لکھتے ہیں: "یہ تلمیحی نام ایسی فتنے نہیں ہے کہ اس سے کوئی بد کے لیکن اس کے باوجود اگر کوئی فرقہ اپنے اپنے فرقہ کی شخصی نسبتوں سے



دستبرداری کے لئے ہم سے اس جائز نسبت کے اشارہ کا مطالبہ کرتے ہیں تو ہم اسے بھی خوش آمدید کہیں گے۔ (ماہنامہ محدث لاہور بابت ماہ جمادی اول والآخرہ ۱۴۰۰ھ ص ۲۲۶)

جناب عزیز زبیدی صاحب اسی ماہنامہ میں اسی صفحہ پر ایک اور جگہ لکھتے ہیں۔  
 ”گوراء الحدیث کوئی شخصی نسبت نہیں ہے۔ جیسا کہ دوسرے فرقوں کی بات ہے تاہم اگر اس نسبت کی قربانی دے کر دوسری فرقہ دارانہ نسبتوں کا خاتمہ کیا جاسکتا ہے تو ذاتی طور پر مجھے اہلحدیث کملانے پر اصرار نہیں ہے۔“

اہلحدیث حضرات! کیا یہی ہے اہلحدیث نام کی قدر و قیمت؟ کیا آپ بتا سکتے ہیں کہ ”مسلم“ نام کی بھی یہی قدر و قیمت ہے؟ کیا ”مسلم“ نام کو بھی اتفاقاً اتحاد کی بھینٹ چڑھایا جاسکتا ہے؟ نہیں اور ہرگز نہیں تو پھر مسلم اور اہلحدیث کا فرق ظاہر ہے۔ جناب ایڈیٹر صاحب الاعتصام کے ذاتی عقائد کی بنیاد پر ہم میں اور ان میں بہت کم فاصلہ رہ گیا ہے۔ کاش وہ اہلحدیث نام کی قربانی دے کر جماعت المسلمین میں شامل ہو جائیں۔

(۲۲) ہم اہلحدیث کو فرقہ سمجھتے ہیں، مولوی عزیز زبیدی صاحب بھی ہماری تائید کرتے ہیں۔ زبیدی صاحب فرماتے ہیں۔

”جیسا کہ اب موجودہ جماعت اہلحدیث کا حال ہے کہ اب وہ تحریک کے بجائے ایک فرقہ بن کر رہ گئی ہے۔“ (ماہنامہ محدث بابت ماہ جمادی الاولیٰ والآخرہ ۱۴۰۰ھ ص ۲۲۶)

زبیدی صاحب کی مذکورہ بالا تائید کی روشنی میں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم ”فَاَعْتَزِلْ بَلَدَكَ الْفِرَقَ كُلَّهَا“ (صحیح بخاری و صحیح

مسلم کی تعمیل میں ہم فرقہ اہل حدیث سے علیحدہ ہونا اپنا دینی فریضہ سمجھتے ہیں۔ ایڈیٹر صاحب الاعتصام آپ بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کو فرض سمجھتے ہیں، لہذا اس عقیدہ کا عملی ثبوت پیش کرتے ہوئے آپ بھی فرقہ اہل حدیث سے علیحدہ ہو جائیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم **تَلْزَمُ جَمَاعَةُ الْمُسْلِمِينَ** کی تعمیل میں جماعت المسلمین میں شامل ہو جائیں، گھبرائیں نہیں، اللہ تعالیٰ پر بھروسہ رکھیں، اللہ تعالیٰ متقیوں کے ساتھ ہے۔

چلتے چلتے ہم ایڈیٹر صاحب اور قارئین کرام کی توجہ مندرجہ ذیل اقتباس کی طرف بھی مبذول کراتے ہیں۔ مولوی ابوالاشبال شاغف صاحب تحریر فرماتے ہیں :-

”یہ نام منجانب اللہ ہمیں دربار رسالت سے ملا ہے، صحابہؓ و تابعینؓ اور تبع تابعینؓ سب اہل حدیث کہتے کہلاتے تھے“

(الاعتصام نمبر ۵، محرم ۱۴۰۱ھ ص ۱)

جواب :- سنتے اور پڑھتے آئے ہیں کہ پہلے زمانہ میں بعض دشمنان

اسلام نے حدیثیں گھڑیں، لیکن ہماری حیرت کی کوئی انتہا نہیں کہ اس زمانہ میں بھی حدیثیں گھڑی جا رہی ہیں۔ کیا ایڈیٹر صاحب ہفت روزہ الاعتصام وہ حدیث پیش فرمائیں گے جس میں دربار رسالت سے اس نام کا ثبوت ملتا ہے یا صحابہ کرامؓ سے۔

آگے چل کر شاغف صاحب لکھتے ہیں :

”جب تقلیدی نسبتوں نے زور پکڑا تو اس سے امتیاز کرنے



کے لئے جماعت اہلحدیث نے اپنا وہ نام جو بذریعہ وحی حنفی ملا تھا مشہور کیا۔ ” (الاعتصام سورہ ۵، محرم الحرام ۱۴۲۵ھ ص ۱۱)  
 کیا شاغف صاحب یا ایڈیٹر الاعتصام جناب صلاح الدین صاحب جنہوں  
 نے بڑی ذمہ داری کے ساتھ یہ مضمون شائع کیا ہے اس وحی خفی کا حوالہ دیں  
 گے۔ کیا اب بھی یہ کہنا غلط ہے کہ اہلحدیث علماء بھی دوسرے فرقوں کے علماء  
 سے پیچھے نہیں۔

(۲۴) ہم کہتے ہیں اہلحدیث مقلد ہیں، ایڈیٹر صاحب اس کا انکار کرتے  
 ہیں اور عام اہلحدیث بھی بگڑ جاتے ہیں، لہذا ہم انہی کے ایک محقق عالم کا قول  
 پیش کرتے ہیں، سنیئے۔ مولوی ابو عمر عبدالعزیز صاحب نورستانی مدرس  
 الجامعۃ الاثریہ پشاور تحریر فرماتے ہیں۔

”جب کسی فعل کا ثبوت نماز کے اندر ثابت نہیں ہے اس کو  
 نہیں کرنا چاہیئے لیکن ہمارے اہلحدیث بعض وقت اسی اندھی  
 تقلید کرتے ہیں کہ مقلدین سے بھی ان کی تقلید بدتر ہوتی ہے۔

إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ۔ (کتاب الوتر ص ۱۱۵)  
 (۲۵) جب ہم اہلحدیث کی کسی بدعت وغیرہ کا ذکر کرتے ہیں تو بعض  
 حضرات اور خود ایڈیٹر صاحب الاعتصام یہ جواب دیتے ہیں کہ یہ انفرادی  
 غلطیاں ہیں۔ اس کو پوری جماعت کی طرف منسوب کرنا صحیح نہیں، ہم کہتے  
 ہیں کہ جب اہلحدیث عوام کی اکثریت بلکہ علماء بھی اس بدعت میں مبتلا ہوں  
 تو ہم کیوں نہ اس کو پوری جماعت کی طرف منسوب کریں۔ ہمیں تو عجب ہے  
 کہ بعض اہلحدیث حضرات جو بدعت کو بدعت تسلیم کرتے ہیں پھر کیسے وہ ان بدعتیوں کو اہلحدیث بھی سمجھتے  
 ہیں۔ ان کے پیچھے نماز بھی پڑھتے رہتے ہیں اور ان کے خلاف کوئی آواز بھی نہیں اٹھاتے۔



بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

# جماعت المسلمین کے متعلق غلط فہمیاں

## اور ان کا ازالہ

ماہ جمادی الاخریٰ ۱۴۰۱ھ

سلسلہ اشاعت ۹۹

## انتباہ

محقق صاحب نے (جن کا تعارف آگے آ رہا ہے) محض الفاظ کی گرفت اور مفہوم سے صرف نظر کر کے اس بات پر بہت زور دیا ہے کہ ہم نے جماعت کی بنیاد ۱۳۸۵ھ میں ڈالی تھی اور یہ کہ ہمارا اسی جماعت کے تعلق ہے حالانکہ یہ ایک الزام ہے، وہ جماعت ختم ہو چکی، ہمارا اُس جماعت سے کوئی تعلق نہیں، وہ ایک فرقہ کی ذیلی جماعت تھی اور اب ہم فرقہ داریت سے تائب ہو کر مسلم ہو چکے ہیں۔ جس پمفلٹ کا محقق صاحب نے حوالہ دیا ہے وہ فرقہ داریت کے زمانہ کا پمفلٹ ہے لہذا کالعدم ہے۔

اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ ہم ۱۳۹۵ھ میں اللہ تعالیٰ کی بنیاد ڈالی ہوئی جماعت المسلمین میں شامل ہو گئے، مسلم بننے رہے اور جماعت ترقی کرتی رہی۔

## تہذیب

جمیعت اہل حدیث بھادویپور نے ایک کتابچہ ”مسودہ بی“ ایس سی کی جماعت المسلمین پر ایک نظر کے عنوان سے حال ہی میں شائع کیا ہے۔ یہ کتابچہ خود ساختہ فرقہ وارانہ نام کی حمایت اور اللہ تعالیٰ کے رکھے ہوئے نام کی مخالفت کا شاہکار ہے۔ اسے ایک محقق صاحب نے تحریر کیا ہے جنہوں نے اپنے نام کو پرزہ خفا میں رکھا ہے، غالباً اس لئے کہ ان کی شہرت کو یث نہ لگے، کیونکہ ہر سنجیدہ آدمی اس کتابچہ کے مضمون کو نفرت کی نگاہ سے دیکھے گا اور لکھنے والے کے متعلق بڑی رائے قائم کرنے پر مجبور ہوگا۔ کاش محقق صاحب پردہ میں بیٹھنے کے بجائے سامنے آتے۔

ہم مناظرہ میں الجھنا نہیں چاہتے اس لئے کہ اس سے ٹھوس کاموں میں خلل واقع ہوتا ہے لیکن کیا کیا جائے کہ بعض نوجوانوں نے یہیں مجبور کیا کہ اس کتابچہ کا جواب لکھا جائے لہذا ہمیں جواب کے لئے قلم اٹھانا پڑا، تاہم ہم نے اپنی مدیم الفرستی کی وجہ سے تفصیلی جواب سے گریز کیا ہے، مختصر جواب دیدیا ہے تاکہ سمجھنے والے سمجھ جائیں۔ ہم اپنے اس مضمون میں محقق صاحب کے اعتراض کو غلط فہمی کے عنوان سے ذکر کریں گے اور اپنے جواب کو ”ازالہ“ کے عنوان سے۔ وبالله التوفیق۔

## محقق صاحب کی غلط فہمیاں اور ان کا ازالہ

غلط فہمی | محقق صاحب اپنی جماعت یعنی اہل حدیث کے متعلق لکھتے ہیں :

”یہی اہل حق ہیں جن کو چوٹ لکھی لڑائی لڑنی پڑتی ہے، کبھی اس محاذ پر اور کبھی اس محاذ پر۔“

ازالہ | لیکن جماعت المسلمین کے محاذ پر انہیں بہت بڑی شکست کا منہ دیکھنا پڑا، اپنے فرقہ کو فرقہ داریت کی چھاپ سے نہ بچا سکے اور نہ اپنے فرقہ وارانہ نام کا ثبوت قرآن و حدیث سے دے سکے۔ فللہ الحمد۔

محقق صاحب نے جماعت اہل حدیث کو اہل حق کہا ہے، ان کے اس دعوے کے ابطال کے لئے ہم قارئین کرام کی توجہ بطور نمونہ مندرجہ ذیل اقتباس کی طرف مبذول کرتے



ہیں :-  
 ”یہ نام بنجانب اللہ ہمیں دربار رسالت سے ملا ہے، صحابہ، تابعین اور تبع تابعین سب اہل حدیث کہلاتے تھے۔“

(الاعتصام۔ مورخہ ۵ محرم ۱۳۸۷ھ ص ۱۸)  
 محقق صاحب، کیا اس عبارت میں حق بیان کیا گیا ہے؟ کیا اس نام کو دربار رسالت کی طرف منسوب کرنا افتراء نہیں ہے؟ اگر نہیں ہے تو محقق صاحب براہ کرم جماعت اہل حدیث کے ترجمان ”الاعتصام“ کی صفائی میں وہ حدیث پیش فرمائیں جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نام دیا ہو، ہمیں معلوم ہے کہ محقق صاحب ایسی حدیث پیش نہیں کر سکیں گے اور ہرگز پیش نہیں کر سکیں گے تو اپنے کو اہل حق کہنے کے بجائے کچھ اور کہیں تو مناسب ہے۔  
غلط فہمی | محقق صاحب لکھتے ہیں :-

”وہ نام قرآن و حدیث کا لیتے ہیں لیکن مخالفت اہل حدیث کی کرتے ہیں۔“

(کتابچہ ص ۳ سطر ۱۱)

ازالہ | ہم قرآن و حدیث کا نام بھی لیتے ہیں اور اس کی موافقت بھی کرتے ہیں مثلاً ہم فرقوں کی مخالفت کرتے ہیں اس لئے کہ قرآن و حدیث میں فرقوں کی مذمت آئی ہے۔  
غلط فہمی | محقق صاحب لکھتے ہیں :-

”ترقی کر کے تو آدمی اہل حدیث بنتا ہے، اہل حدیث سے ترقی کر کے وہ پھر کدھر جا سکتا ہے۔“

(کتابچہ ص ۴ سطر ۲ و ۳)

ازالہ | محقق صاحب کے ان الفاظ سے تعلق اور فخر کا اظہار ہوتا ہے جس کا انہوں نے ہمیں الزام دیا ہے۔

(ملاحظہ ہو کتابچہ ص ۳ سطر ۹)

فرقہ داریت سے تائب ہو کر آدمی مسلم بنتا ہے، یہ ترقی نہیں تو اور کیا ہے؟

غلط فہمی | محقق صاحب لکھتے ہیں :-

”اگر جماعۃ المسلمین کا لفظ حدیث یثرب میں جماعۃ المسلمین (مورنین

جماعۃ المسلمین کے ساتھ عید گاہ جائیں) میں اسی معنی میں ہوتا جس معنی میں سعود صاحب نے لے کر ایک نیا فرقہ کھڑا کر دیا ہے تو کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صرف عربوں کو ہی حکم دیتے کہ وہ جماعت المسلمین کے ساتھ عید گاہ جائیں، مردوں کو حکم دیتے کہ وہ



بھی جماعت المسلمین کے ساتھ عید پڑھیں، کسی اور فرقہ کے ساتھ نہ جائیں، کیا جماعت المسلمین صرف عورتوں کے لئے ہی ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں کو ہی حکم دیا؟  
(کتابچہ ص ۵، سطر ۲ تا ۷)

**ازالہ** افسوس، محقق صاحب نے صحیح بخاری کو دیکھنے کی تکلیف گوارا نہ کی۔  
”فی شہد ن جماعۃ المسلمین“ تو ان عورتوں کے متعلق کہا جا رہا ہے جو اذیت مالانہ کی وجہ سے نماز نہیں پڑھ سکتی تھیں، ان کو غلط فہمی ہو سکتی تھی کہ وہ اس فطری فہم کی بناء پر عید گاہ نہ جائیں تو کوئی حرج نہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی متوقع غلط فہمی کو دور کر دیا، فرمایا:-

قَاتَا الْحَيْضُ فَيَشْهَدُنَ جَمَاعَةً  
الْمُسْلِمِينَ وَدَعَوْتُهُمْ وَيَعْتَرِلْنَ  
مُصَلَّاهُمْ (صحیح بخاری)  
کتاب العیدین باب اعتزال الحيض  
المصلي  
رہیں وہ عورتیں جو اذیت مالانہ میں ہوں  
تو وہ بھی جماعت المسلمین کے ساتھ  
(عید گاہ میں) حاضری دیں اور ان کی دعائوں  
میں شریک ہوں لیکن ان کی نماز پڑھنے کی  
جگہ سے علیحدہ رہیں۔

**غلط فہمی** محقق صاحب لکھتے ہیں:-

”سب سے پہلے محدثین جماعت المسلمین کی بنیاد رکھتے!“

(کتابچہ ص ۵ سطر ۷)

**ازالہ** محدثین کے زمانہ میں تو جماعت المسلمین موجود تھی اور وہ اُس جماعت المسلمین میں شامل تھے جس کی بنیاد اللہ تعالیٰ نے رکھی تھی اور جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ سے مسلسل چلی آرہی تھی۔  
**غلط فہمی** محقق صاحب لکھتے ہیں:-

”رسول کریمؐ نے اسی جماعت المسلمین کے بارے میں تو فرمایا تھا لا تتزّال طائفة من امتی کہ وہ ہمیشہ رہے گی..... مسعود صاحب یا تو اپنی جماعت کا اس نام کے ساتھ ہر زمانہ میں موجود ہونا ثابت کریں ورنہ تسلیم کریں کہ وہ جماعت المسلمین آپ والی جماعت نہیں بلکہ وہ جماعت المسلمین الہدیث ہی ہے جو شروع زمانے میں اپنے اصلی نام سے موسوم تھی۔“

(کتابچہ ص ۶)

**ازالہ** ناظرین کرام خط کشیدہ الفاظ پر غور فرمائیں، محقق صاحب لکھتے ہیں کہ وہ جماعت المسلمین الہدیث ہی ہے جو شروع زمانہ میں اپنے اصلی نام سے موسوم تھی۔

اصلی نام سے مراد جماعت المسلمین کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے، محقق صاحب نے تسلیم کر لیا کہ شروع زمانہ میں جماعت المسلمین موجود تھی اور بقول محقق صاحب اپنے اصلی نام کے ساتھ موجود تھی، اب ہمیں شروع زمانہ میں جماعت المسلمین کا وجود ثابت کرنے کی ضرورت باقی نہیں رہی۔ اب یہ محقق صاحب کی ذمہ داری ہے کہ وہ شروع زمانہ میں الہدیت نام کی کسی جماعت کا وجود ثابت کریں ورنہ اس جماعت کو چھوڑ دیں جو شروع زمانہ میں نہیں تھی۔

رہا محقق صاحب کا یہ فرمانا کہ "لا تزال طائفة من امتی" کے بموجب جماعت المسلمین کا ہمیشہ پایا جانا ضروری ہے تو بالکل اسی بنیاد پر ہر زمانہ میں الہدیت جماعت کا پایا جانا ضروری ہے اور بالکل انہی صفات کے ساتھ جو احادیث میں بیان کئے گئے ہیں۔ وہ صفات درج ذیل ہیں:-

① ظاہرین علی الحق لا یضرهم من خذلهم (صحیح مسلم عن ثوبان ر) وہ حق پر غالب ہوں گے، جو انہیں چھوڑ دیگا وہ ان کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکے گا۔

② ظاہرین علی الناس (صحیح مسلم عن مغیرہ ر) وہ لوگوں پر غالب ہوں گے۔

③ لَنْ یَبْرَحَ هَذَا الدِّينَ قَائِمًا یُقَاتِلُ عَلَیْهِ عَصَابَةٌ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ (صحیح مسلم عن جابر بن سمرہ ر) یہ دین اسی طرح قائم رہے گا، اس دین کیلئے المسلمین کی ایک جماعت جنگ کرتی رہے گی۔

④ یُقَاتِلُونَ عَلَی الْحَقِّ (صحیح مسلم عن جابر بن عبد اللہ ر) وہ حق پر جنگ کرتے رہیں گے۔

⑤ هُمْ ظَاهِرُونَ عَلَی النَّاسِ (صحیح مسلم عن معاویہ ر) وہ لوگوں پر غالب ہوں گے۔

⑥ وَلَا تَزَالُ عَصَابَةٌ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ یُقَاتِلُونَ عَلَی الْحَقِّ (صحیح مسلم عن معاویہ ر) المسلمین کی ایک جماعت ہمیشہ حق کے لئے جنگ کرتی رہے گی۔

④ لَا تَزَالُ عَصَابَةٌ مِنَ اُمَّتِیْ یُقَاتِلُونَ عَلَی اَمْرِ اللّٰهِ ظَاهِرِیْنَ میری اُمت کی ایک جماعت ہمیشہ اللہ کے امر کے لئے جنگ کرتی رہے گی، وہ اپنے



لعدوهم (صحیح مسلم عن دشمن پر قاہر ہوں گے۔  
عبداللہ بن عمروؓ)

مندرجہ بالا احادیث کا خلاصہ یہ ہے کہ وہ جماعت المسلمین کی ایک جماعت ہوگی، وہ جماعت ہمیشہ جنگ کرتی رہے گی اور اپنے دشمن پر قاہر و غالب ہوگی۔  
محقق صاحب ذرا بتائیں کہ تاریخ کے گذشتہ ادوار میں وہ کونسی جماعت اہل حدیث تھی جو ان صفات پر پوری اُترتی ہو اور وہ ہر زمانہ میں مسلسل رہی ہو۔

محقق صاحب "لا تزال" سے یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ وہ جماعت ہمیشہ رہے گی کبھی منقطع نہیں ہوگی تو کیا پھر اہل حدیث جماعت کا یہی حال رہا ہے کہ وہ ہمیشہ سے ہے اور کبھی منقطع نہیں ہوئی۔ جماعت اہل حدیث کچھ عرصہ قبل ہندوستان میں بنی، اس سے پہلے وہ کہاں تھی؟ محقق صاحب، کیا آپ صدیوں کے اس خلا کو پُر کر سکتے ہیں، وہ سرے مالک کے لوگ نہ تو اپنے کو اہل حدیث کہتے ہیں اور نہ اس جماعت کو پہچانتے ہیں، البتہ ماضی قریب میں آمد و رفت و ربط و ضبط زیادہ ہو جانے کے باعث بعض مالک میں کچھ تعارف ہو گیا ہے۔

"لا تزال" سے ہمیشہ رہنا اور منقطع نہ ہونے پر استدلال کرنا صحیح نہیں، اللہ تعالیٰ فرماتے :-

وَلَا تَزَالُ تَطَّلِعُ عَلَى خَائِنَةٍ مِّنْهُمْ (المائدہ - ۱۳)  
(اے رسولؐ) آپ بنی اسرائیل کی طرف سے ہمیشہ کسی نہ کسی خیانت کی خبر سننے رہیں گے۔

ظاہر ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ہر وقت و ہر آن مسلسل خیانت کی خبریں نہیں آتی تھیں بلکہ وقفے وقفے کے ساتھ آتی تھیں، لہذا "لا تزال" سے غیر منقطع ہونے کا استدلال صحیح نہیں۔  
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں :-

كَأَزَالَ جَبْرِيلُ يُؤْصِنُنِي بِالْجَارِحَتِي ظَنَنْتُ أَنَّهُ سَيُورِثُنِي (صحیح بخاری)  
جبریل مجھے ہمیشہ پڑوسی کے متعلق وصیت کرتے رہے یہاں تک کہ مجھے یہ خیال ہوا کہ وہ اس کو وارث قرار دینے لگے۔  
کتاب الادب و صحیح مسلم کتاب البر

اس حدیث سے بھی ظاہر ہوا کہ (مازال) سے تسلسل بلا انقطاع مراد نہیں بلکہ جبریل کی وصیت وقفوں کے ساتھ جاری رہتی تھی۔



چلتے چلتے ہم ایک اہل زبان سے (لاتزال) کے مفہوم بالا نقطہ کا عملی ثبوت بھی پیش کرتے ہیں۔

حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا:-  
 اَقْعِدْ فَاشْرَبْ فَشَرِبْتُ ثُمَّ  
 قَالَ اشْرَبْ فَشَرِبْتُ ثُمَّ قَالَ  
 اشْرَبْ فَشَرِبْتُ فَلَمَّا زِلْ اشْرَبْ  
 وَيَقُولُ اشْرَبْ حَتَّى قَلْتَ وَالَّذِي  
 بَعَثَكَ بِالْحَقِّ مَا أَجِدُنِي مُسَلِّكًا  
 رِوَاةُ الْحَاكِمِ عَلَى شَرْطِ الشَّيْخَيْنِ وَ  
 دَافِعُ الذَّهَبِيِّ، الْمُسْتَدْرَكُ كِتَابُ الْجُمُزِ جُزْءُ ۳ ص ۱۴۸  
 بچو جاؤ اور (دودھ) پو میں نے پیا۔  
 آپ نے فرمایا اور پو، میں نے (اللہ) پیا، آپ نے  
 فرمایا اور پو، میں نے (اور) پیا، میں بار بار مینا  
 رہا اور آپ فرماتے رہتے اور پیو یہاں تک  
 کہ میں نے کہا اس ذات کی قسم جس نے آپ کو  
 حق کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے اب میں اس  
 کے لئے جگہ نہیں پاؤں۔

دودھ کا پینا دفعوں کے ساتھ جاری تھا نہ کہ مسلسل بلا انقطاع، لہذا ثابت ہوا کہ لم ازل سے یہاں بھی مسلسل بلا انقطاع مراد نہیں ہے۔

مندرجہ بالا آیت اور حدیث سے ثابت ہوا کہ "لاتزال" سے ہمیشہ مسلسل بلا انقطاع (CONTINUOUS) ہی مراد نہیں ہوتا بلکہ مسلسل بلا انقطاع (CONTINUAL) بھی مراد ہوتا ہے اور حدیث "لاتزال طائفة من امتی" میں یہی مراد ہے یعنی دفعوں کے ساتھ جاری رہنا اور یہ چیز حدیث سے بھی ثابت ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:-

تَلْزَمُ جَمَاعَةُ الْمُسْلِمِينَ  
 وَإِنَّمَا مَهْمُ  
 تم جماعت المسلمین اور اس کے امیر سے  
 چمٹے رہنا۔

حضرت حذیفہؓ نے پوچھا:-  
 فَإِنْ لَمْ يَكُنْ لَهُمْ جَمَاعَةٌ  
 وَلَا إِمَامٌ؟  
 اگر مسلمین کی نہ جماعت ہو اور نہ امام (تو  
 کیا کروں)؟

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:-  
 فَأُعْتَزَلُ بِتِلْكَ الْفِرْقِ كُلِّهَا.  
 (صحیح بخاری و صحیح مسلم)  
 پھر بھی تم ان تمام فرقوں سے علیحدہ رہنا۔

اس حدیث سے بالبداهت ثابت ہوا کہ جماعت المسلمین کا تسلسل بلا انقطاع ہوگا، اُس کے وجود میں وقفے آتے رہیں گے، اگر محقق صاحب کو یہ وقفے منظور نہیں تو یہ چیز خود ان کے بھی خلاف پڑیگی، محقق صاحب بتائیں کہ اس زمانہ میں جماعت

المحدث کس مقام پر جنگ کر رہی ہے؟ یا آج سے دس بیس سال پہلے کس مقام پر جنگ کر رہی تھی؟ اور وہ کونسے دشمن تھے جن پر وہ غالب و قاهر تھی۔  
غلط فہمی | محقق صاحب لکھتے ہیں:-

”رسول کریمؐ نے جہاں گمراہ فرقوں کا ذکر کر کے ایک ناجی فرقے کا ذکر کیا ہے وہاں انہوں نے جماعت المسالین کا نام نہیں لیا..... بلکہ ماانا علیہ اصحابی کہا:  
 (کتابچہ ص ۵، سطر ۳ تا ۶)

ازالہ | محقق صاحب نے مذکورہ بالا عبارت میں ایک حدیث نقل کی ہے ”ماانا علیہ واصحابی“ محقق صاحب اس حدیث کو صفحہ ۶، سطر ۱۹ میں بھی پیش کر چکے ہیں، وہاں محقق صاحب لکھتے ہیں:- ”کہ ان کا مذہب اہل سنت والجماعت ہو گا۔“  
 قارئین کرام غور فرمائیں کیا یہ تحریف معنوی نہیں ہے؟ الفاظ کچھ، ترجمہ کچھ۔ المحدث کو چاہیے کہ اب کتاب و سنت کا استعمال چھوڑ دیں اور یہی اصطلاح استعمال کریں جو محقق صاحب نے تجویز کی ہے۔

محقق صاحب نے تحقیق نہیں کی اور افسوس ہے کہ اس حدیث کو پیش کر دیا۔ یہ حدیث ضعیف ہے اور حجت کے قابل نہیں ہے اور صحیح حدیث کے بھی مخالف ہے، علامہ محمد ناصر الدین الالبانی لکھتے ہیں ”علتہ عبد الرحمن بن زیاد الافریقی وهو ضعیف“ (مشکوٰۃ مع تعلیقات للالبانی جزء اول ص ۶) اس کی علت عبد الرحمن بن زیاد افریقی ہے اور وہ ضعیف ہے۔ اس سلسلہ کی صحیح حدیث یہ ہے:-

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:-  
 ان هذه الملة ستفترق  
 علی ثلاث وسبعین. ثنتان و  
 سبعون فی النار و واحد فی  
 الجنة و هی الجماعة (ابوداؤد)  
 اس ملت کے ۷۳ حصے ہو جائیں گے، ۷۲  
 دوزخ میں (جائیں گے) اور ایک جنت میں  
 اور وہ (حصہ) جماعت ہوگی۔

کتاب السنۃ جزء ۲ ص ۲۸۳  
 یہ حدیث سند احمد میں بھی ہے۔ علامہ الالبانی لکھتے ہیں:- ”وسندہما صحیح“  
 (مشکوٰۃ مع تعلیقات للالبانی جزء اول ص ۶)۔

دیکھیے اس حدیث میں جماعت کا لفظ موجود ہے۔ اگر یہ کہا جائے کہ اس حدیث میں جماعت المسالین نہیں ہے، صرف جماعت ہے تو



سوال یہ ہے کہ آخر وہ جماعت کون لوگوں کی ہوگی، ظاہر ہے کہ وہ جماعت، مسلمین ہی کی ہوگی خصوصاً ایسی حالت میں کہ دوسری احادیث میں جماعت کا مضاف الیہ "المسلمین" موجود ہے، دو احادیث صحیح بخاری کے حوالہ سے اوپر گزر چکی ہیں، ایک حدیث اور ملاحظہ فرمائیے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں :-

ثلاث لا یغل علیہن قلب مؤمن : اخلاص العمل للہ ، والظاہر  
لذوی الامر ، ولزوم جماعۃ المسلمین (رواہ الحاکم وصححہ علی شرط البخاری و مسلم ووافی الذہبی . المستدرک جزء اول ص ۸)

دیکھنا یہ ہے کہ اس حدیث کی روشنی میں محقق صاحب کا دل کیا کہتا ہے، محقق صاحب اگر تحقیق کا حق ادا کرنا چاہیں تو انہیں یہ مضاف الیہ اور بھی حدیثوں میں مل سکتا ہے۔

غلط فہمی | محقق صاحب لکھتے ہیں :-

”کون اچھا لقب رکھنا بھی گمراہی ہے“

(کتابچہ ص ۵، سطر ۹)

ازالہ | کسی اچھے لقب کو فرقہ دارانہ امتیازی نام کی حیثیت سے رکھنا گمراہی ہے۔ اچھا لقب تو اہل قرآن بھی ہے تو کیا آپ اس لقب سے اپنی جماعت کو موسوم کرنے کے لئے تیار ہیں؟

غلط فہمی | محقق صاحب لکھتے ہیں :-

”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا ”لا یبقی من الاسلام الا اسمہ“

(کتابچہ ص ۹ سطر ۶)

ازالہ | محقق صاحب نے تحقیق نہیں کی، یہ حدیث بھی ضعیف ہے، اس میں ایک راوی بشر بن الولید القاضی ضعیف ہے۔

(مشکوٰۃ مع تعلیقات للالبانی جزء اول ص ۱۹)

اہل حدیث کی یہ بھی ایک خصوصیت ہے کہ انکے ہاں محقق بھی یہ نہیں دیکھتے کہ



جو حدیث وہ پیش کر رہے ہیں وہ صحیح بھی ہے یا نہیں، حدیث کے نام سے جو کچھ ملا لکھنے سے مطلب، مخالف مانے یا نہ مانے قارئین تو مرعوب ہو جائیں گے۔  
غلط فہمی | محقق صاحب لکھتے ہیں:-

”آپ دونوں نے سلف و خلف کو مشرک، گمراہ اور فرقہ پرست قرار دے دیا۔“  
 (کتابچہ ص ۱۳، سطر ۲)

ازالہ | یہ جماعت المسالین پر الزام ہے۔

غلط فہمی | محقق صاحب لکھتے ہیں:-

”آپ کوئی ایسی دلیل پیش کریں جس سے یہ ثابت ہو کہ مسلم کے علاوہ کوئی اور نام جائز نہیں؟“

ازالہ | نام تو وہی ہے جو اللہ تعالیٰ نے رکھا البتہ مسلم کے وصف بیان کئے جاسکتے ہیں لیکن کسی وصف کو فرقہ دارانہ امتیازی نام کی حیثیت دینا فرقہ داری کو جنم دینا ہے۔

غلط فہمی | محقق صاحب لکھتے ہیں:-

”اگر مذہب صحیح ہو تو مذہب کی مناسبت سے کئی نام ہو سکتے ہیں، ناموں کو اتنی اہمیت نہیں؟“  
 (کتابچہ ص ۱۵، سطر ۲)

ازالہ | نام کی جگہ وصف کیسے لے سکتے ہیں؟ نام نام ہے اور وصف وصف ہے۔ ہمارا اعتراض تو یہ ہے کہ کسی وصفی نام کو فرقہ دارانہ امتیازی نام بنالینا کہاں تک صحیح ہے، محقق صاحب اصل سوال کے جواب سے اعراض کر رہے ہیں جس سے قارئین کو دھوکا ہونے کا امکان ہے۔

محقق صاحب اگر آپ کا مذہب صحیح ہے تو پھر آپ کی جماعت کے فرقے کیسے بن گئے۔ ایک فرقہ کتنا ہے ”مقلد مشرک ہے“ اس کے پیچھے نماز نہیں ہوگی؟ دوسرا کتنا ہے ”مقلد مشرک نہیں، اس کے پیچھے نماز ہو سکتی ہے“: ایک فرقہ امامت کا قائل، ان کے نزدیک ان کے امام کو نہ ماننے والا جاہلیت کی موت مر گیا، دوسرا اس کا منکر۔ ایک تعویذ گنڈے کو مشرک کہتا ہے، دوسرا اسے حلال و طیب سمجھتا ہے، یہ سب اہل حدیث ہیں تو بتائیے کونسا مذہب صحیح ہے، اگر ناموں کو اتنی اہمیت حاصل نہیں تو آپ اپنے

کو غر بار الہدیث کیوں نہیں کہتے۔

مزید برآں اگر یہ صحیح ہے کہ ناموں کو اتنی اہمیت نہیں تو پھر الہدیث نام کو اتنی اہمیت کیوں دی جا رہی ہے؟ اگر الہدیث نام غیر اہم ہے تو اسے اتحاد کے عظیم مقصد کی خاطر خیر باد کیوں نہیں کہتے، الہدیث کے ایک محقق عالم نے کیا خوب تحریر فرمایا ہے:-

”گو الہدیث کوئی شخصی نسبت نہیں ہے جیسا کہ دوسرے فرقوں کی بات ہے تاہم اگر اس نسبت کی قربانی دے کر دوسری نسبتوں کا خاتمہ کیا جاسکتا ہے تو ذاتی طور پر مجھے الہدیث کہلانے پر کوئی اصرار نہیں ہے۔“

(ماہنامہ محدث لاہور، بابت جمادی الاولیٰ والآخرہ ۱۳۷۲ھ)

محقق صاحب مندرجہ بالا اقتباس کی روشنی میں اتحاد کی طرف قدم بڑھائیے۔ الہدیث شخصی نسبت نہ سہی فرقہ دارانہ نام تو فرد ہے، فرقوں کو ختم کرنے کے لئے فرقہ دارانہ ناموں کو پہلے ختم کرنا ہوگا۔

**غلط فہمی | محقق صاحب لکھتے ہیں:-**

”بقول آپ کے مسلم اس کا اصلی نام ہے یعنی علم ہے۔ الہدیث اس کا وصفی نام ہے یعنی لقب ہے۔“ (کتابچہ ص ۱، سطر ۱۲)

**ازالہ |** لیکن کسی وصفی نام یا لقب کو فرقہ دارانہ نام کی حیثیت نہیں دی جاسکتی، الہدیث فرقہ دارانہ نام ہے ورنہ وصفی لحاظ سے تو احناف اور شیعہ وغیرہ بھی اپنے کو الہدیث کہنے سے انکار نہیں کرتے۔

**غلط فہمی | محقق صاحب لکھتے ہیں:-**

”إِنَّ الْمُسْلِمِينَ وَالْمُسْلِمَاتِ وَالْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ..... الخ اگر مسلم علم ہوتا تو انداز بیان یہ نہ ہوتا۔“ (کتابچہ ص ۱۸، سطر ۱۱)

**ازالہ |** اللہ تعالیٰ تو فرماتا ہے ”هُوَ سَمُّكُمْ الْمُسْلِمِينَ“ (الحج - ۸)

اللہ نے تمہارا نام مسلمین رکھا، لہذا مسلم نام علم ہوا لیکن محقق صاحب فرماتے ہیں

کہ مسلم علم نہیں۔ بتائیے کس کی مانیں؟ اللہ تعالیٰ کی یا محقق صاحب کی؟

اس آیت میں آگے اللہ تعالیٰ نے مسلمین کے اوصاف نقل کئے ہیں لیکن انوس

ہے کہ ان اوصاف میں بھی ”الہدیث“ کا ذکر نہیں۔

اگر بقبل محقق صاحب مسلم بھی وصفی نام ہے تو پھر اللہ تعالیٰ نے صرف ایک



صفت کو نام کا درجہ دیا، کسی اور صفت کو نام کا درجہ کیوں نہیں دیا، اللہ تعالیٰ نے کیوں نہیں فرمایا "هُوَ سَمْتُكُمْ الصَّابِرِينَ"، "هُوَ سَمْتُكُمْ الْخَشِيعِينَ"، "هُوَ سَمْتُكُمْ أَهْلَ الْحَدِيثِ"؟ آخر مسلم نام میں اور دوسرے وصفی القاب میں کچھ تو فرق ہے۔

غلط فہمی | محقق صاحب فرماتے ہیں:-  
"اسی طرح اپنے آپ کو مسلم کہنا اور جماعت المسلمین بنانا جائز نہیں۔"  
(کتابچہ ص ۱۸، سطر ۱۵ و ۱۶)

ازالہ | اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:-

قُولُوا..... نَحْنُ لَهُ مُسْلِمُونَ ۝ کہو..... ہم اللہ کے مسلم ہیں۔  
(البقرة - ۱۳۶)

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:-

قُلْ..... نَحْنُ لَهُ مُسْلِمُونَ ۝ کہہ..... ہم اللہ کے مسلم ہیں۔  
(آل عمران - ۸۴)

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:-

فَإِنْ تَوَلَّوْا فَقُولُوا اشْهَدُوا  
بِأَنَّا مُسْلِمُونَ ۝ (آل عمران - ۶۴)  
اگر وہ منہ موڑیں تو ان سے کہہ دو کہ  
"گواہ رہو کہ ہم تو مسلم ہیں۔"

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:-

وَمَنْ أَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَا  
إِلَى اللَّهِ وَعَمِلَ صَالِحًا وَقَالَ  
إِنِّي مِنَ الْمُسْلِمِينَ ۝  
(حَمَّ السَّجْدَةِ - ۳۳)  
بات کے لحاظ سے اس سے بہتر کون  
ہو سکتا ہے جو اللہ کی طرف بلائے، عمل  
صالح کرے اور یہ کہے کہ میں مسلمین میں  
سے ہوں۔

اللہ تعالیٰ تو فرمائے کہ مسلم کہو اور محقق صاحب فرماتے ہیں کہ مسلم کہنا جائز  
نہیں، محقق صاحب اگر تحقیق فرماتے تو قرآن مجید سے ہی ان کی تمام الجھنیں دور  
ہوجاتیں۔

غلط فہمی | محقق صاحب فرماتے ہیں:-

"میں کہتا ہوں اس سماں کے "کم" سے کون لوگ مراد ہیں، کیا صرف صحابہ یا  
بعد والے بھی، اگر بعد والے بھی تو پھر کیا آپ اس "کم" میں شامل ہیں یا نہیں؟"  
(کتابچہ ص ۱۸ سطر ۱۷ و ۱۸)



ازالہ | سوال کیلئے شاہکار ہے، قارئین کرام بتائیں کہ وہ اس "کم" میں شامل ہیں یا نہیں، اگر نہیں ہیں تو کیا پھر وہ مسلم نہیں ہیں۔  
غلط فہمی | محقق صاحب لکھتے ہیں :-

"آپ نے اپنے مطلب کے لئے اس کا ترجمہ یوں کیوں کیا کہ "میرے ساتھ سرکشی نہ کرو اور مسلم بن کر میرے پاس آ جاؤ" مسلمین کا لفظ یہاں بالکل اپنے لغوی معنوں میں تھا یعنی مطیع و فرمانبردار لیکن آپ نے ترجمے میں مسلم لکھ کر صرف اپنا پوائنٹ بنایا۔"  
 (کتابچہ ص ۳۱، سطر ۵ تا ۷)

ازالہ | انبیاء علیہم السلام پہلے اسلام کی دعوت دیتے ہیں یا پہلے اپنی سلطنت کو بڑھاتے ہیں؟ سلیمان علیہ الصلوٰۃ والسلام نے پہلے ملکہ کو اسلام کی دعوت دی اور یہی وجہ ہے کہ انہوں نے آتے ہی اسلام قبول کر لیا اور کہا "أَسْلَمْتُ مَعَ سُلَيْمَانَ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ (النمل - ۲۴) میں نے سلیمان کے ساتھ اللہ رب العالمین کے لئے اسلام قبول کیا، یہ نہیں کہا کہ میں آپ کی مطیع بن کر آئی ہوں۔ یہ آیت اس بات کا قرینہ ہے کہ پہلی آیت میں "مسلم" کے لغوی معنی مراد نہیں ہیں۔

اس آیت کے علاوہ بھی محقق صاحب نے الزام لگایا ہے کہ ہم نے آیتوں کا ترجمہ غلط کیلئے، یہ ان کا اپنا خیال ہے جو کسی طرح بھی صحیح نہیں۔ اگر ان کو اپنی بات پر اصرار ہے تو وہ بتائیں کہ کیا انہوں نے مندرجہ ذیل آیتوں کا ترجمہ صحیح کیلئے :-

① إني امرت ان اكون اول من اسلم جو نبی اللہ کا حکم آئے سب سے پہلے  
 فرمانبردار بن کر۔

(کتابچہ ص ۲۴)

خط کشیدہ عبارت کن الفاظ کا ترجمہ ہے؟  
 ② أُولَئِكَ الَّذِينَ هَدَى اللَّهُ فَبِهِدَا هُمْ أَقْتَدِهِ  
 اُسے نبی پہلے نبیوں کی لائن میں رہیے۔

(کتابچہ ص ۱۳)

محقق صاحب نے ہم پر تو غلط ترجمہ کا الزام لگایا ہے اور خود ص ۲۳ پر قرآن مجید کی آیت بھی غلط نقل کی ہے "كَرَبْتُ تَوْفِيئِي مُسْلِمًا" ان الفاظ کے ساتھ یہ آیت قرآن مجید میں کہاں ہے؟  
غلط فہمی | محقق صاحب تحریر فرماتے ہیں :-

”سارے قرآن مجید میں اللہ نے ایک دفعہ بھی ہمیں اس نام سے نہیں پکارا۔۔۔  
ثابت ہوا کہ مسلم نام تو ضرور ہے لیکن زندگی کوئی اس نام کا مستحق نہیں۔“

(کتابچہ صفحہ ۲۲، سطر ۱۲ تا ۱۴)

**ازالہ** آدمی جب اپنا تعارف کراتا ہے تو اپنا نام (علم) ہی لیتا ہے مثلاً اگر کسی شخص کا نام زاہد ہے اور وہ حافظ بھی ہے تو جب وہ اپنا نام بتائے گا تو زاہد ہی بتلے گا۔ زاہد ہی لکھے گا اور زاہد ہی دستخط کرے گا، دوسرے آدمی اگر اُس سے چھوٹے درجہ کے ہیں تو اُسے احتراماً حافظ صاحب کہیں گے اور اگر بڑے درجہ کے ہیں تو اعزازاً حافظ صاحب کہیں گے، مثلاً اگر ہم کسی حافظ کو اپنے بچوں کو پڑھانے کے لئے ملازم رکھ لیں تو باوجود اس کے کہ وہ ہمارا ملازم ہے ہم اُسے اعزازاً حافظ صاحب ہی کہیں گے، اسی طرح گھر کے خادم کو اعزازاً ”بڑے میاں“ اور خادمہ کو ”بڑی بی“ کہنے کا رواج ہے۔ قرآن مجید میں تو اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی نام لیکر نہیں پکارا بلکہ منصب نبوت و رسالت سے پکارا اور آپ کی اُمت کو بھی اللہ تعالیٰ نے یہ شرف بخشا کہ نام لے کر نہیں پکارا بلکہ وصفی القاب سے پکارا لیکن جب ہم خود اپنا تعارف کرائیں گے تو اپنا نام مسلم ہی لیں گے، وصفی القاب اور قابلیت کا ذکر فخر و تعلق میں شمار ہوگا جو محقق صاحب کو بھی ناپسند ہے۔ (ملاحظہ ہو کتابچہ صفحہ ۲۳، سطر ۱۹)

**غلط فہمی** محقق صاحب لکھتے ہیں:-

”زندگی زندگی کوئی اس نام کا مستحق نہیں کیونکہ فرمانبرداری مکمل ہونے سے پہلے یہ نام رکھا ہی نہیں جاسکتا۔“

(کتابچہ صفحہ ۲۲، سطر ۱۲ تا ۱۴)

”مسلم ہونے کی ڈگری زندگی زندگی نہیں ملتی۔“

(کتابچہ صفحہ ۲۳، سطر ۱۳ تا ۱۴)

**ازالہ** محقق صاحب کا مطلب یہ ہے کہ کسی کو زندگی بھر اپنے کو ”مسلم“ کہنے کا حق نہیں، محقق صاحب بتائیں کہ پھر اللہ تعالیٰ نے کیوں بار بار کہا کہ اپنے کو ”مسلم“ کہو اور اہل کتاب کو بھی اپنے مسلم ہونے کا گواہ کرلو، یہ آیات گذشتہ صفحات پر ملاحظہ فرمائیں۔ محقق صاحب یہ تو بتائیے کہ اگر ہم اپنے کو مسلم نہیں کہہ سکتے تو کیا ”غیر مسلم“ کہیں؟ براہ کرم جواب قرآن مجید یا حدیث صحیح سے دیجئے۔



غلط نہی | محقق صاحب تحریر فرماتے ہیں :-

”یوسف علیہ السلام نے بھی موت کے وقت مسلم ہونے کی دعا کی، رَبِّ تَوْفِّئْ مَسْلَمًا۔ اللہ مجھے مسلم ہونے کی حالت میں موت دینا یعنی مسلم بنا کر مازنا“..... موت سے پہلے کوئی آدمی مکمل مسلم نہیں ہوتا“

(کتابچہ ص ۲۳، سطر ۱۸-۲۰)

”جب انبیاء موت تک مسلم ہونے کی دعا کرتے رہے تو آپ کا زندگی میں مسلم ہونے کا دعویٰ کرنا اور مسلمین کہلانا، جماعت المسلمین نام کی جماعت بنانا بچکانہ حرکت نہیں تو ادر کیلئے“

(کتابچہ ص ۲۴، سطر ۱۵ تا ۱۷)

ازالہ | محقق صاحب کی عبارتوں سے ظاہر ہے کہ انبیاء علیہم السلام بھی زندگی میں مکمل مسلم نہیں تھے، محقق صاحب تو پھر ان انبیاء علیہم السلام سے تو عیسیٰ علیہ السلام کے زمانہ کے مسلم ہی اچھے رہے کہ انہوں نے صاف صاف کہا کہ ہم مسلم ہیں :-  
وَ اَشْهَدُ اَنَا مُسْلِمٌ وَ اَنْتَ مُسْلِمٌ وَ اَنْتَ مُسْلِمٌ وَ اَنْتَ مُسْلِمٌ

(آل عمران - ۵۲)

بلکہ ان انبیاء علیہم السلام سے تو جنات ہی اچھے رہے کہ وہ کہتے ہیں :-  
وَ اَنَا مِنَ الْمُسْلِمِينَ (جن ۱۴) ہم میں سے بعض مسلم ہیں۔  
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کے اہل کتاب جو مؤمن ہوئے انہوں نے صاف صاف اعلان کیا :-

اَنَا كُنْتُ مِنْ قَبْلِهِ مُسْلِمًا ہم تو اس سے پہلے ہی مسلم تھے۔

(قصص - ۵۳)

اشکال | اگر یہ اشکال ہو کہ پھر انبیاء علیہم السلام مسلم بننے کی دعا کیوں کرتے تھے اور اس طرح کیوں دعا کرتے تھے کہ ہمیں بحالت مسلم موت دے تو اس کا جواب یہ ہے کہ وہ مسلم بننے کی دعا نہیں کرتے تھے بلکہ مسلم بنائے رکھنے کی دعا کرتے تھے اور یہ چاہتے تھے کہ موت کے وقت تک ہم مسلم رہیں اور یہ چیز بغیر توفیق الہی کے نہیں ملتی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دعا کرتے تھے ”اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ“ تو کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صراط مستقیم پر نہیں تھے، ضرور تھے لیکن صراط مستقیم پر استقامت اور منزل مقصود تک پہنچ جانا یہ اللہ تعالیٰ کی توفیق سے ہوتا ہے اور



اور اسی توفیق کی آپ دعا کرتے تھے اور کلمہ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ بھی اسی کی تائید کرتا ہے۔

## انتباہ آخری

کتابچہ کی بعض باتوں کا ہم نے اس لئے جواب نہیں دیا کہ یا تو وہ علمیت کا شاہکار نہیں مثلاً ”اس نام کی جماعت بنانا شرعاً بالکل ناجائز ہے“ (ص ۳۱) یا دوسرے لفظوں میں وہی باتیں بار بار دہرائی گئی ہیں۔ قارئین کرام خود ہی فیصلہ کر لیں۔

## انتباہ

ڈاکٹر مسعود الدین عثمانی کیماڑی والے سے جماعت المسلمین کا کوئی تعلق نہیں جماعت المسلمین ان کے بعض عقائد سے سخت بیزار ہے انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف بحران کو منسوب کر کے سخت گستاخی کی ہے جماعت المسلمین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان اقدس میں ذرا سی گستاخی کو بھی کفر سمجھتی ہے۔

- — کراچی میں جماعت المسلمین کا مرکز ہے۔
- — کراچی میں جماعت المسلمین کی کوئی شاخ کسی بھی علاقہ یا محلہ میں نہیں ہے قارئین کرام ہوشیار رہیں۔

مَسْعُود احمد

امیر جماعت المسلمین

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

# الجماعة

مدیرِ تکبیر "محمد صلاح الدین صاحب کے مختلف مضامین میں کئے  
جانے والے شکوک و شبہات کا مکمل و محققانہ جواب۔

مسعود احمد  
امیرِ جماعت المسلمین

جماعت المسلمین

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

# الجماعة

## فہرست مضامین

نمبر شمار	عنوان	صفحہ نمبر
۱	پیش لفظ	۵
۲	جماعت المسلمین حق پرہوگی، فرقتے گمراہی پر ہوں گے	۹
۳	الجماعت جنت میں، فرقتے دوزخ میں	۹
۴	مودودی صاحب کا تضاد	۱۱
۵	دنیاوی علاقہ حق کو تسلیم کرنے میں مانع ہیں	۱۲
۶	آیات بینات اور احادیث کے خلاف مذاہب کے مسائل	۱۳
۷	جمہوریت غیر اسلامی چیز ہے	۱۴
۸	عبادہ بن صامتؓ نے حضرت ابو بکرؓ کی بیعت نہیں کی۔ صلاح الدین صاحب کی فاش غلطی	۲۰
۹	حضرت سعدؓ اور بیعت	۳
۱۰	حضرت علیؓ اور بیعت	۲۴
۱۱	ثقیفہ بنی ساعدہ میں انتخاب کا تاریک منظر	۲۵
۱۲	ثقیفہ بنی ساعدہ میں انتخاب کا روشن منظر	۲۶
۱۳	ضمیمہ ۱	۲۹
۱۴	صلاح الدین صاحب کا الزام کہ جماعت المسلمین میں شامل نہ ہونے والا کافر ہے۔ صلاح الدین صاحب کی ناکامی	۳۰



صفحہ نمبر	عنوان	نمبر شمار
۳۴	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بے مثال اخلاق کا ایک نمونہ	۱۵
۳۴	فقہ کا حدیث کے خلاف مسئلہ	۱۶
۳۶	صلاح الدین صاحب کا زبردست اتہام	۱۷
۳۷	محمود الحسن صاحب کی گھڑی ہوئی آیت	۱۸
۴۰	صلاح الدین صاحب نے اتہام کو پھر دوہرایا ہے	۱۹
۴۰	صلاح الدین صاحب کی فاش غلطی جس کو انہوں نے بعد میں	۲۰
۴۱	سو قرار دیا	
۴۷	اصول فقہ کے غیر اسلامی اصول	۲۱
۵۲	صلاح الدین صاحب کی مجبوری یا کمزوری	۲۲
۵۵	دل سے بیعت پھر بھی جماعت سے علیحدگی!	۲۳
۶۱	وہ سوالات جن کے جوابات صلاح الدین صاحب نے نہیں دئے	۲۴
۶۴	صلاح الدین صاحب کا استنزاء اور تمسخر	۲۵
۶۶	ضمیمہ ۱۔ کفایت اللہ صاحب کے اعتراضات	۲۶
۶۸	اور ان کے جوابات	
۶۸	ضمیمہ ۲۔ صلاح الدین صاحب سے ایک صاحب	۲۷
۷۳	کے سوالات۔ صلاح الدین صاحب کی غلطیوں	
۷۳	کی نشاندہی	

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

## پیش لفظ

حال ہی میں ہفت روزہ ”تکبیر“ کے مدیر جناب محمد صلاح الدین صاحب کا ایک مضمون دو قسطوں میں رسالہ ”تکبیر“ میں شائع ہوا۔ یہ مضمون جہاں جماعت المسلمین کی شہرت کا باعث بنا وہاں مذہب اور فرقہ پرستوں کے لئے مخالفت برائے مخالفت کا خوشامہانہ بھی بن گیا۔

جناب صلاح الدین صاحب کا مضمون جو ایک طرف مذہب و مسلک کی حفاظت اور اس کی تائید تھا تو دوسری طرف جناب مسعود احمد صاحب کا جوابی مضمون غالص دینی نوعیت کا حامل تھا۔ ان مباحث میں ہر طالب حق و صداقت کے لئے ایک جان نواز راہ عمل کھل کر سامنے آگئی اور اب وہ دونوں مضامین کو سامنے رکھ کر یہ آسانی فیصلہ کر سکتا ہے کہ حق و صداقت کا علمبردار کون ہے؟

صلاح الدین صاحب نے ہر قسم کے اختلاف کے باوجود اپنے عالیہ مضمون میں مسعود احمد صاحب کے متعلق جو تعارفی تبصرہ تحریر فرمایا ہے وہ گویا ایک مثال ہے۔ مجھے حیرت ہے کہ اس حقیقت بیانی کے باوجود صلاح الدین صاحب کے سامنے وہ کون سے محرکات تھے جن کی بناء پر وہ امیر جماعت المسلمین کے خلاف بلا جواز ایک محاذ کھڑا کرنے پر آمادہ ہو گئے۔ صلاح الدین صاحب فرماتے ہیں :

مسعود احمد صاحب انتہائی متقی، وسیع المطالعہ، کثیر التصنیف اور دین کے ساتھ گہری و مخلصانہ وابستگی رکھنے والے بزرگ ہیں۔ ان کی یہ خواہش اور شدید تمنا قابل قدر ہے کہ ہر مسلمان کی زندگی قرآن و سنت کے مطابق اور اسوۂ رسول کے سلچے میں ڈھلی ہوئی ہو۔ وہ اپنے حسن نیت کا پورا اجر اپنے رب سے پائیں گے۔ ویسے بھی بخاری کی پہلی حدیث اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ کے مطابق ہماری جزا و سزا کا اصل انحصار ہماری نیتوں پر ہے، ظاہری اعمال پر نہیں۔

مجھے مسعود احمد صاحب کی "تفسیر قرآن عزیز" ڈاکٹر غلام جیلانی برقی کی کتاب "دو اسلام" کے جواب میں لکھی جانے والی تجلیت حدیث پر گرانقدر تصنیف "تفہیم الاسلام"، "تاریخ الاسلام والمسلمین" اور دوسری متعدد تصانیف کے مطالعہ کا موقع ملا ہے۔

ان کے ہاں قرآن و حدیث سے قریب تر رہنے اور دوسروں کو رکھنے کا غیر معمولی جوش و جذبہ اور اس کے لئے مخلصانہ عرق ریزی کا قابل تحسین شوق و انہماک پایا جاتا ہے۔ (تکبیر شماره ۸، فردری منہ کالم ۲)

بلا شک و شبہ جناب مسعود احمد صاحب ان تعریفی و توصیفی کلمات سے بالاتر دین کی خدمت میں ہمہ تن مصروف ہیں۔ ان سے شدید ترین اختلاف رکھنے والے بھی ان کی دینی خدمات کے تہ دل سے معترف ہیں۔

عصر حاضر کی تمام تحریکوں کا بنظر غائر مطالعہ کیا جائے تو جو چیز سامنے آتی ہے وہ یہ ہے کہ مسعود احمد صاحب اس زمانے کی پہلی شخصیت ہیں جنہوں نے مذہب و مسلک سے وابستگیاں قائم رکھ کر دین اسلام کا احیاء نہیں کیا انہوں نے "واعتصموا بحبل اللہ جمیعاً ولا تفرقوا" کے حکم ربی ذی الجلال والاکرام اور حکم مرتبی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: "فاعتزل تلك الفرق كلها" کی اصل روح اور اسکے تقاضوں کے عین مطابق عمل کیا اور فرقہ وارانہ مذاہب سے اسلام کو علیحدہ کیا۔

یہ قدرتی امر تھا کہ فرقوں سے بیزار لوگوں کو فرقوں سے نجات کی ایک عملی شکل نظر آئی اور اس طرح "جماعت المسلمین" کو استحکام حاصل ہوا۔

اب سوال یہ ہے کہ کیا مذہب اور مسلک کی حمایت و وکالت کسی کو کوئی فائدہ پہنچا سکتی ہے؟ کیا اس طرح فرقہ بندی ختم ہو سکتی ہے؟ کیا مذہب اور مسلک اور اپنے خود ساختہ نظریات پر جمے رہنا اتنا ضروری ہے کہ فضول تاویلوں کو اسلام کی شرح قرار دیا جائے؟ کیا مصحفیت اسی کا نام ہے کہ دوسرے پر جتنی چاہے کچڑا چھال دی جائے اور اس کو صفائی کا موقع بھی نہ دیا جائے؟ یہ تکبیر ہے یا تکبر؟

المختصر محمد صلاح الدین صاحب کے قیاسی دلائل اور جناب مسعود احمد صاحب کے شرعی دلائل کا تقابلی مطالعہ کیجئے اور فیصلہ کیجئے کہ گمراہی کا دلدل کس طرف ہے۔

محمد یوسف - مدیر المسلم

۵، شوال ۱۴۱۳ھ



بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

## ”الجماعہ“

مؤقر جریدہ ”تکبیر“ شمارہ ۷۴، مؤرخہ ۱۹ نومبر ۱۹۹۲ء اور شمارہ ۷۵، مؤرخہ ۱۰ دسمبر ۱۹۹۲ء میں جناب محمد صلاح الدین صاحب کا ایک مضمون شائع ہوا ہے جس کا عنوان ہے: ”اسلامی ریاست میں فرد اور جماعتوں کے باہمی تعلقات“۔ انہوں نے اس مضمون میں چند باتیں ایسی تحریر فرمائی ہیں جن میں کلام کرنے کی کافی گنجائش ہے یا یوں کہنا چاہیے کہ چند باتیں اس مضمون میں ایسی آگئی ہیں جو حقائق کے خلاف ہیں اور جن کی نشان دہی ضروری ہے۔ جناب صلاح الدین صاحب سے گزارش ہے کہ وہ مزید غور فرما کر متلاشیانِ حق کی تسلی فرمائیں۔

صلاح الدین صاحب لکھتے ہیں :-

”یہ وہ آیات اور احادیث ہیں جو ایک مسلم معاشرے میں جماعت سازی کے لئے بطور حواہز پیش کی جاتی ہیں اور انہی کی بنیاد پر بعض جماعتوں کے بانی رہنما مسلمانوں کے لئے اپنی پسند کی کسی نہ کسی جماعت سے وابستگی کو فرض عین قرار دیتے ہیں اور اس کے وجہ سے دلائم کا فتویٰ صادر کرتے ہیں۔ اس معاملہ میں تنظیم اسلامی کے سربراہ ڈاکٹر اسرار احمد صاحب اور جماعت المسلمین کے بانی جناب مسعود احمد صاحب سرفہرست ہیں۔ دوسری تمام جماعتیں بھی جن میں احرار، خاکسار، تبلیغی جماعت، جماعت اسلامی، جمعیت علمائے پاکستان، جمعیت علمائے اسلام، جمعیت اہل حدیث اور دوسری دینی جماعتیں شامل ہیں اپنے اپنے لڑیچر میں انہی آیات اور احادیث کو اپنے قیام کے حواہز میں پیش کرتی ہیں لیکن ان کے ہاں وہ شدت نہیں جو ڈاکٹر اسرار احمد اور جناب مسعود احمد کے موقف میں پائی جاتی ہے۔ مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی بھی اگرچہ ایک ہمہ گیر اسلامی انقلابی جماعت کے بانی ہیں لیکن وہ جماعتی زندگی کی ضرورت و اہمیت پر غیر معمولی زور دینے کے باوجود اسے شرائط ایمان میں شامل نہیں کرتے“ (تکبیر شمارہ ۷۴ صفحہ ۹ کالم ۱)۔

مندرجہ بالا اقتباس سے واضح ہے کہ جناب صلاح الدین صاحب نے تنظیم اسلامی اور

جماعت المسلمین کی طرف اس بات کو منسوب کیا ہے کہ یہ دونوں جماعتیں ان کی اپنی جماعت میں شمولیت کو شرط ایمان سمجھتی ہیں یعنی یہ دونوں جماعتیں اس شخص کو کافر سمجھتی ہیں جو ان کی جماعت میں شامل نہ ہو۔ معلوم نہیں صلاح الدین صاحب نے یہ بات کس بنیاد پر لکھی ہے۔ ذیل میں تنظیم اسلامی کے سربراہ جناب ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کی تقریر کا ایک اقتباس نقل کیا جا رہا ہے جس سے ڈاکٹر صاحب کا موقف کھل کر سامنے آجاتا ہے۔ ڈاکٹر صاحب فرماتے ہیں :-

### فتنے کیسے اٹھتے ہیں

”ہمارے ملک کے دینی کام کرنے والے لوگوں نے مسلمانوں میں کام کرنے کے لئے جماعتوں کی تشکیل کی ہے، ہم نے بھی تنظیم اسلامی قائم کی لیکن ہمارا دعویٰ یہ نہیں کہ جو تنظیم میں ہے وہ مسلمان ہے اور جو تنظیم سے باہر ہے وہ کافر۔ جو لوگ اس انتہا پسندی کو پہنچ جاتے ہیں وہ بہت بڑے فتنے کی شکل اختیار کر لیتے ہیں۔“ (ندائے خلافت جلد ۱)

شمارہ ۲۰ مورخہ ۸ جون ۱۹۹۲ء اشاعت کی تاریخ ۸ جولائی ۱۹۹۲ء

مندرجہ بالا اقتباس سے ظاہر ہوا کہ جناب صلاح الدین صاحب نے تنظیم اسلامی کی طرف جو بات منسوب کی ہے وہ صحیح نہیں۔

جماعت المسلمین کی طرف بھی صلاح الدین صاحب نے وہی عقیدہ منسوب فرمایا ہے جو تنظیم اسلامی کی طرف منسوب کیا ہے، کیا صلاح الدین صاحب بتا سکتے ہیں کہ جماعت المسلمین کی کس کتاب میں یا کس کتابچہ میں یہ عقیدہ تحریر ہے۔ جماعت المسلمین کسی کو کافر نہیں کہتی ہاں فعل کفر کو کفر ضرور کہتی ہے۔ جماعت المسلمین کا تو بس اتنا قصور ہے کہ وہ آیت یا حدیث نقل کر دیتی ہے۔ جماعت کے مخالفین اس آیت یا حدیث سے خود ہی منطقی طور پر نتیجہ نکالتے ہیں اور اس نتیجہ کو جماعت کی طرف منسوب کر کے جماعت کو بدنام کرتے ہیں۔ جماعت المسلمین نے وہ حدیث جس پر دبیز پردے ڈال دئے گئے تھے سامنے لا کر رکھ دی تاکہ اس کی روشنی میں فرقوں کو ختم کر دیا جائے اور ایمان والوں کی صرف ایک جماعت ہو جس کا نام جماعت المسلمین ہو۔

وہ حدیث جس کی بنیاد پر جماعت کو بدنام کیا جاتا ہے مختصراً و ملخصاً درج ذیل ہے :-

”فتنوں کے ایک خاص زمانے کا ذکر کرتے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا :-

”تَلْزَمُ جَمَاعَةَ الْمُسْلِمِينَ وَإِمَامَهُمْ“ جماعت المسلمین اور اس کے امام سے چٹ جانا صحیح بخاری



و صحیح مسلم)۔ صحابی پوچھتے ہیں: اگر جماعت المسلمین اور اس کا امام نہ ہو تو کیا کروں؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔۔۔ **فَاعْتَزِلْ بَيْنَكَ الْفِرَقَ كُلَّهَا**۔ ان تمام فرقوں سے علیحدہ رہنا (صحیح بخاری و صحیح مسلم) یعنی اگر جماعت المسلمین نہ ہو تب بھی فرقوں میں شامل نہ ہونا۔  
صلاح الدین صاحب تحریر فرماتے ہیں:۔۔

”ان (آیات و احادیث) کا مخاطب ہر کلمہ گو مسلمان ہے خواہ وہ کسی جماعت کے اندر ہو یا اس سے باہر وہ بہر حال ”الجماعت“ کے دائرے میں ہے“ (تکبیر شماره ۱۳ ص ۱۷۱)۔  
صلاح الدین صاحب بتائیں کہ مندرجہ بالا حدیث میں جس جماعت المسلمین کا ذکر ہے وہ ”الجماعت“ ہے یا نہیں۔ اگر ہے اور یقیناً ہے اس لئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو ”الجماعت“ کے علاوہ کسی اور جماعت سے چٹنے کا حکم دے ہی نہیں سکتے تو پھر صلاح الدین صاحب بتائیں کہ ”الجماعت“ کے علاوہ جو فرقے ہیں جن سے دور رہنے کا حکم دیا گیا ہے وہ کیا ہیں؟ مسلم ہیں یا کچھ اور؟ اگر وہ مسلم ہیں تو پھر وہ فرقے بھی جماعت المسلمین ہوئے ایسی صورت میں کونسی جماعت المسلمین سے چٹا جائے اور حدیث مذکور پر کس طرح عمل ہو؟ اگر وہ مسلم نہیں ہیں جیسا کہ مخالفین، حدیث کے مضمون سے منطقی نتیجہ نکالتے ہیں تو آخر پھر وہ کیا ہیں؟

مسلمانوں میں کوئی فرقہ بھی ایسا نہیں گذرا اور نہ اس وقت موجود ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا انکار کرتا ہو یا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بنائی ہوئی ”الجماعت“ سے نکلنے کا اقرار کرتا ہو تو پھر بقول صلاح الدین صاحب وہ تمام فرقے ”الجماعت“ کا جزء ہوئے اور جب وہ ”الجماعت“ کا جزء ہوئے تو پھر بقول صلاح الدین صاحب وہ مسلم ہوئے تو پھر ان کی جماعت کو ”جماعت المسلمین“ کیوں نہیں کہا گیا، کیوں ان سے علیحدہ رہنے کا حکم دیا گیا؟  
اسی سلسلہ کی ایک اور حدیث ملاحظہ فرمائیے:۔۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:۔۔

ان هذه الملة (وفى نسخة الامه) ستفترق  
على ثلاث وسبعين، ثنتان وسبعون في النار  
وواحد في الجنة وهي الجماعة (ابوداؤد کتاب  
السنة باب شرح السنة۔ سندہ صحیح۔ مرعاة شرح مشکوٰۃ  
وتعليقات للالبانی علی مشکوٰۃ)  
یہ امت ۷۳ اجزاء میں تقسیم ہو جائے گی۔ ۷۲ دوزخ میں جائیں گے اور ایک جنت میں اور وہ (جزء) ”الجماعت“ ہوگا۔



اس حدیث سے معلوم ہوا کہ امت کے ۷۲ اجزاء دوزخ میں جائیں گے اور صرف ایک جزء جنت میں جائے گا۔ حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ۷۲ اجزاء "الجماعۃ" میں شامل نہیں ہوں گے لیکن صلاح الدین صاحب فرماتے ہیں کہ تمام اجزاء "الجماعۃ" میں شامل ہیں، کوئی بھی الجماعۃ سے خارج نہیں اس لئے کہ وہ الجماعۃ میں ہونے کے تمام شرائط کو پورا کرتے ہیں۔ نتیجہ یہ نکلا کہ جبرہ، قدریہ، مرجئہ، خوارج، شیعہ وغیرہ سب الجماعۃ کے اجزاء ہیں۔ صلاح الدین صاحب شاید یہ فرمائیں گے "الجماعۃ" سے ان کی مراد "اہل سنت والجماعت" ہے تو پھر وہ یہ بتائیں کہ جماعت المسلمین کے افراد تو "اہل سنت والجماعت" میں شامل نہیں ہیں وہ کہاں جائیں گے؟ وہ مسلم ہیں یا نہیں؟

الغرض حدیث سے تو یہی ثابت ہوتا ہے کہ ۷۲ اجزاء امت یعنی ۷۲ فرقے الجماعت یعنی جماعت المسلمین میں شامل نہیں ہیں۔ اب جو شخص جو نتیجہ نکالنا چاہے نکال لے۔  
صلاح الدین صاحب تحریر فرماتے ہیں :-

"میں تو یہاں تک کہہ اور لکھ چکا ہوں کہ آج کوئی حنفی اگر حنبلی بن جائے یا کوئی مالکی شافعی مسلک اختیار کر لے یا چاروں مسالک کو چھوڑ کر غیر مقلد بن جائے، اہل حدیث کا مسلک اختیار کر لے یا ایک معاملہ میں ایک امام کی اور دوسرے میں کسی اور کی رائے پر عمل کرے تب بھی اس کا ایمان کمین نہیں جاتا (تکبیر شماره ۵ ص ۹ کالم ۳ اور صفحہ ۱۰ کالم ۱)

مطلب یہ ہے کہ فقہی اختلافات کی بنیاد پر بننے والے فرقے "الجماعۃ" میں شامل ہیں اور سب مسلم ہیں، سب کا دین اسلام ہے تو سوال یہ ہے کہ جب سب کا دین اسلام ہے تو ایک اسلام کے ۵ اسلام کیسے بن گئے۔ کسی کے ہاں کوئی چیز حلال ہے تو دوسری چیز کسی دوسرے کے ہاں حرام ہے۔ اللہ تعالیٰ تو فرماتا ہے :-

اقیموا الدین ولا تتفرقوا فیہ - دین قائم کرو اور دین میں تفرقہ بازی نہ کرو۔  
(الشوریٰ - ۱۳)

حلال و حرام کا فرق تفرقہ بازی ہے یا نہیں؟ فتوؤں کے ذریعہ حلال یا حرام کرنا دین سازی ہے یا نہیں؟ دین میں فتوؤں کو شامل کرنا شرک فی الدین ہے یا نہیں؟ دین میں اضافہ کرنا "اکملت لکم دینکم" کے منافی ہے یا نہیں؟ دین میں آمیزش کرنا "الا للہ الدین الخالص (الشوریٰ)" کی ضد ہے یا نہیں؟ اللہ کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) نے جن باتوں کو ماننے اور جن باتوں کو نہ ماننے پر ایمان کا مدار رکھا ہے ان میں بعد کے کسی امام کا ماننا نہ ماننا شامل نہیں (تکبیر شماره ۵ ص ۱۰ کالم ۱)

تو پھر کیوں نہ سب ان اماموں کو چھوڑ کر صرف ایک امام کو مان لیں اور ایک جماعت بن کر ”ولا تفرقوا“ پر عمل کریں۔ جماعت المسلمین اس کے سوا اور کیا کتنی ہے۔ فرقہ بندی کو ختم کرنے کے لئے سب ہی کتنے رہتے ہیں لیکن عملی قدم کوئی اٹھانے کی جرأت نہیں کرتا۔ جماعت المسلمین اسی لئے بری ہے کہ اس نے اس سلسلہ میں عملی قدم اٹھایا ہے اور فرمان رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق ان سب سے الگ ہو گئی ہے اور ان کو کالعدم کرنے کی کوشش میں مصروف ہے۔

سیاسی، فلاحی اور دینی جماعتوں کا ذکر کرتے ہوئے صلاح الدین صاحب نے ان تمام جماعتوں کو قابل برداشت سمجھا ہے لیکن دوسری طرف ان جماعتوں کو دین کے لئے نقصان دہ بھی ثابت کیا ہے اور ان کو تفرقہ پر دازی کا مجرم بھی قرار دیا ہے۔ صلاح الدین صاحب سید مودودی صاحب کے حوالہ سے تحریر فرماتے ہیں :-

”یہ قوم (مسلمان) تو پہلے ہی سے ایک جماعت ہے۔ اس جماعت کے اندر کوئی الگ جماعت الگ نام سے بنانا اور مسلمان اور مسلمان کے درمیان کسی وردی یا کسی ظاہری علامت یا کسی خاص نام یا کسی خاص مسلک سے فرق و امتیاز پیدا کرنا اور مسلمانوں کو مختلف پارٹیوں میں تقسیم کر کے ان کے اندر گروہ بندیوں اور فرقوں کی مصیبتیں پیدا کرنا اور اصل مسلمانوں کو مضبوط کرنا نہیں ہے بلکہ ان کو اور کمزور کرنا ہے۔ تنظیم نہیں تفرقہ پر دازی اور گروہ بندی ہے۔“ (تکبیر شماره ۱۷ ص ۹ کالم ۲)

مودودی صاحب کے مندرجہ بالا فرمودات سے جماعت المسلمین سو فیصدی متفق ہے اور جناب صلاح الدین صاحب بھی متفق ہیں تو پھر وہ جماعت المسلمین سے کیوں ناراض ہیں؟ جماعت المسلمین سے کیوں الگ ہیں؟ مندرجہ بالا تحریر سے معلوم ہوا کہ کسی خاص نام (مثلاً حنفی، اہلحدیث، جماعت اسلامی وغیرہ) کسی خاص مسلک (مثلاً حنفی مسلک، اہلحدیث مسلک وغیرہ) مسلمانوں کو مختلف پارٹیوں (مثلاً جماعت اسلامی، تبلیغی جماعت وغیرہ میں) تقسیم کرنا تفرقہ پر دازی ہے۔ یہ مسلمانوں کو مضبوط کرنا نہیں بلکہ کمزور کرنا ہے تو پھر یہ سب کچھ کیوں ہوا اور کیوں ہو رہا ہے اور کیوں انہیں برداشت کیا جا رہا ہے، کیوں ان کے خلاف قدم نہیں اٹھایا جاتا؟ سیدھی سی بات ہے کہ سب کے نزدیک برا بننا کوئی نہیں چاہتا۔ خود مودودی صاحب نے پارٹی بنائی اور اپنے حنفی ہونے کا اقرار کیا۔ کیا یہ قول و فعل کا تضاد نہیں ہے۔ امید ہے کہ جناب صلاح الدین صاحب تو اپنی حد تک اس تضاد کو ختم کریں گے۔

رشتہ داریاں، دوستیاں اور ذاتی مفادات یہ ایسی چیزیں ہیں کہ ان کی وجہ سے انسان حق



کو قبول نہیں کرتا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے :-

وَقَالَ إِنَّمَا اتَّخَذْتُم مِّن دُونِ  
اللَّهِ أَوْثَانًا مَّوَدَّةَ بَيْنِكُمْ فِي الْحَيَاةِ  
الدُّنْيَا (العنکبوت - ۲۵)

اور (ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی قوم  
سے یہ بھی) کہا : تم جو اللہ کے سوا بتوں کو پوجتے  
ہو تو صرف دنیاوی زندگی میں آپس کی محبت  
(ومیل ملاپ) کے لئے ۔

یہی آجکل ہو رہا ہے۔ کون رشتہ داروں اور دوستوں کی مخالفت مول لے، کون خود کو مصیبت  
میں ڈالے، کون سب کا دشمن بنے اور نقصان اٹھائے۔ کیوں نہ مرنجان مرنج بنے اور سب کی دوستی  
اور محبت سے فائدہ اٹھائے۔

سید مودودی صاحب کی تحریر کی روشنی میں صلاح الدین صاحب بتائیں : کیا "الجماعۃ" کا  
نقصان کرنے والے "الجماعۃ" کے دفا دار ہو سکتے ہیں ؟ کیا "الجماعۃ" سے غداری یا بے وفائی کرنے  
والے "الجماعۃ" میں شامل ہو سکتے ہیں۔ صلاح الدین صاحب غالباً یہ جواب دیں گے کہ یہ ان کی نادانی  
ہے۔ ان کی نیت "الجماعۃ" کو نقصان پہنچانے کی نہیں ہے۔ صلاح الدین صاحب جب تفرقہ پر دازی  
کا نتیجہ سامنے ہے، اظہر من الشمس ہے تو نیت کے مطابق عمل میں تبدیلی کیوں نہیں آتی۔ مزید برآں  
نادانی تو آپ کہہ رہے ہیں وہ تو اسے نادانی نہیں سمجھتے۔ آپ نادانی کہہ کر ان کے جرم کو ہلکا کر رہے ہیں۔  
اگر دینی فرقے "الجماعۃ" میں شامل ہیں، اسلام سے خارج نہیں ہوئے تو پھر ایک جماعت  
سے نکل کر کسی دوسری جماعت میں شامل ہونے پر کھلبلی کیوں مچ جاتی ہے اور دوسری طرف مسرت و  
انبساط کے ساتھ کیوں اعلان کیا جاتا ہے کہ آج فلاں شخص نے حنفی مذہب چھوڑ کر اہلحدیث مذہب  
اختیار کیا یا فلاں شخص نے مسلک اہلحدیث کو چھوڑ کر حنفی مسلک اختیار کیا۔ لطف یہ کہ وہ سب ایک  
دوسرے کو مسلم ہی سمجھتے ہیں۔ اگر کافر سمجھتے تو ایک دوسرے کے پیچھے نماز کیوں پڑھتے، ایک دوسرے کو  
بیٹی کیوں دیتے ؟ کیا کوئی مسلم کسی کافر کو اپنی بیٹی دے سکتا ہے۔ ہرگز نہیں۔ الغرض یہ سب جماعتیں  
یا فرقے ایک دوسرے کو مسلم سمجھتے ہیں تو پھر رنج یا خوشی کا مظاہرہ کیوں کرتے ہیں۔ اگر کوئی شخص پہلے کسی  
خاص جماعت میں تھا تب بھی وہ مسلم تھا اور بعد میں کسی اور جماعت میں شامل ہو گیا تب بھی مسلم ہی رہا تو نہ  
خوشی کی ضرورت ہے اور نہ رنج کا موقع ہے۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب وہ ہر دو جماعتوں میں مسلم رہا تو  
پھر بلا وجہ دوسری جماعت میں کیوں شامل ہوا ؟ ضرور اس کی کوئی خاص وجہ ہے اور وہ ہے حق و ناحق  
کا امتیاز۔



ان فقہی گروہوں میں شامل کوئی شخص یہ نہیں کہتا کہ جو شخص اس کے مسلک یا مذہب کو نہ مانے وہ کافر ہے۔ مثلاً کوئی اہلحدیث نہیں کہتا کہ جو شخص ہمارے مسلک کا انکار کرے وہ کافر ہے اور نہ کوئی حنفی یہ کہتا ہے کہ جو شخص ہمارے مسلک کا انکار کرے وہ کافر ہے لیکن یہ سب بالاتفاق کہتے ہیں کہ جو شخص اسلام کا انکار کرے وہ کافر ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ ان لوگوں کے مذاہب یا مسلک اسلام نہیں ہیں ورنہ ان کا انکار بھی کفر ہوتا۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ پھر ایسے مسلک کو کیوں مانا جائے جس کا انکار کفر نہیں۔ حق کا انکار کفر ہوتا ہے۔ ان کے مسلک کا انکار کفر نہیں تو پھر وہ حق نہیں ہوئے۔ ایسی صورت میں اُس چیز کو کیوں نہ مانا جائے جس کا انکار کفر ہے یعنی صرف اسلام کو کیوں نہ مانا جائے۔ اس طرح سب ایک ہو جائیں گے اور پھر ترقی کے لئے راہ ہموار ہو جائے گی۔

ان فرقوں کا تو یہ حال ہے کہ آیت کچھ کہے، حدیث کچھ کہیں لیکن یہ اپنے مذہب پر اڑے رہتے ہیں۔ کیا یہ ایمان ہے؟ مثلاً قرآن مجید میں ہے :-

① "حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ لِمَنْ أَرَادَ أَنْ يُتِمَّ الرَّضَاعَةَ" (البقرة - ۲۳۳)

یعنی مدت رضاعت پورے دو سال ہے لیکن مذہب میں ہے کہ ڈھائی سال ہے۔

② "وَتِيَابُكَ فَطَهِّرْ" (المدثر - ۴) اپنے کپڑوں کو پاک رکھو لیکن فقہ میں ہے کہ کپڑے پر اگر درہم سے کم نجاست غلیظہ لگی ہوئی ہو تو نماز ہو جائے گی۔

③ "وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوا لَهُ وَأَنْصِتُوا" (الاعراف - ۲۰۴) جب قرآن مجید پڑھا جائے تو غور سے سنو اور خاموش رہو لیکن مذہب میں ہے کہ سورہ فاتحہ پڑھتے رہو۔ کیا یہ حکم الہی کی خلاف ورزی نہیں ہے؟

④ خُذْ زِينَتَكَ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ (الاعراف - ۳۱) ہر نماز کے وقت زینت کی چیزیں پہن لیا کرو لیکن ہوتا یہ ہے کہ زینت کی چیزیں اتار دی جاتی ہیں۔ کیا یہ اسلام ہے؟

⑤ وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ (المدثر - ۵) گندگی سے دور رہو لیکن مذہب یہ ہے کہ اگر دو بڑے مشکوں کے برابر پانی ہو تو اگر اس میں نجاست پڑ جائے تو وہ پاک رہے گا جب تک اس کا رنگ یا بو یا مزہ نہ بدلے۔ کیا اسلام کو ایسی طہارت مطلوب ہے؟

حدیث میں ہے کہ

① جب سایہ ایک مثل ہو جائے تو عصر کی نماز کا وقت شروع ہو جاتا ہے (صحیح مسلم) ان کے ائمہ ثلاثہ بھی یہی کہتے ہیں (ہدایہ) لیکن مذہب یہ ہے کہ جب سایہ دو مثل ہو جائے تو عصر کی نماز کا

وقت شروع ہوتا ہے۔ کیا مذہب حدیث سے بالاتر ہے؟

(۲) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام اور ائمہ عظام سے زبان کی نیت ثابت نہیں (کبیری) پھر بھی زبان سے نیت کرنا مستحسن ہے (ہدایہ) بدعت نہیں۔

اگر ”الجماعۃ“ کی یہی خصوصیات ہیں تو ایسی ”الجماعۃ“ سے اللہ کی پناہ۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ آخر یہ اسلام کے متوازی، خود ساختہ، قرآن مجید کے خلاف اسلام بنانے والے کون لوگ تھے اور کیا اب ان متوازی خود ساختہ اسلاموں کو ماننا ہی حق ہے (واضح رہے کہ ائمہ دین نے نہ یہ مذاہب بنائے اور نہ یہ فرقے بنائے۔ یہ بعد کی چیزیں ہیں جو بعد والوں نے ان کی طرف منسوب کر دی ہیں)۔  
صلاح الدین صاحب مودودی صاحب کے حوالہ سے لکھتے ہیں :-

”اس قوم کو اگر کوئی چیز اس آسکتی ہے تو ایک ایسی جمہوری تحریک ہے جو پوری قوم کو ایک انجن سمجھ کر شروع کی جائے“ (تکبیر شماره ۱۷ ص ۹ کالم ۱ و ۲)

مندرجہ بالا تحریر سے معلوم ہوا کہ اسلام میں جمہوریت نام کی کوئی چیز موجود ہے۔ یہ قطعاً صحیح نہیں۔ اسلام میں شورایت ہے، جمہوریت نہیں۔ شورایت میں بھی جمہور شریک نہیں ہوتے بلکہ چند ذی علم اور ذہین اشخاص شریک ہوتے ہیں جن کو خلیفہ منتخب کرتا ہے، جمہور منتخب نہیں کرتے۔ مزید برآں خلیفہ مشورہ تو لیتا ہے لیکن مشورہ کا پابند نہیں ہوتا۔ جمہوریت کا دار و مدار اکثریت پر ہے اور اکثریت کا جو حال ہے وہ کسی پر مخفی نہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :-

وَلَكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ ۝ لیکن اکثر لوگ علم نہیں رکھتے۔

(یوسف - ۴۰ و الروم - ۳۰)

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :-

وَإِنْ تُطِيعْ أَكْثَرُ مَنْ فِي الْأَرْضِ يَضِلُّوكَ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ (الانعام - ۱۱۶) اور (اے رسول) اگر آپ نے دنیا میں (بے دالے انسانوں) کی اکثریت کا کمانا مان لیا تو یہ آپ کو اللہ کے راستہ سے بھٹکا دیں گے۔

کیونکہ جمہوریت میں مسلم اور کافر کا امتیاز نہیں ہوتا لہذا مندرجہ بالا آیات جمہوریت پر پوری طرح منطبق ہوتی ہیں۔ اگر جمہوریت کو صرف مسلمانوں کی حد تک محدود کر دیا جائے تب بھی جمہوریت صحیح نہیں ہوگی۔ ایمان والوں کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :-

وَمَا يُؤْمِنُ أَكْثَرُهُمْ بِاللَّهِ إِلَّا وَهُمْ اور اکثر لوگوں کا تو یہ حال ہے کہ اللہ پر ایمان



مُشْرِكُونَ ۵ (یوسف - ۱۰۶) . رکھنے کے باوجود مشرک ہوتے ہیں۔

آیت بالا سے ثابت ہوا کہ ایمان والوں کی اکثریت شرک کی منزلت ہوتی ہے تو کیا ایسے لوگوں کی جمہوریت ایسا قانون نہیں بنا سکتی جو شرک یا کفر ہو۔ برطانیہ کی پارلیمنٹ نے کیا ایسا قانون نہیں بنایا جس نے ایک حرام فعل کو جائز قرار دے دیا۔ موجودہ مسلمانوں میں ایسے لوگوں کی اکثریت ہے جو شرک کے بہت سے عقائد اور اعمال کو شرک نہیں سمجھتے یا جنہوں نے ایک اسلام کے پانچ اسلام بلکہ اس سے بھی زیادہ اسلام بنا رکھے ہیں۔ صلاح الدین صاحب کے نزدیک سب "الجماعۃ" میں شامل ہیں تو ان لوگوں کی جمہوریت سے جو حکومت بنے گی وہ شرک اور کفر کا مجموعہ مرکب ہوگی۔ اس میں اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کے بجائے فرقوں کی رضا جوئی کا لحاظ ہوگا۔ موجودہ شریعت ایکٹ سے اس کی بھرپور تائید ہوتی ہے حقیقت تو یہ ہے کہ "الجماعۃ" مشرکانہ عقائد رکھنے والے، الحاد کی باتیں کرنے والے اور فرقہ دارانہ مذاہب کے ماننے والے لوگوں سے پاک ہوتی ہے۔ صلاح الدین صاحب کی "الجماعۃ" کے علی الرغم ایسی خاص "الجماعۃ" کا احیاء کرنا ہوگا اور اس کے بغیر چارہ نہیں۔ الحمد للہ جماعت المسلمین نے ایسی "الجماعۃ" کا احیاء کر دیا ہے اور وہ آپ اور دنیا کے تمام انسانوں کو دعوت دیتی ہے کہ شرک و کفر سے مبرا اور فرقہ داریت سے پاک "الجماعۃ" کے ساتھ شریک ہو کر "الجماعۃ" کا ہاتھ بٹائیں اور اعلیٰ کلمۃ اللہ کے لئے جدوجہد کریں۔

ذیل میں اسلام اور جمہوریت کا ایک موازنہ پیش کیا جا رہا ہے جس سے صاف ظاہر ہو جائے گا کہ اسلام کیا ہے اور جمہوریت کیا ہے اور ان دونوں میں کیا فرق ہے۔

نمبر	اسلام	جمہوریت
۱	اسلام میں حکومت اللہ تعالیٰ کی ہوتی ہے۔	جمہوریت میں حکومت عوام کی ہوتی ہے۔
۲	اسلام میں طاقت کا سرچشمہ اللہ تعالیٰ ہوتا ہے۔	جمہوریت میں طاقت کا سرچشمہ عوام ہوتے ہیں۔
۳	اسلام میں قانون ساز اللہ تعالیٰ ہوتا ہے۔	جمہوریت میں قانون ساز اسمبلی ہوتی ہے۔
۴	اسلام میں عالم اور جاہل کی رائے ہم وزن نہیں ہوتی۔	جمہوریت میں عالم اور جاہل کی رائے کا وزن برابر ہوتا ہے۔
۵	اسلام میں ایسا نہیں ہوتا کہ ۵۱ جاہلوں کی	جمہوریت میں ۵۱ جاہلوں کی رائے ۹۹ علماء



۶	رائے ۴۹ علماء کی رائے پر بھاری ہو۔ اسلام میں خود کو کسی عہدہ کے لئے پیش کرنا جائز نہیں۔	کی رائے پر بھاری ہوتی ہے۔ جمہوریت میں عہدہ کے لئے خود کو پیش کرنا جائز ہے۔
۷	اسلام میں افتراق و اختلاف کی سخت ممانعت ہے۔	جمہوریت میں سیاسی پارٹیوں کا افتراق و اختلاف ناگزیر ہے۔
۸	اسلام میں اپنی مدح اور دوسروں کی برملا تنقید کی اجازت نہیں۔	جمہوریت میں اپنی مدح کی یکرانی جاتی ہے اور دوسروں کی علی اعلان برائی کی جاتی ہے۔

صلاح الدین صاحب غالباً یہ کہیں گے ہم اسمبلی کو پابند کر دیں گے کہ وہ قرآن مجید اور حدیث شریف کے خلاف کوئی قانون نہ بنائے۔ جی ہاں، آئین کے لحاظ سے تو آپ پابند کر دیں گے لیکن کیا عملاً بھی آپ اُسے ایسا نہیں کرنے دیں گے۔ آپ لاکھ چیتے رہیں کہ یہ قانون شرک ہے۔ وہ کہیں گے عین اسلام ہے۔ آئین میں یہ شق تو اب بھی موجود ہے لیکن کیا اس پر عمل ہو رہا ہے۔ شریعت ایکٹ ہی کو آپ دیکھ لیجئے کہ اس میں اللہ تعالیٰ کی رعایت زیادہ ہے یا فرقوں کی۔

صلاح الدین صاحب تحریر فرماتے ہیں :-

”مولانا روم، اقبال، شیخ سعدی یا مولانا مودودی نے کسی رسمی اور ادارتی..... مشاورت کے بغیر جو رائے دی وہ ہزاروں لاکھوں کی انفرادی اور اجتماعی رائے پر بھاری ہے“ (تکبیر شمارہ نمبر ۵ ص ۳۱۲)

صلاح الدین صاحب آپ کی مندرجہ بالا تحریر جمہوریت کی تردید ہے پھر بھی آپ جمہوریت کے قائل ہیں؟

صلاح الدین صاحب تحریر فرماتے ہیں :-

”یہ الجماعت کیا ہے؟ انبیاء کرام کی قائم کردہ جماعتوں کے سلسلہ کی وہ آخری اور اختتامی جماعت ہے جسے خاتم النبیین حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے قائم کیا اور منظم کیا اور جو قیامت تک ”مسلم“ یا امت مسلمہ کے نام سے شناخت کی جاتی رہے گی۔“ (تکبیر شمارہ نمبر ۱۲، ص ۹۱ کالم ۳)۔

صلاح الدین صاحب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں جو جماعت تھی وہ واقعی ”الجماعۃ“ تھی، وہ خالص جماعت تھی، اس میں فرقے شامل نہیں تھے لہذا آپ اپنی جماعت کو ”الجماعۃ“ نہیں کہہ

سکتے۔ پہلے تمام فرقوں اور جماعتوں کو ایک کیجئے پھر اُسے "الجماعة" کیجئے۔ جماعت المسلمین یہی کام تو کر رہی ہے اور آپ بھی اسی کے خواہاں ہیں تو پھر اس بُعد کی کیا وجہ ہے؟  
صالح الدین صاحب لکھتے ہیں :-

"سیدھی سی بات ہے کہ جس وقت قرآن نازل ہو رہا تھا اور جس زمانہ نبوت میں حضور اکرم ﷺ مسلمانوں سے مخاطب تھے اور آپ کے ارشادات بصورتِ حدیث روایت یا رقم کئے جا رہے تھے اس وقت اللہ اور رسول کے سامنے ایک ہی جماعت تھی۔ قرآن اور پیغمبر قرآن کا منشاء یہ تھا کہ مسلمانوں کے درمیان کوئی تفرقہ نہ ہو، ان میں کامل وحدت دیکھتی ہو اور وہ ایک جماعت بن کر رہیں۔" (تکبیر ۱۷ ص ۱۷۱)

صالح الدین صاحب! جماعت المسلمین، صاحب قرآن صلی اللہ علیہ وسلم کے منشاء کے مطابق کوشش کر رہی ہے کہ سب ایک جماعت بن کر رہیں، ان میں کامل وحدت دیکھتی ہو اور آپ بھی غالباً یہی چاہتے ہیں تو پھر آپ کا جماعت المسلمین سے دور رہنا ناقابلِ فہم ہے۔

صالح الدین صاحب ایسی جماعت جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے منشاء کے مطابق ہو اگر آپ کے علم میں نہیں یا یہ فرض کر لیجئے کہ ایسی جماعت موجود نہیں تو پھر کیا ایسی جماعت کا احیاء ضروری ہے یا نہیں۔ اگر ضروری ہے تو اس ضرورت کو الحمد للہ جماعت المسلمین نے پورا کر دیا۔

صالح الدین صاحب آپ نے "الجماعة" کے متعلق لکھا ہے کہ یہ جماعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ سے لے کر قیامت تک "مسلم" یا امتِ مسلمہ کے نام سے شناخت کی جاتی رہے گی۔ صالح الدین صاحب آپ پنج پنج کر کیوں قلم رکھ رہے ہیں۔ صاف کیوں نہیں کہتے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں "الجماعة" کی شناخت "جماعت المسلمین" کے نام سے ہوتی تھی۔ (صحیح بخاری کتاب العیدین) اور بعد کے زمانوں میں بھی "الجماعة" کی شناخت "جماعت المسلمین" نام ہی سے ہوتی رہی ہے اور ہوتی رہے گی (صحیح بخاری کتاب الفتن و صحیح مسلم کتاب الامارۃ)

صالح الدین صاحب تحریر فرماتے ہیں :-

"حضرت عمر فاروق کا ارشاد ہے کہ "جماعت کے بغیر اسلام نہیں اور امارت کے بغیر جماعت نہیں۔" (تکبیر شمارہ ۱۷ ص ۱۷۱)

صالح الدین صاحب "الجماعة" تو بقول آپ کے موجود ہے لیکن اس "الجماعة" کا کوئی امیر نہیں تو پھر یہ "الجماعة" کیسے ہوئی۔ حضرت عمرؓ کی طرف منسوب کردہ نہ درج بالا قول کے مطابق



تو "الجماعة" موجود نہیں ہے کیونکہ اس کا کوئی واحد امیر نہیں ہے اور جب "الجماعة" نہیں رہی تو حضرت عمرؓ کے قول کے مطابق اسلام نہیں رہا۔ یہ حضرت عمرؓ کے قول کا منطقی نتیجہ ہے اور کیونکہ آپ نے خود یہ قول پیش کیا ہے لہذا آپ یقیناً اس بات کے قائل ہوں گے کہ آجکل اسلام کہیں نہیں۔

حضرت عمرؓ کی طرف جو قول منسوب ہے مضمون زیر غور کے لحاظ سے اس کے پورے الفاظ یہ ہیں :-

انہ لا اسلام الا بجماعة ولا  
جماعة الا بامارة ولا اماراة  
الا بطاعة (سنن دارمی جزء اول ص ۷۹)

بغیر جماعت کے اسلام نہیں، بغیر امارت کے  
جماعت نہیں اور بغیر اطاعت کے امارت نہیں۔

حضرت عمرؓ کے قول کا منشاء صاف ہے۔ صلاح الدین صاحب کی "الجماعة" امیر سے محروم ہے نتیجہ ظاہر ہے کہ فی زمانہ اسلام ناپید ہے اور جب اسلام ناپید ہے تو پھر مسلم کہاں سے آئیں گے۔ ایسی صورت میں ناگزیر ہے کہ اسلام کو برپا کیا جائے۔ جماعت مع امیر کے قائم کی جائے اور اُس امیر کی اطاعت کی جائے۔ الحمد للہ جماعت المسلمین نے اس کام کی ابتداء کر دی ہے۔

صلاح الدین صاحب لکھتے ہیں :-

"ایسی متعدد احادیث اور بھی ہیں، انہیں مربوط کر کے دیکھا جائے تو یہ سب واضح طور پر اسلامی ریاست کے امیر کی اطاعت سے متعلق نظر آتی ہیں کیونکہ ادا امر و نواہی کا تعلق ریاست کی قوت نافذہ ہی سے ہو سکتا ہے" (تکبیر ص ۱۷۷ ص ۱۷۸)

صلاح الدین صاحب کی مندرجہ بالا عبارت سے مندرجہ ذیل نتائج برآمد ہوتے ہیں :-

- ① اسلامی ریاست کے امیر کی اطاعت ضروری ہے۔ بے حکومت امیر کی اطاعت ضروری نہیں۔
- ② ادا امر اور نواہی کا تعلق ریاست کی قوت نافذہ یعنی حکومت ہی سے ہو سکتا ہے۔

پہلے نتیجہ پر غور کیجئے۔ اس وقت امیر یعنی خلیفہ کوئی نہیں تو پھر صلاح الدین صاحب کو تسلیم کر لینا چاہیے کہ "الجماعة" موجود نہیں ہے اور جب الجماعة نہیں ہے تو اسلام موجود نہیں ہے۔ کیا صلاح الدین صاحب کو اپنے اصول کی روشنی میں جس کو انہوں نے حضرت عمرؓ کے قول کے حوالہ سے تسلیم کیا ہے یہ نتیجہ تسلیم ہے؟ اگر تسلیم ہے اور تسلیم کرنا پڑیگا تو پھر احیائے اسلام کے لئے ایک خالص توحید پر قائم ہونے والی جماعت کی جس میں کامل وحدت ہو ضرورت ہے یا نہیں؟ یقیناً ضرورت ہے۔ الحمد للہ جماعت المسلمین نے



اس ضرورت کو پورا کر دیا۔ جماعت المسلمین فرقہ وارانہ مذاہب کو جو اسلام کے متوازی بنائے گئے تھے دریا برد کرنے اور اسلام کا احیاء کرنے کے سلسلہ میں اپنی پوری قوت سے جدوجہد کر رہی ہے۔

دوسرے نتیجے سے ثابت ہوتا ہے کہ آجکل کیونکہ ریاست کی قوت نافذہ موجود نہیں ہے لہذا امر و نہی کا کام جو افراد اور جماعتیں کر رہی ہیں لا حاصل اور لایعنی ہے۔

صلاح الدین صاحب کیا یہ نتائج شدت اور انتہا پسندی کے آئینہ دار ہیں۔ اگر ہیں تو پھر شکایت کیسی۔ یہ تو قرآن مجید اور آپ ہی کی تحریر کا خلاصہ ہیں۔

صلاح الدین صاحب لکھتے ہیں :-

”بیعت عامہ کے ذریعہ خلیفہ کے انتخاب کی روایت اگرچہ خلافت راشدہ سے شروع ہوئی تھی“  
(تکبیر شماره ۱۷ ص ۲۷۱ کالم ۱۲)

خلیفہ کے انتخاب کے لئے بیعت عامہ کبھی نہیں ہوئی۔ اسلام میں جمہوریت جیسے شرک کا دھڑ ہی نہیں تو خلیفہ کے انتخاب کے لئے جمہور سے رائے لی جاسکتی ہے۔ بیعت انتخاب کے لئے نہیں ہوتی بلکہ خلیفہ کے منصب خلافت پر متمکن ہونے کے بعد ہوتی ہے۔ خلافت راشدہ کے دور میں خلیفہ کے انتخاب کے لئے جمہور سے کبھی رائے طلب نہیں کی گئی بلکہ عثمان نامزدگی پر ہی عمل ہوتا رہا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکرؓ کو اشارۃ خلیفہ نامزد کر دیا۔ سفینہ بنو ساعدہ میں حضرت عمرؓ نے حضرت ابوبکرؓ کو نامزد کر دیا۔ حضرت ابوبکرؓ نے حضرت عمرؓ کو نامزد کر دیا، حضرت عمرؓ نے چھ آدمیوں کو نامزد کر دیا، حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ نے حضرت عثمانؓ کو نامزد کر دیا البتہ دار الخلافہ کے خاص خاص آدمیوں کو مشورہ میں شامل کر لیا۔ جمہور امت سے کوئی رائے نہیں لی گئی۔ حضرت علیؓ کی خلافت کے لئے بھی پوری مملکت اسلامیہ کے مسلمین سے کوئی رائے نہیں لی گئی، چند آدمیوں نے نامزد کر دیا۔ حضرت حسنؓ کی خلافت کے لئے بھی جمہور سے رائے نہیں لی گئی۔ حضرت حسنؓ نے حضرت امیر معاویہؓ کو نامزد کر دیا۔ امیر معاویہؓ نے امیریزیدؓ کو نامزد کر دیا۔ بنو امیہ کے دور میں بھی ایسا ہی ہوتا رہا۔ الغرض تاریخ اسلام میں ایسی کوئی مثال نہیں ملتی جس میں خلیفہ کے انتخاب کے لئے جمہور مسلمین نے رائے دی ہو اور پھر اکثریت کی بنیاد پر خلیفہ بنایا گیا ہو۔

صلاح الدین صاحب نے بلوہ حمل اور بلوہ صفین کو جنگیں بنا دیا۔ اگر یہ جنگیں تھیں اور ان میں صحابہ کرامؓ ایک دوسرے کو قتل کر رہے تھے تو پھر مندرجہ ذیل حدیثوں کی زد سے صحابہ کرامؓ کو کیسے بچایا جاسکتا ہے :-

① جب دو مسلم تلواریں لے کر لڑنے لگیں تو قاتل اور مقتول دونوں دوزخی ہیں (صحیح بخاری)۔

- ② مسلم کو برا بھلا کنا گناہ ہے اور اس سے لڑنا کفر ہے (صحیح بخاری وغیرہ)
- ③ میرے بعد کافر نہ ہو جانا کہ ایک دوسرے کی گردنیں کاٹنے لگو (صحیح بخاری وغیرہ)
- صلاح الدین صاحب ایک حدیث تحریر فرماتے ہیں :-  
 ”جو شخص اس حال میں مرجائے کہ اس کی گردن میں بیعت کا قلابہ نہ ہو اس کی موت جاہلیت کی موت ہوگی“ (مسلم) (تکبیر شمارہ ۷۴، ص ۹ کالم ۱)
- صلاح الدین صاحب اس بیعت کو ریاست کے امیر کی بیعت قرار دیتے ہیں یعنی ان کے نزدیک جو شخص خلیفہ کے ہاتھ پر بیعت نہ کرے وہ جاہلیت کی موت مرے گا۔  
 صلاح الدین صاحب تحریر فرماتے ہیں :-  
 ”بیعت کے جس قلابہ کا حدیث میں ذکر ملتا ہے وہ سیاسی بیعت ہے“ (تکبیر شمارہ ۷۴، ص ۱۰ کالم ۱ و ۲)
- لیکن ساتھ ہی وہ یہ بھی تحریر فرماتے ہیں :-  
 ”جماعت سے علیحدہ ہونے کی پہلی مثال حضرت عبادہ بن صامتؓ کی ہے جنہوں نے کسی خلیفہ سے بیعت نہ کی“ (تکبیر شمارہ ۷۴، ص ۱۰ کالم ۱)
- مندرجہ بالا عبارت کا منشاء یہ ہے خلیفہ کی بیعت بھی ضروری نہیں۔ صلاح الدین صاحب کی مندرجہ بالا عبارت کے سلسلہ میں کئی باتیں غور طلب ہیں :-
- ① یہ کس کتاب میں ہے کہ حضرت عبادہ بن صامتؓ نے حضرت ابوبکرؓ وغیرہ کی بیعت نہیں کی اور اس کی سند کیسی ہے؟
- ② حضرت ابوبکرؓ تو خلیفہ تھے تو پھر حضرت عبادہ بن صامتؓ نے ان کی بیعت کیوں نہیں کی؟ کیا حضرت ابوبکرؓ بے حکومت امیر تھے؟
- ③ صلاح الدین صاحب کے نزدیک جاہلیت کی موت وہ مرتا ہے جو با حکومت امیر کی بیعت نہ کرے تو اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ حضرت عبادہ بن صامتؓ کی موت کیسی ہوئی؟
- حضرت عبادہ بن صامتؓ کی مثال سے صلاح الدین صاحب کا یہ موقف معلوم ہوتا ہے کہ خلیفہ کی بیعت نہ کرنے والا بھی جاہلیت کی موت نہیں مرے گا، نہ اس کے ایمان میں کوئی کمی آئے گی۔
- ④ کیا حضرت ابوبکرؓ کے زمانہ میں ”الجماعۃ“ نہیں تھی؟ کیا حضرت ابوبکرؓ ”الجماعۃ“ کے امیر نہیں تھے۔ اگر تھے اور یقیناً تھے تو پھر ان کی بیعت نہ کرنے کی وجہ سے حضرت عبادہ بن صامتؓ



جاہلیت کی موت کیوں نہیں مرے؟ کیا ان کے لئے اللہ تعالیٰ کا قانون بدل جائے گا؟  
 (۵) صلاح الدین صاحب کے مندرجہ بالا اقتباس کی روشنی میں غور کرنے سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ  
 باحکومت امیر کے ہاتھ پر بھی اگر بیعت نہ کی جائے تو کوئی مضائقہ نہیں تو پھر یہ حدیث کہ "جس کی گردن  
 میں بیعت کا قلابہ نہیں وہ جاہلیت کی موت مرے گا" کس قسم کی بیعت نہ کرنے والے سے تعلق  
 رکھتی ہے؟

حضرت عبادہ بن صامتؓ کے بیعت نہ کرنے کی روایت سے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بیعت کے  
 سلسلہ میں خلیفہ اور بے حکومت امیر یکساں ہیں یعنی بیعت کی کوئی اہمیت نہیں۔ حدیث کچھ کہتی ہے،  
 صلاح الدین صاحب کچھ کہتے ہیں۔ کس کی مانیں؟ ہمارا ایمان تو حدیث پر ہے۔ ہم باحکومت امیر اور  
 بے حکومت امیر کی بیعت میں کوئی فرق نہیں کرتے اس لئے کہ حدیث میں "حکومت" کی شرط نہیں بیان  
 کی گئی۔ بے حکومت امیر کے بغیر باحکومت امیر کا وجود میں آنا تقریباً ناممکن ہے۔

بالفرض محال اگر حضرت عبادہ بن صامتؓ نے بیعت نہیں کی تو کیا جاہلیت کی موت مرنے کا  
 قانون بدل جائے گا۔ ہرگز نہیں۔ قانون قانون ہی رہے گا۔ بیعت نہ کرنے کے فعل کو صحابی کی غلطی  
 تصور کیا جائے گا۔

صحابی سے بھی غلطی ہو سکتی ہے۔ اس سلسلہ میں بطور مثال کے ذیل میں دو واقعے نقل کئے

جا رہے ہیں :-

**پہلا واقعہ** | ایک بدری صحابی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک فیصلہ کے متعلق کہا:  
 "کیوں نہ ہو آخر تو وہ آپ کے بھوپتی زاد بھائی ہیں" یعنی بھوپتی زاد بھائی ہونے  
 کی وجہ سے آپ نے میرا حق ان کو دے دیا۔ یہ ان بدری صحابی کی غلطی تھی کہ انہوں نے رسول اللہ  
 صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف نا انصافی کو منسوب کر دیا۔ کیا وہ صحابی حق پر تھے۔ نہیں ہرگز نہیں۔ انہوں  
 نے بڑی سخت گستاخی کی۔ انہوں نے ایمان کے منافی کام کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرے  
 کا رنگ بدل گیا۔ آپ نے ان بدری صحابی سے کچھ نہیں کہا لیکن اللہ تعالیٰ خاموش نہیں رہا۔ اللہ تعالیٰ  
 نے مندرجہ ذیل آیت نازل فرما کر اس صحابی کے ایمان کی نفی کر دی :-

فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتَّى يُخْلِفُوا  
 فِي شَجَرِ بَيْنَهُمْ شَرًّا لَا يَجِدُ فِي  
 أَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا  
 (اے رسول) آپ کے رب کی قسم لوگ اس وقت  
 تک مؤمن نہیں ہو سکتے جب تک اپنے تمام اختلافات  
 میں آپ کو حکم نہ مان لیں پھر جو کچھ آپ فیصلہ



تَسْلِيْمًا ۵ (النساء - ۶۵)

کریں، اس سے اپنے دل میں کسی قسم کی تنگی نہ محسوس  
کریں بلکہ برضا و رغبت اسے تسلیم کریں۔ (مسیح  
بخاری)

**دوسرا واقعہ** | بدری صحابی حضرت حاطبؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک فوجی راز  
ظاہر کرنے کی کوشش کی۔ یہ ایک بہت بڑی غلطی تھی لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ  
وسلم نے ان سے اس کی وجہ تو دریافت کی لیکن ان سے کوئی مؤاخذہ نہیں کیا نہ عتاب فرمایا لیکن اللہ  
تعالیٰ خاموش نہیں رہا۔ سورہ الممتحنہ کی ابتدائی آیات نازل ہوئیں اور حاطبؓ پر سخت خفگی کی گئی بلکہ  
یہاں تک فرمادیا :-

وَمَنْ يَفْعَلْهُ مِنْكُمْ فَقَدْ ضَلَّ سَوَاءَ  
السَّبِيلِ (الممتحنہ - ۱)

تم میں سے جو شخص ایسا کرے وہ صراط مستقیم  
سے ہٹ گیا۔

پہلے واقعہ میں ایمان کی نفی کر دی، دوسرے واقعہ میں صراط مستقیم یعنی اسلام کی نفی کر دی۔  
الغرض صحابی کی غلطی بھی غلطی ہے۔ اس کو مثال نہیں بنایا جاسکتا۔ اصل اہمیت تو قانونِ الہی کی ہے  
یعنی اصل اہمیت تو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کی ہے۔ عمل تو قانونِ الہی پر  
ہوگا۔ نتیجہ اللہ تعالیٰ کے فرمان اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کے مطابق نکالا جائے گا۔  
غلطی کوئی بھی کرے غلطی ہے۔ اس غلطی پر اس کو تنبیہ کی جائے گی نہ کہ اس کی غلطی کو راہِ عمل سمجھا  
جائے گا۔ صلاح الدین صاحب خود بھی اسی اصول کے قائل ہیں۔ وہ لکھتے ہیں :-

”کوئی فرد جماعتی زندگی گزار رہا ہو یا انفرادی اپنے اپنے اعمال اور اس کے نتائج کے لحاظ سے  
آخرت میں اس کی مسؤلیت انفرادی ہے مثلاً بہتان اگر ایک برائی ہے تو اس کا مرتکب مجرم ہی قرار دیا جائے  
گا خواہ وہ کسی جماعت کے اندر ہو یا اس سے باہر“ (تکبیر شمارہ نمبر ۵ ص ۱۷۱)

الغرض حضرت عبادہ بن صامتؓ کا بیعت نہ کرنا اگر ثابت ہو جائے تو یہ ان کی غلطی ہوگی۔ غلطی  
کرنے کا حوالہ اس سے نہیں نکالا جائے گا۔

حضرت عبادہ بن ثابتؓ کے بیعت نہ کرنے کا ثبوت تو نہیں ملتا البتہ حضرت سعدؓ کا بیعت نہ  
کرنا اور حضرت علیؓ کا چھ مہینے تک بیعت نہ کرنا ضرور مشہور ہے لیکن اس کی بھی حقیقت کچھ نہیں۔  
تفصیل درج ذیل ہے۔

## حضرت سعدؓ اور بیعت

حضرت سعدؓ کا بیعت کرنا یا بیعت نہ کرنا اس سلسلہ میں تاریخ میں دونوں چیزیں ملتی ہیں۔ بیعت نہ کرنا بھی تاریخ میں ملتا ہے اور بیعت کرنا بھی تاریخ میں ملتا ہے۔ دونوں قسم کی روایتیں درج ذیل ہیں :-

### I۔ حضرت سعدؓ کا بیعت نہ کرنا

- ① سقیفہ بنو ساعدہ میں حضرت سعدؓ نے بیعت سے انکار کر دیا۔ نہ جماعت سے نماز پڑھتے اور نہ حضرت ابوبکرؓ سے ان کے انتقال کے وقت تک کبھی ملاقات کی (تاریخ ابن خلدون عربی بقیہ جزء ثانی ص ۶۱، تاریخ ابن خلدون اردو ترجمہ حصہ اول ص ۲۲۱ و تاریخ طبری عربی جلد ۵۹ ص ۴۵۹) (ملخصاً)
  - ② حضرت سعدؓ نے کہا: میں ہرگز بیعت نہیں کروں گا جب تک اپنے نیزے کو تمہارے خون سے نہ رنگ لوں، اپنی تلوار سے وار نہ کروں اور اپنے حواریوں کو لے کر تم سے جنگ نہ کروں۔ (طبری عربی جلد ۲ ص ۴۵۹ و طبری اردو جزء ۲ ص ۲۱۱) (ملخصاً)
  - ③ مہاجرین نے حضرت سعدؓ سے کہا: اگر تم نے اطاعت سے ہاتھ کھینچا یا جماعت میں تفرقہ ڈالا تو ہم تمہیں قتل کر دیں گے (تاریخ طبری عربی جلد ۲ ص ۴۶۱)
- یہ تین روایتیں ہیں جن سے ثبوت ملتا ہے کہ حضرت سعدؓ نے بیعت نہیں کی لیکن یہ تینوں روایتیں خود پایہ ثبوت کو نہیں پہنچتیں۔ پہلی دور روایتوں کا راوی ابو مخنف ہے جو مشہور کذاب ہے۔ یہ ہالک، محترق، شیعہ ہے۔ متروک ہے (لسان المیزان، میزان الاعتدال، ابن عساکر، کتاب الجرح والتعديل لابن ابی حاتم)

تیسری روایت کو عبید اللہ بن سعید روایت کرتا ہے۔ یہ راوی موضوعات روایت کرتا ہے۔ سند کا دوسرا راوی سیف بن عمر ہے۔ یہ بھی موضوعات روایت کرتا ہے۔ امام ابو حاتم اور امام دارقطنی فرماتے ہیں یہ راوی متروک ہے۔ واقدی کے مثل ہے (یعنی جھوٹا ہے) [تہذیب التہذیب]۔

الغرض تینوں روایتیں جھوٹی ہیں۔

### II۔ حضرت سعدؓ کا بیعت کرنا

- ① حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا: اے سعدؓ تم جانتے ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا



کہ قریش اس امر کے دالی ہیں۔ حضرت سعدؓ نے کہا آپ سچ فرماتے ہیں۔ ہم وزراء ہیں اور آپ امراء (البدایہ والنہایہ عربی جلد ۵ ص ۲۴۴ بحوالہ مسند احمد)

(۲) حضرت ابوبکرؓ فرماتے ہیں: عمرؓ نے انصار کو یاد دلایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ کو امام بنایا تھا۔ (یہ سنتے ہی تمام) انصار نے میرے ہاتھ پر بیعت کر لی (البدایہ والنہایہ عربی جلد ۵ ص ۲۴۴ بحوالہ مسند امام احمد)

ان دونوں روایتوں کی سندیں صحیح ہیں۔ ان سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت سعدؓ نے بیعت کر لی تھی۔

## حضرت علیؓ اور بیعت

حضرت علیؓ کے سلسلہ میں بھی دونوں قسم کی روایتیں ہیں۔

### I- حضرت علیؓ کا بیعت نہ کرنا

- (۱) بنو ہاشم میں سے کسی نے حضرت فاطمہؓ کی وفات تک حضرت ابوبکرؓ کی بیعت نہیں کی۔ (مروج الذهب (تاریخ مسعودی) جزء ۲ ص ۳)۔ یہ روایت بے سند ہے لہذا جھوٹی ہے۔
- (۲) حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں: علیؓ نے چھ مہینے تک بیعت نہیں کی (صحیح بخاری۔ ملخصاً)

### II- حضرت علیؓ کا بیعت کرنا

- (۱) حضرت علیؓ نے فرمایا: ابوبکرؓ صاحب غار ہیں۔ ہم ان کے شرف کو پہچانتے ہیں۔ ہم ان کو خلافت کا سب سے زیادہ حقدار سمجھتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو نماز کے لئے امام بنایا تھا (البدایہ والنہایہ عربی جلد ۵ ص ۲۵ و جلد ۶ ص ۲۰۲)۔ امام ابن کثیر فرماتے ہیں یہ سند جید ہے اور یہی حضرت علیؓ کی شان کے لائق ہے۔ چھ مہینے بعد جو بیعت انہوں نے کی تھی وہ تو بیعت ثانیہ تھی (البدایہ والنہایہ جلد ۶ ص ۲۰۲)

امام ابن کثیر کے مندرجہ بالا بیان کی تائید مندرجہ ذیل روایت سے بھی ہوتی ہے۔

- (۴) جب حضرت ابوبکر صدیقؓ کے ہاتھ پر بیعت ہو رہی تھی تو اس مجلس میں حضرت ابوبکرؓ نے حضرت علیؓ کو نہیں دیکھا تو انہیں بلوایا۔ حضرت ابوبکرؓ نے ان سے فرمایا: تم مسلمین میں تفرقہ ڈالنا چاہتے ہو؟ حضرت علیؓ نے فرمایا: اے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلیفہ، ایسی تو کوئی بات نہیں



ہے۔ پھر حضرت علیؓ کھڑے ہوئے اور بیعت کر لی۔ (البدایہ والنہایہ یعنی تاریخ ابن کثیر عربی جلد ۵ ص ۱۲۹ و جلد ۶ ص ۳۰۲ بحوالہ بیہقی)۔ امام ابن کثیر فرماتے ہیں یہ سند صحیح ہے اور محفوظ ہے (حوالہ مذکور) گویا حضرت علیؓ نے پہلے یا دوسرے ہی دن بیعت کر لی۔ لیکن غالباً اس بیعت کا علم حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اکثر صحابہ کرام کو نہ ہو سکا لہذا چھ مہینے بعد انہوں نے علی الاعلان بیعت کی۔

الغرض صحابہ کرام میں سے کوئی ایک بھی ایسا نہیں جس نے بیعت نہ کی ہو فلشہ الحمد۔ جن روایتوں میں بیعت نہ کرنے کا ذکر ہے وہ روایتیں یا تو لا علمی پر مبنی ہیں یا جھوٹی ہیں اور دشمنان اسلام کی سازش کی آئینہ دار ہیں۔ یہی نہیں اس قسم کی بے شمار روایتیں ہیں جو دشمنان اسلام نے وضع کیں اور وہ تاریخ کی کتابوں میں شامل ہو گئیں لہذا تاریخ کی روایتوں پر اعتماد نہیں کیا جاسکتا جب تک جانچ پڑتال کے بعد ان کی سندیں صحیح نہ ثابت ہو جائیں۔

تاریخ کی کتابوں میں سچ اور جھوٹ، تاریک اور روشن پہلو دونوں موجود ہیں۔ مثال کے طور پر سقیفہ بنو ساعدہ میں انتخابی مجلس کے تاریک اور روشن دونوں مناظر درج کئے جا رہے ہیں تاکہ قارئین کرام آئندہ تاریخ کی روایتوں سے دھوکا نہ کھائیں :-

## I۔ تاریک منظر

① انصار کے ایک خطیب حضرت حبابؓ نے تلوار نکال لی۔ حضرت عمرؓ نے ان پر حملہ کیا۔ حضرت حبابؓ کے ہاتھ سے تلوار گر پڑی۔ حضرت عمرؓ نے تلوار اٹھالی اور حضرت سعدؓ پر حملہ کیا۔ دوسرے لوگ بھی حضرت سعدؓ پر چھپے۔ عہد جاہلیت کا منظر دیکھنے میں آیا۔ حضرت سعدؓ کچلتے کچلتے رہ گئے۔ کسی نے کہا: تم نے سعدؓ کو قتل کر دیا۔ حضرت عمرؓ نے کہا: اللہ انہیں قتل کرے، وہ منافق ہے۔ حضرت عمرؓ نے ان پر تلوار ماری۔ تلوار پتھر سے ٹکرائی، پتھر ٹوٹ گیا (تاریخ طبری جلد ۲ ص ۴۵۹) (ملخصاً)

② حضرت عمرؓ نے کہا: سعدؓ کو قتل کر دو، اللہ سے قتل کرے۔ پھر حضرت عمرؓ حضرت سعدؓ کے سر ہانے جا کر کھڑے ہو گئے اور کہنے لگے میں نے ارادہ کیا ہے کہ تمہیں روند ڈالوں۔ حضرت سعدؓ نے حضرت عمرؓ کی ڈاڑھی پکڑ لی۔ حضرت عمرؓ نے کہا: اللہ کی قسم اگر ڈاڑھی کا ایک بال بھی ٹوٹ گیا تو تمہارے منہ میں سامنے کا ایک دانت بھی سلامت نہیں رہے گا (تاریخ طبری جلد ۲ ص ۴۵۹) (ملخصاً)

③ حضرت حبابؓ نے کہا: مہاجرین کو ان شہروں سے نکال دو (تاریخ طبری عربی جلد ۲ ص ۴۵۹) (ملخصاً)۔

کیا یہ روایتیں صحابہ کرام کے کردار کا وہی نقشہ پیش کرتی ہیں جو قرآن مجید اور احادیث میں پیش کیا گیا ہے۔ قرآن مجید کہتا ہے ”رحمآء بینہم۔ آپس میں بڑے رحیم ہیں (الفتح - ۲۹) یتتغون فضلاً من اللہ ورضوانا۔ اللہ کی رضا اور اس کا فضل تلاش کرتے رہتے ہیں۔ (الفتح - ۲۹) مثلہم فی التورۃ و مثلہم فی الانجیل۔ ان کے اوصاف توریت اور انجیل میں مذکور ہیں (الفتح - ۲۹) والزمہم کلمۃ التقوی وکانوا احق بہا و اہلہا۔ اللہ نے تقویٰ کی بات کو ان سے چٹا دیا ہے اور وہ اس کے حقدار بھی ہیں اور اہل بھی (الفتح - ۲۹) کیا ایسے لوگ دنیا دار، مکار اور ایک دوسرے کے خون کے پیاسے ہو سکتے ہیں۔ ہرگز نہیں۔ صحابہ کرام کو بدنام کر کے منافقین نے نبوت پر بالواسطہ چوٹ کی ہے۔ مندرجہ بالا تینوں روایتیں جھوٹی ہیں۔ پہلی روایت سیف بن عمرؓ نے گڑھی اور باقی دو روایتیں ابو مخنف کی وضع کردہ ہیں۔

## II۔ سقیفہ بنو ساعدہ کا روشن منظر

① انصار نے کہا: ایک امیر ہم میں سے ہو اور ایک امیر تم میں سے ہو۔ حضرت عمرؓ نے کہا: اے انصار، کیا تمہیں نہیں معلوم کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوبکرؓ کو حکم دیا تھا کہ وہ لوگوں کی امامت کریں تو تم میں سے کون اس بات کو پسند کرتا ہے کہ وہ ابوبکرؓ سے لگے بڑھے۔ انصار نے کہا: ہم اس بات سے اللہ کی پناہ طلب کرتے ہیں کہ ابوبکرؓ سے آگے بڑھیں (البدایہ والنہایہ جلد ۵ ص ۲۴۶ و ص ۲۴۷ بحوالہ مسند امام احمد والنسائی) (ملخصاً)

② حضرت عمرؓ فرماتے ہیں: پھر میں نے جلدی کی کہ ابوبکرؓ کا ہاتھ پکڑ لوں لیکن ایک انصاری (حضرت بشیر بن سعدؓ) نے مجھ پر بیعت کی اور (مجھ سے پہلے) بیعت کر لی، پھر میں نے بیعت کی پھر لوگوں نے لگاتار بیعت کی (البدایہ والنہایہ عربی جلد ۵ ص ۲۴۷ بحوالہ نسائی وابن سعد) (ملخصاً)

③ انصار کے خطیب نے کہا: کیا تم جانتے ہو کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے انصار تھے اور اب ہم جیسے ان کے انصار تھے ان کے خلیفہ کے انصار ہیں..... حضرت عمرؓ نے حضرت ابوبکرؓ کی بیعت کی اور تمام مہاجرین اور انصار نے بیعت کی (راوی نے کسی کو مستثنیٰ نہیں کیا) (البدایہ والنہایہ عربی جلد ۶ ص ۳۰۶ بحوالہ بیہقی والحاکم)۔



مندرجہ بالا تینوں روایتیں صحیح ہیں اور کتب احادیث سے ماخوذ ہیں گویا احادیث نے بھی صحابہ کرام کے کردار کو شاندار بتایا ہے۔

کتب تاریخ نے دونوں قسم کی روایتیں پیش کر دیں۔ جو روایات صحابہ کرام کے شایانِ شان نہیں تھیں انہیں بھی نقل کر دیا اور جو روایتیں صحابہ کرام کے شایانِ شان تھیں انہیں بھی نقل کر دیا۔ افسوس تو یہ ہے کہ سوائے عماد الدین ابن کثیر کے ان میں سے کسی نے محاکمہ نہیں کیا۔ صحیح اور غلط دونوں قسم کی روایتوں کو پیش کر کے اپنی ذمہ داری سے عمدہ برآ ہو گئے۔ مزید افسوس اس بات کا ہے کہ صدیوں سے جو روایات مشہور چلی آرہی ہیں وہ روایات ہیں جو جعلی ہیں جن میں صحابہ کرام کی شان کو گھٹایا گیا ہے۔ ہر شخص کی زبان پر الا ماشاء اللہ بس یہی روایات ہیں۔ صحابہ کرام کے شایانِ شان جو روایتیں ہیں اکثریت ان سے ناواقف ہے۔

تاریخ کی روایتوں پر اعتماد نہیں کیا جاسکتا۔ تاریخ میں سچ اور جھوٹ سب کچھ ہے۔ علامہ ابن جریر طبری نے بھی اس کا اعتراف کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں :-

”اگر کوئی ایسی خبر آئے جس میں عقلی استخراج یا فکری استنباط سے کام نہیں لیا گیا جو ہم نے نگلوں سے نقل کی ہے اور جس کو تسلیم کرنے سے قاری ابا کرے یا وہ سامع کو بری لگے ..... قاری یا سامع کہے کہ اس میں صداقت نہیں ہے تو جان لو کہ اس میں صداقت تو پہلے ہی نہیں ہے۔ ..... ہم تک جس شکل میں پہنچی ہم نے ویسے ہی نقل کر دیا۔“ (طبری عربی جلد اول ص ۵) (ملخصاً)

تاریخ کی بحث ذرا طویل ہو گئی وجہ اس کی یہ ہے کہ صلاح الدین صاحب نے فرمایا ہے کہ حضرت عبادہ بن صامتؓ نے کسی خلیفہ کے ہاتھ پر بیعت نہیں کی اور ملامت زدہ قرار نہیں دئے گئے لہذا بیعت لازمی نہیں۔ تاریخ کے سلسلہ کی طویل بحث سے بتانا یہ مقصود ہے کہ اگر بالفرض محال تاریخ کی کسی کتاب میں ایسا مل بھی جائے جس میں حضرت عبادہ بن صامتؓ کے بیعت نہ کرنے کا ذکر ہو تو اس پر اعتماد نہ کیا جائے۔

الغرض حضرت علیؓ، حضرت سعد بن عبادہؓ اور حضرت عبادہ بن صامتؓ کے متعلق کوئی روایت ثابت نہیں کہ انہوں نے بیعت نہیں کی۔ ”الجماعة“ کے امیر کی بیعت لازمی ہے۔ بیعت نہ کرنے والے کی موت جاہلیت کی موت ہوگی۔ ”الجماعة“ سے مراد وہ جماعت ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بنائی ہوئی جماعت المسلمین کے مشابہ ہو، اس میں کامل وحدت ہو، فرقوں اور



جماعتوں کا مرکب نہ ہو، اس کا نام بھی وہی ہو جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رکھا تھا اور کام بھی وہی ہو جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کام تھا یعنی اس خالص اور کامل اسلام پر عمل کرنا جو آسمان سے نازل ہوا تھا۔ الحمد للہ جماعت المسلمین ان تمام شرطوں کو پورا کرتی ہے۔

مسعود احمد  
۲۸ جمادی الاخریٰ ۱۴۱۳ھ

www.sirat-e-mustaqeem.net



بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

## ضمیمہ ①

① مؤخر جریدہ تکبیر شمارہ ۷۴ مورخہ ۱۹ نومبر ۱۹۹۲ء اور شمارہ ۷۵ مورخہ ۱۰ دسمبر ۱۹۹۲ء میں جناب محمد صلاح الدین صاحب کا ایک مضمون شائع ہوا جس کا عنوان تھا "اسلامی ریاست میں فرد اور جماعتوں کے باہمی تعلقات"۔ اُن کے مضمون میں چند باتیں ایسی تھیں جو حقائق کے خلاف تھیں ہم نے ایک مضمون (صفحہ ۲ تا ۲۴) میں جس کا کچھ حصہ تکبیر کے شمارہ ۷۴ مورخہ ۱۱ فروری ۱۹۹۳ء میں شائع ہوا موصوف سے گزارش کی کہ ان باتوں پر جو حقائق کے خلاف ہیں مزید غور فرما کر متلاشیان حق کی تسلی فرمائیں۔ انہوں نے ہمارے مضمون کا جواب لکھا جو تکبیر کے شمارہ ۷۵ مورخہ ۱۸ فروری ۱۹۹۳ء میں بعنوان "مسلمان کون ہے، کون نہیں" شائع ہوا۔ ہم نے جو باتیں اپنے مضمون میں لکھی تھیں بڑے اخلاص اور محبت سے لکھی تھیں، انہوں نے اس کا جواب طنز اور تمسخر کے انداز میں دیا ہے۔ اس کتابچہ میں ہم ان کے مضمون کا تجزیہ پیش کرتے ہیں :-

② جناب صلاح الدین صاحب لکھتے ہیں :-

"اللہ کے آخری نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے کلمہ طیبہ کے اساس پر جس جماعت کی بنیاد رکھی تھی وہ "الجماعت" ہے" (تکبیر کے مورخہ ۱۸ فروری ۱۹۹۳ء ص ۹ کالم ۱)

المسلم! ہمیں اس سے کامل اتفاق ہے۔

صلاح الدین صاحب آگے لکھتے ہیں :-

"اور ان کے بعد آج تک مسلمانوں نے جتنی بھی وقتی اور مقامی جماعتیں بنائی ہیں وہ سب "الجماعت"

کا جزو تو ہیں" (حوالہ مذکور)

المسلم! مندرجہ ذیل حدیث کی رو سے یہ صحیح نہیں :-

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں :-

یہ امت ۷۳ اجزاء میں تقسیم ہو جائے گی۔ ۷۲ (اجزاء) دوزخ میں (جائیں گے) اور

ایک جنت میں (جائے گا) اور وہ جزو "الجماعت" ہوگا۔ (ابوداؤد۔ سندہ صحیح)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ۷۲ فرقے امت میں تو شامل ہوں گے یعنی امت کا جزو، تو ہونگے

لیکن ”الجماعۃ“ کا جزو نہیں ہوں گے۔

واضح رہے کہ ”جماعت المسلمین“ نہ وقتی ہے اور نہ مقامی۔ ”جماعت المسلمین“ اور ”الجماعۃ“ میں کوئی فرق نہیں سوائے اس کے کہ ایک میں جماعت کا مضاف الیہ مذکور ہے اور دوسری میں محذوف ہے۔ صلاح الدین صاحب بھی جماعت المسلمین اور الجماعۃ کو ایک ہی مانتے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں :-

(۳) ”اب میرا موقف تو یہ ہے کہ ہر کلمہ گو مسلمان الجماعت میں یعنی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ”جماعت المسلمین“ میں شامل ہے (حوالہ مذکور کالم ۷)۔  
المسلم | ہم نے لکھا تھا :-

”جماعت المسلمین کسی کو کافر نہیں کہتی ہاں فعل کفر کو کفر ضرور کہتی ہے“ (تکبیر ۷ ص ۱۱۱) فروری ۱۹۹۳ء ص ۷ کالم ۷

ہمارے اس جملہ پر گفتگو کرتے ہوئے صلاح الدین صاحب لکھتے ہیں :-

”وہ ابتداء میں جس بات کی تردید کر رہے ہیں بتدریج اسی کی تائید و حمایت میں آگے

بڑھتے چلے جا رہے ہیں“ (تکبیر شماره ۷ مورخہ ۱۸ فروری ۱۹۹۳ء ص ۷ کالم ۷)

المسلم | اس دعویٰ کی تائید و حمایت میں انہوں نے ہمارے مضمون سے چند اقتباسات پیش کئے ہیں :-

پہلا اقتباس | الغرض حدیث سے تو یہی ثابت ہوتا ہے کہ ۷۲ اجزاء امت یعنی ۷۲

فرقے ”الجماعت“ یعنی جماعت المسلمین میں شامل نہیں ہیں، اب جو شخص جو نتیجہ

نکالنا چاہے نکال لے (تکبیر شماره ۷ مورخہ ۱۸ فروری ۱۹۹۳ء ص ۷ کالم ۷)

المسلم | اس عبارت میں کہیں بھی نہیں ہے کہ جو جماعت المسلمین میں شامل نہیں ہے وہ کافر ہے۔ اس

عبارت میں حدیث کا مفہوم ہے اور بس۔ نتیجہ صلاح الدین صاحب نے خود نکالا ہے۔

دوسرا اقتباس | مودودی صاحب کے مندرجہ بالا فرمودات سے جماعت المسلمین سو فیصدی متفق

ہے اور جناب صلاح الدین صاحب بھی متفق ہیں تو پھر وہ جماعت المسلمین سے کیوں ناراض ہیں؟

جماعت المسلمین سے کیوں الگ ہیں؟ ..... مودودی صاحب نے اپنی پارٹی بنائی اور اپنے

حنفی ہونے کا اقرار کیا کیا یہ قول و فعل کا تضاد نہیں۔ امید ہے کہ جناب صلاح الدین صاحب تو

اپنی حد تک اس تضاد کو ختم کر دیں گے (حوالہ مذکور کالم ۷)

المسلم | مندرجہ بالا عبارت میں بھی یہ نہیں ہے کہ جو جماعت المسلمین میں شامل نہ ہو وہ کافر ہے۔



ہماری مندرجہ بالا عبارت میں مودودی صاحب کے جس تضاد کا ذکر ہے وہ یہ ہے کہ وہ مسلک کی بنیاد پر بنائی جانے والی جماعتوں اور مسلمانوں کی مختلف پارٹیوں کو تفرقہ پر دازی سے تعبیر کرتے ہیں۔ ان کی اصل عبارت درج ذیل ہے :-

”یہ قوم (مسلمان) تو پہلے ہی سے ایک جماعت ہے۔ اس جماعت کے اندر کوئی الگ جماعت الگ نام سے بنانا اور مسلمان مسلمان کے درمیان کسی وردی یا کسی ظاہری علامات یا کسی خاص نام یا کسی خاص مسلک سے فرق و امتیاز پیدا کرنا اور مسلمانوں کو مختلف پارٹیوں میں تقسیم کر کے ان کے اندر گروہ بندیوں اور فرقوں کی مصیبتیں پیدا کرنا یہ دراصل مسلمانوں کو مضبوط کرنا نہیں بلکہ ان کو اور کمزور کرنا ہے۔ یہ تنظیم نہیں تفرقہ پر دازی اور گروہ بندی ہے“ (تکبیر شمارہ ۱۹، نومبر ۱۹۹۲ء ص ۹ کالم ۱)

المسلم | مودودی صاحب کا پہلا تضاد تو یہ ہے کہ وہ کسی خاص مسلک سے فرق و امتیاز پیدا کرنے کو تفرقہ پر دازی کہتے ہیں پھر بھی وہ اپنے کو حنفی کہتے ہیں۔ دوسرا تضاد یہ ہے کہ وہ مختلف پارٹیوں کو اچھا نہیں سمجھتے، ان کو بھی تفرقہ پر دازی کہتے ہیں لیکن پھر بھی انہوں نے ایک پارٹی بنائی جس کو انہوں نے جماعت اسلامی کا نام دیا۔

صلاح الدین صاحب تو مختلف مسلکی جماعتوں اور سیاسی اور فلاحی پارٹیوں کو ”الجماعۃ“ میں شامل سمجھتے ہیں لیکن مودودی صاحب اس کو تفرقہ پر دازی سمجھتے ہیں۔ تفرقہ پر دازی قرآن مجید کے الفاظ: ”وَلَا تَفَرَّقُوا“ کے لحاظ سے قطعی حرام ہے تو کیا صلاح الدین صاحب بھی اس تفرقہ پر دازی کو حرام سمجھتے ہیں۔ صلاح الدین صاحب بتائے حرام کو جائز کہنے والا کون ہوتا ہے اور کیا حرام کو جائز کہنے والا ”الجماعۃ“ میں شامل ہو سکتا ہے۔

تیسرا اقتباس | (صلاح الدین صاحب) آپ اپنی جماعت کو ”الجماعۃ“ نہیں کہہ سکتے۔ پہلے تمام فرقوں اور جماعتوں کو ایک کینچے پھر اسے ”الجماعۃ“ کہیے۔ جماعت المسلمین یہی کام تو کر رہی ہے اور آپ بھی اسی کے خواہاں ہیں تو پھر اس بعد کی کیا وجہ ہے (تکبیر شمارہ ۱۷، نومبر ۱۸، فروری ۱۹۹۳ء ص ۹ کالم ۱)

المسلم | مندرجہ بالا اقتباس میں بھی یہ نہیں ہے کہ جو جماعت المسلمین میں شامل نہ ہو وہ کافر ہے۔ چوتھا اقتباس | صلاح الدین صاحب، جماعت المسلمین صاحب قرآن صلی اللہ علیہ وسلم کے منشاء کے مطابق کوشش کر رہی ہے کہ سب ایک جماعت بن کر رہیں، ان میں کامل وحدت دیکھتی ہو اور آپ بھی

غالباً یہی چاہتے ہیں تو پھر آپ کا جماعت المسلمین سے دور رہنا ناقابل فہم ہے (حوالہ مذکور کالم ۲)۔  
**المسلم** اس اقتباس میں بھی کہیں نہیں ہے کہ جو جماعت المسلمین میں شامل نہ ہو وہ کافر ہے۔  
**پابجواں اقتباس** | احیائے اسلام کے لئے ایک خالص توحید پر قائم ہونے والی جماعت کی جس میں کامل وحدت ہو ضرورت ہے یا نہیں؟ یقیناً ضرورت ہے۔ الحمد للہ جماعت المسلمین نے اس ضرورت کو پورا کر دیا ہے۔ جماعت المسلمین فرقہ دارانہ مذاہب کو جو اسلام کے متوازی بنائے گئے تھے دریا برد کرنے اور اسلام کا احیاء کرنے کے سلسلہ میں اپنی پوری قوت سے جدوجہد کر رہی ہے۔  
 (حوالہ مذکور کالم ۲)

**المسلم** | اس اقتباس میں بھی یہ چیز نہیں ہے کہ جو جماعت المسلمین میں شامل نہ ہو وہ کافر ہے۔  
**پھٹا اقتباس** | ”الجماعة“ کے امیر کی بیعت لازمی ہے۔ بیعت نہ کرنے والے کی موت جاہلیت کی موت ہوگی۔ ”الجماعة“ سے مراد وہ جماعت ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بنائی ہوئی جماعت المسلمین کے مشابہ ہو، اس میں کامل وحدت ہو، فرقوں اور جماعتوں کا مرکب نہ ہو، اس کا نام بھی وہی ہو جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رکھا تھا اور کام بھی وہی ہو جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کام تھا یعنی اس خالص اور کامل اسلام پر عمل کرنا جو آسمان سے نازل ہوا تھا۔ الحمد للہ جماعت المسلمین ان تمام شرائط کو پورا کرتی ہے“ (حوالہ مذکور کالم ۲)۔  
**المسلم** | اس اقتباس میں بھی یہ نہیں ہے کہ جو شخص جماعت المسلمین میں شامل نہ ہو وہ کافر ہے۔  
 الغرض صلاح الدین صاحب نے ہمارے مضمون سے چھ اقتباس پیش کئے۔ ان میں کسی اقتباس میں وہ یہ پیش نہیں کر سکے کہ جو شخص جماعت المسلمین میں شامل نہ ہو وہ کافر ہے۔ لہذا ان کا یہ فرمانا کہ ”وہ ابتداء میں جس بات کی تردید کر رہے ہیں بتدریج اسی کی تائید و حمایت میں آگے بڑھتے چلے جاتے ہیں“ (حوالہ مذکور کالم ۲) کس حد تک صحیح ہے؟ انہوں نے ہم پر جو الزام لگایا تھا اُسے وہ ثابت نہیں کر سکے۔ فلنلہ الحمد۔  
 (۴) صلاح الدین صاحب لکھتے ہیں :-

”بعض امراض ایسے ہیں جو معمولات زندگی برقرار نہیں رہنے دیتے اور بعض وہ ہیں جن کی موجودگی سے ان معمولات میں کوئی خلل واقع نہیں ہوتا۔ عقائد اور افکار اور اخلاقی و روحانی امراض کا معاملہ بھی کم و بیش ایسا ہی ہے۔ ان میں بگاڑ کی سطح ملکی اور اسفل السافلین کے درجہ پر پہنچا دینے والی انتہائی پست بھی ہو سکتی ہے۔



مسعود احمد صاحب کے ہاں ایسی کوئی درجہ بندی نہیں۔ آدمی مسلم ہوگا یا کافر اور مشرک“ (تکبیر شمارہ ۷، مورخہ ۱۸ فروری ۱۹۹۳ء ص ۱۷۱ کالم ۲)

المسلم! ہمارے ہاں بھی ایک لحاظ سے درجہ بندی ہے۔ صلاح الدین صاحب کا بیان صحیح نہیں بلکہ اتہام ہے۔ ہمارے ہاں کفر اور شرک، کبیرہ گناہ اور صغیرہ گناہ تینوں کی درجہ بندی موجود ہے۔ ہم گناہ صغیرہ یا کبیرہ کے مرتکب کو کافر نہیں کہتے، مسلم ہی کہتے ہیں لیکن یہ صحیح ہے کہ آدمی یا تو مسلم ہوگا یا اگر مسلم نہیں ہوگا تو کافر ہوگا۔ بیچ کا درجہ کونسا ہے کہ نہ مسلم ہو، نہ کافر؟

⑤ صلاح الدین صاحب لکھتے ہیں :

”مسلمانوں میں ایسے لوگ بھی موجود ہیں جو کلمہ کھلا اللہ اور اس کے رسول کی تعلیمات کا مذاق اڑاتے ہیں وہ یقیناً ملحدین کے گروہ میں شامل ہیں لیکن جو اسلام کے کسی جزء کا انکار نہیں کرتے، اس پر پختہ یقین رکھتے ہیں مگر غیر شعوری طور پر بعض غیر اسلامی عقائد و اعمال کی بیماری میں مبتلا ہیں وہ کافر اور مشرک قرار نہیں دئے جاسکتے۔“

..... مسعود احمد صاحب کے ہاں اس فرق و امتیاز کی گنجائش نظر نہیں آتی“

(حوالہ مذکور کالم ۲)۔

المسلم! یہ بھی اتہام ہے۔ دونوں میں فرق ہے البتہ اگر دوسرا مشرک یا کفر کا مرتکب ہو تو یہ فرق بہت کم رہ جائے گا۔

⑥ صلاح الدین صاحب تحریر فرماتے ہیں :-

”صرف مرنے ترٹنے اور میلا ہو جانے سے نوٹ کی قیمت کم نہیں ہوتی البتہ خستگی کی ایک کیفیت ایسی آجاتی ہے جہاں یہ اپنی قیمت کھودیتا ہے“ (حوالہ مذکور)

المسلم! ہمیں اس سے اتفاق ہے۔ خستگی کی یہ کیفیت جب ہی آئے گی جب کوئی مسلم شرک یا کفر کا مرتکب ہو جائے۔ ایسی صورت میں اس کا ایمان اپنی قیمت کھودینگا۔

صلاح الدین صاحب! ہم ایسی مثالوں سے مرعوب نہیں ہوتے اور نہ انہیں دلیل کا درجہ دیتے ہیں۔ ہم دلیل تو صرف آیت یا حدیث کو ملتے ہیں تاہم ہم نے آپ کی عقلی دلیلوں کو تسلیم کر کے ان کا معقول جواب دے دیلے۔

⑦ صلاح الدین صاحب تحریر فرماتے ہیں :-

”اللہ کا رسول تو اس معاملہ میں اتنا محتاط تھا کہ رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی کے



نفاق کا علم ہونے کے باوجود اس کی نماز جنازہ پڑھانے کھڑا ہو گیا تا وقتیکہ اللہ نے بذریعہ وحی اسے روک نہ دیا“ (حوالہ مذکور)

المسلم | صلاح الدین صاحب ! یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق کریمانہ کی ایک جھلک ہے۔ دشمنوں کے ساتھ یہ سلوک، یہ ہمدردی اپنی مثال آپ ہے۔ تاریخ عالم ایسی نظیر پیش کرنے سے قاصر ہے۔ آپ مکارم اخلاق کے بہت ہی بلند مقام پر فائز تھے۔ اللہ تعالیٰ نے بھی بالآخر گواہی دی :

وَإِنَّكَ لَعَلَىٰ خُلُقٍ عَظِيمٍ ۝

اور (اے رسول) آپ عظیم (الشان) خلق

پر (فائز) ہیں۔

(ن - ۴)

کافروں کے ساتھ بھی آپ کی ہمدردی کا یہی عالم تھا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :-  
فَلَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ عَلَىٰ آثَارِهِمْ  
إِنْ لَمْ يُؤْمِنُوا بِهَذَا الْحَدِيثِ  
أَسَفًا ۝ (الکہف - ۶)  
اگر کافر اس کلام پر ایمان نہیں لاتے تو ہو سکتا ہے کہ آپ ان کے پیچھے افسوس کرتے کرتے اپنی جان کو ہلاک کر دیں۔

صلاح الدین صاحب، آپ لکھتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم محتاط تھے۔ یہ احتیاط کس لئے تھی؟ کیا آپ کو شبہ تھا کہ کہیں عبداللہ بن ابی مسلم نہ ہو۔ ہرگز نہیں۔ احتیاط آپ نے نماز جنازہ نہیں پڑھی بلکہ اپنے بے پناہ اخلاق کریمانہ اور شفقت کا مظاہرہ کرتے ہوئے ہمدردی کے جذبہ سے نماز جنازہ پڑھی لیکن بایں اخلاق کریمانہ اور جذبہ ہمدردی حکیم الہی کے سامنے تسلیم خم کر دیا۔ ہم بھی کسی قدر ہمدردی کا جذبہ تو رکھتے ہیں لیکن آیات ربانی اور احادیث نبوی کی روشنی میں اصل حقیقت کو واضح کرنے پر اپنے آپ کو مجبور پاتے ہیں۔ ہم صحیح مفہوم کے ساتھ آیات ربانی اور احادیث نبوی کو پیش کر دیتے ہیں اور نتیجہ کو احتیاطاً قارئین کے لئے چھوڑ دیتے ہیں۔

⑧ صلاح الدین صاحب تحریر فرماتے ہیں :-

”جس معاملہ میں قرآن کا حکم اور رسول کا فیصلہ واضح ہو اس میں کوئی دوسرا فیصلہ نہیں کیا جاسکتا“ (حوالہ مذکور ص ۱۷۱)

المسلم | صلاح الدین صاحب سے ہمارا سوال ہے کہ اگر کوئی ایسا فیصلہ کرتا ہے تو اس کے متعلق آپ کیا کہتے ہیں؟ مثلاً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں :-

لَا يُجْلَدُ فَوْقَ عَشْرِ جَلْدَاتٍ إِلَّا  
اللہ کی حدود میں سے کسی حد کے علاوہ دس

فِي حَدِّ مِنْ حَدِّ دِ اللَّهِ (صحیح بخاری سے زیادہ کوڑے نہ مارے جائیں۔  
 کتاب المحاربین و صحیح مسلم کتاب الحدود)  
 فقہ میں ہے :-

والتعزیر اکثرہ تسعة وثلثون تعزیر میں زیادہ سے زیادہ انتالیس کوڑے  
 سَوُطاً (ہدایہ، کتاب الحدود باب فصل (مارے جاسکتے) ہیں۔  
 فی التعزیر)

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا فیصلہ کتنا واضح ہے پھر بھی اس کی خلاف ورزی  
 کی گئی ہے۔ ایسا کرنے والے کو کیا کہا جائے؟ کیا یہ تفقہ ہے یا بغاوت؟  
 ⑨ جناب صلاح الدین صاحب فرماتے ہیں :-

”لیکن جہاں کوئی گنجائش یا اشتباہ موجود ہو وہاں مآخذِ قانون کی منشاء کے مطابق

قانون سازی کی جاسکتی ہے“ (حوالہ مذکور ص ۷۱ کالم ۷)

المسلم کیا یہ قانون دین میں شامل ہوگا؟ اگر شامل ہوگا تو اس کے معنی یہ ہوئے کہ دینِ کامل  
 کا نہیں، ناقص ہے۔ دین یقیناً کامل ہے۔ اس میں اضافہ نہیں ہو سکتا۔ یہ فیصلہ  
 قانون کی شکل اختیار نہیں کر سکتا۔ ضرورتاً اس کو وقتی فیصلہ تو کہہ سکتے ہیں، قانون نہیں کہہ سکتے۔  
 قانون وہ ہوتا ہے جس کے خلاف فیصلہ نہ کیا جائے، وقتی فیصلہ کسی وقت بھی رد کیا جاسکتا ہے۔  
 صلاح الدین صاحب اوپر حدیث میں جس تعزیر کا ذکر تھا اس میں کوئی اشتباہ تھا کہ  
 اس کے خلاف فیصلہ کیا گیا اور اس غلط فیصلہ کو قانون کا درجہ دیا گیا۔ یہ تو دین سازی ہے اور  
 دین سازی شرک ہے۔

⑩ صلاح الدین صاحب تحریر فرماتے ہیں :-

”ان (اماموں) میں سے کوئی ایسا نہیں جس نے خود کو قرآن و سنت سے بالاتر

سمجھا ہو“ (حوالہ مذکور ص ۷۱ کالم ۷)

المسلم یہ صحیح ہے۔ ہم بھی تسلیم کرتے ہیں لیکن کیا ان کے مقلدین نے بھی ایسا ہی سمجھا ہے۔  
 مصر و فیت بہت ہے ورنہ بیسیوں مثالیں پیش کرتا۔ اوپر دس کوڑوں کی تعزیر کے  
 سلسلہ میں جو مثال دی گئی ہے اسی پر اکتفا کرتا ہوں۔ کیا اس مثال میں سنت کو بالاتر سمجھا گیا  
 ہے؟



⑪ صلاح الدین صاحب تحریر فرماتے ہیں :-

”اخلاص موجود ہو تو مجتہد کی غلطی بھی اجر و ثواب کا ذریعہ بن جاتی ہے اور اس کا پیرو کار اپنی کم علمی کے باعث اس کے علم پر اعتماد ہی کو سلامتی فکر کا محفوظ راستہ سمجھتا ہے“ (حوالہ مذکور ص ۱۱۷ کالم ۲)

المسلم | مجتہد کی غلطی بشرطیکہ وہ حاکم ہو (کیونکہ حدیث میں حاکم کا لفظ ہے) یقیناً اجر کا باعث ہے۔ حاکم کا اجتہاد وقتی فیصلہ ہوتا ہے۔ عالم کا اجتہاد دائمی قانون ہوتا ہے۔ عالم تو دین سازی کرتا ہے لہذا اجر و ثواب تو کجا اس کے حصہ میں تو کچھ اور ہی آتا ہے۔

⑫ صلاح الدین صاحب تحریر فرماتے ہیں :-

”غلطی واضح ہونے پر رجوع اور اصلاح کی روش اختیار کی جانی چاہیے“ (حوالہ مذکور ص ۱۱۷ کالم ۲)

المسلم | لیکن کیا ایسا ہوتا ہے ؟

⑬ صلاح الدین صاحب تحریر فرماتے ہیں :-

”مسعود احمد صاحب قرآن اور حدیث دونوں کو یکساں درجہ دیتے ہیں (حوالہ مذکور ص ۱۱۷ کالم ۲)۔

المسلم | واجب الاتباع اور حجت ہونے کے لحاظ سے دونوں یکساں ہیں۔ صلاح الدین صاحب بھی اس کے قائل ہیں۔ وہ لکھتے ہیں :-

”اللہ کے رسول کا ثابت شدہ قول یا عمل ہو وہ بھی دین میں حجت اور واجب الاتباع ہے“ (حوالہ مذکور ص ۱۱۷ کالم ۲)

اتباع اور حجت کے علاوہ قرآن مجید کا مرتبہ ہر لحاظ سے بہت زیادہ بلند ہے۔ ہمارا یہ عقیدہ بالکل صحیح ہے۔ اس پر اعتراض لغو ہے۔

⑭ صلاح الدین صاحب تحریر فرماتے ہیں :-

”انکار حدیث ایک علیحدہ مسئلہ ہے اور اس کا مرتکب دائرہ اسلام سے خارج ہے۔“ (حوالہ مذکور ص ۱۱۷ کالم ۲)۔

المسلم | صلاح الدین صاحب، وہ دائرہ اسلام سے کیوں خارج ہے ؟ اس کا اللہ پر ایمان ہے، توحید کا وہ قائل ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو وہ رسول مانتا ہے اور آخری



نبی مانتا ہے، قرآن مجید کو منزل من اللہ کتاب مانتا ہے پھر وہ دائرہ اسلام سے خارج کیوں؟ آخر کوئی تو وجہ ہے؟ ایسی ہی کوئی وجہ ہمارے پاس ہوتی ہے جس کی بنیاد پر ہم کسی کے فعل کو شرک یا کفر کہہ دیتے ہیں، کافر پھر بھی نہیں کہتے۔ ہمارا عقیدہ ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کی آیات اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے قول یا فعل کے مقابلہ میں کسی دوسرے کے قول یا فعل کو مانتا ہے وہ دائرہ اسلام سے خارج ہے۔ ہمارا یہ عقیدہ یقیناً صحیح ہے۔ اس پر جو تنقید کرتا ہے وہ اپنا انجام سوچ لے۔

(۱۵) صلاح الدین صاحب تحریر فرماتے ہیں :-

”آیت تو کسی سے ایک بھی نہ گھڑی جاسکی لیکن موضوع احادیث کا انبار لگ گیا اور ڈھائی سو سال بعد امام بخاری جب صحیح اور غلط روایات کی چھان بین کا عظیم الشان کام کرنے بیٹھے تو ۶ لاکھ احادیث میں سے وہ ۶ ہزار یعنی صرف ایک فی صد پر مطمئن ہو سکے“ (حوالہ مذکور ص ۱۲ کالم ۱)

المسلم | گھڑی ہوئی آیت کی مثال دیکھنی ہو تو محمود الحسن صاحب کی کتاب ”ایضاح الادلۃ“ مطبوعہ مطبع قاسمی مدرسہ اسلامیہ دیوبند بمابہ ربیع الآخر ۱۳۳۰ھ کا ص ۹۷ ملاحظہ فرمائیں جس پر مندرجہ ذیل موضوع آیت ملے گی :-

”فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ وَالِىْ أُولِی الْأَمْرِ مِنْكُمْ“

صلاح الدین صاحب ذرا تلاش کر کے بتائیے یہ آیت قرآن مجید میں کس جگہ ہے۔ ڈھائی سو سال کا شاخسانہ بالکل فرضی ہے۔ امام بخاری نے جو احادیث چھوڑیں وہ اس لئے نہیں چھوڑیں کہ وہ سب ضعیف تھیں۔ نہیں، انہوں نے بہت سی صحیح حدیثوں کو کتاب کی ضخامت کی وجہ سے چھوڑ دیا یا اس وجہ سے چھوڑ دیا کہ وہ ان کے سخت سند کی معیار پر پوری نہیں اترتی تھیں۔ تفصیل کے لئے فتح الباری، تفسیر الاسلام، برہان المسابین وغیرہ ملاحظہ فرمائیں۔

(۱۶) صلاح الدین صاحب تحریر فرماتے ہیں :-

”مسعود احمد صاحب کے پورے لٹریچر میں عقائد و افکار پر زیادہ زور ہے۔ اعمال اور بالخصوص معاملات پر کم۔ میرا شعور ایمان اور تصور آخرت دوسرے پہلو کو

زیادہ اہمیت دینے پر خود کو مجبور پاتا ہے“ (حوالہ مذکور ص ۱۱۱ کالم ۱)  
 المسلم | یہ الزام ہے۔ صلوٰۃ المسلمین، صوم المسلمین، زکوٰۃ المسلمین، حج المسلمین اور  
 بالخصوص منہاج المسلمین اور تفسیر قرآن عزیز اس الزام کی تردید کے لئے کافی ہیں۔  
 اگر عقائد پر زیادہ زور ہے تو کوئی قابل اعتراض بات بھی نہیں اس لئے کہ عقائد کی خرابی تو کافر  
 کر دیتی ہے۔ اعمال کی خرابی سے کافر نہیں ہوتا۔ اعمال کی قبولیت کے لئے قرآن مجید میں جگہ جگہ  
 ”وَهُوَ مُؤْمِنٌ“ کی شرط ہے یعنی عقیدہ اگر صحیح ہو گا تو اعمال فائدہ دیں گے ورنہ نہیں۔  
 (۱۷) صلاح الدین صاحب تحریر فرماتے ہیں :-

”میری تحریر کے جس اقتباس کی بنیاد پر مسعود احمد صاحب نے ڈاکٹر اسرار احمد کے  
 موقف کے حوالے سے ان کی اور اپنی جانب سے تردید فرمائی ہے اس میں ”اپنی پسند  
 کی کسی نہ کسی جماعت“ کے الفاظ کو ”ان کی اپنی جماعت“ سے بدل دیا گیا ہے یوں  
 مفہوم کچھ سے کچھ ہو گیا ہے“ (حوالہ مذکور ص ۱۱۱ کالم ۱)  
 المسلم | ہم یہاں صلاح الدین صاحب کے مضمون کا متعلقہ اقتباس پیش کرتے ہیں۔ اس  
 اقتباس سے صاف ظاہر ہو جائے گا کہ مفہوم میں کوئی فرق نہیں آیا۔  
 صلاح الدین صاحب لکھتے ہیں :-

”انہی (آیات و احادیث) کی بنیاد پر بعض جماعتوں کے بانی رہنما مسلمانوں کے لئے  
 اپنی پسند کی کسی نہ کسی جماعت سے وابستگی کو فرض عین قرار دیتے ہیں اور وجوب و  
 لزوم کا فتویٰ صادر کرتے ہیں۔ اس معاملہ میں تنظیم اسلامی کے سربراہ ڈاکٹر اسرار احمد  
 صاحب اور جماعت المسلمین کے بانی جناب مسعود احمد صاحب سرفہرست ہیں۔ دوسری  
 جماعتیں بھی جن میں احرار، خاکسار، تبلیغی جماعت، جماعت اسلامی، جمعیت علمائے  
 پاکستان، جمعیت علمائے اسلام، جمعیت احمدیہ اور دوسری دینی جماعتیں شامل  
 ہیں اپنے اپنے لٹریچر میں انہی آیات اور احادیث کو اپنے قیام کے جواز میں پیش  
 کرتی ہیں لیکن ان کے ہاں وہ شدت نہیں جو ڈاکٹر اسرار احمد اور جناب مسعود احمد  
 کے موقف میں پائی جاتی ہے۔ مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی بھی اگرچہ ایک ہمہ گیر  
 اسلامی انقلابی جماعت کے بانی ہیں لیکن وہ جماعتی زندگی کی ضرورت و اہمیت پر  
 غیر معمولی زور دینے کے باوجود اُسے شرائط ایمان میں شامل نہیں کرتے“ (تکبیر



شمارہ ۳۴ موزعہ ۱۹ نومبر ۱۹۹۲ء صفحہ ۹ کالم ۲

المسلم | اقتباس بالاین خط کشیدہ عبارت "اپنی پسند کی" سے مراد عوام کی اپنی پسند مراد ہے  
تو پھر شدت کی شکایت صحیح نہیں اور اگر شدت کی شکایت بجا ہے تو "اپنی پسند کی"  
سے مراد "ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کی اپنی پسند کی جماعت" کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے۔

دوسری خط کشیدہ عبارت سے ظاہر ہوتا ہے کہ "تنظیم اسلامی" میں شامل ہونا شرط ایمان  
ہے۔ کیا اب بھی یہ کہا جاسکتا ہے کہ ڈاکٹر صاحب کے نزدیک جو شخص "تنظیم اسلامی" میں شامل  
نہ ہو وہ مؤمن ہے۔ ڈاکٹر صاحب پر جو الزام صلاح الدین صاحب نے لگایا تھا اب اس کا تاویل  
کے ذریعہ انکار فرما رہے ہیں۔ ہم اپنے مضمون میں ثابت کر چکے ہیں کہ ڈاکٹر صاحب کے نزدیک  
جو شخص تنظیم اسلامی میں شامل نہ ہو وہ کافر نہیں۔

(۱۸) ڈاکٹر صاحب کی جس شدت کا ذکر اوپر گذرا اس شدت میں بقول صلاح الدین صاحب  
جماعت المسلمین بھی شریک ہے یعنی جماعت المسلمین میں شرکت فرض عین واجب، لازم  
اور شرط ایمان ہے۔ دوسرے نغظوں میں جو شخص جماعت المسلمین میں شامل نہ ہو وہ کافر ہے۔  
ہم نے جناب صلاح الدین صاحب سے مطالبہ کیا تھا کہ وہ ہماری کتاب سے ثابت کریں کہ "جو شخص  
جماعت المسلمین میں شامل نہ ہو وہ کافر ہے" وہ ہماری کسی ایسی تحریر کا حوالہ نہیں دے سکے اور  
تقلید کی بحث چھیڑ بیٹھے اور "التحقیق فی جواب الثقلید" سے چند اقتباسات پیش کر کے انہوں نے  
یہ ثابت کرنے کی کوشش کی کہ "مقلد" کافر ہے۔ صلاح الدین صاحب "مقلد کافر ہے" اور "جو  
شخص جماعت المسلمین میں شامل نہ ہو وہ کافر ہے"۔ یہ دو علیحدہ علیحدہ مسئلے ہیں۔ ایک کے ثبوت  
سے دوسرا ثابت نہیں ہوگا۔ پہلے جملہ کا اثر صرف ان لوگوں پر پڑتا ہے جو تقلید کرتے ہیں۔ دوسرے  
جملہ کا اثر تمام لوگوں پر پڑتا ہے خواہ وہ تقلید کریں یا تقلید نہ کریں۔

صلاح الدین صاحب ہم نے پہلے ہی لکھ دیا تھا کہ ہم فعل کفر کو کفر تو ضرور کہتے ہیں لیکن  
کسی کو کافر نہیں کہتے۔ تقلید کے سلسلہ میں جو اقتباسات صلاح الدین صاحب نے نقل کئے ہیں ان  
میں بھی یہ تقیید ملتا ہے۔ ہم نے تقلید کو کفر تو کہا لیکن مقلد کو کہیں بھی کافر نہیں کہا۔ صلاح الدین  
صاحب یہ تاثر دے رہے ہیں کہ ہم نے کافر کہا۔ ہم نے فعل تقلید کو کفر کہا۔ صلاح الدین صاحب نے نتیجہ  
خود نکالا کہ "مقلد کافر ہے"۔ یہی شرک کی بحث تو یہ ایسی کوئی چیز نہیں جو ہماری ایجاد ہو۔ ایمان  
کے ساتھ شرک تو قرآن مجید سے ثابت ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :-



وَمَا يُؤْمِنُ أَكْثَرُهُمْ بِاللَّهِ إِلَّا  
وَهُمْ مُشْرِكُونَ ۝ (یوسف - ۱۰۶) ہوتے ہیں۔

یعنی صرف کافر ہی مشرک نہیں ہوتے، ایمان والوں کی اکثریت بھی مشرک ہوتی ہے۔  
اللہ تعالیٰ ایک اور مقام پر فرماتا ہے :-

الَّذِينَ آمَنُوا وَلَمْ يَلْبِسُوا إِيمَانَهُمْ  
بِظُلْمٍ أُولَٰئِكَ لَهُمُ الْأَمْنُ وَهُمْ  
مُهْتَدُونَ ۝ (الانعام - ۸۳)

نوٹ :- اس آیت میں ظلم کے معنی شرک خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بتائے  
ہیں۔ (صحیح بخاری)

الغرض مندرجہ بالا آیتوں سے ثابت ہوا کہ اکثر کلمہ گو بھی مشرک ہوتے ہیں۔ اب ان کا کیا  
حشر ہوگا اللہ تعالیٰ ہی کو معلوم ہے۔ ہم تو قرآن مجید کی روشنی میں بس اتنا کہہ سکتے ہیں کہ شرک  
بخشنا نہیں جائے گا۔

(۱۹) صلاح الدین صاحب التحقیق سے ہمارے مضمون کا ایک اقتباس پیش کرتے ہیں جو درج  
ذیل ہے :-

” (احکام الہی کی) شرح بھی وہی حجت ہوگی جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ  
سے ملے گی اور جو شرح رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ذریعہ نہ پہنچے بلکہ خود ساختہ  
ہو تو وہ شرح اللہ کی شرح کے مقابلہ میں واقع ہوگی اور اسی لئے شرک ہوگی۔ شارح  
بھی اللہ اور شارح بھی اللہ۔ اگر امام کو آپ شارح سمجھتے ہیں تو یہ بھی شرک ہے۔“  
(تکبیر شمارہ ۷ مورخہ ۱۸ فروری ۱۹۹۳ء ص ۱۳۱ کالم ۱)

یہ اقتباس نقل کرنے کے بعد صلاح الدین صاحب لکھتے ہیں :-

”یہاں اللہ اور رسول اور قرآن اور حدیث کے مساوی الحیثیت ہونے کا وہی تصور  
کارفرما ہے جس کی جانب تمہید میں اشارہ کیا گیا تھا۔“ (تکبیر ۷ مورخہ ۱۸ فروری  
۱۹۹۳ء ص ۱۳۱ کالم ۱)

المسلم | صلاح الدین صاحب کو غلط فہمی ہوئی۔ ہم یہ تو نہیں کہہ سکتے کہ وہ قصداً لوگوں کو غلط فہمی  
میں مبتلا کر کے ہمیں بدنام کر رہے ہیں۔ ہمارے مندرجہ بالا اقتباس سے یہ نتیجہ نکالنا

کہ: ”اللہ اور رسول کی مسادہ حیثیت ہے اور قرآن مجید اور حدیث نبوی مسادہ الحیثیت ہیں“ انصاف کا خون کرنا ہے۔ اس سلسلہ میں ہم پہلے وضاحت کر چکے ہیں کہ قرآن مجید اور حدیث نبوی حیثیت اور اتباع کے لحاظ سے یکساں ہیں نہ کہ ہر لحاظ سے یعنی احکام الہی اور احکام رسول واجب الاطاعت ہونے کے لحاظ سے یکساں ہیں۔

(۲۰) صلاح الدین صاحب لکھتے ہیں :-

”مسعود احمد صاحب نے غضب یہ کیا کہ اپنی جماعت کا نام ”جماعت المسلمین“ رکھا اور یہ سمجھ لیا کہ اس حدیث میں جس جماعت کا ذکر کیا گیا ہے وہ یہی ان کی قائم کردہ جماعت ہے۔ یہ ایسا ہی ہے جیسے کوئی شخص اپنا نام ”محمد“ یا ”احمد“ رکھ لے اور خود کو اصل محمد یا احمد کے متبادل قرار دے ڈالے“ (تکبیر شمارہ ۷ مورخہ ۱۸ فروری ص ۱۷۱ کالم ۱)

المسلم | صلاح الدین صاحب نے کیا خوب نتیجہ نکالا ہے اس کی داد تو قارئین کرام ہی دیں گے۔ کم علم علماء کی طرح یہ پھبتی صلاح الدین کو زیب نہیں دیتی۔ صلاح الدین صاحب کا مطلب یہ ہے کہ ہم ”جماعت المسلمین“ کے علاوہ کوئی اور نام رکھتے۔ ہم پوچھتے ہیں کیوں رکھتے؟ جب اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ایمان والوں کی جماعت کا نام رکھ چکے تو اس کے بجائے دوسرا نام کیوں رکھیں۔ ہمارے مخالفین تمللا اٹھے ہیں کہ افسوس یہ سعادت ہمیں نصیب نہیں ہوئی۔ اب حد اور تعصب میں کیسے کیسے طنز ہم پر کر رہے ہیں۔

(۲۱) عجیب و غریب۔ صلاح الدین صاحب لکھتے ہیں :-

”اللہ کی صفت رحم و کرم کا تو یہ عالم ہے کہ وہ غیر مسلموں کو بھی ایمان اور اعمال صالحہ پر اجر و انعام کی بشارت دیتا ہے“ (حوالہ مذکور ص ۱۳ کالم ۲ و ۳)  
المسلم | کیا غیر مسلموں کو غیر مشروط بشارت دی گئی ہے یا کوئی شرط بھی رکھی گئی ہے۔ شرط تو یقیناً ہے اور وہ ہے ایمان اور عمل صالح کی۔ کیا اس شرط کو پورا کرنے کے بعد بھی وہ غیر مسلم رہیں گے۔ اگر نہیں رہیں گے تو پھر وہ مسلم ہوں گے اور مسلم بن کر اللہ کے رحم و کرم کے مستحق ہوں گے۔ اس سے کس کو انکار ہے؟

(۲۲) طرفہ تماشا۔ صلاح الدین صاحب فرماتے ہیں :-



"یہاں صرف تین بنیادی باتوں پر جن میں سے دو کا تعلق عقیدے سے اور ایک کا عمل سے ہے (اللہ پر اور روزِ آخرت پر ایمان اور نیک عمل) اجر اور بخشش کی ذمہ داری جاری ہے اور آخری نبیؐ کو ملنے کی شرط بھی سرے سے ساقط کر دی گئی ہے۔"

(حوالہ مذکور ص ۳۱ کالم ۲)

المسلم | لیجئے صلاح الدین صاحب کے نزدیک نجات کے لئے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانا شرط نہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :-

قُلْ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ لَسْتُمْ عَلَى شَيْءٍ حَتَّى تُقِيمُوا الشُّرُوحَ وَالْإِنْجِيلَ وَمَا أُنْزِلَ إِلَيْكُمْ مِنْ رَبِّكُمْ (المائدہ - ۶۸)

(اے رسول) کہہ دیجئے اے اہل کتاب تم کسی چیز پر نہیں (یعنی تم ہدایت پر نہیں) جب تک تم تورات، انجیل اور اس کتاب کو جو تمہاری طرف تمہارے رب کی طرف سے نازل کی گئی ہے قائم نہیں کر دو گے۔

اس آیت میں قرآن مجید پر ایمان لانے کو شرط قرار دیا گیا ہے اور قرآن مجید پر کوئی شخص اسی وقت ایمان لا سکتا ہے جب وہ پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے رسول ہونے پر ایمان لائے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :-

إِنَّ الَّذِينَ يَكْفُرُونَ بِاللَّهِ وَرُسُلِهِ وَيُرِيدُونَ أَنْ يُفَرِّقُوا بَيْنَ اللَّهِ وَرُسُلِهِ وَيَقُولُونَ نُؤْمِنُ بِبَعْضٍ وَنَكْفُرُ بِبَعْضٍ وَيُرِيدُونَ أَنْ يَتَّخِذُوا بَيْنَ ذَلِكَ سَبِيلًا ۚ أُولَٰئِكَ هُمُ الْكَافِرُونَ حَقًّا ۚ وَأَعْتَدْنَا لِلْكَافِرِينَ عَذَابًا مُهِينًا ۝

جو لوگ اللہ اور اس کے رسولوں کا انکار کرتے ہیں اور اللہ اور اس کے رسولوں کے درمیان تفریق کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم بعض پر تو ایمان لاتے ہیں اور بعض کا انکار کرتے ہیں اور بیچ میں ایک راستہ نکالنا چاہتے ہیں یہ لوگ حقیقی کافر ہیں۔ ہم نے کافروں کے لئے ذلت کا عذاب تیار کر رکھا ہے۔

(النساء - ۱۵۰ و ۱۵۱)

اس آیت سے معلوم ہوا کہ تمام رسولوں پر ایمان لانا ضروری ہے اور جو شخص ایسا نہیں کرتا وہ یقیناً کافر ہے۔



اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :-

قُلْ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ  
إِنِّي كَمِثْلُكُمْ جَمِيعًا (الاعراف - ۱۵۸)

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر شخص کو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت پر ایمان

لانا ضروری ہے۔

الغرض اس قسم کی متعدد آیتیں ہیں۔ ایمان والوں کے لئے تو ایک ہی آیت کافی ہے۔  
مزید برآں کوئی عمل صالح نہیں ہو سکتا جب تک سنت کے مطابق نہ ہو۔ سنت کے خلاف  
جو عمل بھی ہو گا وہ صالح نہیں ہو گا اور سنت کے مطابق عمل محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ  
وسلم کی نبوت پر ایمان لانے کو مستلزم ہے لہذا آیت زیر بحث سے آخری نبی صلی اللہ علیہ وسلم  
پر ایمان لانے کی شرط ساقط نہیں ہوتی۔

(۲۳) صلاح الدین صاحب تحریر فرماتے ہیں :-

”آخری نبیؐ کو نہ ملنے والوں کے لئے بھی اللہ کی طرف سے محض اپنی ذات پر اور  
آخرت پر ایمان رکھنے اور نیک عمل کرنے کی بناء پر اجر کی بشارت اور خوف ورنج  
سے تحفظ کی ضمانت“ (تکبیرت مورخہ ۱۸، فروری ص ۱۳۱ کالم ۲)  
المسلم | علمائے کرام کے لئے تبلیغ سے چھٹی کی بشارت صلاح الدین صاحب نے دیدی ہے  
اب انہیں صلاح الدین صاحب کا شکریہ ادا کرنا چاہیئے۔

(۲۴) صلاح الدین صاحب تحریر فرماتے ہیں :-

”حنفی، شافعی، حنبلی اور مالکی سب مسالک ہیں فرقے نہیں۔ اساسیات دین پر ان  
کے درمیان کوئی اختلاف نہیں۔ فرقہ کی مثال تو معتزلہ جیسی ہے جنہوں نے قرآن کو مانا  
تو ضرور مگر اس کے متن کو کلام الہی کے بجائے مخلوق کا درجہ دیدیا“ (حوالہ مذکور ص ۱۳۱  
کالم ۲)۔

المسلم | صلاح الدین صاحب یہ مسلک کیا چیز ہے؟ کیا عہد رسالت میں اس کا کوئی ثبوت  
ملتا ہے؟ مزید برآں یہ بھی بتائیں کہ کلام الہی کو غیر مخلوق ماننا کیا ایمانیات میں شامل  
ہے۔ اگر ہے تو قرآن مجید یا احادیث میں ایمانیات کی فہرست میں اس عقیدہ کا کہیں ذکر ملتا ہے۔  
اگر ملتا ہے تو بتائیں۔

نوٹ :- مندرجہ بالا سوالات کا یہ مطلب نہیں کہ ہم قرآن مجید کو مخلوق مانتے ہیں۔  
 صلاح الدین صاحب ذرا یہ تو بتائیے کہ اساسیات دین کون کون سے ہیں جن میں یہ سب  
 متفق ہیں۔ ہمیں تو یہ بتایا جاتا ہے کہ عقائد میں بھی ان کے تین گروہ ہیں :- اشاعہ، ماتریدیہ اور  
 خنابلہ پھر یہ اساسیات دین میں متفق کیسے ہوئے؟

(۲۵) صلاح الدین صاحب تحریر فرماتے ہیں :-

”اگر مسعود احمد صاحب معلم قرآن و سنت کا منصب سنبھال کر اپنے پیروکاروں  
 کے لئے ہدایت اور رہنمائی کا کام انجام دے سکتے ہیں اور ان کے علم پر اعتماد رکھنے  
 والے پیروکار ان سے یہ سمجھ کر استفادہ کر سکتے ہیں کہ کوئی دوسرا ان کی رائے میں ان  
 کا ہمسر یا ہم پلہ نہیں تو پھر امت مسلمہ کے اندر یہی طرز عمل دوسروں کے لئے ممنوع  
 اور حرام کیوں ہے“ (حوالہ مذکور ص ۱۴۱ کالم ۱)

المسلم | مسعود احمد کا کوئی پیرو نہیں، سب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیرو ہیں۔  
 مسعود احمد اپنی کوئی رائے دیتے ہی نہیں اور کہتے ہیں کہ کسی کو بھی دین الہی میں رائے دینے  
 کا اختیار نہیں۔ مسعود احمد مبلغ ہیں، شارع نہیں ہیں۔

(۲۶) صلاح الدین صاحب تحریر فرماتے ہیں :-

”مسائل کو دریا برد کرنے کا اختیار انہیں کس اتھارٹی نے عطا فرمایا ہے (حوالہ  
 مذکور ص ۱۴۱ کالم ۱)

المسلم | اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان نے۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے  
 ہیں :-

مَنْ رَأَى مِنْكُمْ مُنْكَرًا فَلْيُغَيِّرْهُ  
 بَيِّنَةً (صحیح مسلم کتاب الایمان)  
 جو شخص تم میں سے کوئی بری بات دیکھے تو اسے  
 چاہیے کہ اپنے ہاتھ سے اسے بدل دے۔  
 منکر کی مثال اس سے بڑی اور کیا ہوگی کہ ایک اسلام کے کئی اسلام بنائے۔ پہلے گزر چکا  
 ہے کہ حدیث میں دس کوڑے سے زیادہ کی ممانعت ہے لیکن فقہ میں اجازت ہے۔ کیا اسی کا نام  
 اسلام ہے۔

(۲۷) صلاح الدین صاحب لکھتے ہیں :-

”حضرت امیر معاویہؓ، حضرت امام حسینؓ اور حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کے درمیان



خلافت کے مسئلہ پر نزاع کیوں رہا، تلواریں کیوں نکلیں، خون کیوں بہا؟ (حوالہ مذکور

ص ۱۴ کالم ۲)

المسلم | تاریخ کے ان افسانوں میں سے سچائی کی کشید جوئے شیر لانے کے مانند ہے۔ انتظامی امور یا نصب خلیفہ پر اختلاف تھا۔ دینی فرقے نہیں بنے تھے۔ اگر بنے ہوتے تو آج حنفی، شافعی کی طرح کوئی معاویائی، موتا، کوئی حسینی اور کوئی زہیری ہوتا۔ صلاح الدین صاحب نے جو کچھ لکھا ہے اگر صحیح ہے تو اسے اچھا کون کہتا ہے، جو کچھ ہوا برا ہوا۔ صحابہ کرام کے درمیان تلواریں چلنے کی روایتیں جعلی ہیں۔

(۲۸) صلاح الدین صاحب تحریر فرماتے ہیں :-

”قرآن و سنت پر حضرت عمر فاروقؓ کی بھی پوری نظر تھی اور حضرت علیؓ بھی ان سے کم نہیں، کچھ آگے ہی تھے“ (حوالہ مذکور ص ۱۴ کالم ۲)

المسلم | مجموعی حیثیت سے علم میں حضرت علیؓ کو حضرت عمرؓ پر فوقیت دینا صحیح نہیں۔ اس میں شیعیت کی جھلک پائی جاتی ہے۔

(۲۹) صلاح الدین صاحب تحریر فرماتے ہیں :-

”حضورؐ نے حج کے دوران نماز قصر کی۔ حضرت عثمانؓ نے ہمیشہ پوری نماز ادا کی کیونکہ وہ مکہ میں خود کو مسافر نہیں سمجھتے تھے“ (حوالہ مذکور ص ۱۴ کالم ۲)

المسلم | اس میں کونسا اختلاف ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی مقیم ہوتے تھے تو چار پڑھتے تھے۔ حضرت عثمانؓ نے بھی ایسا ہی کیا۔ حضرت عثمانؓ نے اپنے کو مقیم کیوں تصور کیا اس کی وجہ انہوں نے بتادی تھی۔ وہ وجہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے معاملہ میں نہیں تھی۔

فہم کے اختلاف سے اجتہادی اختلاف ایک فطری چیز ہے لیکن حق کے واضح ہو جانے کے بعد اپنے اجتہاد پر قائم رہنا بہت بری بات ہے اور ہم اسی کی برائی بیان کرتے ہیں۔ حق مل جانے کے بعد اجتہاد کی غلطی ظاہر ہو جاتی ہے۔ ایسی صورت میں اگر آدمی رجوع کر لیتا ہے جیسا کہ بقول صلاح الدین صاحب حضرت عمرؓ نے کیا تو بہت خوب اور اگر نہیں کرتا تو پھر یہ بہت قبیح فعل ہے۔ امت کا اختلاف اجتہادی نہیں، تقلیدی ہے اور اسی تقلیدی اختلاف نے امت کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیے۔ اب کوئی رجوع نہیں کرتا، جو جس ڈگر پر چلا جا رہا ہے چلا جا رہا ہے اختلاف



اگرچہ فطری چیز ہے لیکن اختلاف پر جم جانا، بحث مباحثہ کرنا، اختلاف کو ہوا دینا اور فرقے بنالینا قطعاً حرام ہے۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں :-  
وَلَا تَخْتَلِفُوا (صحیح بخاری) اختلاف نہ کیا کرو۔

بہر حال اگر صحابہ کرام میں وقتی اور عارضی اختلاف ہو بھی گیا تو نہ کوئی ابو بکری بنا اور نہ کوئی عمری بنا۔ دین کتاب و سنت ہی میں مرکوز رہا۔

لوگوں کے سامنے حق واضح ہو گیا ہے کہ ایمان والوں کا نام "مسلمین" ہے پھر بھی اڑے ہوئے ہیں کہ اہلحدیث نام درست ہے۔ اسے کیا کہا جائے۔

صلاح الدین صاحب نے صحابہ کے اختلاف کی بعض ایسی مثالیں بھی دی ہیں جو محض انتہائی امور سے تعلق رکھتی ہیں۔ ان کو دینی اختلاف کی مثال میں پیش کرنا صحیح نہیں۔  
(۳۰) صلاح الدین صاحب لکھتے ہیں :-

"حضرت امیر معاویہؓ سے حضرت امام حسنؓ نے بیعت نہیں کی، حضرت امام حسینؓ نے نہیں کی اور نوبت جدال و قتال تک پہنچی" (حوالہ مذکور کالم ۱)

المسلم | صلاح الدین صاحب اس کا ثبوت دیکھئے :-

(۳۱) صلاح الدین صاحب تحریر فرماتے ہیں :-

"اگر رائے اور مسلک کے واضح اختلافات اور ان میں سے کسی کی حمایت یا مخالفت کے باوجود پورے گروہ صحابہ کا ایمان سلامت رہا تو بعد میں امام ابو حنیفہ، امام شافعی، امام مالک اور امام حنبل کے لئے یا ان کے پیروکاروں کے لئے حرام کیوں ہو گیا؟

المسلم | صحابہ کا محولہ بالا اختلاف اور حمایت یا مخالفت تنظیمی امور میں تھی۔ اگر دینی امور میں بھی تھی تو عارضی۔ نہ انہوں نے اختلاف کو ہوا دی اور نہ کوئی فرقہ بنایا۔ انہم اربعہ نے

بھی ایسا ہی کیا۔ ہم ان میں سے کسی کو برا نہیں کہتے۔ ہم تو ان کو برا کہتے ہیں جنہوں نے اختلافات کو ہوا دی، اپنے یا اپنے کسی بزرگ کے اجتہاد پر جم گئے، پھر اس اجتہاد کے دفاع کے لئے اصول بنائے اور آیت یا حدیث کو اس اصول کی روشنی میں مسترد کر دیا، فرقے بنائے اور فرقوں کی حفاظت کے لئے یہ اصول وضع کیا کہ ان چار کے باہر حق نہیں، مثال کے طور پر دو اصول ملاحظہ فرمائیے :-

ابو الحسن عبید اللہ کرخی لکھتے ہیں :-

ان کل خبر یجئ بخلاف قول بے شک ہر اس حدیث کو جو ہمارے اصحاب

اصحابنا فانہ یحمل علی النسخ  
او علی انہ معارض بمثلہ شمر  
صار الی دلیل اخر او ترجیح  
فیہ بما یحتج اصحابنا من وجوہ  
الترجیح او یحمل علی التوفیق -  
(اصول کرنی اصل ۲۹)

(یعنی فقہائے حنفیہ کے خلاف ہوگی نسخ  
پر محمول کیا جائے گا یا یہ سمجھا جائے گا کہ یہ اُس  
جیسی کسی دوسری حدیث کے خلاف ہے پھر  
کوئی اور ایسی دلیل یا وجہ ترجیح ان وجوہ  
ترجیح میں سے جن کی بنیاد پر ہمارے اصحاب  
حجت قائم کرنے میں لائی جائے گی یا اُسے  
تطبیق پر محمول کیا جائے گا۔

اس اصول نے مفروضہ پر مفروضہ قائم کر کے کس طرح صحیح حدیث کو تسلیم نہ کرنے کی  
تربیت دی ہے۔

یہ اصول صرف احادیث ہی تک محدود نہیں بلکہ قرآن مجید کی آیات بنیات بھی اسی  
جیسے اصول کے تحت تسلیم نہیں کی جاتیں۔ ابوالحسن کرنی لکھتے ہیں :-

ان کل آیۃ تخالف قول اصحابنا  
فانہا تحمل علی النسخ او علی  
الترجیح والاولی ان نحمل  
علی التاویل من جهة التوفیق  
(اصول کرنی اصل ۲۸)

بے شک ہر وہ آیت جو ہمارے فقہاء  
کے قول کے خلاف ہوگی اُسے یا تو نسخ پر  
محمول کیا جائے گا یا ترجیح پر محمول کیا جائے  
گا اور اولیٰ یہ ہے کہ اُس آیت کو تاویل پر  
محمول کیا جائے تاکہ توافق ظاہر ہو جائے۔

صلاح الدین صاحب بتائیے کیا یہی وہ اسلام ہے جس کا آپ دفاع کر رہے ہیں۔ ائمہ  
اربعہ کا تو ہم بھی دفاع کرتے ہیں لیکن ان اصولوں اور ان اصولوں پر بنائے گئے مذہب اور  
فرقہ بندی کو ہم تسلیم نہیں کرتے۔ ان کو دریا برد کرنا چاہتے ہیں تاکہ وہ صحیح اسلام آئے جو  
ان اصولوں کی بھینٹ چڑھا دیا گیا۔

(۳۲) صلاح الدین صاحب تحریر فرماتے ہیں :-

”رسول اللہؐ کے زمانہ میں جس جماعت کے لئے ”الجماعۃ“ اور ”جماعت المسلمین“

کی اصطلاح استعمال ہوتی تھی کیا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اختلاف رائے اور متعدد مواقع

پر باہمی نزاع کے باعث اس سے خارج بھی تھے۔“ (حوالہ مذکور ص ۱۵۱ کالم ۱)

المسلم | صحابہ کرام اور موجودہ فرقوں کے اختلاف کی نوعیت یکساں نہیں ہے اور یہ ہم پہلے



ثابت کر چکے ہیں لہذا ان کا "الجماعۃ" سے اخراج کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ ہم پھر اپنی بات کو دوہراتے ہیں کہ ان میں نہ فرق تھے، نہ دینی نزاع کبھی ہوا، رہا دنیاوی نزاع تو اس کی حیثیت بھی افسانے سے زیادہ نہیں (تاریخ مطول کا انتظار کیجیے)۔

(۳۳) صلاح الدین صاحب تحریر فرماتے ہیں :-

"جماعت کے بغیر اسلام نہیں کا مطلب یہ نہیں کہ عقیدہ کے طور پر اس کی نفی ہو گئی۔۔۔۔۔۔ یہ نفی اور اثبات کا پیرایہ اظہار نہیں کسی چیز کی اہمیت واضح کرنے کا ایک مؤثر اور دلنشین اسلوب ہے۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی کسے صحت کے بغیر زندگی نہیں یہاں زندگی کے لئے صحت کی اہمیت پر زور دینا مقصود ہے" (حوالہ مذکور ص ۱۵ کالم ۱)

المسلم | صحت کے بغیر زندگی نہیں یہ تو ایک محاورہ ہے لیکن کیا امیر کے بغیر جماعت نہیں یہ بھی ایک محاورہ ہے۔ اگر امیر نہ ہو تو یقیناً جماعت نہیں ہوگی بھیڑ ہوگی۔ صلاح الدین صاحب کی جماعت یقیناً امیر سے محروم ہے لہذا اسے "الجماعۃ" کہنا ہی صحیح نہیں۔

(۳۴) صلاح الدین صاحب تحریر فرماتے ہیں :-

"آغاز صلاح الدین کی "الجماعۃ" (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قائم کردہ) کے ذکر سے ہوا تھا، وہ اپنے امیر (محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) سے محروم ہے۔"

(حوالہ مذکور ص ۱۵ کالم ۲)

المسلم | صلاح الدین صاحب نے شکست کا اعتراف کر لیا۔ اس وقت "الجماعۃ" کا امیر کوئی نہیں۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم امیر ہیں، اس طرح انہوں نے امیر کی کمی کو پورا کر لیا۔ سوال یہ ہے کہ اس وقت اگر جہاد ہو تو کس کی قیادت میں ہوگا؟ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فیصلہ کریں گے کو نہ سادستہ کس طرف چلے، کس وقت جائے۔ وہ جماعت جو بغیر امیر کے ایک بھیڑ ہے کس کی اطاعت کرے تاکہ یکجہتی باقی رہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی امانت کیا وقتی امیر کی ضرورت سے بے نیاز کر سکتی ہے۔

(۳۵) صلاح الدین صاحب تحریر فرماتے ہیں :-

"مسلمانوں کی اس وقت ۵۰ آزاد ریاستیں ہیں اور قوت نافذہ انہی کے ہاتھوں میں ہے پھر الجماعۃ معدوم اور اسلام ناپسید کیسے ہو گیا۔" (حوالہ مذکور ص ۱۵ کالم ۳)



المسلم | صلاح الدین صاحب دامطلب یہ ہے کہ یہ ریاستیں "الجماعۃ" ہیں اور ان کے فرمانروا قوت نافذہ کے مالک ہیں یعنی خلیفہ ہیں۔ ایسی "الجماعۃ" اور ایسے خلیفہ ان کو مبارک ہوں۔ جہاں فرمانروا اور انتظامیہ کیونٹ ہو، ملحد ہو، اسلام کا مذاق اڑاتی ہو، پیشاب سے پاکیزہ چیزیں لکھتی ہو وہاں "الجماعۃ" کا وجود ہمیں تو تسلیم نہیں۔ کوئی ایک ملک تو بنا دیجئے جہاں کافر ماں ردا دل سے اسلام کی ترقی کا خواہشمند ہو، اسلام کا سچا وفادار ہو۔ سیاسی طور پر اسلام کا نام لینے اور سیاسی طور پر عید کی نماز پڑھنے سے اگر کوئی دہریہ خلیفہ بن سکتا ہے تو ایسے خلیفہ کو صلاح الدین صاحب ہی شرعی معنی میں خلیفہ تسلیم کر سکتے ہیں۔

(۳۶) صلاح الدین صاحب تحریر فرماتے ہیں :-

"مسلمان نہ حکومت کی سطح پر معدوم ہوئے اور نہ اصلاحی اور عوامی سطح پر پھر مسعود احمد صاحب کا اخذ کردہ نتیجہ کیسے تسلیم کیا جائے" (حوالہ مذکور ص ۱۵۱ کالم ۲)

المسلم | حکومت کی سطح پر جو لوگ ہیں وہ اسلام کے وفادار نہیں۔ وہ ہر اسلامی تحریک کو کچلنے والے تو ضرور ہیں اسلام کے غیر خواہ نہیں لہذا حکومت کی سطح پر مسلم یقیناً معدوم ہیں۔ اصلاحی اور عوامی سطح پر اگر کچھ کام ہو رہے تو خالص اسلام کے لئے شاید ہی کوئی کام ہوا ہو۔ ایسی صورت میں ہمارا نتیجہ بالکل صحیح ہے۔ ہم شرک کو اسلام نہیں کہہ سکتے۔ اگر صلاح الدین صاحب کے نزدیک جلوس اور جلسوں کا نام اسلام ہے تو پھر بے شک عوام میں اسلام موجود ہے۔

(۳۷) صلاح الدین صاحب لکھتے ہیں :-

"میرا موقف یہ ہے کہ اسلامی ریاست میں اولی الامر ہی کی اطاعت کی جائے گی"

(حوالہ مذکور ص ۱۵۱ کالم ۲)

المسلم | بالکل صحیح ہے۔ اگر اسلامی ریاست نہ ہو تو پھر جماعت کے اس امیر کی اطاعت کی جانی چاہئے جو جماعت 'اسلامی ریاست' کو قائم کرنے کے لئے کوشش کر رہی ہو۔ ایسے امیر کی اطاعت کئے بغیر اسلامی ریاست کا قیام ناممکن ہے۔ جس اطاعت کے بغیر اسلامی ریاست قائم نہ ہو سکے بھلا وہ ضروری کیوں نہ ہوگی۔ اول الامر میں ہر قسم کا امیر شامل ہے۔ حکومت کی قید خود ساختہ ہے۔ صلاح الدین صاحب بھی بے حکومت امیر کی اطاعت کو ضروری سمجھتے ہیں جیسا کہ انہوں نے لکھا ہے "بے حکومت امیر کی اطاعت کی جائے گی" (حوالہ مذکور کالم ۲ سطر ۲۰ اور سطر ۳۳ و ۳۴)

(۳۸) صلاح الدین صاحب تحریر فرماتے ہیں :-

”اسلامی ریاستیں بھی موجود ہیں اور ان کے امیر بھی“ (حوالہ مذکور ص ۱۷ کالم ۱)

المسلم | اسلامی ریاستوں کے امیر سے صلاح الدین صاحب کی مراد ان ریاستوں کے بادشاہ یا صدر ہیں۔ ان میں سے تقریباً سب عقیدتاً نہیں تو عملاً ضرور اسلام سے بیزار ہیں ان کو امیر یا خلیفہ کا لقب دینا اس لقب کی توہین ہے۔ عوام کی اکثریت بدعات، مشرکانہ رسوم، جیسے اور جلوس، اسلام کے متوازی خود ساختہ جعلی اسلام کے متبع ہیں۔ پھر بھی صلاح الدین صاحب کے نزدیک وہ ریاستیں اسلامی ریاستیں ہیں۔ سعودی عرب کے متعلق شاید صلاح الدین صاحب حسن ظن رکھتے ہوں گے لیکن وہ خود جا کر دیکھ لیں کہ وہاں کیسا اسلام ہے۔ ابھی حال ہی میں سعودی حکومت کے کفر پر عربی زبان میں ایک کتاب شائع ہوئی۔ بہر حال ان ریاستوں کے جیسے امیر ویسی ہی رعایا۔ گزہ میں مکتب دہمی ملا۔ کار پفلاں تمام خواہ شد۔ اصلاحی تحریکوں میں بھی یہ کہیں نہیں ہے کہ اصل اسلام کی طرف آؤ اور یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ اصلاحی تحریکیں بھی مصلحت کا شکار ہیں۔ وہ اصل اسلام کی دعوت کے نتائج کا پہلے سے اندازہ لگا کر اس سے صرف نظر کرتے ہیں۔

(۳۹) صلاح الدین صاحب تحریر فرماتے ہیں :-

”جب ریاست ہی نہیں بلکہ ”ریاستیں“ موجود ہیں تو ان کی قوت نافذہ بھی موجود ہے“ (حوالہ مذکور ص ۱۷ کالم ۱)

صلاح الدین صاحب ایک اور شمارہ میں تحریر فرماتے ہیں :-

”ادامر دنواہی کا تعلق ریاست کی قوت نافذہ ہی سے ہو سکتا ہے“ (تکبیر ص ۲)

مورخہ ۱۹ نومبر ۱۹۹۲ء کالم ۱

المسلم | ان ریاستوں کی قوت نافذہ جو کچھ کر رہی ہے اور اسلام کی بیخ کنی کے سلسلہ میں جو کچھ ہو رہا ہے صلاح الدین صاحب ہم سے زیادہ ہی واقف ہیں۔ ادامر دنواہی تو کجا جو کچھ ہو رہا ہے وہ اس فریضہ کی ضد ہے پھر بھی بقول صلاح الدین صاحب یہ اسلامی ریاستیں ہیں اور ان کے سربراہ امیر ہیں۔ صلاح الدین صاحب ہمیں مسلم امیر چاہتے، محض مسلم نام کا امیر نہیں چاہتے۔

(۴۰) صلاح الدین صاحب تحریر فرماتے ہیں :-

”امردنی کا جو کام افراد اور جماعتیں کر رہی ہیں اور تاریخ کے ہر عہد میں مسلسل



کرتی رہی ہیں ان کا مقصد ریاست اور اس کی قوت نافذہ کو تابع شریعت کرنا اور قیادت کو بہتر بنانا ہے۔ اس لئے یہ کام لا حاصل اور لا یعنی نہیں انتہائی

اہم اور قابل قدر ہے“ (حوالہ مذکور ص ۱۷۱ کالم ۱)

المسلم | صلاح الدین صاحب لکھ چکے ہیں کہ ادا امر و نواہی کا تعلق ریاست کی قوت نافذہ ہی سے ہو سکتا ہے اور اب یہاں یہ لکھ رہے ہیں کہ یہ کام جماعتیں اور افراد بھی کر رہے ہیں اور قوت نافذہ کو تابع شریعت بنانے کی کوشش میں مصروف ہیں گویا قوت نافذہ تابع شریعت نہیں اور نہ وہ ادا امر و نواہی کے فریضہ کو انجام دے رہی ہے پھر بھی ان جماعتوں اور افراد کا کام لا حاصل نہیں۔ یہی ہمارا کہنا ہے یعنی قوت نافذہ موجود ہو یا نہ ہو جماعتوں کو امر و نہی کے فریضہ کو ادا کرنا چاہیئے اور یہ اسی وقت ممکن ہے کہ جب ان کے امیروں کی اطاعت کی جائے خصوصاً ایسی صورت میں کہ قوت نافذہ یعنی خلیفہ موجود ہی نہ ہو تو خلافت کے قیام کے لئے کام کرنے والی جماعت کے امیر کی اطاعت اسی طرح لازمی ہوگی جس طرح خلیفہ کی۔ اگر ایسے امیر کی اطاعت نہ کی جائے تو قیام خلافت کا خواب کبھی شرمندہ تعبیر نہیں ہوگا۔

(۴۱) صلاح الدین صاحب لکھتے ہیں :-

”مسعود احمد صاحب جس طرح بیمار مسلمان کو معدوم بنا دیتے ہیں اسی طرح وہ غیر معیاری مسلم ریاستوں کو بھی وجود سے عدم میں پہنچا دیتے ہیں۔ ان کا انداز فکر یہ ہے کہ ہر شے معیار مطلوب کے ساتھ موجود تسلیم کی جائے گی اور معیار کی معمولی پستی کے ساتھ ہی وہ معدوم ہو جائے گی“ (حوالہ مذکور ص ۱۷۱ کالم ۱)

المسلم | صلاح الدین صاحب آپ مثالوں اور عقلی دلائل سے ہمیں لا جواب نہیں کر سکتے۔ بہر حال ہم آپ کے عقلی دلائل کا بھی تجزیہ کرتے ہیں۔ ہر وہ خلیفہ یا امیر جس کی حکومت میں اسلامی قانون نافذ ہو، وہ خود آکر مسجد میں نماز پڑھاتا ہو اگر خلفائے راشدین کے مقابلہ میں پست مقام پر ہو تو ہم اُسے برداشت کر لیں گے اور اس کو خلیفہ ہی مانیں گے، اس کی اطاعت کو لازم سمجھیں گے لیکن جو خلیفہ معیار میں صفر کے مقام سے بھی گر کر منفی مقام پر پہنچ جائے تو پھر اس کے لئے معیار کی پستی کا سوال ہی نہیں ہوگا۔ وہ معیار کے کسی بھی مقام پر ہونا تو کجا وہ تو معیار کی ضد ہوگا۔ مثلاً اگر کوئی خلیفہ غلطی ہی نہیں کرتا بلکہ غلطی ہی کی حمایت کرتا ہے، دین کے فروغ کے لئے کام نہیں کرتا بلکہ بے دینی پھیلاتا ہے اور دین کو برباد کرنے پر تلا ہوا ہے تو ایسے خلیفہ کو ہم گھٹیا



درجہ کا خلیفہ بھی تسلیم نہیں کریں گے۔ اسلام کا دشمن خواہ وہ عقیدتاً ہو یا عملاً خلیفہ نہیں ہو سکتا۔ اس کے کام کفر بواح ہوں اور ہم اُسے خلیفہ تسلیم کریں، ہرگز نہیں۔ اسلامی لحاظ سے اس کے وجود کو معدوم سمجھا جائے گا۔

(۴۲) صلاح الدین صاحب لکھتے ہیں :-

”مسعود احمد صاحب کا ارشاد ہے کہ ”خلیفہ کے انتخاب کے لئے بیعت عامہ کبھی نہیں ہوتی۔ اسلام میں جمہوریت جیسے شرک کا وجود ہی نہیں۔“

”سیکولر جمہوریت کے حوالے سے جس میں مقتدر اعلیٰ عوام ہیں ان کی بات درست ہے لیکن وسیع تر اور حقیقی مفہوم میں ہر وہ نظام جمہوری ہو جائے جہاں براہ راست اللہ تعالیٰ کی طرف سے انبیاء کی بعثت اور ان کی امارت ملوکیت کے اصول وراثت یا جابرانہ آمریت اور غاصبانہ عسکری قبضے سے ہٹ کر کوئی بھی ایسا طریق انتخاب اختیار کیا جائے جس میں عوام کو اپنے حکمران کے انتخاب میں شرکت کا موقع مل جائے“

(حوالہ مذکور ص ۱۷۱ کا لم ۲)

المسلم | اسلام میں عوام کو اپنا حکمران خود منتخب کرنے کا حق یا اختیار نہیں ہے اور نہ ایسا کبھی ہوا۔ بیعت خلیفہ منتخب کرنے کے لئے نہیں ہوتی بلکہ منتخب خلیفہ کی اطاعت اور وفاداری کے لئے ہوتی ہے۔

(۴۳) صلاح الدین صاحب لکھتے ہیں :-

”حکمرانوں کا انتخاب عوام یا ان کے معتمد اہل الرائے کرتے ہیں“ (حوالہ مذکور ص ۱۷۱ کا لم ۲)

المسلم | صلاح الدین صاحب نے ”یا“ لگا کر اپنے اصول کی کمزوری کو تسلیم کر لیا۔ یہ معتمد اہل الرائے مختلف پارٹیوں کے ہوں گے یا ایک مسلم قوم کے۔ اگر مختلف پارٹیوں کے ہوں گے تو خلیفہ کا انتخاب تو نہیں ہو سکے گا البتہ جھگڑا اور فساد ہو گا اور اگر مختلف پارٹیوں کے وجود کو قانوناً تسلیم نہیں کیا جائے گا تو پھر اس کو جمہوریت کہنا صحیح نہیں اس لئے کہ جمہوریت میں مختلف پارٹیوں کا وجود ممنوع نہیں۔ عوام کو حق انتخاب دینے کے معنی یہ ہیں کہ مختلف پارٹیاں لازماً وجود میں آئیں گی، نتیجۃً انتخاب نہیں ہو سکے گا جیسا کہ اوپر لکھا گیا ہے۔

مزید برآں یہ معتمد اہل الرائے آئیں گے کہاں سے؟ اگر عوام انہیں منتخب کریں گے تو پھر

وہی جھگڑے کی صورت پیش آئے گی۔ اکثریت کی بنیاد پر عموماً نااہل منتخب ہو جائیں گے۔ انہیں معتمد علیہ کہنا صحیح نہیں ہوگا۔ اگر یہ کہا جائے کہ عوام سب متفق ہوں گے، وہ نااہل کو ہرگز منتخب نہیں کریں گے تو یہ خوش فہمی کے سوا اور کچھ نہیں۔

عموماً یہ کہا جاتا ہے کہ اہل الرائے نے حضرت ابوبکرؓ کو خلیفہ منتخب کیا۔ یہ صحیح نہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اشارۃً ان کو نامزد کر دیا تھا، اہل الرائے نے اسی نامزدگی کی بنا پر انہیں خلیفہ تسلیم کر لیا۔

حضرت عمرؓ نے کہا: ”اے انصار کیا تمہیں نہیں معلوم کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوبکرؓ کو حکم دیا تھا کہ وہ لوگوں کی امامت کریں تو تم میں سے کون اس بات کو پسند کرتا ہے کہ وہ ابوبکرؓ سے آگے بڑھے۔ انصار نے کہا: ہم اس بات سے اللہ کی پناہ طلب کرتے ہیں کہ ابوبکرؓ سے آگے بڑھیں“ (مسند احمد۔ سندہ صحیح۔ بلوغ الامانی جزء ۲۳ ص ۷)

یہ ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ نامزدگی جسے سب نے قبول کیا۔ اس کے بعد نامزدگی ہی چلتی رہی۔ نہ کبھی خلیفہ کا عوام نے براہ راست انتخاب کیا اور نہ ان کے معتمد علیہ اہل الرائے نے۔ الغرض اسلام میں نامزدگی ہی نامزدگی ہے۔ اس کے سوا کچھ نہیں۔

(۴۴) صلاح الدین صاحب لکھتے ہیں :-

”انہوں نے (یعنی حضرت عمرؓ نے) فرد کی بجائے افراد کا پینل نامزد کر کے مسلمانوں کو ان میں سے کسی ایک کو خلیفہ منتخب کر لینے کا اختیار دیا۔“ (حوالہ مذکور ص ۷۱)

المسلم | صلاح الدین صاحب براہ کرم بتائیں کہ مسلمانوں کو اختیار دینے کا ذکر کس کتاب میں اور کس سند سے ہے؟

(۴۵) صلاح الدین صاحب لکھتے ہیں :-

”شام کے گورنر حضرت امیر معاویہؓ نے اپنی خلافت کا اعلان کر دیا (حوالہ مذکور ص ۷۱)

المسلم | یہ کس کتاب میں ہے اور اس کی سند کیسی ہے؟

(۴۶) صلاح الدین صاحب لکھتے ہیں :-

”جنگ کی جگہ بلوہ استعمال کرنے کے باوجود مسعود احمد صاحب کی بیان کردہ ہر حدیث میں ”تلوار“، ”لڑائی“، ”قتل“، ”برا بھلا کئے اور گردن کاٹنے کا ذکر موجود ہے“



اور بلوہ جبل اور بلوہ صفین میں یہ سب صورتیں موجود ہیں“ (حوالہ مذکور ص ۱۶)

کالم ۱۷

المسلم | یہ ضروری نہیں کہ بلوہ میں صحابہ کرام ان تمام کاموں کے فاعل تھے۔ فاعل تو وہ تھے جنہوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو شہید کیا۔ وہ نہیں چاہتے تھے کہ مصالحت برقرار رہے اور ہم قتل کئے جائیں۔ مار دھاڑ کرنے والے وہی لوگ تھے نہ کہ صحابہ کرام۔

(۴۷) صلاح الدین صاحب تحریر فرماتے ہیں :-

”صحابہ کرام ..... کا اصل محرک ان کا تصور حق و باطل یا قیام عدل اور

استیصالِ ظلم کی نیت تھا اس لئے ان کی تلواروں پر ان احادیث کا اطلاق نہیں

ہوتا جن کا حوالہ مسعود احمد صاحب نے دیا ہے“ (حوالہ مذکور ص ۱۷ کالم ۱۷)

المسلم | اگر واقعی ان کی نیت اچھی تھی تو وہ مل بیٹھ کر مسائل کو حل نہیں کر سکتے تھے۔ کیا مسائل کو حل کرنے کا یہی طریقہ تھا کہ دونوں طرف سے تلواریں چلیں اور صحابہ قتل ہوں ؟ دونوں استیصالِ ظلم کی نیت سے لڑ رہے تھے یعنی دونوں ایک دوسرے کو ظالم سمجھ رہے تھے ؟ وہ تو دونوں ایک دوسرے کو ظالم سمجھ رہے تھے اور صلاح الدین صاحب ان کی صفائی پیش فرما رہے ہیں۔ جس طرح آپ ان کی نیک نیتی کی بنیاد پر ان کی صفائی پیش کر رہے ہیں ان میں سے ہر ایک نے دوسرے کو نیک نیت کیوں نہیں سمجھا ؟

مثل مشہور ہے ”ثبت العرش ثم انقش“ پہلے تخت کا وجود تو ثابت کر دیکر نقش دنگار بنانا۔

پہلے یہ تو ثابت کیجئے کہ صحابہ کرام آپس میں لڑتے تھے پھر نیک نیتی کی بنیاد پر ان کی صفائی پیش کیجئے۔ وہ لڑے ہی نہیں لہذا نیک نیتی یا بد نیتی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ کیا غیر مسلم بھی ان کو نیک نیت سمجھ کر ان کو معذور سمجھے گا اور اگر وہ غیر مسلم منافق ہو گا تو کیونکہ وہ بلا واسطہ تو نبوت پر چوٹ نہیں کر سکتا، صحابہ کے کردار کے ذریعہ بالواسطہ نبوت پر چوٹ کرے گا۔ وہ یہ تاثر دے گا کہ جس کے فیضِ صحبت سے ایسے لوگ پیدا ہوئے وہ خود کیسا ہو گا۔ آپ تو بھول پن سے کمدیتے ہیں کہ وہ نیک نیت تھے کیا دشمن بھی یہی کہے گا۔ افسوس ایسے بھول پن پر !

(۴۸) صلاح الدین صاحب لکھتے ہیں :-

”بیعت کے قلاوے والی حدیث کا مفہوم بھی وہ نہیں جو مسعود احمد صاحب نے

اخذ کیا ہے جیسا کہ سطور بالا میں لکھ چکا ہوں۔ بیعت قبولیتِ قیادت اور اس کی حالت



کا علی اظہار ہے یہ براہ راست ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بھی ہو سکتی ہے، خاموش رہ کر دل کی قبولیت کے ساتھ بھی" (حوالہ مذکور ص ۱۶۱) بالترتیب کالم ۱ اور ۲۔

المسلم | دل کی قبولیت کے ساتھ اگر بیعت ہو سکتی ہے تو پھر اس کو نفی بیعت کیوں کہا جائے؟

صلاح الدین صاحب یہ بتائیے کہ نہ ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیعت کرے، نہ دل سے بیعت کرے بلکہ جب بیعت کے لئے کہا جائے تو یا تو انکار کر دے یا روپوش ہو جائے اس کا کیا حشر ہوگا؟

مزید برآں جب دل سے بیعت ہو سکتی ہے تو پھر آپ نے حضرت عبادہ بن صامتؓ کے متعلق کیوں لکھا کہ وہ جماعت سے علیحدہ ہو گئے تھے۔ آپ لکھتے ہیں :-

"جماعت سے علیحدہ ہونے کی پہلی مثال حضرت عبادہ بن صامتؓ کی ہے جنہوں نے کسی خلیفہ سے بیعت نہ کی لیکن ان کی روش باغیانہ نہیں تھی" (تکبیر ص ۴۷ مورخہ ۱۹ نومبر ۱۹۹۲ء ص ۱ کالم ۳)

المسلم | سوال یہ ہے کہ جب حضرت عبادہ بن صامتؓ نے دل سے بیعت کر لی تھی تو وہ جماعت سے علیحدہ کہاں ہوئے اور اگر جماعت سے علیحدہ ہو گئے تھے تو دل سے بیعت کہاں ہوئی؟ وہ تو (اگر روایت صحیح ہو) تو نہ حضرت ابوبکرؓ کے پیچھے نماز پڑھتے تھے، نہ ان کی وفات تک ان سے ملے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان کی بیعت دل سے بھی نہیں تھی تو اب ان کے متعلق کیا کہا جائے؟

نوٹ :- حضرت عبادہ بن صامتؓ سے صلاح الدین صاحب کی مراد سعد بن عبادہ ہیں جیسا کہ آگے آرہا ہے۔ ہم نے جو کچھ اوپر لکھا ہے وہ حضرت سعد بن عبادہؓ کے ہی متعلق ہے لیکن وہ روایت جھوٹ ہے جیسا کہ آگے آرہا ہے۔

(۴۹) صلاح الدین صاحب لکھتے ہیں :-

"بیعت کی دوسری ایجابی صورت یہ ہے کہ کسی فاسق و فاجر اور ظالم حکمران سے نجات دلانے کے لئے کوئی بندہ حق اٹھ کھڑا ہو اور میں اس کی قیادت میں نظام باطل کے خلاف جدوجہد میں شرکت کے لئے اس کے ہاتھ پر بیعت کروں یا دور رہتے ہوئے بھی اس کی تائید و حمایت میں سرگرم ہو جاؤں۔ یوں بیعت عادل حکمران سے اور ظالم حکمران کے خلاف لڑنے والے مرد حق سے کی جاسکتی ہے۔" (تکبیر شمارہ ۷ مورخہ ۱۸ فروری ۱۹۹۳ء ص ۱ کالم ۱)

المسلم | جماعت المسلمین کے امیر کے ہاتھ پر بیعت نظام باطل کے مٹانے کے لئے ہی کی جاتی ہے تو پھر

یا تو ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیعت کر لیجئے یا دوز رہتے ہوئے بھی اس کی تائید و حمایت میں سرگرم ہو جائیے۔ اگر آپ یہ کہیں کہ اس وقت نظام باطل ہے کہاں تو پھر ہم سوائے انا شرٹھے کے اور کچھ نہیں کہہ سکتے۔

نوٹ :- صلاح الدین صاحب کی مندرجہ بالا عبارت میں ”فاسق و فاجر اور ظالم“ کے بجائے یہ ہونا چاہیے: ”کفر بواج کا مرتکب یا تارک الصلوٰۃ“۔

(۵۰) صلاح الدین صاحب تحریر فرماتے ہیں :-

حضرت سعدؓ کے بیعت نہ کرنے کا واقعہ بہت تفصیل سے طبقات ابن سعد جلد سوم

ص ۶۱۵ تا ص ۶۱۶، ابن حجر کی الاصابہ جلد دوم ص ۳ (صبح منہ ہے) حافظ ابن

عبدالبر کی الاستیعاب جلد دوم صفحہ ۴۰ طبری کی جلد سوم ص ۳۲۳، اور ابن کثیر کی

البدایہ والنہایہ جلد ۷ ص ۳۲ پر ملاحظہ کیا جائے (حوالہ مذکور ص ۱۰۰ کالم ۱۰)

ابن سعد کی روایت میں محمد بن عمر کذاب ہے، الاصابہ کی روایت بے سند ہے، طبری المسلمین کی روایت میں ابو مخنف کذاب رافضی ہے اور البدایہ والنہایہ کی روایت بے سند ہے۔ حضرت سعدؓ کی بیعت نہ کرنے کا واقعہ کسی کتاب میں بھی تفصیل سے نہیں ہے۔ البدایہ والنہایہ کا حوالہ دینے پر ہمیں سخت تعجب ہے۔ ابن کثیر نے ابن عبدالبر کے حوالہ سے حضرت ابو بکرؓ کے ہاتھ پر بیعت نہ کرنے کے واقعہ کو بے سند نقل کیا اور پھر مسند امام احمد کے حوالہ سے اس کی تردید کی۔ ابن کثیر تو تردید کر رہے ہیں اور صلاح الدین صاحب انہیں معترف ثابت کر رہے ہیں۔

ہم کہتے ہیں کہ حضرت سعدؓ کے بیعت نہ کرنے کا واقعہ جھوٹ ہے لہذا ان کے جاہلیت کی موت مرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ صلاح الدین صاحب کے نزدیک بیعت نہ کرنے کا واقعہ تو صحیح ہے لیکن وہ لکھتے ہیں :-

”میں ان بدری صحابی کے بارے میں جاہلیت کی موت تسلیم کرنا تو کجا اس کا تصور

بھی نہیں کر سکتا۔“ (حوالہ مذکور ص ۱۰۰ کالم ۱۰)

ہم کہتے ہیں حضرت سعدؓ کی ذات بیعت نہ کرنے کے الزام سے پاک ہے لہذا وہ جاہلیت کی موت سے مبرا ہیں۔ صلاح الدین صاحب کہتے ہیں الزام تو صحیح ہے لیکن وہ جاہلیت کی موت سے پھر بھی مبرا ہیں۔ معلوم نہیں کیوں؟

(۵۱) صلاح الدین صاحب لکھتے ہیں :-



”مسعود احمد صاحب تو صحابیوں کی غلطی گنوار ہے ہیں میں نبیؐ کے سہواور بذریعہ

وحی اس کے ازالہ کا ذکر کر چکا ہوں“ (حوالہ مذکور ص ۱۷۱ کالم ۲)

المسلم | صلاح الدین صاحب کے نزدیک ”سہو“ بھی غلطی ہے۔ یہ ایسا ہی ہے جیسا ڈاکٹر عثمانی نے کہا تھا: صحابی عمرو بن العاص کے بحران پر حیرت کی کوئی بات نہیں، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی تو بحران ہوا تھا (ملخصاً) نعوذ باللہ من ذلك۔ الغرض صلاح الدین صاحب نے تسلیم کر لیا کہ صحابی غلطی کر سکتا ہے۔ ہمارا سوال یہ ہے کہ کیا اس کی غلطی کو نمونہ بنایا جاسکتا ہے؟

(۵۱) صلاح الدین صاحب لکھتے ہیں :-

”قرآن حکیم کے حوالے سے جن دو صحابیوں کی غلطی کی نشاندہی کی گئی ہے ان میں سے ایک بشر نائی یہودی منافق تھا“ (حوالہ مذکور کالم ۲)

المسلم | صلاح الدین صاحب سے ہمارا سوال ہے کہ اپنی اس تحقیقات کا حوالہ دیں اور سند بیان کریں۔

(۵۲) صلاح الدین صاحب لکھتے ہیں :-

”تاریخ میں کہیں یہ ذکر نہیں ملتا کہ حضرت حاطبؓ کو منافق یا کافر قرار دے کر صحابہ کی صف سے نکال دیا گیا ہو“ (حوالہ مذکور ص ۱۷۱ کالم ۲)

المسلم | مشکل یہ ہے کہ صلاح الدین صاحب نے غالباً صرف تاریخ کا مطالعہ کیا قرآن مجید اور حدیث شریف کا انہیں علم نہیں۔ سب سے پہلے تو حضرت حاطبؓ کے غلام نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے آکر کہا کہ ”حاطب ضرور دوزخ میں داخل ہوگا“ (صحیح مسلم) حضرت عمرؓ نے کہا: ”اے اللہ کے رسول، مجھے اجازت دیجئے کہ میں اس منافق کی گردن ارڈوں“ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(۵۳) صلاح الدین صاحب لکھتے ہیں :-

”حضرت حاطبؓ کا بیان سن لینے کے بعد حضورؐ نے انہیں معاف فرمادیا تھا اور وہ حالت ایمان کے ساتھ اس دنیا سے رخصت ہوئے“ (حوالہ مذکور ص ۱۷۱ کالم ۲)

المسلم | ہم بھی اسی کے قائل ہیں لیکن سوال یہ ہے کہ اگر وہ توبہ نہ کرتے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انہیں معاف نہ فرماتے تو کیا وہ بحالت ایمان دنیا سے رخصت ہوتے۔ نہ شرف صحابیت کام آتا اور نہ شرف خدمت۔ یہی چیز ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے حضرت حاطبؓ اور دوسرے



مؤمنین کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا تھا :-

وَمَنْ يَفْعَلْهُ مِنْكُمْ فَقَدْ ضَلَّ سَوَاءَ السَّبِيلِ (الممتحنہ - ۱)

اور (اے ایمان والو) جو شخص تم میں سے ایسا کرے تو وہ راست سے بھٹک گیا۔

وہ تو خیر ہو گئی کہ انہوں نے توبہ کر لی، معافی مانگ لی ورنہ اس آیت کا مصداق ہوتے۔

⑤۵ صلاح الدین صاحب لکھتے ہیں :-

”افسوس! مسعود احمد صاحب نے ایک صحابی کو بھی غیر مسلم بنا دیا“ (حوالہ مذکور کالم ۱)

یہ اتنا ہے۔ حضرت حاطبؓ کو معاف کر دیا گیا اور وہ صحابی ہی رہے۔ دوسرے واقعہ

المسلم | میں جس میں صلاح الدین صاحب نے ”بشر نامی یہودی“ کا نام لیا ہے (حالانکہ وہ شخص بدری صحابی تھے۔ صبیح بخاری) ہم حسن ظن رکھتے ہیں کہ انہوں نے بھی توبہ کر لی ہوگی۔ اگر وہ توبہ نہ کرتے تو کیا وہ پھر بھی مسلم رہتے۔ ایسا عقیدہ آیات قرآنیہ کے خلاف ہے۔

⑤۶ صلاح الدین صاحب تحریر فرماتے ہیں :-

”اب حضرت سعد بن عبادہؓ کا معاملہ تو چھوڑیے“ (حوالہ مذکور کالم ۲)

المسلم | کیوں چھوڑیے۔ حضرت ابو بکرؓ جیسے خلیفہ کے ہاتھ پر بیعت نہ کرنا (اگر ثابت ہو جائے) تو یہ بڑا سنگین جرم ہے۔ اسے نظر انداز کیسے کیا جاسکتا ہے۔ اس کی سنگینی کا احساس کرتے ہوئے ہی ہم نے اس واقعہ کے پرچھے اڑا دئے اور حضرت سعدؓ کو اس جرم سے بری ثابت کر دیا۔

⑤۷ صلاح الدین صاحب لکھتے ہیں :-

”حضرت امیر معاویہؓ نے حضرت علیؓ سے بیعت نہیں کی، حضرت علیؓ نے حضرت معاویہؓ سے بیعت نہیں کی، حضرت عبداللہ بن زبیرؓ اور حضرت امام حسینؓ نے یزید سے بیعت نہیں کی، حضرت عمرو بن العاصؓ نے حضرت علیؓ سے بیعت نہیں کی۔ صحابہ کرام کی ایک بڑی تعداد نے دو رفیق میں کسی سے بیعت نہیں کی“ (حوالہ مذکور ص ۱ کالم ۳)

المسلم | صلاح الدین صاحب نے خود ہی ”دو رفیق“ کہہ کر بیعت کے نہ کرنے کے عند کو بیان کر دیا۔ اب ہم کیا لکھیں مگر ہم صلاح الدین صاحب سے اتنا ضرور پوچھتے ہیں کہ اگر دو رفیق ہوتا اور بیعت عام ہو گئی ہوتی پھر بھی یہ لوگ بیعت نہ کرتے تو کیا معذور ہوتے؟

حضرت معاذیہؓ اور حضرت عمرو بن العاصؓ نے حضرت علیؓ کی بیعت نہیں کی صلاح الدین صاحب سے درخواست ہے کہ وہ اس چیز کو مع حوالہ اور صحت سند کے ساتھ بیان کریں حضرت معاذیہؓ حضرت علیؓ سے قصاص کیوں طلب کر رہے تھے۔ قصاص کی فریاد تو خلیفہ ہی سے کی جاتی ہے۔

حضرت علیؓ حضرت معاذیہؓ کی بیعت کیوں کرتے کیا حضرت معاذیہؓ خلیفہ تھے۔  
حضرت امام حسینؓ تو یزید کی بیعت کرنے کے لئے دمشق جا رہے تھے کہ راستے میں شہید کر دئے گئے (نوٹ :- کربلا کو ذہ اور دمشق کے درمیان ہے)  
حضرت عبداللہ بن زبیرؓ ایسے حالات میں کہ دمشق میں کسی خلیفہ کا انتخاب نہیں ہوا تھا اپنی خلافت کا اعلان کر چکے تھے تو بعد میں ہونے والے خلیفہ کی بیعت وہ کیوں کرتے۔ (تفصیلات کے لئے ہماری "تاریخ مطول" کا انتظار کیجئے)۔

صلاح الدین صاحب غلط، جعلی واقعات اور دورِ پرفتن کے الجھے ہوئے حادثات سے اپنے نظریہ کو ثابت کرنے کی کوشش کوئی مستحسن فعل نہیں۔ آپ جانتے ہیں کہ اسلام میں خلیفہ کی بیعت کو بڑی اہمیت دی گئی ہے۔ کیا آپ اس کی اہمیت کو ختم کرنا چاہتے ہیں؟  
(۵۸) صلاح الدین صاحب تحریر فرماتے ہیں :-

"اس دور میں "جماعت المسلمین" کا قائد کون تھا؟ جن لوگوں نے اس کی بجائے کسی اور سے بیعت کی اس کے اور اس کے پیروؤں کے ایمان کا مسئلہ کیسے طے ہوگا؟" (تکبیر ۱۸، فروری ۱۹۹۳ء، ص ۱۷۱، کالم ۲)

المسلمین "جماعت المسلمین" کا قائد خلیفہ تھا۔ جن لوگوں نے کسی اور کی بیعت کی ان کا مسئلہ اللہ تعالیٰ اپنی مشیت کے مطابق طے کرے گا۔  
(۵۹) صلاح الدین صاحب تحریر فرماتے ہیں :-

"ائمہ اربعہ کے مسلکوں کو چھوڑیے..... اگر اپنے اختلافات اور قرآن و سنت کی موجودگی میں نزاعات کے باوجود وہ سب حق پر تھے، "الجماعت" سے وابستہ تھے اور ان کی اجتماعی شناخت "جماعت المسلمین" کے نام سے ہوتی تھی تو آج بھی متحارب اور متصادم مسلمانوں کو الجماعت میں شامل سمجھئے" (تکبیر ۱۸، فروری ۱۹۹۳ء، ص ۱۷۱، کالم ۲)  
المسلمین ان کا اختلاف دینی اختلاف نہیں تھا۔ وہ اِنَّ الَّذِیْنَ فَرَّقُوْا دِیْنَهُمْ کاصداق



نہیں تھے۔ ان کا اختلاف صرف انتظامی امور میں تھا۔ برخلاف اس کے ائمہ اربعہ کی طرف منسوب کردہ مسلکوں کا اختلاف دینی اختلاف ہے۔ کسی کے ہاں کوئی چیز فرض ہے تو دوسرے کے ہاں وہی چیز حرام ہے۔ کسی کے ہاں کوئی فعل سنت ہے، دوسرے کے ہاں سنت نہیں ہے۔ موجودہ زمانے کے لوگ "أَقِمْوَا الدِّينَ" پر عمل نہیں کرتے بلکہ "وَلَا تَتَّبِعُوا فِتْنًا" کا مصداق ہیں۔ حدیث کی رو سے فرقۃ الجماعۃ میں شامل نہیں ہوتے۔ ہمارا ایمان حدیث پر ہے۔

⑥۰ صلاح الدین صاحب تحریر فرماتے ہیں :-

"مرض کو دور کرنے کی بجائے مریض کو دور نہ کیجئے" (حوالہ مذکور ص ۱۷۰ کالم ۳)

المسلم | صلاح الدین صاحب ہم آپ کی نصیحت کو خوش آمدید کہتے لیکن کیا کریں آپ کی نصیحت فرماں رسول صلی اللہ علیہ وسلم "فَاعْتَزِلْ تِلْكَ فِرْقًا كَلْبًا" اور دعائے قنوت کے الفاظ "نَخْلَعُ وَنَتْرُكُ مَنْ يَفْجُرُكَ" کے خلاف ہے البتہ یہ ضرور ہے کہ مریض کے لئے ہمارے دل میں ہمدردی بھی ہے، درد مندی اور دل سوزی بھی ہے۔

⑥۱ صلاح الدین صاحب تحریر فرماتے ہیں :-

"آپ اپنی بیعت اور اپنی جماعت میں شمولیت پر اصرار کو شرائط ایمان بنائے رکھیں گے تو خود ایک فرقہ کے بانی بن کر رہ جائیں گے اور تاریخ کس ستم ظریفی کے ساتھ یہ واقعہ رقم کرے گی کہ تمام مسلکوں اور فرقوں کو دریا برد کر کے دنیا بھر کے مسلمانوں کو ایک واحد جماعت بنانے کا عزم لے کر اٹھنے والا اپنے پیچھے مزید ایک فرقہ چھوڑ گیا"

(حوالہ مذکور ص ۱۷۰ کالم ۱)

المسلم | صلاح الدین صاحب آپ کی یہ عبارت "إِنَّ مِنَ الْبَيَانِ لِسَعْرًا" کی مصداق ہے۔ اس عبارت میں بڑی جاذبیت ہے لیکن حقیقت سے معری ہے۔

مزید ایک فرقہ چھوڑ گیا۔ کیا یہ حقیقت ہے۔ وہ فرقہ بھی عجیب ہو گا کہ نام اس کا "جماعت المسلمین"، کام اس کا براہ راست قرآن مجید اور حدیث شریف سے ماخوذ ہو گا۔ جماعت المسلمین تو اصل نام ہے اور عہد رسالت سے چلا آرہا ہے۔ فرقہ تو علیحدہ امتیازی فرقہ دارانہ نام سے بنتا ہے۔ اس کے نظریات بھی "جماعت المسلمین" سے نکلنے کے بعد ملحدانہ، باغیانہ، مشرکانہ، کافرانہ اور جماعت المسلمین کے نظریات کے خلاف ہوتے ہیں۔ ہمارا فرقہ نہ جماعت المسلمین یا الجماعۃ سے نکلا، نہ اس کے عقائد بدلے اور نہ اس نے اپنا نام بدلا۔ سب کچھ وہی تو پھر وہ فرقہ کیسے ہو گا۔



آپ ہمیں فرقہ کہہ رہے ہیں چلئے ہم اسے فرقہ ہی مان لیتے ہیں۔ یہ فرقہ سترہ اٹھارہ سال پہلے وجود میں نہیں تھا جیسا کہ آپ کو تسلیم ہے لیکن اس فرقے کے وجود کی بہت بڑی ضرورت تھی اس لئے کہ وہ فرقے تو موجود تھے جو ”الجماعۃ“ سے نکل چکے تھے وہ فرقہ نہیں تھا جو ”الجماعۃ“ تھا۔ یہ تو عجیب و غریب بات ہوتی کہ ۷۲ فرقے تو ہوتے اور تہنزداد ناجی فرقہ نہ ہوتا۔ گمراہ فرقے تو ہوتے، اللہ تعالیٰ کا پسندیدہ فرقہ نہ ہوتا۔ اللہ تعالیٰ نے ہمیں توفیق دی کہ ہم اللہ تعالیٰ کے پسندیدہ فرقے کا احیاء کریں۔ ذلک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء۔ اللہ تعالیٰ سے دعاء ہے کہ توفیق کے بعد وہ ہمیں اس کا اہل بھی بنائے۔

(۶۲) جن سوالات کے جوابات صلاح الدین صاحب نے نہیں دئے وہ درج ذیل ہیں :-  
۱۔ ہم نے سوال کیا تھا کہ ڈاکٹر اسرار احمد صاحب نے کہاں لکھا ہے کہ جو شخص تنظیم اسلامی میں شامل نہیں وہ کافر ہے۔ صلاح الدین صاحب نے جو جواب دیا ہے وہ دفع الوقتی کے سوا کچھ نہیں۔

۲۔ ہم نے سوال کیا تھا کہ ہماری کسی کتاب سے ثابت کریں کہ ”جو شخص جماعت المسلمین میں نہیں ہے وہ کافر ہے“ صلاح الدین صاحب نے تقلید کی بحث چھیڑ دی اور ہمارے سوال کا جواب نہیں دے سکے۔

۳۔ ہم نے سوال کیا تھا کہ ”الجماعۃ“ کے علاوہ جو فرقے ہیں وہ کیا ہیں؟ مسلم ہیں یا کچھ اور۔ صلاح الدین صاحب نے اس سوال کا بھی جواب نہیں دیا۔

۴۔ اگر وہ فرقے بھی مسلم ہیں تو پھر وہ ”جماعت المسلمین“ ہوئے۔ ایسی صورت میں کونسی جماعت المسلمین سے چٹا جائے اور حدیث ”تلازم جماعۃ المسلمین“ پر کس طرح عمل ہو اس کا بھی جواب نہیں دیا۔

۵۔ مسلمانوں میں کوئی فرقہ ایسا نہیں گذرا اور نہ اس وقت موجود ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا انکار کرتا ہو یا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بنائی ہوئی ”الجماعۃ“ سے نکلنے کا اقرار کرتا ہو تو پھر بقول صلاح الدین صاحب وہ تمام فرقے ”الجماعۃ“ کا جزء ہوئے اور مسلم بھی ہوئے تو پھر ان کی جماعت کو ”جماعت المسلمین“ کیوں نہیں کہا گیا۔ کیوں ان سے علیحدہ رہنے کا حکم دیا گیا۔ صلاح الدین صاحب نے اس سوال کا جواب بھی نہیں دیا۔

۶۔ اگر وہ مسلم نہیں ہیں جیسا کہ ہمارے مخالفین ہماری پیش کردہ حدیث سے منطقی نتیجہ اخذ کرتے ہیں تو آخر پھر وہ کیا ہیں؟ اس سوال کا جواب بھی نہیں دیا۔

اگر وہ منطقی نتیجہ غلط ہے تو پھر وہ اُس غلط نتیجہ کو ہماری طرف کیوں منسوب کرتے ہیں۔ نتیجہ غلط خود اخذ کریں اور اُسے ہماری طرف منسوب کریں۔ یہ بھی خوب ہے۔ اگر وہ منطقی نتیجہ صحیح ہے تو پھر ہمارا کیا قصور ہے؟

۷۔ ابوداؤد کی ۷۳ فرقے والی حدیث کے حوالہ سے ہم نے لکھا تھا کہ ۷۲ اجزاء الجماعۃ میں شامل نہیں ہوں گے۔ صلاح الدین صاحب نے لکھا کہ تمام اجزاء "الجماعۃ" میں شامل ہوں گے کیونکہ وہ "الجماعۃ" میں شامل ہونے کے تمام شرائط پورے کرتے ہیں نتیجہ یہ نکلا کہ جبر، معتزلہ، قدریہ، خوارج، شیعہ وغیرہ سب "الجماعۃ" کے اجزاء ہیں۔ ہم نے لکھا اگر "الجماعۃ" سے مراد ان کی اہل سنت والجماعت سے ہے تو جماعت المسلمین کے افراد کہاں جائیں گے؟ کیونکہ وہ تفرقہ اہل سنت والجماعت میں شامل نہیں۔ اس کا بھی جواب نہیں دیا۔

۸۔ صلاح الدین صاحب کے نزدیک فقہی اختلافات کی بنیاد پر بننے والے فرقے "الجماعۃ" میں شامل ہیں، سب مسلم ہیں، سب کا دین اسلام ہے۔ ہم نے سوال کیا کہ سب کا دین اسلام ہے تو ایک اسلام کے ۵ اسلام کیسے بن گئے؟ کسی کے ہاں کوئی چیز حلال ہے تو وہی چیز دوسرے کے ہاں حرام ہے۔ صلاح الدین صاحب نے اس سوال کا بھی جواب نہیں دیا۔

۹۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اَقِمْوْا الدِّیْنَ وَلَا تَفَرَّقُوْا فِیْہِ (الشوریٰ - ۱۳) یعنی دین کو قائم کرو اور دین میں تفرقہ بازی نہ کرو۔ ہم نے سوال کیا تھا کہ

حلال و حرام کا فرق تفرقہ بازی ہے یا نہیں؟ صلاح الدین صاحب نے اس کا جواب نہیں دیا۔  
۱۰۔ ہم نے سوال کیا تھا کہ فتوؤں کے ذریعہ حلال و حرام کرنا دین سازی ہے یا نہیں؟ صلاح الدین صاحب نے اس کا جواب نہیں دیا۔

۱۱۔ ہم نے سوال کیا تھا کہ دین میں فتوؤں کو شامل کرنا شرک فی الدین ہے یا نہیں؟ صلاح الدین صاحب نے اس کا بھی جواب نہیں دیا۔

۱۲۔ دین میں اضافہ کرنا "اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ" (آج میں نے تمہارے دین کو کامل کر دیا) کے منافی ہے یا نہیں۔ اس کا بھی جواب نہیں دیا۔



۱۳۔ دین میں آمیزش کرنا "أَلَّا وَلِلَّهِ الدِّينُ الْخَالِصُ" (الزمر۔ ۳) (خبردار ہو جاؤ، اللہ کا تو خالص دین ہے) کی ضد ہے یا نہیں۔ صلاح الدین صاحب نے اس کا بھی جواب نہیں دیا۔

۱۴۔ صلاح الدین صاحب نے تحریر فرمایا تھا:-

"اللہ کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) نے جن باتوں کو ماننے اور جن کو نہ ماننے پر ایمان کا مدار رکھا ہے ان میں بعد کے کسی امام کا ماننا نہ ماننا شامل نہیں ہے" (تکبیر شمارہ نمبر ۱۰، دسمبر ۱۹۹۲ء ص ۱۷۱)

ہم نے ان کی مندرجہ بالا تحریر کی روشنی میں سوال کیا تھا کہ پھر کیوں نہ بعد کے اماموں کو چھوڑ کر صرف ایک امام مان لیں اور

۱۵۔ ایک جماعت بن کر "وَلَا تَفَرَّقُوا" پر عمل کریں۔ صلاح الدین صاحب نے ان سوالوں کا جواب نہیں دیا۔

۱۶۔ مودودی صاحب کی تحریر "کسی خاص نام یا کسی خاص مسلک سے فرق و امتیاز پیدا کرنا اور مسلمانوں کو مختلف پارٹیوں میں تقسیم کرنا..... تفرقہ پر دازی اور گروہ بندی ہے" کی روشنی میں ہم نے سوال کیا تھا کہ پھر یہ سب کچھ کیوں ہو رہا ہے؟

۱۷۔ کیوں انہیں بزداشت کیا جا رہا ہے؟

۱۸۔ کیوں ان کے خلاف قدم نہیں اٹھایا جاتا؟

صلاح الدین صاحب نے ان سوالات کا بھی جواب نہیں دیا۔

۱۹۔ مودودی صاحب نے خود ایک پارٹی بنائی اور اپنے حنفی ہونے کا اقرار کیا۔ کیا یہ قول و فعل کا تضاد نہیں؟ صلاح الدین صاحب نے اس کا بھی جواب نہیں دیا۔

۲۰۔ مودودی صاحب کی تحریر کی روشنی میں ہم نے سوال کیا تھا کہ "کیا الجماعۃ کا نقصان کرنے والے" (یعنی اس کو کمزور کرنے والے) "الجماعۃ" کے وفادار ہو سکتے ہیں؟ صلاح الدین صاحب نے اس سوال کا بھی جواب نہیں دیا۔

۲۱۔ جب تفرقہ پر دازی کا نتیجہ اظہر من الشمس ہے تو نیک نیت لوگوں کے عمل میں ان کی نیت کے مطابق تبدیلی کیوں نہیں آتی؟ صلاح الدین صاحب نے اس سوال کا جواب بھی نہیں دیا۔

۲۲۔ ہم نے سوال کیا تھا: ایسے مسلک کو کیوں مانا جائے جس کا انکار کفر نہیں۔ ایسی صورت



میں اس حق کو کیوں نہ مانا جائے جس کا انکار کفر ہے؟ صلاح الدین صاحب نے لکھا ہے کہ ”ان کا مسلک بجائے خود دین نہیں ہے، دین تک پہنچنے کا ایک راستہ ہے، ان کی منزل تو مشترک ہے“ (تکبیر شمارہ ۷ مورخہ ۱۸ فروری ۱۹۹۳ء ص ۱۱ کالم ۲) ہمارا سوال ہے کہ جب منزل مشترک ہے اور وہ منزل دین ہے تو پھر سب ایک ہی بات کیوں نہیں کہتے۔ مختلف باتیں، مختلف فتوے کیوں ہیں۔ حلال و حرام کا فرق کیوں ہے؟

۲۳۔ ہم نے قرآن مجید کی چند آیات اور احادیث نبوی میں سے چند احادیث پیش کر کے سوال کیا تھا کہ جن لوگوں کا مذہب ان آیات یا احادیث کے خلاف ہے تو کیا یہ ایمان ہے۔ صلاح الدین صاحب نے اس کا بھی جواب نہیں دیا۔ (یہ آیات اور احادیث ص ۱۰ پر ملاحظہ فرمائیں)

۲۴۔ صلاح الدین صاحب نے مودودی صاحب کے حوالہ سے لکھا تھا :-

”اس قوم کو اگر کوئی چیز اس آسکتی ہے تو ایک ایسی جمہوری تحریک ہے جو پوری قوم کو ایک انجن سمجھ کر شروع کی جائے“ (تکبیر شمارہ ۷ مورخہ ۱۹ نومبر ۱۹۹۲ء ص ۱ کالم ۲)

ہم نے اس اقتباس کی روشنی میں لکھا تھا کہ اسلام میں جمہوریت نام کی کوئی چیز نہیں۔ صلاح الدین صاحب نے جواب دیا کہ ”جمہوریت“ سے مودودی صاحب کی مراد ”نظام جمہوریت“ نہیں۔ یہ جواب بھی دفع الوقتی کے سوا کچھ نہیں۔

جمہوریت کے متعلق ہم نے جو کچھ لکھا تھا جناب صلاح الدین صاحب نے اسے اپنے جریدہ میں شائع نہیں کیا۔ ہماری تحریر ص ۱۱ پر ملاحظہ فرمائیں۔ تاریخ کی غلط بیانیوں کے متعلق جو کچھ ہم نے لکھا تھا وہ بھی صلاح الدین صاحب نے شائع نہیں کیا۔ ہماری تحریر ص ۱۹ تا ۲۳ پر ملاحظہ فرمائیں۔

### ۶۳) استہزاء اور تمسخر کی مثالیں

اب ہم صلاح الدین صاحب کے مضمون کے وہ اقتباسات پیش کرتے ہیں جن میں انہوں نے استہزاء اور تمسخر کے ذریعہ نفسیاتی اثر ڈال کر قارئین کو اپنے موقف کا مؤید بنانے کی کوشش کی ہے۔ صلاح الدین صاحب لکھتے ہیں :-

- ۱۔ ”یہاں پھر دی اصرار ہے کہ جناب مسعود احمد صاحب کی قائم کردہ جماعت المسلمین میں شامل ہوئے اور ان سے بیعت کئے بغیر میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ”الجماعۃ“ میں شامل نہیں یعنی دائرہ اسلام سے خارج“ (تکبیر ۷ مورخہ ۱۸ فروری ۱۹۹۳ء ص ۹ کالم ۷)۔
- ۲۔ ”اب نبیؐ کے جانشین ہونے اور اس کی قائم کردہ ”الجماعت“ کی متبادل جماعت فراہم کر دینے کے تصور کی انتہا مضمون کے افتتاحی پیرا گراف میں ملاحظہ فرمائیے“ (حوالہ مذکور ص ۹ کالم ۷)۔
- ۳۔ ”اب جائے رفق نہ پائے ماندن، جسے مسلمان رہنا ہے وہ فوراً جناب مسعود احمد امیر جماعت المسلمین کی بیعت کرے“ (حوالہ مذکور ص ۷ کالم ۷)۔
- ۴۔ ”ان کا اور ان کی جماعت کا وجود بجائے خود حق ہے، باقی سب باطل اور غیر اسلام“ (حوالہ مذکور ص ۷ کالم ۷)۔
- ۵۔ ”مراکش سے انڈونیشیا تک پھیلی ہوئی مسلم دنیا اور پورے کرۂ ارض پر پھیلے ہوئے مسلمانوں میں سے جو بھی مسعود احمد صاحب کی قائم کردہ جماعت المسلمین میں یا ان کی سند یافتہ اس کی معلوم شاخ میں شامل نہیں وہ مسلمان نہیں“ (حوالہ مذکور ص ۷ کالم ۷)۔
- ۶۔ ”خدا نخواستہ تاریخ کے کسی عہد میں ”جماعت المسلمین“ کے قیام کی توفیق کسی کو میسر نہ آئی ہو تو پھر اس عہد کے تمام مسلمان کفار اور مشرکین ہی میں شمار کئے جائیں گے“ (حوالہ مذکور ص ۷ کالم ۷)۔
- ۷۔ ”وہی واحد جماعت حق ہے“ ”الجماعۃ“ کا متبادل اور اس کے مشابہ ہے اور اس کا امیر..... قلم منطقی نتیجہ کے اخذ و اظہار سے اللہ کی پناہ کرتا ہے“ (حوالہ مذکور ص ۷ کالم ۷)۔  
تنظیمی امور کی سربراہی کے علاوہ اگر کوئی مشابہت مراد ہے تو ہمارا قلم بھی اس کے اظہار سے اللہ تعالیٰ کی پناہ طلب کرتا ہے۔
- ۸۔ ”مسعود احمد صاحب ائمہ اربعہ کو متوازی اسلام کا بانی اور ان کے مقلدین کو کسی نئے دین کا پیروکار قرار دے کر انہیں دائرہ اسلام سے خارج کر دیتے ہیں“ (حوالہ مذکور ص ۷ کالم ۷)۔  
ہم نے ائمہ کو اس چیز سے پہلے ہی بری الذمہ قرار دیا ہے (تکبیر ۷ مورخہ ۱۸ فروری ۱۹۹۳ء ص ۹ کالم ۷)۔



لہذا مذکورہ بالا اقتباس میں تمسخر بھی ہے اور ہماری وضاحت کے باوجود الزام بھی ہے۔  
 ۹۔ ”مسعود احمد صاحب قرآن اور حدیث کو دونوں کو یکساں درجہ دیتے ہیں“ (حوالہ مذکور  
 ص ۱۱ کالم ۲)

اس الزام کا جواب گزر چکا ہے۔ ص ۱ پر ملاحظہ فرمائیں۔  
 ۱۰۔ ”مسعود احمد صاحب نے غضب یہ کیا کہ اپنی جماعت کا نام ”جماعت المسلمین“ رکھا“  
 (حوالہ مذکور ص ۱۳ کالم ۲)۔

ہم پوچھتے ہیں کہ پھر کیا ”جماعت الکافریں“ نام رکھنا چاہیے تھا۔  
 ۱۱۔ یہ ایسا ہی ہے جیسے کوئی شخص اپنا نام ”محمد“ یا ”احمد“ رکھ لے اور خود کو اصل محمد یا احمد کے  
 متبادل قرار دے ڈالے (حوالہ مذکور ص ۱۳ کالم ۲)

کتنا بڑا طنز اور تمسخر ہے۔ یہ صلاح الدین صاحب کی قطعی شایان شان نہیں بہر حال  
 اس سے ان کے دلی بغض کا اظہار ہوتا ہے۔ صلاح الدین صاحب ان اوچھے ہتھیاروں  
 سے آپ ”جماعت المسلمین“ کی ترقی کو روک نہیں سکتے۔ وہ الحمد للہ ترقی کر رہی ہے اور انشاء  
 اللہ ترقی کرتی رہے گی اور انشاء اللہ العزیز آپ کی فرقوں بھری ”الجماعۃ“ کو توڑتی رہے  
 گی۔ صلاح الدین صاحب کہیں ایسا نہ ہو کہ آپ کو نادم ہونا پڑے۔

۱۲۔ ”اب وہ (یعنی ڈاکٹر اسرار احمد صاحب) بھی جب تک اپنی تظہیر کو توڑ کر مسعود احمد صاحب  
 کے ہاتھ پر بیعت کر کے ان کی ”جماعت المسلمین“ میں شامل نہ ہوں، ان کا ایمان معتبر نہیں“

۱۳۔ ”یہاں مسعود احمد صاحب پھر اپنی ”جماعت المسلمین“ کو رسول اللہ کی قائم کردہ جماعت  
 المسلمین تسلیم کرنے کے لئے قلم کا زور لگاتے دکھائی دیتے ہیں“ (حوالہ مذکور ص ۱۵ کالم ۲)

کتنا زبردست طنز ہے۔ ہماری جماعت المسلمین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قائم  
 کردہ جماعت المسلمین کے سلسلہ کی ایک کڑی ہے لیکن درجہ میں نہیں، صرف نام کے لحاظ  
 سے مشابہ ہے اور کیونکہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیروی پر مامور ہیں لہذا ہم پر  
 ان کی پیروی میں انہی کے طرز و نام کی ایک جماعت بنانی ضروری تھی۔ ہم نے اس فرض کو  
 پورا کر دیا ہے اللہ الحمد۔

لیجئے امیر غائب، اسلام ناپید اور مسلم معدوم، اب مسئلہ ان سب کو زندہ کرنے کا پیدا  
 ہو گیا ہے۔ اس کی ایک صورت الحمد للہ پیدا ہو گئی ہے۔ امیر مسعود احمد صاحب ہیں



”الجماعۃ“ جماعت المسلمین ہے۔ اب رہ گیا سوال مسلمانوں کے کہیں سے آنے کا سوچو بھی امیر کے ہاتھ پر بیعت کرتا اور اس کی جماعت میں شامل ہوتا جائے ”مسلم“ بنتا جائے گا اسلام زندہ ہوتا ہے ہر کر بلا کے بعد۔ کا مفہوم اب سمجھ میں آیا۔!“ (حوالہ مذکور ص ۱۵ کالم ۱) کتنا بڑا طنز ہے۔ ”اسلام زندہ ہوتا ہے ہر کر بلا کے بعد“ تو طنز و تمسخر کا شاہکار ہے اور یہ جملہ شیعیت کا بھی غماز ہے۔ کر بلا کے واقعہ کے بعد تو ہمیں کہیں اسلام زندہ ہونا نظر نہیں آیا۔ جو کیفیت تھی وہ بدستور جاری رہی۔ بقول کسی کے کافروں کا ہی راج رہا۔ ہمارے نزدیک تو یہ جملہ اس طرح ہونا چاہئے :- اسلام زندہ ہوتا ہے ہر بدر و حنین کے بعد۔

۱۵۔ ”مسعود احمد صاحب کا ایک دلچسپ طریقہ بحث یہ بھی ہے کہ وہ نام یا عنوان کی تبدیلی کے ذریعہ حقائق کی صورت بدل ڈالنے کی کوشش کرتے ہیں۔ جیسے اپنی جماعت کا نام ”جماعت المسلمین“ رکھ کر انہوں نے ”الجماعۃ“ قائم کر دی اور اُسے حضورؐ کی قائم کردہ جماعت کا درجہ دے ڈالا“ (حوالہ مذکور ص ۱۶ کالم ۱)

صلاح الدین صاحب مثال دے کر بھی اپنے نظریہ کو نہیں سمجھا سکے۔ ان کا خط کشیدہ جملہ الزام بھی ہے اور تمسخر بھی۔

۱۶۔ ”افسوس! مسعود احمد صاحب نے حضورؐ کے بخشے ہوئے صحابی کو بھی نہ بخشا، اُسے غیر مسلم بنا دیا“ (حوالہ مذکور ص ۱۶ کالم ۱)۔

اگر صلاح الدین صاحب اللہ تعالیٰ کا اسم گرامی لیتے تو بجا تھا۔ وہ آیات اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوئی تھیں جن میں ایمان کی یا صراط مستقیم کی نفی تھی۔ ہمارا تو ایمان ہے کہ انہوں نے توبہ کر لی وہ بخش دئے گئے۔ ہم تو شانِ صحابیت کی حفاظت کرتے ہیں لیکن بائینہ شانِ رسالت کو اتنا بلند درجہ دیتے ہیں کہ اگر صحابی بھی اس شان کی ذرا سی بھی تنقیص کرے تو اس کی صحابیت معدوم ہو جائے گی۔ بہر حال صلاح الدین صاحب کا مندرجہ بالا تبصرہ بہت بڑا الزام، بہت بڑا طنز اور نہایت افسرناک تمسخر ہے۔

## ضمیمہ ۲

ابھی ہمارا یہ کتابچہ طبع کے منازل طے کرنے نہیں پایا تھا کہ صلاح الدین صاحب کا ایک اور مضمون نظر سے گزرا جو تکبیر کے شمارہ ۹، مورخہ ۴ مارچ ۱۹۹۳ء کے صفحات ۱۰ تا ۱۲ میں طبع ہوا ہے۔ اس مضمون میں انہوں نے پھر یہی دعویٰ دوہرایا ہے کہ حضرت امیر معاویہؓ نے حضرت علیؓ کی بیعت نہیں کی تھی۔ ہم بھی اپنا مطالبہ دوہراتے ہیں کہ وہ اپنے دعویٰ کو صحیح سند سے ثابت کریں۔ اگر ثابت نہ کر سکیں تو اپنی غلطی تسلیم کریں۔

دوسری چیز جس کا ذکر انہوں نے اس مضمون میں کیا ہے وہ ان کی تفسیری غلطی ہے جو انہوں نے اپنے سابق مضمون میں کی تھی یعنی :

”اللہ کی صفت رحم و کرم کا تو یہ عالم ہے کہ وہ غیر مسلموں کو بھی ایمان اور اعمال صالحہ پر اجر و انعام کی بشارت دے رہا ہے..... آخری نبیؐ کو ملنے کی شرط بھی سرے سے ساقط کر دی گئی ہے“ (تکبیر شمارہ ۷، مورخہ ۱۸ فروری ۱۹۹۳ء ص ۱۳، کالم ۲ و ۳)

صلاح الدین صاحب نے اپنی غلطی کو تسلیم کر لیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں : ”میں مولانا مفتی محمد شفیع اور مولانا امین احسن اصلاحی کی تفسیر کو درست مانتے ہوئے اپنے سہو کو تسلیم کرتا ہوں“ (تکبیر شمارہ ۷، مورخہ ۴ مارچ ۱۹۹۳ء ص ۱۳، کالم ۳)

تعجب ہے کہ صلاح الدین صاحب کی اصلاح تفسیروں سے ہوئی اگر وہ قرآن مجید کا مطالعہ کرنے یا صحیح بخاری کتاب الایمان یا صحیح مسلم کتاب الایمان کا مطالعہ کرتے تو کسی تفسیر کو دیکھنے کی ضرورت پیش نہ آتی۔ امین احسن اصلاحی صاحب کی تفسیر کا حوالہ بھی خوب ہے جو اپنی تفسیر میں قرآن مجید کی کسی آیت کی تشریح میں شاید ہی کوئی حدیث لائے ہوں۔ وہ اور کتابوں کے مندرجات کے حوالے تو جا بجا دیتے ہیں لیکن اس مضمون کی حدیث کو نقل نہیں کرتے۔ امام بخاری اور صحیح بخاری کی تنقیص میں وہ خاصی مہارت رکھتے ہیں۔

اگر واقعی صلاح الدین صاحب نے قرآن مجید کا مطالعہ کیا ہوتا تو ان کو ایسی آیت بھی جس میں نجات کے لئے یوم آخرت اور عمل صالح کی شرط بھی ساقط ہے مل جاتی مثلاً اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :-  
 اِنَّ الَّذِیْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ  
 بے شک جن لوگوں نے کہا ہمارا رب اللہ ہے پھر اس



ثُمَّ اسْتَقَامُوا فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ۝ (الاحقاف - ۱۳) ہوں گے۔ پر جم گئے ان کو نہ خوف ہو گا اور نہ وہ غم گین

اگر ہم کسی ایک آیت کو لے کر بیٹھ جائیں اور اس سے نتائج اخذ کرنے شروع کر دیں تو سوائے غلطی کے اور کچھ حاصل نہیں ہو گا۔ عالم کو چاہیے کہ ہر آیت کی تشریح کرتے وقت قرآن مجید اور احادیث صحیحہ پر گہری نظر رکھے اور تمام آیات اور احادیث کے مجموعی نتیجہ کو اپنا رہنما بنائے۔

① صلاح الدین صاحب نے اپنے مضمون کے ساتھ کفایت اللہ صاحب کے ایک خط کا بھی کچھ حصہ شائع کیلئے ہے۔ خط بالکل بچکانہ ہے تاہم اس کا شائع کرنا ثابت کرتا ہے کہ اب صلاح الدین صاحب مخالفت برائے مخالفت پر اتر آئے ہیں اور ہمارے خلاف ہر مضمون کو خواہ وہ معیاری ہو یا نہ ہو اپنے رسالہ میں شائع کر سکتے ہیں۔

② کفایت اللہ صاحب کا قصہ یہ ہے کہ وہ چند سال پہلے عید کی نماز پڑھ کر عید گاہ سے سیدھے ریوے اسٹیشن پہنچے اور کراچی آئے۔ بوقت ملاقات ان کو منجملہ اور اشیاء کے پتلے دیے ہیں پڑی ہوئی بنکیاں کھانے کے لئے پیش کی گئیں۔ وہ انہیں انگلیوں سے کھاتے رہے۔ بنکیاں ہاتھ میں رہ جاتی تھیں اور دی پیا لے میں گر جاتا تھا۔ انہوں نے چچہ استعمال نہیں کیا۔ دوسری مرتبہ جب وہ ملاقات کو آئے تو پھر کوئی ایسی ہی چیز پیش کی گئی۔ انہوں نے چچہ پھر استعمال نہیں کیا۔ اسی اثناء میں ان سے سوال کیا گیا: آپ ریل میں آئے یا اونٹ پر۔ کہنے لگے: ریل میں۔ اس کے بعد انہوں نے فوراً چچہ اٹھایا اور اس کے ذریعہ کھانے لگے۔

③ کفایت اللہ صاحب نے سوال کیا ہے کہ ہم نے "تَلَزَمُ جَمَاعَةُ الْمُسْلِمِينَ وَ إِمَامَهُمْ" کے کئی ترجمے کئے ہیں۔ ایسا کیوں ہوا ہے؟

تمام ترجموں کا مفہوم ایک ہی ہے لہذا اعتراض لا یعنی ہے۔ "ہُمْ" کا ترجمہ اگر "اُن" کیا ہے تو عربی متن کے لحاظ سے اور اگر "اُس" کیا ہے تو اردو کے قواعد اور محاورہ کے لحاظ سے اس لئے کہ "ہُمْ" کا مرجع "جماعۃ" اور وہ اردو کے لحاظ سے واحد ہے عربی زبان میں اسم جمع کے لئے عموماً مذکر اور جمع کے صیغے استعمال ہوتے ہیں۔ مثلاً :-

وَيَقُومِرَا عَمَلُوا عَلَى مَكَانَتِكُمْ اور اے میری قوم تم اپنی جگہ پر عمل کرو۔

(ہود - ۹۳)

اس جملہ میں "اعملوا" اور "کم" دونوں جمع ذکر کے صیغے ہیں جو "قوم" کے لئے



استعمال ہوئے ہیں۔

مولوی عبدالستار خاں صاحب لکھتے ہیں :- عبارت میں اُن کا استعمال عموماً جمع کی طرح ہوگا: قَوْمٌ صَالِحُونَ (تسبیل الادب فی لسان العرب المعروف بہ عربی کا معلم جدید حصہ اول ص ۱۲) الغرض متن کے لفظی ترجمہ کے لحاظ سے "اُن" صحیح ہے اور اردو کے قواعد کے لحاظ سے "اُس" صحیح ہے۔

"تاریخ الاسلام والمسلمین" کے آخر سے حدیث "تلزم جماعة المسلمين وامامهم" ہم نے نہیں نکالی۔ یہ کاپی جوڑنے والے کی غلطی ہے کہ اُس نے دو جگہ "جماعت المسلمین" کی دعوت کی فلم لگادی۔

(۴) کفایت اللہ صاحب پوچھتے ہیں: آپ جماعت المسلمین کا ترجمہ "مسلمین کی جماعت" کیوں نہیں کرتے (مختصاً: تکبیر شماره ۹ مورخہ ۴ مارچ ۱۳۱۳ھ ص ۱۱۱) اردو میں عربی کے سیکڑوں مرکبات استعمال ہوتے ہیں لہذا ترجمہ کرتے وقت مرکب کو توڑنے کی ضرورت نہیں۔ کفایت اللہ صاحب تو اس لئے توڑ رہے ہیں کہ مرکب "جماعت المسلمین" باقی نہ رہے۔ ہم کہتے ہیں کہ اگر اردو میں باقی نہ رہے گا تو عربی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ میں تو باقی رہے گا اور یہی مطلوب ہے۔ جو الفاظ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان اقدس سے نکلے تھے آخر ان سے کیا چڑھے؟

(۵) کفایت اللہ صاحب پوچھتے ہیں :- آپ سنن ابوداؤد کی کتاب الفتن کی احادیث اس حدیث تلزم جماعة المسلمين کی تشریح میں کیوں پیش نہیں کرتے (حوالہ مذکور ص ۱۱۱) ان احادیث کی سندوں میں اختلاف ہے۔ راوی کا نام بدلتا رہتا ہے۔ وضاحت کے ساتھ چار زمانوں کا ذکر نہیں ہے۔ متن کے لحاظ سے وہ یکساں نہیں ہیں۔ مزید برآں ان کا متن صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی متفق علیہ حدیث کے خلاف ہے لہذا وہ معلول ہیں اور قابل حجت نہیں۔

(۶) کفایت اللہ صاحب پوچھتے ہیں :- "ہمیں وہ تاریخی موڑ بتایا جائے جہاں پہنچ کر جماعت المسلمین" کا وجود اچانک ہی مٹ گیا ہو" (حوالہ مذکور ص ۱۱۱) اس کا جواب کفایت اللہ صاحب نے خود دے دیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں: "وگر نہ مسلمانوں کی جماعت یا ملت تو ہمیشہ رہی ہے" (حوالہ مذکور)

کفایت اللہ صاحب "جماعت المسلمین" کا ترجمہ مسلمانوں کی جماعت کر کے "جماعت المسلمین" کو مٹانا چاہتے ہیں۔ "جماعت المسلمین" اچانک نہیں مٹا کرتی۔ اس کے لئے ایک فطری وقت کی ضرورت ہوتی ہے۔ مزید برآں "جماعت المسلمین" عموماً عقائد کی تبدیلی سے مشتی ہے اور عقائد نظر نہیں آتے لہذا جماعت المسلمین کا مٹنا بھی نظر نہیں آتا۔ جماعت المسلمین کا مٹنا بتدریج ہوتا ہے۔ شاہ ولی اللہ صاحب نے اس کے مٹنے کا نقشہ بہت اچھا کھینچا ہے۔ وہ لکھتے ہیں :-

انہم اطباء نواب بالتقلید و دب  
التقلید فی صدورہم دیب النمل  
وہم لا یشعرون۔ فنشأت بعدہم  
قرون علی التقلید الصرف لا یبیزون  
الحق من الباطل ولا اقول ذلک کلہا  
مطر دافان اللہ طائفۃ من عبادہ  
لا بصرہم من خذلہم وہم حجة اللہ  
فی ارضہ و ان قلو اولم یأت قرن  
بعد ذلک الا وہو اکثر فتنۃ و  
اوفر تقلیداً و اشد انتزاعاً  
للامانۃ من صدور الرجال حتی  
اطباء نواب ترک الخوض فی امر الدین  
وبان یقولوا : اِنَّا وَجَدْنَا اَبَاءَنَا  
عَلٰی اُمَّۃٍ وَاِنَّا عَلٰی اَنۡصَارِہِمُ  
مُّقْتَدُوۡنَ وَاِلٰی اللہ المشتکی و هو  
المستعان وبہ الثقة و علیہ  
التکلیان (الانصاف)

لوگ تقلید پر مطمئن ہو گئے اور تقلید ان کے  
دلوں میں اس طرح داخل ہوئی جس طرح  
چیونٹی چلتی ہے اور انہیں خبر بھی نہیں ہوتی۔  
پھر ان کے بعد ایسے لوگ پیدا ہوئے جو تقلید  
محض کے پرستار تھے، باطل سے حق کو میسر نہ  
کر سکتے تھے اور یہ بات میں تمام لوگوں کے متعلق  
نہیں کہہ رہا کیونکہ اللہ کے بندوں میں سے  
ایک جماعت اللہ کی بھی ہوتی ہے جن کو کسی  
کی مخالفت نقصان نہیں پہنچاتی اور وہ اللہ  
کی زمین اللہ کی حجت ہوتے ہیں اگرچہ وہ قلیل  
ہی کیوں نہ ہوں پھر اس کے بعد جو قرن بھی آیا  
فتنہ زیادہ ہوتا گیا، تقلید کی فراوانی ہوتی چلی  
گئی اور لوگوں کے قلوب سے امانت شدت  
کے ساتھ نکلتی چلی گئی یہاں تک کہ لوگوں نے  
دینی معاملات میں غور کرنا چھوڑ دیا اور اس آیت  
کا مصداق بن گئے: "ہم نے اپنے آباء کو اس  
طریقہ پر پایا اور ہم تو انہیں کے نقش قدم پر  
چلتے رہیں گے" اللہ ہی سے شکایت ہے،  
وہی مددگار ہے، اسی پر اعتماد ہے اور اسی  
پر توکل۔



④ کفایت اللہ صاحب سوال کرتے ہیں ”کیا آپ اپنے دعوے کے مطابق وہ حدیث دکھا سکتے ہیں جس میں امیر جماعت المسلمین کے الفاظ ہوں۔“ (حوالہ مذکور ص ۱۷۱ کالم ۲)

”جماعت المسلمین“ حدیثوں میں موجود ہے۔ امیر کا لفظ حدیثوں میں موجود ہے۔ ظاہر ہے کہ پھر جماعت المسلمین کا امیر ”امیر جماعت المسلمین“ ہی ہوگا۔ کفایت اللہ صاحب کا یہ سوال ہمارے اس سوال کا کہ ”الہدایت“ نام حدیث میں دکھاؤ کا الزامی جواب ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ ”الہدایت“ کی جگہ ”مسلمین“ کا لفظ قرآن مجید اور احادیث میں موجود ہے لہذا ”الہدایت“ کی جگہ ”مسلمین“ نام ہونا چاہیے۔ اب اگر کفایت اللہ صاحب ”امیر جماعت المسلمین“ کی جگہ آیت یا حدیث ہے دوسرا نام بتادیں تو ہم اُسے یقیناً رک لیں گے۔ ہم نہیں اڑیں گے جس طرح الہدایت حضرات اپنے بے ثبوت نام پر اڑے ہوئے ہیں۔

صلاح الدین صاحب لکھتے ہیں :-

”ان سوالات اور مضامینوں سے پتہ چلتا ہے کہ مسعود احمد صاحب کے موقف کی پوری عمارت حدیث کے غلط ترجمہ پر مبنی ہے“ (حوالہ مذکور ص ۱۷۱ کالم ۲)

ہم نے ثابت کر دیا ہے کہ ترجمہ بالکل صحیح ہے لہذا ہمارا نام ”جماعت المسلمین“ بالکل صحیح ہے۔ فلہذا الحمد۔ صلاح الدین صاحب کی اس عبارت سے ظاہر ہوتا ہے کہ صلاح الدین صاحب کو جماعت المسلمین اور اس کے امیر سے بڑا بغض ہے۔



## ضمیمہ ۳

ایک صاحب نے محمد صلاح الدین صاحب کے مضمون ”مسلمان کون ہے، کون نہیں“ پر اپنا تبصرہ لکھ کر موصوف کو روانہ فرمایا اور اس تبصرہ کی ایک نقل ہم کو ارسال کی۔ ہم ان کے تبصرے کو اپنے کتابچہ ”الجماعۃ“ میں بطور ضمیمہ شائع کر رہے ہیں۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

① آپ نے لکھا ہے کہ: ”ہر کلمہ گو مسلمان محمد رسول اللہؐ کی ”جماعت المسلمین“ میں شامل ہے“ نیز یہ کہ: ”حضورؐ کی قائم کردہ ”الجماعۃ“ کبھی معدوم نہیں ہوگی اور اس کا بانی، ہادی و راہنما دائمی ائیر ہے“ یہاں چند سوالات پیدا ہوتے ہیں۔ اول یہ کہ اگر ہر کلمہ گو ”جماعت المسلمین“ میں شامل ہے تو پھر وہ ۷۲ فرقے کون سے ہیں جن کو جہنمی کہا گیا۔ کلمہ گو تودہ فرقے بھی ہیں۔ دوم یہ کہ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان کا کیا مطلب ہوگا کہ ”تم تمام فرقوں سے علیحدہ ہو جانا خواہ اس صورت میں تم کو درختوں کی جڑیں چبانی پڑیں اور اسی حالت میں تم کو موت آجائے“ سوم یہ کہ اگر ”جماعت المسلمین“ یا ”الجماعۃ“ کبھی معدوم نہ ہوگی تو پھر صحابی رسول کا یہ سوال کہ ”اگر المسلمین کی جماعت ہو نہ امام ہو“ بے معنی ہو جاتا ہے۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ان صحابیؓ کی تصبیح کرتے ہوئے یہ نہ فرمایا کہ ایسا تو ہو ہی نہیں سکتا کہ کسی وقت المسلمین کی جماعت نہ ہو بلکہ آپ نے صحابیؓ کے سوال کا یہ جواب دیا کہ اگر ایسی صورت پیش آئے کہ المسلمین کی جماعت اور امام نہ ہو تو اس صورت میں تم تمام فرقوں سے علیحدہ ہو جانا۔ صحابیؓ کے سوال اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جواب سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ ”الجماعۃ“ یا ”جماعت المسلمین“ کے کسی وقت میں معدوم ہونے کا امکان ہے۔ پس آپ کا یہ کہنا کہ ”الجماعۃ کبھی معدوم نہ ہوگی اور اس کا بانی دائمی ائیر ہے“ محل نظر ہے۔

② اگر تمام فرقے ”الجماعۃ“ کا جز ہیں تو ان سے علیحدگی کیسے ہو سکتی ہے؟

③ آپ نے لکھا ہے کہ ”مسعود احمد صاحب کے ہاں ایسی کوئی درجہ بندی نہیں۔ آدمی مسلم ہوگا یا کافر اور مشرک“ میرے خیال میں آپ کا مفہوم کچھ واضح نہیں۔ ویسے اس سلسلے میں مسعود احمد صاحب

کی بات صحیح معلوم ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان بھی یہی ہے کہ "حق کے بعد گمراہی کے سوا کچھ نہیں۔" (سورہ یونس : ۲۲) اس لئے جو آدمی حق پر نہ ہو گا وہ گمراہ ہو گا۔ جو مسلم نہ ہو گا وہ کافر ہو گا۔ ہاں مسلم کے درجات ہو سکتے ہیں۔ کوئی سابق بالخیرات ہو گا کوئی گنہگار ہو گا۔ کوئی اعلیٰ درجے کا مسلم ہو گا کوئی ادنیٰ درجے کا مسلم ہو گا لیکن جو ادنیٰ درجے کا مسلم ہے، مسلم تو وہ بھی ہے۔ میرا خیال ہے کہ آپ نے یہ بات سہواً لکھ دی ہے یا اس سے آپ کی مراد کچھ اور ہے۔ اس کی وضاحت آپ خود ہی کر دیں تو بہتر ہے۔

(۴) آپ نے لکھا ہے "مسعود احمد صاحب ائمہ اربعہ کو متوازی اسلام کا بانی قرار دیتے ہیں۔" آپ کی یہ بات صحیح نہیں۔ اس سلسلے میں آپ کی توجہ افروری کے تکبیر ص ۱۷۱ کی طرف دلانا چاہیے گا جہاں مسعود احمد صاحب نے لکھا ہے کہ "ائمہ دین نے نہ یہ مذاہب بنائے اور نہ یہ فرقے بنائے۔ یہ بعد کی چیزیں ہیں جو بعد والوں نے ان کی طرف منسوب کر دی ہیں۔" اس وضاحت سے معاملہ صاف ہو جاتا ہے۔

(۵) آپ نے لکھا ہے کہ "امام بخاریؒ جب صحیح اور غلط روایات کی چھان بین کرنے بیٹھے تو ۶۰ لاکھ احادیث میں سے وہ ۶۰ ہزار پر یعنی صرف ایک فیصد پر مطمئن ہو سکے۔" یہ بات صحیح نہیں اس لئے کہ حضرت امام بخاریؒ نے خود فرمایا ہے کہ میں نے بہت سی صحیح حدیثیں صحیح بخاری میں اس لئے درج نہیں کیں کہ یہ کتاب بہت ضخیم نہ ہو جائے۔ (مقدمہ ترجمہ صحیح بخاری مطبوعہ تلج کمپنی کراچی)

(۶) آپ نے لکھا ہے کہ "مسعود احمد صاحب قرآن اور حدیث دونوں کو یکساں درجہ دیتے ہیں اور ان کے نزدیک دونوں مبنی بر وحی اور منزل من اللہ ہیں۔" میرا خیال ہے کہ یہ عقیدہ تو علمائے احناف کو بھی تسلیم ہے۔ مثال کے طور پر حکیم احمد اللہ ندوی صاحب لکھتے ہیں کہ "سنت بھی وحی ہے، وحی الہی کی قسموں میں ایک پورا قرآن مجید ہے اور دوسری قسم سنت نبوی ہے جس کی طرف قرآن کی یہ آیت ناظر ہے "وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ ۝ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ" سنت بھی وحی کی طرح اللہ تعالیٰ کی طرف سے آئی ہے۔" اس کے بعد حکیم صاحب نے اپنی دلیل میں ابو داؤد۔ ترمذی اور ابن ماجہ کی ایک روایت پیش کی ہے۔ اس کے بعد حضرت حسان بن علیہ کا قول نقل کیا ہے کہ حضرت جبریلؑ سنت لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس نازل ہوتے تھے جس طرح قرآن لے کر آپ کے پاس اترتے تھے اور آپ کو سنت کی ویسی ہی تعلیم دیتے تھے جس طرح قرآن مجید کی تعلیم آپ کو دیتے تھے۔ (تاریخ حدیث و محدثین مطبوعہ انجمن اشاعت قرآن



عظیم۔ نیوٹاؤن جامع مسجد کراچی)۔ دوسرے عالم شیخ الحدیث ابوالزاہر محمد سرفراز حنفی خطیب جامع مسجد گلبرگ ضلع گوجرانوالہ اپنی کتاب ”شوق حدیث“ میں لکھتے ہیں۔ ”اللہ تعالیٰ کے رسولؐ نے بھی (بہت سی اشیاء کا) حرام ہونا بیان کیا ہے سو وہ ویسا ہی حرام ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا ہے (ترمذی و مستدرک دابن ماجہ و مشکوٰۃ) اور ان کی ایک روایت میں ہے کہ آپؐ نے فرمایا خبردار بے شک مجھے کتاب اللہ دی گئی ہے اور (استدلال و احتجاج میں) اس کی مثل بھی اس کے ساتھ دی گئی ہے (وہ حدیث و سنت ہے) اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : وَمَا أَنزَلْنَا عَلَيْكَ مِنَ الْكِتَابِ وَالْحِكْمَةِ اور جو اللہ نے تم پر کتاب و حکمت اتاری۔ اس سے معلوم ہوا کہ جیسے کتاب منزل من اللہ ہے اسی طرح حکمت بھی منزل من اللہ ہے اور حکمت سے مراد سنت ہے تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۱۸۷ اور اس پر سلف کا اتفاق ہے کتاب الروح ص ۱۲ (شوق حدیث ص ۱۸) حضرت امام بخاریؒ نے کتاب الاعتصام بالکتاب والسنة میں ایک باب باندھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی ایسے مسئلے کے بارے میں پوچھا جاتا جس کے متعلق آپؐ پر وحی نازل نہ ہوئی ہوتی تو آپؐ فرماتے تھے ”میں نہیں جانتا یا آپؐ جواب ہی نہ دیتے تھے اور رائے اور قیاس سے جواب نہ دیتے تھے۔ اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روح کے متعلق سوال کیا گیا تو آپؐ خاموش رہے یہاں تک کہ اس بارے میں وحی نازل ہوئی (صحیح بخاری شریف مطبوعہ تاج کینی ج ۹ ص ۳۳۶)

⑤ آپؐ نے لکھا ہے کہ ”قرآن میں سند و ادیت کا مسئلہ سرے سے موجود نہیں جبکہ احادیث کی درجہ بندی اسی پر مبنی ہے یہ مسلم کہ احادیث کی صحت کا مدار ان کی اسناد پر ہے لیکن جب کسی حدیث کی صحت ثابت ہو جائے اور یہ یقین حاصل ہو جائے کہ واقعی یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے۔ کیا اس کے بعد بھی اس کے واجب الاتباع ہونے میں کوئی اختلاف ہو سکتا ہے؟

⑥ آپؐ نے لکھا ہے ”مسعود احمد صاحب کے پورے لٹریچر میں عقائد و افکار پر زیادہ زور ہے اعمال اور بالخصوص معاملات پر کم۔“ مسعود احمد صاحب کا لٹریچر میری نظر سے بھی گزر رہا ہے اور اکثر ان کی جماعت کے اجتماعات میں بھی شرکت کا موقع ملا ہے۔ میں نے نوٹ کیا ہے کہ وہ اعمال پر بہت زور دیتے ہیں۔ سنت کی اہمیت ان کے لٹریچر میں جا بجا واضح ہے۔ ایسی سنتیں جن کو اکثر علماء کوئی اہمیت نہیں دیتے۔ مسعود احمد صاحب ان سنتوں پر خود بھی بڑی سختی سے عمل کرتے ہیں اور دوسروں سے بھی کرواتے ہیں مثلاً ہر چیز کو سیدھے ہاتھ سے لینا سیدھے ہاتھ سے دینا۔ جوتی پہنتے وقت



پہلے دائیں پیر میں پہننا، اتارنے وقت پہلے بائیں پیر سے اتارنا۔ وغیرہ وغیرہ۔ ان کا لڑپچر تو اتباع سنت کی تاکید سے بھرا ہوا ہے حتیٰ کہ وہ تارکِ سنت کو ملعون کہتے ہیں بمطابق حدیث نبوی کہ: ”چھ آدمی ہیں جن پر میری بھی لعنت ہے اور اللہ کی بھی۔“ تفسیر قرآن عزیز میں تو ہر باب کے آخر میں انہوں نے ”عمل“ کا مستقل عنوان قائم کیا ہے۔ ان تمام باتوں کے باوجود یہ کہنا کہ ان کے لڑپچر میں اعمال پر زور کم ہے بعید از انصاف بات ہے۔ رہی یہ بات کہ ”عقائد“ اور ”اعمال“ میں سے کونسی چیز زیادہ اہم ہے تو ظاہر ہے عقائد کی اہمیت زیادہ ہے اور یہ بات خود قرآن مجید (سورہ توبہ : ۱۹) سے ثابت ہے۔ لہذا یہ بات بھی غلط نہیں ہے۔

⑨ آپ نے لکھا ہے کہ ”اللہ کی صفت رحم و کرم کا تو یہ عالم ہے کہ وہ غیر مسلموں کو بھی ایمان اور عمل صالح پر اجر و انعام کی بشارت دے رہا ہے۔“ یہاں یہ بات سمجھ میں نہیں آئی کہ کوئی شخص ایمان لانے کے بعد بھی غیر مسلم کیسے رہ سکتا ہے۔ اس سے لگے آپ نے لکھا ہے: ”آخری نبیؐ کو ماننے کی شرط بھی سرے سے ساقط کر دی گئی ہے۔“ یہ تو آپ نے بہت بڑی بات لکھ دی! اس لحاظ سے تو قادیانی بھی اللہ تعالیٰ کے اجر و انعام کے مستحق قرار پائیں گے جبکہ وہ تو بزعم خود آخری نبیؐ کو بھی مانتے ہیں۔

جہاں تک میرے ناقص علم کا تعلق ہے میں سمجھتا ہوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے بعد آپ پر ایمان لانا لازمی ہے۔ جو آپ پر ایمان نہ لائے گا وہ نہ ٹھوس ہوگا نہ مسلم جبکہ قرآن مجید میں اجر و انعام کی جو بشارتیں ہیں وہ اللہ اور روزِ آخرت پر ایمان رکھنے والوں کے لئے ہیں۔ یہاں یہ وضاحت ضروری معلوم ہوتی ہے کہ اللہ پر ایمان لانے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانا بھی شامل ہے اور یہ بات خود فرمانِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے جب قبیلہ عبد النقیس کا وفد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا تو آپ نے ان کو چار باتوں کا حکم دیا اور چار باتوں سے منع فرمایا۔ آپ نے ان کو اللہ کیلئے پر ایمان لانے کا حکم دیا۔ پھر آپ نے ان سے پوچھا ”کیا تم جانتے ہو کیلئے اللہ پر ایمان لانا کیا ہے؟“ انہوں نے کہا ”اللہ اور اس کا رسول زیادہ جانتے ہیں۔“ آپ نے فرمایا: ”اللہ کیلئے پر ایمان لانا یہ ہے کہ (گو اہی دینا اس بات کی کہ اللہ کے علاوہ کوئی معبود نہیں اور یہ کہ محمد اللہ کے رسول ہیں) صحیح بخاری شریف۔ کتاب الایمان باب اداء الغنس

من الایمان) پس ثابت ہوا کہ اللہ پر ایمان لانے میں رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) پر ایمان لانا بھی شامل ہے۔

⑩ آپ نے لکھا ہے کہ ”ائمہ اربعہ سے استفادہ کی صورت وہی ہے جو جماعت المسلمین کے ارکان اپنے امام سے بیعت کرنے کے بعد اختیار کئے ہوئے ہیں۔“ ائمہ اربعہ سے استفادہ کی بات کچھ صحیح نہیں۔ اس کے لئے صحیح لفظ ”تقلید“ ہی ہے اور ائمہ اربعہ کے مقلدین اپنے امام کے قول یا فتوے کو حجت شرعیہ مانتے ہیں جبکہ جماعت المسلمین کے ارکان اپنے امام کے قول کو حجت نہیں سمجھتے۔ اس کے برعکس ان کے ہر قول کے ثبوت کے لئے کسی دلیل یعنی قرآن یا حدیث کا مطالبہ کرتے ہیں۔ لہذا تقلید اور استفادہ کی ان دونوں صورتوں میں بہت فرق ہے۔

۲۷ شعبان ۱۴۱۳ھ بمطابق ۲۰ فروری ۱۹۹۳ء



51394

لفظ ”مولیٰ“ کثیر المعانی ہے، لہذا کسی شخص کو مولیٰ کہنے سے کہنے والے کی مختلف نیتیں ہو سکتی ہیں لیکن اس کا اکثر استعمال مالکِ آقا کے معنوں میں ہوتا ہے اور کیونکہ ہمارا مالک صرف اللہ تعالیٰ ہے لہذا ہمارے لئے اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی دوسرے کیلئے اس لفظ کا استعمال جائز نہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:-

(۱) لَا يَقُولَنَّ أَحَدُكُمْ عَبْدِي وَ  
 أَمَتِي كُلُّكُمْ عَبْدُ اللَّهِ وَكُلُّ  
 نِسَائِكُمْ إِمَاءُ اللَّهِ وَلَكِنْ لِيَقُلْ  
 غُلَامِي وَجَارِيتِي وَفَتَايَ وَفَتَاتِي  
 وَفِي رِهَابِي لَا يَقُلْ أَحَدُكُمْ اِسْتِ  
 رَبَّكَ ..... وَلَا يَقُلْ أَحَدُكُمْ  
 رَبِّي وَلِيَقُلْ سَيِّدِي وَمَوْلَايَ :  
 (صحیح مسلم کتاب اللغات من الادب ابی ہریرۃ )  
 سردار ————— اور ”میرا مولیٰ“

(۲) وَلَا يَقُولُ الْعَبْدُ لِسَيِّدِهِ مَوْلَايَ كَوَلَّى غُلَامٌ اپنے آقا کو "میرا مولیٰ" نہ کہے اس لئے  
فَإِنَّ مَوْلَاكُمْ لِلَّهِ مَعْزُوجَةٌ (حوالہ) کہ تم سب کا مولیٰ اللہ عز و جل ہے۔  
(مذکور عن ابی ہریرۃ رض)

بعض چیزیں ایک عرصہ سے رائج ہونے کی وجہ سے اس قدر راسخ ہو جاتی ہیں کہ ان کا ترک یا انکار فطرتاً طبیعت پر بانگزدارتا ہے۔ ان چیزوں کے عدم جواز پر جب دلائل دئے جاتے ہیں تو بجائے اس کے کہ اُن کے سامنے تسلیم خم کر دیا جائے اُن پر طرح طرح کے اعتراضات کئے جاتے ہیں اُن کی مختلف قسم کی تاویلیں کی جاتی ہیں اور اس طرح جواز کو برقرار رکھا جاتا ہے۔ ہم سمجھتے ہیں کہ لفظ ”مولانا“ کے استعمال کے سلسلہ میں بھی اعتراضات کئے جائیں گے۔ احادیث کی تاویلیں کی جائیں گی لہذا حفظ ماتقدم کے طور پر ہم ان تمام اعتراضات اور تاویلات کو ذکر کر کے ان کا جواب



## یہ تے ہیں۔ و بائد التوفیق۔ اعتراضات و تاویلات

اعتراض ۱ :- یہ دو حدیثیں ہیں، پہلی سے اجازت نکلتی ہے، دوسری سے ممانعت، لہذا جواز و ممانعت میں شک پیدا ہو گیا۔

جواب ۱ :- اگر یہ مان بھی لیا جائے تو ظاہر ہے کہ پابندیاں آہستہ آہستہ ہی لگائی گئیں، لہذا اجازت کی حدیث پہلے کی ہے اور ممانعت کی بعد کی۔ دوسری حدیث نے مولیٰ کے استعمال کی اجازت کو منسوخ کر دیا۔ دوسرا جواب اس کا یہ ہے کہ جہاں اجازت و حرمت دونوں کی دلیل ملتی ہو وہاں حرمت کو ترجیح ہوتی ہے۔ مشکوک چیز کو چھوڑ نیک حکم یا گلیلہ لہذا اس اصول کے لحاظ سے بھی مولیٰ کا استعمال جائز نہ ہو گا۔

اعتراض ۲ :- یہ دو حدیثیں نہیں ہیں بلکہ یہ دونوں ملکر ایک ہی حدیث ہے، لہذا تقدم تاخر کا حکم ہے۔ جواب ۲ :- اس صورت میں متن حدیث میں جواب لکھا و پیدا ہو گا وہ ظاہر ہے۔ ”تم سب مولیٰ اللہ عز و جل ہے“ بے معنی ہو جائیگا اور یہ قطعاً باطل ہے۔

اعتراض ۳ :- دوسری حدیث میں ”مَوْلَاكُمْ اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ“ زائد ہے پہلی حدیث میں نہیں، لہذا مشکوک ہے۔ جواب ۳ :- اگر یہ دو حدیثیں ہیں تو زائد ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا اور اگر بقول معزز من یہ دونوں حدیثیں مل کر ایک ہی حدیث ہے تب بھی یہ جملہ مشکوک نہیں اس لئے کہ ثقہ راوی کی زیادتی اہل علم کے نزدیک مستند سمجھی جاتی ہے۔

نوٹ :- دونوں حدیثوں کو ایک ماننے کی صورت میں جواب لکھا و پیدا ہو گا اس کا ذکر اوپر کیا جا چکا ہے۔

اعتراض ۴ :- یہ دو حدیثیں ہیں اور دونوں میں سے ایک ہی منسوخ نہیں۔

جواب ۴ :- اس صورت میں احادیث میں تضاد پیدا ہو جائے گا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منع بھی فرمائیں اور اجازت بھی دیں یہ بعید از عقل ہے۔

اعتراض ۵ :- دوسری حدیث منسوخ ہے اور پہلی ناسخ۔

جواب ۵ :- ممانعت کے بعد اجازت اس طرح ہونی چاہیے ”میں نے تمہیں پہلے منع کیا تھا، اب اجازت دیتا ہوں“ اس کی مثالیں احادیث میں ملتی ہیں۔ مزید برآں ممانعت کی جو وجہ تھی یعنی ”تم سب کا مولیٰ اللہ عز و جل ہے“ یہ کبھی زائل نہیں ہو سکتی لہذا ممانعت کا نسخ ناممکن ہے۔

اعتراض ۶ :- لفظ ”مولیٰ“ قرآن اور حدیث میں انسانوں کیلئے استعمال ہوا ہے لہذا ہمارے لئے بھی اس کا انسانوں کیلئے استعمال کرنا جائز ہے۔

جواب ۶ :- قرآن مجید میں لفظ ”رب“ بھی انسانوں کیلئے استعمال ہوا ہے، مثلاً فَإِنَّهُ الشَّيْطَانُ

ذکرِ رَبِّہ (یوسفؑ) پھر شیطان نے اُس کو بھلا دیا کہ وہ اپنے رب سے (یوسف علیہ السلام کا) ذکر کرے۔  
 بتائیے کیا اس آیت کی رو سے رب کا استعمال انسانوں کیلئے جائز ہے؟ ہرگز نہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے  
 وَأَنْتُمْ حَوَالَا بَايَ مِنْكُمْ وَالصَّالِحِينَ مِنْ عِبَادِكُمْ قَدْ آمَنَّا بِكُمْ (نہ) "تم میں سے جو غیر شادی شدہ  
 ہوں اُن کا نکاح کر دیا کرو اور تمہارے بندے اور تمہاری بندویں میں سے جو نیک ہوں اُن کا بھی نکاح کر دیا کرو۔"  
 اس آیت میں عبد کی اصناف انسانوں کی طرف سے، کیا ہم بھی کسی انسان کو دوسرا انسان کا عبد کہہ سکتے ہیں؟ ہرگز نہیں۔  
 احادیث میں بھی ایسے لفظوں کا استعمال "وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ" کے بمقدار حق من جانبِ شہی ہے۔ اللہ تعالیٰ کو اختیار ہے  
 جو لفظ چاہے استعمال کرے جس کو چاہے اپنے علاوہ سب کو نیک حکم دیکر، بندوں کو اختیار نہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کے قول و فعل  
 کی بنیاد پر ممنوعہ الفاظ استعمال کریں یا کسی انسان کو دوسرا انسان کے سامنے سجدہ کر نیک حکم دیں۔

وَأَعْتَصِمُوا بِاللهِ، هُوَ مَوْلَاكُمْ اور اللہ کو مضبوطی سے پکڑے رہو،  
 فَنِعْمَ الْمَوْلَىٰ وَنِعْمَ النَّصِيرُ۔ وہی تمہارا مولا ہے تو وہ اچھا مولا ہے  
 (الحج ۷۸) اور اچھا مددگار۔

الغرض اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی دوسرے کو مولا نہ کہنا جائز نہیں۔  
 (اے اللہ) "أَنْتَ مَوْلَانَا فَأَنْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكَافِرِينَ ۝"

## جامعۃ امین

۵۹۱/۲ ، منصورہ - کراچی ۳۸



بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

ماہ شعبان ۱۴۳۷ھ

سلسلہ اشاعت ۱۰۱

# شریعتِ بل اسلام کے مطابق نہیں

متحدہ شریعت محاذ کی طرف سے اسمبلی میں ایک بل پیش کیا گیا ہے جس کا نام شریعتِ بل ہے۔

شریعت سے مراد اللہ تعالیٰ کا وہ قانون اور ضابطہ حیات ہے جو اللہ تعالیٰ نے انسانوں کی ہدایت کے لئے نازل فرمایا۔ شریعت کا نفاذ حتی الامکان ہر مسلم پر اس کے دائرہ اختیار میں فرض ہے لہذا جس مسلم نے اپنی ذات پر شریعتِ اسلامیہ کو نافذ کر لیا ہو اس کا یہ بھی فرض ہے کہ عوام الناس، ارکانِ اسمبلی اور حکومت کو امر معروف کے تحت شریعت کے نافذ کرنے کا حکم دے یا نافذ کرنے کی نصیحت کرے۔ امر بالمعروف فرض ہے اور جس کو امر بالفرائض کیا جائے اُس کو اس امر کا مان لینا فرض ہے۔ اُسے اختیار نہیں کہ ملنے یا نہ مانے۔ اگر وہ مان لے اور اُسے مان ہی لینا چاہیے تو بہت اچھا ہے۔ اگر نہیں مانتا تو گنہگار ہوگا اور اگر انکار کرتا ہے تو کفر کے حدود میں داخل ہو جائے گا۔

اسمبلی میں کسی چیز کی منظوری کے لئے بل کا پیش کرنا ایک قسم کی تجویز ہے۔ تجویز کا لفظ خود بتا رہا ہے کہ ارکانِ اسمبلی جن کو وہ تجویز پیش کی جا رہی ہے اُن کو اُس تجویز کا مان لینا لازمی نہیں، یہی وجہ ہے کہ اسمبلی سینکڑوں بل نامنظور کر دیتی ہے لیکن شریعت نامنظور کرنے کی چیز نہیں اور نہ کسی کو اختیار ہے کہ وہ اُسے نامنظور کرے۔ اگر کوئی شخص یا چند اشخاص شریعت کو



نامنظور کرنے کے اختیار کا دعویٰ کرتے ہیں تو وہ اپنے ایمان کی نفی کرتے ہیں۔ شریعت کو نامنظور کرنا کھلا کفر ہے لہذا کسی مسلم کے لئے جائز نہیں کہ شریعت کو بطور تجویز پیش کرے اور یہ جانتے ہوئے پیش کرے کہ جن لوگوں کے سامنے وہ تجویز پیش کی جا رہی ہے وہ اُسے نامنظور کرنے کا بھی اختیار رکھتے ہیں۔ شریعت کو نامنظور کرنا اللہ تبارک و تعالیٰ، ذوالجلال والاکرام کی حاکمیت کا انکار کرنا ہے۔ شریعت کو منظور کرنے یا نامنظور کرنے کا اختیار رکھنے کا منطقی نتیجہ یہ ہے کہ اللہ ذوالجلال والاکرام کی حاکمیت اسمبلی اور صدر کی منظوری کی محتاج ہے۔ اگر وہ کہیں کہ اللہ عز و جل حاکم اعلیٰ ہے تو اللہ عز و جل حاکم اعلیٰ ہے ورنہ نہیں۔ اس لحاظ سے تو حاکمیت اسمبلی اور صدر کی ہوئی نہ کہ اللہ تعالیٰ کی۔

شریعت بل اسلامی اصول کے بالکل خلاف ہے۔ اس بل کے ذریعہ ارکان اسمبلی سے درخواست کی جا رہی ہے کہ وہ شریعت کو منظور کریں۔ اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی شریعت اُس کے ناچیز بندوں کی منظوری کی محتاج ہے۔ یہ طرز عمل ایمان کے قطعاً منافی ہے۔ الغرض شریعت بل اللہ تبارک و تعالیٰ، عز و جل، ذوالجلال والاکرام جل جلالہ و اعظم شانہ کی شان کے بالکل منافی ہے۔

یہ بل جمہوریت کا غماز ہے۔ یہ جمہوریت ہی ہے جس نے (معاذ اللہ) اللہ تعالیٰ کی شریعت کو بھی عوام کا محکوم بنا دیا۔ جمہوریت لعنت ہی نہیں بلکہ ایک قسم کا شرک ہے جس میں اللہ تعالیٰ کی حکومت نہیں ہوتی، عوام کی حکومت ہوتی ہے۔

قانون سازی | ارکان متحدہ شریعت محاذ لکھتے ہیں :-

”لہذا حسب ذیل قانون بنایا جاتا ہے“

(شریعت بل ص ۱، سطر ۱)

قانون ساز اللہ تعالیٰ ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :-  
 شَرَعَ لَكُمْ مِنَ الدِّينِ اللّٰهُ تَعَالٰی نے تمہارے لئے دین کی شریعت  
 (الشوری - ۱۳) بنائی۔

بندے قانون نہیں بنا سکتے۔ بندوں کا کام قوانین الہیہ پر ایمان لانا  
 اور اُن پر عمل کرنا ہے۔ بندوں کا قانون بنانا شرک ہے۔ اللہ تعالیٰ  
 فرماتا ہے :-

أَمْرٌ لَهُمْ شُرْكُكُمْ أَشْرَعُوا لَهُمْ  
 مِّنَ الدِّينِ مَا لَمْ يَأْذَن بِهِ  
 اللّٰهُ۔ (الشوری - ۲۱)  
 کیا انہوں نے (اللہ کے) شریک بنائے  
 ہیں جو ان کے لئے دینی معاملات میں  
 شریعت سازی کرتے ہیں جس کی اللہ نے  
 اجازت نہیں دی۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ شریعت سازی یا قانون سازی شرک  
 ہے۔ اس شرک کو شرک فی الدین یا شرک فی التشريع کہتے ہیں۔

الفاظ زیر تبصرہ کے بجائے مندرجہ ذیل الفاظ ہوتے چاہئیں :-

”لِذَا نَفَازِ شَرِيعَتِ كَلِّ حَسْبِ ذَلِ لَا تَحْمِلْ بِنَايَا جَانِبِ“

بل کی شق ۱ (ج) اس ایکٹ میں شامل کسی امر کا اطلاق غیر مسلموں کے شخصی

قوانین پر نہیں ہوگا۔ (شریعت بل ص ۴)

ایکٹ میں شخصی قوانین کی تعریف نہیں کی گئی۔

یہ شق قرآن مجید کے خلاف ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :-

وَأَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الْكِتَابَ  
 بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ  
 مِنَ الْكِتَابِ وَمُهَيِّمًا عَلَيْهِ  
 فَاحْكُم بَيْنَهُم بِمَا أَنْزَلَ  
 اللَّهُ وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَاءَهُمْ  
 اور (اے رسول) ہم نے آپ کی طرف حق کے  
 ساتھ کتاب نازل فرمائی ہے جو ان کتابوں  
 کی تصدیق کرتی ہے جو اس سے پہلے نازل  
 ہوئی ہیں اور (یہ کتاب) اُن (کتابوں) کی  
 محافظ بھی ہے تو (اے رسول) جو کتاب



عَمَّا جَاءَكَ مِنَ الْحَقِّ

(المائدة - ۴۸)

اللہ نے نازل فرمائی ہے اس کے مطابق ان کے  
درمیان فیصلہ کیجئے اور جو حق آپ کے پاس  
آیا ہے اُسے چھوڑ کر ان کی خواہشات کی  
پیروی نہ کیجئے۔

خط کشیدہ الفاظ پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ جو حق رسول اللہ صلی  
اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا ہے اہل کتاب کے مابین اُسی کے مطابق فیصلہ ہوگا۔  
جب ایک ملک کے قوانین دوسرے ملک میں نہیں چل سکتے تو حکومت  
الہیہ میں غیر اللہ کے قوانین کیسے چل سکتے ہیں۔ کوئی حکومت دوسرے ملک کے  
قوانین کی شرکت پسند نہیں کرتی تو اللہ تعالیٰ جس کو شرکت سب سے زیادہ  
ناپسند ہے غیر اللہ کے قوانین کی شرکت کیسے پسند کر سکتا ہے۔ مزید برآں یہ  
چیز تو اعلیٰ کلمۃ الحق اور اللہ تعالیٰ کی حاکمیت کے بھی سراسر منافی ہے۔  
دوسری آیت میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :-

وَأَنِ احْكُم بَيْنَهُم بِمَا  
أَنْزَلَ اللَّهُ وَلَا تَتَّبِعْ  
أَهْوَاءَهُمْ وَاحْذَرْهُمْ  
أَن يَفْتِنُواكَ عَنْ بَعْضِ  
مَا أَنْزَلَ اللَّهُ إِلَيْكَ

(المائدة - ۴۹)

اور (اے رسول، آپ کو پھر ہدایت کی  
جاتی ہے) کہ جو شریعت اللہ نے نازل  
فرمائی ہے اُسی کے مطابق ان کے درمیان  
فیصلہ کیجئے اور ان کی خواہشات کی  
پیروی نہ کیجئے اور ان سے ہوشیار رہئے  
کیس یہ آپ کو جزوی طور پر بھی اس  
شریعت سے جو اللہ نے آپ کی طرف نازل  
فرمائی ہے بھٹکا نہ دیں۔

اس آیت میں بھی خط کشیدہ الفاظ کا منشاء بالکل واضح ہے۔  
دونوں آیتوں کا خلاصہ یہ ہے کہ غیر مسلمین کے مابین تمام مقدمات  
کا فیصلہ اُسی شریعت کے مطابق ہوگا جو اللہ تعالیٰ نے محمد رسول اللہ صلی  
اللہ علیہ وسلم پر نازل فرمائی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی زمین پر صرف اللہ تعالیٰ کا



قانون نافذ ہوگا نہ کہ شخصی قانون۔ شخصی قانون کی پیروی درحقیقت غیر مسلمین کی خواہشات کی پیروی ہے اور یہ چیز اعلیٰ کلمۃ الحق کے بالکل خلاف ہے۔

مندرجہ ذیل حدیث سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اہل کتاب کے مقدمات میں قرآن مجید کے مطابق فیصلہ کرنے کا حکم دیا تھا۔  
حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں:-

کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم مختیراً ان شاء حکم بینہم وان شاء اعرض عنہم فردہم الی احکامہم فنزلت (و ان احکم بینہم بما انزل اللہ ولا تتبعہ اھواءہم) فامر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان یحکم بینہم بما فی کتابنا (رواہ ابن ابی حاتم تفسیر ابن کثیر جلد ۲ ص ۶۶ وسندہ صحیح)

(پہلے) نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اختیار تھا خواہ اہل کتاب کے درمیان فیصلہ فرمائیں یا ان سے اعراض کریں اور ان کو ان کے احکام کی طرف پھیر دیں لیکن بعد میں یہ آیت نازل ہوئی و ان احکم بینہم بما انزل اللہ ولا تتبعہ اھواءہم (جو قانون اللہ نے نازل فرمایا ہے اس کے مطابق فیصلہ کیجئے اور ان کی خواہشات کی پیروی نہ کیجئے) تو اس آیت کے ذریعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا گیا کہ ان کے درمیان اس قانون سے فیصلہ فرمائیں جو ہماری کتاب میں ہے۔

اس حکم کے بموجب اہل کتاب کے ایک مقدمہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن مجید کے مطابق ہی فیصلہ کیا۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں:-

ان قتلی النصیر کان لهم شرفٌ یؤدّون الذیۃ الکاملۃ وان بنی قریظۃ کانوا یؤدون نصف الذیۃ فتحاکموا فی ذلک الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فانزل اللہ عزوجل ذلک فیہم فحملہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علی الحق فی ذلک فجعل الذیۃ سواہ (رواہ النسائی فی کتاب القسامۃ والذیۃ جلد ۲ ص ۲۸۸ وسندہ صحیح)

بنو نضیر قبیلہ کو بنو قریظہ پر ایک قسم کا شرف حاصل تھا، اس شرف کی بنیاد پر بنو نظیر کو ان کے مقتولین کے سلسلہ میں (بنو قریظہ کی طرف سے) پوری دیت ملتی تھی اور بنو قریظہ کو ان کے مقتولین کے صلہ میں آدھی دیت ملتی تھی۔ (اس قسم کے) ایک مقدمہ میں انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف رجوع کیا، تو اللہ عزوجل نے یہ حکم نازل فرمایا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اس معاملہ میں حق پر چلنے کے لئے مجبور کر دیا اور (دونوں کے درمیان) دیت برابر کر دی۔

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں :-

کان فی بنی اسرائیل القصاص ولم یکن فیہم الذیۃ (رواہ النسائی فی کتاب القسامۃ والذیۃ جلد ۲ ص ۲۸۸ وسندہ صحیح)

بنی اسرائیل میں قصاص تھا، دیت نہیں تھی (یعنی توریت میں دیت کا حکم نہیں تھا بس قصاص لیا جاتا تھا)۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن مجید کے مطابق جو فیصلہ کیا وہ فیصلہ توریت کے بھی خلاف تھا اور بنی اسرائیل کے خود ساختہ مروجہ قانون کے بھی خلاف تھا۔

الغرض حکومت الہیہ میں تمام فیصلے اس شریعت کے مطابق ہونے چاہئیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی۔ جزیہ اور جہاد تو اسی مقصد کے لئے ہیں کہ اگر غیر مسلمین اسلام قبول نہ بھی کریں تب بھی ان کے



درمیان اللہ تعالیٰ کے قانون کے مطابق فیصلہ ہو۔ جزویہ اور جہاد کا اصل مقصد اللہ تعالیٰ کی حاکمیت کو قائم کرنا ہے اور اسی کا نام اعلیٰ کلمۃ الحق ہے۔

بل کی شق ۲ (ج) | شریعت سے مراد قرآن و سنت ہے

(شریعت بل ص ۵۱)

یہ شق اگرچہ صحیح ہے تاہم ”سنت“ کا لفظ تشریح طلب ہے ورنہ یہ لفظ تمام فرقوں کے لئے شریعت سے روگردانی کا ایک بہانہ بن جائے گا۔ ہر فرقہ کے نزدیک ”سنت“ وہ ہوگی جو اس کے فرقہ دارانہ مذاہب میں مستند سمجھی گئی ہے قطع نظر اس کے کہ اس کا ثبوت کسی حدیث سے ہے یا نہیں حتیٰ کہ حدیث کے خلاف ہونے کی صورت میں بھی وہ ”سنت“ اس فرقہ کے ہاں مستند ہی سمجھی جائے گی۔ فرقے بہت سے ہیں لہذا ایک ہی مسئلہ میں متعدد سنتیں ظہور پذیر ہوں گی، اس طرح اگرچہ ایک اسلام کے کئی اسلام پہلے ہی بن چکے ہیں اس شق سے ان کے فرقہ دارانہ مذاہب کو مزید تقویت پہنچے گی۔ ان کو نام نہاد اسلامی حکومت کے قانون کی سند اور سرپرستی حاصل ہو جائے گی حالانکہ یہ سند اور سرپرستی اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ شریعت کے خلاف ہوگی۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :-

وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللَّهِ جَمِيعًا  
وَلَا تَفَرَّقُوا (آل عمران - ۱۰۳)

(اے ایمان والو) سب مل کر اللہ کی رسی  
(یعنی اللہ کی شریعت) کو مضبوطی سے  
پکڑ لو اور فرقے نہ بنو۔

اللہ تبارک و تعالیٰ فرماتا ہے :-

اتَّبِعُوا مَا أُنْزِلَ إِلَيْكُم مِّنْ  
رَّبِّكُمْ وَلَا تَتَّبِعُوا مِنْ دُونِهِ  
أَوْلِيَاءَ (الاعراف - ۳)

جو شریعت تمہارے رب کی طرف سے  
تمہاری طرف نازل کی گئی ہے (بس) اُس  
کی پیروی کرو، اس کے علاوہ ولیوں کی

پیروی نہ کرو۔

فرقہ بندی ایک قسم کا شرک | اللہ تبارک و تعالیٰ فرماتا ہے :-

وَلَا تَكُونُوا مِنَ الْمُشْرِكِينَ ۝  
 مِنَ الَّذِينَ فَرَّقُوا دِينَهُمْ وَ  
 كَانُوا شِيعًا، كُلٌّ حِزْبٌ بِمَا  
 لَدَيْهِمْ فَرِحُونَ ۝  
 (الرمد - ۳۱، ۳۲)

اور (لے ایمان والو) تم مشرکین میں سے  
 نہ ہو جانا (یعنی) ان لوگوں میں سے نہ  
 ہو جانا جنہوں نے اپنے دین کو ٹکڑے  
 ٹکڑے کر ڈالا اور ہو گئے فرقے فرقے،  
 تمام فرقے جو کچھ ان کے پاس ہے اسی میں  
 ملن ہیں۔

عربی قواعد کی رو سے "الْمُشْرِكِينَ" متبوع ہے اور "الَّذِينَ  
 فَرَّقُوا دِينَهُمْ وَكَانُوا شِيعًا" تابع ہے، "الْمُشْرِكِينَ" مُبْدَل  
 مِنْهُ ہے اور "الَّذِينَ فَرَّقُوا دِينَهُمْ وَكَانُوا شِيعًا" بدل الکل  
 ہے۔ ایسی صورت میں قواعد عربی کی رو سے تابع عین متبوع ہوتا ہے یعنی  
 تابع سے کلیۃً وہی شخص یا چیز مراد ہوتی ہے جو شخص یا چیز کہ متبوع سے  
 مراد ہوتی ہے۔ دوسرے لفظوں میں "بدل الکل" کلیۃً "مبدل مِنْهُ" ہوتا  
 ہے۔

قواعد عربی کے اس اصول کے مطابق مندرجہ بالا کلمات ربانی میں  
 "الَّذِينَ فَرَّقُوا دِينَهُمْ وَكَانُوا شِيعًا" اپنے متبوع  
 "الْمُشْرِكِينَ" کا بدل الکل ہے یعنی "الَّذِينَ فَرَّقُوا دِينَهُمْ  
 وَكَانُوا شِيعًا" سے کلیۃً وہی مراد ہے جو "الْمُشْرِكِينَ" سے  
 مراد ہے یعنی جو لوگ دین کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے فرقے بنالیں وہ شرک  
 کے مرتکب ہیں۔

علماء بھی اگر دیکھا جائے تو یہ بالکل ایک حقیقت ہے۔ کسی بھی فرقے کے  
 کسی فرد کے سامنے اگر قرآن مجید یا حدیث نبوی کی نص صریح پیش کی جائے جو اس  
 کے فرقہ وارانہ مذہب کے خلاف ہو تو وہ اپنے فرقہ وارانہ مذہب کی بات کو مانے



گا اور اسی پر عمل کر لیا گویا اس نے اپنے فقہاء کو شارع بنالیا۔ قرآن مجید کی مندرجہ ذیل آیت کی رو سے یہ فعل شرک ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :-

اَتَّخَذُوا اَحْبَابًا رَّهْمًا وَاَتَّخَذُوا اَرْبَابًا مِّنْ دُونِ اللّٰهِ وَالْمَسِيحِ ابْنِ مَرْيَمَ، وَمَا اَمْرُؤَا الْاَلَا لِيَعْبُدُوا اِلٰهًا وَّاحِدًا، لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ، سُبْحٰنَهُ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ۝ (التوبة - ۳۱) ہے۔

اہل کتاب نے اللہ کے علاوہ اپنے علماء اور مشائخ کو اور عیسیٰ ابن مریم کو بھی اپنا رب بنا رکھا ہے حالانکہ انہیں یہ حکم دیا گیا تھا کہ ایک الہ کی عبادت کریں، اس کے علاوہ کوئی الہ نہیں، وہ ان کے شرک سے پاک و منزہ

اگر کوئی حکومت فرقوں کے خود ساختہ اور متضاد قوانین کی پیروی کرتی ہے یا ان فرقوں کو اور ان کی خود ساختہ فقہوں کو سند جواز دیتی ہے تو وہ مندرجہ بالا آیات کی رو سے اسلامی حکومت نہیں کہی جاسکتی۔

فرقے اور اسلام | اسلام میں فرقے نہیں اور فرقوں میں اسلام نہیں اس لئے کہ اسلام ایک ہے۔ متعدد اور آپس میں ایک دوسرے کے مخالف مذاہب کبھی اسلام نہیں ہو سکتے۔ ایسی صورت میں فرقوں کی سرپرستی اور حمایت اسلام نہیں۔

الغرض جب فرقوں میں اسلام نہیں تو فرقوں کے شخصی معاملات میں ان کے فقہی مسلک کے مطابق فیصلہ کرنا (جیسا کہ بل کی شق نمبر ۸ میں کہا گیا ہے) اسلام پر عمل نہیں ہوگا اور جب اسلام پر عمل نہیں ہوگا تو پھر اسلامی حکومت یا اسلامی نظام کی تکرار کیا معنی رکھتی ہے۔

سنت کی تعریف | الغرض اگر بل کی شق ۲ (ج) میں سنت کا لفظ رکھنا ہی ہے

تو اس کی تعریف یہ ہونی چاہیے :-

”سنت وہ ہوگی جو حدیث سے ثابت ہو۔ جو سنت حدیث سے

ثابت نہ ہو یا کسی حدیث کے خلاف ہو اسے سنت شمار نہیں کیا جائیگا۔  
اگر

سنت کی یہ تعریف نہ لکھی جائے تو ”قرآن و سنت“ کے بجائے  
”قرآن و حدیث“ کر دیا جائے۔

نوٹ :- حدیث سے مراد وہ حدیث ہے جو صحیح یا حسن سند  
سے مروی ہو۔ وہ حدیث جسکی سند ضعیف ہو قابل قبول نہیں ہوگی۔  
بل کی شق ۲ (ج) | ”توضیح : قرآن و سنت کے احکام کی تعبیر کرتے  
ہوئے درج ذیل مأخذ سے رہنمائی حاصل کی جائے گی۔“ (شریعت بل مکہ)

اس توضیح کا مطلب یہ ہوا کہ قرآن و سنت کے مفہوم کو رہنمائی کے  
بہانے اپنی منشاء کا تابع بنا دیا جائے گا اور یہ سراسر باطل ہے۔  
اجماع امت | ان مأخذ میں سے ایک مأخذ ”اجماع امت“ کو بھی بنایا گیا  
ہے۔ امت تو قیامت تک جاری رہے گی لہذا اجماع امت اگر ہو سکتا ہے  
تو قیامت کے دن ہی ہوگا۔

اگر یہ کہا جائے کہ کسی ایک زمانہ کے تمام لوگوں کا کسی ایک مسئلہ پر  
اتفاق کر لینا اجماع امت ہے تو یہ بھی صحیح نہیں۔ قرآن مجید اور احادیث صحیحہ  
کے نصوص صریحہ کو چھوڑ کر خلافت راشدہ کے بعد کسی ایک مسئلہ میں بھی کسی  
خاص زمانہ کے لوگوں کا بھی اتفاق نہیں ہوا۔

اگر اجماع امت سے مراد اکثریت ہے تو یہ بھی صحیح نہیں اس لئے کہ  
اکثریت کے ہمیشہ حق پر ہونے کی ضمانت قرآن مجید اور حدیث شریف میں  
کہیں بھی موجود نہیں۔

الغرض اجماع امت کا مأخذ سراسر بے بنیاد ہے۔

فقہائے اسلام کی آراء | مسلمہ فقہائے اسلام کی تشریحات اور آراء کو بھی  
ایک مأخذ بنایا گیا ہے حالانکہ فقہاء کی تشریحات اور آراء کیسے مأخذ بن سکتی  
ہیں جبکہ ان کی تشریحات اور آراء اکثر مختلف ہوتی ہیں جیسا کہ مندرجہ ذیل



مثالوں سے ظاہر ہے :-

① امام مالکؒ اور امام شافعیؒ کے نزدیک بغیر ولی کے نکاح نہیں ہوتا، امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اگر کفو میں نکاح ہو تو بغیر ولی کے بھی ہو جاتا ہے (بدایۃ المجتہد ونہایۃ المقصد مؤلفہ امام قاضی ابوالولید محمد بن احمد القرطبی جلد ۲ ص ۷)

② اگر کوئی شخص مطلقہ ثلاثہ کو اپنے پہلے شوہر کے لئے حلال کرنے کے قصد سے نکاح کرے تو یہ نکاح امام مالکؒ کے نزدیک فاسد اور مفسوخ ہے، امام شافعیؒ اور امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک صحیح ہے (بدایۃ المجتہد جلد ۲ ص ۴۴)

③ امام مالکؒ پڑوسی کے لئے حق شفعہ کے قائل نہیں، امام ابوحنیفہؒ پڑوسی کے لئے حق شفعہ کے قائل ہیں (بدایۃ المجتہد جلد ۲ ص ۱۹۳)

④ امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کہتے ہیں کہ کافر کے قتل کے قصاص میں مومن قتل نہیں کیا جائے گا، امام ابوحنیفہؒ کہتے ہیں کہ کافر کے قصاص میں مومن قتل کیا جائے گا (بدایۃ المجتہد جلد ۲ ص ۲۹۹)

⑤ امام مالکؒ کے نزدیک تمام بحری جانور حلال ہیں، امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک مچھلی کے علاوہ تمام بحری جانور حرام ہیں (بدایۃ المجتہد جلد ۲ ص ۲۹۹)

الغرض اختلاف ہی اختلاف ہے، کہاں تک لکھا جائے "ج" کی توضیح کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ قرآن و سنت کا نام ہی رہ جائے گا، فرقہ برقرار رہیں گے اور ہر فرقہ اپنے فقہاء کے مذہب پر عمل کرنے میں آزاد ہوگا اور اسی پر عمل کرنے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگائے گا۔ ایسی صورت میں اسلام، شریعت اور قرآن و سنت کا نام ہی نام ہوگا، عل فقہاء کے فتوؤں پر ہوگا۔ کیوں نہ براہ راست صاف الفاظ میں یہ کہہ دیا جائے کہ موجودہ فرقے بدستور برقرار رہیں گے اور ہر شخص اپنی فقہ پر چلے گا اور اسی کے مطابق فیصلہ چلے گا اور حکومت الہیہ کو اسی کے مطابق فیصلہ

کرنا ہوگا۔ ایسی حکومت حکومت الہیہ نہیں ہوگی بلکہ حکومت فقہانہ ہوگی۔  
 شق (ج) کی توضیح کی عبارت اس طرح ہونی چاہیے :-  
 اگر کسی مسئلہ کے سلسلے میں قرآن و سنت میں واضح ہدایات نہ مل  
 سکیں تو سنت خلفاء راشدین اور صحابہ کرامؓ کے متفق علیہ عمل سے رہنمائی  
 حاصل کی جائے گی۔

شق نمبر ۳ | "شریعت کی دیگر قوانین پر بالادستی" (شریعت بل ص ۵)  
 اس شق سے ظاہر ہوتا ہے کہ دوسرے قوانین بھی چلتے رہیں گے یعنی  
 اللہ تعالیٰ کی حاکمیت کے ساتھ ساتھ دوسروں کی حاکمیت بھی جاری رہے گی،  
 صرف اختلاف کی صورت میں اللہ تعالیٰ کی شریعت کو بالادستی حاصل ہوگی۔  
 اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :-

وَلَا يُشْرِكُ فِي حُكْمِهِ أَحَدًا اور اللہ اپنے حکم میں کسی کو شریک نہیں  
 کرتا۔ (الکہف - ۲۶)

اس شق کا نفاذ شرک فی الشریعت ہے۔

لہذا شق نمبر ۳ کی عبارت اس طرح ہونی چاہیے :-

قوانین الہیہ کے نفاذ کے بعد تمام لاز (LAWS)، ایکٹس (ACTS)  
 اور آرڈینینسز (ORDINANCES) وغیرہ منسوخ ہو جائیں گے انتظامی  
 امور میں خلیفہ کے احکام کے مطابق عمل کیا جائے گا لیکن خلیفہ کے احکام کو  
 قوانین الہیہ کی طرح دائمی حیثیت حاصل نہیں ہوگی۔

شق نمبر ۸ | مسلمہ اسلامی فرقوں کے شخصی معاملات ان کے اپنے  
 اپنے فقہی مسلک کے مطابق طے کئے جائیں گے۔

(شریعت بل ص ۵)

یہ شق گویا شق نمبر ۲ کی توضیح کا ختمہ ہے۔ نتیجہ ظاہر ہے کہ فرقے باقی  
 رہیں گے اور نہ صرف باقی رہیں گے بلکہ انہیں سرکاری طور پر تسلیم کر لیا  
 جائے گا۔ تعجب ہے کہ فرقوں کو تسلیم کر لیا جائے گا جبکہ اسلام میں فرقہ بندی



کی سخت ممانعت ہے۔ جو چیز شریعت کے نزدیک مسلم نہیں بلکہ حرام ہے افسوس ہے کہ اُسے ”مسلمہ اسلامی فرقوں“ کے الفاظ میں مسلمہ جان لیا گیا ہے۔  
شق نمبر ۱۲ | قرآن و سنت کی تعبیر کا طریق کار

قرآن و سنت کی تعبیر کا طریق کار وہی معتبر ہوگا جو مسلمہ  
مجتہدین کے علم اصول تفسیر اور علم اصول حدیث وفقہ  
کے مسلمہ قواعد و ضوابط کے مطابق ہو (شریعت بل ص ۵)

اس شق سے ظاہر ہوتا ہے کہ اصول فقہ مثلاً اصول کرنی ۲۸ و ۲۹ کے ذریعہ قرآن و سنت کی توضیح اس طرح کی جائے گی کہ فقہ کے اد پر قرآن و حدیث کی بالادستی نہ رہے بلکہ قرآن و حدیث پر فقہ کی بالادستی رہے ، دوسرے لفظوں میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ فرقہ وارانہ فقہوں پر عمل ہوگا، قرآن اور حدیث کا نام نہ ناشی طور پر یا بطور تبرک باقی رہ جائے گا۔ ایسی حکومت کو حکومت الہیہ یا خلافت علی منہاج النبوت سے کیا نسبت ہو سکتی ہے!  
اصول کرنی | اصول کرنی جن کا اوپر ذکر کیا گیا ہے درج ذیل ہیں :-

### اصل (۲۸)

ان کل ایتہ تخالف قول اصحابنا فانہا تحمل علی النسخ او علی الترجیح والاولی ان تحمل علی التاویل من جهة التوفیق۔  
 ہر وہ آیت جو ہمارے اصحاب کے قول کے خلاف ہو تو اُسے نسخ پر یا ترجیح پر محمول کیا جائے گا اور بہتر یہ ہے کہ اُسے تاویل پر محمول کیا جائے تاکہ توافق ظاہر ہو جائے۔ (ترجمہ عبدالرحیم اشرف بلوچ)

تشریح | اس اصل کا لب لباب یہ ہے کہ جو آیت حنفی مذہب کے خلاف  
 ہوگی

- ① اُسے یا تو منسوخ سمجھا جائے گا ،
- ② یا وہ آیت جو حنفی مذہب کا ماخذ ہوگی اُسے ترجیح دی جائے گی،

۳) یا اُس آیت کی جو حنفی مذہب کے خلاف ہوگی ایسی تاویل کی جائیگی کہ وہ حنفی مذہب کے موافق ہو جائے۔

غرض یہ کہ حنفی مذہب باقی رہے گا اور آیت قرآنیہ کو تین باتوں میں سے کسی ایک بات کا نشانہ بننا پڑے گا یعنی حاکمیت حنفی مذہب کی ہوگی نہ کہ آیت قرآنیہ کی۔

### اصل (۲۹)

ان کل خبر یجئ بخلاف قول اصحابنا فانہ یحمل علی النسخ او علی انہ معارض بمثلہ ثم صار الی دلیل اخر او ترجیم فیہ بما یحتیم بہ اصحابنا من وجوہ الترجیم او یحمل علی التوفیق۔۔۔۔۔

ہر وہ حدیث جو ہمارے اصحاب کے قول کے خلاف ہو اُسے نسخ پر محمول کیا جائیگا یا یہ سمجھا جائے گا کہ وہ معارض ہے اپنے ہم پلہ حدیث کے، پھر کوئی اور ایسی دلیل لائی جائیگی ان وجوہ ترجیح میں سے جن کے ساتھ ہمارے اصحاب (فقہائے احناف) حجت قائم کرتے ہیں یا اُسے محمول کیا جائیگا تطبیق پر (یہ سب کچھ دلیل کی بنیاد پر کیا جائیگا) (ترجمہ عبدالرحیم اشرف بلوچ، شائع کردہ ادارہ تحقیقات اسلامی اسلام آباد سلسلہ ۱۰)

تشریح | اس اصل کالب لبا ب یہ ہے کہ جو حدیث حنفی مذہب کے خلاف ہوگی اُسے

- ① یا تو منسوخ سمجھا جائے گا،
- ② یا یہ سمجھا جائے گا کہ اس حدیث کے ہم پلہ کوئی اور متضاد حدیث ہے جس کی وجہ سے یہ دونوں ساقط ہیں، پھر کوئی اور دلیل لائی جائے گی،
- ③ یا دونوں میں تطبیق دی جائے گی۔



الغرض شریعت بل شق ۱۲ کی رو سے اصول فقہ کے ذریعہ اصول اسلام کی بیخ کنی کی جائے گی۔ کیا اسی کا نام اسلام ہے؟  
شق نمبر ۱۱ | قواعد سازی کے اختیارات (شریعت بل ص ۱)  
 یہ قواعد انتظامی، ہنگامی اور عارضی ہونے چاہئیں۔ ان کو قوانین شریعت کی طرح مستقل اور دائمی حیثیت نہ دی جائے۔

## اسلامی حکومت کیسے قائم ہوگی

حکومت الہیہ وہ صاحب اقتدار مسلم قائم کر سکتا ہے جو نہ صرف قرآن و سنت کے نام کا وظیفہ پڑھے بلکہ قرآن و سنت کی عظمت اُس کے دل میں جاگزیں ہو اور اس کے جوارح سے عملاً ظاہر ہو، جو فرقہ وارانہ مذاہب سے نہ صرف بیزار ہو بلکہ انہیں دریا برد کرنے کا عزم رکھتا ہو، جو فرقوں کی رضا جوئی نہ کرتا ہو بلکہ اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کے لئے تڑپتا ہو، جو فرقہ وارانہ مسلم نہ ہو بلکہ اُس اسلام کو ماننے والا مسلم ہو جو اسلام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں تھا، جو اُس اسلام پر کاربند ہو جو فرقوں کے وجود میں آنے سے پہلے موجود تھا اور جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ میں قرآن مجید اور احادیث نبوی میں مکمل ہو گیا تھا، جو یہ سمجھتا ہو کہ کامل دین میں کسی چیز کا شامل کرنا دین کو ناقص سمجھنا ہی نہیں بلکہ دین سازی ہے، جو یہ سمجھتا ہو کہ اللہ تعالیٰ کے بندے اللہ تعالیٰ کے دین کامل کے پابند ہیں اور جو چیز اس میں نہ ہو دینی لحاظ سے اس کے پابند نہیں، جو یہ سمجھتا ہو کہ امیر کا حکم بھی صرف انتظامی امور میں ہنگامی اور عارضی طور پر واجب الطاعت ہے، اس کو شریعت الہیہ کی طرح مستقل اور دائمی قانون کی حیثیت حاصل نہیں، جو امیر اور قاضی کے فیصلوں کو صرف فیصلے سمجھتا ہو نہ کہ قانون۔

ایسا مسلم جب برسر اقتدار آئے گا تو وہ آتے ہی اعلان کریگا :-  
 ① آج اس وقت سے حکومت کا نام ”خلافت علی منہاج النبوت“ ہوگا۔

② حکومت کے سربراہ کو خلیفہ یا امیر المؤمنین کہا جائے گا۔

③ آج سے ہر شعبہ میں شریعت الہیہ کے مطابق عمل ہوگا، موجودہ تمام قوانین (LAWS)، آرڈینینسز (ORDINANCES) اور ایکٹس (ACTS) فوری طور پر کالعدم ہو جائیں گے، البتہ ذیلی قواعد پر فی الحال عارضی طور پر بدستور عمل ہوتا رہے گا بشرطیکہ ان قواعد میں سے کوئی قاعدہ شریعت سے نہ ٹکراتا ہو۔

④ آج سے تمام غیر شرعی کاروبار بند کئے جاتے ہیں۔ سود نہ لیا جائے گا اور نہ دیا جائے گا۔ جو سود اب تک ذراصل میں شامل نہ ہوا ہو اسے کالعدم سمجھا جائے گا۔

⑤ معاشرت، معیشت، تہذیب اور تمدن کو اسلامی شریعت کے سانچہ میں ڈھالا جائے گا۔ غیر مسلم قوموں کی نقالی کی ممانعت ہوگی۔

⑥ فرقے اور فرقہ وارانہ مذاہب کالعدم ہوں گے۔ فرقہ وارانہ نام لینا جرم ہوگا۔ سب مسلم ہوں گے اور سب کا نام صرف مسلم ہوگا۔ فرقہ وارانہ مذاہب کے بجائے سب دین اسلام پر یعنی قرآن مجید اور حدیث نبوی پر عمل کریں گے۔

## جماعت المسلمین کا تعارف

جماعت المسلمین ایسی جماعت ہے جس میں فرقہ وارانہ مذاہب کے ماننے والے نہیں پائے جاتے یعنی جماعت المسلمین فرقوں کا مجموعہ مرکب نہیں ہے، جو شخص بھی جماعت المسلمین میں شامل ہوتا ہے وہ صرف مسلم ہوتا ہے، نہ اس کا کوئی مسلک ہوتا ہے اور نہ کوئی مذہب، نہ اس



کا کوئی مکتبہ فکر ہوتا ہے اور نہ اس کی کوئی فرقہ دارانہ فقہ ہوتی ہے۔ اس کا تو بس دین ہوتا ہے اور وہ دین اسلام ہوتا ہے، وہ صرف قرآن مجید اور احادیث صحیحہ کے احکام کا پابند اور توحید و سنت پر گامزن ہوتا ہے۔

جماعت المسلمین توحید اور اتباع سنت پر سختی سے کاربند ہے، وہ صرف اسلام پر قائم ہے اور اس اسلام پر قائم ہے جو اسلام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دے کر گئے تھے اور جو فرقہ دارانہ مذاہب کے وجود میں آنے سے پہلے موجود تھا۔ جماعت المسلمین اسی اسلام کی دعوت دیتی ہے، وہ نہ فرقہ ہے اور نہ فرقہ دارانہ مذاہب کو اسلام سمجھتی ہے۔

فرقہ بندی کو ہر شخص لعنت سمجھتا ہے لیکن فرقوں کو چھوڑنا بھی نہیں چاہتا، یہ قول و فعل کا تضاد ہے۔ اس طرح فرقہ بندی کبھی ختم نہیں ہو سکتی اور لوگوں کا یہ خواب کہ سب ایک ہو جائیں کبھی شرمندہ تعبیر نہیں ہو سکتا۔

جماعت المسلمین ایک حاکم، ایک امام، ایک دین اور ایک نام کی دعوت دیتی ہے۔ جماعت المسلمین اسلام کی عالمگیر اخوت اور محبت کا درس دیتی ہے۔ جماعت المسلمین کی بنیاد المحبت فی اللہ ہے نہ کہ دنیوی تعلقات۔ جماعت المسلمین کے نزدیک فخر کا سبب ایمان باللہ ہے نہ کہ وطن اور زبان۔ آئیے جماعت المسلمین میں شامل ہو کر فرقہ بندی کی لعنت کو ختم کیجئے۔

جماعت المسلمین  
(رجسٹرڈ)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

## تبلیغی جماعت اپنے نصاب کے آئینہ میں

اس حقیقت سے کیسے انکار کیا جاسکتا ہے کہ ایک چھوٹی سی تبلیغی جماعت دین کا داعیہ لے کر ہندوستان کی بستی نظام الدین (دہلی) سے اٹھی اور پھر رفتہ رفتہ تمام دنیا میں پھیل گئی۔ اب ہر بستی اور ہر محلہ میں گشتوں کا نظام اور مسجدوں میں راتوں کا قیام عام ہے۔ پاکستان کے شہر لاہور کے قریب رائے ونڈ کے اجتماع میں انسانوں کا ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر نظر آتا ہے جو کسی دنیاوی غرض کے لئے جمع نہیں ہوتے بلکہ سب کے دلوں میں ایک ہی تڑپ اور ایک ہی لگن ہوتی ہے کہ ہم سے ہمارا رب خوش ہو جائے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک طریقے ہماری زندگی میں رچ جائیں اور یہ بھٹکی ہوئی انسانیت پھر اپنی منزل کو پالے۔

یہی وہ جذبہ ہے جو گھروں سے نکلنے پر مجبور کرتا ہے۔ اپنا مال خرچ کرنا، اپنا پستر خود اٹھانا، اگلی کوچوں میں اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنا، مخالفوں کے ساتھ ہمدردیاں کرنا، جذبہ ایثار و قربانی، یہ اور اسی قسم کی دوسری باتیں تبلیغی جماعت کے ارکان میں پائی جاتی ہیں۔

یہ باتیں ایک مسلم میں ہونی چاہئیں،

لیکن ان تمام خوبیوں کے باوجود ایک اہم اور بنیادی چیز کا فقدان ہے اور وہ ہے عقائد کی درستی۔ عقائد اگر صحیح نہ ہوں تو تمام اعمال صالحہ بیکار ہو جاتے ہیں۔



اعمالِ صالحہ کی قبولیت کا دار و مدار توحید پر ہے۔

جب توحید نہیں تو کچھ بھی نہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :-

وَلَقَدْ أَذْهَبْنَا إِلَيْكَ وَالْمَیِّمَ ۖ يَتَّبِعُونَكَ مِنْ تُحُلِّمٍ ۚ لَئِنْ أَشْرَكْتَ  
لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ ۚ وَتَكُونَنَّ مِنَ الْخَاسِرِينَ ۝ (الزمر - ۶۵)

یقیناً ہم نے آپ کی طرف اور آپ سے پہلے لوگوں کی طرف یہی وحی کی کہ اگر تم نے شرک کیا تو تمہارے (تمام) اعمال برباد کر دئے جائیں گے اور تم ضرور خسارہ پانے والوں میں سے ہو جاؤ گے۔

غور کیجئے اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) سے بہتر کس کے اعمال ہو سکتے ہیں لیکن اُن اعمال کو بھی شرک کی موجودگی میں شرف قبولیت سے نہیں نوانا جا رہا۔

معلوم ہوا کہ اگر شرک بھی ساتھ ہو تو اعمالِ صالحہ کی کوئی قیمت نہیں۔

دوسری جگہ اسی حقیقت کو اللہ تعالیٰ نے اس طرح ارشاد فرمایا :-

الَّذِينَ آمَنُوا وَلَمْ يَلْبِسُوا  
إِيمَانَهُمْ بِظُلْمٍ أُولَٰئِكَ لَهُمُ  
الْأَمْنُ وَهُمْ مُّسْتَدْرُونَ ۝

وہ لوگ جو ایمان لائے اور اپنے ایمان کے ساتھ ظلم کی آمیزش نہیں کی ان ہی کے لئے امن ہے اور وہی ہدایت یاب ہیں۔

(الانعام - ۸۳)

معلوم ہوا کہ امن و سلامتی اور ہدایت ربانی کا وہی مستحق ہے جس کے

ایمان میں ظلم کی آمیزش نہ ہو۔

آیت بالا میں ظلم سے مراد شرک ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

نے سورہ لقمان کی آیت إِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيمٌ پڑھ کر ظلم کی تفسیر شرک سے فرمائی تھی (صحیح بخاری)

کاش تبلیغی جماعت عقائد کی درستی پر کچھ کام کرتی۔ اعمالِ حسنہ کے ساتھ عقائد کی بھی اصلاح کرتی۔

ہمیں صدمہ ہے کہ اس سلسلہ میں کوئی کام نہیں ہوا۔ تبلیغی نصاب میں کئی مقامات پر شرکیہ اقوال و افعال درج ہیں۔ ڈر ہے کہ کہیں کوئی شخص ان کو پڑھ کر ان کے مطابق اپنا عقیدہ نہ بنالے۔ اگر ایسا ہوا تو بقول رب کریم :-

عَامِلَةٌ نَّاصِبَةٌ ۝ تَصَلِّي نَارًا ۝  
حَامِيَةٌ ۝ (حل اشک ۳-۴) بہت سے مشقت کے ساتھ عمل کرنے والا دہکتی آگ میں داخل ہوں گے۔

غور کیجئے، خوب ریاضتیں کیں، چلے کاٹے، گھر بار چھوڑا، مصیبتیں برداشت کیں، لیکن ملا کیا؟ آگ۔ الامان، الحفیظ۔

کاش تبلیغی اکابرین تبلیغی نصاب سے شرک و بدعت کی باتیں نکال دیں اور اس نصاب کو اس طرح از سر نو مرتب کریں کہ اس میں شرک کی آمیزش نہ ہو۔ اس نصاب کی ہر روایت کو جرح و تعدیل کے فن، قرآن مجید اور صحیح حدیث کی کسوٹی پر پرکھیں۔ جو غلط ہوں انہیں نکال دیں۔ جھوٹی اور ضعیف روایتوں کی بنیاد پر لوگوں کے عقائد کو خراب ہونے سے بچائیں اور فرقہ دارانہ مذاہب سے اجتناب کریں۔ اس صورت میں اُمید ہے کہ دین و دنیا میں کامیابی و کامرانی حاصل ہو۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :-

وَأَنْتُمْ الْأَغْلَوْنَ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ ۝ (ال عمران - ۱۳۹) تم ہی غالب ہو گے بشرطیکہ تم مومن ہو۔

اللہ تعالیٰ نے غلبہ اور کامرانی کا وعدہ مومنین سے کیا ہے،



مشرکوں سے نہیں۔ معلوم ہوا کہ آج ہم ناکام کیوں ہیں، ذلیل و خوار کیوں ہیں، برباد و رسوا کیوں ہیں، صرف اس لئے کہ ہماری اکثریت ایمان سے خالی ہے اور اگر ایمان ہے بھی تو شرک کی چادر میں لپٹا ہوا۔ ایسا ایمان درحقیقت ایمان ہی نہیں۔

اب ہم تبلیغی نصاب سے ایک مختصر سا جائزہ پیش کرتے ہیں۔ ایک طرف ہم تبلیغی نصاب اور بدعت میں تلوث اقوال و اعمال پیش کریں گے تو دوسری طرف اس کے مقابلہ میں قرآن و حدیث پیش کریں گے اور فیصلہ قارئین کرام پر چھوڑ دیں گے۔

## علم غیب

① شیخ ابو یعقوب سنوسی کہتے ہیں کہ میرے پاس ایک مرید آیا اور کہنے لگا کہ میں کل کو ظہر کے بعد مرعاض کا چنانچہ دوسرے دن ظہر کے وقت مسجد حرام میں آیا، طواف کیا اور تھوڑی دیر جا کر مر گیا۔ میں نفاس کو غسل دیا اور دفن کیا۔ جب میں نے اس کو قبر میں رکھا تو اس نے آنکھیں کھول دیں۔ میں نے کہا کہ مرنے کے بعد بھی زندگی ہے کہنے لگا میں زندہ ہوں اور اللہ کا ہر عاتق زندہ ہی رہتا ہے۔ (روض) [فضائل صدقات حصہ دوم ص ۲۱۱ از جناب محمد کریم مکتبہ امدادیہ طمان] دوسرا واقعہ بھی اس سے ملتا جلتا ہے :-

② ابو علی روز باری کہتے ہیں کہ ایک فقیر میرے پاس عید کے دن آیا بہت خستہ حال پرانے کپڑے۔ کہنے لگا یہاں کوئی پاک صاف جگہ ایسی ہے جہاں غریب فقیر مر جائے۔ میں نے لا پر داہی سے لغو سمجھ کر کہہ دیا کہ اندر آ جا اور جہاں چاہے پڑ کے مر جا۔ وہ اندر آیا، وضو کی، چند رکعت نماز پڑھی اور لیٹ کر مر گیا۔ میں نے اس کی تجہیز و تکفین کی اور جب دفن کرنے لگا تو مجھے خیال آیا کہ اس کے منہ سے کفن ہٹا کر اس کا منہ

زمین پر رکھ دوں تاکہ حق تعالیٰ شانہ اس کی غربت پر رحم فرمائے۔ میں نے اس  
کا منہ کھولا۔ اس نے آنکھیں کھول دیں۔ میں نے پوچھا میرے سردار کیا موت کے  
بعد بھی زندگی ہے؟ کہنے لگا میں زندہ ہوں اور اللہ تعالیٰ کا ہر عاشق زندہ ہوتا  
ہے۔ میں کل قیامت میں اپنی وجاہت سے تیری مدد کروں گا۔

(فضائل صدقات حصہ دوم صفحہ ۳۰۹)

قارئین کرام غور فرمائیں کہ ان دونوں واقعات میں کس قدر قرآن حکیم  
کا انکار لازم آتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :-

إِنَّ اللَّهَ عِنْدَهُ عِلْمُ السَّاعَةِ ۖ وَيُنَزِّلُ الْغَيْثَ وَيُعَلِّمُ مَا  
فِي الْأَرْحَامِ ۖ وَمَا تَدْرِي نَفْسٌ  
مَّاذَا تَكْسِبُ غَدًا ۚ وَمَا تَدْرِي  
نَفْسٌ بِأَيِّ أَرْضٍ تَمُوتُ ۚ إِنَّ  
اللَّهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ ۝ (لقن - ۳۴)

بے شک قیامت کا علم اللہ ہی کے پاس  
ہے، وہی بارش برساتا ہے، وہی جانتا  
ہے کہ رحم مادر میں کیسا ہے، کوئی شخص نہیں  
جانتا کہ وہ کل کیا کرے گا اور کوئی نہیں جانتا  
کہ کس زمین پر مرے گا۔ بے شک اللہ ہی  
جس نے مالا خبردار ہے۔

صحیح بخاری میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت تلاوت  
کی اور فرمایا: ”یہ غیب کی باتیں ہیں لَا يَعْلَمُهُنَّ إِلَّا اللَّهُ ان کو اللہ کے علاوہ  
کوئی نہیں جانتا“ لیکن تبلیغی نصاب کے یہ واقعات ثابت کرتے ہیں کہ ایک  
مرید نے یہ بتا دیا کہ میں کل ظہر کے وقت مرجاؤں گا اور ہوا بھی یہی۔ وہ مرید  
دوسرے دن ظہر کے وقت مر گیا، گویا کل کا علم اس مرید کو تھا۔ دوسرے واقعہ  
میں یہ بیان کیا گیا کہ ایک فقیر کو اپنے مرنے کا علم پہلے سے ہو گیا اس نے  
اپنے لئے جگہ کا تعین کر لیا اور مر گیا۔



مزید برآں دونوں واقعات میں یہ چیز موجود ہے کہ :-  
 مرنے کے بعد آنکھیں کھول دیں، بات بھی کی اور کہا کہ میں زندہ ہوں  
 اور اللہ کا ہر عاشق زندہ ہوتا ہے۔  
 مزید کہئے :-

جناب محمد زکریا صاحب تحریر فرماتے ہیں :-  
 (۲) ایک بزرگ کہتے ہیں کہ میں نے ایک مرید کو غسل دیا اس نے میرا انگوٹھا پکڑ لیا۔  
 میں نے کہا کہ میرا انگوٹھا چھوڑ دے، مجھے معلوم ہے کہ تو مرا نہیں ہے۔  
 یہ ایک مکان سے دوسرے مکان میں انتقال ہے۔ اس نے میرا انگوٹھا  
 چھوڑ دیا۔ (فضائل صدقات حصہ دوم ص ۳۲)

قارئین کرام غور فرمائیں، کیا دین اسلام میں روایت کرنے کا یہی طریقہ  
 ہے کہ ایک بزرگ فرماتے ہیں۔ اُن بزرگ کا نام و نشان تک نہیں۔ آخر  
 روایت بیان کرنے کے لئے کوئی اصول تو ہونا چاہیے۔  
 آگے لکھتے ہیں :-

(۳) شیخ ابن الجلا مشہور بزرگ ہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ جب میرے والد  
 کا انتقال ہوا اور اُن کو نہلانے کے لئے تختہ پر رکھا تو وہ ہنسنے لگے۔  
 نہلانے والے چھوڑ کر چل دئے۔ کسی کی ہمت ان کو نہلانے کی نہ پڑتی  
 تھی۔ ایک اور بزرگ ان کے رفیق آئے انہوں نے غسل دیا۔ (روض)  
 غرض صاحب روض نے بہت سے واقعات ان مرثیوں کے مرنے  
 کے ایسے لکھے ہیں کہ جن سے ان کے مرنے کے وقت اور مرنے کے بعد  
 نہایت بشاش ہونا، ہنسنا، مذاق کرنا، لطف اڑانا معلوم ہوتا ہے۔  
 (فضائل صدقات حصہ دوم صفحہ ۳۰۰)

یہ واقعات تبلیغی نصاب میں موجود ہیں اور تصدیق کر لے والے جناب محمد زکریا صاحب ہیں۔ کاش ان واقعات کے دلائل بھی قرآن و حدیث سے دئے جلتے۔ کیا ان واقعات کو ماننے سے قرآن کریم کا انکار لازم نہیں آتا؟  
الک الملک کا ارشاد ہے :-

إِنَّكَ لَا تَسْمِعُ الْمَوْتَى (النمل ۸۰) (اے نبی! آپ مردوں کو نہیں سنا سکتے۔  
اللہ کے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) تو مردوں کو سنا نہ سکیں، مگر یہ بزرگ مرنے والوں کو نہ صرف سناتے ہیں بلکہ خوب باتیں کرتے ہیں اور مردہ بھی خوب مردہ ہے کہ زندوں سے مذاق کرتا ہے، لگوٹھا پکڑ لیتا ہے پھر یہ سن کر کہ ”تو زندہ ہے“ لگوٹھا چھوڑ دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :-  
وَمَا يَشْتَوِي الْأَحْيَاءُ وَلَا الْأَمْوَاتُ (نساء ۷۸) زندہ اور مردہ برابر نہیں ہوتے۔

(فاطر - ۲۲)

لیکن یہاں زندہ بھی بات کرتا ہے اور مردہ بھی بات کرتا ہے۔ زندہ بھی زندہ ہے، اور مردہ بھی زندہ ہے یعنی دونوں برابر ہیں۔  
کیا یہ عقیدہ قرآن مجید کی مندرجہ بالا آیت کے خلاف نہیں ہے۔  
مزید سنئے :-

مولوی زکریا صاحب لکھتے ہیں :-

⑤ عرب کی ایک جماعت ایک مشہور سخی کریم کی قبر کی زیارت کو گئی۔ دور کا سفر تھا۔ رات کو وہاں ٹھہرے۔ ان میں سے ایک شخص نے اُس قبر والے کو خواب میں دیکھا۔ وہ اس سے کہہ رہا ہے کہ تو اپنے اونٹ کو میرے بجھتی اونٹ کے بدلہ میں فروخت کرتا ہے (بجھتی اونٹ اعلیٰ قسم کے اونٹوں میں شمار ہوتا ہے جو اس میت نے ترکہ میں



پھوڑا تھا۔

خواب دیکھنے والے نے خواب ہی میں معاملہ کر لیا۔ وہ صاحب قبر اٹھا اور اس کے اونٹ کو ذبح کر دیا جب یہ اونٹ والا غیب سے اٹھا تو اس کے اونٹ کے خون جاری تھا۔ اس نے اٹھ کر اسے ذبح کر دیا کہ اس کی زندگی کی امید نہ رہی تھی) اور گوشت تقسیم کر دیا۔ سب نے پکایا، کھایا۔ یہ لوگ وہاں سے واپس ہو گئے۔ جب اگلی منزل پر پہنچے تو ایک شخص بھتی اونٹ پر سوار ملا۔ جو یہ تحقیق کر رہا تھا کہ فلاں نام کا شخص تم میں کون ہے۔ اس خواب والے شخص نے کہا کہ یہ میرا نام ہے۔ اس نے پوچھا کہ تو نے فلاں قبر والے کے ہاتھ کوئی چیز فروخت کی ہے۔ خواب دیکھنے والے نے اپنا خواب کا قصہ سنایا۔ جو شخص بھتی اونٹ پر سوار تھا اس نے کہا وہ میرے باپ کی قبر تھی۔ یہ اس کا بھتی اونٹ ہے۔ اس نے مجھے خواب میں کہا ہے کہ اگر تو میری ادلا دے تو میرا بھتی اونٹ فلاں شخص کو دے دے، تیرا نام لیا تھا۔ یہ بھتی اونٹ تیرے حوالہ ہے۔ یہ کہہ کر وہ اونٹ دے کر چلا گیا (آٹھ)

(ایکایک = کھڑکیا)

یہ سخاوت کی حد ہے کہ مرنے کے بعد بھی اپنی قبر پر آنے والوں کی پہلنی میں اپنے اکیل اونٹ کو فروخت کر کے آنے والوں کی پہلنی کی۔

باقی یہ بات کہ مرنے کے بعد اس قسم کا واقعہ کیونکر ہو گیا اس میں کوئی محال چیز نہیں ہے۔ عالم ارواح میں اس قسم کے واقعات ممکن ہیں۔ (فضائل صدقات حصہ دوم صفحہ ۲۵۱-۲۵۲)

قارئین کرام اس واقعہ کو دوبارہ پڑھیں اور پھر قرآن و حدیث کے فیصلہ پر غور کریں۔

(اصیل = خالص نسل)

کیا یہ واقعہ قرآن وحدیث کے انکار کے لئے کافی نہیں؟ جبکہ قرآن حدیث کا یہ متفقہ فیصلہ ہے کہ مرنے کے بعد کوئی شخص دنیا میں نہیں آسکتا۔ شہید جو کہ عام مرنے والوں پر فوقیت رکھتا ہے اُس کو بھی دنیا میں واپس آنے کی اجازت نہیں ملتی اگرچہ وہ چاہتا ہے کہ ایک مرتبہ پھر دنیا میں شہداء کے لئے لوٹا یا جائے۔ صحیح مسلم میں ہے کہ اللہ تعالیٰ تین مرتبہ شہداء سے پوچھتا ہے :-

هَلْ تَسْتَهْوُونَ شَيْئًا  
کیا تمہیں کسی اور چیز کی خواہش ہے؟  
شہداء جواب میں کہتے ہیں :-

يَا رَبِّ نُرِيدُ أَنْ نَمُوتَ وَأَوْحَاثًا  
اے ہمارے رب ہماری یہ خواہش ہے کہ تو  
فِي أَجْسَادِنَا حَتَّى نَقْتَلَ فِي سَبِيلِكَ  
ہماری لٹھوں کو ہمارے جسموں میں لوٹا دے  
مَرَّةً أُخْرَى فَلَمَّا رَأَى أَنْ لَيْسَ  
تاکہ ہم دوبارہ تیری راہ میں قتل ہوں۔ جب  
لَهُمْ خَلَجَةٌ تُرْكُوا - (صحیح مسلم) اللہ تعالیٰ نے دیکھا کہ اب ان کو کوئی خواہش  
کتاب الامارۃ باب فی بیان اعداء الشہداء جز ۲ ص ۲۳۱ نہیں ہے تو ان سے پوچھنا چھوڑ دیا۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے والد نے اللہ تعالیٰ سے عرض کیا تھا :-  
يَا رَبِّ تُخَيِّبُنِي فَاقتُلْ فِيكَ  
اے میرے رب! تو مجھے زندہ کر دے تاکہ میں  
ثَانِيَةً۔ تیرے راستے میں دوبارہ قتل کیا جاؤں۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا :-

إِنَّمَا قَدْ سَبَقَ مِنِّي أَنَّهُمْ  
میری طرف سے یہ (فیصلہ) پہلے ہی ہو چکا  
لَا يُرْجَعُونَ (ترمذی ابواب تفسیر ہے کہ وہ (دنیا میں) لوٹ کر نہیں جائیں گے۔

القرآن۔ سند حسن۔ جز ۲ ص ۲۳۱

قارئین غور فرمائیں کہ جب مرنے کے بعد دنیا میں آنے کی اجازت ہی نہیں



ملتی تو یہ بزرگ دنیا میں کس طرح آکر اونٹ ذبح کرتے ہیں اور کس طرح مہانوں کی دعوت کرتے ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :-

إِذَا مَاتَ الْإِنْسَانُ انْقَطَعَ عَنْهُ عَمَلُهُ إِلَّا مِنْ ثَلَاثَةٍ إِلَّا مِنْ صَدَقَةٍ جَارِيَةٍ أَوْ عِلْمٍ يُنْتَفَعُ بِهِ أَوْ وَلٍ صَالِحٍ يَدْعُو لَهُ۔  
 جب انسان مر جاتا ہے تو عمل کا سلسلہ اس سے منقطع ہو جاتا ہے سوائے تین عملوں کے (یعنی) سوائے صدقہ جاریہ کے یا علم کے جس سے فائدہ اٹھایا جائے یا صالح اولاد کے جو اس کے لئے دعا کرے۔

من الثواب بعد فاته جزاء ۲۱

الغرض جب عمل کا سلسلہ ہی منقطع ہو گیا تو اب یہ مردہ کس طرح اونٹ ذبح کرتا ہے اور کس طرح نہانی کرتا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ یہ عالم ارواح کا معاملہ ہے لیکن قارئین کرام غور فرمائیں کہ یہ کہاں کا واقعہ ہے۔ عرب کی وہ جماعت عالم ارواح میں تو نہیں گئی تھی۔ وہ اونٹ کا گوشت عالم ارواح میں تو نہیں کھا رہے تھے۔

کیا ان تمام سوالوں کا جواب صرف یہ ہے کہ یہ بات شیخ الحدیث نے لکھی ہے لہذا صحیح ہوگی۔ قارئین کرام بتائیں کیا یہ جواب صحیح ہے؟ اسی قسم کا ایک اور واقعہ ملاحظہ کیجئے :-

⑥ مصر میں ایک صاحب خیر شخص تھے جو اہل مزدورت اور فقراء کے

لئے جندہ کر دیا کرتے تھے۔ جب کسی کو کوئی حاجت پیش آتی وہ ان سے

کٹتا۔ وہ اہل ثروت لوگوں سے کچھ مانگ کر اس کو دے دیا کرتے۔ ایک

فقران کے پاس گیا اور کہا میرے بچے کا پیدا ہوا ہے اور میرے

پاس اس کی اصلاح کے انتظام کے لئے کوئی چیز نہیں ہے۔ یہ صاحب  
 اٹھے اور لوگوں سے اس کے لئے الگ ایک کبیر سے کچھ نہ ملا کہ جو  
 آئی کثرت سے سنگت رہتا ہو اس کو ملنا بھی مشکل ہو جاتا ہے (یہ  
 سے مایوس ہو کر ایک سخی کی قبر پر گئے اور ان کی قبر پر بیٹھ کر یہ سارا قصہ  
 بیان کیا اور وہاں سے اٹھ کر چلے آئے اور وہیں آکر اپنے پاس سے ایک  
 دینار نکالا اور اس کو توڑ کر دو ٹکڑے کئے اور ایک ٹکڑا اپنے پاس رکھ لیا  
 اور دوسرا اس فقیر کو دے دیا کہ یہ میں قرض دیتا ہوں۔ اس وقت تم  
 اس سے اپنا کام چلاؤ جب تمہارے پاس کہیں سے کچھ آجائے تو میرا  
 قرضہ ادا کر دیتا۔ وہ لے کر چلا گیا اور اپنی ضرورت پوری کر لی۔ رات کو  
 ان صاحب دینار نے اس قبر والے کو خواب میں دیکھا۔ وہ کہہ رہا ہے کہ  
 میں نے تمہاری بات تو ساری سن لی تھی مگر مجھے جواب دینے کی اجازت  
 نہ ہوئی تم میرے گھر والوں کے پاس جاؤ اور ان سے کہو کہ مکان کے  
 فلاں حصہ میں جو چولہا بن رہا ہے اس کے نیچے ایک چینی کا مرتبان گڑا  
 رہا ہے۔ اس میں پانچ سواشر فیاں ہیں وہ اس فقیر کو دے دیں۔ یہ  
 صبح اٹھ کر اس کے مکان پر گئے اور گھر والوں سے سارا قصہ اور اپنا خواب  
 بیان کیا۔ انہوں نے اس جگہ کو کھودا اور وہ مرتبان پانچ سواشر فیوں کا  
 نکال کر اس کے حوالے کر دیا۔

اس شخص نے کہا خواب کوئی شرعی چیز نہیں ہے تم لوگ اس مال کے  
 وارث ہو اور مالک ہو اس لئے میں محض اپنے خواب کی وجہ سے اس  
 کو نہیں لیتا، مگر ان وارثوں نے اصرار کیا کہ جب وہ مرکز سخاوت کو ملے  
 تو بڑی بے غیرتی ہے کہ ہم زندہ سخاوت نہ کریں۔ ان کے اصرار پر اس



نے وہ اشرفیاں لے کر اس فقیر کو دے دیں اور سارا قصہ سنایا اس  
 نے ان میں سے ایک دینار لے کر اس کے دو ٹکڑے کئے ایک ان صاحب  
 کو اپنے قرضہ کی ادائیگی میں دیا اور دوسرا ٹکڑا اپنے پاس رکھ کر کہہ  
 میری مزدورت کو تو یہ کافی ہے۔ باقی یہ سب رقم میری مزدورت سے  
 زائد ہے میں اس کو لے کر کیا کروں گا۔ وہ سب فقرہ پر تقسیم کر دی۔  
 صاحب اتکاف کہتے ہیں کہ اس قصہ میں غور کرنے کی چیز یہ ہے  
 کہ سب سے زیادہ سخی کون ہے؟ میت یا اس کے گھر والے یا یہ فقیر  
 اور ہمارے نزدیک تو یہ فقیر سب سے زیادہ سخی ہے کہ اپنی اس  
 شدت حاجت کے باوجود نصف دینار سے زیادہ لینا پسند نہ کیا۔  
 (اتکاف) { فضائل صدقات حصہ دوم ص ۲۵۱ و ص ۲۵۲ }  
 قارئین کرام غور فرمائیں کیا اس واقعہ میں یہ درس نہیں دیا گیا کہ جب  
 زندوں سے مایوس ہو جاؤ اور کہیں سے کچھ نہ ملے تو کسی سخی کی قبر پر جا کر  
 سب پریشانی بیان کر دو کیونکہ سخی مرنے کے بعد بھی سن لیتا ہے۔  
 یہ بات قرآن و حدیث کے خلاف ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :-  
 اِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰی (نمل - ۸۰) (اے نبی) آپ مردوں کو نہیں سنا سکتے۔  
 ایک واقعہ اور سنئے :-

④ شیخ ابو یزید قرطبی فرماتے ہیں۔ میں نے یہ سنا کہ جو شخص ستر ہزار مرتبہ  
 لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰہ پڑھے اس کو دوزخ کی آگ سے نجات ملے۔ میں نے  
 یہ خبر سن کر ایک نصاب یعنی ستر ہزار کی تعداد اپنی بیوی کے لئے بھی پڑھا  
 اور کئی نصاب خود اپنے لئے پڑھ کر ذخیرہ آخرت بنایا۔ ہمارے پاس ایک  
 نوجوان رہتا تھا جس کے متعلق یہ مشہور تھا کہ یہ صاحب کشف ہے جنت

دوزخ کا بھی اس کو کشف ہوتا ہے مجھ اس کی صحت میں کچھ تردید تھا۔ ایک مرتبہ وہ نوجوان ہمارے ساتھ کھانے میں شریک تھا کہ دفعۃً اس نے ایک بیج ماری اور سانس پھولنے لگا امدد کہا کہ میری ماں دوزخ میں جا رہی ہے اس کی حالت مجھے نظر آئی۔ قرطبی کہتے ہیں کہ میں اس کی گھبراہٹ دیکھ رہا تھا۔ مجھے خیال آیا کہ ایک نصاب اس کی ان کو بخش دود جس سے اس کی سچائی کا بھی مجھے تجربہ ہو جائے گا۔

چنانچہ میں نے ایک نصاب ستر ہزار کا ان نصابوں میں سے جو اپنے لئے پڑھے تھے اس کی ماں کو بخش دیا۔ میں نے اپنے دل میں چپکے ہی سے بخشا تھا امد میرے اس پڑھنے کی خبر بھی اللہ کے سوا کسی کو نہ تھی مگر وہ نوجوان فوراً کہنے لگا کہ چچا میری ماں دوزخ کے عذاب سے ہٹا دی گئی۔ قرطبی کہتے ہیں کہ مجھے اس قصہ سے مدافعت ہوئے۔

ایک تو اس برکت کا جو ستر ہزار کی مقدار میں نے سنی تھی اس کا تجربہ ہوا، دوسرے اس نوجوان کی سچائی کا یقین ہو گیا۔

یہ ایک واقعہ ہے۔ اس قسم کے نہ معلوم کتنے واقعات اس امت کے افراد میں پائے جاتے ہیں۔

فضائل اہل بیتؑ۔ فضائل ذکر و صلوٰۃ عتیق الیٹری بیرون بوہرٹ لٹن (تاریخ کرام غور فرمائیں کہ کیا یہ واقعہ انسانوں کے لئے علم غیب کو ثابت نہیں کرتا؟)

اس واقعہ کی چند خصوصیات پر توجہ فرمائیں۔

۱۔ ابو یزید فرماتے ہیں کہ میں نے یہ سنا کہ جو شخص ستر ہزار مرتبہ کلمہ پڑھے۔ یہ ابو یزید نے کہاں سے سنا۔ ایسی بات تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ و



سلم ہی کسی صحابی کو بتا سکتے تھے۔

۱۰۲۔ افسوس کہ حدیث کی کسی کتاب میں یہ مضمون نہیں ملتا پھر قرطبی صاحب کو کہاں سے معلوم ہوا۔

۳۔ پھر قرطبی صاحب کے تجربہ سے جو سبق ملا وہ یہ ہے کہ نصاب جمع کرو اور مردوں کو بخشوالو۔

۴۔ پھر کشف یعنی پردہ کھولنا۔ جنت اور دوزخ اللہ تعالیٰ نے غیب میں رکھی ہیں۔ ان کا مشاہدہ کرنا، اپنی والدہ کو دوزخ میں دیکھنا اور پھر اس کی مغفرت کو دیکھنا کیا یہ سب علم غیب نہیں جس کو کشف کے ذریعہ معلوم کیا گیا؟

غرض یہ کہ مولوی زکریا صاحب کے بقول :-

اس اثبت میں علم غیب رکھنے والے بے شمار لوگ ہیں حالانکہ قرآن مجید میں ہے کہ غیب کوئی نہیں جانتا سوائے اللہ تعالیٰ کے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :-

قُلْ لَا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمَوَاتِ  
وَالْأَرْضِ الْغَيْبَ إِلَّا اللَّهُ  
کہہ دیجئے کہ آسمانوں میں اور زمین میں جو  
لوگ ہیں ان میں سے کوئی غیب نہیں جانتا  
سوائے اللہ کے۔

دلیل - (۶۵)

اور سنئے :-

⑧ ایک معتمد دوست نے راقم سے ایک خوشنویس لکھنؤ کی حکایت بیان

کی۔ ان کی عادت تھی کہ جب صبح کے وقت کتابت شروع کرتے تو اول ایک بار درود شریف ایک بیاض پر جو اسی غرض سے بنائی تھی لکھ لیتے اس کے بعد کام شروع کرتے۔ جب ان کے انتقال کا وقت آیا تو غلبہ

فکرِ آخرت سے خوفزدہ ہو کر کہنے لگے کہ دیکھئے وہاں جا کر کیا ہوتا ہے۔  
ایک مجذوب آنکلیے اور کہنے لگے بابا کیوں گھبراتا ہے وہ بیاض سرکار میں  
پیش ہے اور اس پر صاف رہے ہیں۔

(فضائل اعمال ص ۷۷، فضائل درود ص ۹۵)

غور فرمائیے کیا مجذوب صاحبِ علم غیب کو جذب کئے ہوئے تھے؟  
انہوں نے کیسے فرمایا کہ گھبرانے کی ضرورت نہیں تمہارے درود تو سرکار نے  
قبول فرمالئے۔ اب خوفزدہ ہونے کی ضرورت نہیں۔  
اور سنیئے :-

⑨ حضرت ابراہیم خواص فرماتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ جنگل میں جا رہا تھا،  
مجھے بڑی شقت اٹھانی پڑی اور بڑی مصیبت پیش آئی، میں نے  
برداشت کیا۔ اور خندہ پیشانی سے اُس پر صبر کیا، جب میں مکہ کرمہ  
میں داخل ہوا تو مجھ میں اس کا زمانہ پر ایک عجب سا پیدا ہوا۔  
طواف ہی کی حالت میں پیچھے سے ایک بڑھیلنے آواز دی کہ اے  
ابراہیم اس جنگل میں یہ بندی بھی تیرے ساتھ تھی، مگر میں نے تجھ سے  
اس لئے کوئی بات نہیں کی تھی کہ اللہ جل شانہ سے تیرا دھیان ہٹ  
کر دوسری طرف لگے گا۔

یہ دوسرے جو تجھے اس وقت آگیا اس کو اپنے دل سے نکالے۔

(روض) {فضائل ج ۲ ص ۲۵۵ مکتبہ امدادیہ ملتان}

کیا اس واقعہ میں یہ درس نہیں کہ اولیاء اللہ اگرچہ نظروں سے غائب  
ہوتے ہیں مگر ساتھ ساتھ ہونے ہیں حتیٰ کہ دلوں کے ابادوں سے بھی واقف  
ہوتے ہیں حالانکہ



قرآن مجید میں اس طرح ہے :-

وَاللّٰهُ عَلَيْهِمْ بِذَاتِ الصُّدُورِ ۝  
(ال عمران - ۱۵۴)

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :-

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ وَنَعْلَمُ مَا  
تُوَسْوِسُ بِهِ نَفْسُهُ وَنَحْنُ أَقْرَبُ  
إِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيدِ ۝  
اور ہم نے انسان کو پیدا کیا اور ہم ہی جانتے  
ہیں کہ اس کے دل میں کیا خیالات آتے  
ہیں اور ہم اس کی رگ جان سے بھی زیادہ  
قریب ہیں۔ (ق - ۱۶)

دلوں کے خیالات کا جاننا یہ اللہ تعالیٰ کی صفت ہے۔ بندے  
اس صفت میں کیسے اس کے شریک ہو سکتے ہیں؟  
ایک اور جگہ ارشاد ہے :-

وَمِنْ أَهْلِ الْمَدِينَةِ مَرَدُوا  
عَلَى الْبَيْتِ لَا نَعْلَمُهُمْ فَحَنُ  
نَعْلَمُهُمْ (التوبة - ۱۰۱) ہم ان کو جانتے ہیں۔  
بعض مدینہ والے نفاق پر اڑے ہوئے  
ہیں۔ (اے نبی) آپ ان کو نہیں جانتے،  
لیکن اللہ تعالیٰ ان کو جانتا ہے۔

غور فرمائیں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم منافقوں کے حال سے  
واقف نہیں۔ صحیح بخاری میں ہے کہ منافقوں نے آپ کو دھوکا دیا۔

بسرِ معونہ کے مقام پر سترقاری شہید کر دئے گئے۔ اگر نبی صلی اللہ علیہ  
وسلم دلوں کا حال جانتے تو کیوں دھوکے میں آتے۔ ایک طرف یہ لاعلمی  
دوسری طرف تبلیغی بزرگ ہیں کہ سب کچھ جانتے ہیں۔ العیاذ باللہ۔  
اور سنیئے :-

① شیخ بنان فرماتے ہیں کہ میں مصر سے حج کو جا رہا تھا میرا توشہ میرے ساتھ

نٹھا، راستہ میں ایک عورت ملی کہنے لگی بنان تم بھی شمال (مزدور) ہی  
 لکے، توشہ لادے لئے جا رہے ہو، تمہیں یہ وہم ہے کہ وہ تمہیں  
 روزی نہیں دے گا، میں نے اُس کی بات سن کر اپنا توشہ پھینک  
 دیا۔ تین دن تک مجھے کھانے کو نہ ملا۔ راستہ میں چلتے چلتے مجھے ایک  
 پازیب (پاؤں کا زیور) پڑا ہوا ملا، میں نے یہ سوچ کر اٹھایا کہ اس کا  
 مالک مل جائے گا تو اس کو دے دوں گا، وہ شاید اس پر مجھے کچھ  
 دے دے تو وہ عورت پھر سامنے آئی کہنے لگی تم تو دکاندار ہی نکلتے،  
 کہ وہ پازیب کے بدلے میں شاید کچھ دے دے۔

اس کے بعد اُس عورت نے میری طرف کچھ درہم پھینک دئے  
 کہ لے انہیں خرچ کرتا رہو، میں نے ان کو خرچ کرنا شروع کیا  
 اور واپسی میں مصرتک انہوں نے مجھے کام دیا۔

(رفعتاں ج ۲۵)

یہ واقعہ بھی پہلے واقعہ سے ملتا جلتا ہی ہے۔ ایک عورت نے  
 دلی خیالات پر سرزنش کی اور وہ عورت بھی بنان صاحب کے ساتھ  
 ہی تھی مگر بنان صاحب اس کو تنب دیکھتے تھے جب وہ ظاہر ہوتی  
 تھی۔ مزید برآں

یہ واقعہ سبق دیتا ہے کہ توشہ ساتھ نہیں رکھنا چاہیے حالانکہ  
 یہ چیز قرآن مجید کے بالکل خلاف ہے۔  
 اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :-

وَتَزَوَّدُوا (البقرة - ۱۹۷) اور توشہ ساتھ لے لیا کرو۔



ناظرین کی خدمت میں یہ دس واقعات ہم نے تبلیغی نصاب سے نقل کئے ہیں ورنہ اس میں ایسے سینکڑوں واقعات درج ہیں۔  
 کاش! تبلیغی اکابرین ایسے مشرکانہ واقعات پر مشتمل تبلیغی نصاب کے ذریعہ قرآن و حدیث کے خلاف، اُسوۂ رسول کے نام پر لوگوں کے عقائد و اعمال کو مسخ کرنے کی تبلیغ نہ کرتے۔

## جماعت المسلمین کی دعوت

جماعت المسلمین ایسی جماعت ہے جس میں فرقہ وارانہ مذاہب کے ملنے والے نہیں ملتے جاتے یعنی جماعت المسلمین فرقوں کا معجون مرکب نہیں ہے۔ جو شخص بھی جماعت المسلمین میں شامل ہوتا ہے وہ صرف مسلم ہوتا ہے، نہ اُس کا کوئی مسلک ہوتا ہے اور نہ کوئی مذہب، نہ اُس کا کوئی مکتبہ فکر ہوتا ہے اور نہ اُس کی کوئی فرقہ وارانہ فقہ۔ اس کا تو بس دین ہوتا ہے اور وہ دین اسلام ہوتا ہے۔ وہ صرف قرآن مجید اور احادیث صحیحہ کے احکام کا پابند اور توحید اور سنت پر گامزن ہوتا ہے۔

جماعت المسلمین توحید اور اتباع سنت پر سختی سے کاربند ہے اور وہ صرف اسلام یعنی وہ اسلام جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دے کر گئے تھے اس پر قائم ہے اور اسی کی دعوت دیتی ہے۔ جماعت المسلمین نہ فرقہ ہے

اور نہ فرقہ وارانہ مذاہب کو اسلام سمجھتی ہے۔

فرقہ بندی کو ہر شخص لعنت سمجھتا ہے لیکن فرقوں کو چھوڑنا بھی نہیں چاہتا، یہ قول و فعل کا تضاد ہے۔ اس طرح فرقہ بندی کبھی ختم نہیں ہو سکتی اور لوگوں کا یہ خواب کہ سب ایک ہو جائیں کبھی شرمندہ تعبیر نہیں ہو سکتا۔  
اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے :-

وَلَا تَكُونُوا مِنَ الْمُشْرِكِينَ ۝ اور مشرکین میں سے نہ ہو جاؤ یعنی ان لوگوں  
مِنَ الَّذِينَ فَرَّقُوا دِينَهُمْ وَكَانُوا شِيعًا ۝  
کے جنہوں نے اپنے دین کو ٹکڑے  
کے ٹکڑے کر دیا اور فرقے فرقے ہو گئے۔ تمام  
فِرْحُونَ ۝ (الدم - ۳۱ و ۳۲) فرقے جو کچھ ان کے پاس ہے اس میں گن ہیں۔  
قارئین کرام، اس آیت پر غور فرمائیں۔ اللہ تعالیٰ  
نے مشرکین کی کیا شریعت فرمائی ہے۔

آئیے جماعت المسلمین میں شامل ہو کر فرقہ بندی  
کی لعنت کو ختم کریں۔

## جماعت المسلمین

مسجد المسلمین، کوثر نیازی کالونی، نار تھ ناظم آباد، بلاک جی، کراچی ۲۳



## عذاب قبر کہاں ہوتا ہے؟

① رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں :-

إِنَّ الْعَبْدَ إِذَا وُضِعَ فِي قَبْرِهِ وَتَوَلَّى عَنْهُ أَصْحَابُهُ وَإِنَّهُ لَيَسْمَعُ قُرْعَ نَعَالِهِمْ أَتَاهُ مَلَكَانِ فَيَقْعِدَانِيهِ فَيَقُولَانِ مَا كُنْتَ تَقُولُ فِي هَذَا الرَّجُلِ لِبُحَمِّدٍ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَمَّا الْمُؤْمِنُ فَيَقُولُ أَشْهَدُ أَنَّ عَبْدَ اللَّهِ وَرَسُولَهُ فَيُقَالُ لَهُ أَنْظِرْ إِلَى مَقْعِدِكَ مِنَ النَّارِ قَدْ أَبَدَ لَكَ اللَّهُ بِهِ مَقْعِدًا مِنَ الْجَنَّةِ فَيَرَاهُمَا جَبِيْعًا وَأَمَّا الْكُفْرُ فَيُقَالُ لَهُ مَا كُنْتَ تَقُولُ فِي هَذَا الرَّجُلِ فَيَقُولُ لَا أَدْرِي كُنْتُ أَقُولُ مَا يَقُولُ

جب بندہ اپنی قبر میں رکھ دیا جاتا ہے اور اس کے اصحاب واپس ہوتے ہیں تو ابھی وہ ان کی جوتیوں کی آواز سنتا ہوتا ہے کہ دو فرشتے اس کے پاس آتے ہیں اور اُسے بٹھاتے ہیں۔ پھر وہ اس سے پوچھتے ہیں تو ان صاحب کے یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق کیا کہا کرتا تھا۔ اگر وہ بندہ مؤمن ہوتا ہے تو کہتا ہے: میں گواہی دیتا ہوں کہ وہ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔ پھر اس سے کہا جاتا ہے: دونوں میں اپنے مقام کو دیکھ، اللہ نے اس کے بدلہ میں تجھے جنت میں ایک مقام عطا فرمایا ہے۔ وہ دونوں مقاموں کو ایک ساتھ دیکھتا ہے۔ یہ منافق اور کافر تو اس سے بھی پوچھا جاتا ہے

النَّاسُ فَيَقَالُ لَا دَرَبَ لَكَ وَلَا  
تَلَيْتَ وَيُضْرَبُ بِمِطْرَاقٍ مِنْ  
حَدِيدٍ ضَرْبَةً فَيَصِيغُ صَيْحَةً  
يَسْمَعُهَا مَنْ يَلِيهِ غَيْرَ الثَّقَلَيْنِ  
(صحیح بخاری کتاب الجنائز باب ما جاد فی  
عذاب القبر)۔

کہ تو ان کے متعلق کیا کہتا تھا۔ وہ جواب  
دیتا ہے میں کچھ نہیں جانتا جو کچھ لوگ  
کہتے تھے میں بھی وہ کہا کرتا تھا۔ پھر اس  
سے کہا جاتا ہے: نہ تو نے جانا اور نہ تو  
نے پڑھا۔ پھر اسے لوہے کے ہتھوڑوں  
سے مارا جاتا ہے تو وہ ایک چیخ نکالتا  
ہے جس کو جن والنس کے سوا تمام مخلوق  
جو قریب ہوتی ہے سنتی ہے۔

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ مردے کو اسی جگہ عذاب ہوتا ہے

① جہاں اُسے رکھا جاتا ہے اور

② جہاں اُس کے ساتھی اسے چھوڑ کر چلے جاتے ہیں۔

اور کیونکہ (۱) مردے کو ارضی قبر میں رکھا جاتا ہے اور کیونکہ (۲) ارضی قبر  
ہی میں اُسے چھوڑ کر اس کے ساتھی واپس جاتے ہیں  
لہذا ثابت ہوا کہ ارضی قبر ہی میں عذاب ہوتا ہے، کسی دوسری قبر میں عذاب  
نہیں ہوتا۔

② رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں :-

فَلَوْ لَا أَنْ لَا تَدْعُوا الدَّعْوَتِ  
اللَّهُ أَنْ يَسْمِعَكُمْ مِنْ عَذَابِ  
الْقَبْرِ الَّذِي أَسْمَعُ مِنْهُ (صحیح  
مسلم کتاب الجنۃ وصفۃ نعیمہ ما حلہا باب  
اگر یہ (اندیشہ) نہ ہوتا کہ تم (مردوں کو)  
دفن نہیں کرو گے تو میں اللہ سے دعا  
کرتا کہ عذاب قبر جو میں سنتا ہوں اُس  
میں سے کچھ تمہیں بھی سنا دے۔

عرض مقعد المیت او النار علیہ واثبات عذاب القبر جزء ۲ ص ۵۴۴



صحابہ کرام ارضی قبر ہی میں دفن کرتے تھے اور جب وہ ارضی قبر میں ہونے والے عذاب کی آواز ارضی قبر سے آتی ہوئی سن لیتے تو عذاب قبر کے خطرہ سے بچنے کے لئے وہ ارضی قبر میں دفن ہی نہ کرتے۔ اگر صحابہ کرام کا یہ عقیدہ ہوتا کہ ارضی قبر میں عذاب نہیں ہوتا بلکہ کسی اور قبر میں ہوتا ہے تو وہ ارضی قبر میں دفن کو ناپکیوں چھوڑ دیتے۔ ارضی قبر میں دفن کرنے سے پھر انہیں کونسا امر مانع تھا۔ ظاہر ہے کہ کوئی امر مانع نہیں تھا، وہ عذاب قبر سننے کے بعد بھی ارضی قبر میں بغیر کھلکے دفن کرتے رہتے۔ ایسی صورت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے ارضی قبر میں دفن نہ کرنے کا اندیشہ ہی نہ ہوتا۔

اگر صحابہ کرام کا یہ عقیدہ صحیح نہیں ہوتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کو قبر کا عذاب سنانے کی دعاء کر دیتے اور انہیں سمجھا دیتے کہ وہ ارضی قبر میں دفن کرنا نہ چھوڑیں اس لئے کہ ارضی میں تو عذاب ہوتا ہی نہیں، وہ تو کسی اور قبر میں ہوتا ہے لیکن ساری زندگی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی کسی اور قبر کا ذکر ہی نہیں کیا اور ذکر تو کجا اشارہ تک نہیں کیا تو پھر یہ کس قدر فرضی عقیدہ ہے کہ کسی فرضی قبر میں عذاب ہوتا ہے۔ فرضی قبر کا دعویٰ کرنے والے کوئی ایک آیت یا ایک حدیث ہی اس سلسلہ میں پیش کریں۔ لیکن پیش کہاں سے کریں، اس مضمون کی کوئی آیت یا حدیث ہو تو پیش کریں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کے عقیدہ کی تردید نہیں فرمائی، ان کی غلط فہمی دور نہیں کی تو پھر ثابت ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بھی یہی عقیدہ تھا کہ ارضی قبر میں عذاب ہوتا ہے تو اب سوچنا چاہیے کہ جو شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عقیدے کے مطابق عقیدہ رکھتا ہے وہ کافر یا مشرک کیسے ہوگا۔؟

(۳) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں :-

إِذَا قُبِرَ الْمَيِّتُ أَوْ قَالَ أَحَدُكُمْ  
أَنَّهُ مَلَكَانِ أَسْوَدَانِ أَرْزَقَانِ  
يُقَالُ لِأَحَدِهِمَا الْمُنْكَرُ وَالْأُخْرَى  
النَّكِيرُ فَيَقُولَانِ مَا  
كُنْتَ تَقُولُ فِي هَذَا الرَّجُلِ  
فَيَقُولُ مَا كَانَ يَقُولُ هُوَ  
عَبْدُ اللَّهِ وَرَسُولُهُ أَشْهَدُ  
أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَأَنَّ  
مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ فَيَقُولَانِ  
قَدْ كُنَّا نَعْلَمُ أَنَّكَ تَقُولُ هَذَا  
ثُمَّ يُفْسَخُ لَهُ فِي قَبْرِهِ سَبْعُونَ  
ذِرَاعًا فِي سَبْعِينَ ثَمَّ يُنَوَّرُ لَهُ  
فِيهِ ثُمَّ يُقَالُ لَهُ نَمْ فَيَقُولُ  
أَرْجِعْ إِلَى أَهْلِي فَأَخْبِرْهُمْ  
فَيَقُولَانِ نَمْ كُنُومَةُ الْعَرُوسِ  
الَّذِي لَا يُوقِظُهُ إِلَّا أَحَبُّ  
أَهْلِهِ إِلَيْهِ حَتَّى يَبْعَثَهُ اللَّهُ  
مِنْ مَضْجِعِهِ ذَلِكَ وَإِنْ كَانَ  
مُنَافِقًا قَالَ سَمِعْتُ النَّاسَ  
يَقُولُونَ فَقُلْتُ مِثْلَهُ لَا أَدْرِي

جب میت کو یا تم میں سے کسی کو دفن  
کیا جاتا ہے تو سیاہ فام، نیلی آنکھوں  
والے دو فرشتے اس کے پاس آتے  
ہیں۔ ان میں سے ایک کو منکر اور دوسرے  
کو نکیر کہا جاتا ہے۔ وہ کہتے ہیں :-  
ان صاحب کے متعلق تو کیا کہتا تھا؟  
تو جو کچھ وہ کہا کرتا تھا وہی کہے گا۔ وہ  
کہے گا : یہ اللہ کے بندے اور اس  
کے رسول ہیں، میں گواہی دیتا ہوں  
کہ اللہ کے سوا کوئی الہ نہیں اور محمد اس  
کے بندے اور اس کے رسول ہیں (صلی اللہ علیہ  
وسلم)۔ یہ سن کر وہ فرشتے کہتے ہیں  
ہمیں معلوم تھا کہ تو یہ کہا کرتا تھا پھر  
اس کی قبر میں اس کے لئے ستر ستر ہاتھ  
کی کشادگی کر دی جاتی ہے، پھر اس  
میں اس کے لئے روشنی کر دی جاتی ہے،  
پھر اس سے کہا جاتا ہے : سو جا۔ وہ  
کہتا ہے میں اپنے اہل و عیال کے پاس  
جاتا ہوں اور انہیں (یہ) خبر بتاؤں  
گا۔ فرشتے کہتے ہیں : دولہا کی طرح سو جا



فَيَقُولَانِ قَدْ كُنَّا نَعْلَمُ أَنَّكَ  
تَقُولُ ذَلِكَ فَيُقَالُ لِلْأَرْضِ  
النَّامِي عَلَيْهِ قَتَلْتُمُ عَلَيْهِ  
فَتَخْتَلِفُ أَضْدَاعُهُ فَلَا يَزَالُ  
فِيهَا مُعَذِّبًا حَتَّى يَبْعَثَهُ اللَّهُ  
مِنْ مَضْجِعِهِ ذَلِكَ (مسند  
الترمذی فی ابواب الجنائز  
باب ما جاء فی عذاب القبر  
جزء اول ص ۳۲ وسندہ صحیح  
علی شرط مسلم)

جسے کوئی نہیں جگاتا مگر وہ جو اُس کے  
اہل (خاندان) میں سب سے زیادہ اُس  
کو محبوب ہوتا ہے۔ (وہ اسی طرح  
آرام سے سوتا ہے گا) یہاں تک کہ  
اللہ (تعالیٰ) اُس کو اُس کی اسی خوابگاہ  
سے اٹھا کھڑا کرے گا۔ اگر (مرنے والا)  
منافق ہوتا ہے تو وہ جواب دیتا ہے،  
میں نے جو کچھ لوگوں کو کہتے سنا میں بھی  
وہی کہنے لگا، (اس سے زیادہ) مجھے کچھ  
نہیں معلوم۔ فرشتے کہتے ہیں: ہمیں معلوم  
تھا کہ تو اسی طرح کہا کرتا تھا۔ پھر زمین  
سے کہا جاتا ہے: اس کے اوپر مل جا۔  
زمین اس کے اوپر مل جاتی ہے (یعنی  
اس کو بھینچتی ہے)۔ اس کی پسلیاں  
ادھر کی ادھر ہو جاتی ہیں۔ پھر وہ اُس  
میں (اسی طرح) عذاب دیا جاتا رہتا  
ہے یہاں تک کہ اللہ (تعالیٰ) اُس کو  
اُس کی خوابگاہ سے زندہ کر کے اٹھائے گا۔

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ مردے کو اس جگہ عذاب دیا جاتا ہے جس جگہ  
سے وہ قیامت کے دن اٹھایا جائے گا اور یہ سب مانتے ہیں کہ قیامت کے  
دن ارضی قبر سے اٹھایا جائے گا لہذا دلیل قاطع سے یہ چیز ثابت ہو گئی کہ مردے

کو ارضی قبر ہی میں عذاب ہوتا ہے۔

جو شخص ان احادیث کے مطابق عقیدہ رکھتا ہے وہ مؤمن ہے اور جو شخص ان احادیث کے مطابق عقیدہ نہیں رکھتا وہ مؤمن نہیں ہو سکتا اور یہ متفق علیہ مسئلہ ہے کہ حدیث کی مخالفت کفر ہے تو ہونا یہ چاہیے تھا کہ حدیث کے مخالف عقیدہ رکھنے والے کو کافر کہا جاتا لیکن ہو یہ رہا ہے کہ جو شخص حدیث کے موافق عقیدہ رکھتا ہے وہ کافر ہے۔ کاش یہ لوگ غور کرتے۔

**اعتراضات** اپنا ایک خاص عقیدہ بنانے کے بعد لوگوں کا یہ عجیب رویہ ہو گیا ہے کہ جو حدیث ان کے عقیدہ کے خلاف ہوتی ہے اسے قرآن مجید کے خلاف کہہ کر اپنا پیچھا چھڑا لیتے ہیں۔ یہ اچھی روش نہیں ہے۔ کاش یہ لوگ غور کرتے کہ وہ کہاں جا رہے ہیں۔ یہ حدیث قرآن مجید کی کسی آیت کے خلاف نہیں ہے۔ اگر کوئی ایسی آیت ہے تو ایسے لوگوں سے ہماری گزارش ہے کہ وہ اس آیت کو پیش کریں جس کا یہ مضمون ہو کہ ارضی قبر میں عذاب نہیں ہوتا۔ یہیں یقین ہے کہ وہ ایسی آیت پیش نہیں کر سکیں گے تو ہم ان سے گزارش کریں گے کہ وہ حدیث کو قرآن مجید کے خلاف کہہ کر ضد نہ کریں بلکہ حدیث کے مطابق اپنے عقیدہ کو استوار کر لیں۔

ایک ایسے صاحب سے ہماری گفتگو ہوئی، ہم نے حدیث پیش کی، انہوں نے فوراً کہہ دیا کہ یہ حدیث قرآن مجید کے خلاف ہے۔ ہم نے کہا وہ آیت پڑھیں جس میں یہ ہو کہ عذاب ارضی قبر میں نہیں ہوتا لیکن باوجود اصرار کے وہ ایسی آیت نہ بتا سکے تو پھر یہ کہنا کہ حدیث قرآن مجید کے خلاف ہے صحیح نہیں۔



قرآن مجید کی کسی آیت کے مضمون کو توڑ مروڑ کر اپنے عقیدہ کے مطابق کر لینا اور پھر حدیث کو اس خود ساختہ مفہوم کے خلاف قرار دے کر قرآن مجید کے خلاف کہنا یہ صحیح نہیں، زیادتی ہے۔ حدیث بیشک آیت کے خود ساختہ مضمون کے خلاف ہو سکتی ہے لیکن قرآن مجید کے اصل مفہوم کے خلاف نہیں ہوتی۔ کاش یہ لوگ اپنے رویہ پر غور کریں۔ ہونا تو یہ چاہیے کہ آیت کا معنی حدیث کی روشنی میں کیا جائے اس لئے کہ معلم کتاب و حکمت سے بہتر اور کس کے معنی ہو سکتے ہیں۔ قرآن مجید کے جو معنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بتائے ہیں وہی صحیح ہیں باقی سب غلط۔

بالفرض محال اگر یہ مان لیا جائے کہ حدیث قرآن مجید کے خلاف ہے تب بھی صحیح حدیث کو مسترد نہیں کیا جاسکتا۔ تطبیق کی کوئی صورت تلاش کی جائے گی لیکن اُسے مسترد نہیں کیا جائے گا اس لئے کہ وہ ثابت شدہ ہے اور ثابت شدہ چیز کو مسترد نہیں کیا جاسکتا۔ ثابت شدہ چیز کو مسترد کرنا انصاف کے خلاف ہے۔

اس سلسلہ میں ہم قرآن مجید سے ایک مثال دیتے ہیں۔ اگر کوئی مرد مر جائے اور وہ کلالہ ہو تو اگر اس کی بہن ہو تو اس بہن کو ورثہ کا نصف ملے گا، اسی طرح اگر عورت مر جائے اور وہ کلالہ ہو تو اگر اس کا بھائی ہو تو بھائی کو پورا ورثہ مل جائے گا۔ اگر دو بہنیں ہوں تو ان کو میراث کا دو تہائی ملے گا اور اگر بہن بھائی دونوں ہوں تو ورثہ ان میں اس طرح تقسیم کر دیا جائے گا کہ بھائی کو بہن سے دو گنا ملے (النساء ۷۷) اب ذیل میں ہم وہ آیت لکھتے ہیں جو مندرجہ بالا آیت کے خلاف ہے۔

اگر کوئی مرد یا عورت مر جائے اور وہ کلالہ ہو اور اس کا ایک بھائی یا ایک بہن ہو تو ان میں سے ہر ایک کو چھٹا حصہ ملے گا اور اگر ایک سے زیادہ بھائی بہن ہوں تو وہ ورثہ کے تہائی میں شریک ہوں گے (النساء، ۱۲) غور کیجئے دوسری آیت پہلی آیت کے بالکل خلاف ہے تو کیا ہم کہہ سکتے ہیں کہ کیونکہ دوسری آیت پہلی آیت کے خلاف ہے لہذا یہ صحیح نہیں۔ کوئی نہیں کہتا اور نہ کسی نے آج تک کہا۔ تطبیق دیتے ہیں اور اس طرح تضاد کو دور کر لیتے ہیں۔ دوسری آیت کو غیر صحیح کیوں نہیں کہتے اس لئے کہ وہ بھی ثابت شدہ ہے اور ثابت شدہ چیز کو رد نہیں کیا جاسکتا۔ اسی طرح اگر کوئی ثابت شدہ حدیث بظاہر کسی آیت کے خلاف ہو تو اسے بھی رد نہیں کیا جائے گا بلکہ تطبیق کی کوئی صورت نکالی جائے گی۔ ارضی قبر میں عذاب ثابت کرنے والی حدیث تو کسی آیت کے خلاف بھی نہیں پھر اسے کیوں قرآن مجید کے خلاف کہہ کر ٹالا جاتا ہے۔ کاش ارضی قبر میں عذاب کا انکار کرنے والے غور کریں۔

ہم نے اوپر متضاد آیتوں کا صرف ایک جوڑا پیش کیا ہے۔ اس قسم کے چالیس مزید جوڑے ہم قرآن مجید سے پیش کر سکتے ہیں جن میں ہر جوڑے کی ایک آیت دوسری آیت کے خلاف ہے لیکن کوئی بھی کسی آیت کو غیر صحیح نہیں کہتا بلکہ تطبیق کر کے تضاد کو دور کر لیتا ہے تو پھر کوئی وجہ نہیں کہ صحیح حدیث اور ایسی آیت جو بظاہر حدیث کے خلاف ہو دونوں میں تطبیق نہ دی جائے۔ تطبیق دینا ضروری ہے اور تطبیق دے کر حدیث کو ماننا ضروری ہے۔



**اشکالات** | بعض لوگ ارضی قبر میں عذاب کے واقع ہونے کے سلسلہ میں

اشکالات بھی پیش کرتے ہیں حالانکہ ثابت شدہ چیز پر اشکالات

پیش نہیں کئے جاسکتے۔ اشکالات سے ثابت شدہ چیز کو مسترد نہیں کیا

جاسکتا۔ مثلاً قرآن مجید میں ہے کہ یعقوب علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یوسف

ہوسکتے ہیں مثلاً (۱) باپ کا بیٹے کو سجدہ کرنا ناقابل فہم ہے۔

(۲) دونوں کے متعلق شرک کی نسبت کی جاسکتی ہے۔

لیکن کوئی یہ اشکال پیش نہیں کرتا، کیوں صرف اس لئے کہ سجدہ کرنے

کی خبر ثابت شدہ ہے۔ کسی نے سجدہ کے معنی بدل کر اشکالات کو دور کرنے کی

کوشش کی، کسی نے سجدہ کی دو قسمیں کر دیں: سجدہ عبادت اور سجدہ

تعظیمی۔ یعقوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کے متعلق یہ کہا گیا کہ انہوں نے

سجدہ تعظیمی کیا تھا۔ اس پر اعتراض ہوا کہ سجدہ تعظیمی بھی ممنوع ہے تو اس

کے جواب میں کہا گیا کہ ان کی شریعت میں جائز تھا۔ لیکن باپ کا بیٹے کے

سامنے سجدہ کرنے کے اعتراض کو پھر بھی دور نہ کر سکے۔ کچھ بھی ہوا لیکن

آیت کا انکار نہیں کیا محض اس لئے کہ وہ ثابت شدہ چیز تھی اور ثابت

شدہ چیز اشکالات سے رد نہیں کی جاسکتی۔

**دوسری مثال** | یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بھائیوں نے اپنے والد

سے کہا کہ یوسف (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کو بھیڑ یا کھا گیا۔ یعقوب علیہ

الصلوٰۃ والسلام نے کہا: تم نے یہ بات اپنے دل سے بنالی ہے (سورہ

بعقوب علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس خبر کی تصدیق نہیں کی بلکہ اُسے بھوٹی خبر قرار دیا لیکن پھر بھی انہوں نے یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تلاش کے لئے نہ کسی کو بھیجا اور نہ خود گئے۔ کیا کوئی باپ ایسا کر سکتا ہے کہ بچہ جنگل بیابان میں اکیلا ہو، رات کا وقت ہو اور وہ صبر کر کے بیٹھ جائے۔ امت میں سے بھی کسی نے نہیں کہا: ہم دیکھ کر لاتے ہیں۔ اشکال تو بہت زبردست ہے لیکن کیا کیا جائے کہ خبر ثابت شدہ ہے لہذا اس کا انکار نہیں کیا جاسکتا۔

**تیسری مثال** | حضرت خضر نے ایک معصوم بچے کو قتل کر دیا (کف ۴)، بتلیے کون سا قانون معصوم بچے کو قتل کرنے کی اجازت دیتا ہے لیکن واقعہ کا انکار بھی نہیں کیا جاسکتا اس لئے کہ واقعہ ثابت شدہ ہے۔ اس قسم کی متعدد مثالیں قرآن مجید سے پیش کی جاسکتی ہیں تو کیا کسی اشکال کی وجہ سے قرآن مجید کی کسی آیت پر شبہ کیا جاسکتا ہے۔ ہرگز نہیں، محض اس لئے کہ قرآن مجید کی تمام آیات ثابت شدہ ہیں، بالکل اسی طرح اگر حدیث ثابت شدہ ہوگی تو اس پر بھی شبہ نہیں کیا جائے گا، اشکالات کو مسترد کر دیا جائے گا۔

ارضی قبر کے عذاب کے سلسلہ میں جو احادیث پیش کی گئی ہیں ان پر جو اشکالات پیش کئے جاتے ہیں وہ بچکانہ ہیں اور ان کا جواب بھی دیا جا چکا ہے۔ ہم تو ان اشکالات کو اہم نہیں سمجھتے کہ ان کا جواب دیں اس لئے ارضی قبر کے عذاب کی احادیث ثابت شدہ ہیں لہذا اشکالات اہم ہوں یا غیر اہم سب مسترد ہیں۔



نصیحت و خیر خواہی | ارضی قبر میں عذاب کا انکار کرنے والوں کی خدمت میں گزارش ہے کہ وہ اپنے عقیدہ پر نظر ثانی کریں۔ اپنی آخرت کو نہ بگاڑیں اور بلاوجہ، بغیر دلیل ایک فرضی عقیدہ کی بنیاد پر بزرگانِ دین، ائمہ اور محدثین اور جملہ مسلمین پر کفر یا شرک کا فتویٰ نہ لگائیں اور جماعت المسلمین کے جھنڈے کے نیچے آجائیں جہاں عقیدہ کی بنیاد صرف قرآن مجید اور ثابت شدہ حدیث پر ہوتی ہے۔ کسی فرضی چیز کی بنیاد پر نہ کوئی عقیدہ ہوتا ہے اور نہ عمل۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

## عذاب قبر کہاں ہوتا ہے؟

مسئلہ اشاعت ۱۱۱

مندرجہ بالا عنوان پر ایک پمفلٹ پہلے شائع ہو چکا ہے۔ قارئینِ کرام سوچتے ہوں گے کہ اس عنوان پر آخر قلم اٹھانے کی کیا ضرورت تھی؟ "عذاب قبر" کا مرکب اضافی خود بتا رہا ہے کہ عذاب قبر کہاں ہوتا ہے۔ جو چیز عنوان ہی سے واضح ہو رہی ہو اس کے لئے نہ کسی مضمون کی ضرورت ہے اور نہ کسی تشریح کی۔ "عذاب قبر" اگر قبر میں نہیں ہوگا تو اور کہاں ہوگا۔ لیکن قارئینِ کرام کیا کہا جائے۔ کچھ لوگ ہمیشہ ایسے عجوبہ روزگار ہوتے ہیں کہ ان سے وقتاً فوقتاً عجوبہ روزگار چیزوں کا ظہور ہوتا رہتا ہے۔ ایک زمانہ میں لیاقت آباد کا بس اسٹاپ ناظم آباد میں تھا (اور شاید اب بھی ہو)۔ پوچھنے والا پوچھ سکتا ہے کہ لیاقت آباد کا بس اسٹاپ لیاقت آباد ہی میں ہونا چاہیئے ناظم آباد میں کیسے ہو سکتا ہے۔ ممکن ہے حیرت زدہ سائل کو یہ کہہ کر خاموش کر دیا جائے کہ یہ لیاقت آباد دوسرا ہے جس کا بس اسٹاپ ناظم آباد میں ہے۔ سائل کو مزید حیرت ہوگی کہ لیاقت آباد تو ایک ہی ہے، دوسرا لیاقت آباد کہاں سے آگیا۔ اس کا تو کہیں وجود ہی نہیں۔ نہ دیکھا نہ سنا۔ جواب ملتا

ہے کہ یہ لیاقت آباد پوشیدہ ہے۔ برزخ یعنی پردہ کے پیچھے ہے۔ دکھائی نہیں دے سکتا۔ اسی طرح عذاب قبر کے سلسلہ میں کہا جاتا ہے کہ "عذاب قبر" کے مرکب میں جس قبر کا ذکر ہے وہ برزخ میں ہے۔ سوال ہوتا ہے کہ آخر اس برزخی قبر کا کچھ ذکر کہیں قرآن مجید یا حدیث مبارک میں ہے۔ جو قبر نہ ہمیں دکھائی دیتی ہے، نہ اللہ ذوالجلال والاکرام نے قرآن مجید میں کہیں اس کا ذکر کیا اور نہ مخبر صادق صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان اقدس پر کبھی اس کا ذکر آیا آخر ایسی قبر کو ہم کیسے مان لیں اور دکھائی دینے والی حقیقی قبر کو نظر انداز کر کے ایک فرضی قبر کو تسلیم کر لیں۔

گذشتہ قسط میں ہم احادیث سے ثابت کر چکے ہیں کہ عذاب قبر اسی دکھائی دینے والی ارضی قبر میں ہوتا ہے لیکن مخالفین حدیث کو مانتے ہی کب ہیں۔ وہ کھلم کھلا حدیث کا انکار تو نہیں کرتے لیکن ہاں کسی نہ کسی چیلے اور بہانے سے حدیث کا انکار کر دیتے ہیں۔ ہماری بیان کردہ احادیث کے متعلق بھی ان کا یہی رویہ ہے۔ کہتے ہیں یہ احادیث قرآن مجید کے خلاف ہیں لیکن وہ کوئی ایسی آیت پیش نہیں کرتے جو ان احادیث کے خلاف ہو اور جو آیت وہ پیش کرتے ہیں اس میں برزخی قبر کا ذکر نہیں۔ جو آیت وہ پیش کرتے ہیں وہ درج ذیل ہے :-

وَمِنْ ذَرَايِهِمْ بَرَزَخُ إِلَى  
يَوْمِ يُبْعَثُونَ ○  
اُن کے آگے اُس دن تک جس دن  
وہ لوگ (دوبارہ زندہ کر کے) اٹھائے

(المؤمنون - ۱۰۰) جائیں گے پردہ ہے۔

مندرجہ بالا آیت بے محل پیش کی جاتی ہے۔ اس آیت میں قبر کا لفظ تک نہیں پھر یہ آیت برزخی قبر کی دلیل کیسے بن گئی۔ بات یہ ہے کہ برزخی قبر بھی فرضی اور دلیل بھی فرضی۔ مندرجہ بالا آیت کا مطلب بالکل صاف ہے اور وہ یہ کہ مرنے کے بعد قیامت تک کی زندگی انسانوں سے پوشیدہ رہتی ہے گویا وہ زندگی برزخ یعنی پردہ کے پیچھے ہے۔ انسان پردہ کے پیچھے کے حالات



سے واقف نہیں ہو سکتے۔ فرضی قبر والے پوچھتے ہیں کہ اگر ارضی قبر میں عذاب ہونا ہے تو دکھائی کیوں نہیں دیتا؟ قبر کو کھود کر دیکھو تو عذاب جیسی کوئی چیز نظر نہیں آتی۔ ہم کہتے ہیں یہی تو برزخ ہے، یہی تو پردہ ہے جو ہمیں ارضی قبر کے عذاب کو دیکھنے سے مانع ہے۔ اگر یہ برزخ (یعنی پردہ) نہ ہوتا تو ہمیں ارضی قبر کا عذاب نظر آ جاتا۔ الغرض ارضی قبر میں جو کچھ ہو رہا ہے وہ پردہ کے پیچھے ہو رہا ہے۔ ہمیں نہ پردہ نظر آتا ہے اور نہ پردے کے پیچھے ہونے والے عذابات نظر آتے ہیں۔ اگر قبر کا عذاب نظر آ جاتا تو پھر برزخ کہاں رہتا۔ مزید برآں ضرور کی نہیں کہ جو چیز نظر نہ آئے اس کا وجود نہ ہو۔ بہت سی چیزیں ہیں جو نظر نہیں آتیں لیکن ان کے وجود پر ہمارا بڑا پختہ ایمان ہے مثلاً فرشتے، شیاطین وغیرہ۔ کافر کی جان نکالتے وقت فرشتے اسے مارتے ہیں لیکن نہ فرشتے نظر آتے ہیں اور نہ ان کا مارنا نظر آتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :-

وَلَوْ تَرَىٰ إِذْ يَتَوَفَّى الَّذِينَ كَفَرُوا الْمَلَائِكَةُ يَضْرِبُونَ وُجُوهَهُمْ وَأَدْبَارَهُمْ وَذُوقُوا عَذَابَ الْحَرِيقِ ۝  
(الانفال - ۵۰)

اور (اے رسول) اگر آپ اس وقت کی کیفیت کو دیکھیں جس وقت فرشتے کافروں کی روح قبض کرتے ہیں (تو آپ دیکھیں گے کہ) فرشتے ان کے چہروں پر اور پیٹھوں پر مارتے ہیں اور (یہ کہتے جلتے ہیں) عذاب سوزاں کا مزا چکھو۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :-

فَكَيْفَ إِذَا تَوَفَّتْهُمُ الْمَلَائِكَةُ يَضْرِبُونَ وُجُوهَهُمْ وَأَدْبَارَهُمْ ۝  
(محمد - ۲۷)

اس وقت کافروں کی کیا کیفیت ہوگی جب فرشتے ان کی روح قبض کریں گے اور ان کے چہروں اور پیٹھوں پر مارتے جائیں گے۔

جب فرشتے کافروں کی جان نکالتے ہیں اور انہیں مارتے ہیں تو پاس

بیٹھنے والوں کو کچھ نظر نہیں آتا اسی طرح ارضی قبر میں عذاب ہوتا ہے لیکن نظر نہیں آتا۔

خواب میں انسان کیا کیا دیکھتا ہے، اُسے خواب میں تکلیف بھی پہنچتی ہے، وہ چیختا چلاتا بھی ہے لیکن پاس بیٹھنے والوں کو کچھ نظر نہیں آتا۔ اسی طرح عذاب قبر کا معاملہ ہے۔ اس میں تعجب کی کونسی بات ہے۔ تعجب تو ان لوگوں پر ہے جو اللہ تعالیٰ کی قدرت پر بغیر دیکھے ایمان نہیں لاتے اور طرح طرح کے لایعنی اشکالات پیش کر کے اپنے ایمان کو ضائع کر لیتے ہیں۔

اس قسط میں ہم قرآن مجید سے ثابت کریں گے کہ عذاب قبر ارضی قبر میں ہوتا ہے۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ قیامت کے دن مردے زندہ ہو کر اسی ارضی قبر سے نکلیں گے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :-

أَفَلَا يَعْلَمُ إِذَا بُعْثِرَ مَا  
فِي الْقُبُورِ ۝  
(والعادیات - ۹)  
کیا (انسان کو) نہیں معلوم کہ قبروں  
میں جو (مردے دفن) ہیں جب انہیں  
(زندہ کر کے) باہر نکالا جائے گا۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :-  
يَخْرُجُونَ مِنَ الْأَجْدَاثِ  
كَأَنَّهُمْ جَرَادٌ مُّنتَشِرٌ ۝  
(اقتربت الساعة - ۴)  
اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :-  
مِنْهَا خَلَقْنَاكُمْ وَفِيهَا  
نُعِيدُكُمْ وَ مِنْهَا نُخْرِجُكُمْ  
سَارَّةً أُخْرَى ۝  
(طہ - ۵۵)

اسی (زمین) سے ہم نے تم کو پیدا کیا  
اور اسی میں ہم تم کو پھر لوٹائیں گے اور  
اسی سے پھر تم کو (زندہ کر کے) دوبارہ  
نکالیں گے۔

الغرض قیامت کے دن مردے زندہ ہو کر زمین والی قبر سے نکلیں گے۔  
اس بات پر ہمارے مخالفین بھی ہم سے متفق ہیں۔



مخالفین ہم سے پوچھتے ہیں کہ جس شخص کو شیر نے کھالیا جس کی لاش جلادی گئی اس کی ارضی قبر ہی نہیں بنی تو پھر اس کو ارضی قبر میں عذاب کیسے ہوگا۔ یہی سوال ہم ان سے کرتے ہیں کہ جس شخص کو شیر نے کھالیا یا جس کی لاش کو جلادیا گیا، اس کی ارضی قبر ہی نہیں بنی تو وہ قیامت کے دن ارضی قبر سے کیسے نکلے گا۔ جو جواب وہ ہمارے سوال کا دیں گے وہی جواب ان کے سوال کا ہے۔ وہ جواب دیں گے کہ اللہ تعالیٰ کو قدرت ہے کہ وہ مردے کا جسم تیار کر کے اس کو اس کی قبر میں لے آئے اور پھر اس قبر سے اس مردے کو زندہ کر کے اٹھائے، ہم بھی یہی جواب دیتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کو قدرت ہے کہ وہ اس شخص کی لاش کو پیدا کرے جس کو شیر نے کھالیا ہو یا جس کی لاش کو جلادیا گیا اور پھر اس کو اس کی ارضی قبر میں لے آئے جہاں اُسے عذاب ہو اور پھر اسی ارضی قبر سے وہ زندہ کر کے اٹھایا جائے۔

کیونکہ ہر شخص کا ارضی قبر سے نکلنا قرآن مجید سے ثابت ہے تو پھر ہر شخص کی ارضی قبر کا ہونا بھی ضروری ہے۔ اس منطقی نتیجہ کے علاوہ قرآن مجید سے بھی ہر شخص کی ارضی قبر کا ثبوت ملتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :-

وَمَا مِنْ دَابَّةٍ فِي الْأَرْضِ إِلَّا  
عَلَى اللَّهِ رِزْقُهَا وَيَعْلَمُ  
مُسْتَقَرَّهَا وَمُسْتَوْدَعَهَا  
كُلٌّ فِي كِتَابٍ مُبِينٍ ۝

(ہود - ۶)

وہ (مرنے کے بعد) سپرد کیا جائے گا  
(اور) یہ تمام باتیں روشن کتاب  
میں (بھی) لکھی ہوئی ہیں۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :-

وَهُوَ الَّذِي أَنْشَأَكُمْ مِنْ

وہی ہے جس نے تم کو ایک نفس سے

پیدا کیا پھر (تمہارے لئے زمین کی سطح پر) ٹھہرنے کی جگہ (بنائی) اور تمہارے مرنے کے بعد زمین کے اندر تمہارے سپرد کرنے کی جگہ (بنائی)، ہم نے سمجھنے والوں کے لئے (اپنی) آیات کو علیحدہ علیحدہ بیان کر دیا ہے (تاکہ سمجھنے میں کوئی پیچیدگی محسوس نہ ہو)۔

نَفْسٍ وَاحِدَةٍ فَمُسْتَقَرٌّ  
وَمُسْتَوْدَعٌ، قَدْ فَصَّلْنَا  
الْآيَاتِ لِقَوْمٍ يَفْقَهُونَ ۝  
(الانعام - ۹۹)

ان آیات سے معلوم ہوا کہ ہر شخص کی زمین میں ایک قبر ہوتی ہے جہاں اُسے سپرد کیا جاتا ہے یا سپرد کیا جائے گا۔ بعض مُردوں کو خود انسان اس قبر میں دفن کر کے زمین کے سپرد کر دیتے ہیں اور بعض مُردوں کو اللہ تعالیٰ کسی خفیہ طریقہ سے جس کا علم ہم کو نہیں ان کی مقررہ قبر میں رکھ کر یا رکھوا کر زمین کے سپرد کر دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :-

انسان برباد ہو گیا، وہ کس قدر ناشکرا ہے۔ اللہ نے اُسے کس چیز سے بنایا؟ (ایک حقیر) نطفے سے۔ اللہ نے اس کو بنایا پھر اس کا اندازہ مقرر کیا پھر (بطن مادر سے باہر نکلنے کا) راستہ اس پر آسان کیا پھر اُسے موت دی پھر اُسے قبر میں دفن کرایا۔

قَتَلَ الْإِنْسَانَ مَا أَكْفَرَهُ ۝  
مِنْ أَيِّ شَيْءٍ خَلَقَهُ ۝ مِنْ نُّطْفَةٍ،  
خَلَقَهُ فَقَدَّرَهُ ۝ ثُمَّ السَّبِيلَ  
يَسَّرَهُ ۝ ثُمَّ أَمَاتَهُ فَأَقْبَرَهُ ۝  
(عبس - ۱۷ تا ۲۱)

ان آیات سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ ہر انسان کو اس کی موت کے بعد دفن کراتا ہے لیکن بظاہر یہ حقیقت کے خلاف ہے۔ ہر انسان تو موت کے بعد دفن نہیں ہوتا۔ بہت سے انسان مرنے کے بعد جلادے جاتے ہیں، بعض ایسے بھی انسان ہیں جن کو مچھلیاں کھا جاتی ہیں، بعض ایسے بھی انسان ہیں جن کو شیر کھا جاتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہم ہر انسان کو مرنے کے بعد دفن کراتے ہیں۔ سورہ ہود اور



سورہ انعام کی آیات مذکورہ برائے سے یہ بات واضح ہو گئی کہ ہر انسان مرنے کے بعد زمین میں دفن ہوتا ہے خواہ اُسے مرنے کے بعد جلا دیا گیا ہو یا اسے شیر نے کھا لیا ہو لیکن یہ کیسے ہوتا ہے ہمیں علم نہیں۔ ہم اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی باتوں پر بغیر دیکھے ایمان لاتے ہیں۔

اگر مخالفین یہ کہیں کہ یہ تو ہمیں تسلیم ہے کہ ہر انسان کی قبر ہوتی ہے لیکن وہ زمین میں نہیں ہوتی کسی اور مقام پر ہوتی ہے تو یہ مفروضہ قرآن مجید کی مندرجہ ذیل آیتوں کے خلاف ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :-

فِيهَا تَحْيَوْنَ وَفِيهَا تَمُوتُونَ اِذَا مِتَّ  
وَمِنْهَا تُخْرَجُونَ ۝  
(الاعراف - ۲۵)

آیت بالا سے ثابت ہوا کہ زمین میں موت آئے گی اور زمین ہی سے نکالا جائے گا۔ یہ دونوں چیزیں بتا رہی ہیں کہ مرنے کے بعد جو کچھ ہوگا وہ زمین ہی میں ہوگا۔ مرنے اور دوبارہ زندہ ہونے کے درمیانی وقت کے سلسلہ میں کسی اور جگہ کا کوئی ذکر نہیں۔ زمین میں مرنا اور زمین سے اٹھایا جانا یہ تسلسل بتا رہا ہے کہ درمیانی وقفہ کے لئے کوئی اور جگہ نہیں ہے۔ درمیانی وقفہ بھی اسی قبر میں گزرے گا۔ فرضی قبر محض فرضی چیز ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :-

مِنْهَا خَلَقْنَاكُمْ وَفِيهَا نُعِيدُكُمْ  
وَمِنْهَا نُخْرِجُكُمْ تَارَةً أُخْرٰی ۝  
(طہ - ۵۵)

(اے لوگو!) ہم نے تم کو زمین ہی سے پیدا کیا، زمین ہی میں تم کو لوٹائیں گے اور پھر زمین ہی سے تم کو (زندہ کر کے) دوبارہ نکالیں گے۔

یہ آیت بھی تمام انسانوں کے لئے عام ہے۔ ہر انسان کو خواہ اسے دفن کیا گیا ہو یا جلا دیا گیا ہو زمین میں لوٹایا جاتا ہے۔ آیت بالا میں یہ نہیں ہے کہ قیامت

کے قریب لوگوں کو زمین میں لوٹایا جائے گا پھر انہیں زمین سے نکالا جائے گا، درمیانی وقت میں وہ کہیں اور رہیں گے۔ درمیانی وقت کے سلسلہ میں مفروضہ قبر کا شاخسانہ بالکل بے بنیاد ہے۔ جو چیز آیت بالا سے ظاہر ہے وہ یہی ہے کہ ہر شخص زمین میں لوٹایا جائے گا پھر اُسی سے نکالا جائے گا۔ اس آیت میں بھی زمین میں لوٹانا اور پھر زمین سے نکالنا یہ تسلسل کسی درمیانی تبدیلی سے مانع ہے۔ الغرض قرآن مجید کی رُو سے مرنے کے بعد ہر شخص اپنی ارضی قبر میں قیامت تک رہے گا اور پھر زمین سے ہی نکالا جائے گا۔ الغرض جب ہر شخص قیامت تک ارضی قبر میں رہے گا تو پھر ظاہر ہے کہ جس شخص پر بھی عذاب ہو گا وہ اسی قبر میں ہو گا۔ الغرض قرآن مجید سے یہ بات ثابت ہو گئی کہ ہر انسان کی قبر زمین ہوتی ہے جس میں اُسے دفن کیا جاتا ہے اور یہ بھی ثابت ہو گیا کہ مرنے کے دوبارہ زندہ ہو کر اُسی ارضی قبر سے نکلیں گے تو پھر یہ سوال ہی ختم ہو گیا کہ جس شخص کی قبر زمین میں بنی ہی نہیں اُسے زمین میں عذاب قبر کیسے ہو گا۔ ہر انسان کی قبر زمین میں ہوتی ہے۔ اس قبر میں اللہ تعالیٰ ہر انسان کو مرنے کے بعد یا تو انسانوں کے ذریعہ دفن کر دیتا ہے یا کسی اور طریقہ سے اُسے اس کی ارضی قبر میں پہنچا دیتا ہے اور پھر اس قبر میں جس کو چاہتا ہے عذاب دیتا ہے۔

ہمارے مخالفین کا یہ عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر مرنے والے کا ایک نیا جسم پیدا کرتا ہے پھر اس جسم کو کسی فرضی قبر میں جس کو وہ برزخی قبر کہتے ہیں رکھوا دیتا ہے پھر اس جسم پر یا تو عذاب ہوتا ہے یا اُسے راحت و آرام پہنچایا جاتا ہے۔ ان کے اس عقیدہ کی کوئی دلیل نہ قرآن مجید میں ہے اور نہ حدیث شریف میں پھر یہ عقیدہ آیا کہاں سے؟ عقیدہ بھی فرضی، قبر بھی فرضی، اشکالات لغو اور لایعنی لیکن عقیدہ جس کو انہوں نے خود تراش لیا ہے اپنی جگہ پر قائم ہے۔ اس خود تراشیدہ عقیدہ کی بنیاد پر انہوں نے بے شمار ائمہ دین اور محدثین کو کافر کہا حالانکہ ان ائمہ دین اور محدثین کا عقیدہ ہی درحقیقت صحیح عقیدہ ہے جو قرآن مجید سے بھی ثابت ہے اور احادیث صحیحہ سے بھی۔



مخالفین کی طرف سے ان احادیث کے متعلق جن میں ارضی قبر میں عذاب ہونے کا ذکر ہے یہ کہا جاتا ہے کہ یہ احادیث قرآن مجید کے خلاف ہیں حالانکہ وہ قرآن مجید کی کسی آیت کے خلاف نہیں اور نہ وہ آج تک ایسی کوئی آیت پیش کر سکے جس میں برزخی قبر میں عذاب کا اثبات ہو بہر حال اب ہم نے قرآن مجید ہی سے ثابت کر دیا کہ عذاب قبر ارضی قبر ہی میں ہوتا ہے، اب دیکھنا یہ ہے کہ یہ لوگ جو قرآن مجید کا نام رٹتے رہتے ہیں قرآن مجید پر بھی ایمان لاتے ہیں یا نہیں۔ محض قرآن مجید کا نام لینے سے کام نہیں چلے گا۔ قرآن مجید کے مطابق عقیدہ اور عمل ہونا ضروری ہے۔ اللہ تعالیٰ انہیں ہدایت دے۔ وہ بہکائے میں آگئے ہیں شخصیت پرستی میں کھو گئے ہیں۔ ان بیچاروں کو علم نہیں کہ حقیقت کیا ہے؟

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

صفر ۱۴۱۳ھ

سلسلہ اشاعت ۱۱۹

## عذاب قبر کہاں ہوتا ہے؟

اس قسط سے پہلے دو قسطوں میں ہم یہ ثابت کر چکے ہیں کہ عذاب قبر ارضی قبر میں ہوتا ہے۔ پہلی قسط میں احادیث صحیحہ سے اور دوسری قسط میں قرآن مجید کی آیات بینات سے ہم نے ثابت کیا ہے کہ عذاب قبر اسی جانی پہچانی قبر میں ہوتا ہے۔ برزخی قبر کا شاخسانہ خود ساختہ، بے ثبوت، بے بنیاد اور بالکل اجنبی ہے۔ نہ قرآن مجید میں برزخی قبر کا ذکر ملتا ہے اور نہ احادیث صحیحہ میں۔ برزخی قبر دراصل فرضی قبر ہے۔ مدعیان برزخی قبر سے ہمارا مطالبہ ہے کہ وہ قرآن مجید کی ایک ہی آیت پیش کریں جس میں برزخی قبر کا ذکر ہو۔ اگر وہ قرآن مجید کی آیت پیش نہ کر سکیں اور ہرگز نہیں کر سکیں گے تو اس سلسلہ میں کوئی حدیث ہی پیش کریں۔ اگر وہ نہ آیت پیش کر سکیں اور نہ حدیث ہی پیش کر سکیں تو ہماری ان سے درخواست ہے کہ وہ فرضی قبر کے مسئلہ سے توبہ کریں اور قرآن مجید اور احادیث صحیحہ سے جو چیز ثابت ہے اس

پرایمان لائیں۔ اگر وہ قرآن مجید اور احادیث سے ثابت شدہ چیز پرایمان نہ لائیں تو وہ خود ہی سوچ لیں کہ ان کے ایمان کے دعوے کی کیا حیثیت ہے۔  
اس قسط میں ہم چند مزید احادیث صحیحہ پیش کر رہے ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ عذاب قبر اسی ارضی قبر میں اسی دنیاوی جسم پر ہوتا ہے۔

### ① حضرت براء بن عازبؓ کی روایت

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :-

اِسْتَعِيْذُ وَاِيَّا اللّٰهَ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ  
عذاب قبر سے اللہ کی پناہ طلب کرو۔  
مَرَّتَيْنِ اَوْ ثَلَاثًا..... اِنَّ  
دو یا تین مرتبہ آپ نے یہ الفاظ کہے۔

.....  
اَلْعَبْدَ النُّوْمِ مِنْ.....  
.....  
..... (آپ نے فرمایا) مومن بندے ...

..... اَعِيْذُ وَاِيَّا اللّٰهَ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ  
.....  
..... اَلْعَبْدَ النُّوْمِ مِنْ.....  
.....  
..... (آپ نے فرمایا) مومن بندے ...

..... اَعِيْذُ وَاِيَّا اللّٰهَ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ  
.....  
..... اَلْعَبْدَ النُّوْمِ مِنْ.....  
.....  
..... (آپ نے فرمایا) مومن بندے ...

..... اَعِيْذُ وَاِيَّا اللّٰهَ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ  
.....  
..... اَلْعَبْدَ النُّوْمِ مِنْ.....  
.....  
..... (آپ نے فرمایا) مومن بندے ...

..... اَعِيْذُ وَاِيَّا اللّٰهَ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ  
.....  
..... اَلْعَبْدَ النُّوْمِ مِنْ.....  
.....  
..... (آپ نے فرمایا) مومن بندے ...

..... اَعِيْذُ وَاِيَّا اللّٰهَ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ  
.....  
..... اَلْعَبْدَ النُّوْمِ مِنْ.....  
.....  
..... (آپ نے فرمایا) مومن بندے ...

..... اَعِيْذُ وَاِيَّا اللّٰهَ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ  
.....  
..... اَلْعَبْدَ النُّوْمِ مِنْ.....  
.....  
..... (آپ نے فرمایا) مومن بندے ...

..... اَعِيْذُ وَاِيَّا اللّٰهَ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ  
.....  
..... اَلْعَبْدَ النُّوْمِ مِنْ.....  
.....  
..... (آپ نے فرمایا) مومن بندے ...

..... اَعِيْذُ وَاِيَّا اللّٰهَ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ  
.....  
..... اَلْعَبْدَ النُّوْمِ مِنْ.....  
.....  
..... (آپ نے فرمایا) مومن بندے ...

..... اَعِيْذُ وَاِيَّا اللّٰهَ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ  
.....  
..... اَلْعَبْدَ النُّوْمِ مِنْ.....  
.....  
..... (آپ نے فرمایا) مومن بندے ...

..... اَعِيْذُ وَاِيَّا اللّٰهَ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ  
.....  
..... اَلْعَبْدَ النُّوْمِ مِنْ.....  
.....  
..... (آپ نے فرمایا) مومن بندے ...

..... اَعِيْذُ وَاِيَّا اللّٰهَ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ  
.....  
..... اَلْعَبْدَ النُّوْمِ مِنْ.....  
.....  
..... (آپ نے فرمایا) مومن بندے ...

..... اَعِيْذُ وَاِيَّا اللّٰهَ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ  
.....  
..... اَلْعَبْدَ النُّوْمِ مِنْ.....  
.....  
..... (آپ نے فرمایا) مومن بندے ...

..... اَعِيْذُ وَاِيَّا اللّٰهَ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ  
.....  
..... اَلْعَبْدَ النُّوْمِ مِنْ.....  
.....  
..... (آپ نے فرمایا) مومن بندے ...

..... اَعِيْذُ وَاِيَّا اللّٰهَ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ  
.....  
..... اَلْعَبْدَ النُّوْمِ مِنْ.....  
.....  
..... (آپ نے فرمایا) مومن بندے ...

..... اَعِيْذُ وَاِيَّا اللّٰهَ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ  
.....  
..... اَلْعَبْدَ النُّوْمِ مِنْ.....  
.....  
..... (آپ نے فرمایا) مومن بندے ...

..... اَعِيْذُ وَاِيَّا اللّٰهَ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ  
.....  
..... اَلْعَبْدَ النُّوْمِ مِنْ.....  
.....  
..... (آپ نے فرمایا) مومن بندے ...

..... اَعِيْذُ وَاِيَّا اللّٰهَ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ  
.....  
..... اَلْعَبْدَ النُّوْمِ مِنْ.....  
.....  
..... (آپ نے فرمایا) مومن بندے ...



لوٹایا جاتا ہے۔ دو فرشتے آتے ہیں....  
 .... (وہ پوچھتے ہیں) تیرا رب کون ہے؟  
 .... (پھر ایک منادی ندا کرنا ہے) اس  
 کے لئے آگ کا فرش بچھا دو۔ دوزخ کی  
 طرف ایک دروازہ کھول دو پھر اس کو  
 دوزخ کی تپش اور گرم ہوا پہنچتی ہے  
 اور اس کی قبر کو اس پر تنگ کر دیا جاتا  
 ہے۔ (مسند احمد) سند صحیح ہے۔

مدعیانِ برزخی قبر کی طرف سے اس حدیث کی سند کے دو راویوں منہال اور زاذان  
 پر کلام کیا جاتا ہے۔ وہ دونوں راوی صحیح کے راوی ہیں۔ امام بخاری اور امام مسلم میں سے  
 ایک نہ ایک نے ان سے اپنی صحیح میں حجت لی ہے یعنی وہ بہت ہی اعلیٰ درجہ کے  
 راوی ہیں۔ ان پر جو کلام کیا گیا ہے وہ بالکل لایعنی، لغو اور فریب ہے۔ علامہ احمد  
 عبدالرحمن البنا الساعاتی لکھتے ہیں :-

صاحب التقیق کہتے ہیں امام احمد کی  
 اس حدیث کے تمام راوی وہ ہیں جن سے  
 صحیح میں حجت لی گئی ہے.....  
 اور ابو عوانہ اسفرائینی نے اپنی صحیح میں آ  
 کئی طرق سے روایت کیا ہے، اسی طرح  
 بیہقی نے بھی۔ امام بیہقی کہتے ہیں یہ حدیث  
 سنداً صحیح ہے۔ علامہ ابن قیم نے بھی اپنی کتاب  
 الروح میں اسے صحیح کہا ہے۔ امام ابن قیم  
 فرماتے ہیں یہ حدیث ثابت ہے مشہور ہے،  
 مستفیض ہے۔ حفاظ (حدیث) کی جماعت  
 نے اسے صحیح کہا ہے۔ انکہ حدیث میں سے  
 کسی ایک امام نے بھی اس پر طعن نہیں کیا۔

قال صاحب التقیق رواية احمد  
 محتج بهم في الصحيح .....  
 ورواه ابو عوانة الاسفرائيني  
 في صحيحه من طرق صحيحة والبيهقي وقال  
 هذا حديث صحيح الاسناد وصححه  
 ايضا العلامة ابن القيم في كتاب  
 الروح وقال هذا حديث ثابت مشهور  
 مستفيض صححه جماعة من الحفاظ  
 ولا يعلم احد من ائمة الحديث  
 طعن فيه (بلوغ الاماني جزء ۷ ص ۷۸)

علامہ ناصر الدین الالبانی نے بھی اسے صحیح کہلے (التعلیقات علی مشکوٰۃ جزء اول ص ۵۱۵)

## حضرت براءؓ کی حدیث کی دواور سندیں

علامہ عاصم بن عبد اللہ آل معمر القریونی لکھتے ہیں :-  
 ۱۔ اخبرنا محمد بن یعقوب بن یوسف حدیثنا محمد بن اسحق الصغار انبأنا ابو النضر هاشم بن القاسم حدیثنا عیسیٰ بن المسیب عن عدی بن ثابت عن البراء بن عازب قال خرجنا مع رسول الله صلى الله عليه وسلم في جنازة رجل من الانصار فذكر الحديث وفيه ان الارواح تعاد الى القبر وان الملكين يجلسان الميت وينطقانه (اثبات اعادة روح ترجمہ اردو ص ۹)  
 امام بیہقی نے بھی اس حدیث کا ذکر کیا ہے (شعب الایمان جزء اول ص ۲۵۸)  
 علامہ عاصم القریونی آگے لکھتے ہیں :-

۲۔ پھر ابن مندہ اسی حدیث کو دوسرے طریق سے روایت کرتے ہیں۔  
 محمد بن مسلمہ عن خصیف عن مجاہد عن البراء بن عازب قال کنا فی جنازہ رجل...  
 ..... فذكر الحديث (اثبات اعادة روح ترجمہ اردو ص ۹)

ابن مندہ کی مذکورہ بالا روایتوں میں منہال اور زاذان جن پر لائینی کلام کیا گیا ہے موجود نہیں ہیں لہذا اس حدیث کی صحت کو تسلیم نہ کرنے کے لئے جو بہانہ تراشا گیا ہے وہ کالعدم ہے۔

## ② حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت

امام حاکم فرماتے ہیں :-

حدیثی محمد بن عبد اللہ العمري	مجھ سے محمد بن عبد اللہ العمري نے بیان کیا ،
ثنا محمد بن اسحاق ثنا علي بن منذر	ان سے محمد بن اسحاق نے ، ان سے علی بن
ثنا محمد بن فضيل ثنا الاعشى فذكره	منذر نے ان سے محمد بن فضیل نے ان سے
باسناد نحوه وقال في آخره (وحدثنا)	الاعشى نے سند کے ساتھ اسی مضمون کو جو



علی بن منذر فی عقب خبرہ ثنا ابن فضیل حدثنی ابی عن ابی حازم عن ابی ہریرۃ نحو من ہذہ الحدیث یرید حدیث البراء (حاکم جزء اول) ۳۸

براء بن عازب کی حدیث میں ہے بیان کیا اور آخر میں یہ کہا کہ ہم سے علی بن منذر نے اس حدیث کے بعد بیان کیا کہ ہم سے ابن فضیل نے بیان کیا، ان سے ان کے والد نے ان سے ابو حازم نے، ان سے ابو ہریرہ نے اسی حدیث یعنی براء بن عازب کی حدیث کے مضمون کے مثل بیان کیا۔

### حضرت ابو ہریرہ کی روایت کی ایک اور سند

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں :-

اِذَا كَانَ الرَّجُلُ السُّوءُ ..... اُرْجِعْنِي ذَمِيمَةً ..... ثُمَّ تَصِيرُ اِلَى الْقَبْرِ (رواہ ابن ماجہ فی باب ذکر الموت والاستعداد له - سندہ صحیح - ابن ماجہ مع تعلیقات السدی جزء ۲ ص ۵۶۶)

اگر وہ آدمی برا ہوتا ہے ..... (تو اس کی روح سے کہا جاتا ہے) بری حالت میں لوٹ جا ..... پھر وہ قبر کی طرف لوٹ جاتی ہے۔ (ابن ماجہ) اس حدیث کی سند صحیح ہے۔

مذکورہ بالا احادیث سے ثابت ہوا کہ روح کو دنیاوی بدن میں لوٹایا جاتا ہے اور کیونکہ دنیاوی بدن ارضی قبر میں ہوتا ہے لہذا عذاب قبر ارضی قبر میں ہوتا ہے۔

### ③ حضرت عائشہ صدیقہ طاہرہ مطہرہ کی حدیث

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں :-

(وَإِنْ كَانَ الرَّجُلُ السُّوءُ) ..... أُجْلِسَ فِي قَبْرِهِ ..... ثُمَّ يُعَذَّبُ (رواہ احمد و رجالہ رجال الصحیحین - بلوغ جزء ۸ ص ۱۱۲ - سندہ صحیح - تنقیح الرواۃ جزء اول ص ۳۵)

(اگر مرنے والا برا آدمی ہوتا ہے تو) اسے اس کی قبر میں بیٹھایا جاتا ہے ... پھر اس پر عذاب ہوتا ہے (مسند احمد) سند صحیح ہے۔

سندہ صحیح - تنقیح الرواۃ جزء اول ص ۳۵

## ④ حضرت اسماءؓ کی حدیث

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں :-  
 إِذَا دَخَلَ الْإِنْسَانُ قَبْرَهُ .....  
 ..... وَإِنْ كَانَ فَاجِرًا أَوْ كَافِرًا  
 ..... تَسَلَّطُ عَلَيْهِ دَابَّةٌ  
 فِي قَبْرِهِ وَمَعَهَا سَوْطٌ .....  
 تَضْرِبُهُ (رواہ احمد و رجالہ رجال  
 الصَّحیح - بلوغ جزء ۸ ص ۱۱۵ - سندہ صحیح)  
 جب انسان اپنی قبر میں داخل ہوتا،  
 ..... (اور اگر وہ فاجر یا  
 کافر ہوتا ہے) ..... اس پر  
 اس کی قبر میں ایک جانور مسلط کر دیا جاتا  
 ہے۔ اس کے پاس ایک کوڑا ہوتا ہے  
 ..... (وہ جانور) اسے مارتا  
 ہے۔ (مسند احمد) سند صحیح ہے۔

## ⑤ حضرت ابوسعید خدریؓ کی روایت

يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّ هَذِهِ الْأُمَّةَ  
 تُبْتَلَى فِي قُبُورِهَا فَإِذَا الْإِنْسَانُ  
 دُفِنَ .....  
 (وَإِنْ كَانَ كَافِرًا أَوْ مُنَافِقًا) ....  
 يُفْتَمُّ لَهُ بَابٌ إِلَى النَّارِ ثُمَّ  
 يُقْبَعُ قَمْعَةً بِالْمِطْرَاقِ  
 (رواہ احمد و رجالہ رجال الصَّحیح - بلوغ  
 الامانی جزء ۸ ص ۱۱۵ - سندہ صحیح - تنقیح  
 الرواة جزء اول ص ۳)  
 اے لوگو، بے شک یہ امت اپنی قبروں  
 میں آزمائی جاتی ہے تو جب انسان دفن  
 کیا جاتا ہے ..... (اور اگر وہ  
 کافر یا منافق ہوتا ہے) .....  
 تو اس کے لئے دوزخ کی طرف ایک  
 دروازہ کھول دیا جاتا ہے پھر وہ (یعنی  
 فرشتہ) اس کو ہتھوڑے سے مارتا ہے۔

## ⑥ حضرت عثمانؓ کی روایت

حضرت عثمانؓ جب کسی قبر پر کھڑے ہوتے تو بہت روتے تھے۔ جب



ان سے اس کی وجہ پوچھی گئی تو انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں :-

الْقَبْرِ أَوَّلُ مَنَازِلِ الْآخِرَةِ  
فَإِنْ يَنْجُ مِنْهُ فَمَا بَعْدَهُ  
أَيْسَرُ مِنْهُ وَإِنْ لَمْ يَنْجُ مِنْهُ  
فَمَا بَعْدَهُ أَشَدُّ مِنْهُ قَالَ  
وَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ  
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا رَأَيْتُ  
مَنْظَرًا قَطُّ إِلَّا وَالْقَبْرُ أَقْظَمُ  
مِنْهُ (رواه احمد وسنده حسن بلوغ  
جزء ۸ ص ۶۱ والتعليقات للالباني  
على المشکوۃ جزء اول ص ۲۸ صحیح الحاکم  
تنقیح الرواة جزء اول ص ۳۳)

قبر آخرت کی منزلوں میں سب سے  
پہلی منزل ہے۔ اگر اس سے نجات  
مل گئی تو اس کے بعد (والی منزلیں)  
اس سے زیادہ آسان ہیں اور اگر اس  
سے نجات نہیں ملی تو اس کے بعد  
(والی منزلیں) اس سے زیادہ سخت  
ہیں۔ اللہ کی قسم میں نے جتنے (ہولناک)  
مناظر دیکھے ہیں ان میں (وحشت، تنہائی  
وغیرہ کی وجہ سے) سب سے زیادہ  
ہولناک منظر قبر کا منظر ہے۔

الغرض اس سلسلہ میں بہت سی احادیث مروی ہیں۔ ہم بخوف طوالتان  
کو تحریر نہیں کر رہے۔ ایمان والے کے لئے تو ایک ہی حدیث کافی ہے۔

جامع المسالین (رجسٹرڈ)

مسجد المسالین - کوثر نیازی کالونی، بلاک جی نارتمہ ناظم آباد، کراچی ۲۳

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

رمضان ۱۴۱۲ھ

سلسلہ اشاعت ۱۱۸

## ایک مجلس کی تین طلاقیں

## ایک طلاق شمار ہوتی ہیں

طلاق اور احناف | احناف کے نزدیک طلاق کی تین

قسمیں ہیں :-

① أَحْسَن

② حَسَن

③ بَدْعِي

### ۱۔ احسن کی تعریف

احسن طلاق یہ ہے کہ مرد اپنی بیوی کو ایک پاکی کے زمانہ میں جس پاکی کے زمانہ میں اس نے اس سے جماع نہ کیا ہو طلاق دے اور پھر اُسے چھوڑ دے یہاں تک کہ عدت گزر جائے۔

فَالْأَحْسَنُ أَنْ يُطَلِّقَ الرَّجُلُ امْرَأَتَهُ تَطْلِيقَةً وَاحِدَةً فِي طَهْرٍ لَمْ يُجَا مِعْهَا فِيهِ وَيَتْرُكْهَا حَتَّى تَنْقَضِيَ عِدَّتُهَا (ہدایۃ کتاب الطلاق باب طلاق السنۃ جلد ۲ ص ۳۵۴)

### ۲۔ حسن کی تعریف

حسن طلاق (اود) وہ (بھی) سنت ہے یہ ہے کہ شوہر اپنی بیوی کو جس سے اس نے جماع کیا ہو تین

وَالْحَسَنُ هُوَ الطَّلَاقُ السُّنَّةُ وَهُوَ أَنْ يُطَلِّقَ الْمَدْخُولَ بِهَا ثَلَاثًا فِي



ثَلَاثَ أَطْهَارٍ (ہدایہ جلد ۲ پاکی کے زمانوں میں تین طلاق  
دے۔) (۳۵۴)

### ۳۔ بدعی کی تعریف

وَطَّلَاقُ الْبِدْعَةِ أَنْ يُطْلَقَهَا  
ثَلَاثًا بِكَلِمَةٍ وَاحِدَةٍ  
أَوْ ثَلَاثًا فِي طَهْرٍ وَاحِدٍ  
فَإِذَا فَعَلَ ذَلِكَ وَقَعَ  
الطَّلَاقُ وَكَانَ عَاصِيًا  
(ہدایہ جلد ۲ ص ۳۵۵)

اور طلاق بدعت یہ ہے کہ شوہر  
بیوی کو ایک ہی کلمہ میں تین طلاق  
دے یا ایک طہر میں تین طلاق دے۔  
یہ طلاق بھی واقع ہو جائیگی لیکن  
طلاق دینے والا گنہگار ہوگا۔

قارئین کرام، آپ نے دیکھا: ایک طہر میں تین طلاق کو بدعت بھی  
کہتے ہیں اور پھر اس بدعت کو تسلیم بھی کرتے ہیں۔ بدعت تو ایسی چیز ہے  
کہ اسے مسترد کر دینا چاہیئے تھا نہ کہ تسلیم کرنا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

مَنْ أَحْدَثَ فِي أَمْرِنَا هَذَا  
مَا لَيْسَ مِنْهُ فَهُوَ رَدٌّ (صحیح  
بخاری و صحیح مسلم)

جو ہمارے اس دین میں کوئی نئی بات  
نکالے تو وہ نئی بات مسترد کر دی  
جماؤے گی۔

طلاق بدعی کو بدعت ہونے کی وجہ سے مسترد کر دینا چاہیئے تھا اور  
اسے صرف اس حد تک تسلیم کرنا چاہیئے تھا جس حد تک شوہر کو طلاق کے  
سلسلہ میں شریعت نے اختیار دیا ہے یعنی اسے ایک سمجھنا چاہیئے تھا  
کیونکہ شریعت نے شوہر کو ایک طہر میں صرف ایک طلاق دینے کا اختیار  
دیا ہے (جیسا کہ آگے آرہا ہے) لیکن افسوس کہ ایسا نہیں ہوا، بدعت  
بھی کہا اور تسلیم بھی کر لیا۔

الغرض پہلی دو طلاقیں یعنی احسن اور حسن شریعت کے مطابق ہیں

لہذا وہ صحیح ہیں اور اسی وجہ سے احناف انہیں طلاق السنۃ کہتے ہیں لیکن تیسری طلاق خود ان کے کہنے کے مطابق بدعت ہے یعنی سنت سے ثابت نہیں لہذا وہ باطل ہے۔ اُسے مسترد کر دینا چاہیے۔

**غور طلب** | احناف احادیث سے ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ طلاق بدعت بھی سنت سے ثابت ہے۔ اگر طلاق بدعت بھی سنت سے ثابت ہے تو پھر سوال یہ ہے کہ اسے طلاق بدعت کیوں کہا جاتا ہے۔ کیوں نہیں کہا جاتا کہ ایک طہر میں تین طلاق دینا بھی سنت ہے، بدعت نہیں ہے۔

بدعت بھی کہتے ہیں اور اسے سنت سے ثابت کرنے کی کوشش بھی کرتے ہیں۔ یہ کیسا تضاد ہے!

منتقدین احناف نے اس تیسری قسم کی طلاق کو بدعت کہا کیونکہ وہ جانتے تھے اور تسلیم کرتے تھے کہ طلاق کی یہ قسم سنت سے ثابت نہیں لیکن متاخرین احناف اپنے بزرگوں کو جھٹلا رہے ہیں اور کوشش کر رہے ہیں کہ کسی طرح اسے سنت سے ثابت کر دیں۔

منتقدین کے نزدیک تو کوئی ایسی حدیث نہیں تھی جس سے وہ اس طلاق کو ثابت کرتے لیکن متاخرین احادیث کو توڑ مروڑ کر اس طلاق کو ثابت کرنے کی کوشش کر رہے ہیں لیکن وہ کوشش بے سود ہے۔

**ایک طہر میں تین طلاق کی حیثیت** | رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ایک طہر

کی تین طلاقیں کو ایک سمجھا جاتا تھا۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں :-

كَانَ الطَّلَاقُ عَلَى عَرْهَدِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَآبِي بَكْرٍ وَسَنَّتَيْنِ مِنْ خِلَافَةِ عُمَرَ طَلَاقٌ  
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں، ابوبکرؓ کے زمانہ میں اور عمرؓ کی خلافت کے (ابتدائی) دو سالوں میں تین طلاقیں کو ایک



الثَّلَاثِ وَاحِدًا (صحیح مسلم سمجھا جاتا تھا۔  
کتاب الطلاق جزء اول ص ۶۲۹)

یہ ہے اللہ تعالیٰ کا قانون۔ اللہ تعالیٰ کا قانون دائمی اور قیامت تک کے لئے ہے۔ کوئی بھی نہ اس میں کمی بیشی کا اختیار رکھتا ہے اور نہ اس کو تبدیل کرنے کا۔ اگر کوئی تبدیلی ہوتی تو اللہ تعالیٰ کے حکم سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ہوتی۔ بعد میں تبدیلی ناممکن اور مرتع کفر ہے۔ کسی کو اختیار نہیں کہ اللہ تعالیٰ کے حکم کو منسوخ کر دے اور اپنے حکم یا رائے کو نافذ کر دے۔

جو لوگ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں بھی بیک وقت دی ہوئی تین طلاقیں تین شمار ہوتی تھیں صحیح مسلم کی مندرجہ بالا حدیث میں اس کی کھلی تردید ہے۔ الغرض طلاق کے سلسلہ میں قوانین الہیہ مندرجہ ذیل ہیں :-

- ① تین طلاقیں تین طہر میں ہونی چاہئیں اور
- ② ایک طہر کی تین طلاقیں ایک شمار ہونی چاہئیں۔ حضرت عمرؓ نے انہی قوانین الہیہ کی حفاظت کی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ایک طہر میں تین طلاق دینے کے واقعات شاذ و نادر تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں ایک شخص نے ایسا کیا تھا تو آپ سخت ناراض ہوئے تھے۔ محمود بن لبیدؓ کہتے ہیں :-

اُخْبِرَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ رَجُلٍ طَلَّقَ امْرَأَتَهُ ثَلَاثَ تَطْلِيقَاتٍ جَمِيعًا فَقَامَ غَضَبًا نَاشِئًا قَالِ أَيْلَعَبُ	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک شخص کے متعلق خبر دی گئی کہ اس نے اپنی بیوی کو اکھٹی تین طلاقیں دی ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غصہ میں کھڑے ہو گئے اور فرمایا
--	--

بِكِتَابِ اللَّهِ وَآنَا بَيِّنٌ كَيْفَ اللَّهُ كَيْفَ كِتَابُكَ سَاطِعٌ مَذَاقُ كَيْفَ  
أَظْهَرَ كُمْ (نسائی کتاب الطلاق) جاتا ہے حالانکہ ابھی میں ختم میں موجود  
باب الثالث المجموعہ جز ۲ ص ۸۲) ہوں۔

نوٹ :- یہ حدیث بالکل صحیح ہے۔ محمود بن لبیدہ بقول امام بخاری  
صحابی ہیں (تہذیب) مولوی اشفاق الرحمن کاندھلوی حنفی نسائی میں  
بین السطور لکھتے ہیں : لَمْ يَصْحَبَهُ عَلَى الْإِسْلَامِ - زیادہ صحیح یہی ہے  
کہ محمود صحابی ہیں (نسائی مطبوعہ مکتبہ رحیمیہ دہلی ص ۸۲)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ایک وقت میں تین طلاقیں دینا اللہ تعالیٰ  
کے قانون کے ساتھ مذاق ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایسی طلاق  
پر سخت غضبناک ہوئے تھے۔ تعجب ہے پھر بھی یہ طلاق جاری ہے اور  
تسلیم کی جاتی ہے۔ کیا تسلیم کرنے والے اللہ تعالیٰ کے غضب سے  
نہیں ڈرتے۔

جو چیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ اقدس میں نادر الوجود  
تھی، حضرت عمرؓ کے زمانہ میں کثیر الوجود ہو گئی۔ حضرت ابن عباسؓ صحیح  
مسلم کی مندرجہ بالا حدیث کے سلسلہ میں فرماتے ہیں :-

تَتَابَعَهُ النَّاسُ فِي الطَّلَاقِ لَوْ أَنَّ اسَ قِسْمَ كِي طَلَاقٍ لَكَاتَارِدِيْنِ  
(صحیح مسلم) لگے۔

یعنی ایک مجلس میں تین طلاق مسلسل دینے لگے۔ ظاہر ہے کہ نسائی  
کی مذکورہ بالا حدیث کی روشنی میں، یہ کام اللہ تعالیٰ کی شریعت کے  
ساتھ مذاق تھا۔ اس مذاق کی یقیناً کوئی سزا ہونی چاہیے تھی۔ حضرت عمرؓ  
نے ان کی اس طلاق ہی کو ان پر نافذ کر کے ان کو ایسی سزا دی کہ آئندہ  
پھر کسی کو اس قسم کی طلاق دینے کی جرأت نہ ہو سکے اور اگر جرأت کرے  
تو بیوی سے ہمیشہ کے لئے محروم ہو جائے۔ حضرت ابن عباسؓ صحیح مسلم  
کے متن کے تسلسل میں فرماتے ہیں :-



فَاجْزَاةٌ عَلَيْهِمْ (صحیح مسلم) (جب لوگ لگاتار ایسی طلاق دینے

لگے) تو حضرت عمرؓ نے ان کی اس قسم کی طلاق کو ان پر نافذ کر دیا۔

اس سلسلہ میں خود حضرت عمرؓ فرماتے ہیں :-

إِنَّ النَّاسَ قَدْ اسْتَعْجَلُوا فِي أَمْرِ قَدْ كَانَتْ لَهُمْ فِيهِ آثَاةٌ قُلُوا مُضِينَاةٌ عَلَيْهِمْ (صحیح مسلم)

جس چیز میں لوگوں کے لئے تاخیر رکھی گئی تھی اس کام میں وہ عجلت کرنے لگے ہیں (یعنی تین طلاق کے لئے تین طہر کی تاخیر رکھی گئی تھی انہوں نے عجلت کی اور ایک طہر میں تین طلاق دینے لگے) تو کیوں نہ ہم ان کی اس طلاق کو ان پر نافذ کر دیں۔

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں :-

فَامُضَاةٌ عَلَيْهِمْ (صحیح مسلم) پھر حضرت عمرؓ نے اس قسم کی طلاق کو ان پر نافذ کر دیا۔

امُضَاةٌ کا مصدر اِمُضَاءٌ ہے۔ اِمُضَاءٌ میں سزا کا مفہوم پایا جاتا ہے لہذا ثابت ہوا کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے طلاق کے سلسلہ میں جو خلاف ورزی ہو رہی تھی کہ مذاقاً تین طلاق دیتے تھے اس کے سد باب کے لئے بطور سزا اس طلاق کو ان پر نافذ کر دیا۔ اگر حضرت عمرؓ ایسی طلاق پر سزا نہ دیتے تو لوگ مذاقاً کھٹی تین طلاق دیتے رہتے اور پھر ان کو ایک مان لیا کرتے۔ اکھٹی تین طلاق سے وہ کس طرح باز آ سکتے تھے جبکہ وہ جانتے تھے کہ ان کا ایسا کرنے سے کچھ نہیں بگڑے گا وہ اس کو ایک طلاق شمار کر لیں گے۔ اگر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ میاں بیوی کو جدائی کی سزا نہ دیتے تو مذاق کا یہ سلسلہ جاری رہتا۔

الغرض لوگوں نے ایک مجلس میں تین طلاق دینے کو ایک مشغلہ بنا رکھا تھا۔ حضرت عمرؓ نے قوانینِ الہیہ کی خلاف ورزی کرنے کے لئے قانون نہیں بدلا اور وہ ایسا کر بھی نہیں سکتے تھے۔ انہوں نے قانوناً نہیں بلکہ بطور سزا کے طلاق کو ان پر نافذ کر دیا۔ حضرت عمرؓ نے قانون کی جس خلاف ورزی پر سزا کی افسوس کہ مقلدین نے اس خلاف ورزی ہی کو قانون بنا لیا۔

مقلدین کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ مبارک میں بھی ایک طہر میں دی ہوئی تین طلاقیں قانوناً بھی تین سمجھی جاتی تھیں تو ہم ان سے پوچھتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے پھر کس چیز کو نافذ کیا۔ قانوناً تو بقول مقلدین کے ایک طہر کی تین طلاقیں پہلے بھی تین سمجھی جاتی تھیں تو آخر وہ کیا چیز تھی جس کو حضرت عمرؓ نافذ کر رہے تھے۔ ظاہر ہے کہ کوئی نئی چیز تھی۔ قانونِ الہی کی خلاف ورزی پر کوئی سزا پہلے سے مقرر نہیں تھی حضرت عمرؓ نے نافذ کی۔ اگر شوہ اور بیوی قانوناً ہی علیحدہ ہو جانے لگتے تھے تو پھر بطور سزا کے ان کو علیحدہ کرے کی کیا ضرورت پیش آئی۔ یہی سزا تھی جس پر سب نے اتفاق کر لیا یعنی انہوں نے اس بات پر اتفاق کر لیا کہ قانونِ الہی کے ساتھ مذاق کرنے والوں کو ایسی ہی سزا ملنی چاہیئے۔ یہ نہیں کہ انہوں نے اس تبدیلی کو بطور قانون مان لینے پر اتفاق کر لیا۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے قانون کو اس کے بندے منسوخ کر دیں اور سب اس کو تسلیم کر لیں۔

جب ایک طہر کی تین طلاقیں ایک سمجھی جاتی تھیں تو آخر قانون کی خلاف ورزی کرنے والے ایسا کرتے ہی کیوں تھے۔ وہ تین طلاق کیوں دیتے تھے جبکہ وہ بھی جانتے تھے کہ تین شمار تو نہیں ہوں گی لیکن مذاقاً کہہ دینے میں حرج کیا ہے۔ یہی وہ مذاق تھا جس کو روکنے کے لئے حضرت عمرؓ نے سزا نافذ کی ادا ان کو اس قانون کی طرف مجبور کر دیا جس میں



تین طلاقیں تین طہر میں دی جانی چاہئیں۔  
 آجکل جو لوگ ایک طہر میں تین طلاقیں دیتے ہیں وہ قانون کی خلاف ورزی قصداً اور مذاقاً نہیں کرتے۔ وہ تو لاعلمی میں ایسا کرتے ہیں تو آخر ان کو کس بات کی سزا دی جا رہی ہے کہ ان کو بیویوں سے علیحدہ کر دیا جاتا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی سزا تو اس صورت میں ہے جب مذاقاً اور کثرت سے ایسا ہونے لگے۔

## اشکالات

پہلا اشکال | عومیر رضی اللہ عنہ نے اپنی بیوی سے لعان کیا اور تین طلاقیں دیں۔

جواب | یہ لعان کا واقعہ ہے نہ کہ طلاق کا۔ عومیر رضی اللہ عنہ نے اپنی بیوی پر زنا کی تہمت لگائی تھی اور تین طلاقیں دی تھیں مقلدین کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس موقع پر تین کو ایک کیوں نہ شمار کیا یا تین طلاقیں دینے پر ناراضگی کا اظہار کیوں نہ کیا تو اس کا جواب یہ ہے کہ لعان تو شرعاً جدائی ہی کے لئے ہوتا ہے لہذا لعان کی صورت میں تین طلاقیں بیک وقت دینا گویا جدائی کے عمل ہی کو سہارا دینا ہے۔ لعان میں شریعت کو جدائی مطلوب ہے لہذا تین طلاقیں مطلوب کی تائید میں ہیں نہ کہ مخالفت میں۔ یہی وجہ ہے کہ ناراضگی کا اظہار نہیں کیا گیا۔

لعان میں تین کو ایک کرنے سے کوئی فائدہ نہیں۔ تین اور ایک کے نتائج میں کوئی فرق نہیں۔ تین کو ایک کرنے کا مقصد رجوع یا دوبارہ نکاح ہوتا ہے لیکن یہ صورت لعان میں منصوص نہیں اس لئے کہ کوئی شوہر بدکار عورت سے نہ رجوع کرتا ہے اور نہ دوبارہ نکاح کرتا ہے۔ لعان کو طلاق پر چسپاں کرنا صحیح نہیں۔ اگر لعان کرنے والا طلاق نہ بھی دے تو لعان کا مقصد ہی تفریق ہے۔ تفریق بہر حال ہوگی۔ قاضی دونوں میں تفریق

کرادے گا۔ حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں :-

لَا عَنْ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَيْنَ رَجُلٍ وَامْرَأَةٍ  
مِنَ الْأَنْصَارِ وَفَرَّقَ بَيْنَهُمَا  
رَجْعَ بَخَارِي كِتَابِ الطَّلَاقِ بَابُ  
التَّفْرِيقِ بَيْنَ الْمُتَلَاعِنِينَ جُزْءٌ مَكْتُومٌ

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک  
انصاری مرد اور ایک انصاری  
عورت کے مابین لعان کرایا اور  
(پھر) ان دونوں میں تفریق کر دی۔

## دوسرا اشکال | حدیث میں ہے کہ رکانہ رضی نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں

دیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو ایک کر دیا۔ مقلدین محض ضد  
کی بنیاد پر کہتے ہیں کہ یہ حدیث ضعیف ہے۔ صحیح حدیث وہ ہے جس میں  
ہے کہ رکانہ رضی نے اپنی بیوی کو طلاقِ بئنہ دی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ  
وسلم نے اس کو ایک قرار دیا۔ مقلدین کی پیش کردہ حدیث کے الفاظ یہ ہیں:  
طَلَّقَ امْرَأَتَهُ الْبَنَّةَ فَجَعَلَهَا  
النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ  
وَاحِدَةً (ابوداؤد کتاب الطلاق  
باب فی البئنۃ جزء اول ص ۳۶)

رکانہ رضی نے اپنی بیوی کو طلاقِ بئنہ  
دی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس  
کو ایک قرار دیا۔

رکانہ رضی کی مندرجہ بالا حدیث مندرجہ ذیل تجزیہ کی روشنی میں ہماری  
تائید کرتی ہے نہ کہ احناف کی۔ احناف کا اس حدیث کو پیش کرنا کسی  
حالت میں ان کے لئے مفید نہیں۔

## پہلا جواب | مقلدین لفظ الْبَنَّةَ سے استدلال کرتے ہیں اور اس لفظ سے وہ ایک طلاق مراد لیتے ہیں۔ الْبَنَّةَ

کا مصدر ”بَنَتْ“ ہے جس کے معنی کاٹنے کے ہیں۔ رجوع یا دوبارہ نکاح  
کی جڑ کاٹنے والی طلاق تو تیسری طلاق ہوتی ہے۔ ایک طلاق تو رجعی ہوتی  
ہے۔ اس سے رجوع یا دوبارہ نکاح کی جڑ نہیں کٹتی۔ رکانہ رضی نے کاٹنے



دالی طلاق دی یعنی تین طلاقیں دیں۔

**دوسرا جواب** | حدیث کا متن بتا رہا ہے کہ رکنا نہ رضی نے تین طلاقیں دی تھیں۔ حدیث کے الفاظ ہیں کہ آپ نے ان کو ایک کر دیا۔ تین کو تو ایک کیا جاسکتا ہے لیکن ایک کو ایک کرنا منہل ہے لہذا صحیح یہی ہے کہ اَلْبَتَّةَ کے معنی تین ہی کے ہیں نہ کہ ایک کے۔

**تیسرا جواب** | ہم اس سلسلہ میں ایک حنفی عالم کو بطور گواہ پیش کرتے ہیں۔ وہ حنفی عالم اَلْبَتَّةَ کی تشریح کرتے ہوئے بین السطور لکھتے ہیں :- ”اَلْمُرَادُ بِهِنَّ التَّطْلِيقَاتُ الثَّلَاثُ“ یعنی اَلْبَتَّةَ سے مراد تین طلاقیں ہیں (ابوداؤد جلد اول ص ۳ مطبوعہ مطبع مجتہبائی دہلی)

**چوتھا جواب** | صحیح مسلم کی حدیث جو پہلے (ص ۵۵ پر) نقل ہو چکی ہے بالکل صحیح ہے لہذا رکنا نہ رضی کی حدیث کے معنی وہی کرنے ہوں گے جو صحیح حدیث میں ہیں۔ احناف کا رکنا نہ رضی کی حدیث کے وہ معنی کرنا جو صحیح مسلم کی حدیث کے خلاف ہو باطل ہے۔

**تیسرا اشکال** | احناف کہتے ہیں کہ حضرت عمر رضی کے زمانہ میں صحابہ کا اس پر اجماع ہو گیا کہ بیک وقت دی ہوئی تین طلاقیں تین ہی شمار ہوں گی (جواہر الفتاویٰ جلد ۲ ص ۵۱۴، ص ۵۱۶) اس سلسلہ میں ہم سوال کرتے ہیں کہ اس اجماع سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر رضی کے زمانہ میں کیا ہوتا رہا تھا۔ ظاہر ہے کہ کچھ اور ہی ہوتا رہا تھا۔ کیا اب اس پر عمل کیا جائے تو جائز ہے یا نہیں۔

مزید برآں ہمیں یہ بھی بتایا جائے کہ صحابہ کرام کا اجماع حدیث کی کس کتاب میں باسند مروی ہے اور اس کی سند کیسی ہے؟ حقیقت یہ ہے کہ صحابہ کرام کے اجماع کا دعویٰ بالکل بے سند ہے۔ اس کا کوئی ثبوت

نہیں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں صحابہ کرام کی مجلس مذاکرہ کا ذکر نہیں ملتا۔ وہ کونسی حدیث تھی جس کی بناء پر صحابہ کرام نے یہ فیصلہ کیا کہ ایک مجلس کی تین طلاقیں تین ہی شمار ہوں گی۔ ناسخ حدیث کسی نے پیش نہیں کی اور آج تک وہ حدیث لاپتہ ہے۔ اگر ناسخ حدیث نہیں تھی تو کیا صحابہ کرام نے قانون الہی کو خود ہی منسوخ کر دیا۔ کیا یہ چیز شرعاً جائز ہے۔

اگر اس طلاق پر صحابہ کرام کا اجماع ہو گیا تو پھر اس قسم کی طلاق کو طلاق بدعت کیوں کہا جاتا ہے۔ مقلدین کے کہنے کے مطابق اگر یہ طلاق حدیث سے بھی ثابت ہے اور اجماع صحابہ سے بھی تو پھر اسے طلاق سنت کیوں نہیں کہتے؟

**چوتھا اشکال** بعض صحابیوں سے ایسی روایتیں ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ تین طلاقوں کو تین شمار کرتے تھے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اگر بالفرض محال ایسی کوئی روایت ہو بھی تو وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کے مقابلہ میں حجت نہیں۔

**پانچواں اشکال** صحیح مسلم کی حدیث جو ص ۷۱۲ پر درج کی گئی ہے سند و متن کے اعتبار سے مضطرب ہے۔

یہ بات قطعاً غلط ہے۔ سند بالکل صحیح ہے۔ صحیح مسلم کی کسی سند میں عن ابن الجوزاء عن ابن عباس نہیں ہے جیسا کہ مفتی عبدالسلام صاحب نے لکھا ہے (جواہر الفتاویٰ جلد دوم ص ۵۱۲)۔

صحیح مسلم کی تمام سندوں میں ثلاث کا لفظ ہے لہذا متن قطعاً مضطرب نہیں۔ اگر ثلاث تطبیقات یا البتہ کے الفاظ مروی بھی ہوں تو بھی متن مضطرب نہیں ہوگا اس لئے کہ ان سب الفاظ کے معنی یکساں ہیں۔



اپنے مذہب کی خاطر صحیح مسلم کی حدیث پر کلام کرنا بہت بڑی جرات ہے خصوصاً ایسی صورت میں کہ صحیح مسلم کی احادیث کی صحت پر اجماع ہو۔ امام مسلم فرماتے ہیں :-

كَيْسَى كُلِّ شَيْءٍ عِنْدِي صَحِيحٌ وَضَعْتُ هَاهُنَا اِسْمًا وَضَعْتُ هَاهُنَا اَجْمَعُوا عَلَيْهِ (صحیح مسلم کتاب الصلوٰۃ باب التشہد فی الصلوٰۃ) ہے۔

ہر وہ حدیث جو میرے نزدیک صحیح ہو میں اپنی صحیح میں نہیں لکھتا، اپنی صحیح میں تو میں صرف وہ حدیثیں لکھتا ہوں جن کی صحت پر اجماع ہے۔

### علماء مقلدین سے گزارش :-

اللہ تعالیٰ کا دین آسان ہے۔ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی دی ہوئی آسانیوں سے عوام کو محروم نہ کیجئے۔ ان کو مصیبت میں نہ ڈالئے۔ صحیح مسلم کی حدیث کو نہ چھپایئے اور نہ اپنے مذہب کی خاطر اس کی تاویل کیجئے۔ میدانِ محشر میں مذہب کے متعلق سوال نہیں ہوگا، دینِ اسلام کے متعلق سوال ہوگا۔

### عوام الناس سے گزارش

اے لوگو، اگر آپ فرقہ وارانہ مذاہب و مسالک کے خود ساختہ مسائل سے بیزار ہیں تو ہم آپ کو جماعت المسالین کی مطبوعہ کتب و لٹریچر جن میں منزل من اللہ شریعت کی بالادستی پیش کی گئی ہے مطالعہ کرنے کی دعوت دیتے ہیں۔ یقیناً آپ کی بھی یہی خواہش ہوگی۔

جماعۃ المسالین (رجسٹرڈ)

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

شوال ۱۴۱۲ھ

سلسلہ اشاعت ۱۲۲

# امام کے دو سکتے

(احادیث سکتتین پر اعتراضات اور ان کے جوابات)

① حضرت سمرہ بن جندبؓ فرماتے ہیں :-

انہ کان یسکت سکتتین اذا  
افتتح الصلوة واذا فرغ من  
القراءة کلہا (ابوداؤد کتاب  
الصلوة باب السکتۃ عند الافتتاح جلد  
اول ص ۱۲)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دو سکتے کیا  
کرتے تھے : (ایک) جب آپ نماز  
شروع کرتے اور (دوسرا) جب آپ  
پوری قرأت سے فارغ ہوتے۔

اعتراض ۱ | اس حدیث کو امام حسن بصری نے حضرت سمرہ بن جندبؓ سے  
روایت کیا ہے۔ امام حسن بصری کا حضرت سمرہؓ سے سنا ثابت نہیں لہذا اس  
حدیث کی سند منقطع ہے اور یہ حدیث ضعیف ہے۔  
جواب ۱ | امام حسن بصری نے حضرت سمرہؓ سے یقیناً سنا ہے۔ امام حاکم فرماتے  
ہیں :-

وحدیث سمرۃ لا یتوہم  
متوہم ان الحسن لم یسمع  
من سمرۃ فانه قد سمع منہ  
(المستدرک جزء اول ص ۲۱۵)

حدیث سمرہؓ کے متعلق کوئی وہم کرنے  
والا یہ وہم نہ کرے کہ حسن (بصری) نے  
حضرت سمرہؓ سے نہیں سنا اس لئے کہ  
حسن نے سمرہؓ سے یقیناً سنا ہے۔

② امام ابوداؤد فرماتے ہیں :-

ودلت هذه الصحیفة علی ان  
الحسن سمع من سمرۃ (ابوداؤد  
کتاب الصلوة باب التشہد فی الصلوة  
جزء اول ص ۱۴)

یہ صحیفہ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ  
حسن (بصری) نے حضرت سمرہؓ سے  
سنا ہے۔



(۳) امام بخاری نے حسن عن سمرہ کی حدیث سے حجت لی ہے۔ امام حاکم فرماتے ہیں :-

قد احتج البخاری بالحسن عن  
سمرۃ (المستدرک جزء ۲ ص ۳۵)  
امام بخاری نے حسن عن سمرہ سے حجت  
لی ہے۔

(۴) امام علی بن مدینی فرماتے ہیں :-  
سماع الحسن عن سمرۃ صحیح (ترمذی  
کتاب الصلوٰۃ باب ما جاء فی الصلوٰۃ  
الوسطیٰ انھا العصر جزء اول ص ۱)  
حسن کا سمرہ سے سننا صحیح ہے۔

(۵) امام شاکانی فرماتے ہیں :-  
فقد صحح الترمذی حدیث  
الحسن عن سمرۃ فی مواضع من  
سننہ - (نیل الاوطار جزء ۲ ص ۲)  
امام ترمذی نے اپنی سنن میں کئی جگہ  
حسن عن سمرہ کی حدیث کو صحیح کہا  
ہے۔

(۶) امام ترمذی فرماتے ہیں :-  
وسماع الحسن عن سمرۃ صحیح  
(ترمذی کتاب البیوع باب ما جاء فی کراہیۃ  
بیع الجیوان بالگیوان نیئۃ - جزء اول  
ص ۲۸۵)  
حسن (بصری) کا حضرت سمرہ سے  
سننا صحیح ہے۔

(۷) امام بیہقی حسن عن سمرہ کی حدیث کے متعلق فرماتے ہیں :-  
هذا اسناد صحیح (بیہقی کتاب  
البیوع باب بیع اللحم بالگیوان جزء ۵ ص ۲۹۶)  
یہ اسناد صحیح ہے۔

(۸) امام حاکم حسن عن سمرہ کی حدیث کے متعلق فرماتے ہیں :-  
هذا حدیث صحیح الاسناد  
(حاکم کتاب البیوع باب نہیں عن بیع الشاة  
باللحم ۲/۲۵)  
یہ حدیث صحیح الاسناد ہے۔

امام ذہبی نے امام حاکم کی موافقت کی ہے۔

(۹) حبیب بن الشہید فرماتے ہیں :-

امری ابن سیرین ان اسأل بحی امام ابن سیرین نے حکم دیا کہ میں  
الحسن مہن سمع حدیث العقیقۃ امام حسن (بصری) سے پوچھوں کہ انہوں  
فسألتہ فقال من سمرۃ بن جذب نے عقیقہ کی حدیث کس سے سنی ہے۔  
(صحیح بخاری کتاب العقیقۃ باب الماطۃ الاذنی امام حسن (بصری) نے فرمایا: (میں نے)  
عن الصبی فی العقیقۃ جزء ۱ ص ۱۰۹ (حضرت) سمرۃ بن جذب سے (سنی  
ہے)۔

مندرجہ بالا حوالہ جات اور امام حسن بصری کے مندرجہ بالا قول سے روز  
ردش کی طرح ثابت ہو گیا کہ انہوں نے حضرت سمرہ بن جذب سے سنا ہے۔  
لہذا حسن کا حضرت سمرہ سے نہ سننے کا اعتراض کالعدم ہے۔  
اعتراض ۲ امام حسن بصری مدّس ہیں اور مدّس جب عن سے روایت  
کرے تو اس کی روایت کردہ حدیث ضعیف ہوتی ہے لہذا یہ حدیث ضعیف ہے۔  
جواب مدّس وہ ہوتا ہے جو تدلیس کرے۔ تدلیس کے معنی ہیں "اپنے سامان کے  
عیب کو چھپانا" اپنے سامان کے عیب کو چھپا کر بیچنا خریدار کو دھوکا دینا ہے اور یہ بہت  
بڑا گناہ ہے۔

اصول حدیث میں حدیث کے عیب کو چھپانا "تدلیس" کہلاتا ہے۔ کسی حدیث  
کے عیب کو چھپا کر اس حدیث کو صحیح باور کرنا پوری امت کو دھوکا دینا ہے اور جو چیز  
شریعت میں نہ ہو اسے شریعت میں شامل کرنا ہے۔ کیا یہ کام اچھا ہو سکتا ہے؟ کیا  
یہ شریعت سازی نہیں ہے؟ کیا یہ دھوکا اور فریب نہیں ہے؟ کیا کوئی شخص  
ایسے نازیبا افعال کر کے بھی امام ہو سکتا ہے؟ کیا کوئی شخص شرک فی التشریع کر کے  
بھی امامت کے درجہ پر فائز ہو سکتا ہے؟ ایسا شخص تو کذاب اور دھوکے باز ہو سکتا  
ہے۔ امام شعبہ فرماتے ہیں:

تدلیس جھوٹ کا بھائی ہے (علوم الحدیث مصنفہ ڈاکٹر صبی صلیح مترجم اردو  
ص ۲۲ بحوالہ الباعث الحثیث ص ۵۸)

امام عبدالرزاق پر جب تدلیس کا الزام لگایا گیا تو کعبہ (کے پردہ) سے لٹک  
کر کہنے لگے "اے میرے رب، مجھے کیا ہوا؟ کیا میں کذاب ہوں؟ کیا میں مدّس  
ہوں؟" (طبقات المدلسین لابن حجر ص ۴۴)



امام شعبہ فرماتے ہیں :-  
 میں تدلیس کا مرتکب ہونے کی نسبت زنا کاری کو ترجیح دیتا ہوں (علوم الحدیث  
 مؤلفہ ڈاکٹر صبحی صالح مترجم اردو ضلحہ بحوالہ التوضیح ۳۶۷/۱)  
 امام شعبہ نے کتنی صحیح بات کہی ہے۔ تدلیس شرک فی الشریعت ہے اور شرک  
 یقیناً زلزلے بھی بدتر ہے۔

ڈاکٹر صبحی صالح لکھتے ہیں :-

جو راوی ایک دفعہ بھی تدلیس کا ارتکاب کرنا تو امام شافعی اس کی روایت کو  
 رد کر دیتے (علوم الحدیث مترجم اردو ضلحہ بحوالہ اختصار علوم الحدیث ص ۵۸)  
 علماء پر تعجب ہے کہ امام حسن بصری باہر تدلیس کرتے رہے اور وہ ان کی بیان  
 کردہ حدیث کو محض اس لئے کہ انہوں نے حد ثنا کہہ دیا صحیح مانتے رہے اور قبول کرتے  
 رہے۔ امام شافعی کی طرح رد نہیں کیا۔

امام حسن بصری بقول علماء بار بار تدلیس کر کے امت مسلمہ کو دھوکا دیتے رہے تو  
 کیا ایسی صورت میں ان کو امام کہا جاسکتا ہے؟

تدلیس کی تہمت کی لغویت | امام حسن بصری کو مدس کہنے والے امام ابن

حبان ہیں جو امام حسن بصری کی وفات کے صدیوں بعد پیدا ہوئے لہذا تدلیس کا الزام  
 لغو اور لالچنی ہے۔ مزید برآں تدلیس کا فن ویسے ہی لغو اور لالچنی ہے (دیکھئے "اصول  
 حدیث" شائع کردہ جماعت المسلمین) لہذا امام حسن بصری کو مدس کہنا بھی لغو اور  
 لالچنی ہے۔ جب فن ہی غلط تو اس کی بنیاد پر جو بات کہی جائے وہ غلط ہی ہوگی۔

امام حسن بصری کا مقام | امام حسن بصری حضرت عمرؓ کی وفات سے دو سال پہلے

پیدا ہوئے۔ انہوں نے حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ اور دیگر صحابہ کی ایک کثیر جماعت  
 سے ملاقات کی اور ان سے حدیثیں روایت کیں۔ امام سلیمان التیمی کہتے ہیں:  
 "الحسن شیخ اہل البصرة" حسن اہل بصرہ کے شیخ ہیں۔ امام شعبی نے  
 عاصم سے کہا: جب تم بصرہ جاؤ تو حسن کو میرا سلام کہنا۔ عاصم نے کہا: میں نہیں  
 پہچانتا نہیں۔ امام شعبی نے کہا: جو شخص تمہیں سب سے زیادہ خوبصورت اور  
 سب سے زیادہ باعرب نظر آئے اس کو میرا سلام کہنا۔ عاصم جب بصرہ کی مسجد  
 میں داخل ہوئے تو انہوں نے حسن بصری کو دیکھا۔ لوگ ان کے ارد گرد بیٹھے ہوئے

تھے۔ عاصم ان کے پاس گئے اور سلام کیا۔ امام قتادہ کہتے ہیں جس فقیہ کے پاس بھی میں بیٹھا میں نے حسن کو اس سے افضل پایا۔ امام ایوب کہتے ہیں: میری آنکھوں نے ایسا کوئی آدمی نہیں دیکھا جو حسن سے زیادہ فقیہ ہو۔ امام بکر المرزنی کہتے ہیں: جو شخص اس بات سے خوش ہو کہ وہ اپنے زمانہ کے سب سے بڑے عالم کو دیکھے تو وہ حسن کو دیکھے۔ امام غالب القطان کہتے ہیں ہم نے واقعی ان سے بڑا عالم نہیں دیکھا۔ امام یونس بن عبید کہتے ہیں کوئی ایسا آدمی نہیں تھا جو حسن کو دیکھے، ان کا کلام سنے اور ان کے عمل کو دیکھے اور اس سے فائدہ نہ اٹھائے۔ امام یونس بن عبید اور امام حمید الطویل کہتے ہیں: ہم نے (بہت سے) فقہاء کو دیکھا لیکن حسن سے زیادہ بامروت ہم نے کسی کو نہیں دیکھا (مروت اُن آداب نفسانیہ کو کہتے ہیں جو انسان کو اخلاق حسنہ اور آداب جمیلہ پر برانگیختہ کریں۔ مصباح اللغات ص ۸۱۳) حجاج بن ارطاط کہتے ہیں میں نے امام عطاء بن ابی رباح سے سوال کیا تو انہوں نے کہا: تم حسن کو لازم پکڑو۔ وہ اتنے بڑے عالی مرتبت امام ہیں کہ ان کی اقتداء کی جگہ۔ امام ربیع بن انس کہتے ہیں: میں حسن کے پاس دس سال آتا جاتا رہا، ہر دن میں ان سے ایسی بات سنتا تھا جو پہلے کبھی سنی نہیں ہوتی تھی۔ امام اعش کہتے ہیں:۔ حسن حکمت جمع کرنے سے کبھی باز نہیں رہے یہاں تک کہ اُسے بیان بھی کر دیا۔ حضرت حسینؑ کے پوتے حضرت امام محمد باقر ابو جعفر الصادق کے پاس جب حسن کا ذکر آتا تو کہتے: یہ ایسا شخص ہے کہ اس کا کلام انبیاء کے کلام کے مشابہ ہے۔ محمد بن سعد کہتے ہیں: حسن جامع، عالم، بلند مرتبہ، فقیہ، مامون، عابد، زاہد، کثیر العلم، فصیح اور حسین و جمیل تھے۔ جب امام محمد بن سیرین کو امام حسن بصری کی وفات کی خبر سنائی گئی تو ان کے چہرہ کی رنگت بدل گئی، بات بند کر دی (تہذیب التہذیب جلد ۲ ص ۲۶۴ تا ص ۲۶۶)

امام ابو اسحق المہدانی فرماتے ہیں: حسن بصری صحابہ کے مشابہ تھے (مصنف ابن ابی شیبہ کتاب الزہد ۱۴/۲ - سندہ صحیح)

امام یونس اور امام حمید فرماتے ہیں: ہم نے بہت سے فقہاء کو دیکھا لیکن حسن سے زیادہ جامع کسی کو نہیں دیکھا (مصنف ابن ابی شیبہ کتاب الزہد ۱۴/۲ - سندہ صحیح) امام حمید فرماتے ہیں:۔ میں نے حسن سے بہتر خطیب نہیں دیکھا (صحیح ابی داؤد اللابانی



کتاب السنۃ باب فی لزوم السنۃ جزء ۲ ص ۸۷ حدیث نمبر ۳۸۶۲ - ۴۶۱۴ - سندہ صحیح

البانی صاحب بھی امام حسن بصری کی قدردانیت کے معترف ہیں۔ لکھتے ہیں:-  
هو على جلالة قدره مدلس امام حسن بصری جلیل القدر ہونے کے  
(سلسلة الاحادیث الضعیفة ۲/۲۴۲) باوجود مدلس ہیں (یعنی جلیل القدر بھی

ہیں اور دھوکے باز بھی۔ افسوس البانی صاحب پر)۔  
مورق الجلی کہتے ہیں مجھ سے ابوقمادہ العدوی نے کہا: اے مورق اس شیخ سے  
(یعنی حسن) سے چمٹے رہو اور ان سے علم حاصل کرو اس لئے کہ اللہ کی قسم میں نے  
کوئی آدمی نہیں دیکھا جو ان سے زیادہ (حضرت) عمر کے مشابہ ہو (التاریخ الکبیر  
للإمام البخاری ۲/۲۹۰)۔

بلال کہتے ہیں: میرے والد نے مجھ سے بیان کیا کہ غیر صحابی میں کوئی ایک آدمی  
بھی میں نے ایسا نہیں دیکھا جو حسن سے زیادہ صحابہ سے مشابہت رکھتا ہو (التاریخ  
الکبیر ۲/۲۹۰)۔

مسطر الوراق کہتے ہیں جب حسن ظاہر ہوں (تویہ سمجھو کہ) ایک (ایسا) آدمی آیا جو  
آخرت میں تھا اور جو کچھ اس نے (وہاں) دیکھا اس کی خبر دے رہا ہے (التاریخ  
الکبیر ۲/۲۹۰)۔

حسن نے حضرت عثمانؓ کی خلافت کے زمانہ میں قرآن مجید حفظ کر لیا تھا۔ بڑے  
ہوئے توجہ داد اور علم و عمل سے چمٹے رہے۔ وہ مشہور بہادروں میں سے ایک تھے۔ امام  
ذہبی کہتے ہیں: وہ حافظ تھے، علم کے سمندروں میں سے علامہ تھے، نفس کے فقیہ،  
کبیر الشان اور (اپنے زمانہ میں) عدیم النظیر تھے۔ ان کی نصیحت میں ملاحظت، موعظت  
میں بلاغت تھی وہ انواع الخیر میں رئیس تھے (تذکرۃ الحفاظ جزء اول ص ۷۲)۔

سوال کیا جو شخص اتنا جلیل القدر امام ہو وہ مدلس یعنی کذاب ہو سکتا ہے۔ علماء نے  
بسیوں محدثین کو وہ شالے میں پیٹ کر کذاب کہا اور کہلوا یا افسوس!!!

امام بخاری اور سکتین کی حدیث امام بخاری فرماتے ہیں:-

ثامس د..... عن الحسن حسن (بصری) فرماتے ہیں حضرت سمرہ  
قال تذاکر سمرۃ و عمر ان اور حضرت عمرؓ نے مذاکرہ کیا حضرت

فحدث سمرة انه حفظ عن  
النبي صلى الله عليه وسلم  
سكتين سكتة اذا كبر وسكتة  
اذا فرغ من قراءته (جزء القراءة  
خلف الامام للامام البخاری ص ۷۱)

امام بخاری اس حدیث سے حجت لے رہے ہیں اور اسے صحیح سمجھ رہے ہیں کیا  
اب بھی کوئی کہہ سکتا ہے کہ یہ حدیث ضعیف ہے۔  
امام بیہقی اور سکتین کی حدیث امام بیہقی فرماتے ہیں :-

حدیث السکتین اثبت من کل  
حدیث یحتج بہ من یقول بتروک  
القراءة خلف الامام فی جمیع  
الصلوات عند اهل المعرفة  
بالحدیث وذهب الی هذا المذهب  
فی الجمع بین الانصات عند  
قراءة الامام وقراءة الفاتحة  
عند سکوت الامام من سمینا هم  
فی الجزء قبلہ من الصحابة و  
التابعین ومن بعدهم (کتاب القراءة  
خلف الامام للامام البیهقی ص ۸۵)

علم حدیث میں معرفت رکھنے والوں کے  
نزدیک سکتین کی حدیث ہر اس حدیث  
سے زیادہ ثابت ہے جس سے وہ لوگ حجت  
لینے میں جو تمام نمازوں میں امام کے پیچھے  
قرأت نہ کرنے کے قائل ہیں اور یہی عمل  
ہے صحابہ، تابعین اور ان کے بعد کے علماء  
کا جن کا ذکر اس جزء میں ہم پہلے کر چکے ہیں  
اور جو امام کی قرأت کے وقت سکوت اور  
امام کے سکوت کے وقت سورہ فاتحہ کی  
قرأت (کے احکام) میں (تطبیق دے کر  
دونوں کو) جمع کرنے کے قائل ہیں۔

### حضرت سمرةؓ دو سکتے کرتے تھے

عن الحسن قال کان سمرة اذا کبر  
سکت هنیئة و اذا فرغ من  
السورة سکت هنیئة (کتاب  
القراءة للامام البیهقی ص ۸۶ سندہ صحیح)

حضرت حسن بصری فرماتے ہیں حضرت  
سمرةؓ جب تکبیر تحریمہ کہتے تو کچھ دیر سکتہ  
کرتے اور جب سورت سے فارغ ہوتے  
تو کچھ دیر سکتہ کرتے

حضرت سمرة بن جندبؓ سال میں چھ مہینے بصرہ میں رہا کرتے تھے (اسد الغابۃ ص ۳۵۴)



بالثیب جلد مائۃ والرحم (صحیح مسلم کتاب الحدود باب حد الزانی جلد ۲ ص ۸۴)  
امام مسلم نے اس حدیث سے حجت لی حالانکہ اس حدیث کی سند میں امام حسن  
بصری کا عنعنہ موجود ہے۔

ان دو اماموں کی مثال دینے کے بعد ہم ضرورت نہیں سمجھتے کہ دوسرے اماموں  
کی مثال پیش کریں۔

محدثین اور سکتے | اہل حدیث یعنی اہل علم یعنی محدثین اسی چیز کے قائل ہیں کہ  
امام کے سکنات میں سورۃ فاتحہ پڑھی جائے۔

حضرت ابوسلمہ تابعی فرماتے ہیں :-

للامام سکتان فاغتنموا القراءة  
فیہما بفاتحة الكتاب (جزء القراءة  
للإمام البخاری ص ۶۲ وسندہ حسن)۔

البانی صاحب نے بھی اس روایت کو حسن لکھا  
ہے (سلسلة الاحادیث الضعیفة والموضوعة

جلد ۲ ص ۵۲۶ حدیث نمبر ۵۲۶)

امام ابوسلمہ نہ امام حسن بصری سے روایت کرتے ہیں اور نہ امام حسن بصری امام  
ابوسلمہ سے روایت کرتے ہیں پھر بھی امام ابوسلمہ کو دو سکتوں کی حدیث کا علم تھا اگر  
ایک دوسرے سے روایت کرتا ہوتا تو یہ کہا جاسکتا تھا کہ امام ابوسلمہ نے سکتین کی حد  
امام حسن بصری ہی سے سنی ہوگی لیکن یہ بات نہیں تو پھر امام ابوسلمہ کو سکتوں کی حدیث  
براہ راست پہنچی تھی۔ الغرض یہ اثر امام حسن بصری کی دو سکتوں والی حدیث کی تائید  
کرتا ہے۔

امام عطاء تابعی فرماتے ہیں :-

إذا كان الإمام يجهر فليبادر  
بقراءة القرآن أوليقرء بعد  
مايسكت فاذا قرء فلينصت  
كما قال الله عز وجل (جزء  
القراءة للامام البخاری ص ۶۲)

جب امام بلند آواز سے قرأت کرے تو  
(اس کے قرأت شروع کرنے سے پہلے)  
جلدی سے سورۃ فاتحہ پڑھ لیا کر دیا بعد  
میں جب وہ سکتہ کرے تو پڑھ لیا کر د  
لیکن جب وہ قرأت کرے تو خاموش

مندرجہ بالا حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ نماز بھی پڑھایا کرتے تھے۔ امام حسن بصری بھی بصرہ میں مقیم تھے اور یہ ناممکن ہے کہ وہ صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم حضرت سمرہ بن جندبؓ کے پیچھے نماز نہ پڑھتے ہوں لہذا انقطاع کا کوئی سوال پیدا نہیں ہوتا اور حدیث سکتی بالکل صحیح ہے۔

### امام بخاری، امام مسلم وغیرہ امام حسن بصری کو مدلس نہیں مانتے

امام بخاری امام حسن بصری کو مدلس نہیں مانتے اور ان سے بغیر تحدیث کے روایت کرتے ہیں۔ بطور مثال ایک حدیث مع سند درج ذیل ہے :-

حدثنا ابو نعیم عن هشام عن قتادة عن الحسن عن ابی رافع عن ابی هريرة عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال اذا جلس بین شعبها الاربع ثم جهدا فقد وجب الغسل (صحیح بخاری کتاب الغسل باب اذا التقی المتحانان جزء اول ص ۸)

اس حدیث سے امام بخاری نے حجت لی ہے باوجود اس کے کہ اس میں امام حسن بصری کا عنعنہ موجود ہے گویا امام بخاری نے امام حسن بصری کو مدلس نہیں مانا۔ اگر مدلس مانتے تو ان کی تحدیث ثابت کرتے جس طرح قتادہ کی تحدیث ثابت کی۔ امام بخاری اسی حدیث کی ضمن میں لکھتے ہیں :-

وقال موسى حدثنا ابان قال حدثنا قتادة اخبرنا الحسن مثله -

امام بخاری نے قتادہ کی تحدیث تو لفظ "اخبرنا" سے ثابت کی اور تدریس کے شبہ کو ختم کر دیا لیکن امام حسن بصری کے سلسلہ میں ایسا نہیں کیا یعنی ان کو مدلس نہیں مانا۔

امام مسلم بھی امام حسن بصری کو مدلس نہیں مانتے اور ان سے بغیر تحدیث کے روایت کرتے ہیں۔ مثال کے طور پر ایک حدیث ذیل میں مع سند درج کی جا رہی ہے :-

حدثنا یحییٰ بن یحییٰ التمیمی اخبرنا هشیم عن منصور عن الحسن عن حطان بن عبد اللہ الرقاشی عن عبادة بن الصامت قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خذوا عني خذوا عني قد جعل الله لهن سبيلا البكر بالبكر جلد مائة ونفی سنة، الثوب



وسندہ صحیح) رہا کرو جیسا کہ الشرح وجل نے فرمایا

ہے۔

امام عطاء نہ امام حسن بصری سے کوئی حدیث روایت کرتے ہیں اور نہ امام حسن بصری امام عطاء سے کوئی حدیث روایت کرتے ہیں یعنی امام عطاء کا دو سکتوں سے واقف ہونا براہ راست کسی اور طریقہ سے ہے لہذا یہ اثر بھی امام حسن بصری کی دو سکتوں والی حدیث کی تائید کرتا ہے۔

امام بخاری تحریر فرماتے ہیں :-

نقول یقرأ خلف الامام عند السکاتات (جزء القراءة للبخاری ص ۱۱) ہم کہتے ہیں کہ مقتدی امام کے سکاتات میں پڑھے۔

مندرجہ بالا اماموں ہی پر موقوف نہیں تمام محدثین کا یہی عمل ہے۔ امام ترمذی لکھتے ہیں :-

واختار اصحاب الحديث ان لا یقرأ الرجل اذا جهر الامام بالقراءة قالوا یتبع سکتات الامام (ترمذی کتاب الصلوة باب ما جاء فی ترک القراءة خلف الامام جزء اول ص ۱۱) محدثین نے اختیار کیا ہے کہ جب امام بلند آواز سے قرأت کرے تو مقتدی کچھ نہ پڑھے۔ محدثین کہتے ہیں کہ امام کے سکاتات کی متابعت کرے (یعنی امام کے سکاتات میں پڑھے)۔

(ص ۱۱)

الغرض تمام اہل حدیث یعنی تمام اہل علم یا محدثین امام کے سکاتات کو صحیح مانتے ہیں لیکن آج کل کے لوگ جو بے علم ہوتے ہوئے بھی اہل حدیث کہلاتے ہیں وہ کہتے ہیں امام کے سکاتات کا ثبوت نہیں لہذا نہ امام دو سکتے کرے اور نہ مقتدی سکتوں میں پڑھے۔ اب بتائیے اہل علم کی بات مانی جائے یا بے علم لوگوں کی۔ ہمارے متعلق تو وہ کہیں گے کہ ہم علم نہیں رکھتے لیکن کیا وہ محدثین کو بھی بے علم مانتے ہیں۔ بات یہ ہے کہ انہوں نے ابھی تک سکتیت کی حدیث پر عمل نہیں کیا لہذا عمل نہ کرنے کی کچھ تو معذرت کریں تاکہ حدیث پر عمل نہ کرنے کی ملامت سے بچ جائیں۔ الغرض انہوں نے امام حسن بصری کو بدلس (یعنی کذاب) کہہ کر عمل نہ کرنے کا حیلہ نکال لیا۔ افسوس امام حسن بصری جیسے امام کو جن سے امام بخاری، امام مسلم جیسے جلیل القدر امام روایت کرتے ہیں

کذاب تسلیم کیا گیا۔ انہیں غیرت نہیں آئی کہ جب امام حسن بصری اور ان جیسے بیسیوں امام کذاب بھڑے تو پھر صحیح بخاری اور صحیح مسلم بلکہ پورے علم حدیث کی کیا حیثیت رہی۔ کذاب نے اگر حد ثنا کہد یا تو وہ صادق کیسے ہو گیا۔

**سکتین کی حدیث کو کس کس نے صحیح تسلیم کیا** | ① امام بخاری اسے

میں لائے اور اس سے حجت لی ② امام بیہقی نے اسے ثابت تسلیم کیا ③ امام بخاری، امام مسلم، امام ترمذی وغیرہ امام حسن بصری کے عنعنہ کو صحیح تسلیم کرتے ہیں ④ اہل حدیث یعنی محدثین نے سکتین کی حدیث کو صحیح مانا اور اس پر اپنے عمل کی بنیاد رکھی ⑤ امام شافعی، امام احمد، امام اوزاعی اور امام اسحاق بھی سکتین کے قائل ہیں (ذیل الاوطار ۲/۲۰۱) ⑥ امام حاکم نے اسے امام بخاری اور امام مسلم کی شرط پر صحیح کہا ⑦ امام ذہبی نے امام حاکم کی موافقت کی ⑧ امام ابوداؤد نے اس پر سکوت کیا ⑨ امام منذری نے اس پر سکوت کیا ⑩ امام ترمذی نے اسے حسن کہا ⑪ امام شوکانی نے اسے صحیح کہا (ذیل الاوطار ۲/۲۰۰) ⑫ علامہ احمد محمد شاہ نے ترمذی کی تعلیق میں اسے صحیح کہا۔ ان سب کی تصحیح یا تحسین کے مقابلہ میں علامہ البانی کی تضعیف کی کوئی حقیقت نہیں خصوصاً اس لئے کہ اس کو صحیح نہ کہنے پر وہ اپنے نظریہ کی خاطر مجبور ہیں۔ علامہ احمد محمد شاہ علامہ البانی کے پیش رو ہیں انہوں نے تحقیق کا دروازہ کھولا۔ وہ بہت بڑے محقق تھے۔ انہوں نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔

**علامہ البانی کی تضعیف کی حقیقت** | علامہ البانی نے اس حدیث کو صرف

اس لئے تضعیف کہا کہ اس کی سند میں حسن بصری مدلس ہیں۔ امام حسن بصری مدلس نہیں ہیں اور امام مدلس ہوتا بھی نہیں۔ فن تدلیس بالکل لغو فن ہے لہذا علامہ البانی کی تضعیف ہی بے بنیاد ہے۔ جب تدلیس ایک لغو فن ہے اور امام حسن بصری مدلس نہیں ہیں تو علامہ البانی کی تضعیف کی پوری عمارت دھڑا سے آگری۔

علامہ البانی کی تصحیح اور تضعیف کا کوئی اعتبار نہیں۔ ایک ہی حدیث کو وہ کہیں ضعیف کہتے ہیں تو کسی دوسرے مقام پر اُسے صحیح کہہ دیتے ہیں۔ ان کے تناقضات کو حسن بن علی السقاف نے دو جلدوں میں جمع کر دیا ہے۔ کتاب کا نام ہے "تناقضات"



الالبانی الواضحات فیما وقع فی تصحیح الاحادیث وتضعیفها من اخطاء وغلطات " شائع کردہ دارالامام النووی الاردن/ عمان ص ب ۹۲۵۳۹۳ -

البانی صاحب کا تو یہ حال ہے کہ وہ بالکل ضعیف حدیث کو صحیح کہہ دیتے ہیں اور جب وہ یہ سمجھتے ہیں کہ علماء اسے تسلیم نہیں کریں گے تو معذرت خواہانہ انداز میں لکھ دیتے ہیں ہمدردی صحیح (یہ میرے نزدیک صحیح ہے)۔ بتائیے اب کوئی کیا کہہ سکتا ہے؟

### علامہ البانی حدیث سکتین کی تضعیف کے کیوں قائل ہیں

البانی صاحب حدیث سکتین کی تضعیف کے اس لئے قائل ہیں کہ وہ جہری نماز میں مقتدی کی قرأت کو ناجائز کہتے ہیں (ان کی کتاب صفة الصلوة ملاحظہ فرمائیں)۔ اگر وہ حدیث سکتین کو صحیح مان لیں تو پھر انہیں جہری نماز میں بھی مقتدی کے لئے سورہ فاتحہ کی قرأت کو تسلیم کرنا پڑے گا اور یہ وہ نہیں کر سکتے۔ وہ اپنے مذہب کو نہیں چھوڑ سکتے خواہ حدیث کو جواب ہی کیوں نہ دینا پڑے۔

علامہ البانی صاحب کی تضعیف پر جو لوگ نازاں ہیں تو کیا وہ اس مسئلہ میں علامہ البانی کی تائید کرتے ہیں کہ جہری نماز میں مقتدی کو سورہ فاتحہ نہیں پڑھنی چاہئے۔ اگر وہ اس مسئلہ میں البانی صاحب کو غلط سمجھتے ہیں تو دوسروں سے کیوں ان کی غلطی کو دلیل کی محیثیت سے منواتے ہیں۔ علامہ البانی کی مبالغہ آمیز تعریف کر کے ان کو امام الجرح والتعديل بنانے والے اور محقق محدث کہنے والے ان کے فتوے کو تسلیم کیوں نہیں کرنے اور امام کے پیچھے جہری نماز میں قرأت کو ناجائز کیوں نہیں کہتے۔ علامہ البانی کی تحقیق کے مطابق مقتدی کا جہری نماز میں سورہ فاتحہ کی قرأت کرنا منسوخ ہو چکا ہے تو ان کی تحقیق پر ناز کرنے والے ان کی تحقیق کو تسلیم کیوں نہیں کرتے۔

### علامہ البانی نے بھی امام حسن بصری کے عنعنہ کو حسن مان لیا

حسن بصری کے عنعنہ کو ہر جگہ ضعیف نہیں مانتے مثلاً ابوداؤد کتاب الطہارۃ باب فی رخصۃ فی ترک الغسل یوم الجمعة کی ایک حدیث کو جس میں امام حسن بصری کا عنعنہ موجود ہے حسن تسلیم کرتے ہیں (صحیح ابی داؤد جزء اول ص ۲۸ حدیث نمبر ۲۴۱)۔ بات صاف ہے کہ البانی صاحب نے سکتین کی حدیث کو ضعیف اس لئے کہا کہ وہ ان کے مذہب کے

خلاف ہے اور جمعہ کے دن ترک غسل کی حدیث کو حسن اس لئے کہا کہ وہ ان کے مذہب کے مطابق ہے۔ بہر حال جب البانی صاحب نے حسن بصری کے عنعنہ کے باوجود حدیث کو حسن تسلیم کر لیا تو اب ان کے نزدیک بھی حدیث سکتین ضعیف نہیں رہی بلکہ حسن ہو گئی۔

کاش ہمارے مخالفین تعصب کو خیر باد کہہ کر انصاف کے تقاضے پورے کریں اور سکتین کی حدیث کی تصحیح کا اعلان فرمائیں۔

**اعتراض نمبر ۳** | البانی صاحب لکھتے ہیں :- اگر سکتہ کی حدیث صحیح ہو تو یہ تمہارے خلاف ہے اس لئے کہ حدیث میں دوسرا سکتہ پوری قرأت کے بعد ہے اور تم سورہ فاتحہ کے بعد سکتہ کرتے ہو (سلسلة الاحادیث الضعیفة والموضوعة جلد ۲ صفحہ ۲۵)

**جواب** | یہ اعتراض شافیوں پر ہو سکتا ہے۔ ہم پر نہیں اس لئے کہ ہم تو پوری قرأت کرنے کے بعد سکتہ کرتے ہیں۔

**اعتراض نمبر ۴** | البانی صاحب لکھتے ہیں : اس کے متن میں اضطراب ہے۔ کسی روایت میں دوسرا سکتہ سورہ فاتحہ کے بعد ہے اور کسی روایت میں دوسری سورت کے بعد ہے (سلسلة الاحادیث الضعیفة والموضوعة جلد ۲ صفحہ ۲۵ ملخصاً)

**جواب** | اس کا جواب البانی صاحب نے خود دے دیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں۔

وهذه الرواية الأخيرة هي  
الصواب في الحديث لو سلم لانه  
اتفق عليها اصحاب الحسن  
يونس واشعث وحيد الطويل  
ادر حدیث کا متن اگر صحیح ہو تو دوسری  
سورت کے بعد سکتہ کرنا ہی صحیح ہے اس  
لئے کہ اس پر حسن بصری کے اصحاب  
یونس، اشعث اور حمید نے اتفاق کیا  
ہے۔ (سلسلة الاحادیث الضعیفة والموضوعة جلد ۲ صفحہ ۲۵)

جلد ۲ صفحہ ۲۵

مزید برآں قتادہ کی روایت میں بھی دوسرا سکتہ قرأت کے بعد ہے۔ سورہ فاتحہ کے بعد دوسرا سکتہ کرنے کا ذکر حدیث کے متن میں نہیں ہے۔ یہ قتادہ کی رائے یا قیاس ہے جو حجت نہیں خصوصاً ایسی صورت میں کہ حسن بصری کے دوسرے اصحاب کی



روایتیں اس قیاس کی تردید کرتی ہیں۔

الغرض حدیث کے متن پر اضطراب کا اعتراض غلط ہے۔

## قرآن مجید اور حدیث نبوی کی خلاف ورزی | جو لوگ امام کے

نہیں پڑھتے بلکہ امام کے ساتھ ساتھ پڑھتے رہتے ہیں وہ قرآن مجید کی بھی خلاف ورزی کرتے ہیں اور حدیث شریف کی بھی خلاف ورزی کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:-  
وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوا لَهُ وَأَنْصِتُوا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ ۝  
(الاعراف - ۲۰۴)  
چپ رہا کرو تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔

مندرجہ بالا فرمان الہی کا منشاء یہ ہے کہ جب قرآن مجید پڑھا جائے تو خاموشی کے ساتھ اسے غور سے سنتے رہنا چاہئے۔ ہمارے مخالفین کے ہاں قرآن مجید پر عمل یا اس سے استدلال کم ہی ہوتا ہے ہاں امام بخاری کے تراجم ابواب سے ایسا استدلال کرتے ہیں جیسا کتاب و سنت سے کرنا چاہیئے۔ اس پر تقلید ہی کی تریف صادق آتی ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:-

وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوا (صحیح مسلم) اور جب امام پڑھا کرے تو خاموش رہا  
کتاب الصلوٰۃ باب التَّحَدُّثِ فِي الصَّلَاةِ کرو۔  
(جزء اول ص ۱۷۷)

یہ حدیث حضرت ابوسنی اشجریؓ سے مروی ہے۔ اسی طرح حضرت ابوہریرہؓ بھی روایت کرتے ہیں اور امام مسلم اسے صحیح قرار دیتے ہیں۔

مندرجہ بالا آیت اور احادیث پر عمل مفقود ہے۔ اس آیت اور احادیث پر عمل صرف اسی صورت میں ہو سکتا ہے کہ امام کے دو سکتے تسلیم کئے جائیں اور ان میں سورہ فاتحہ پڑھی جائے۔

امام بخاری لکھتے ہیں:-

وكان ابوسلمة بن عبد الرحمن وميمون بن مهران وغيرهم  
ابوسلمة بن عبد الرحمن، ميمون بن مهران وغيرهم اور سعيد بن جبیر امام کے سکوت

سعید بن جبیر یرون القراءة عند سكوت الامام الى نون نعبد لقول النبي صلى الله عليه وسلم لا صلوة الا بفاتحة الكتاب فتكون قراءته فاذا قرأ الامام انصت حتى يكون متبعا لقوله تعالى فاستمعوا له وانصتوا فيستمع قول الله تعالى ويتبع قول رسول الله صلى الله عليه وسلم (جزء القراءة للامام البخاری ص ۱۱)

کے وقت قرأت کرنے کے قائل ہیں اس لئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے "بغیر سورۃ فاتحہ کے نماز نہیں ہوتی" اس طرح (یعنی امام کے سکتے میں سورۃ فاتحہ پڑھنے سے) مقتدی اللہ تعالیٰ کے فرمان "جب قرآن مجید پڑھا جائے تو غور سے سنو اور خاموش رہو" کا بھی متبع ہوگا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث (بغیر سورۃ فاتحہ کے نماز نہیں ہوتی) کا بھی متبع ہوگا۔

امام بیہقی تحریر فرماتے ہیں :-

قال الامام احمد رحمه الله وفي حديث سمرة كان يسكت قبل القراءة وبعد ها قال البخاري فاذا قرأ في سكتة الامام لم يكن مخالفا لحدیث ابی خالد لانه يقرء في سكتات الامام فاذا قرأ انصت (كتاب القراءة للامام البيهقي ص ۹)

امام احمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں حدیثِ سمرۃ میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قرأت سے پہلے اور قرأت کے بعد سکتہ کیا کرتے تھے۔ (امام بخاری فرماتے ہیں جب مقتدی امام کے سکتے میں پڑھے گا تو ابو خالد کی حدیث (جب امام پڑھے تو خاموش رہو) کا مخالف نہیں ہوگا اس لئے کہ وہ امام کے سکتات میں پڑھ رہا ہے اور جب امام پڑھتا ہے تو وہ خاموش ہو جاتا ہے۔

الغرض اس طرح پڑھنے سے نہ قرآن مجید کی آیت (فاستمعوا له وانصتوا) اور حدیث (اذا قرأ فانصتوا) کی خلاف ورزی ہوتی ہے اور نہ حدیث (لا صلوة الا بفاتحة الكتاب) کی خلاف ورزی ہوتی ہے۔ سب پر یہ یک وقت عمل ہوتا ہے۔

امام بیہقی کے مندرجہ بالا بیان سے ثابت ہوا کہ امام احمد اور امام بخاری کے



نزدیک سکتین کی حدیث ثابت ہے جب ہی تو وہ اس حدیث پر عمل کرنے کی تاکید کر رہے ہیں اور قرآن مجید اور حدیث کی مخالفت سے روک رہے ہیں۔  
 یہ تطبیق کی کتنی اچھی صورت ہے۔ افسوس کہ مقتدی کے لئے سورہ فاتحہ کی قرأت کو واجب قرار دینے والوں اور سورہ فاتحہ کی قرأت سے روکنے والوں نے باوجود امام بخاری وغیرہ کی مراحت کے اس تطبیق کو اختیار نہیں کیا اور آج تک اختلاف کر رہے ہیں۔ ایک جماعت قرآن مجید کی خلاف ورزی کر رہی ہے اور ایک جماعت حدیث کی خلاف ورزی کر رہی ہے حالانکہ مذکورہ بالا تطبیق کی صورت میں قرآن مجید اور حدیث شریف دونوں پر یہ یک وقت عمل ہو سکتا ہے۔ ایک کو چھوڑنا اور ایک پر عمل کرنا یہ بھی کوئی اسلام ہے۔

### سکتین کی حدیث کے شواہد

① حضرت عبداللہ بن عمر بن العاص فرماتے ہیں کہ  
 انہ کان یقرء خلف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے قرأت کرتے تھے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خاموش ہوتے تھے پھر جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پڑھتے تو وہ نہیں پڑھتے تھے پھر جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خاموش ہوتے تھے تو وہ پڑھتے تھے۔  
 انہ کان یقرء خلف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا اُنصت فاذا قرأ لم یقرأ فاذا اُنصت قرأ (کتاب القراءة للامام البیہقی ص ۸۶)

اس حدیث کی ایک اور سند بھی ہے۔ امام بیہقی روایت کرتے ہیں کہ صحابہ کرام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے قرأت کرتے تھے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خاموش ہوتے تھے پھر جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پڑھتے تو صحابہ کرام نہیں پڑھتے تھے پھر جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم  
 انہم کانوا یقرؤن خلف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا اُنصت فاذا قرأ لم یقرؤا واذا اُنصت قرؤا (کتاب القراءة للامام البیہقی ص ۶۹)

خاموش ہوتے تو صحابہ کرام پڑھتے تھے۔  
مندرجہ بالا دونوں حدیثوں میں خط کشیدہ الفاظ پر غور کریں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دو سکتے بالبداهت ثابت ہو رہے ہیں۔

**اعترافات** | مندرجہ بالا حدیث کی سند میں ایک راوی "ابوالصلت" ہے جو متکلم فیہ ہے لہذا یہ حدیث ضعیف ہے۔

**جواب** | "ابوالصلت" صرف دوسری حدیث کی سند میں ہے۔ پہلی حدیث کی سند میں نہیں ہے لہذا پہلی حدیث ضعیف نہیں ہے، بالکل صحیح ہے۔

دوسری حدیث کی سند میں اگرچہ "ابوالصلت" ضعیف ہے لیکن سب کے نزدیک ضعیف نہیں ہے۔ امام یحییٰ بن معین اور امام ابوسعید الہروی نے ابوالصلت کو ثقہ کہا ہے لہذا دوسری حدیث بھی حسن کے درجہ سے نیچے نہیں جائے گی اور کیونکہ حسن حدیث بھی مقبول ہوتی ہے لہذا پہلی اور دوسری دونوں حدیثیں مقبول ہو گئیں، کوئی بھی مردود نہیں رہی۔ مزید برآں اگر حدیث صحیح ہو تو ایک ہی کافی ہے۔ کیونکہ پہلی حدیث صحیح ہے لہذا غل کے لئے دی کافی ہے۔

**امام بیہقی اور مندرجہ بالا احادیث** | امام بیہقی نے مندرجہ بالا دونوں حدیثوں کو صحیح کہا ہے۔ وہ لکھتے ہیں :-

فلقراءة المأموم فاتحة الكتاب  
فی سکتۃ الامام شواہد صحیحة  
عن عمرو بن شعيب عن ابيه  
عن جدّه (كتاب القراءة للامام  
البيہقی ص ۵۵ مطبوعہ پرنٹنگ ورکس دہلی)

مقتدی کا امام کے سکتہ میں سورہ فاتحہ  
پڑھنا عمرو بن شعیب عن ابيه عن جدّه  
کی سند سے روایت کردہ صحیح شواہد سے  
(ثابت ہے۔)

مندرجہ بالا عبارت سے معلوم ہوا کہ امام بیہقی کے نزدیک دوسری حدیث بھی حسن نہیں بلکہ صحیح ہے۔

**علامہ البانی کی عجیب و غریب جالاکي** | البانی صاحب لکھتے ہیں :-

ابن عمير هذا متروك شديد  
الضعف (سلسلة الاحاديث الضعيفة)

ابن عمير متروک ہے۔ شدت کے ساتھ  
ضعیف ہے۔



والموضوعة ۲/۲۲۰)

آگے لکھتے ہیں :-

ونحوۃ البہثنی ابن الصباح      اور ایسا ہی مثنیٰ ابن الصباح کا حال  
فقد ضعف۔ الجمهور من الأئمة      ہے۔ اس کو جمهور ائمہ نے ضعیف کہا ہے۔  
(حوالہ مذکور)

آگے لکھتے ہیں :-

واما ابن لہیعة فہو معروف      اور ابن لہیعة تو وہ ضعف میں معروف  
بالضعف (حوالہ مذکور)      ہی ہے۔

البانی صاحب کی چالاکی کی حقیقت | البانی صاحب نے ابن غیر، مثنیٰ  
اور ابن لہیعة پر جرح کی ہے۔ امام بیہقی نے خود تسلیم کیا ہے کہ یہ تینوں راوی ضعیف  
ہیں۔ وہ لکھتے ہیں :-

محمد بن عبد اللہ بن عیروان      اگرچہ محمد بن عبد اللہ بن غیر سے محبت  
کان غیر محتج بہ وکذ لك بعض      نہیں لی جاتی اور اسی طرح بعض ان  
من تقد مرہون رواہ عن عمرو      راویوں سے جنہوں نے عمرو بن شعیب  
بن شعیب فلقراءة الساموم      سے روایت کی ہے جن کا حال پہلے  
فاتحة الكتاب فی سکتۃ الامام      گزر چکا ہے حجت نہیں لی جاتی لیکن امام  
شواہد صحیحۃ عن عمرو بن شعیب      کے سکتہ میں مقتدی کے سورۃ فاتحہ پڑھنے  
عن ابيه عن جدہ (کتاب القراءة      کے صحیح شواہد عمرو بن شعیب کی روایت  
للإمام البیہقی ص ۵۵)      سے موجود ہیں۔

امام بیہقی نے خود ان تینوں راویوں کی روایت پر جرح کی، ان سے حجت نہیں لی  
تو البانی صاحب نے ان کا ضعف بیان کر کے کونسا کا زنامہ انجام دیا۔ البانی صاحب کی تحریر  
سے معلوم ہوتا ہے کہ امام بیہقی نے تو ان تینوں کی روایت کو صحیح تسلیم کیا لیکن وہ اس کا  
ضعف ثابت کر رہے ہیں۔ امام بیہقی نے ان تینوں کی روایت کو ضعیف تسلیم کرنے کے  
بعد لکھا کہ دوسرے شواہد صحیح ہیں۔ امام بیہقی نے ان تین ضعیف راویوں کی روایتوں کو  
صحیح نہیں کہا۔ انہوں نے تو ان روایتوں کو صحیح کہا جن میں ان تین راویوں میں سے ایک  
بھی راوی نہیں اور یہ روایتیں ہم ص ۴۹ پر نقل کر چکے ہیں اور وہ بالکل صحیح ہیں۔

البانی صاحب اُن روایتوں کی تضعیف کر رہے ہیں جن کو ہم نے پیش ہی نہیں کیا۔ جن روایتوں کو ہم نے پیش کیا ان کی تصحیح یا تضعیف سے اعراض کر رہے ہیں اور ان کی تضعیف کریں بھی کیسے جبکہ امام بیہقی جیسے امام نے ان کو صحیح کہا۔ البانی صاحب لکھتے ہیں :-

واما الشواهد التي اشار اليه  
البيهقي فعلى فرض التسليم بصحتها  
فهو موقوف (سلسلة الاحاديث  
اور اگر وہ شواہد جن کی طرف امام بیہقی  
نے اشارہ کیا ہے صحیح تسلیم کر لئے  
جائیں تو وہ موقوف ہیں۔

(الضعيفة والموضوعة ۲/۲۲۰)

جن شواہد کی طرف امام بیہقی نے اشارہ کیا ہے امام بیہقی نے ان کو مع سند کے اپنی کتاب میں بیان کر دیا ہے، البانی صاحب نے ان کی تضعیف کی طرف توجہ کیوں نہیں دی۔ جن روایتوں کو امام بیہقی نے خود ضعیف کہا البانی صاحب ان روایتوں کا ضعف ثابت کر رہے ہیں۔ آخر کیوں؟ اس سے کیا مقصد ہے؟ جن روایتوں کو امام بیہقی نے صحیح کہا وہ ان کا ضعف کیوں نہیں ثابت کرتے۔ بہر حال انہوں نے مذکورہ بالا عبارت میں ان کو صحیح تسلیم کرنے کی جو بات تحریر کی ہے وہ ان کی کمزوری اور جانب داری ہے۔ وہ احادیث بالکل صحیح ہیں۔ صحیح فرض کرنے کی آخر ضرورت ہی کیا ہے۔ ہاں البانی صاحب کے نزدیک ضرورت ہے اور وہ ضرورت یہ ہے کہ قارئین یہ سمجھیں کہ ہیں تو وہ بھی ضعیف لیکن البانی صاحب نے ان کو صحیح مان کر بھی جواب دے دیا ہے۔

البانی صاحب نے ان صحیح احادیث کو بالفرض صحیح تسلیم کیا۔ وہ ان کو ضعیف ثابت نہیں کر سکے لہذا انہوں نے ان کو موقوف کہہ کر مائل دیا۔

### کیا البانی صاحب کا حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی احادیث کو

موقوف کہنا صحیح ہے؟ | ایک حدیث میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا بیان ہے کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سکتوں میں پڑھتا تھا۔ کیونکہ پڑھنا حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا فعل ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فعل نہیں ہے لہذا بقول البانی صاحب حدیث موقوف ہے۔ ہم بھی تسلیم کرتے ہیں کہ پڑھنا صحابی ہی کا فعل ہے لیکن ہم اُسے



موقوف نہیں مانتے۔ (وجہ آگے آرہی ہے)

دوسری حدیث میں ہے کہ صحابہ کرام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سکتوں میں پڑھنے تھے یعنی صحابہ کرام کا پڑھنا صحابہ کرام کا فعل ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فعل نہیں ہے لہذا بقول البانی صاحب حدیث موقوف ہے۔ ہم بھی تسلیم کرتے ہیں کہ پڑھنا صحابہ کرام کا فعل ہے لیکن ہم اسے موقوف تسلیم نہیں کرتے۔ (وجہ آگے آرہی ہے)

تعجب ہے صحابہ کرام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سکتوں میں قرأت کرتے تھے لیکن البانی صاحب کے نزدیک صحابہ کرام کا یہ فعل جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں آپ کی امامت میں کیا جا رہا تھا حجت نہیں افسوس! کیا اس پر کم از کم تقریری مرفوع حدیث کی تعریف صادق نہیں آتی۔ اگر صحابہ کرام کا پڑھنا ناجائز تھا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع کیوں نہیں فرمایا۔ اگر یہ کہا جائے کہ آپ کو خبر نہیں ہوئی تو یہ انتہائی لغو ہے۔ اچھا اگر یہ تسلیم بھی کر لیا جائے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر نہیں ہوئی تو کیا اللہ عالم الغیب کو بھی خبر نہیں ہوئی۔

تعجب ہے کہ صحابہ کرام کا فعل جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں کیا جا رہا ہے نہ مرفوع ہے اور نہ حجت۔ کتنی لغوبات ہے جو کسی جا رہی ہے۔ افسوس!

**کیا سکتے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کرتے تھے یا صحابہ کرام؟** | اچھا مان لیا

کہ صحابہ کرام کا یہ فعل موقوف ہے لہذا حجت نہیں تو ہم صحابہ کرام کا فعل پیش کب کر رہے ہیں۔ ہم تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فعل پیش کر رہے ہیں جو کہ حدیث زیر بحث میں مذکور ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دوسکتے کرتے تھے۔ کیا یہ سکتے کرنا بھی موقوف ہے؟ کیا سکتے کرنا صحابہ کرام کا فعل تھا؟ پڑھنا اگر صحابہ کرام کا فعل تھا تو سکتے کرنا تو صحابہ کرام کا فعل نہیں تھا۔ سکتے کرنا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فعل تھا اور وہ یقیناً مرفوع ہے۔

کیا اب بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کا دعویٰ کرنے والے سکتوں کی سنت کا احیاء نہیں کریں گے اور تاویلات باطلہ سے حدیثوں کو رد کرتے رہیں گے۔ میدان محشر میں نہ اپنا خود ساختہ نظریہ کام آئے گا اور نہ اپنا مذہب۔ وہاں تو رسول

اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کام آئے گی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع ہی درحقیقت اسلام ہے۔

الغرض جب احادیث مرفوعہ سے جن کی تضعیف البانی صاحب نہیں کر سکے دو سکتے ثابت ہو گئے تو ان کے تعارض میں کسی صحابی کا قول پیش کرنا جیسا کہ البانی صاحب نے کیا ہے سراسر باطل ہے۔ یہ اُس اصول کو ٹوڑتا ہے جس کو وہ خود مسلمہ اصول مانتے ہیں۔ مزید بیاں ان آثار میں جو البانی صاحب نے بیان کئے ہیں دو سکتوں کا ذکر ہی نہیں تو وہ متعارض کیسے ہوئے اور اگر متعارض ہوں بھی تو وہ صحیح مرفوع احادیث کے مقابلے میں نہیں مانے جاسکتے۔ ان آثار میں تو یہ ہے کہ امام کے پیچھے کچھ نہ پڑھا جائے تو کیا البانی صاحب اور ان کے مداحین کو بعض صحابیوں کا یہ فیصلہ پسند ہے؟ مزید برآں کسی بھی صحابی کے اثر میں سوائے حضرت جابر کے سورۃ فاتحہ کا ذکر ہی نہیں۔ حضرت جابر خود قرأت کرتے تھے لہذا ان کے قول و فعل میں تضاد ہے۔ ان کا قول حدیث مرفوعہ کے مقابلے میں کیسے پیش کیا جاسکتا ہے۔

**حضرت عبداللہ بن عمروؓ کی حدیث پر دوسرا اعتراض** | سند عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ

ضعیف ہے۔

**جواب** | اعتراض یہ ہے کہ عمرو بن شعیب نے اپنے والد شعیب سے نہیں سنا اور شعیب نے اپنے دادا عبداللہ بن عمروؓ سے نہیں سنا۔

یہ اعتراض بالکل غلط ہے۔ عمرو نے یقیناً شعیب سے سنا ہے اور شعیب نے یقیناً حضرت عبداللہ بن عمروؓ سے سنا ہے۔ امام احمد فرماتے ہیں :-

وقد صح سماع عمرو بن شعیب  
من ابیہ و صح سماع شعیب من  
جدہ عبد اللہ بن عمرو (المستدرک  
للحاکم جزء ۲ ص ۴۷)

عمرو بن شعیب کا اپنے والد سے سنا  
صحیح ہے اور شعیب کا اپنے دادا حضرت  
عبداللہ بن عمروؓ سے سنا صحیح ہے۔

شعیب کہتے ہیں :-

ان رجلا اتی عبد اللہ بن عمروؓ  
ایک شخص حضرت عبداللہ بن عمروؓ کے پاس



آیا۔ اس نے مجرم کے عورت سے صحبت کرنے کے متعلق سوال کیا۔ حضرت عبداللہ بن عمروؓ نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی طرف اشارہ کیا..... (وہ ان کے پاس گیا) میں بھی اس کے ساتھ گیا..... وہ لوٹ کر حضرت عبداللہ بن عمروؓ کے پاس آیا میں اس کے ساتھ تھا..... (امام حاکم فرماتے ہیں) اس حدیث کے راوی ثقہ ہیں، حفاظ ہیں اور یہ حدیث شعیب بن محمد کا اپنے دادا عبداللہ بن عمروؓ سے سننے کی صحت پر ایسی ہے جیسے کوئی ہاتھ پکڑنے والا ہاتھ پکڑے۔

یہ حدیث نہ مرسل ہے اور نہ منقطع جیسا کہ ابن حبان اور جس نے ان کی موافقت کی ہے وہم کیلئے بلکہ یہ حدیث متصل ہے اور حسن کے درجہ سے کم نہیں جبکہ عمر تک حدیث کی سند صحیح ہو۔ امام ذہبی کہتے ہیں عمروؓ کی حدیث حسن کے قبیل سے ہے۔ حافظ ابن حجرؒ عمرؓ کے ترجمہ میں لکھتے ہیں عمروؓ کی حدیث مختار ہے کہ قوی ہوتی ہے جبکہ تعارض بھی کسی سے نہ ہو۔ امام نوویؒ فرماتے ہیں: اس حدیث سے احتجاج کرنا صحیح ہے، مختار ہے۔ محدثین میں سے محققین کا یہی مختار

یسألہ عن محرم وقع بامرأیة فاشترى  
الی عبد اللہ بن عمرؓ..... فذهبت  
معه..... فرجع الی عبد اللہ بن  
عمرؓ (قال شعیب) وانا معه....  
[قال الحاکم: هذا حدیث ثقات  
رواة حفاظ وهو کالأخذ بالید  
فی صحیح سماع شعیب بن محمد  
عن جدہ عبد اللہ بن عمرو  
(المستدرک جزء ۲ ص ۱۵) ورواہ البیہقی  
فی کتاب المعرفة وقال اسنادہ صحیح....  
وقال الشیخ فی الامام رجالہ کلہم ثقات  
مشہورون. (تعلیق المغنی لشمس الحق  
اعظیم آبادی۔ دار قطنی جلد ۲ ص ۳۱)  
صاحب مرعاة لکھتے ہیں :-

لیست بمرسلۃ ولا منقطعة  
كما توهم ابن حبان ومن وافقه  
بل هی متصلۃ ولا تنقطع عن  
درجۃ الحسن اذا کان الاسناد  
الی عمرو وصحیحاً قال الذہبی  
حدیثہ من قبیل الحسن قال  
الحافظ فی ترجیۃ عمرو وقویۃ  
علی المختار حیث لا تعارض  
انتہی وقال النووی ان الاجتماع  
بہ هو الصحیح المختار الذی  
علیہ المحققون من اهل الحدیث  
وہم اهل هذا الفن وعنہم

يُؤْخَذُ (مرعاة المصانيع حديث نمبر ۹۹) ہے اور محدثین ہی (درحقیقت) اس فن کے ماہر ہیں اور ان ہی سے (حدیث) کی صحت کے فیصلہ کو لیا جاتا ہے۔

امام ترمذی فرماتے ہیں :-  
قال محمد بن اسمعيل رأيت  
احمد واسحق وذكر غيرهما  
يحتجون بحديث عمرو بن  
شعيب قال محمد وقد سمع  
شعيب بن محمد من جدّه  
عبد الله بن عمرو (ترمذی ابواب  
الصلاة باب ما جاء في كراهية البيع والشراء  
وانشاد الفضالة والشعر في المسجد جزء ۲  
ص ۱۴۱)

حدیث زیر بحث میں عمرو، عمرو کے والد شعیب، شعیب کے والد محمد اور محمد کے والد حضرت عبداللہ بن عمرو قابل غور ہیں۔ عمرو بن شعیب عن ابيه عن جدّه سے مراد یہ ہے کہ عمرو اپنے والد شعیب سے روایت کرتے ہیں اور شعیب اپنے دادا حضرت عبداللہ بن عمرو سے روایت کرتے ہیں۔ جدہ میں ہ کی ضمیر شعیب کی طرف راجع ہے نہ کہ عمرو کی طرف۔ جدہ سے مراد محمد نہیں ہیں اس لئے کہ محمد کی تو ایسی حالت میں وفات ہو گئی تھی کہ شعیب بچے تھے۔ شعیب کو ان کے دادا حضرت عبداللہ بن عمرو نے پالا تھا لہذا شعیب اپنے والد سے تو روایت کر ہی نہیں سکتے وہ اپنے دادا حضرت عبداللہ بن عمرو سے روایت کرتے ہیں اور ان کی دادا سے ملاقات، ان سے سماع اور ان سے روایت کرنا صحیح طور پر ثابت ہے۔ ابتداء میں بعض محدثین نے غلط فہمی سے جدہ میں ہ کی ضمیر کا مرجع عمرو کو قرار دیا۔ نتیجہ جہد سے مراد محمد ہو گئے اور کیونکہ محمد وفات پا چکے تھے لہذا ان سے شعیب کی سماعت لا یعنی قرار دی گئی یا کسی محدث کو یہ وہم ہوا کہ جدہ سے مراد حضرت عبداللہ بن عمرو ہیں اور شعیب کی ملاقات اپنے دادا عبداللہ بن عمرو سے نہیں ہوئی لہذا حدیث کی سند بہر دو صورت ضعیف ہوئی لیکن یہ دونوں



وہم غلط نکلے محققین محدثین نے ثابت کر دیا کہ عمرو نے اپنے والد شعیب سے سنا ہے اور شعیب نے اپنے دادا عبداللہ بن عمرو سے سنا ہے لہذا حدیث کی سند بالکل صحیح ہے۔ ابتداء میں جو غلط فہمی بعض محدثین کو ہوئی تھی تحقیق کے بعد اس غلطی کو پیش کرنا سراسر زیادتی ہے۔

علامہ احمد محمد شاہ لکھتے ہیں: والتحقیق ان روایۃ عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ من اصح الاسانید۔ تحقیق عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ کی روایت اصح الاسانید میں سے ہے (تعلیقات احمد شاہ علی الترمذی جلد ۱ ص ۱۴۱)

امام بخاری فرماتے ہیں: احمد بن حنبل وعلی بن المدینی و اسحاق بن راہویہ و ابا عبید و عامۃ اصحابنا یحتجون بحديث عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ ما ترکواہ من المسانین (التعلیقات احمد شاہ علی الترمذی ۱۴/۲)

امام احمد بن حنبل، امام علی بن مدینی، امام اسحاق بن راہویہ، امام ابو عبید اور ہمارے اصحاب (یعنی اساتذہ) سب اس حدیث سے حجت لیتے ہیں۔ میں سے کسی نے اس کو نہیں چھوڑا۔

امام اسحاق بن راہویہ فرماتے ہیں: اذا کان الراوی عن عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ ثقہ فھو کا ایوب عن نافع عن ابن عمر۔ اگر عمرو سے روایت کرنے والا راوی ثقہ ہو تو اس سند کا مرتبہ ایسا ہے جیسا مرتبہ ایوب عن نافع عن ابن عمر کی سند کا (التعلیقات علی الترمذی ص ۱۴۱)

سکتین کی حدیث میں عمرو سے روایت کرنے والا راوی عبد الحمید بن جعفر ہے اور وہ ثقہ ہے۔ امام مسلم اپنی صحیح میں اس سے حجت لیتے ہیں۔ الغرض بقول امام اسحاق بن راہویہ سکتین کی حدیث اعلیٰ درجہ کی صحیح ہے۔

علامہ عبدالرحمن البنا الساعاتی لکھتے ہیں: اجمع بہ الجمهور وثقہ النسائی و قال الحافظ ابوبکر بن زیاد صحیح سماع عمرو عن ابیہ و صحیح سماع شعیب عن عبداللہ بن عمرو (بلوغ الامانی جزء ۱۵ ص ۱۵۱) اس حدیث سے جمهور محدثین نے حجت لی ہے، نسائی نے اس کو معتبر قرار دیا ہے۔ حافظ ابوبکر بن زیاد کہتے ہیں عمرو کا سماع اپنے والد سے اور شعیب کا سماع حضرت عبداللہ بن عمرو سے صحیح طور پر ثابت ہے۔

علامہ ابن الصلاح لکھتے ہیں: وقد اجمع اکثر اھل الحدیث بحديثہ۔ اکثر

اہل حدیث یعنی محدثین اس حدیث کو حجت سمجھتے ہیں (مقدمہ ابن الصلاح ص ۱۵۷)  
علامہ ابو عمر بن عبد البر ایک حدیث پر جو عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ کی سند  
سے مروی ہے لکھتے ہیں :-

هذا الحديث معروف مشهور من  
حديث عمرو بن شعيب عن أبيه  
عن جده عن النبي صلى الله عليه  
وسلم وهو حديث صحيح لا يختلف  
اهل العلم في قبوله والعمل به  
(التعليقات احمد شاكر على الترمذی ۱۴۳/۲)  
بحوالہ کتاب التفسیر لمحدث الموطأ ص ۲۵۳-۲۵۵  
امام بخاری فرماتے ہیں :

رایت علی بن مدینی واحمد بن  
حنبل والحمیدی واسحاق بن  
راھویہ یحتجون به (دارقطنی جلد ۲  
ص ۲۱۷)۔  
میں نے امام علی بن مدینی، امام حمیدی،  
امام احمد بن حنبل اور امام اسحاق بن ابراہیم  
کو دیکھا کہ وہ اس حدیث سے حجت  
لیتے تھے۔

دارقطنی کی کتاب البیوع کی ایک حدیث کے الفاظ اس طرح ہیں :  
قال (بکیر) سمعت عمرو بن  
شعیب یقول سمعت شعيباً یقول  
سمعت عبد الله بن عمرو (دارقطنی  
جلد ۲ ص ۲۱۷)  
بکیر کہتے ہیں میں نے عمرو بن شعیب سے  
سنا کہ وہ کہتے تھے میں نے شعیب سے سنا  
کہ وہ کہتے تھے کہ میں نے حضرت عبداللہ بن  
عمرو سے سنا۔

الغرض یہ اعتراض کہ عمرو نے شعیب سے نہیں سنا اور شعیب نے حضرت عبداللہ بن عمرو  
سے نہیں سنا بے بنیاد اور حقائق کے خلاف ہے۔

امام ترمذی فرماتے ہیں :-

وحديث محمد بن اسحاق عن عمرو  
بن شعيب حسن صحيح (ترمذی ابواب  
البر والصلة باب ما جاء في رحمة الصبيان)  
محمد بن اسحاق کی روایت عن عمرو بن  
شعیب حسن صحیح ہے۔



امام ابوداؤد بھی اس سند سے روایت کرتے ہیں اور سکوت فرماتے ہیں (ابو داؤد کتاب الطہارۃ جزء اول ص ۲)  
الغرض عبداللہ بن عمروؓ کی حدیث بالکل صحیح اور اعلیٰ درجہ کی صحیح ہے۔

② حضرت ابو ہریرہؓ اور سکنتین | حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں :-

للامام سکنتان فاغتتموا القراءة امام کے دو سکنتے ہوتے ہیں ان کو سورۃ فیہما بقائت تحت الکتاب (جزء القراءة) فاتحہ پڑھنے کے لئے لوٹ لو۔  
للإمام البخاری ص ۱۲ وسندہ حسن

البانی صاحب فرماتے ہیں یہ حدیث حسن ہے۔ ہونا تو یہ چاہیئے تھا کہ وہ اس حدیث کے مطابق عمل کرنے لیکن انہوں نے اس کو موقوف کہہ کر ٹال دیا۔  
حضرت ابو ہریرہؓ کے زمانہ میں ایک دفعہ ایسا بھی موقع آیا کہ حضرت مردان مدینہ منورہ کے امیر تھے۔ مسجد نبوی میں وہی امام تھے تو سوال یہ ہے کہ حضرت ابو ہریرہؓ کے مذکورہ بالا قول میں امام سے مراد کیا حضرت مردان ہیں؟ اگر حضرت مردان ہیں تو کیا حضرت ابو ہریرہؓ کے نزدیک حضرت مردان واجب الاتباع تھے کہ ان کے فعل کو وہ بطور حجت پیش کر رہے ہیں۔ ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا۔ حضرت ابو ہریرہؓ کے نزدیک بھی واجب الاتباع امام صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہیں اور ان کے مذکورہ بالا قول میں امام سے مراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ امام کے لفظ نے اس حدیث کو مرفوع ہی نہیں کیا بلکہ غور سے دیکھا جائے تو مسلسل بھی کر دیا۔ البانی صاحب کا اپنے نظریہ کی خاطر اس کو موقوف کہہ کر ٹال دینا نا انصافی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دو سکنتے کرتے تھے اور آپ ہی کی اتباع میں ائمہ مساجد بھی سکنتے کرتے تھے اور اسی چیز کو حضرت ابو ہریرہؓ بیان فرما رہے ہیں۔

البانی صاحب کو تسلیم ہے کہ یہ حدیث حسن ہے اور حسن حدیث مقبول ہوتی ہے اُس پر عمل ضروری ہوتا ہے۔ اس حدیث سے ثابت ہوا کہ حضرت ابو ہریرہؓ براہ راست ذاتی طور پر سکنتین کی حدیث سے واقف تھے اور یہ بھی ثابت ہوا کہ حضرت ابو ہریرہؓ ان سکنتات کا مقصد بھی جانتے تھے اور اس کا اعلان بھی کرتے تھے۔ اب

اگر کوئی شخص یہ کہتا ہے کہ ان سکلات کا مقصد سانس لینا تھا تو اس کا قیاس یا اس کی رائے اس حدیث کی روشنی میں لغو اور لاجینی ہے بلکہ قطعاً باطل ہے۔

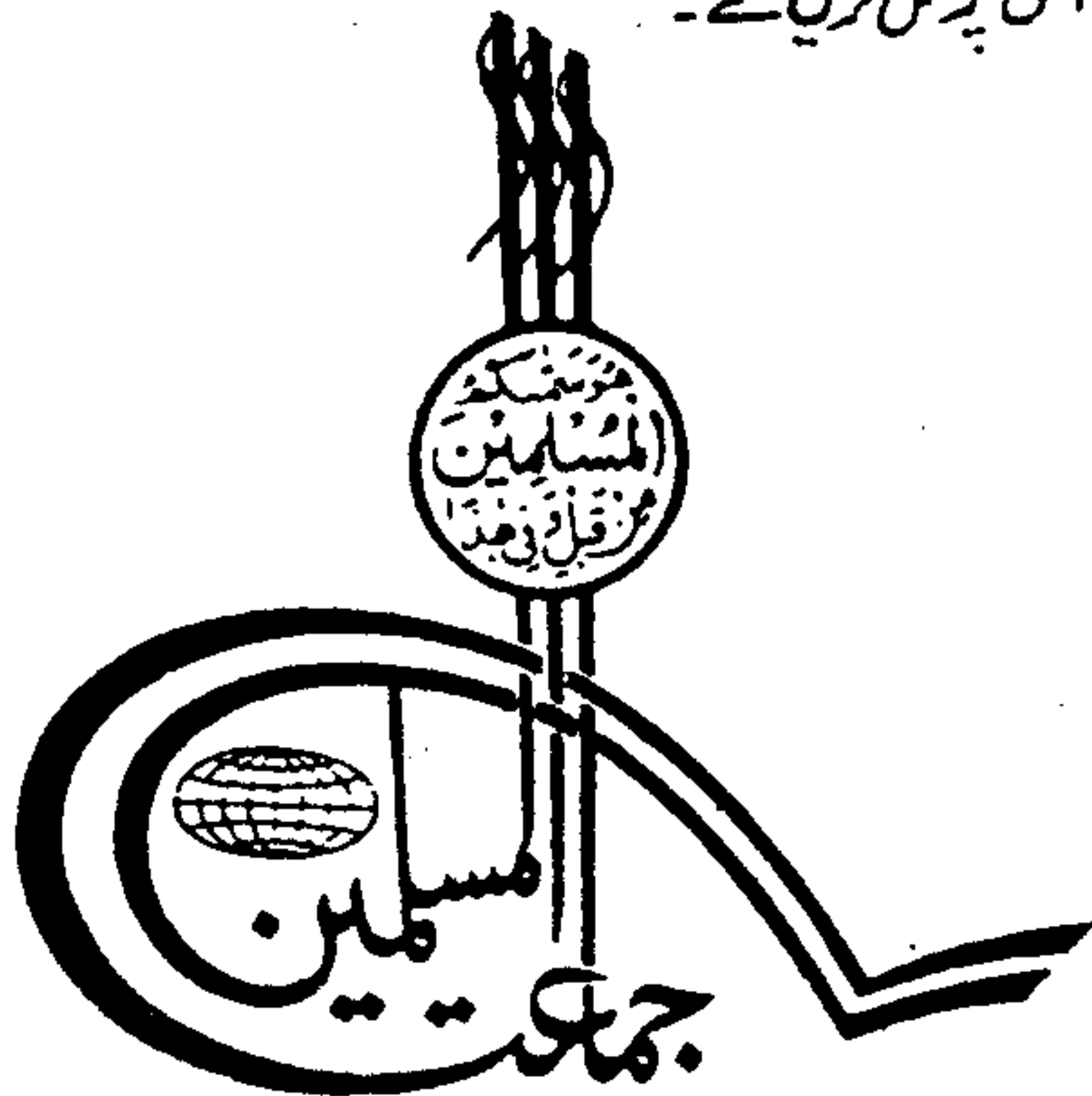
## خلاصہ

**پہلی حدیث** | حضرت سمرہؓ کی حدیث بالکل صحیح ہے۔ امام حسن بصری کو مدلس یعنی کذاب، دھوکے باز کنا سرا سر گستاخی اور فریب نفس ہے۔

**دوسری حدیث** | حضرت عبداللہ بن عمروؓ کی حدیث بھی بالکل صحیح ہے۔ ابتداء میں اس حدیث پر اعتراض کیا گیا تھا لیکن بعد میں تحقیق سے ثابت ہو گیا کہ شعیب نے اس حدیث کو حضرت عبداللہ بن عمروؓ سے براہ راست سنا ہے لہذا انقطاع کا شبہ رفع ہو گیا اور اس حدیث کی سند صحیح ہو گئی۔

**تیسری حدیث** | حضرت ابو ہریرہؓ کی حدیث بھی صحیح ہے یا کم از کم حسن ہے۔ اس حدیث سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دوسکتے کرنا اور آپ کے بعد ائمہ مساجد کا دوسکتوں پر مسلسل عمل کرنا ثابت ہو گیا۔

حضرت عبداللہ بن عمروؓ اور حضرت ابو ہریرہؓ کی احادیث سے ان دوسکتوں کا مقصد بھی معلوم ہو گیا محدثین کا یہی مذہب ہے جیسا کہ امام ترمذی نے لکھا ہے (ص ۳۲) اب سکتے نہ کرنے والوں کے پاس سکتے نہ کرنے کا کوئی عذر باقی نہیں رہا اور اب امید ہے کہ وہ اس پر عمل کریں گے۔





بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

## فرقہ بندی

فرقہ بندی شرک ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :-

وَلَا تَشْكُونُوا مِنَ الْمُشْرِكِينَ ۝ مِنَ الَّذِينَ فَرَّقُوا دِينَهُمْ وَكَانُوا شِيعًا ۚ كُلٌّ حِزْبٌ بِمَا لَدَيْهِمْ فِرْعُونٌ ۝  
 اور (اے ایمان والو!) مشرکوں میں سے نہ ہو جاؤ  
 یعنی ان لوگوں میں سے (نہ ہو جاؤ) جنہوں نے اپنے  
 دین کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اور فرقے فرقے بن گئے،  
 تمام فرقے جو (فرقہ دارانہ مذہب) اُن کے پاس ہے  
 (الرّوم - ۳۱ و ۳۲)  
 اسی میں ملن ہیں۔

مندرجہ بالا آیات میں ”مِنَ الْمُشْرِكِينَ“ ”مُبْدَلٌ مِنْهُ“ ہے اور ”مِنَ الَّذِينَ فَرَّقُوا دِينَهُمْ وَكَانُوا شِيعًا“ اُس کا ”بَدَلُ الْكَلِّ“ ہے یعنی ”مِنَ الْمُشْرِكِينَ“ سے کلیتاً وہی لوگ مراد ہیں جو لوگ ”مِنَ الَّذِينَ فَرَّقُوا دِينَهُمْ وَكَانُوا شِيعًا“ سے مراد ہیں یعنی ”مشرکین“ سے کلیتاً وہ لوگ مراد ہیں ”جنہوں نے دین کو ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا اور فرقے فرقے بن گئے“۔ ان آیات سے ثابت ہوا کہ فرقہ بندی شرک ہے اور فرقہ پرست شرک کے مرتکب ہیں۔

فرقہ پرست اتنا فصدی اور ہٹ دھرم ہوتا ہے کہ اگر اس کے سلسلے آیات یا احادیث پیش کی جائیں تو وہ ان کو نہیں مانتا بلکہ اپنے مذہب پر جمار ہوتا ہے۔ ظاہر ہے کہ اس کا یہ فعل کفر اور شرک کے دائرہ میں آتا ہے۔



بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

سلسلہ اشاعت ۱۹

شوال ۱۴۲۸ھ

## سجدوں میں رفع یدین ثابت نہیں

آج کل دو ایک صاحبان "سجدوں میں رفع یدین" کو ثابت کرنے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگا رہے ہیں۔ اس سلسلہ میں انہوں نے صرف ضعیف حدیثوں ہی سے کام نہیں لیا بلکہ جھوٹی حدیثوں کو بھی پیش کرنے سے احتراز نہیں کیا۔ اس مضمون میں ہم ان کی پیش کردہ روایتوں کا جائزہ لے رہے ہیں تاکہ حقائق سامنے آجائیں اور کم علم اشخاص دھوکا نہ کھائیں۔

### سجدوں میں رفع یدین کرنے کے دلائل

① عبد اللہ بن عباسؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر تکبیر کے وقت ہاتھ اٹھایا کرتے تھے (ابن ماجہ)

جواب | اس حدیث کی سند میں عمر بن یلیع دجال ہے (یعنی بہت بڑا جھوٹا ہے) یہ شخص ثقات سے موضوع (یعنی جھوٹی) احادیث روایت کرتا ہے (تہذیب التہذیب)  
خلاصہ | الغرض یہ حدیث موضوع، جھوٹی اور بناوٹی ہے۔

② طاؤس کہتے ہیں کہ عبد اللہ بن عباسؓ پہلے سجدہ کے بعد رفع یدین کرتے تھے اور میں نہیں جانتا مگر یہ کہ انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی ایسا ہی کرتے تھے (ابوداؤد ملخصاً)  
جواب | اس حدیث کی سند میں نصر بن کثیر ہے۔ نصر بن کثیر ثقات سے موضوع (یعنی جھوٹی) احادیث نقل کرتا ہے (تہذیب التہذیب) امام بخاری فرماتے ہیں: "عندہ مناکیر" اس کے پاس منکر روایتیں ہیں (الکامل ابن عدی جلد ۷، ص ۲۹۲، الضعفاء الکبیر للعقيلي جلد ۴ ص ۲۹۲)۔

خلاصہ | الغرض یہ حدیث بھی موضوع، جھوٹی اور بناوٹی ہے۔

③ میمون نے حضرت عبد اللہ بن الزبیرؓ کو دونوں ہاتھوں سے اشارہ کرتے ہوئے دیکھا جب وہ کھڑے ہوتے، جب رکوع کرتے، جب سجدہ کرتے اور جب کھڑے ہوتے۔ حضرت عبد اللہ بن عباسؓ نے ان کی نماز کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز بتایا (ابوداؤد ملخصاً)  
جواب | اس حدیث میں ایک راوی عبد اللہ بن لیثہ ضعیف ہیں (تہذیب التہذیب) اور ایک



راوی میمون مجہول ہیں (تہذیب التہذیب الکمال جلد ۳ ص ۷۵)  
اس حدیث میں میمون نے ایک عجیب بات بیان کی وہ یہ کہ عبداللہ ابن الزبیرؓ (رفع یدین کرنے کے بجائے) دونوں ہاتھوں سے اشارہ کرتے تھے دونوں ہاتھوں سے اشارہ کرنا بالکل لغو ہے۔

مزید برآں اس روایت میں یہ بھی ہے کہ جب کھڑے ہوتے (یعنی دوسری رکعت کے لئے) تو رفع یدین کرتے۔ یہ رفع یدین بالکل باطل ہے۔ دوسری کسی حدیث میں اس کا ذکر نہیں۔ قائلین رفع بتائیں کہ وہ اس رفع یدین پر عمل کیوں نہیں کرتے؟  
خلاصہ الغرض میمون کے مجہول ہونے، ابن لعیبہ کے ضعیف ہونے اور متن کے لغو ہونے کی وجہ سے یہ روایت باطل ہے اور لائق احتجاج نہیں۔

④ غیر کتبہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرض نماز میں ہر تکبیر کے ساتھ دونوں ہاتھ اٹھاتے تھے (ابن ماجہ)

جواب اس حدیث کی سند میں رفدہ بن قضاہ ضعیف بلکہ متردک ہے (تہذیب التہذیب) مزید برآں اس کے ایک راوی عبداللہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں حالانکہ انہوں نے اپنے والد سے نہیں سنا (تعلیقات السندی علی ابن ماجہ جلد اول ص ۲۸۳)

خلاصہ الغرض یہ حدیث ضعیف بھی ہے اور منقطع بھی۔ منقطع روایت کس طرح حجت ہو سکتی ہے جبکہ اس کے ایک راوی کا نام ہی نہیں معلوم معلوم نہیں وہ سچا ہے یا جھوٹا۔

⑤ (۱) حضرت وائل کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب سجدوں سے سر اٹھاتے تو دونوں ہاتھ اٹھایا کرتے تھے (ابوداؤد ملخصاً)

جواب اس حدیث کے کسی راوی نے سند میں بھی غلطی کی ہے اور متن میں بھی۔ طقمہ بن وائل کو وائل بن طقمہ کر دیا ہے اور متن میں "اذا رفع رأسه من السجود ايضا رفع يديه" کا اضافہ کر دیا ہے۔ امام ابوداؤد نے ان الفاظ پر شک کا اظہار کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں: ہام نے ان الفاظ کا ذکر نہیں کیا۔

ہام کی حدیث صحیح مسلم میں موجود ہے۔ اس میں یہ الفاظ کہ "جب سجدوں سے سر اٹھاتے تو رفع یدین کرتے؟ نہیں ہیں۔"

یہ اضافہ صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی ابن عمرؓ سے روایت کردہ حدیث کے بھی خلاف ہے جس

میں ہے کہ ”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سجدوں میں رفع یدین نہیں کرتے تھے۔“  
 قائلین رفع کہتے ہیں کہ علقمہ بن وائل کی جگہ وائل بن علقمہ کتابت کی غلطی ہے تو اس کا جواب  
 یہ ہے کہ کتابت کی غلطی ٹھیک کر دی جاتی ہے لیکن راوی کی غلطی ٹھیک نہیں کی جاتی۔ ابوداؤد کے  
 تمام مطبوعہ نسخوں میں یہ غلطی موجود ہے لہذا یہ راوی کی غلطی ہے، کتابت کی غلطی نہیں ہے۔

(۲) اس حدیث کی ایک اور سند دارقطنی میں ہے جس کے الفاظ یہ ہیں: ”يَرْفَعُ يَدَيْهِ  
 حِينَ يَفْتَحُ الصَّلَاةَ وَإِذَا رَكَعَ وَإِذَا سَجَدَ (دارقطنی)“

جواب | اس حدیث کی سند میں ایک راوی حصین ہیں جن کا حافظہ بگڑ گیا تھا۔

اس حدیث میں ”وَإِذَا سَرَفَ“ نہیں ہے بلکہ اس کی جگہ ”وَإِذَا سَجَدَ“ ہے۔  
 ”وَإِذَا سَجَدَ“ سے مراد ”وَإِذَا سَرَفَ“ ہی ہے کیونکہ دونوں کا محل ایک ہی ہے۔ لہذا اس میں  
 دعوے کی کوئی دلیل نہیں۔

(۳) اس حدیث کی ایک اور سند احمد میں ہے۔ الفاظ یہ ہیں: ”يَرْفَعُ يَدَيْهِ  
 مَعَ التَّكْبِيرِ“ یعنی تکبیر کے ساتھ دونوں ہاتھ اٹھایا کرتے تھے۔  
جواب | اس حدیث میں سجدوں کے رفع یدین کا کوئی ذکر نہیں۔ التکبیر معروفہ ہے اور اس سے  
 تکبیر تحریمہ مراد ہے۔

(۴) ابوداؤد طحاوی کی روایت میں یہ الفاظ ہیں: ”يَرْفَعُ يَدَيْهِ عِنْدَ التَّكْبِيرِ“  
 یعنی تکبیر (تحریمہ) کے وقت دونوں ہاتھ اٹھایا کرتے تھے۔  
جواب | اس حدیث میں بھی سجدوں میں رفع یدین کرنے کا کوئی ذکر نہیں۔

مندرجہ بالا دونوں حدیثوں میں ”التکبیر“ سے مراد تکبیر تحریمہ ہے۔ اس کی تائید اس  
 حدیث سے بھی ہوتی ہے جو قائلین رفع نے خود نقل کی ہے اور وہ یہ ہے:-

(۵) فَلَمَّا كَبَّرَ رَفَعَ يَدَيْهِ مَعَ التَّكْبِيرِ وَإِذَا رَكَعَ وَإِذَا سَجَدَ (بیہقی ۲/۱۶۱)  
 یعنی جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تکبیر کہتے تو تکبیر کے ساتھ رفع یدین کرتے اور جب رکوع کرتے  
 اور جب سجدہ کرتے (تو بھی رفع یدین کرتے)۔

جواب | اس حدیث نے ثابت کر دیا کہ ”التکبیر“ سے مراد صرف تکبیر تحریمہ ہے۔ ہر تکبیر مراد نہیں۔  
 اس حدیث میں ”وَإِذَا سَجَدَ“ بھی ہے۔ یعنی رفع یدین کرتے جب سجدہ کرتے لیکن  
 اس حدیث میں ”وَإِذَا سَرَفَ“ یعنی جب رکوع سے سر اٹھاتے (تو بھی رفع یدین کرتے) نہیں



ہے۔ ”رکوع سے سر اٹھانا“ اور ”سجدہ کرنا“ دونوں کا محل ایک ہی ہے لہذا ”اِذَا سَجَدَ“ سے مراد رکوع سے سر اٹھانا ہی ہے۔

راوی کہتا ہے: ”وَإِذَا رَفَعَ أَوْ قَالَ سَجَدَ“ یعنی ”جب رکوع سے سر اٹھلتے یا جب سجدہ کرتے“ تو رفع یرین کرتے۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ”اِذَا رَفَعَ“ اور ”اِذَا سَجَدَ“ ہم معنی ہیں۔

بصورت دیگر ”اِذَا سَجَدَ“ کے الفاظ مشکوک ہیں لیکن قائلین رفع نے ان الفاظ کو حرم و یقین کے ساتھ نقل کیا ہے۔ یہ دیانت داری کے منافی ہے۔

(۶) اس حدیث کی ایک اور سند میں مندرجہ ذیل الفاظ ہیں :-

ورفع ید یدہ حین کبّر وحین سارّع وحین رفع رأسہ من الركوع  
وقال حین سجد ھکذا وجافی ید یدہ عن البطیہ (صحیح ابن خزیمہ)  
جواب قائلین رفع نے ”وقال حین سجد ھکذا“ سے استدلال کیا ہے یعنی ”اور کہا جب سجدہ کیا تو اسی طرح کیا۔“ یہ اس کے صحیح معنی نہیں ہیں۔ صحیح معنی یہ ہیں کہ ”اور جب سجدہ کیا تو اس طرح جھکے۔“ حدیث کے لگے الفاظ ”وجافی ید یدہ عن البطیہ“ (یعنی دونوں ہاتھوں کو بغلوں سے دور کیا) یہ کیفیت سجدوں میں ہوتی ہے نہ کہ قومہ میں۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ابھی سجدہ کیا نہ ہوا اور دونوں ہاتھوں کو بغلوں سے دور کر لیا جائے۔ اس کیفیت کے لئے پہلے سجدہ کے لئے جھکنا ضروری ہے۔

قائلین رفع کے ترجمہ کے لئے الفاظ یہ ہونے چاہیے تھے :- ”وقال فعل ھکذا حین سجد“ یعنی اور کہا کہ آپ نے اسی طرح کیا جب سجدہ کیا۔ کیونکہ یہ الفاظ نہیں ہیں لہذا قائلین رفع کا ترجمہ صحیح نہیں ہے۔

قائلین رفع نے ”قَالَ“ کے معنی کئے ہیں، ”کہا“ اور ہم نے ”قَالَ“ کے معنی کئے ہیں ”جھکا“۔

قائلین رفع نے ہم سے مطالبہ کیا ہے کہ ہم ”قَالَ“ کے معنی ”جھکا“ لغت سے ثابت کریں۔ لیجئے ہم ثابت کرتے ہیں۔ المنجد میں ہے :-

(قال يقول قولاً وقالاً وقيلاً وقولهً ومقالاً ومقالَةً) تلفظ، تكلم،  
— بكذا: حكم واعتقد به — بیده: اُھوی برہا واخذ — برأسه:

اشار — برجلہ : مشی — عنہ : روی — علیہ : افتری — الحائط : سقط  
 له : خاطبہ — فیہ وعنه : اجتهد — بثوبہ : رفعہ — به : احبہ،  
 واختصہ لنفسه — القوم بفلان : قتلوا۔ ویأتی بمعنی مات وغلب  
 و مال واقبل واستراح ..... (المنجد ص ۷۳)

قارئین کرام خط کشیدہ لفظ "مال" پر غور فرمائیں۔ قال کے معنی ہیں: "مال" اور مال  
 کے معنی ہیں: "بھکا"

ازالہ الزام قائلین رفع نے ہمیں الزام دیا ہے کہ ہم نے اس حدیث میں "سجد" کی جگہ "یسجد"  
 کر دیا۔ یہ کام ہم نے نہیں کیا بلکہ قائلین رفع میں سے ایک صاحب نے یہ الفاظ خود نقل کئے  
 یعنی "وقال حين يسجد" ان کی تحریر کا عکس مضمون کے آخر میں ملاحظہ فرمائیں۔ قائلین رفع میں  
 سے دوسرے صاحب نے اس غلطی کو ہماری طرف منسوب کر دیا۔ ہماری غلطی تو بس اتنی ہے کہ ہم  
 نے "سجد" کی جگہ "یسجد" لکھنے والے پر تحریف کا الزام نہیں لگایا اور بغیر نیت معلوم کئے، ہم  
 تحریف کا الزام لگانے کو اچھا نہیں سمجھتے بلکہ جائز نہیں سمجھتے۔ جن لوگوں نے ہم پر تحریف کا الزام  
 لگایا کیا وہ دلوں کا حال جانتے ہیں کہ جزم و یقین کے ساتھ تحریف کا الزام لگا دیتے ہیں۔

کلیب کی روایت | ہم نے کہا تھا کہ کلیب کی روایت میں "رفع یدین فی السجود" نہیں ہے۔  
 قائلین رفع نے مندرجہ بالا حدیث بلا کو پیش کر کے اس بات کا دعویٰ کیا ہے کہ کلیب کی روایت  
 میں بھی "رفع یدین فی السجود" موجود ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ کلیب کی اس روایت  
 میں "قال" کا ترجمہ غلط کیا گیا ہے۔ لہذا اس روایت میں بھی رفع یدین فی السجود کا کوئی وجود نہیں۔

(۷) قائلین رفع نے لکھا ہے کہ وائل کی روایت (عقلمہ اور کلیب کے علاوہ) عبد الرحمن سے

بھی ثابت ہے۔

جواب | قائلین رفع نے حدیث کے الفاظ نقل نہیں کئے۔ ہم ان الفاظ کو نقل کر رہے ہیں :-

ابوداؤد طیالسی میں "رفع عند التكبير" ہے نہ کہ "رفع فی السجود"۔ یہی میں

اذا سرفع او قال اذا سجد" وہم کے ساتھ ہے، داری میں "یرفع یدیه عند  
 التكبير" ہے نہ کہ "یرفع یدیه عند السجود"۔

غرض یہ کہ کوئی روایت مقصود پر دلالت نہیں کرتی بلکہ متن میں اضطراب پایا جاتا ہے۔

خلاصہ | حضرت وائل کی روایتوں کا خلاصہ یہ ہے :-



حدیث ۱ و ۵ و ۶ متناقض و ش ہیں۔ مزید برآں ان میں سجدوں میں چار مرتبہ  
رفع یدین کرنے کا ذکر نہیں ہے۔ لہذا دلیل کے لحاظ سے بھی یہ ناقص ہیں۔  
حدیث ۲ ضعیف ہے۔

حدیث ۲ و ۳ و ۴ سنڈا ایک ہیں، علیحدہ لکھنے سے صرف تعداد بڑھ گئی ہے۔  
حدیث ۲ و ۳ و ۴ میں "رفع یدین فی السجود" کا کوئی ذکر نہیں ہے۔  
الغرض حضرت داؤدؑ کی کوئی روایت صحیح نہیں، کوئی متن ضعیف ہے اور کوئی سنڈا ضعیف  
ہے اور کسی میں "رفع فی السجود" کا کوئی ذکر ہی نہیں ہے۔

حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں ہر تکبیر کے ساتھ دونوں ہاتھ اٹھاتے تھے (مسند احمد)

**جواب** | اس حدیث میں مقصود کی وضاحت نہیں۔ تکبیر سے مراد تکبیر تحریمہ ہے جیسا کہ پہلے ۲، ۳ اور ۵ میں ۵۳ و ۵۴ پر لکھا گیا ہے۔

④ حضرت مالک بن حویرثؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی نماز میں ہاتھ اٹھاتے تھے، جب رکوع کرتے، جب رکوع سے سر اٹھاتے۔ جب سجدہ کرتے اور جب سجدوں سے سر اٹھاتے (نسائی۔ ملخصاً)۔

**جواب |** اس حدیث کی سند میں قنادہ ہیں۔

امام شعبہ کہتے ہیں: اگر قتادہ نے سنا ہوتا تو "حد ثنا" کہتے تھے اور اگر سنا نہیں ہوتا تھا تو قال "کہتے تھے۔ کیونکہ اس حدیث میں قتادہ نے "حد ثنا" نہیں کہا لہذا یہ روایت منقطع ہے۔ واضح ہو کہ جس حدیث میں قتادہ نے کہا ہے کہ "میں نے سنا" اس حدیث میں "رفع ین فی السجود" کا وجود نہیں ہے اور ذہبی حدیث صحیح ہے۔

قائلین رفع نے اس حدیث کو بارہ مرتبہ نقل کیا ہے۔

حالانکہ تین تو مقصود پر دلالت نہیں کرتیں اور باقی نو میں سے ہر ایک میں قتادہ ہیں اس حدیث کو بارہ مرتبہ نقل کرنے کا مقصد تعداد بڑھا کر کم علموں پر کثرتِ تعداد کا رعب ڈالنا تو ہو سکتا ہے اور اگر یہ نہیں تو آخر اس کا کیا مقصد ہے؟ ایک کو بارہ دکھانا دیا انتداری نہیں ہے۔

⑧ (۱) حضرت عبداللہ بن عمرؓ جب پہلے سجدہ سے سر اٹھاتے تو دونوں ہاتھ اٹھاتے (مصنف)

ابن ابی شیبہ)

(۲) ابن عمرؓ جب سجدوں سے سر اٹھاتے اور جب کھڑے ہونے کا ارادہ کرتے تو دونوں ہاتھ اٹھاتے (جزء رفع الیدین ص ۷)  
**جواب** | یہ دونوں روایتیں موقوف ہیں اور صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی احادیث کے خلاف ہونے کی وجہ سے معلول ہیں۔

مزید برآں دوسری حدیث میں "علاء" ناوی ہے جس کے متعلق خلیل فرماتے ہیں: "مدنی مختلف فیہ لانہ ینفرد باحادیث لایتابع علیہا (تہذیب التہذیب ۱۸۶) یعنی "علاء" مدنی ہے۔ اس کے معاملہ میں اختلاف کیا گیا ہے۔ اس لئے کہ یہ ایسی احادیث کے ساتھ منفرد ہوتا ہے کہ اس کا کوئی متابع نہیں ہوتا۔"

اس حدیث کے ان الفاظ کہ "ابن عمرؓ جب کھڑے ہوتے تو دونوں ہاتھ اٹھاتے" علاء کا کوئی متابع نہیں لہذا یہ روایت ناقابل اعتبار ہے یا اس حدیث میں تیسری رکعت کا رفع یدین مراد ہے۔

(۳) ابن عمرؓ جب کسی شخص کو دیکھتے کہ جھکتے اور اٹھتے وقت رفع یدین نہ کرتا تو اسے کنکریاں مارتے تھے (مسند حمیدی ملخصاً)

**جواب** | جھکنے اور اٹھنے سے رکوع میں جانا اور رکوع سے اٹھنا مراد ہے جیسا کہ مندرجہ ذیل حدیث میں موجود ہے: "عن ابن عمر کان اذا رای رجلاً لا یرفع یدیه اذا رکع واذا رفع رماہ بالحصی یعنی ابن عمر جب کسی شخص کو دیکھتے کہ رکوع میں جاتے وقت اور رکوع سے اٹھ کر رفع یدین نہیں کرتا تو اسے کنکری مارتے تھے" (جزء رفع الیدین ص ۷)

(۴) ابن عمرؓ کہتے ہیں: "جب تم میں سے کوئی سجدہ کرے تو دونوں ہاتھ اٹھائے اس لئے کہ جس طرح چہرہ سجدہ کرتا ہے ہاتھ بھی سجدہ کرتے ہیں (مصنف عبدالرزاق)

اس حدیث کو بالکل بے محل پیش کیا گیا ہے۔ یہ فعل دیانت داری کے منافی ہے۔ اس حدیث میں "فلیرفع یدیه" سے مراد کانوں تک اٹھانا نہیں ہے بلکہ زمین سے اٹھانا مراد ہے۔ اس کی وضاحت وہ حدیث کرتی ہے جو اسی کتاب میں اسی صفحہ پر صحیح سند سے موجود ہے اور وہ یہ ہے: "اذا سجدَ اَحدُکُمُ فلیضع یدیه مع وجہہ فان الیدین تسجدان کہا یسجد الوجه و اذا ارفع رأسہ فلیرفعہا معہ یعنی جب تم میں سے کوئی سجدہ کرے تو اپنے چہرے کے ساتھ دونوں ہاتھوں کو بھی (زمین پر) رکھے اس لئے کہ دونوں ہاتھ اسی طرح



سجدہ کرتے ہیں جس طرح چہرہ سجدہ کرتا ہے اور جب (سجدہ سے) سر اٹھائے تو ان دونوں کو بھی (زمین سے) اٹھائے (مصنف عبدالرزاق جزء ۲ ص ۱۷۲)

الغرض ہاتھوں کو اٹھانے سے مراد دونوں ہاتھوں کا زمین سے اٹھانا ہے۔  
خلاصہ حضرت ابن عمرؓ کی دو احادیث تو صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی احادیث کے خلاف ہونے کی وجہ سے ناقابل التفات اور ناقابل اعتبار ہیں اور دو احادیث مقصود پر دلالت نہیں کرتیں۔  
 ⑨ (۱) حضرت ابو ہریرہؓ ہر جگہ اٹھتے وقت رفع یدین کرتے تھے (دارقطنی ملخصاً)

جواب ہم نے لکھا تھا کہ یہ روایت دارقطنی میں نہیں ملتی۔ قائلین رفع کا فرض تھا کہ وہ ہمیں بتاتے کہ یہ روایت دارقطنی میں فلاں جگہ ہے۔ انہوں نے ایسا نہیں کیا۔

اعتراض قائلین رفع کہتے ہیں کہ ہم نے اس روایت کی سند میں محمد بن عمرو کو محمد بن عمر کر دیا نہیں ہرگز نہیں، ہم نے نہیں کیا۔ قائلین رفع میں سے ایک صاحب نے خود محمد بن عمر لکھا ہے۔ ان کی تحریر کا عکس اس مضمون کے آخر میں ملاحظہ فرمائیں۔

(۲) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز شروع کرتے تو رفع یدین کرتے اور جب رکوع کرتے اور سجدہ کرتے تب بھی ایسا ہی کرتے (ابن خزیمہ وابن ابی حاتم ملخصاً)  
جواب سجدہ کرنے سے مراد رکوع سے سر اٹھانا ہی ہے۔ دونوں کا محل ایک ہی ہے۔

(۳) حضرت ابو ہریرہؓ کی تیسری حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رفع یدین کرتے جب نماز شروع کرتے، جب رکوع کرتے اور جب سجدہ کرتے (ابن ماجہ)

جواب اس حدیث کی سند میں اسماعیل بن عیاش ہیں جو مجازیوں سے روایت کرنے میں ضعیف ہیں۔ انہوں نے اسے صلح بن کیسان سے روایت کیا ہے جو مجازی ہیں لہذا یہ روایت ضعیف ہے۔  
خلاصہ پہلی حدیث ملتی نہیں۔ دوسری اور تیسری میں اذا سجد سے مراد اذا رفع ہی ہے۔ لہذا حضرت ابو ہریرہؓ سے رفع یدین فی السجود ثابت نہیں۔

⑩ (۱) حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رکوع میں اور سجود میں رفع یدین کرتے تھے (ابن ابی شیبہ جلد اول ص ۲۳۵)

جواب اس حدیث کی سند میں حمید ہیں۔ ان کی دوسری روایت میں تصریح ہے کہ جب رکوع سے سر اٹھاتے تو رفع یدین کرتے، اس روایت میں سجود کا ذکر نہیں ہے۔

(۲) قائلین رفع نے اس حدیث کو تین مرتبہ نقل کیا ہے، حالانکہ حدیث ایک ہی ہے۔

تین مرتبہ نقل کرنے سے تعداد کو بڑھانا مقصود ہو سکتا ہے تاکہ کثرت تعداد سے کم علم حضرات مرعوب ہو جائیں۔

یہی کہتے ہیں: ”میں نے انسؓ کو دیکھا کہ دونوں سجدوں کے درمیان رفع یدین کرتے تھے“  
امام بخاری اس روایت کو نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں: حدیث النبی صلی اللہ علیہ وسلم اولیٰ (جزء رفع الیدین) یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث پر عمل ہے یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث پر عمل کرنا اولیٰ ہے۔ اس کے بعد امام بخاری سالم بن عبد اللہ کا قول نقل کرتے ہیں: ”سنة رسول الله صلى الله عليه وسلم احق ان يتبع“ یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہی حقدار ہے کہ اس کا اتباع کیا جائے۔ امام بخاری کا منشاء یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے تو سجدوں کے درمیان رفع یدین ثابت نہیں تو صحابی کے فعل پر عمل کیسے ہو سکتا ہے یعنی امام بخاری کے نزدیک سجدوں کے رفع یدین کے سلسلہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی حدیث ثابت نہیں لیکن ہمارے زمانہ کے قائلین رفع امام بخاری کا فیصلہ تسلیم نہیں کرتے اور کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سجدوں میں رفع یدین ثابت ہے۔  
فيا للعجب! اب ہم کس کی مانیں۔ امام بخاری کی یا قائلین رفع کی۔ مزید برآں یہی معلوم نہیں کون ہے۔ حضری یا ہنائی۔ ہنائی پہچانے نہیں جاتے۔ ہو سکتا ہے سجدتین سے مراد رکعتیں ہی ہو جیسا کہ دوسری روایتوں میں ہے۔

(۳) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر تکبیر کے ساتھ رفع یدین کرتے تھے (طبرانی اوسط)۔  
**جواب** | اس حدیث کی سند میں عبید اللہ عزری بہت ضعیف ہے۔ یہ شخص متروک الحدیث ہے اور کثرت سے منکر روایتیں بیان کرتا ہے (تہذیب التہذیب) الغرض یہ روایت باطل ہے۔  
**خلاصہ** | حضرت انسؓ کی پہلی حدیث مشکوک اور دوسری جھوٹی ہے۔

**نتیجہ** | اس تمام بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ رفع یدین فی السجود کے سلسلہ میں جو خدیش پیش کی جاتی ہیں وہ یا تو بے عمل ہیں یا جھوٹی، تو مشکوک، معلول یا منقطع ہیں۔ سجدوں میں رفع یدین کسی صحیح، مرکب اور رفوع حدیث سے ثابت نہیں۔  
**حیرت انگیز** | قائلین رفع کی تحریر سے معلوم ہوتا ہے کہ سجدوں میں جھکتے اور اٹھتے وقت چار مرتبہ رفع یدین کرنا ہے۔

۱۔ جب پہلا سجدہ کرے۔

۲۔ جب پہلے سجدے سے سر اٹھائے۔



۳۔ جب دوسرا سجدہ کرے۔

۴۔ اور جب دوسرے سجدے سے سر اٹھائے۔

اگرچہ رفع یدین فی السجود کی کوئی حدیث صحیح نہیں پھر بھی یہ بات حیرت انگیز ہے کہ یہ چاروں رفع یدین کسی ایک حدیث میں اکٹھے بیان نہیں کئے گئے کسی میں کوئی رفع یدین ہے اور کسی میں کوئی۔ کوئی مجمل روایت ہے اور کوئی مضطرب۔ آخر جس طرح سے شروع نماز، رکوع سے پہلے اور رکوع سے سر اٹھانے کے بعد رفع یدین مسلسل ملتا ہے اس طرح یہ چار رفع یدین کیوں نہیں ملتے۔ صحابہ کی حدیثیں جو صرف رفع یدین کے بیان میں صحیحین میں ہیں ان میں صرف تین مرتبہ کے رفع یدین کا ذکر ہے ان چار مرتبہ کے رفع یدین کا کوئی ذکر نہیں۔ رفع یدین کی حدیث ہواحد پھر رفع یدین کا بیان ناقص رہ جائے حیرت انگیز ہے۔ مزید حیرت کی بات یہ ہے کہ جن صحابیوں نے تیسری رکعت کی ابتداء کا جو تھا رفع یدین بیان کیا ہے وہ بھی درمیان میں یہ چار رفع یدین چھوڑ گئے۔ آخر ایسا کیوں؟

## سجدوں میں رفع یدین نہ کرنے کے دلائل

- ① عبد اللہ بن عمرؓ کہتے ہیں: "ولا يفعل ذلك حين يسجد ولا حين يرفع رأسه من السجود یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب سجدہ کرتے اور جب سجدہ سے سر اٹھاتے تو رفع یدین نہیں کرتے تھے۔" (صحیح بخاری)
- یہ حدیث صحیح و مترشح اور بہترین سند سے روایت کی گئی ہے۔ یہ ایک ایسی روایت ہے جس نے رفع یدین فی السجود کی تمام روایتوں کو تار عنکبوت بنا کر رکھ دیا۔
- ② حضرت علیؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تکبیر تحریمہ کے وقت، رکوع سے پہلے اور رکوع کے بعد رفع یدین کرتے تھے (ولا يرفع يديه في خي من صلاته وهو قاعد) اور اپنی نماز کے کسی اور رکن میں رفع یدین نہیں کرتے تھے اور آپ بیٹھے ہوتے تھے (ابوداؤد، نسائی، ترمذی ملخصاً) اس حدیث کو امام ترمذی اور امام احمد نے صحیح کہا ہے (نصب الراية ۴/۴۱۲) امام ابن حبان نے بھی اسے صحیح کہا ہے (فتح الباری)۔

اس حدیث کے ایک راوی عبد الرحمن کے متعلق علامہ احمد شاکر لکھتے ہیں: "والحق انه ثقة ولا حجة لمن ضعفه (التعليقات) حق یہ ہے کہ وہ ثقہ ہیں جس نے ان کو ضعیف کہا

اس کے پاس کوئی دلیل نہیں۔ امام مالک، امام احمد، امام یحییٰ بن معین، امام ترمذی، امام عیسیٰ نے ان کو معتبر مانا ہے (التعلیقات احمد شاہ مخلص)

③ حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کا طریقہ بتاتے ہوئے تکبیر تحریمہ کے وقت رفع یدین کیا، رکوع کے وقت رفع یدین کیا اور سمیع اللہ لمن حمدہ کہہ کر رفع یدین کیا۔ پھر انہوں نے کہا: اسی طرح کیا کرو۔ (پھر کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) دونوں سجدوں کے درمیان رفع یدین نہیں کرتے تھے (رداء الدار قطنی والبیہقی واسنی مخلصاً) حافظ ابن حجر کہتے ہیں: اس کے راوی ثقہ ہیں۔ مولوی انور شاہ حنفی نے عرف الشذی ۱۲۵ میں اس کی صحت کو تسلیم کیا ہے (التحقیق الراخ ص ۴۲)

## خوش فہمی

قائلین رفع کا کہنا ہے کہ بے شک صحیحین میں عبد اللہ بن عمرؓ کی روایتوں میں سجدوں میں رفع یدین کرنے کی نفی ہے لیکن یہ ان کا پہلا عمل ہے بعد میں وہ رفع یدین کرنے لگے تھے۔ ہم اس سلسلہ میں پوچھنا چاہتے ہیں کہ کس صحابی کے کہنے سے انہوں نے اپنی اصلاح کی۔ اصلاح کا واقعہ اور اس صحابی کی بیان کردہ حدیث کہاں ہے؟ جس حدیث کی بنیاد پر حضرت ابن عمرؓ نے رفع یدین کیا اس حدیث کو انہوں نے کیوں روایت نہیں کیا۔

مزید برآں ابن عمرؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری وقت تک ساتھ رہے۔ پانچ نمازیں آپ کے ساتھ پڑھتے تھے۔ سنت کے شیدائی تھے اور سنت کے متلاشی رہتے تھے لیکن ان سب باتوں کے باوجود انہیں رفع یدین فی السجود کی سنت معلوم نہ ہو سکی اور کسی دوسرے صحابی نے انہیں بتائی۔ یہ بات بڑی حیرت انگیز ہے۔

قائلین رفع اور علامہ البانی صاحب بھی اکثر اسماء الرجال کو دیکھ کر کسی حدیث کو **انتباہ** میچ کہہ دیتے ہیں۔ وہ یہ نہیں دیکھتے کہ متن میں کوئی خرابی مثلاً نکات، اضطراب، علت تو نہیں ہے لہذا جب تک خود تحقیق نہ کی جائے نہ قائلین رفع کی تصحیح کا اعتبار ہے اور نہ البانی صاحب کی تصحیح کا۔ قائلین رفع یدین نے حد ہی کر دی کہ موضوع اور جھوٹی روایتوں کو یہ کہہ کر کہ اس مفہوم کی دوسری حدیث صحیح ہے، حسن بنادیا اور اس طرح شواہد کی تعداد بڑھادی تاکہ قارئین کرام کو اطمینان ہو جائے۔ اس طرح تو ہر شخص کر سکتا



ہے کہ کسی صحیح حدیث کے خود ساختہ مفہوم کے مطابق سینکڑوں حدیثیں بنادے اور کہے کہ دیکھو اس مفہوم کے کچھ شواہد ہیں تو کیا قائلین رفع ان شواہد کو مان لیں گے۔ واضح ہو کہ موضوع حدیث شواہد کا کام نہیں دیتیں۔ البانی صاحب بھی اسی کے قائل ہیں۔

**انتباہ ۲** ہم نے اس پمفلٹ میں حصین کے متعلق لکھا ہے کہ ان کا حافظہ بگڑ گیا تھا۔ قائلین رفع کہتے ہیں کہ یہ تو صحیح بخاری کے راوی ہیں لہذا ان کی بیان کردہ حدیثیں کیسے ضعیف ہو سکتی ہیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ امام بخاری حصین سے ان کے حافظہ بگڑنے کے بعد کوئی حدیث روایت نہیں کرتے۔ لہذا قائلین رفع یہ کہہ کر دھوکہ نہ دیں کہ یہ تو صحیح بخاری کے راوی ہیں۔

**انتباہ ۳** قائلین رفع کا کہنا ہے کہ صحیح بخاری کے یہ الفاظ ولا یفعل ذلک حین یسجد ولا حین یرفع رأسہ من السجود (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سجدہ کرتے وقت رفع یدین نہیں کرتے تھے اور نہ اس وقت رفع یدین کرتے تھے جب سجدوں سے مراٹھلتے تھے) حضرت ابن عمر کے نہیں ہیں بلکہ امام زہری کے ہیں۔ **جواب** اس بات کا کوئی ثبوت نہیں کہ یہ الفاظ امام زہری کے ہیں بلکہ اس بات کا صریح و صحیح حدیث سے ثبوت موجود ہے کہ یہ الفاظ حضرت ابن عمرؓ ہی کے ہیں۔ حدیث یہ ہے: "عن الزہری عن سالم عن ابيه قال رايت النبي صلى الله عليه وسلم لا يرفع يديه بين السجدين" (مصنف ابن ابی شیبہ ۲/۴۷۱)۔ عبد اللہ بن عمرؓ کہتے ہیں میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ سجدوں کے درمیان رفع یدین نہیں کرتے تھے۔ کیا اب بھی یہ کہا جاسکتا ہے کہ یہ الفاظ امام زہری کے ہیں؟ کیا امام زہریؒ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا تھا؟

(اقتباس بحوالہ صفحہ ۸)

انما ہوا عن ابی بکر بن عبد بن ابی نافع بن جریر بن شعبة عن عامر بن کلیب عن ابيه عن واثق بن حوزم عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رفع یدین رکع وحین رکع وحین رفع رأسہ من السجود وقال حین یسجد

(اقتباس بحوالہ صفحہ ۱۳)

روى الزهري عن ابن ابي عمير عن ابن عمر عن ابن مسعود عن النبي صلى الله عليه وسلم لا يرفع يديه بين السجدين ولا يرفع يديه من السجود ولا يرفع يديه من السجود ولا يرفع يديه من السجود

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

# ادارۂ مطبوعات اسلامیہ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

**جماعت المسلمین کی دعوت**

ہمارا حاکم	صرف ایک	یعنی : اللہ تبارک و تعالیٰ .. اللہ کے سوا کوئی نہیں
ہمارا امام	صرف ایک	یعنی : محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم .. فرقہ وارانہ امام نہیں
ہمارا دین	صرف ایک	یعنی : اللہ کا پسند کردہ دین اسلام .. فرقہ وارانہ مذہب نہیں
ہمارا نام	صرف ایک	یعنی : اللہ کا رکھا ہوا نام : مسلم .. فرقہ وارانہ نام نہیں
بنیائیت	صرف ایک	یعنی : اللہ تعالیٰ سے تعلق .. دنیوی تعلقات نہیں
وجہ افتخار	صرف ایک	یعنی : ایمان باللہ العظیم .. وطن اور زبان نہیں

اگر آپ اس دعوت سے متفق ہیں تو ہمارے ساتھ تعاون فرمائیں۔  
بمغلت مفت طلب فرمائیں۔

**جماعت المسلمین**

مسجد المسلمین، کوثر نیپ، نزدیکی کھنٹی،  
پتہ: ناسیم آباد، ملک ٹی کراچی۔

جماعت المسلمین (رجسٹرڈ)



بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

# ادارۂ مطبوعات اسلامیہ

## تمہید و تعارف

تبلیغ اسلام کے کام کو تیز تر کرنے کے سلسلہ میں جماعت المسلمین نے ایک منصوبہ تشکیل دیا ہے۔ یہ منصوبہ ایک کاروباری منصوبہ ہے جس پر انشاء اللہ العزیز جماعت المسلمین اپنے ارکان کی شرکت و تعاون سے مستقبل قریب میں عمل کرنے کا ارادہ رکھتی ہے۔ اس منصوبہ میں جماعت کے بھی حصص ہوں گے اور ان ارکان جماعت کے بھی حصص ہوں گے جو اس منصوبہ میں شرکت کرنا چاہیں گے۔ سال کے آخر میں جو منافع ہو گا وہ جماعت اور شرکاء میں ان کے حصص کے تناسب سے تقسیم کر دیا جائے گا۔ جماعت کے منافع سے تبلیغ کے کام کو فروغ دیا جائے گا۔

اس منصوبہ کا مسودہ تیار کیا جا چکا ہے اور اب بذریعہ ہذا جماعت کے ارکان کی اطلاع کے لئے شائع کیا جا رہا ہے۔ ارکان جماعت اگر اس سلسلہ میں کوئی مشورہ دینا چاہیں تو اس منصوبہ کی تاریخ اشاعت سے ایک مہینہ کے اندر دے سکتے ہیں۔ اگر وصول شدہ مشوروں کی روشنی میں منصوبہ میں کوئی ترمیم ہوئی تو ترمیم شدہ منصوبہ پھر شائع کر دیا جائے گا اور اس کے فوراً بعد خازن کا تقرر ہو گا اور حصص کی رقمیں جمع کرنے کا اعلان کر دیا جائے گا۔

ارکان جماعت کو ہدایت کی جاتی ہے کہ وہ اس مسودے کو غور سے پڑھیں

اور اگر وہ مشورہ دینا چاہیں تو بہت جلد اپنے مشورہ ارسال کر دیں۔ فقط

مسعود احمد

امیر جماعت المسلمین

۲۰ صفر ۱۴۰۸ھ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

## ادارۂ مطبوعات اسلامیہ

سلسلہ اشاعت ۱۱۲

### ادارے کی تنظیم :-

- ① اس ادارے کا نام ”ادارۂ مطبوعات اسلامیہ“ ہوگا۔ یہ ادارہ پرائیویٹ لمیٹڈ کمپنی کی حیثیت سے کام کرے گا۔
- ② ادارے کو مناسب وقت پر رجسٹرڈ کرایا جائے گا۔
- ③ اس ادارے کے رہنما امیر جماعت المسلمین ہوں گے۔ اشاعت کے کُلی اختیارات ان کے پاس ہوں گے۔ ان کی اجازت کے بغیر کوئی بھی دینی کتاب یا چیز اس ادارے کے نام سے نہیں چھپے گی تنظیمی معاملات منتظمین ادارہ کے آپس کے مشورہ سے طے کئے جائیں گے۔ اختلاف کی صورت میں امیر جماعت سے رجوع کیا جائے گا اور ان کے فیصلہ پر لازماً عمل کیا جائے گا۔
- ④ ادارے کی مالیت کم سے کم دس لاکھ روپے ہوگی۔ اشیاء کی قیمت یا ریلٹی کو اس دس لاکھ روپے میں شمار نہیں کیا جائے گا۔
- ⑤ اس ادارے کے کم از کم ۵۱ فیصد شیراز جماعت المسلمین کو لازماً خریدنے ہوں گے اور زیادہ سے زیادہ ۴۹ فیصد شیراز جماعت کے ارکان خریدیں گے۔



- ⑥ جس تاریخ کو مندرجہ بالا رقم مکمل ہو جائے گی اُس ہی تاریخ سے اس ادارے کا وجود مکمل ہوگا۔ غیر مکمل حالات میں ادارہ کام تو کرتا رہے گا لیکن شرکار کو منافع نہیں دے گا۔ منافع ادارہ کی مالیت میں جمع ہوتا رہے گا، جب تک ادارہ کی مالیت دس لاکھ روپے نہ ہو جائے۔ ہر شریک کا منافع اس کے شیر میں شامل ہوتا رہے گا۔ جب ادارہ کی مالیت دس لاکھ روپے ہو جائے گی تو شرکار میں منافع تقسیم کرنا شروع کر دیا جائیگا۔
- ⑦ ہر شیر کی قیمت سو روپیہ ہوگی۔ شیر قابل فروخت ہوگا مگر ادارہ اس کو خریدنے کا ذمہ دار نہیں ہوگا۔ شیر کی خرید و فروخت اس پر چھپی ہوئی رقم سے کم یا زیادہ پر نہیں کی جائے گی۔
- ⑧ سال مکمل ہونے کے بعد حساب اور کارکردگی کی رپورٹ شرکار میں تقسیم کی جائے گی۔

- ⑨ جماعت اور شرکار منافع اور نقصان میں اپنے حصص کے تناسب کے مطابق شریک ہوں گے اگر منافع ہوگا تو ادارہ اس منافع کو دیگر اضافی شیرز یا نقد کی صورت میں شرکار کو ادا کرے گا اور اگر نقصان ہوگا تو شرکار اس کو ادا کرنے کے ذمہ دار ہوں گے تاکہ سرمایہ کم نہ ہونے پائے۔
- ⑩ ایک مینیجر یا ناظم کاروبار ہوگا، جس کا تقرر امیر جماعت کریں گے۔ امیر جماعت کی رہنمائی میں مینیجر اس کاروبار کو چلائے گا۔ اس پر پورے کاروبار کی عملی ذمہ داریاں ہوں گی۔ وہ امیر جماعت کے مشورے سے اسٹاف کا تقرر کریگا۔
- ⑪ ایک خازن (CASHIER) ہوگا جس کا تقرر امیر جماعت کریں گے۔ اُس کے پاس جماعت کا سرمایہ بطور امانت رہے گا۔ امیر جماعت کی اجازت سے وہ اس کا لین دین کرے گا۔ ایک اکاؤنٹنٹ جس کو تنخواہ دی جائے گی وہ اس کے ماتحت کام کرے گا۔

(۱۲) جو افراد ادارے کا کام مستقل طور پر کریں گے ان کو تنخواہ، کمیشن یا اجرت دی جائے گی مگر اس بات کا خیال رکھا جائے گا کہ اخراجات آمدنی سے زیادہ نہ ہوں۔

## سرمایہ کی تقسیم

(۱) مندرجہ ذیل تقسیم کے مطابق چار لاکھ روپیہ ادارے کے قیام (ESTABLISHMENT) پر خرچ ہوں گے :

(۱) ایک بڑی دوکان خریدی جائے گی جس میں جلد سازی کا مکمل ساز و سامان فراہم کیا جائے گا، ضروری فرنیچر خریدا جائے گا۔ گتے، کاغذ اور کتاہیں رکھنے کے لئے مچان اور الماریاں بنوائی جائیں گی، استعمال کے لئے ضروری اسٹیشنری چھپوائی جائے گی۔ اس سلسلہ میں تقریباً ڈھائی لاکھ روپیہ صرف ہوں گے۔

(۲) پچاس ہزار روپیہ اسٹیشنری بنانے کے کاروبار میں لگائے جائیں گے۔ مثلاً مختلف قسم کی کاپیاں، رجسٹر، فائلیں، جرنل، ڈائریاں وغیرہ ہمارے کارخانے میں تیار کرائی جائیں گی جنکے سرورق پر ادارے کا نام، آیات و احادیث کے چارٹ، جماعت کی دعوت کے نکات وغیرہ چھپوائے جائیں گے۔ ان کا معیار اعلیٰ اور قیمت مناسب ہوگی۔ اس کے علاوہ کچھ اسٹیشنری کی خرید و فروخت بھی کی جائے گی یہ کام اس لئے کیا جائے گا کہ ادارے کو مستقل طور پر کام فراہم ہوتا رہے، اخراجات پورے ہوتے رہیں اور منافع بھی ہو۔ معیار اعلیٰ اور دام مناسب ہونے سے فروخت کی مقدار میں اضافہ ہوتا جائے گا اور ہماری دعوت بھی اس ہی رفتار سے پھیلتی جائے گی۔

(۳) ایک پرنٹنگ مشین جس کا نام روٹا (یا آفسیٹ) ہے اور جس کی قیمت تقریباً ڈیڑھ لاکھ روپیہ ہوتی ہے خریدی جائے گی۔ اس مشین کو آسانی سے



کوئی بھی چلا سکتا ہے۔ اس مشین پر طبع ہونے والی ہر صفحات کی ایک کتاب (مثلاً ”التحقیق فی جواب الثقلید“) کے ایک ہزار نسخوں کی لاگت بشمول تمام اخراجات (از کتابت تا جلد سازی) ہمارے معیار کے مطابق تقریباً چار ہزار روپیہ آئے گی۔ جب وہ کتاب دوبارہ چھپے گی تو اس کی لاگت تقریباً دو ہزار روپیہ آئے گی۔ کام اتنی تیز رفتاری سے ہوگا کہ اس کتاب کی ایک ہزار جلدیں دو چار دن میں تیار ہو جایا کریں گی۔ اس چھاپے خانہ میں جماعت کا بھی سب کام ہوگا اور باہر سے بھی کام لیا جائے گا بشرطیکہ اس کام میں اسلام کے خلاف کوئی بات نہ ہو۔

(۴) بقیہ چھ لاکھ روپیہ کتابوں کی طباعت وغیرہ پر صرف ہوگا۔

ہمارا کام اور ہمارے مقاصد | اب ہم اصل مقصد کی طرف آتے ہیں۔ ہماری کتابیں باطل کے مقابلہ میں ہماری تلواریں ہوں گی اور قرآن مجید و حدیث نبوی کے دلائل کاری وار ہوں گے، جہاد مشروع ہوگا، حق سلمنے آئے گا اور باطل بھاگ جائے گا۔ ہمیں امید ہے کہ اللہ تعالیٰ یقیناً ہماری مدد کرے گا۔ ہمارا جہاد عقائد فاسدہ اور نظریات باطلہ کے خلاف ہوگا اور ہمارا مقصد ترویج اسلام ہوگا۔

اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ ہمارے پاس ہماری جماعت کا تیار کردہ کافی لٹریچر موجود ہے جس کا مطالعہ کرنے کے بعد ہم کو مسلم بننے کی توفیق ملی۔ اب ہم سب خلوص دل کے ساتھ یہ چاہتے ہیں کہ ہمارے ملک کے تمام افراد بلکہ پوری دنیا کے لوگ مسلم بن جائیں لیکن مسئلہ یہ درپیش ہے کہ ہمارا لٹریچر جو ہماری دعوت اور تبلیغ کا اصل ذریعہ ہے بہت سُست رفتاری سے پھیل رہا ہے۔ ہماری دعوت ایسے افراد تک بھی نہیں پہنچ رہی جو تلاش حق میں سرگرداں ہیں۔ ہماری جماعت کے تقریباً ہر رکن اور ہر کارکن میں تبلیغ کی تربیت ہے اور وہ سوچتا رہتا

ہے کہ ہماری دعوت لوگوں تک کیسے پہنچے لیکن وسائل نہ ہونے کی وجہ سے وہ مجبور نظر آتا ہے۔

اس سلسلہ میں لوگوں کو اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت کی اہمیت بتانے کی ضرورت نہیں۔ اس کی اہمیت کو تو تسلیم کرتے ہیں۔ زیادہ ضرورت اس بات کی ہے کہ جن عقائد فاسدہ اور نظریات باطلہ کو کم علمی کی بناء پر لوگ عین اسلام سمجھتے ہیں یا اسلام سمجھ کر مانتے اور عمل کرتے ہیں حالانکہ وہ اسلام نہیں ہوتے اُن کی حقیقت کو آشکارا کیا جائے۔

افسوس کہ قرآن مجید کی آیات کو فروخت کرنے والے، حق بات کو چھپانے والے اور حق کو باطل کے ساتھ ملانے والے علماء نے نظریات باطلہ کو اسلام ہی کے نام پر لوگوں کو سکھایا ہے اور ایسے عقائد جو اسلام نہیں اُن پر اسلام کا لیبل لگا دیے لہذا زیادہ ضرورت اس بات کے بتانے کی ہے کہ کن کن عقائد فاسدہ اور نظریات باطلہ پر علماء رسول نے اسلام کا لیبل لگا دیا ہے۔

اسلام سے کون انکار کرتا ہے۔ اسلام کا سب سے پہلا کلمہ ”لا“ ایک منفی کلمہ ہے یعنی اسلام لفظ ”نہیں“ سے شروع ہوتا ہے اس لئے سب سے پہلے ان منفیات پر وار کرنے کی ضرورت ہے۔ جب ان منفیات کا گرد و غبار مٹ جائے گا تو راستہ خود بخود صاف نظر آئے گا۔ ہم کو ڈرنے کی ضرورت نہیں لوگ ہمارے دلائل کا جواب نہیں دے سکتے، ہم سے مرعوب ہو جاتے ہیں، ہم کو دفاع کرنے کی ضرورت نہیں بلکہ حملہ کرنے اور ایسے مورچے بنانے کی ضرورت ہے جہاں سے تمام فاسد عقائد اور نظریات پر دلائل کی گولیاں برسائی جائیں۔

ہمارا یہ ادارہ ہمارا مورچہ ہوگا جو اپنی پوری قوت اور وسائل اور ارکان کے جذبہ ایمانی اور ان کے ملل اور اوقات کی قربانی کے ساتھ جہاد کرے گا۔



جہاد ہر مسلم پر فرض ہے لہذا ہر مسلم کو ہر لحاظ سے اس ادارہ کو قوت پہنچانی ہوگی۔  
اب ہم چند ایسے موضوعات کی نشاندہی کرتے ہیں جن کے سلسلہ میں ہمارا  
ادارہ پوری قوت کے ساتھ حق کو واضح گف کرے گا۔

(۱) قرآن مجید کی آیات اور احادیث جن کو علماء چھپاتے ہیں۔ (۲) عقائد  
اور ان کی حقیقت۔ (۳) تقلید (۴) کیا مسالک اور مکاتب فکر کے بغیر  
اسلام نامکمل ہے؟ (۵) فرقہ پرستی شرک ہے۔ (۶) اللہ تعالیٰ اور اس کے  
رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام میں دوسروں کے احکام کی شرکت۔  
(۷) کیا کسی شخص کی زندگی اس کو یا کسی اور کو فائدہ پہنچا سکتی ہے؟ (۸)  
تقدیر کا حیلہ (۹) شفاعت پر پورا بھروسہ (۱۰) نئے بت : وطن پرستی،  
صوبہ پرستی، قوم پرستی، ملک پرستی (۱۱) طلاق بدعت (۱۲) اللہ تعالیٰ کے  
ساتھ شرک (۱۳) احادیث اور ان کی ملحدانہ تاویل۔ وغیرہ وغیرہ۔ ان کے  
علاوہ جماعت نے ابھی تک جو کتابیں شائع کی ہیں ان میں سے پچاس سے  
زیادہ عنوانات پر چھوٹی چھوٹی کتابیں مرتب ہو سکتی ہیں۔

ہمارے ملک میں اسلامی کتابیں شائع کرنے والے ہزاروں ادارے ہیں۔  
ان کی طرح ہم بھی بہت سی کتابیں جو خالص اسلامی نقطہ نظر سے تیار کی گئی ہوں  
شائع کر سکتے ہیں۔ یہ کتابیں اسکولوں اور کالجوں کی لائبریریوں میں فروخت کی جا  
سکتی ہیں اور عوام الناس میں بھی فروخت ہو سکتی ہیں۔ اس کے علاوہ جماعت کی  
مطبوعہ کتابوں کی ایک ایسی فہرست تیار کی جاسکتی ہے جس میں ہر کتاب کا جامع  
تعارف پیش کیا گیا ہو اس فہرست کو پڑھ کر لوگوں میں ان کتابوں کا مطالعہ کرنے  
کی رغبت پیدا ہوگی۔ یہ فہرست طلباء، علماء، اساتذہ، کتب فروشوں اور  
لائبریریوں میں مفت تقسیم کی جاسکتی ہے۔ ہر کتاب کے آخر میں قارئین سے  
یہ گزارش کی جائے گی کہ اس کتاب کے مطالعہ سے آپ کے ذہن میں کوئی شک و

شبه ابھرا ہو تو آپ ہمارے ادارے کو سوال لکھ کر بھیج سکتے ہیں۔ اس کا جواب ہمارے کتابچہ ”المسلم“ میں دیا جائے گا۔ اس طرح ہمارے رسالہ کی اشاعت بڑھے گی۔

اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ ہماری جماعت میں ایسے ارکان بھی موجود ہیں اور جماعت کا ایسا لڑیچہ بھی موجود ہے جن کے ذریعے ہم مطلوبہ لڑیچہ تیار کر سکتے ہیں۔ بس اللہ تعالیٰ کا نام لے کر کوشش کرنے کی ضرورت ہے۔ جو صحابہ کرام مکہ میں اونٹ اور بکریاں چرایا کرتے تھے مدینہ میں آکر سپہ سالار اور حکمران کیسے بن گئے؟ ان میں یہ صلاحیتیں کہاں سے آگئیں؟ تفصیل کی ضرورت نہیں بس جو اللہ کے دین کی مدد کرتا ہے اللہ یقیناً اس کی مدد کرتا ہے۔

اصحاب صفہ غریب افراد کی جماعت کا نام نہیں تھا صفہ ایک یونیورسٹی تھی جہاں سے تعلیم پا کر نکلنے والے اعلیٰ درجے کے علماء اور مبلغ اسلام ہوتے تھے۔ یہ صرف اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کا نتیجہ تھا، ہمیں ان کے نقش قدم پر چلنا چاہیے۔

کوئی وجہ نہیں کہ ہمارے ارکان کام کریں اور اللہ ان کی مدد نہ کرے۔ المختصر لکھنے کو ابھی بہت کچھ باقی ہے اس دور میں اور اس ملک میں ہم تقریر، تحریر اور دلائل کے علاوہ اور کس چیز سے جہاد کر سکتے ہیں؟

## طریق کار :-

ہمارے ملک میں ایسے ہزاروں ادارے ہیں جو اسلامی کتب کی اشاعت کرتے ہیں اور ان کی خرید و فروخت بھی کرتے ہیں۔ چند اداروں کے نام یہ ہیں۔ تاج کمپنی لمیٹڈ۔ فیروز سنز لمیٹڈ۔ شیخ غلام علی اینڈ سنز۔ اسلامک پبلیکیشن قرآن محل لمیٹڈ وغیرہ۔



یہ ادارے کتابوں کی اشاعت بھی کرتے ہیں اور دیگر اداروں کی کتابیں بھی خریدتے ہیں اور ان کو اپنی کتابیں بھی فروخت کرتے ہیں اس کے علاوہ اسٹیشنری بھی پٹاتے ہیں اور اسٹیشنری کی خرید و فروخت بھی کرتے ہیں۔ ان کے جلد سازی کے اپنے کارخانے ہیں۔

یہ ادارے ملک کے کتب خانوں اور کاروباری اداروں میں اپنی فہرست بھیجتے ہیں، ان سے خط و کتابت کرتے ہیں اور ذاتی طور پر بھی ان سے رابطہ رکھتے ہیں۔ یہ ادارے درسی کتابیں بھی چھاپتے ہیں اور ان کی خرید و فروخت کرتے ہیں۔ ملک میں سینکڑوں اسکول اور کالج ہیں جن میں لائبریری کے لئے کتابیں خریدنے کے لئے مقررہ بجٹ ہوتا ہے۔ یہ ادارے ان کو بھی اپنی فہرست کتب بھیجتے ہیں۔ اس کے علاوہ ملک میں چھوٹے چھوٹے دوکانداروں سے رابطہ اور اپنی کتابوں کی فروخت کے لئے سول ایجنٹ اور ڈسٹری بیوٹرز سے بھی اپنا کاروبار کرتے ہیں۔ ہر شہر میں کتابوں کی ایک ہول سیل مارکیٹ ہوتی ہے ان کی طرف یہ سب سے زیادہ توجہ دیتے ہیں۔ اس کے علاوہ ملک میں کتابوں کے میلے اور نمائش بھی لگتی رہتی ہیں ان سے بھی یہ ادارے فائدے اٹھاتے ہیں۔ اس کے علاوہ اپنی کتابوں کے اشتہار خود اپنی کتابوں میں اور دیگر اداروں کی کتابوں اور رسالوں اور اخباروں میں چھپوانے رہتے ہیں۔

الغرض اس طرح یہ ادارے اپنی اشاعت کو فروغ دیتے ہیں۔ ہم ان سب طریقوں کو اسلامی نقطہ نظر کی روشنی میں اختیار کریں گے۔

اس کے علاوہ ہم حکام، علماء، دانشوروں اور دیگر تبلیغی اور سیاسی اور سماجی اداروں سے بھی رابطہ قائم کریں گے۔

ہم دیگر ممالک میں بھی جہاں ہماری کتابوں کی کھپت ہو سکتی ہے توجہ دینگے اور وسائل اور ضرورت کے اعتبار سے دیگر زبانوں میں ترجمے بھی کروائیں گے۔

یہ مبالغہ نہیں اگر ہمارے پاس ایمان، عمل اور جذبہ قربانی ہو تو یہ سب کام ہو سکتے ہیں اور کروائے جاسکتے ہیں۔

الغرض جہاد کا اعلان کر دیا گیا ہے۔ اللہ کی راہ میں نکل آئیے اور اپنے اپنے مورچے سنبھال لیجئے۔



بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

## حرفِ آخر

اس منصوبہ کو پیش کرنے کے بعد جماعت المسلمین چند ناگزیر وجوہ کے سبب اس میں شریک نہ ہو سکی، پھر اس ناچیز کو اللہ تعالیٰ نے ہمت و استقامت عطاء فرمائی۔ ادارہ نے سب سے پہلے یعنی تقریباً پانچ سال قبل نو کتابیں شائع کیں۔ اس کے بعد اللہ کے ایک بندہ نے جو اس وقت تحقیق میں لگا ہوا تھا، اللہ تعالیٰ نے اس کو توفیق عطا فرمائی اور اس طرح ادارہ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے مستحکم ہوتا چلا گیا۔ بیشک جو اللہ کی مدد کرتا ہے، اللہ اس کی مدد ضرور کرتا ہے۔

الحمد للہ! ادارہ ابھی تک سو سے زیادہ کتابیں شائع کر چکا ہے اور ہر کتاب موجود ہے گویا ادارہ دن دوئی رات چوگنی ترقی کر رہا ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ کی منشاء نہ ہوتی تو ادارہ مستحکم نہ ہوتا اور اس کے ذریعہ جو تبلیغ اور اسلام کی اشاعت ہو رہی ہے وہ نہ ہوتی، گویا ادارہ کا قیام اور اس کا استحکام اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :-

لَيْسَ يَعْلَمَ أَهْلُ الْكِتَابِ إِلَّا يَقْدِرُونَ عَلَى شَيْءٍ مِّنْ فَضْلِ اللَّهِ وَأَنَّ الْفَضْلَ بِيَدِ اللَّهِ

يُؤْتِيهِ مَنْ يَشَاءُ، وَاللَّهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ ○

(الحديد - ۲۹)

(اس حقیقت کو اس لئے بیان کیا گیا ہے) تاکہ اہل کتاب (جاننے والے) جان لیں کہ وہ اللہ کے فضل پر کوئی قدرت نہیں رکھتے اور یہ کہ اللہ کا فضل تو اللہ ہی کے ہاتھ میں ہے، وہ جسے چاہتا ہے (اپنے فضل سے) نوازتا ہے اور اللہ بڑے فضل (وکریم) والا ہے۔

محمد صدیق مبین  
ناظم

ادارہ مطبوعات اسلامیہ  
یکم رمضان ۱۴۱۶ھ



# تاریخ الاسلام و المسلمین (مختصر)

اسلام کے خلاف بہت سی سازشیں برپا ہوئیں۔ ایک سازش یہ بھی تھی کہ اسلام کی تاریخ کو مسخ کر دیا گیا۔ خود ساختہ واقعات کو رنگ آمیزی اور نمک مرچ لگا کر اس طرح پیش کیا گیا کہ پڑھنے والے اپنے اکابر کے متعلق بدظنی کا شکار ہو گئے اور جھوٹ بیج میں تمیز کرنا مشکل ہو گیا۔ موجودہ زمانہ میں اسلام سے بیزار کرنے کے لئے یہ چال چلی گئی کہ ان فرضی واقعات کو تاریخی حقائق کے نام سے متعارف کرایا گیا۔ یہ سازش اتنی کارگر ہوئی کہ اکثر لوگوں کے ذہن مسموم ہو گئے اس سازش نے جو فتنے پیدا کئے وہ یہ ہیں :-

① انکارِ حدیث کے لئے فضا ساز گار ہو گئی ② جب حدیث پر سے اعتماد اٹھ گیا تو قرآن مجید کی من مانی تاویلیں کی جانے لگیں اور ③ خلافتِ راشدہ کو ملوکیت میں تبدیل کرنے کا ذمہ دار صحابہ کرام کو ٹھہرایا گیا۔

یہ وہ فتنے ہیں جو ہماری غلط تاریخ کی وجہ سے وجود میں آئے۔ پہلے دور کی غلط کتب تاریخ کی بنیاد پر دوسری کتب تاریخ وجود میں آئیں۔ علماء نے اپنی تقریروں اور تحریروں میں انہیں کتب تاریخ کے افسانوں کو مستند سمجھ کر پیش کیا حالانکہ ان کے باطل ہونے پر قرآنی آیات اور احادیث صحیحہ شاہد ہیں۔

قرآن مجید کے بعد صحیح بخاری اور صحیح مسلم کا جو درجہ ہے وہ کسی پر مخفی نہیں لیکن افسوس ہے کہ تاریخ کے سلسلے میں بھی علماء نے ان کتابوں سے بے اعتنائی کا ثبوت دیا اور تاریخ کے ان واقعات کو بھی صحیح تسلیم کر لیا جو ان صحیح ترین کتابوں سے متصادم تھے۔ ایسی حالت میں کیا ایک ایسی تاریخ کی ضرورت نہیں جو روایتاً اور درایتاً صحیح ہو؟ "تاریخ الاسلام و المسلمین" ایک مختصر تاریخ ہے، صرف قرآن مجید، صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی مستند احادیث سے ماخوذ ہے۔ یہ کتاب صرف تاریخ ہی نہیں بلکہ اسلام کے متعلق مفید معلومات کا ایک ذخیرہ ہے۔ اس میں توحید، رسالت، قیامت اور دیگر مسائل پر سیر حاصل مواد موجود ہے۔ مؤلف: مسعود احمد صاحب، امیر جماعت المسلمین